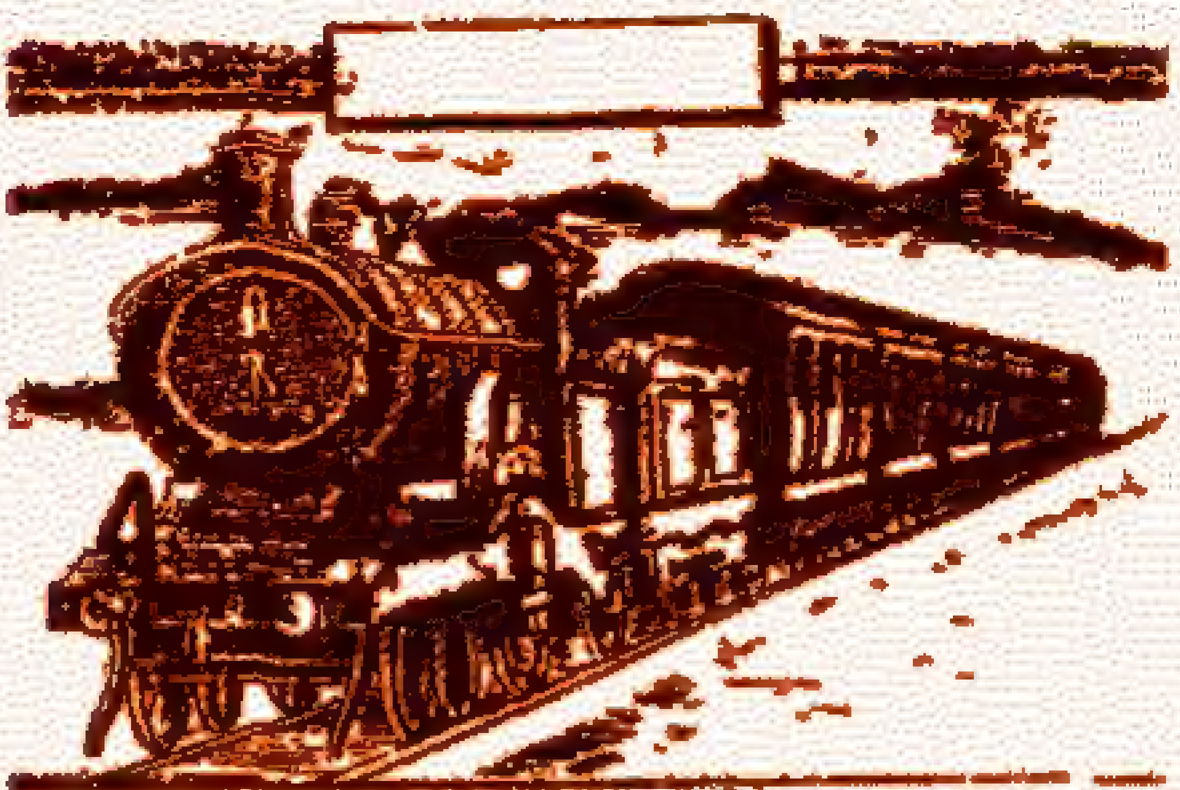

سفرنامہ یورپ

نوشتہ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

चित्रशाळा पुणे.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

جب میں نے سنہ ۱۹۰۰ء میں پیرس کی عالمگیر نمائش کا اور انگلستان و دیگر ممالک یورپ کے ساتھ ہی قسطنطنیہ۔ شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اپنے سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں چھپوا دیے۔ کہ جسے تمام ملک نے نہایت پسند کیا۔ یورپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رامپور فرمایا کہ سرسید احمد خان مرحوم کے سفر یورپ کے حالات کے بعد کبھی اسقدر دلچسپی سے ہم نے یورپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت نہیں پڑھی تھی۔ اسی طرح سینکڑوں دیگر احباب نے ان حالات کو پسند کر کے تقاضا شروع کیا۔ کہ انہیں بصورت کتاب چھاپ دیا جائے۔ اور میں نے وعدہ کر لیا کہ اپنا سفرنامہ بہت جلد کتاب کی صورت میں شائع کر دونگا۔

لیکن اُن خطوط کو جو پیسہ اخبار میں مختلف مقامات سے سفر کی صعوبتوں اور

پریشانیوں کے درمیان لکھے گئے تھے۔ جب بصورت کتاب چھپنے کے لئے میں نے پڑھا تو ان میں مجھے بہت سے نقص معلوم ہوئے۔ دوسری طرف یہ دیکھا کہ اپنی ڈائری میں میں نے بہت سے ایسے حالات اور مشاہدات فراہم کرکے قلمبند کئے ہیں کہ جن کا ان چٹھیوں میں ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ از سر نو کل حالات سفر کو سلسلہ وار لکھوں۔

لیکن افسوس ہے کہ روزانہ پیسہ اخبار کی ایڈیٹری اور دوسری بہت سی مصروفیتوں نے مجھے سفرنامہ کو جلدی مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ شائقین کے متواتر تقاضوں پر میں نے بار بار اسے لکھنے کی کوشش کی۔ کچھ حالات سنہ ۱۹۰۶ء میں لکھے تو باقی کچھ حالات سنہ ۱۹۰۷ء میں لکھے گئے۔ اور آخر سنہ ۱۹۰۷ء کے اخیر میں تحریر کا کام ختم ہوا۔ لیکن چھپائی سنہ ۱۹۰۸ء کے ستمبر سے پہلے ختم نہ ہو سکی اور اس طرح اس قدر عرصہ میں جو حالات سفر لکھے گئے ہیں ان میں ممکن ہے کئی نقص پیدا ہو گئے ہوں تاہم میں نے ان اوراق کے مفید اور دلچسپ بنانے میں جو کوشش کی ہے یقین ہے کہ وہ رائگاں نہیں جائیگی۔

ٹرکی کے حالات جو میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیقات سے قلمبند کئے ہیں ان میں اس عرصہ میں ایک نہایت غیر معمولی انقلاب واقع ہوا ہے یعنے کہ آخر جولائی سنہ ۱۹۰۸ء میں سلطان المعظم نے اپنی رعایا کو آئینی حکومت عطا کر دی ہے اس طرح سے جو بہت سی شکایات ینگ ٹرکش پارٹی اور اخبارات وغیرہ کو تھیں ان سب کا خاتمہ ہو گیا ہے اور سلطنت کے اکثر حالات یکسر بدل گئے ہیں تاہم جو حالات میں نے آئین حاصل ہونے سے پہلے سے قلمبند کئے ہیں وہ ایک نہایت معتبر تاریخ کا کام دیں گے۔ اسکے علاوہ ان اوراق میں ترکوں کی طرز معاشرت ان کے اخلاق و آداب علوم و فنون اور رسم و رواج کے متعلق اسقدر حالات درج کئے گئے ہیں۔ کہ کسی اردو کتاب میں آجتک موجود نہیں۔

ایک دوسرا نقص بعض مقامات میں یہ نظر آئیگا۔ کہ کسی جگہ اعداد و شمار

سنہ ۱۹۰۰ء کے اندر کہیں سنہ ۱۹۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۱ء کے درج کئے گئے ہیں - کیونکہ دیر تو ہوگئی تھی - میں نے کوشش کی کہ جہانتک ہوسکے اعداد اور حالات کی صحت آخر وقت تک ہوجائے -

مگر بعض اصحاب کی نظر میں شاید اس سفرنامہ کا سب سے بڑا نقص اسکی طوالت ہوگی - میں نے عمداً بعض حصوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے - مثلاً نمائش پیرس کی کیفیت - لیکن ایسی نمائش کہ جسمیں تمام یورپ اور امریکہ کی قابلیت اور صنعت وحرفت کا جوہر کشید کیا گیا ہو - اسکو مفصل بیان کرنے کی ترغیب کو میں روک نہیں سکا ہے

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

میرے سفرنامہ کی طرح اس نمائش پیرس میں بھی اگر کوئی نقص تھا تو وہ اسکی طوالت (عظمت) ہی تھی - چنانچہ ۵ - اگست سنہ ۱۹۰۰ء کے اخبار گرافک نے اس نمائش پیرس کی تعریف میں یہ فقرہ بھی لکھا تھا -

یہ نمائش گاہ درحقیقت نہایت عظیم الشان ہوگی - ایسی عظیم الشان کہ اسکے حجم اور شان وشوکت میں کسی سابقہ نمائش کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہوسکتی - اسکا نقص اگر نقص اسے کہہ سکتے ہیں تو اسکی غیر معمولی عظمت ہی ہوسکتا ہے - کیونکہ اسمیں بیحد متنوع نمائشیں ہیں - جو بہت وسیع حلقہ میں محدود ہیں - یہ درحقیقت بہت بڑی - اور بہت ہی وسیع ہے - یہانتک کہ اسکا پورے طور پر مطالعہ کرسکنا ناممکن ہے - مگر عظیم الشان پبلک اسکی عظمت کو اسکا نقص نہیں قرار دیگی - البتہ جو شائقین علمی اور ٹکنیکل نظر سے اسکا مطالعہ کرنا چاہینگے ان کا کام نہایت ہی مشکل ہوگا "

ان صفحوں میں میں نے جستہ جستہ بہت سی جگہ اس نمائش کے متعلق [illegible]

اور عجائبات کے بیان کرنے میں وقف کردی ہے وہ قابل معافی ہے۔

لنڈن کے حالات اور قابل دید مقامات کی کیفیت بھی میں نے زیادہ وضاحت سے لکھدی ہے۔ کیا لنڈن سے ہمارے تعلقات کی اہمیت اور کیا اس دنیا کے سب سے بڑے شہر کے عجائبات دونوں اس قابل ہیں کہ وہاں کے حالات نہایت شوق اور توجہ سے پڑھے جائیں۔

بہر حال اس اطناب کا سب سے بڑا عذر یہ ہو سکتا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ جن جن مقامات اور ممالک کو میں نے دیکھا ہے وہاں کے اسقدر حالات ناظرین کو ذہن نشین ہو جائیں۔ کہ اگر وہ خود بھی انہیں مقامات کو جاکر دیکھیں تو قلیل مدت میں بہت زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی انہیں اس سے زیادہ دلچسپ اور پر لطف حالات نہ معلوم ہو سکیں۔ کسی قوم کی زندگی یا ملک کے حالات کے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو کئی مصنف حقیر سمجھکر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر میں نے مختلف ممالک کے چال ڈھال۔ عادات خصوصیات اور قابل دید مقامات و تہذیب و ترقی بیان کرکے ایسی حالت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو عالم خیال میں انہیں مقامات میں پاسکے اور اسے ایسا لطف حاصل ہو کہ گویا وہ بھی میرے ساتھ نمائش پیرس یا برٹش میوزیم سے گذر رہا ہے۔ قسطنطنیہ کے مسقف بازار یا گل غلطہ کی سیر کر رہا ہے۔ جامع اموریہ دمشق یا جامع ازہر مصر میں کھڑا ہے۔ یا اہرام مصری کے سامنے عالم ... ۔ اسلئے یہ طول کلام بجائے کدورت طبع

... ت ہوگا ؎

... م مست کر لو۔

... سے خو گر تھا۔

... سے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے

... سے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔

... میں

... ب و ادب

بلکہ میں اہل علم اور متوسط درجہ کے لوگوں اور غریبوں سے ملکر اُن کے حالات دریافت کرتا اور ان کے طریق زندگی کو دیکھتا رہا ہوں۔ چنانچہ ان اوراق کی ترتیب میں بھی مجھے زیادہ تر یہی بات مدنظر رہی ہے۔ کہ صرف ایسی باتیں قلمبند کیجائیں کہ جن سے اہل ملک فائدہ اٹھائیں۔

غرض میرے اس عظیم سفر سے جو لطف مجھے حاصل ہوا۔ اور جو اضافہ میری معلومات میں ہوا اس میں سے بلا کم وکاست اسمیں اپنے ہموطنوں کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک انگریز مصنف جیمس بیکر اپنے سفرنامہ ترکی ان یوروپ کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ کہ:-

> "کوئی علم یا واقفیت جو ایک سیاح اپنی سیاحت کے دوران میں حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے تو اسکی حیثیت محض ایک خودغرضانہ لطف یا عیش ہے۔ اور میری رائے میں سیاح کا یہ ایک پبلک فرض ہے۔ کہ اپنی بہترین لیاقت کیمطابق اُن ممالک اور اقوام کے حالات کہ خود اُسنے معلوم کئے ہیں پبلک کی نذر کر دے۔"

اخیر میں میں صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفرنامہ کا اتنی دیر کے بعد چھپنے سے مجھ سے زیادہ کسی کو افسوس نہیں ہو سکتا۔ گو بہت سے ناظرین پیسہ اخبار نے ان متعدد سالوں میں کئی مرتبہ اس توقف کا مجھ سے افسوس ظاہر کیا ہے۔ اور سفرنامہ کے طلب میں اُن کے اشتیاق بھرے خطوط سے بارہا مایوسی کی شکل نظر آتی رہی ہے۔ تاہم اسوقت دیر آید درست آید کے مشہور مقولہ کے لفظی معنوں سے میں کچھ اطمینان حاصل کر کے ان اوراق کو ہندوستان کی عظیم الشان پبلک کے پیش کرتا ہوں کہ جس لائق یہ ہیں۔ ان سے ویسا سلوک کرے۔

میری ذاتی رائے اس توقف کے متعلق یہ ہے۔ کہ اس سے اصل کتاب

کے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ بجائے نقصان کے کچھ نفع ہی ہوا ہے ۔کیونکہ زمانہ نے میرے راؤں اور خیالات کی اکثر باتوں میں تائید کی ہے۔ اور تجربہ نے مجھے یقین دلادیا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے کسی مقام پر دیکھا تھا یا جن لوگوں سے بلکہ میں نے اطلاع حاصل کی تھی۔ وہ اکثر قابل توجہ اور قابل اعتبار تھی۔ جیساکہ آپ کو ان اوراق کے مطالعہ سے خود ثابت ہوجائیگا۔

دفتر پیسہ اخبار
لاہور۔۱۴ستمبر ۱۹۰۸ء

محبوب عالم

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۱	ارادہ سفر۔	۳۱۲	نمائش کا چھٹا حصہ۔
۸	منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یورپ۔	۳۵۵	ضمیمۂ نمائش۔
۱۹	لاہور سے روانگی۔	۳۸۵	شہر پیرس کے حالات۔
۳۳	جہاز کی سواری۔	۴۳۴	ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں۔
۴۵	جہازی زندگی اور عدن اور پورٹ سعید	۴۴۹	لنڈن۔
۶۶	یورپ کے پہلے شہر ٹریسٹ اور وینس	۵۷۳	لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک۔
۸۵	ویانا پایۂ تخت آسٹریا۔	۶۰۲	قسطنطنیہ
۱۰۸	برلن پایۂ تخت جرمنی۔	۶۷۰	مساجد، تربے اور قبرستان
۱۶۲	بلجیم وغیرہ۔	۶۸۷	مقامات قابل دید و قابل سیر
۱۸۵	سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس۔	۷۰۰	تعلیم قدیم وجدید اعلیٰ مکاتب اور تعلیم نسواں
۲۱۱	نمائش کا پہلا حصہ۔	۷۲۳	تعلیم نسواں
۲۲۱	نمائش کا دوسرا حصہ۔	۷۳۱	اخبارات۔ رسالے۔ مطابع۔ کتابیں۔ زندہ مصنف اور کتب خانے۔
۲۳۷	نمائش کا تیسرا حصہ۔		
۲۵۹	نمائش کا چوتھا حصہ۔		
۲۶۵	نمائش کا پانچواں حصہ۔		

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۷۳۸	ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور اُن کی رائیں	۸۳۸	تماثیل استانبول وغیرہ
۷۶۸	آمد و رفت کے ذریعے اور وسائل	۸۴۴	قسطنطنیہ سے بیروت تک
۷۷۸	اسلامی حکومت کی شان اور اسلامی تعلیم	۸۶۳	بیروت و دمشق
۷۸۶	تبادلۂ سکّہ۔ تجارت اور دستکاریاں، زراعت و بازاری	۸۶۹	دمشق
		۹۰۶	مصر
۷۹۴	جنگی حالت۔ جہاز سازی توپ سازی، کارخانہ اور سلطنت کے دیگر اعلیٰ محکمہ جات	۹۲۳	مصر کے پالیٹکس
		۹۲۸	قن[illegible]
۸۱۳	تحفے، شفاخانے، چشمے، سبیلیں، حمام اور خان	۹۳۷	مصر میں آثار قدیم
		۹۵۷	مصر کے مطابع، اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات
۸۱۵	سلطان عبد الحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات	۹۶۳	اہلِ مصر کے اطوار و رسم و رواج
		۹۶۷	مراجعت وطن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارادۂ سفر

تا کہ در بند خانہ درگروی
ہرگز اے خام آدمی نشوی

میں مدت سے اس بات کا قائل ہوں کہ ہندوستان کی بہتری اور ترقی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہندوستانی سیاحت یا تجارت یا دیگر وسائل کسب معاش یا حصول تعلیم و تجربہ کے لئے ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کے دیگر ممالک کا سفر کریں خصوصاً دنیا کے ان مہذب حصوں کا کہ جہاں کی قومیں علوم و فنون میں ہم سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں تا کہ وہاں سے کچھ دیکھ کر اور سیکھ کر آئیں اور اپنے ہموطنوں کو اپنے تجربات سے مستفید کریں۔

شائستگی اور سفر

دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی ترقی کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے سفر بلاد بعیدہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے۔ جو فوائد کہ صرف انہیں کی ذات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی ان سے معتد بہ فائدہ پہنچا۔ اور جو قومیں کہ باوجود معراج ترقی پر پہنچنے کے سفر و سیاحت کو ترک کر کے اپنے وطن کی چار دیواری میں عزلت نشین ہو گئیں انہوں نے نہ صرف اپنی عظمت اور شوکت کو ہی کھو دیا بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی بڑا نقصان پہنچایا۔ اولوالعزم قومیں تمام دنیا کو اپنا گھر سمجھتی ہیں۔ گو وطن کو بھی فراموش نہیں کرتیں۔ اگر اہل عرب حجاز اور تہامہ کے ریگستانوں کو چھوڑ کر ایک طرف گنگا اور دوسری طرف گواڈل کیور کے ساحلوں تک نہ پھیل جاتے تو وہ عزت

اور شوکت اُن کی قوم کو کب حاصل ہوئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اگر اہل انگلستان گھروں سے باہر نہ نکلتے تو نہ امریکہ اور آسٹریلیا آج آباد ہوتا اور نہ ہندوستان پر انگریزی حکومت کا سایہ ہوتا۔

سفر کی صعوبتیں کم ہو گئی ہیں۔

مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ اگر مسلمان یوروپ میں پہنچ کر اہل یوروپ کو بیدار نہ کرتے اور یوروپ کے عیسائی صلیبی جنگوں کے لئے بار بار اٹھ کر ملک شام کو نہ آتے تو آج یوروپ کو کبھی وہ شائستگی اور ترقی حاصل نہ ہوتی کہ جس پر وہ اب نازاں ہے۔ اگر روئے زمین کے مسلمان حج کعبہ پوری سرگرمی سے ادا کرتے رہتے کہ جیسا کہ ان کے اسلاف قرون اولیٰ میں کیا کرتے تھے تو اُن کی حالت موجودہ بہتر ہوتی۔ بحالیکہ قدیم زمانہ میں جبکہ ریلیں اور اگبوٹ اور برقی گاڑیاں اور تار برقی ایجاد نہیں ہوئی تھیں اولوالعزم لوگ اُن زمانوں میں بھی بحر و بر کو اُسی مستعدی اور عزم کے ساتھ طے کیا کرتے تھے جیسے کہ آج کرتے ہیں۔ آج قرون ماضیہ کے والاہمت کے اخلاف نے اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلنا فراموش کر دیا ہے بحالیکہ دیگر اقوام اُن کی پیروی کر کے اولوالعزم کہلانے لگی ہیں۔ جس گروہ نے سیروا فی الارض کے مستحکم بالشان ارشاد کو فراموش کر دیا ہے وہ ذلت خمول کے گوشہ میں جا پڑی ہے۔ لیکن ایک دوسری ہمسایہ قوم تہ دل سے اس فرمان کی عزت اور توقیر کرتی ہے اور اُس کی تعمیل کو بنا دستور العمل سمجھتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اُسے وہ عزت اور رتبہ حاصل نہ ہو کہ جو اُس کے طریق عمل کا صلہ ہے۔ ہندوؤں نے اگر سمندر کے سفر کو گناہ سمجھ لیا یا چینیوں نے غیر قوموں سے ربط ضبط چھوڑ دیا تو اپنی شائستگی و عزت کو کیسا صدمہ پہنچایا۔

اہل یوروپ و امریکہ کا تفریحی سفر

ہمارے زمانہ میں اہل یوروپ و امریکہ قطع نظر حصول معاش اور تفریح کے تجربات کے بڑھانے اور مناظر قدرت کی سیر کے لئے اس کثرت سے سفر اختیار کرتے ہیں کہ اُن لوگوں میں

دور دراز اقطاع عالم کی سیاحت پختہ مغزی کا ایک معیار قرار پا گئی ہے۔
وہ اس مشہور قول ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ۔ کی عملاً تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے عموماً صاحب استطاعت لوگ اپنے بچوں کو عام اس سے کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے براعظم یا دوسرے براعظموں میں سفر کرنے کا موقع دیتے ہیں جس سے اُن کے خیالات وسیع اور معلومات وافر ہو جاتی ہیں ۔ یہ اُن لوگوں کی عام عورتوں اور مردوں کا حال ہے ۔ ورنہ اُن کے خاص خاص محقق لوگ تو وسط افریقہ کے لق و دق میدانوں ۔ تبت کے ہولناک کوہستانوں اور قطب شمالی کے جانستاں برفستانوں پر سرگرم تحقیقات و تلاش ہیں ۔ ہر چند کہ قطب شمالی کی تحقیقات میں آجتک سینکڑوں جوانمرد قربان ہو چکے ہیں ۔ لیکن یہ اپنی دھن کے ایسے پکے ہیں کہ ہر جانے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا ؎

گرچہ راہے است پُر از بیم زما تا دوست
رفتن آسان بود ار واقف منزل باشی

ریل اور جہاز کا سفر فی الواقعہ بڑی آسایش اور تفریح کا سفر ہے ۔ کہ جس کی بدولت آج یوروپ اور امریکہ کی دوشیزہ مسیس کرۂ ارض کے گرد گھوم کر چند ماہ میں اپنے گھروں میں سلامت جا پہنچتی ہیں ۔ اور دلچسپ سفرنامے لکھ کر شائع کر رہی ہیں ۔ غرض آج سالوں اور مہینوں کے راستے دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ شوق راہبر ہو ۔ روپیہ ہر چند کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم ہے ۔ اور سفر روپیہ کے سوا ہو نہیں سکتا ۔ تاہم اگر دل میں شوق ہو تو آج یا کل یا پرسوں تھوڑے سے بہت روپے کا ضرور انتظام ہو ہی جائیگا ۔

یوروپ کا سوم درجہ کا کرایہ	اگر اول درجہ میں سفر کرنے کی توفیق نہیں تو دوم درجہ میں کر لو ۔ اگر دوم میں نہیں سوم میں کر لو ۔ جہازوں میں درجہ

سوم اس قدر سستا ہے کہ ہندوستان سے یورپ تک ڈیڑھ سو روپے میں جا سکتے ہیں۔ روپیہ کے سوائے دوسری مشکل ہم لوگوں کو یہ پیش آتی ہے کہ دُنیا کے دھندوں سے کسی وقت فرصت ہی نہیں ملتی۔ بچپن میں جو جوا محنت مزدوری یا نوکری یا علائق خانہ داری کا میاں کے کندھوں پر رکھا گیا تھا اب سوائے موت کے کبھی تھوڑی مدت کے لئے بھی نہیں اترے گا۔ اہل یورپ میں اور ہم لوگوں میں ایک یہ بھی بہت بڑا فرق ہے کہ ان کے یہاں کام کے وقت جان توڑ کر اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ اور فراغت کے وقت جو کام کے بعد ہونا ضروری ہے تفریح میں بھی اسی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں کہ گویا یہ بھی ایک کام ہے کہ جسے مستعدی سے ختم کرنا ضروری ہے ٭

محنت اور تفریح
پہلو بہ پہلو

کام کے زمانوں کے بعد اس باقاعدگی سے ان کے ہاں تعطیلات کا زمانہ آتا ہے کہ سب لوگ جو کچھ بھی حیثیت رکھتے ہیں تفریح اور آرام کے لئے اپنے ملک یا دیگر ممالک کے تفریح اور سیر کے مقامات کو چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام یورپ میں سینکڑوں شہروں مثل ریوا اور نائس وغیرہ کی زندگی کا مدار مختلف موسموں میں وہاں کے سیاحوں کے جانے پر رہ گیا ہے۔ اگر ایک سال کسی جنگ یا وبا کی وجہ سے مسافر ان مقامات میں نہ جائیں تو وہاں کے ہوٹلوں والے اور دوکاندار مفلس قلاش ہو جائیں۔ اب جس قدر ریل اور جہاز کے سفر میں سہولتیں بڑھتی جاتی ہیں ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظموں میں محض تفریح اور صحت کی تلاش میں کثرت سے جانے لگے ہیں۔ امریکہ کے لاکھوں سیاح ہر سال صرف لنڈن پیرس اور دیگر بلاد یورپ کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں لاکھوں اہل یورپ اور امریکہ محض تفریح اور معلومات حاصل کرنے کی غرض سے موسم سرما مصر میں سیر کرتے ہیں لیکن کسی خاص شہر یا ملک تک ان کی سیاحت محدود نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ خدا کے بندے ہر وقت

فرصت بسر کرنے اور معلومات سمیٹنے کے لئے نہیں جا پہنچتے۔

ہندوستانی یورپ نے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

ہمارے اور اہلِ یوروپ کے حالات میں بعد المشرقین ہے۔ اگر ان میں سے بہت لوگ تفریح کے لئے سفر کرتے ہیں تو ہمارے یہاں نہ اس کام کی فرصت ہے اور نہ گنجایش ہے۔ لیکن وہ یوروپ جس کی شایستگی اور علوم و فنون کی روشنی کا پرتو آج تمام عالم پر پڑ رہا ہے۔ وہ یوروپ کہ جہاں کی دانشمند اور زبردست قومیں باقی ساری دُنیا پر حکومت کر رہی ہیں۔ وہ یوروپ کہ جہاں کی دستکاریاں اور ایجادوں نے ایک عالم کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اِس مُردہ دلوں کی دیار میں بھی لاکھوں اپنے حُسن دلفریب کے فریفتہ عاشق رکھتا ہے۔ اور ہندوستانی باوجود اپنی نادار ی کے اگرچہ کی محبت کا دم بھرتی تو تاز یبا نہیں اُن ملکوں کی آب وہوا علوم و فنون کے ذرات سے مرکب ہے۔ اہلِ ہند کے لئے اُن ممالک میں لاکھوں سبق کوچہ و برزن میں ملتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی ہندوستانی کو سیاحت یوروپ کا شوق دامنگیر ہو تو یہ ایک معمولی بات ہے۔

مَیں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں جن کا خیال ہے کہ سیاحت یوروپ میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں کہ جو میرے ہموطنوں کی ذہنی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھے بارہا وہاں کے عجیب و غریب اخبارات کے دفاتر۔ وہاں کے عظیم الشان صنعت و حرفت کے کارخانے اور مدرسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا رہ رہ کر شوق ہوتا تھا۔ مَیں اُن لوگوں کے کام کرنے اور رہنے سہنے کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن دُنیا کے بکھیڑوں سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ خصوصاً روزانہ پیسہ اخبار کی خدمت کے لئے مجھے اس قدر سخت محنت کرنی پڑی کہ جس کا میری صحت پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اس لئے بھی میں کچھ

نمائش پیرس کی ترغیب

دونوں کے لئے کاروبار سے علحدہ ہونا چاہتا تھا۔ کہ ۱۹۰۰ء کی مشہور نمائش گاہ عالم منعقدہ پیرس کا زمانہ قریب آگیا۔ اخبارات میں دیکھا گیا تھا کہ آجتک اتنی بڑی اور ایسی جامع نمائش دنیا میں کہیں نہیں ہوئی۔ مَیں نے سمجھا کہ اس سے بہتر موقع یوروپ کے دیکھنے کا ہاتھ نہیں آئیگا۔ کیونکہ نمائش گاہ پیرس بجائے خود ایک چھوٹا سا یوروپ نہیں بلکہ ہفت اقلیم کا خلاصہ ہوگی چنانچہ میں نے بسم اللہ کہہ کر سفر کا ارادہ مستقل کرلیا۔ اور پیسہ اخبار میں اپنے ارادہ کا اعلان کرکے اپنے دوستوں سے رخصت حاصل کی ✦

اس عرصہ میں مَیں نے ایک طرف اپنے کاروبار کو جہانتک کہ میری ذات سے متعلق تھے۔ سمیٹنا شروع کیا۔ اور دوسری طرف مسرز ٹامس کک اینڈ سنز کے بمبئی کے کارخانہ سے جہاز کا انتظام کیا۔ اور سوا تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ کا پیشگی اس کارخانہ کو بھیجدیا۔ کیونکہ جب تک کل یا جزو رقم پیشگی نہ بھیجی جاوے جہاز میں جگہ خالی نہیں رہ سکتی۔ میرا خیال تھا کہ جہاز کا کرایہ پیشگی لینے اور روانگی کی تاریخ معین کرنے کے بعد

آخری رکاوٹیں

میرے سفر کے راستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ لیکن تجربے نے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کیا۔ کیونکہ میری والدہ مکرمہ اور بیوی۔ بچوں اور دوسرے عزیزوں نے اب تقاضا شروع کیا کہ جس طرح ہوسکے میں اپنا ارادہ بدل دوں۔ میرے ایک بزرگ دوست نے جو بڑے روشنضمیر اور برگزیدہ بشر ہیں اور مجھ سے دلی محبت رکھتے ہیں نہ صرف ایک لمبے چوڑے اور مدلل خط میں مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ترغیب دی بلکہ جو تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ میں بھیجا جاچکا تھا وہ بھی اپنی گرہ سے دینا چاہا تاکہ میں اپنا ارادہ ترک کردوں۔ اس لئے جہاز کی روانگی کی تاریخ تک کا زمانہ میرے لئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ میرے ایسے ایک کثیر العیال اور کثیر الاشتغال شخص کو ایک اتنے طول طویل سفر پر

جانے سے پہلے بہت سی تیاری کرنی پڑی - کارخانہ کے متعلق سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کاموں کی نسبت اپنے چھوٹے بھائی میاں محمد عبد العزیز کے پاس ہدایات چھوڑنے - اور عیال و اطفال کے کاموں کو سلجھانے اور انہیں اطمینان دینے میں آخر یہ دن ختم ہو گئے - اس دوران میں مجھے بارہا خیال آتا تھا کہ ایک اس سے بھی لمبا سفر درپیش ہے - لیکن حیف ہے کہ اسکی تیاری کے لئے بہت کم کوشش کی جاتی ہے - اس زمانہ میں میری ہمت بندھانے اور اور مجھے متوجہ رکھنے میں ان صدہا بلکہ ہزارہا غائبانہ مہربانوں کے خطوط نے بڑا کام دیا کہ جو ہندوستان کے ہر حصہ میں پیسہ اخبار کو پڑھتے ہیں - اور اسلئے مجھ سے ایک نوع کی روحانی ملاقات اور محبت رکھتے ہیں - ان دنوں کوئی ڈاک نہیں آتی تھی جس میں مندرجہ بالا مضمون کے خط نہ ہوتے اور کوئی خط نہیں ہوتا تھا جس میں یہ مشہور شعر نہ ہوتا ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد   بسلامت روی و باز آئی

اسی وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ اتنا مشہور شعر ہے ؂

الوداعی جلسہ

دوسری طرف لاہور کے بزرگوں اور دوستوں نے طرح طرح سے اُس محبت اور مہربانی کا اظہار کیا جو انہیں مجھ خاکسار سے ہے - اور ایک الوداعی جلسہ کیا گیا - جس کی کیفیت شیخ عبد القادر صاحب ایڈیٹر پنجاب آبزرور کی لکھی ہوئی ۔ جون کے پیسہ اخبار کے ضمیمہ سے یہاں بجنسہ نقل کی جاتی ہے - جس کے ساتھ میری غیر حاضری میں ایڈیٹر پیسہ اخبار کا ایک نوٹ بھی ہے :-

منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یورپ اور الوداعی جلسہ

"جناب منشی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار لاہور کے سیاحت یورپ پر تشریف لے جانے پر ان کے اعزاز میں گذشتہ ہفتے ان کے معزز احباب نے جو ایٹ ہوم پارٹی دی تھی اس کی کیفیت بغرض اندراج اخبار موصول ہوئی ہے۔ چونکہ منشی محبوب عالم صاحب ہمیشہ خود ستائی کو ناپسند کرتے رہے ہیں۔ اور آج تک کبھی اخبار کے کالموں میں انہوں نے اس قسم کا تذکرہ کرنا گوارا نہیں کیا۔ دوسری طرف ان کے دوست و احباب اس روئداد کے اندراج کے لئے سخت تقاضا کر رہے ہیں۔ لہذا اس حالت میں لاچار معذور ہو کر "زدین دل و دستان جاست" کی مصداق اس پارٹی کی کیفیت پیسہ اخبار سے علیحدہ بطور ضمیمہ کے شائع کی جاتی ہے۔ بخیال خاطر احباب چاہئے بود۔ آنچہ بنفس خویش بیچارہ بجائے انگیزند (ایڈیٹر)

"جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب

"السلام علیکم۔ ہر چند کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اخبار کے مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم صاحب شہرت پسند نہیں بلکہ شہرت سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور انہوں نے حتے الوسع ان خطوط کو جو کسی طرح سے ان کی مدح میں ہوں اخبار میں کبھی جگہ نہیں دی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو جو ہدایتیں دی گئی ہیں۔ ایسی ہی ہونگی کہ وہی پرانا طریق محفوظ ہے۔ تاہم اس کمیٹی کی طرف سے جس نے ان کے الوداعی جلسے کا انتظام کیا تھا۔ بجز آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ اس جلسے کی روئداد کو بلا کم و کاست درج اخبار فرماویں۔ اور اس میں اپنے اخبار کی بعتاد کسر نفسی سے کام نہ لیں۔ اور اگر اس تمام کے لئے اپنے اخبار

کے کالموں میں گنجائش نہ دیکھیں تو اسے بطور ضمیمہ کے چھاپ کے شائع کر دیں۔ باعث ممنونی۔ راقم و دیگر ممبران کمیٹی مذکور ہو گا۔ بندہ شیخ عبد القادر، ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور

رپورٹ جلسہ

"۵ مئی کو جمعہ کے دن اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع صحن میں ایک منتخب مجمع اہل اسلام لاہور کا تھا۔ جس میں علاوہ دیگر بزرگان کے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام خصوصیت سے لئے جا سکتے ہیں۔

خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی۔ نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب رئیس لاہور۔ سردار رضا علی خان صاحب قزلباش۔ خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ فقیر سید افتخار الدین صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب۔ میاں کریم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔ مولوی محمد فضل الدین صاحب رئیس پلیڈر و میونسپل کمشنر۔ مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پریزیڈنٹ انجمن حمایت اسلام۔ حاجی منشی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام۔ شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ خاں صاحب ڈاکٹر سید مہتاب شاہ صاحب پروفیسر ویٹرنری کالج۔ سید سردار شاہ صاحب گیلانی ہاؤس سرجن ویٹرنری کالج۔ سید ولی شاہ صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ مرزا نوازش علی صاحب ہیڈ چیفکورٹ۔ سید احمد شاہ صاحب تحصیلدار۔ چودھری نبی بخش صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل۔ ماسٹر شیر محمد صاحب۔ مولوی حاکم علی صاحب بی اے پرنسپل اسلامیہ کالج۔ سید خورشید انور صاحب بی اے۔

"یہ سب اصحاب اس لئے جمع ہوئے تھے کہ منشی محبوب عالم صاحب کو ان کی روانگی یورپ سے پیشتر خیرباد کہیں۔ اور ان کی خدمات کے اظہار قدردانی میں شریک ہوں۔ ان کے علاوہ منشی محبوب عالم صاحب کے وہ معزز احباب جنکے سخت اصرار سے انہوں نے آنا بھی جلسہ اپنی خاطر ہونا منظور کیا تھا۔ اور جن کی جانب سے اسکا اہتمام تھا موجود تھے۔ مثلاً شیخ عبد القادر صاحب بی اے

ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور - حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما - حکیم شہباز الدین صاحب رئیس لاہور بازار حکیماں - مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل - شیخ گلاب الدین صاحب مختار - چودھری سردار خاں صاحب بی اے - حکیم محمد شریف صاحب ڈنگی ڈاکٹر - بابو رحیم بخش صاحب بی اے -

" ٹھیک ساڑھے پانچ بجے وقت مقررہ پر لوگ تشریف لانے لگے - تھوڑی ہی دیر میں منشی محبوب عالم صاحب مع اپنے بھائیوں اور اعزہ کے تشریف لائے اور ہر کسی سے اُن کی تپاک اور محبت سے ملاقات ہوئی اور مختلف گروپس میں حاضرین باتیں کرتے رہے - اتنے میں ایک طرف ایک گروپ میں حاضرین میں سے بعض کی تصویر کا انتظام کیا گیا تھا - اسکے واسطے بیٹھنا پڑا - اور پنڈت کردھر راشے صاحب فوٹوگرافر نے ایک تصویر اتاری جس میں معزز حاضرین کا ایک معقول حصہ آگیا -

اسکے بعد شیخ عبدالقادر صاحب نے سب حاضرین جلسہ کی اجازت ایک مختصر سی تقریر کے لئے چاہی - اور مندرجہ ذیل تقریر کی :-

تقریر شیخ عبدالقادر صاحب

" حضرات - آج کے مجمع کا اور ایسی مجالس کا اصل منشا اخلاقی ہے - اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سوشل میل جول سے باہمی محبت اور اتحاد میں ترقی ہو - اور مل بیٹھنے اور مل کر کچھ کھانے پینے کا لطف آئے - اور اسی لیئے ایسے موقعوں پر کوئی لمبی تقریریں کرنے کا دستور نہیں - تاہم کسی قدر اظہار اس بات کا ضروری معلوم ہوتا ہے - کہ آج آپ کو تکلیف کیوں دی گئی اور یہ جلسہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کس طرح منعقد ہوا - آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے دوست منشی محبوب عالم صاحب کی طبیعت نمود و اظہار خود پسندی اور خودستائی سے ہمیشہ گریزاں رہی ہے - اور باوجودیکہ اپنی دیرینہ اور سرگرم پبلک خدمات کے لحاظ سے ان کا حق تھا کہ ان کے رخصتانہ اور لمبے سفر کے موقع پر عام پبلک کی جانب سے نہایت شان و شوکت کا الوداعی

جلسہ کیا جاتا۔ انہوں نے اپنے احباب کی اس تحریک کو منظور نہ کیا۔ آخر چند خاص دوستوں میں یہ قرارداد ہوئی کہ ایک مقابلتہً مختصر پارٹی جس میں ان کے ذاتی ملاقاتی اصحاب مدعو ہوں کر دیجائے۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ وہ اتنا بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ آخر یہ مشورہ ہو کر ان کو ان الفاظ میں اطلاع دی گئی۔

"جناب من! آپ کی کسر نفسی کا پورا لحاظ کر کے ایک مختصر پارٹی احباب خاص کی قرار پائی ہے۔ امید کہ آپ کو اس پر تو اعتراض نہ ہوگا۔ اور ہو بھی تو کیا۔ اتنا تو از حد ضروری ہے۔ آپ کو صرف یہ اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ آپ جمعہ کے دن پانچ بجے بعد شام تک کا وقت فارغ رکھیں اور اس وقت کے لئے کوئی اور کام پیش نظر نہ رہے۔ بس میں آپ کا اب کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔"

انہوں نے جواب دیا: "جناب من! آپ کا اطلاعی رقعہ لکھا ہی ایسے الفاظ میں گیا ہے۔ جس کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ایک دوست کے حکم کے آگے شاعر نے سر تسلیم خم کرنے کو کہا ہے۔ یہاں تو آپ کئی دوستوں کا ارشاد بھیجتے ہیں۔ پس سر تسلیم نہ صرف خم ہونا چاہئے۔ بلکہ زمین تک جھک جانا چاہئے۔ بہر حال آپ کی عنایت کا مشکور ہوں۔ مگر مجبور کئے جانے کا شاکی۔"

صاحبان۔ جہاں منشی صاحب میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں یہ خوبی فی زمانہ کیا کم ہے۔ ان کے لئے شہرت کے دروازے ایسے کھلے ہیں۔ کہ کچھ حد نہیں۔ ان کی خدمات دیرینہ ان کو پبلک قدردانی کا مستحق بناتی ہیں۔ اور یہ ہیں کہ اتنے سالوں کے بعد بھی ایسے موقع سے جس قسم کے موقعوں پر لوگ جان دیتے ہیں۔ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کے اخبار کی خوبیوں میں بھی یہی بات کچھ کم قابل قدر نہیں کہ انہوں نے اسے اپنے بعض

ہمعصروں کی طرح کبھی اپنی ذاتی شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ذاتی شہرت تو کیا بعض تو شہرت کو یہاں تک تشہیر کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ کوئی کالم اُن کا خودستائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور خلقت کے روپے کو اپنی مدح سرائی پر لگاتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ متدین اخبار نویسی کی نظر میں یہ صاف بددیانتی ہے اور منشی محبوب عالم صاحب کی کامیابی کے رازوں میں ایک بڑا راز یہ ہے کہ اُنھوں نے شروع سے دیانتدارانہ اخبار نویسی کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ انھوں نے کبھی اخبار کو کاشتکاری یا آلۂ استحصال بالجبر نہیں بنایا۔ اور اپنا یہ فرض سمجھا ہے کہ پبلک سے جو قیمت لیں۔ اُس کے عوض میں معقول مفید مضامین کی اُن کی خدمت میں پہنچائیں چنانچہ پیسہ اخبار کی قیمت صرف دو روپیہ ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان بھر میں اس کی اشاعت کثیر ہے۔ دس ہزار کے قریب اخبار شائع ہونا ابھی اس ترقی کے اعتبار سے جو ہمارے ملک میں ہوئی ہے کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اور یہ اُن کے اپنے فرض کو خوبی سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ایک اور بات جو منشی محبوب عالم صاحب سے متعلق قابل ذکر ہے یہ ہے کہ وہ رائے کی آزادی سے ظاہر کرنے میں ہمیشہ اردو اخبارات میں مشہور خیال کئے گئے ہیں۔ اور اکثر دفعہ اُنھوں نے بلا لحاظ اپنے بیگانے دشمن اور دوست کے اشخاص اور اُن کے اعمال کی نسبت صاف رائے اخبار میں لکھ دی ہے۔ اور گو اس میں ان کو بعض کی ناراضگی کا سامنا ہوا ہے۔ مگر اُنھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہ تعریفیں بالخصوص قابل قدر ہو جاتی ہیں جب یہ دھیان رہے کہ سارے امتیاز اُنھوں نے محض اپنی ہمت اور اپنی کوشش سے بغیر کسی ایسے کے سہارے یا رئیس کے مجموعے کے زور بازو سے اور عرق پیشانی بہا بہا کر حاصل کئے ہیں۔ اُن کو مدرسہ اور کالج میں باقاعدہ تعلیم نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اور اس کمی کو اُنھوں نے اپنے مطالعہ سے پورا

کیا۔ ان کو کوئی رقوم اپنے بزرگوں سے ترکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ نہ کسی دوست سے حاصل ہوئی تھیں۔ جن کو انہوں نے اپنا سرمایہ بنایا۔ خود ہی چند روپیوں کے ابتدائی سرمایہ سے ایک کارخانہ کے مالک بنے اور اب اپنے خرچ پر اور اپنے بل پر ولایت جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سفر میں ایک تو تفریح کا ہے۔ جو اتنے سالوں کی محنت شاقہ کے بعد ان کا حق ہے۔ دوسرے یوروپ کی تہذیب اور علمی ترقی سے بہت فائدہ ہے جس کی یہ ضرور قابلیت رکھتے ہیں۔ نمائش پیرس ایک ترغیب خاص موجود ہے اور ان کا عزم مصمم ہو چکا ہے۔ پرسوں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے جا رہے ہیں۔ اس وقت سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہم انہیں اس کامیابی پر جو تا حال ان کو ہوئی ہے مبارکباد دیں۔ اور دل سے کہیں ؎

سفر زنقشت مبارک باد ۔ بہ سلامت روی و باز آئی

اس تقریر کے خاتمہ پر احمد حسین خاں صاحب بی اے لاہور کے مشہور شاعر نے ایک دلچسپ نظم پڑھکر سنائی۔ مگر اس نظم کے شروع ہونے سے پیشتر یہ چند الفاظ شیخ عبدالقادر صاحب نے کہے۔

صاحبان۔ یہ نظم بھی ہمارے آج کے عزیز مہمان کے استمزاج کے بغیر تیار ہوئی ہے۔ آپ جان سکتے ہیں کہ جب انہیں نثر میں اپنی تعریف سننے کا تحمل نہیں تو انہیں نظم کیونکر پسند ہونے لگی۔ مجھے اس بات کا ذاتی علم ہے کہ ان کے اں نظمیں چھپنے کی غرض سے آئیں۔ جن میں ان کی کسی قسم کی تعریف تھی۔ اور اس واسطے چھپ نہ سکیں۔ اگر وہ اس بات کی پرواہ کرتے کہ کسی عید یا نوروز یا تقریب پر کوئی مبارکباد کا قصیدہ یا رباعی اخبار میں چھاپ لیں۔ یا کسی دینی تصنیف کی تقریظ کے طور پر کوئی نظم حاصل کر لیں۔ تو اخبار غزلوں سے بھر لیتے۔ مگر انہوں نے پسند نہیں کیا۔ اور میری دانست میں اچھا کیا۔ اور اپنے ہمعصروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ یہ نظم خاں صاحب نے

پرانی دوستی اور محبت کے خیال سے لکھی ہے۔ خاں صاحب، صاحب تصانیف وتالیفات ہیں۔ اور منشی صاحب پبلشر ہیں۔ اس پرانے راہ ورسم نے خانصاحب سے نظم لکھوائی ہے۔ اور اس کے لحاظ سے اس کے پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

نظم محبوب

آج اس بزم میں ہم آئے ہیں لیکر گوہر — بحر الفت سے نکلے ہیں یہ بار گوہر
یہ ہیں خوش آب محبت سے منور گوہر — بادشاہوں کو کہاں ایسے میسر گوہر
یہ وہ گوہر ہیں نہیں مفت جو کھوئے جیسے
ہاں اخوت کے ہیں رشتے میں پروئے جیسے
یہ وہ گوہر ہیں جھلکتی ہے محبت ان میں — یہ وہ گوہر ہیں دمکتی ہے اخوت ان میں
مثل آئینہ ہر آئینے سے الفت ان میں — صاف الفت کی نظر آتی ہے صورت ان میں
سچے موتی ہیں بتاؤ تمہیں کیا لیجئے گا
میرے محبوب کی گردن میں یہ کنٹھا ہونگے
کوئی کیا دیگا میں کہتا ہوں قیمت انکی — یہ موتی ہیں طلسمی ہے حقیقت ان کی
جوہری دیکھ کے حیران ہیں یہ برکت انکی — یہ وہ گوہر ہیں بدلتی نہیں رنگت ان کی
دل کے ٹکڑے ہیں کہیں مفت نہ کھونا انکو
آب زمزم میں محبت ہی کے دھونا ان کو
تم کو معلوم ہے دنیا میں محبت کیا ہے — یہ میسر ہو تو پھر دولت و حشمت کیا ہے
گر نہ الفت ہو تو پھر جان کی حقیقت کیا ہے — زندگی ہیچ ہے اور اس میں فضیلت کیا ہے
اس محبت کے سبب ہم بھی یہیں دوڑ آئے
کیسے دل میں سجا کر ہیں یہ گوہر لائے
جس محبت نے کیا سبز ہری کو جوگن — جس نے صحرا کو کیا قیس کی خاطر گلشن
جسنے یعقوب کی آنکھوں کو کیا تھا روشن — جس نے فرہاد کے سینے میں بنایا مسکن

دودھ کی نہر تھی جس سے نکالی ہمکو
آج اس بزم میں ہو کھینچ کے لائی ہم کو

رونق بزم احبا کا جو زیور تو ہے   اور اخبار کی دنیا میں جو لیڈر تو ہے
ہاں تعصب سے مبرا جو برابر تو ہے   ہمکو ہے ناز کہ بے مثل اڈیٹر تو ہے

تم منجم سے ستاروں کی حقیقت پوچھو
اور اس شخص کی تم مجھ سے فضیلت پوچھو

خدمت ملک جو بے سر پہ اٹھائی تو نے   خوب اصلاح کی تدبیر بتائی تو نے
اپنی حکمت سے یہ عزت جو بڑھائی تو نے   آج مداح بنائی ہے خدائی تو نے

اور میرے ساتھ تو ہے خاص تعلق تیرا
سب پہ روشن ہے بڑا بھائی ہے یعنی میرا

دل ڈرتا ہے میرا ذکر سمندر سن کر   ہاں سمندر میں اٹھا کرتے ہیں طوفاں اکثر
پر نہیں خوف جو ہو قادر مطلق یاور   حضرت خضر الٰہی ہوں تمہارے رہبر

اے سمندر تیرے حق میں نہیں اچھا ہوگا
میرے محبوب کا گر بال بھی بیکا ہوگا

تجھ سے اے باد صبا چاہتے ہیں طوفاں اکثر   اب یہ بہتر ہے کہ ہو لطف و کرم ہی ہم پر
ابکے پانی نہ سمندر کا اٹھانا سر پر   ورنہ یہ جان کہ ہو جاؤنگا دشمن صرصر

ہاں نہ مانے گی اگر اب کے تو کہنا میرا
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا

سیر یوروپ کو اگر جاتا ہے جاؤ صاحب   تجربہ اپنا بڑھانا ہے بڑھاؤ صاحب
لطف جینے کا اٹھانا ہو اٹھاؤ صاحب   شوق سے جاؤ نہ اب دیر لگاؤ صاحب

لیک جس طرح سے اب پیٹھ دکھاؤ جا کر
ہاں اسی طرح سے پھر منہ بھی دکھاؤ آکر

جا کے یوروپ میں ہمیں بھول نہ جانا ہرگز   نقش الفت کا نہ سینے سے مٹانا ہرگز

ہم نہیں مانیں گے ہاں کوئی بہانہ ہرگز خط کے لکھنے میں نہ تم دیر لگانا ہرگز

خط کی تحریر ہے فرقت کی سیاہی صدق

خط سے کہتے ہیں ملاقات سے آدھی ہوگی

سیر یورپ کا تمہیں شوق چرایا جانی تمنے بستر سوئے یورپ کے اٹھایا جانی

فکر فرقت نے ہے جاں مجکو ستایا جانی جوش الفت نے ہے دیوانہ بنایا جانی

تم کو جانا ہے تو دیتے جاؤ نشاں مجکو

جاؤ خالق کے کیا میں نے حوالے تم کو

اسکے بعد منشی محبوب عالم صاحب شکریہ ادا کرنے کو اٹھے۔ لیکن ہجوم خیالات مانع تقریر تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں کہاں ان تعریفوں کا مستحق ہوں۔ جو اس وقت کی گئی ہیں۔ شیخ صاحب نے جو کچھ میری شان میں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ میرے دوست ہیں اور ان کو میرے عیوب نظر نہ آتے ہونگے۔ اور جو کچھ خانصاحب نے اشعار میں فرمایا ہے۔ ان کو میں معذور رکھتا ہوں کہ وہ علاوہ دوست ہونے کے شاعر ہیں۔ بہرحال مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں نے پبلک کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ اس کی قدردانی فرماتے ہیں۔ میری آئندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ میں آپ لوگوں کا ایک ادنیٰ خادم متصور ہوں۔ میں اس تکلیف کا جو آپ صاحبان نے آج میرے لئے اٹھائی ہے۔ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنا فخر اور اعزاز سمجھتا ہوں۔

یہ مختصر شکریہ ختم ہونے پر سب صاحبان ہال میں جہاں ریفرشمنٹ کا سامان تھا تشریف لے آئے۔ جہاں میوجات۔ مٹھائی اور برف لیمونیڈ سوڈا واٹر وغیرہ پیش کئے گئے۔ اور اسکے بعد اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

اختتام جلسہ پر جب صرف پندرہ بیس اصحاب باقی رہ گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ جنکے اشعار کو کچھ عرصے سے قبولیت خاص حاصل ہے۔ ایک نظم پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا افسوس رہا کہ ان کی نظم پہلے

کیوں نہ پڑھی جا سکی۔ بہرحال وہ نظم بھی پڑھی گئی۔ اور سامعین نے بہت داد دی۔ وہ بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

نظم اقبال

لیجے حاضر ہے مطلع رنگیں
جس پہ صدقے ہو شاہد تحسیں

سوئے یورپ ہوئی وہ راہ سپر
مفت میں ہو گیا ستم ہم پر

آنکھ اپنی ہے اشک خوں سے
غیرت کاسۂ مئے احمر

فتح ملک ہنر کو جاتے ہیں
ہر کابی کو آ رہی ہے ظفر

تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے
کھینچ کر لے چلا ہے زور نظر

فخر انساں کا ہو تلاش کمال
جستجو چاہئے مثال قمر

خوب تاڑا ہے سیر کا موقع
نکتہ بیں چاہئے نگاہ بشر

سیر دریا میں ہیں ہزار مزے
جس کو دکھلائے خالق اکبر

وہ سر شام بحر کی موجیں
مہ کی وہ خرام پانی پر

وہ سمندر بساط کی صورت
اور وہ موجوں کا کھیلنا چوسر

اور وہ چاندنی کہ بحر جیسے
اوڑھ لیتا ہے صورت چادر

وہی بحر آپ نے یہ کیا ناگاہ
چپکے چپکے چبھو دیا نشتر

دوستوں کا فراق قاتل ہے
درد اٹھتا ہے صورت محشر

آنکھ میں ہو نہیں رواں لیکن
اشک اپنے ہیں مثل آب گہر

جائیے اور پھر کے آئیے گا
صورت بوئے نافۂ اذفر

اس طرح راہ آنکھ دیکھے گی
جوں مؤذن کو انتظار سحر

بزم یاراں رہے گی یوں خاموش
جیسے چپ چاپ شام کو ہوں شجر

سیر مژگاں پہ آ گئے آنسو
نکل آیا جو دل میں تھا مضمر

مدح احباب فرض انساں ہے
لاؤں اس کے لئے میں خامۂ زر

یاں خوشی گناہ ہے ایسی
جس طرح کفر ہو بہ پیغمبر

یہ حضر آپ کو مبارک ہو یہ سفر آپ کو مبارک ہو

آپ ہیں محو سیر دریائی چشم احباب غم سے بھر آئی
رقص موجوں کا جا کے دیکھئے عید ہی ہے جہاز کو سائی
لطف اخبار کا جب آتا ہے بزم یورپ سے ہے شناسائی
دم رخصت وہ گرمجوشی ہے آتش عشق جس سے شرمائی
کسی کونہ میں تاکتی ہے اسے گرمئے آفتاب جولائی
لب سے نکلا کہ نی امان اللہ مختصر کرتا ہے تاب گویائی
نشۂ دوستی چڑھا ایسا شعر میں بھی ہے رنگ صہبائی
آب آئینہ پر گرا قے ہیں بسلامت روی و باز آئی
عدم پنجاب ہو مگر جلدی کہ نہیں طاقت شکیبائی
ہو نہ محبوب سے جدا کوئی اے رگ جان عالم آرائی
الغیاث اے معلم ثالث درد فرقت سے جان گھبرائی
ایسی ثریا کوئی عنایت ہو دل سے اٹھے کہ وہ شفا پائی
آگیا بحر حب رہو اقبال خامہ کرتا ہے عذر پیمائی
توبہ کر لی ہے شعر گوئی سے اس کی قیمت پڑی نہ اک پائی
شعر سے بھاگتا ہوں میں کہ سول ہے یہ ترجیع بند اور میں عیسائی
آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از ہزار رسوائی

دوستوں کی ہے یہ دعا حافظ
ہو سفر میں ترا خدا حافظ

لاہور سے روانگی

ابر است و بہار است و جہانے ہمہ رو دارد
برخیز کہ لطف زمین پابسمہ دارد

میری روانگی کا دن یعنی ۲۰ مئی سر پر آ گیا۔ علے الصباح کارخانہ پیسہ اخبار کے تمام ملازموں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر ایک فوٹو لیا گیا۔ نو بجے آنریبل نواب فتح علی خاں کے دولت خانہ میں اردو کی حمایت میں ایک جلسہ تھا اس میں شریک ہوا مگر ختم ہونے سے پہلے میں گھر چلا آیا۔ دوپہر کو بہت سے دوست میرے مکان پر جمع ہو گئے۔ اور ریلوے سٹیشن کو جانے کی تیاری کی۔ بوقت مفارقت کے خیال میں مستورات اور بال بچوں نے رو رو کر گھر کو ماتمکدہ بنا دیا کہ جسکا اثر میرے دل پر بھی ہوا۔ اور اگر میں بہت جلدی زنانہ مکان سے باہر نہ نکل آتا تو میرا ضبط بھی معرض خطر میں پڑ چکا تھا۔ نہ تو میں اسوقت کے مؤثر اور دردناک نظارہ کو پورے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں اور نہ کما حقہٗ اسکو الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔

لاہور کے احباب

بہر حال ریلوے سٹیشن پر ایک بہت بڑا مجمع ہر طبقہ کے مسلمان اور ہندو مہربانوں دوستوں اور ملاقاتیوں کا تھا کہ جنکے ناموں کے لئے دو تین صفحے بھی کافی نہ ہونگے۔ دو بجے دوپہر کے دھوپ جوبن پر تھی مگر وہ میرے دوستوں کو مجھے سٹیشن تک جا کر وداع کرنے سے نہ روک سکی۔ یہاں تک کہ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب بھی جو پنجاب میں مسلم لیڈر اور قومی امور میں سرگرمی رکھنے میں ہندوستان بھر میں فرد ہیں باوجود اس کبر سنی اور ضعف پیری کے مجھے خدا حافظ کہنے کو تشریف لائے

آخر گاڑی چلنے کو تیار ہو گئی لیکن میرے بعض دوست مجھے اب بھی تنہا چھوڑنے کو آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ شیخ گلاب الدین صاحب وکیل حکیم محمد شریف صاحب۔ شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر۔ میر وزیر علی صاحب مصور اور میاں عبد العزیز صاحب امرت سر تک ساتھ چلے گئے۔ امرت سر کے سٹیشن پر ایک اور مجمع احباب منتظر تھا۔ شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ میاں غلام نبی صاحب رئیس اعظم۔ شیخ غلام محمد صاحب مالک اخبار وکیل۔ و حکیم نظام الدین صاحب مع دیگر احباب امرت سر کے تشریف لائے ہوئے تھے۔ میاں غلام نبی صاحب نے فرط عنایت اور محبت سے میرے بازو پر امام ضامن کے روپے باندھ دیئے۔ اس وقت کا دلچسپ نظارہ تحریر کی نسبت تصویر اچھی طرح اوا کر سکتی ہے دوستوں عزیزوں اور اہل وطن کی محبت اور اخوت کے ایسے ایسے اظہار دیکھ کر دل کو وطن کی مفارقت تھوڑی دیر کے لئے پہلے سے کسی قدر زیادہ شاق گذرنے لگی۔ مگر تمام دن کی مصروفیت کے بعد میں نے پہلی مرتبہ ریل میں تنہا اور فارغ بیٹھ کر جلد ہی اپنے منتشر خیالات کو مجتمع کر لیا۔

امرت سر کے احباب

شام کے قریب گاڑی انبالہ شہر کے سٹیشن پر پہنچی۔ جہاں بزرگان انبالہ کی ایک جماعت ریفرشمنٹ کا سامان لئے موجود تھی۔ ان صاحبوں نے بہت سی مہربانی کی باتوں کے بعد اظہار افسوس کیا کہ انہیں صرف کل ہی میری روانگی کی تاریخ پنجاب ابزرور سے معلوم ہوئی تھی۔ ورنہ جو ایڈریس یہ اس موقع کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے نا تمام رہ گیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انہیں یقین دلایا کہ اچھا ہوا کہ ان کی زیادہ محنت رائیگاں نہیں گئی۔

راستہ کی دعوتیں

لاہور سے بمبئی تک راستہ میں کھانے کا بہت اچھا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا کہ جس کا کریڈٹ منشی محمد عبد العزیز صاحب

مینیجر پیسہ اخبار کو ملنا چاہیئے۔ گو اس سے ہمارے چند دوستوں کو تکلیف ہوئی جو کھانا لیکر مختلف اوقات میں مختلف سٹیشنوں پر آتے رہے۔ لیکن مجھے بہت آرام ملا۔ میں ان سب صاحبوں کا اس تکلیف کے لئے تہ دل سے مشکور ہوں۔ میرے خیال میں اگر دوران سفر میں اپنے دوستوں یا غیروں سے ایسی مدد حاصل کر لی جائے کہ جس میں انہیں کسی قدر تکلیف ہو مگر تمہیں اس سے زیادہ آرام ملے تو مضائقہ نہیں۔ اس مشہور مثل کی کہ "جس نے کی شرم اسکے پھوٹے کرم" صداقت جیسی کہ سفر میں معلوم ہوتی ہے کہیں نہیں کھلتی۔ انبالہ چھاونی میں مسٹر بی پی شیر رانک کارخانہ گھڑی سازی مہربانی کر کے میرا کھانا لائے۔ امید تھی کہ دو بجے رات کو گاڑی دہلی پہنچے گی اور وہاں میرے عزیز دوست حافظ عبد المجید صاحب مالک کارخانہ عطر سے برکت اینڈ کمپنی سے ملاقات ہوگی۔ لیکن غازی آباد کے سٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ گاڑی جس میں میں سوار تھا دہلی ہو کر نہیں جاتی۔ یوروپ میں حافظ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ آدھی رات کو کمال [illegible] سے کرسونی پت کے سٹیشن تک چلے گئے تھے مگر مجھے نہ پاکر سخت مایوس ہوئے۔ ہر چند کہ میں نے ریل وغیرہ کے وقت کے متعلق کافی غور کر لیا تھا اور دوم درجہ کی گاڑی میں ایک جگہ اپنے لئے کئی روز پہلے سے ہی لاہور سے بمبئی تک ریزرو کرا رکھی تھی۔ تاہم سفر میں کئی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور ایسی ناگوار باتیں پیش آتی ہیں کہ معمولی عاقبت اندیشی ان کا دفعیہ کرنے میں قاصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی کسی قدر توضیح ذیل کے دفعہ سے بخوبی ہوتی ہے۔

سفر کی پہلی غلطی

لاہور سے میں جس درجہ کو ریزرو کرا کر سوار ہوا تھا اس میں ایک یورپین میم بھی مع اپنے بچوں اور آیا کے سوار تھی۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ اس نے بھی دو نشستیں لاہور سے بمبئی تک میری طرح پہلے سے ریزرو کرائی ہوئی تھیں۔ اسکا شوہر لاہور میں میرے

سامنے اُسے سوار کرا گیا۔ اور ریلوے سٹیشن لاہور کے اہلکاروں نے ہم دونوں کے لئے ایک گاڑی میں جگہ مقرر کی۔ لیکن جبکہ ۲۸ مئی کی دوپہر کو گاڑی آگرہ سٹیشن پر پہنچی اور مولوی نصیر الدین احمد صاحب مالک مطبع لامع النور میرے لئے پرتکلف کھانا لائے۔ میں ابھی کھانے کے انتظام میں مصروف تھا کہ ایک انگریز جو کئی منٹ سے ہماری گاڑی کی طرف گھور رہا تھا اُس نے قریب آکر کہا کہ چونکہ اس گاڑی میں ایک عورت بھی ہے۔ اسلئے تمہیں چاہئے کہ تم کسی دوسری گاڑی میں چلے جاؤ۔ میں نے کہا میں نے اسی لئے سیٹ ریزرو کرائی تھی کہ بمبئی تک راستہ میں چار یا پانچ جگہ گاڑیاں بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ گاڑی ٹھہر جاتی ہے۔ علاوہ اسکے اس لیڈی کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اور نہ اس میں میرا قصور ہے۔ کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ہم دونوں کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا ہے۔ مگر اس پر بھی وہ شخص حجت کرتا گیا۔ اور یہی کہتا تھا کہ خواہ کوئی وجہ ہو کسی غیر عورت کے ساتھ کسی مرد کا ریل کے ایک کمرہ میں سفر کرنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اُس نے گارڈ کو بلا کر اُس سے بھی یہی شکایت کی۔ اتنے میں شیخ انعام اللہ صاحب شملا اکسپورٹ ایجنٹ دہلی بھی جو میرے ہمراہ یورپ تک سفر کرنے والے تھے اسی گاڑی میں آگئے۔ میں نے جھگڑا کرنا مناسب نہ سمجھا اور گارڈ کو کہدیا کہ ہمیں کسی دوسری گاڑی میں بٹھا دے۔ چنانچہ ہم ۲ بجے دوپہر کو جھانسی پہنچکر ہم اس گاڑی کو چھوڑ کر کانپور سے ٹھہرنے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مگر مجھے اسکے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہاں کا واقعی کوئی اس مطلب کا قاعدہ ہے۔ کہ کوئی غیر مرد کسی غیر عورت کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے اسکی پرواہ نہیں کی بعض اوقات بعض یورپین عورتوں نے ان پر طرح طرح کے اتہام بھی لگائے ہیں اور ان سے کچھ کمایا ہے۔ اسلئے جنٹلمینوں کو خود ایسی صحبت سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ تعجب ہے کہ اس سٹیشن والوں نے کیوں ایسی غلطی کی!

شام کو گاڑی بھوپال سٹیشن پر پہنچی۔ مولوی عبدالرؤف صاحب وکیل کورٹ انسپکٹر بھوپال سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار سٹیشن پر مع دو تین دوستوں کے موجود تھے۔ چونکہ گاڑی وہاں آدھ گھنٹہ ٹھیرتی ہے۔ مولوی صاحب نے پلیٹ فارم پر پہلے ہی دسترخوان بچھا رکھا تھا۔ ہم سب نے بڑے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک نہایت پرتکلف دعوت میں مدعو ہیں۔ مولوی صاحب نے بہت سا کھانا اور میوجات بمبئی تک کے لئے ساتھ بھی رکھ دئے۔ وہ مجھے ایک روز بھوپال میں ٹھیرنے کے لئے بڑا اصرار کرتے تھے۔ مگر چونکہ میرا وقت محدود تھا میں لوٹتے ہوئے ایک روز ٹھیرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوٹتے ہوئے میں اس سے بھی زیادہ وقت کی تنگی کا شاکی تھا۔

۲۹ مئی کی صبح کو بھوساول اور رنانڑ کے سٹیشنوں سے گذرے۔ بھوساول بڑا سٹیشن ہے۔ جہاں سے ایک لائن حیدرآباد دکن کو بھی جاتی ہے۔ آگرہ سے چلکر تمام راستہ میں خشک جنگل اور ریگستان اور پہاڑوں کے سوا کوئی کھیت یا سبزہ نظر نہیں پڑا تھا۔ تعجب ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ کس غلہ پر گذارہ کرتے ہونگے۔ بوجہ خشک سالی کے پانی بھی اس علاقہ میں کمیاب تھا۔ سٹیشنوں پر دور دور سے پانی لایا جاتا تھا۔ اور صرف ہندو پانی پلانے والے جو مہاراج کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سب ہندو مسلمان مسافروں کو پانی پلاتے تھے۔ بھوساول سے آگے کچھ کھیت اور سبز جنگل نظر آئے۔ بعض پہاڑیوں پر بھی سبزہ موجود تھا۔ دوپہر کو اگت پوری سٹیشن پر پہنچے۔ یہاں گاڑی میں ایک خاص قسم کا بھاری انجن لگایا گیا۔ کیونکہ یہاں سے آگے گاڑی کو پہاڑیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اس لئے گاڑی بہت تھم تھم کر چلتی ہے۔ راستہ میں کسارا سٹیشن اور اگت پوری کے مابین تیرہ چھوٹے بڑے ٹنل پہاڑ میں کھودے گئے ہیں جن میں سے

ریل گذرتی ہے۔ لیکن ایک جگہ پہاڑ کی صورت ایسی مشکل آگئی ہے۔ کہ وہاں سے سڑک کا موڑ بن ہی نہیں سکتا۔ اسلئے ٹرین ایک جگہ کھڑی کیجاتی ہے۔ اور انجن آگے سے اتر کر ایک سائڈنگ کے ذریعہ سے پیچھے کی کی طرف آلگتا ہے۔ اور یہی پیچھا ٹرین کا آگا ہو جاتا ہے۔ یہی تدبیر میں نے بیروت سے دمشق کو جاتے ہوئے کوہ لبنان کی ریل کے ایک مشکل پہاڑی سے گذرنے کے وقت عمل میں آتی دیکھی ہے۔ غرض ۹ بجے شام کو گاڑی بمبئی کے بڑے سٹیشن بوری بندر (وکٹوریا ٹرمی نس) پر پہنچی۔ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی کے بمبئی کا یہ سٹیشن شاید یورپ کے کسی ریلوے سٹیشن سے بھی دوم درجہ کا نہ ہوگا۔ یہاں خان صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب میڈیکل افسر پلیگ میرے منتظر تھے۔ جو مجھے اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے۔

بمبئی میں سفر کی تیاری

جہاز امپریٹرکس جسکا میں نے ٹکٹ خریدا ہوا تھا یکم جون کو بندر بمبئی سے روانہ ہونے والا تھا۔ اس لئے ۳۰ و ۳۱ مئی کے دو دن بعض ضروری سامان خریدنے کے لئے مجھے بمبئی میں ٹھیرنا چاہئے تھا۔ میں نے لاہور سے جو سامان سفر بعض دوستوں کے مشورہ سے ساتھ لیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے۔ دو چھوٹے ٹرنک (ایک چمڑی اور ایک فولادی) کپڑوں کے لئے۔ چھوٹے اسلئے منتخب کئے تھے کہ ریل گاڑیوں کے دروازوں سے گذرنے اور ریل اور جہاز کی نشستوں کے نیچے رکھنے میں دقت نہو۔ ایک چمڑی لپیٹ ہٹو ایک مختصر سا بستر۔ باوجودیکہ لاہور میں مجھے بستر لیجانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بستر کے سوائے سفر میں گذارہ کیسے ہو سکتا ہو۔ صرف تین جوڑے نئے کپڑے یوروپین وضع کے لاہور میں سلوائے تھے۔ کیونکہ یوروپ کے ہر ملک میں سلے سلائے کپڑے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اور ایک درجن پاجامے کرتے بنیان رومال یا لمبے وغیرہ لے لئے

تھے۔ ایک دوست کی صلاح سے سوئی تاگا۔ بٹن۔ قینچی چاقو برش بوٹ کا روغن۔ سیفٹی پن صابن قلم دوات اور کئی دوسری چھوٹی چیزیں بھی ساتھ لی تھیں۔ جو دوران سفر میں بہت کام آئیں۔ بمبئی پہنچکر اس مختصر سامان میں ایک بارانی اوورکوٹ ایک واٹر پروف چھاتا۔ ایک جہاز میں بیٹھنے کی بید کی آرام کرسی علاوہ دو تین سفر کے گائیڈ بکوں کے کہ جن کی قیمت چھ چھ روپے تھی اور جن کے مطالعہ سے سفر میں بڑی مدد ملتی ہے اور اضافہ کرنے پڑے۔

میں نے ایک گائیڈ بک میں پڑھا تھا کہ "مسافر کا اسباب خرابی کا مشابہ ہے۔ اور خرابی جتنی کم ہو اچھی بات ہے" اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسافر کو اسباب کے انتظام میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسلئے چاہئے کہ کم از کم اسباب ہمراہ لیا جائے۔ کیونکہ یورپ کی بعض ریلوں میں تو بخلاف دستور ہندوستان اول و دوم درجہ کے مسافروں کو بھی ۶۶ سیر سے زیادہ بوجھ مفت ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ گو میں نے مختصر سا بستر ساتھ لے لیا تھا لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑی۔ کیا جہاز میں اور کیا ہوٹل اور لاجنگ ہوس میں یورپ میں ہر جگہ بہت اچھا بستر مسافر کو دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ سفر میں ایک ذرا سی فروگذاشت سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بید کی کرسی آرام کرسی جسے ڈک چیئر کہتے ہیں بمبئی سے نہ لیتا تو جہاز میں بے حد تکلیف ہوتی۔ اور سمندر کے کئی خوبصورت قدرتی منظروں کے نظارہ کے لطف سے جو گھنٹوں صحن جہاز پر تنہا بیٹھ کر ہر مسافر اٹھا سکتا ہے محروم رہ جاتا۔ بعض دفعہ یہ کرسی جہاز کے کسی ملازم سے بھی کرایہ پر مل جاتی ہے کیونکہ سفر کے خاتمہ پر سب مسافر اپنی چوکیاں جہاز کے خدمتگاروں کو دے جاتے ہیں +

پروگرام کی وقت + جہاز ٹھہرانے کے لئے مجھے بخلاف دوسرے لوگوں کے

کے انگریزی سٹیمر ایجنٹوں اور احمد خان آتش جان مشہور دلالان جہاز بمبئی سے بہت سی خط و کتابت کرنی پڑی تھی۔ میرا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ پہلے بمبئی یا کلکتہ سے چین اور جاپان کو جاؤں۔ اور وہاں سے آسٹریلیا ہوتا ہوا شمالی امریکہ کے درمیان سے گذر کر انگلستان پہنچوں۔ اور پھر پیرس برلن قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا مصر و مکہ کر وطن کو واپس لوٹوں مگر پہلی مرتبہ اتنے لمبے بحری سفر کی تکلیفات سے ڈر کر پہلے یورپ کو جانا مناسب سمجھا۔ اور چونکہ بوجہ طاعونی انتظامات کے ہندوستانی مسافر کو مصر میں کئی روز کا قرنطینہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے سیدھا آسٹریا کا قصد کیا ورنہ اگر مصر اور قسطنطنیہ پہلے دیکھ سکتا تو پھر اسی راستہ سے ہندوستان کو لوٹنے کی فکر نہ رہتی +

جہازوں کی مختلف لائنیں

ہندوستان کے بندرگاہوں سے جہازوں کی کئی لائنیں یورپ کے مختلف بندرگاہوں کو روانہ ہوتی ہیں۔ مگر ان میں سے یہ چار پانچ لائنیں مشہور ہیں (۱) پی اینڈ او کمپنی (پنشولر اینڈ اورینٹل سٹیم نیوی گیشن کمپنی) (۲) فرنچ میسیجریز میری ٹیم (۳) آسٹرین لائیڈ کمپنی (۴) اٹالین فلوریو روباٹینو کمپنی (۵) برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی۔ ان میں پہلی اور پانچویں کے جہاز برنڈسی اور مارسیلز میں بھی ٹھیرتے ہیں۔ اور لنڈن تک براہ بحر بھی جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مارسیلز یا کسی دوسرے بندرگاہ پر اتر کر آگے ریل پر سوار ہو جاتے ہیں ان کا خرچ زیادہ ہو جاتا ہے گو وقت کم صرف ہوتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں سیر کا بھی زیادہ موقع ملتا ہے۔ فرانسیسی لائن مارسیلز اور نیپلز میں ہی ٹھیرتی ہے۔ اٹالین کمپنی برنڈسی اور نیپلز جنیوا وغیرہ مقامات کو جاتی ہے۔ آسٹرین کمپنی کی لائن سیدھی ٹریسٹ اور وینس کو جاتی ہے۔ ان سب لائنوں کے جہازوں میں مسافروں کے لئے تین تین درجے ہوتے ہیں۔ سوائے فرانسیسی کمپنی

کے جہازوں کے کہ جن میں چار درجے ہوتے ہیں۔ اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو اور فرانسیسی کمپنی میں تیسرے درجہ والوں کو بھی کمرے ملتے ہیں۔ اور سوم درجہ کے مسافر اور فرانسیسی کمپنی بھی چہارم درجہ کے تختہ جہاز پر گذارہ کرتے ہیں۔ پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں میں دوم درجہ کے دو قسم کے اندرونی اور بیرونی کمرے ہوتے ہیں جن میں کرایہ میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ چونکہ اس کمپنی کے ساتھ گورنمنٹ ہند کا معاہدہ ہے کہ یہ ہندوستان اور انگلستان کے مابین ڈاک لانے اور لیجانے کا کام کرے اسلئے اسکے جہازوں کو ممکن سرعت کے ساتھ راستہ طے کرنا پڑتا ہے اسی واسطے اسکے جہازوں کا کرایہ باقی سب کمپنیوں سے گراں ہے۔ علاوہ اس کے ان جہازوں میں کوئی ایسا مال تجارت بھی نہیں بھرا جاتا کہ جس کے لانے میں اُتارنے میں دیر لگے۔ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے تیز رو جہاز بھی سویز اور بمبئی کے مابین قریب قریب اتنے ہی دنوں میں راستہ طے کرتے ہیں۔ لیکن وہ عدن میں مال تجارت لادنے اور اُتارنے میں دن بھر لگا دیتے ہیں۔ ان مشہور لائنوں کے علاوہ اینکر لائن۔ سٹی لائن۔ ہیسپرین لاین وغیرہ کے جہاز بھی ہندوستان اور انگلستان کے مابین آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اور نسبتاً ارزاں کرایہ پر مسافر اُن پر سفر کر سکتے ہیں ٭

مختلف جہازوں کی شرح کرایہ

سند رجہ ذیل جدول سے مختلف لائنوں کے جہازوں کی مختلف شرحوں کا کرایہ معلوم ہو سکتا ہے اور آج کل یہی ہے مگر تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہتی ہے

جہازوں کی مختلف لائنیں	درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم یا چہارم یا عرشہ جہاز
پی اینڈ او کمپنی از بمبئی تا لندن براہ مارسیلز	۶۵۰ روپے	۴۷۴ روپے	۲۲۵ روپے
″ تا مارسیلز	۶۰۰ ″	۳۲۵ ″	۲۰۰ ″
دوا تیز کمپنی تا مارسیلز جلیوا برنڈسی	۵۵۰ ″	۳۲۵ ″	۲۰۰ ″
آسٹرین لائیڈ کمپنی تا ٹریسٹ	۴۰۰ ″	۳۲۵ ″	۱۵۰ ″
برٹش انڈیا سٹیمرز بمبئی کلکتہ یا مدراس سے مالٹا ہو کر	۴۲۵ ″	۳۲۵ ″	۲۰۰ ″
مسیجری تا مارسیلز	۶۰۰ ″	۵۲۵ ″	۲۶۰ ″

تھرڈ درجہ سوم کے مسافر اگر جہاز کا کھانا نہ کھائیں تو اس سے بھی کم خرچ سے تھرڈ جہاز پر سفر کرسکتے ہیں۔ مثلاً بمبئی سے پورٹ سعید تک بلا کھانے کے سوم درجہ کے مسافر کو آسٹرین لائیڈ کمپنی کے جہاز پر صرف ۸۰ روپے دینے پڑتے ہیں۔ گویا ہندوستان کا غریب مسافر اس رقم میں مصر پہنچ سکتا ہے۔

ٹامس کک اینڈ سنس

بمبئی کلکتہ وغیرہ بندرگاہوں میں جہازوں کے مسافروں کے لٹو دلال موجود ہوتے ہیں۔ جو انہیں جہاز کا ٹکٹ لے دینے میں مدد دیتے ہیں اور ناجائز الخدمت اُن سے لیتے ہیں۔ لیکن لکھے پڑھے آدمی کے لئے مناسب ہے کہ کسی انگریزی پسنجر ایجنٹ کے کارخانہ سے بھی شرح کرایہ دریافت کرلے تاکہ دھوکہ نہ کھاوے۔ میں نے اپنے سفر کے اکثر حصوں میں ٹامس کک اینڈ سن کی معرفت ریل اور جہاز کے ٹکٹ خریدے ہیں۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا ہے۔ اس کارخانہ سے دنیا کے ہر حصہ کے لئے ریل اور جہاز کا ٹکٹ خریدا جاسکتا ہے اور ناواقف آدمیوں کو کسی قسم کا دھوکا نہیں دیا جاتا۔ بلکہ برعکس اسکے کئی طرح کی سہولیت اور مدد ملتی ہے۔ گو میں نے خط وکتابت سے جہاز کا کرایہ اور تاریخ روانگی مقرر کرلی تھی۔ لیکن ٹکٹ نہیں لیا تھا۔ جب بمبئی میں پہنچ کر ٹکٹ لینے کے لئے میں مسٹر ٹامس کک اینڈ سنز کے کارخانہ میں پہنچا تو انہوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر یورپ میں کسی ریل کا ٹکٹ لینا چاہو تو وہ بھی یہیں سے مل سکیگا۔ چنانچہ میں نے ٹریسٹ سے براہ وائنا و برلن ہیمبرگ تک کا ٹکٹ لینا تجویز کیا۔ ٹریسٹ سے ہمبرگ تک دوم درجہ کا ریل کا کرایہ انہوں نے پچھتر روپے بتلایا۔ اور بمبئی سے ٹریسٹ تک جہاز کے لئے پہلے سوا تین سو روپے لے چکے تھے جب میں نے پچھتر روپے دیئے تو اس میں سے مجھے [illegible] لوٹا دیئے گئے۔ یہ

کمہ کرکے بمبئی سے لنڈن یا کم از کم ہیمبرگ تک جہاز اور ریل کا اکٹھا کرایہ دینے میں کمپنیاں انہیں معقول کمیشن دیتی ہیں۔ اسلئے وہ اس کمیشن کا ایک حصہ اپنے گاہکوں کو دیدیتے ہیں۔ چنانچہ اس کارخانہ نے بغیر میری درخواست اور اطلاع کے مجھے یہ روپے لوٹا دیئے مگر رسید پورے روپے کی دی۔ یعنی ما، مجھے لیکر معافی کی رسید لکھ دی۔ اس سے بڑھ کر کسی کارخانہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور ایسی قسم کی خوش معاملگی اور صفائی کسی کارخانہ کی کامیابی کا راز ہے۔

پاسپورٹ

اسی کارخانہ میں مجھے یہ بھی صلاح دی گئی۔ کہ اگر میں قسطنطنیہ کو جانا چاہتا ہوں تو مجھے گورنمنٹ بمبئی کے دفتر سکرٹیریٹ سے اس مطلب کا پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک چھپا ہوا فارم مجھے خانہ پُری کے لئے دیا گیا۔ میں فوراً بمبئی کی گورنمنٹ کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارت میں پہنچ گیا تیسری منزل پر صاحب فارن سکرٹری کی خدمت میں درخواست پاسپورٹ کی دی۔ تھوڑے سے تامل کے بعد فارن سکرٹری صاحب نے اپنے ہیڈ کلرک کو بلا کر دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ جبکہ یہ شخص پرسوں صبح کے جہاز پر بمبئی سے رخصت ہو جانے والا ہے۔ میں نے لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور سے ایک معمولی پاسپورٹ لے لیا تھا جو حال ہی میں گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی طلبا کے انگلستان کو جانے کے متعلق تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کی مجھے لاہور سے لنڈن تک کہیں ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے یہ کاغذ بمبئی گورنمنٹ کے فارن سکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے دیکھ کر یہ بولے کہ یہ کس طرح یقین ہو کہ یہ دستخط لاہور کے ڈپٹی کمشنر کا ہے۔ میں نے کہا یہ دریافت کرنا آپ کا کام ہے۔ آخر انہوں نے صلاح دی کہ چونکہ تم لنڈن جانے والے ہو۔ انڈیا آفس سے

لاہور کا پاسپورٹ دکھلانے کے بعد تم کو لندن سے عثمانیہ کی سیاحت کے لیئے پاسپورٹ مل جائیگا۔ واضح رہے کہ جو ہندوستانی۔ روس۔ ٹرکی۔ ایران یا بلگیریا سرویا وغیرہ ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوں انھیں ہندوستان سے اس مطلب کے پاسپورٹ ضرور حاصل کر لینے چاہئیں۔ ورنہ سفر میں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ پہلے لندن جانے والے ہوں وہ وہاں فارن آفس سے پاسپورٹ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی مجسٹریٹ جج ڈاکٹر پادری یا سالسٹر بینکر وغیرہ سے اس امر کی تصدیق کرا سکیں کہ وہ انگریزی رعایا میں ہیں۔ اس کام کے لئے کچھ فیس دینی پڑتی ہے۔ اور پھر جس غیر ملک میں جانا چاہیں بعض صورتوں میں اس ملک کے قنصل سے کچھ اور فیس دیکر اس پر دستخط کرانا پڑتا ہے۔ جسے "ویزا" (تصدیق) کہتے ہیں۔ ✝

✝ لندن کے فارن آفس میں پاسپورٹ اور اسکے حاصل کرنے کی فیس ہا شلنگ یعنی ۲ کے قریب ہے لیکن اگر اسکو مندرجہ ذیل ممالک کیلئے ویزا کرانا ہو تو حسب ذیل فیس علاوہ دینی پڑتی ہے

آسٹریا ہنگری بشرطیکہ بوسینا ہرزی گووینیا کو نہ جانا ہو ورنہ ضروری نہیں ۔ شلنگ ۔ پنس

بلجیم ۔۔۔۔۔۔ ۳ ۔ ۲

بلغیریا کے سوا ترکی پاسپورٹ اور ویزا کافی ہے ۔

فرانس میں اگر مدت تک قیام کرنا ہو تو پاسپورٹ درکار ہے ۔۔۔۔۔۔ ۲ شلنگ ۔ پنس

جرمنی ۔۔۔۔۔۔ ۳ شلنگ — ۲ پنس

یونان ۔۔۔۔۔۔ ۳ — ۲

اٹلی ۔۔۔۔۔۔ ۵ — ۰

جاپان و اندرون ملک میں جانے کے لئے خاص پاسپورٹ کی ضرورت ہے ۔ شلنگ پنس ۲ — ۶

ایران ۔ اگر دو دریا کار نگر ہو تو براہ تہران ۔ شلنگ پنس ۱۰ — ۶

ایران ۔ تمام دوسرے لوگوں کے لئے جو تہران تک جائیں یا کیے ۳ — ۶

رومانیا ۔ (انگریزی رعایا سے) ۱ — ۰

روس (پاسپورٹ میں مذہب ضرور لکھا جانا چاہیئے ورنہ پاسپورٹ نہ ہو) ۵ — ۱۰

سرویا ۔۔۔۔۔۔ ۳ — ۶

سپانیہ ۔۔۔۔۔۔ ۹ — ۰

سوئٹزرلینڈ ۔۔۔۔۔۔ ۳ — ۰

ترکی ۔۔۔۔۔۔ ۵ — ۰

اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا کہ گھر سے جو روپیہ میں ہمراہ لایا تھا۔ اس کا کچھ انتظام کروں۔ نیشنل بینک اور چارٹرڈ بینک بمبئی میں جا کر لنڈن کے ڈرافٹ کا نرخ دریافت کیا۔ آخر پندرہ روپیہ پونڈ کے حساب سے چارٹرڈ بینک کا ڈرافٹ خرید لیا۔ جس کا روپیہ لنڈن میں پہنچکر مل سکتا تھا۔ کچھ روپیہ کی انگریزی اشرفیاں ساتھ لے لیں۔ جو یورپ کے ہر ملک میں بلا وقت چل سکتی ہیں۔ اور جنکا اب ہندوستان میں بھی چلن ہے ؛

جہاز کی سواری

دریں دریائے بے پایاں دریں بحر موج افزا
سرافگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

الوداع

آج یکم جون کو جہاز کی روانگی کا دن تھا۔ بندرگاہ پر بہت سے مسافروں کے عزیز اور دوست انہیں رخصت کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کئی مسافروں کے گلوں میں پھولوں کے بڑے بڑے بھاری ہار پڑے تھے۔ یہ ایسے ورزہ ورزہ سے ہار نہیں تھے جو لاہور میں بعض تقریبوں اور جلسوں میں لوگوں کو پہنائے جاتے ہیں۔ بمبئی میں دستور ہے کہ جب کوئی معزز شخص سفر پر جانے لگے تو اسکے دوست اور عزیز اسکو ہار پہناتے ہیں۔ میرے بھی ایک بزرگ اور مہربان دوست سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی صاحب نے مجھے پہنائے۔ یہ بمبئی کے ان چند نامور مسلمان تاجروں میں سے ہیں جو لکھ پتی اور خوشحال ہیں۔ اور جن کے نام سے اس شہر میں مسلمانوں کی تجارت کی عزت قائم ہے۔ شب گذشتہ میں ان کے عالی شان بنگلہ میں جو مہالکشمی کے قریب سمندر کے کنارہ پر واقع ہے ٹھہرا تھا۔ یہ نہایت عمدہ فضا کا مکان ہے جو سیٹھ صاحب نے چند سال پہلے کم و بیش سوا لاکھ روپے کے صرف سے تعمیر کیا تھا۔ وہ جہاز تک رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ میں نے اصرار کیا کہ میں اکیلا جاؤنگا کیونکہ راستہ میں مجھے اپنے دو رفیقوں کو ساتھ لینا تھا۔ اور گودی یہاں سے کئی میل دور تھی۔ آخر انہوں نے اپنے لائق صاحبزادہ سیٹھ ناصر بھائی کو میرے ہمراہ روانہ کیا۔ جنہوں نے مجھے اور میرے دونوں رفیقوں کو پھولوں سے لاد دیا۔

اور خدا حافظ کہا۔ ان دونوں رفیقوں میں سے شیخ انعام اللہ صاحب

ہندوستانی مسافران جہاز

نیلا اکسپورٹ ایجنٹ جو آگرہ سے ہی میرے ہمراہ تھے پہلے تین چار مرتبہ بغرض تجارت یوروپ کا سفر کر چکے

ہیں۔ دوسرے صاحب بابو محمد بخش لاہور کے رہنے والے ہیں یہ پہلے لاہور میں سرکاری ملازم تھے۔ مگر پیچھے کچھ عرصہ امیر صاحب کابل کے "میر عمارت" رہے۔ اب کچھ اسباب تجارت لے کر نمائش پیرس کی شرکت کے لیئے جاتے تھے۔ طاعون کی وجہ سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے تمام مسافروں کا طبی معائنہ لازم تھا۔ وکٹوریا ڈاک نامی بندر میں ایک یوروپین ڈاکٹر ایک شیڈ میں بیٹھے تھے۔ ہر ایک مسافر اُن کے پاس جاتا تھا وہ اُسکا نام اپنی فہرست میں دیکھتے۔ پھر نبض دیکھتے اور زبانی بھی دریافت کرتے کہ تم بیمار تو نہیں ہو۔ اور جب اُن کا اطمینان ہو جاتا۔ تو ایک کاغذ پر دستخط کر کے اُسکو دے دیتے تھے۔ تب ایک یوروپین پولیس افسر کو جو جہاز کے راستہ پر کھڑا تھا۔ وہ کاغذ دکھلایا جاتا تو وہ مسافروں کو جہاز کے اندر جانے دیتا۔ تیسرے درجے کے مسافروں کو اس قسم کے کاغذ نہیں دیئے جاتے تھے۔ بلکہ اُن کے ہاتھوں پر ربڑ کی ایک مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اور اُسکو دیکھ کر پولیس افسر اُنہیں گذر جانے دیتا۔ ان لوگوں کے اسباب کا بھی ملاحظہ کیا جاتا تھا۔ اور اُسپر بھی وہی مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اول و دوم درجے کے مسافروں کے اسباب کو یوں ہی صاف سمجھ لیا گیا تھا۔ ریل میں بھی اوّل و دوم درجے کے مسافروں کو طاعون کے معائنہ کی تکلیف سے آرام رہتا ہے۔ اور بیچارے تیسرے درجے کے مسافروں ہی کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جو پلیٹ فارم پر قطار باندھ کر کھڑے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُنہیں میں زیادہ ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں جو اس تکلیف کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

یہ جہاز امپیریٹرکس آسٹرین لائیڈ کمپنی کا ایک تیز رو جہاز پونے چار سو فیٹ لمبا اور پینتالیس فیٹ چوڑا تھا۔ جو پانچ ہزار ٹن پانی کو ہٹا سکتا تھا۔ علاوہ مسافروں کے رشتہ داروں اور دوستوں کے جہاز کے قریب بہت سے سودا بیچنے والوں کا بھی ہجوم تھا۔ یہاں بکثرت انگریزی کتابیں اخبار اور رسالے بک رہے تھے۔ کیونکہ آئندہ کئی روز تک جہاز میں یہی رفیق اور مونس تنہائی ہونے والے تھے۔ ٹھیک ایک بجے بعد دوپہر جہاز روانہ ہوا۔ جو شخص جہاز پر پہلی مرتبہ سوار ہو۔ اسکے لئے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کس قدر ہیبت ناک ہوتا ہے۔ اسوقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ سمندر کا پانی پہلے ہلکا سبز تھا۔ کچھ دور آگے بڑھ کر جب گہرائی زیادہ ہوئی تو رنگ بھی گہرا سبز اور آخر نیلگوں ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب خشکی نظر سے غائب ہو گئی تو سوائے نیلگوں پانی اور نیلگوں آسمان کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بادبانی جہاز جنہیں بگلے کہتے ہیں اور ماہی گیری کی کشتیاں جو خشکی کے قریب ملتی ہیں آگے چل کر ان کا نشان باقی نہیں رہتا۔

اول درجے میں سوائے انگریزوں کے دو ہندوستانی نوجوان بھی سوار تھے ایک پارسی نوجوان جو جرمنی کے ایک مدرسہ میں برقی انجینیری سیکھنے کو جا رہا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کام میں ۴ سال لگینگے۔ دوسرا مسلمان سردار بہادر میر عبد علی خان ڈپٹی پولیس افسر بمبئی کا چھوٹا بھائی بیرسٹری کے لئے جاتا تھا۔ دوسرے درجے میں ہندوستانیوں کے علاوہ دو یورپین سوداگر بھی تھے جو پورٹ سعید اور ابی سینیا یعنی حبش کو جاتے تھے۔ جہاں انکی دوکانیں ہیں۔ ایک یہودی جنٹلمین بمبئی کا رہنے والا تبدیل آب و ہوا کے لئے یورپ کو جاتا تھا۔ اس کی بیوی قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی۔ جو علاوہ ترکی کے یورپ

کی آٹھ سات زبانیں جانتی تھی۔ اور قسطنطنیہ اور ترکوں کی بڑی تعریف کرتی تھی باقی بہت سے یورپین مسافر تھے۔ ان میں سے اکثر تو جلدی ہی ہم سے بہت ملتفت ہو گئے۔ لیکن بعض کے دلوں میں آخر تک ہندوستان کے دیسی اور انگریز کی تفریق کا اثر باقی رہا۔ تاہم سب نہایت تہذیب سے ملتے جلتے تھے۔ دن بھر ڈک (صحن جہاز) پر آرام کرسیوں پر بیٹھے لوگ آپس میں ہر قسم کی باتیں کرتے یا پڑھتے رہتے تھے۔ اوّل اور دوم درجے کے مسافروں کو دن میں تین دفعہ کھانا ملتا تھا۔ اور دو دفعہ چائے وغیرہ۔ گویا صبح سے شام تک پانچ مرتبہ جہاز پر کھانے کی گھنٹی بجتی۔ چھ بجے صبح چائے۔ نو بجے ناشتہ۔ ایک بجے بعد دوپہر ٹفن۔ چار بجے چائے اور سات بجے ڈنر کا وقت مقرر تھا۔ اس طرح سوائے کھانے سونے اور گپیں ہانکنے کے جہاز پر دوسرا کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ سمندر کی آب و ہوا کی برکت ہے کہ انسان کا ہاضمہ ہو جاتا ہے اور جتنی ہضم ہو جاتی ہے خشکی پر اتنا ہضم کرنا مشکل ہے۔ جہاز کے افسر جو سب اطالی تھے۔ کبھی کبھی شام کو جلسہ رچا کر سب کو خوش کرتے۔ اہل اطالیہ کو ساز کے بجانے میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ سوائے دو چار افسروں کے باقی ملازمان جہاز انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اس لئے کھانے کے بیرے اور دوسری خدمات کے لئے جہاز کے نوکروں سے اشارہ سے کام لینا

سمندر کی بیماری

پڑتا تھا۔ پہلے تین چار روز تو بہت سے مسافر سی سکنس (سمندر کی بیماری) سے بیمار ہو گئے۔ چند روز مجھے بھی برابر تین روز ایک دو دو دفعہ قے کی۔ اور کھانے سے نفرت معلوم ہوتی تھی۔ ہر وقت دوران سر رہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد بالکل آرام ہو گیا۔ بعض لیڈیاں دیر تک صاحب فراش رہی ہیں۔ لیکن بعض لوگ جہاز کی بیماری سے بالکل محفوظ بھی ہے۔ اسکے بہت سے علاج بتلائے جاتے

ہے۔ ترشی کھانے کی صلاح دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے بہتیری ترشی بھی کھائی۔ مگر سوائے قے کے اثر نہیں ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قے بڑی مفید ہوتی ہے۔ اس سے تمام صفرا نکل جاتا ہے اور طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب آرزومند ہی رہے کہ انہیں بھی قے ہو جائے مگر نہ ہوئی۔ بعض لوگ صلاح دیتے ہیں کہ سمندر کے کھارے پانی کا ایک ذرا سا گھونٹ پی لینا چاہئے۔ اس سے یا تو کھل کر قے ہو جائیگی یا بالکل قے نہ ہوگی۔ لیکن مجھے تو سچ کی یہ رائے ہی مجرب معلوم ہوتی ہے۔ کہ سمندر کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ ذرا کنارے پر بیٹھ جاؤ۔ ایک روز میں نے کھانے کی میز پر ہی قے کر دی۔ ایک یوروپین مسافر نے جو بحری سفر کا خوب تجربہ رکھتا تھا مجھے صلاح دی کہ میں ذرا پھر کھانا کھا لوں۔ چنانچہ میں نے پھر اسی وقت تھوڑا سا کھا لیا۔ لیکن سب سے بہتر تجویز دوران سر یا قے سے بچنے کی یہ معلوم ہوتی تھی کہ بستر پر چت لیٹے رہو۔

جہاز میں قبض کی شکایت عموماً رہتی ہے۔ اور میوجات جو کھانے کے ساتھ ملتے ہیں قبض کے دفعیہ میں مدد دیتے ہیں۔ اگر سوڈا پانی کا گلاس علی الصباح نہار منہ پیا جاوے تو قبض کے لئے مفید پڑتا ہے۔

پرامن سمندر

نہایت شکرگذاری کے قابل بات تھی کہ سمندر میں تلاطم بالکل نہیں تھا۔ ہم لوگ ہر وقت ہراسان رہتے تھے کہ یہ طوفان کا موسم ہے ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں ہمیں طوفان ملیگا۔ اس صورت میں کپتان جہاز کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے جہاز کے مسافر بھی بحری بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ سمندر ذرہ بھی گرم نہ ہوا۔ بلکہ تمام راستہ اپریل کے سمندر کی طرح بالکل ٹھنڈا اور پرامن رہا۔ بعض کو اندیشہ تھا کہ عدن سے دو روز بعد جزیرہ سقوطرہ کا سمندر ضرور پرتلاطم ہوگا۔ لیکن یہ بھی بالکل خاموش تھا۔ تاہم خیال تھا کہ امروز فردا طوفان شروع ہو جانیوالا ہے

اس طوفان سے گو جہازوں کے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات جہازوں کی سلامتی تک کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے دُنیا کو بڑا نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ مرطوب ہوائیں جو سمندر میں "مانسون" پیدا کرتی ہیں۔ وہ بادل لے جا کر ہندوستان میں برساتی ہیں۔ اگر اچھا مانسون ہو تو کافی بارش ہو جاتی ہے۔ اس لئے میری ہمیشہ یہ دعا تھی کہ خدا تعالےٰ پُر زور مانسون!! دے اور تمام ہندوستان کو سیراب کر دے ✦

دُخانی جہاز رانی جس زمانہ میں دُخانی طاقت سے چلنے والے جہاز یعنی سٹیمر ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ بحری سفر بادبانوں والے جہازوں میں کیا جاتا تھا جو محض ہوا کے زور پر چلتے تھے۔ اور جو سفر اب گھنٹوں اور دنوں میں طے ہوتے ہیں۔ تب مہینوں میں طے ہوتے تھے۔ آج بیسویں صدی کے شروع میں انگلستان سے ہندوستان تک چودہ پندرہ روز میں جہاز پہنچ جاتا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے شروع میں چھ ماہ میں بھی انگریزی جہاز مشکل ہندوستان میں پہنچتے تھے۔ پہلے پہل ۱۸۰۷ء میں ایک چھوٹا سا دُخانی جہاز چلا۔ اور اسکے پندرہ سولہ سال بعد اضلاع متحدہ امریکہ میں باقاعدہ دُخانی جہازوں کی ٹریفک چلنے لگی۔ انگلستان میں پہلا دُخانی جہاز ۱۸۱۲ء میں چلا۔ اور ہندوستان تک پہلا دُخانی جہاز انٹرپرائیز ۱۸۲۵ء میں کپتان جانسن لایا۔ اب دُخانی جہازوں کو ہوا کی سمت کی ذرا بھی پرواہ نہیں علاوہ اسکے اب جہازوں کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ ہمارا جہاز شب و روز میں ۳۰۰ میل کے قریب چلتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پی اینڈ او کمپنی کے جہاز ۴۰۰ میل روزانہ رفتار قایم رکھتے ہیں۔ لیکن انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے مابین دُنیا کے سب سے بڑے اور طاقتور سٹیمر چلتے ہیں۔ جو پانچ سو میل روزانہ مسافت طے کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ کوئلہ جلایا جاتا ہے اور جس قدر کوئلہ زیادہ جلیگا اتنا ہی جہاز تیز چلیگا۔ ان میں سے بعض میں تین

ٹن یا قریب ساڑھے آٹھ ہزار ٹن کوئلہ ہر روز خرچ ہوتا ہے۔ رفتار جتنی تیز ہوگی۔ پانی کی مزاحمت بڑھے گی اسلئے جو جہاز ۱۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں ۲۰۰-۳۰۰ ٹن کوئلہ روزانہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اگر ۱۱ سے ۱۲ میل تک رفتار بڑھائی جائے تو ۳۰۰ ٹن کی بجائے ۱۲۰۰ ٹن کوئلہ خرچ ہوگا۔ اور چونکہ ہندوستان سے جانے والے جہازوں میں مسافر کثرت سے سوار نہیں ہوتے اسلئے ان کی رفتار زیادہ حد تک مستقل نہیں ہو سکتی۔

ہمارے زمانہ کے جہازوں کو ایک بڑی سہولت راستہ کی ہے۔ قدیم زمانہ میں جہاز کناروں کے قریب قریب چلتے تھے۔ اور جو خشکی سے کسی قدر دور ہو جاتے تھے تو دن کو آفتاب اور رات کو ستاروں کی مدد سے راستہ نکالتے تھے۔ مگر جب سورج اور ستارے نظر نہیں آتے تھے تو وہ بے بس ہو جاتے تھے۔ لیکن اب کمپاس کی مدد سے دخانی جہاز سیدھے تیر کی طرح سمندروں کے بیچ میں نکل جاتے ہیں۔ قطب نما کی مدد کے لئے تمام دنیا کے سمندروں کے نقشے بنے ہوئے اور عرض بلاد جہاز پر موجود ہوتے ہیں۔ غرض جہازرانی کے علم نے ہمارے زمانے میں بہت ترقی کی ہے۔

جہاز کے کمرے

جہاز میں مسافروں کی آسائش اور آرام کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے۔ جہاز کے کمرے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کیبن میں مسافر سوتے ہیں۔ ان میں نیچے اوپر دو دو بستر چھت سے لٹکتے رہتے ہیں۔ باہر کی طرف ایک گول یا مربع سوراخ بالشت بھر کا ہوتا ہے۔ جو ہوا اور روشنی آنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس کی کھڑکی میں چپہ بھر کا موٹا شیشہ لگا رہتا ہے۔ لیکن طوفانی موسم میں جبکہ سٹیورڈ کا مددگار اسے آکر بند کر دیتا ہے تاکہ موجوں کا پانی کابن (کمرہ) کے اندر نہ آجائے۔ اس وقت دم گھٹنے لگتا ہے۔ بحیرہ قلزم میں تو اتنی گرمی تھی کہ کوئی مسافر اپنے کابن میں سونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سب لوگ

اپنے اپنے بستروں کے گدیلے اور چادریں اور تکیے سٹیورڈ کے مددگار لڑکوں سے اٹھوا کر جو کھانے کے میز پر خدمتگاری کا کام کرتے ہیں صحن جہاز

صحن جہاز

پر لے آتے تھے۔ یہاں اوپر بڑی بڑی ٹاٹ کی چادریں تنی رہتی ہیں۔ اور عموماً سونے کے لئے یہ جگہ اچھی ہوتی ہے۔ رات کو ہر کمرہ میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ ایک بٹن کو دبانے سے برقی لیمپ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ بستر کی سفید چادریں ہر دوسرے تیسرے روز بدل دی جاتی ہیں۔ دن بھی سب لوگ صحن یا تختۂ جہاز پر کاٹتے ہیں۔ عموماً لوگ کتابیں یا رسالے پڑھا کرتے ہیں۔ لیکن بار ہا گپوں کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی آرام چوکیوں پر لیٹے ہوئے سو بھی جاتے ہیں۔ کسی کسی روز تختۂ جہاز پر کشتی کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں جو جہازوں سے ہی مخصوص ہوتی ہیں

جہاز کا کھانا

کھانا اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو الگ الگ کمرہ میں دیا جاتا ہے۔ اول درجہ کا کھانا زیادہ پرتکلف ہوتا ہے۔ ہر روز کھانے کے ساتھ تازہ میوہ جات بھی دیئے جاتے ہیں۔ میوہ جات اور مچھلی وغیرہ چیزیں ریفریجریٹروں میں رکھی جاتی ہیں جہاں وہ سردی کے سبب سے سڑتی نہیں جہاز میں برف بھی تیار کی جاتی ہے۔ اور کھانے کی میز پر یا کھانے کے بعد ہر وقت برفاب پینے کو ملتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی برف کی قلفیاں بھی ملجاتی ہیں۔ جہاز کا کپتان اور انجنیئر اول درجہ کے مسافروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اور دوسرا اور تیسرا افسر مع ڈاکٹر کے دوم درجہ کے مسافروں کے ساتھ۔ جو لوگ شراب پینا چاہتے ہیں انہیں قیمت ادا کرنے پر شراب بھی مل جاتی ہے۔ بعض جہازوں میں دودھ کے لئے گائے بھی رکھی جاتی ہے۔ لیکن گوشت کے لئے بھیڑیں بیل وغیرہ سب جہازوں پر رکھے جاتے ہیں۔ بیلوں کو یہ لوگ بڑی بے رحمی سے کھانے کے لئے مارتے ہیں۔ اس جہاز میں بیل کے دماغ میں گدی کی طرف سے ایک۔

بڑی سی سیخ ہتھوڑے کے ساتھ ٹھونک دیتے تھے - اور اس صدمہ سے
جانور فوراً گر کر مر جاتا تھا +

غسل جہاز کی زندگی کے متعلق غسلخانہ کا ذکر لازمی ہے - ہر شخص صبح اٹھ کر غسل کرنا چاہتا ہے - دوم درجہ میں ایک غسلخانہ مردوں اور ایک عورتوں کے لئے تھا - غسلخانہ میں ایک لمبا سا چینی کا ٹب ہوتا ہے جس میں اہل یوروپ لیٹ کر نہاتے ہیں - یوروپ میں ہر جگہ نہانے کیلئے ٹب استعمال کیا جاتا ہے - گو یہ ہم لوگوں کی صفائی اور طہارت کے خیال کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتا کہ جسم کا مستعمل پانی اخیر تک نہانے کے کام آئے تاہم یوروپ میں یہی دستور ہے - اور یہی اصول پر ریل گاڑیوں کے اول دوم درجوں میں کیا ہندوستان اور کیا یوروپ میں ہاتھ منہ دھونے کا پانی ایک برتن میں جمع کر کے اس سے ہاتھ منہ دھوتے جاتے ہیں - بہرحال جہاز کے غسل خانہ میں ایک نلکے سے بکثرت گرم اور سرد پانی آتا ہے - جو سمندر کا نمکین پانی ہوتا ہے - نمکین پانی میں نہانے سے بال چپٹ جاتے ہیں - اسلئے ایک خدمتگار ہر شخص کو نہانے سے پہلے کچھ میٹھا پانی بھی لا دیتا ہے جو نمکین پانی سے غسل کرنے کے بعد استعمال کیا جاتا ہے - یہی خدمتگار ایک صاف چادر اور ایک تولیہ بھی غسل کرنے کے لئے دیتا ہے - چونکہ غسلخانہ ایک ہوتا ہے اور نہانے والے کئی ہوتے ہیں اسلئے لوگوں کو بہت دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے - ہم ہندوستانی عموماً اہل یوروپ کی نسبت صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہوتے ہیں - اسلئے ہم سب سے پہلے نہا لیتے تھے - میں نے ایک بوڑھے صاحب کو کئی دفعہ دیکھا کہ وہ باوجود سویرے اٹھنے کی کوشش کے بھی مجھ سے بعد غسل خانہ تک آتا اور انتظار کی تکلیف اسے نہایت شاق گذرتی - نہانے کے بعد صبح کی چائے اور روٹی کے توش ملجاتے جو سب لوگ باری باری کھاتے +

جہاز کی صفائی

پنجاب میں ایک مثل مشہور ہے کہ ملاح کے حقہ کا پانی گندہ رہتا ہے ۔ ہر چند کہ وہ ہر وقت دریا کے کنارے پر رہتا ہے ۔ مگر زمانہ حال میں جہازوں میں صفائی کا بے حد اہتمام رکھا جاتا ہے ۔ گو ملاح جہاز پر بھی بوجہ ہر طرح کی صفائی کرنے میلے کچیلے رہتے ہیں ۔ خصوصاً وہ جو انجن میں کوئلے جھونکتے ہیں ۔ لیکن جہاز کے صحن کو ہر صبح پانی سے دھویا جاتا ہے ۔ علی الصباح خلاصی پانی کا نل کھولکر کہ جس کے ذریعہ سے خود بخود سمندر کا پانی جہاز کے اندر کھنچا آتا ہے ۔ برشوں سے تختۂ جہاز کو دھونے لگتے ہیں ۔ اسلئے جب تک جہاز کا تختہ دھویا نہ جاوے اس وقت تک اس پر بیٹھنے کا مزہ نہیں آتا ۔ اکثر مسافر سستی سی آرام کرسیاں بمبئی سے خرید لیتے ہیں ۔ اور انہیں پر تختہ جہاز پر بیٹھتے ہیں ۔ جن کی چوکیاں اپنی نہ ہوں انہیں ضرور باہر نکل کر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے ۔ کبھی کبھی جہاز کے نوکروں سے بھی کرایہ پر چوکی مل جاتی ہے ۔

تکلفات اور انتظام

اول اور دوم درجہ کے مسافروں کے لئے ایک ایک سموکنگ روم بھی جہاز میں ہوتا ہے ۔ یہ خاصا ہوادار کمرہ تھا جس میں تین چار چھوٹی چھوٹی میزیں اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی بنچیں تھیں ۔ میزوں پر نوشت خواند کا سامان پڑا رہتا ہے ۔ لیڈیوں کے لئے الگ ایک مکلف کمرہ میں باجا پڑا تھا ۔ جو سرسبز پودوں کے گملوں سے سجا ہوا تھا ۔ جہاز میں ایک ڈاکٹر اور ایک حجام بھی ہوتا ہے ۔ بعض لوگ جو تیسرے درجہ میں سوار ہوتے ہیں جہاز کے باورچیوں سے کھانے کی چیزیں بہت ارزاں خرید سکتے ہیں ۔ جہاز کے ملاحوں کا کھانا نہایت سادہ ہوتا ہے اور دیکھنے میں مجھے تو بہت مکروہ معلوم ہوتا تھا ۔ جہاز کے افسر اور ملازم اپنے اپنے کام پر نہایت مستعد اور وقت کے پابند ہوتے ہیں ۔ جہاز کے عین وسط میں ایک سب سے بلند جگہ پل کی طرح بنی ہوئی ہوتی ہے ۔ جسے برج

جسے پل کہتے ہیں۔ یہاں دن ہو یا رات ہر وقت جہاز کا ایک نہ ایک ذمہ دار افسر ہاتھ میں دوربین لئے کھڑا رہتا ہے۔ اور جہاز کی سلامتی کے لئے بڑی احتیاط سے دیکھتا جاتا ہے کہ جہاز ٹھیک راستہ پر تو جا رہا ہے کسی دوسرے جہاز یا چٹان سے تو نہیں ٹکرا جائیگا۔ اور وہ جب چاہے دم زدن میں جہاز کا رُخ بدل سکتا ہے یا اُسے کھڑا کر سکتا ہے۔ اسی کے پاس جہاز کا گھڑیال بھی ہوتا ہے۔ جہاز میں وقت رکھنے کا بھی علیحدہ طریق ہے۔ ہر آدھ گھنٹہ کے بعد گھڑیال بجایا جاتا ہے۔ اور اس طرح ہر چار گھنٹوں میں آٹھ دفعہ بجتا ہے۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو چار چار گھنٹوں کے چھ حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر چار گھنٹہ کا حصہ ایک واچ کہلاتا ہے اس طرح جہاز کا ہر افسر چار گھنٹہ کام کر کے آٹھ گھنٹہ آرام کرتا ہے ✦

بعض جہازوں میں تھوڑا سا کتب خانہ بھی ہوتا ہے جہاں تھوڑی سی فیس ادا کرنے پر پڑھنے کے لئے کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن جس جہاز پر میں نے سفر کیا تھا وہاں سب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کتاب مانگ کر پڑھ لیتے تھے۔ میرے پاس کافی کتابیں تھیں۔ جو کئی انگریزوں نے مجھ سے لے کر پڑھیں اور بعض نے مجھے اپنی کتابیں بھی پڑھنے کو دیں ✦

جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ

ذیل میں میں اپنی ڈائری سے سفر جہاز کے پہلے چار پانچ روز کی کیفیت سے چند فقرات نقل کرتا ہوں جس سے کچھ جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن چار پانچ روز کے بعد طبیعتیں سنبھل جاتی ہیں اور لوگ گھروں کی طرح رہنے لگتے ہیں۔

جمعہ۔ یکم جون سنہ ۱۹۰۰ء: ۔ پہلے پہل جہاز پر سوار ہونے والے کے لئے سمندر کا عالی شان نظارہ کیسا دلچسپ ہو سکتا ہے دن بھر لوگ آرام کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ رات کے دو بجے تک وہیں سو بھی گئے اور پھر کمرہ میں جا سوئے ✦

شنبہ ۲۲ جون: صبح دیر کر کے اٹھا۔ طبیعت بار بار متلی کرتی تھی تاآنکہ ۹ بجے کھل کر استفراغ ہوا۔ اور طبیعت کھل گئی۔ کئی دوسرے مسافروں کو بھی قے آئی۔ اور کئی بچ گئے۔ دن میں ۹ بجے صبح ایک بجے دوپہر اور ۷ بجے شام کھانا ملتا ہے۔ اور ۶ بجے صبح اور ۴ بجے شام چائے۔ سوائے کھانے اور گپیں ہانکنے کے کوئی کام نہیں۔ بوجہ دوران سر کھانے سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فرانسیسی پڑھنے میں تھوڑا وقت صرف کیا۔ دن میں اوڑنے والی مچھلیاں دیکھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی قریب بالشت کے لمبی ہونگی جو سینکڑوں سطح آب کے قریب مثل پرندوں کے دور تک اڑتی چلی جاتی ہیں۔ شام کو اندھیرے کے بعد جہاز کے قریب جگنو کی طرح چمکتی ہوئی چیزیں پانی میں دیکھیں۔ بعض مسافروں نے کہا یہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ ...

یکشنبہ ۲۳ جون: صبح غسل کیا۔ طبیعت سخت ہے۔ آج جہاز میں تیسرا دن ہے مگر ایک اجابت نہیں ہوئی۔ صبح چائے پینے کے بعد چکر آیا اور قے ہوگئی۔ کپڑے بدلنے اور کابن کے اندر ٹھیرنے کی ہمت نہیں پڑتی دن بھر ڈک پر رہے۔ یورپین طرز کا پکا ہوا گوشت بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ ... شام کو مسٹر ولسن ایک سکاچ مین نے کہا کہ تم یورپین کھانوں سے اس قدر نفرت رکھتے ہو تو یورپ میں اتنا عرصہ کس طرح گذار سکو گے۔ یہ شخص دیکھنے میں ایسا سیدھا سادا تھا مگر کیسا باخبر اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے ... آج اور کل میں جہاز نے ۵۰۰ ناٹ (بحری میل) جو [illegible] خشکی کے میل کے برابر ہوتا ہے سفر کیا۔ ... سمندر کی سیر کیسی دلکش تھی۔ چھوٹی چھوٹی موجیں ان پر آفتاب کے عکس سے ہیروں کی طرح چمکتی نظر آتی تھیں۔"

دوشنبہ ۲۴ جون: آج دو مرتبہ قے ہوئی۔ ۱۲ بجے کے بعد طبیعت سنبھلی تین روز سے کپڑے بدلنے کا ارادہ ہے مگر ہمت نہیں پڑی۔ دن بھر ڈک

پڑے رہتے ہیں۔ اور بھی بعض مسافر بحری بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر بعض صاف بچ گئے ہیں۔۔۔ ایک صاحب نے مجھے تاکید کی کہ کھانا ضرور کھانا چاہئے تاکہ قے کرنے میں تکلیف نہ ہو۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ جہاز کا باورچی اپنے فن میں استاد ہے۔ مگر ہم اس کی قدر نہیں سمجھ سکتے۔ کچھ تو غیر ذبیحہ وغیرہ کی نفرت اور کچھ ہندی نمک مرچ کی عدم موجودگی۔۔۔۔ شام کو اطالین افسروں نے حسب معمول سارنگی بجائی اور سب کو خوش کیا۔ مسٹر ولسن سے مختلف امور پر گفتگو رہی۔۔۔ اس نے کہا انگلستان کا چرچ خود اندر سرکاری سے بہت کم مدد حاصل کرتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جو لوگوں نے بہت سی اراضی مذہبی اعانت کے لئے چرچ کے نام وقف کر رکھی ہے اسکی آمدنی۔ دوسرے پرائیویٹ چندے۔ گرجے کے اندر کی خیرات۔ اور سیٹ وان مل ملا کر گرجوں کا خرچ چلاتے ہیں۔"

جہازی زندگی اور عدن و پورٹ سعید

بس آساں می نمود اول غم دریا بہ بوئے سود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نمے ارزد

مشہور ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کی شہرت جب ایران کو طے کر کے ہندوستان میں آپہنچی تو دکن کے وزیر اعظم نے انہیں ہندوستان میں آنے کے لئے پیغام بھیجا۔ خواجہ حافظ بوشہر سے کشتی پر سوار ہوئے ہونگے کہ خلیج فارس میں باد مخالف چلی۔ اور ان کی کشتی معرض خطر میں پڑ گئی۔ ناخدا جوں توں کر کے کشتی کو کنارہ پر لوٹا لے گئے۔ اور خواجہ نے سیاحت ہند کا ارادہ ترک کر دیا کہ جہاں سے انہیں بہت سی مالی منفعت کی امیدیں تھیں لیکن حسب حال ایک غزل لکھ کر وزیر دکن کے پاس بھیجدی کہ جسکا ایک شعر عنوان پر درج کیا گیا ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ قدیم زمانہ میں سفر بحر نہایت خوفناک مہم ہوتی تھی۔ اور اب بھی جب مسافر نظر اٹھا کر چاروں طرف ایک ناپیدا کنار نیلگوں سمندر میں ایک کمزور اور چھوٹے سے جہاز کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس پر عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے اور سوائے ذات باری پر بھروسہ کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ تاہم جب ہمارے زمانہ کی جہازرانی کی طرف خیال کیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرت انسان نے کمال ہی تو کر دیا ہے۔ قدیم زمانہ میں لکڑی کے کمزور اور چھوٹے چھوٹے جہاز تھے۔ سمندروں میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور کناروں کے قریب قریب جہازرانی ہوتی تھی۔ مگر اب بڑے بڑے

استہ ہم زمانہ کے
بحری سفر

دخانی جہاز تو ہے اور فولاد کے بنے ہوئے دُخانی طاقت کے بھروسہ شب روز چلے جاتے ہیں۔ اور سمندر کی ناراضگی سے ذرہ نہیں ڈرتے ۔ بارہا بحر مواج متلاطم ہوتا ہے۔ اور اس کی کشادہ پیشانی پر موجوں کے بڑے بڑے بل پڑ جاتے ہیں۔ مگر دخانی جہاز نہایت متانت۔ شجاعت اور بے پروائی سے پانی کو چیرتا ہوا دس پندرہ اور کبھی کبھی بیس پچیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سطح آب پر بھاگا چلا جاتا ہے۔ مسافروں کو ناہموار سمندر کی وجہ سے جھٹکے بھی لگتے ہیں اور کبھی کبھی دوران سر اور قے سے بھی بعض مسافر تکلیف اُٹھاتے ہیں تاہم بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اُن کی آسائش کے سامان اور کھانے پینے اور تفریح کے اوقات میں ذرہ بھی فرق آئے۔ بمبئی میں مجھے ایک بزرگ دوست نے بتلایا تھا کہ میں نے دخانی جہازوں کی ایجاد سے پہلے چین تک بحر کا سفر کیا تھا۔ اور جو مصائب اُٹھائی تھیں اُن کے مقابلے میں حال کا سفر بحر محض ایک تفریح کا سامان ہے۔ اور وہ زمانہ گذر گیا ہے۔ جبکہ سفر بحر کی نسبت اس قسم کے خیالات مشہور تھے جیسا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ۔ شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل۔ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا ۔ یا حضرت سعدی کا قول ہے ۔ بدریا در منافع بے شمار است۔ اگر خواہی سلامت بر کنار است ٭

مشہور ہے کہ حکیم افلاطون سے کسی نے پوچھا تھا کہ تم سمندر کے سفر سے واپس آئے ہو بتلاؤ ہمارے لئے کیا عجائبات لائے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہی کیا کم عجائب بات ہے کہ میں خود سلامت بچ آیا ہوں۔

زمانہ حال کا پُرامن سفر بحر

بیشک اس زمانہ کی جہازرانی کی ابتدائی حالت میں سفر بحر کی نسبت ایسے ہی خیالات مشہور ہونے چاہئیں تھے لیکن اب جہازرانی میں بے انتہا ترقی ہوگئی ہے۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ آجکل سمندر میں کشتیاں اور جہاز غرق نہیں ہو سکتے۔ یا سمندر ایسا

پارسا ہو گیا ہے کہ آئندہ مردم آزاری چھوڑ بیٹھا ہے۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ فن جہاز رانی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اب بدولت اکثر طوفانوں میں بھی جہاز ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں۔ جب تک کہ پانی میں چھپے ہوئے چٹانوں سے نہ ٹکرائیں۔ علاوہ روشنی کی میناروں کے تمام دنیا کے سمندروں کے ایسے نقشے بنا لئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں کہاں پانی میں ڈوبے ہوئے چٹان موجود ہیں۔ انگلستان میں جو کمپنیاں جہازوں کا بیمہ کرتی ہیں ان میں سے بعض بیس بیس سال سے جاری ہیں۔ اور کہتے ہیں ایک پیسہ کا نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے بیمہ والا کوئی جہاز نہیں ٹوٹا جہاز رانی کو کمپاس سے بہت مدد ملی ہے۔ اور جہاز اندھیری راتوں اور ابر آلود دنوں میں بلا مدد ستاروں اور آفتاب کے چل سکتا ہے۔ مگر دوپہر کو آفتاب کی مدد سے اس کی پوزیشن درست کرنی پڑتی ہے تاکہ کم و بیش گمراہ نہ ہو جائے مجھے ایک باخبر انگریز نے بتلایا تھا کہ ریلوں کی نسبت جہازوں کے ذریعے سے اتلاف جان کم ہوتا ہے۔ اہل یورپ حصول صحت و تفریح کی غرض سے سفر بحر اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان سے ایک انگریز چھ مہینے کی رخصت لے کر انگلستان کو جاتا ہے۔ اور سوائے دو چار روز کے ساری رخصت آمد و رفت میں جہاز پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اسے کافی تفریح حاصل ہو گئی۔

جہاز کی کنسرٹیں اور کھیل تماشے

اہل یورپ سفر جہاز کو اور بھی خوش وقت بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ہمارے جہاز میں ہر شب یورپین مسافر گانے بجانے کے جلسے کیا کرتے تھے۔ سب سالار صحن جہاز پر اپنی اپنی آرام کرسیوں پر جمع ہو جاتے۔ ان میں سے جو زیادہ زندہ دل ہوتے وہ ساتھی طنبورہ پیانو وغیرہ بجاتے اور بعض دوسرے ان کے ساتھ گاتے جاتے۔ دو تین گھنٹے شام کے اسی طرح تفریح میں گذار دیتے

کبھی کبھی کوئی زیادہ رنگیلا اور منچلا مسافر اسی حالت میں اپنی بیوی کی کمر میں بانہیں ڈال کر ناچنے بھی لگتا۔ اس جہاز کے تمام افسر اور ملازم اطالی تھے اور کئی مسافر بھی اطالین۔ اسلئے گیت بھی اطالی زبان میں ہی ہوتے مگر انگریز بھی ان سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ اور گانے والوں کو بار بار گانے کی فرمائشیں کی جاتی تھیں۔ کانسرٹ تو ہر روز ہوتے تھے۔ لیکن بحیرہ قلزم میں جا کر ایک شب دوم درجہ کے کل مسافروں سے چندہ جمع کرکے بڑا کانسرٹ کیا گیا۔ جس میں ہندوستانی مسافروں سے بھی چندہ مانگا گیا۔ رات کو خوب گانا بجانا اور ناچ ہوا۔ چونکہ ہم دو تین ہندوستانی مسافروں نے بھی چندہ دیا تھا ہم بھی خصوصیت سے بلا کر ایک جگہ بٹھائے گئے۔ اور سب کی طرح شراب سے ہماری بھی تواضع کی گئی۔ مگر ہم نے کیک اور سوڈا واٹر پر اکتفا کی۔ لیکن یہ لوگ ناچ کے خاتمے پر ایک دوسرے کو اصرار کرکے شراب پلاتے تھے۔ اور خوب پیتے تھے۔ ان تماشوں کو دیکھ کر میرے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے تھے۔ میں حیران ہوتا تھا کہ اہل مشرق اور اہل مغرب کی زندگیوں میں اس پہلو میں بعد المشرقین فاصل ہے۔ اہل مغرب درحقیقت زندہ دل ہیں یا بقول اُن کے واقعی زندگی کو رہنے کے قابل بنانا چاہتے ہیں۔ کام کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور فرصت کے وقت تفریح بھی دل کھول کر حاصل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے عورتیں مرد سب ملکر ہنستے کھیلتے اور ناچتے کودتے ہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسنا کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ اور شرفائی اور عمر رسیدہ آدمیوں کی متانت وقار اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ مگر برعکس اسکے یہ لوگ کہتے ہیں "کام کے وقت خوب کام کرو۔ اور کھیل کے وقت خوب کھیلو" یعنے جو کام کرو ادھورا نہ کرو اس میں کیا شک ہے کہ زمانہ حال کی ضروریات اور حالات زندگی ہمیں زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسلئے اگر ہم ہر وقت کام ہی کرتے

چلے جائیں تو بہت جلد کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ ایک شخص نے حکیم لقمان کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ تو تعجب سے پوچھا کہ ایسا دانشمند شخص بچوں کے ساتھ کیوں کھیلتا ہے۔ لقمان نے ایک کمان کھول کر اسکے سامنے رکھدی اور کہا کہ دیکھو اسکا چلہ اترا ہوا ہے۔ اگر ہر وقت کھنچی رہے تو اس کی لچک جاتی رہیگی۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اگر یہ ہر وقت کاروبار اور تفکرات کے بوجھ سے لدا رہے تو یہ بہت جلد تھک جاتا ہے۔ اسلئے محنت کے بعد کسی نہ کسی طرح کی تفریح کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اہل یورپ ہمارے خیالات کے مطابق تفریح حاصل کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تفریح صرف میخواری اور گانے بجانے اور ناچنے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ مگر شاید اہل یورپ سمجھتے ہوں کہ شراب ہم صرف بے فکری حاصل کرنے کے لئے پیتے ہیں ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ۔ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

مگر ہندوستانی ترک میخواری کے ساتھ پاکیزہ سے پاکیزہ تفریح کے کئی ذریعے نکال سکتے ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

عدن

۷۔ جون کو ۱۱ بجے دن کے ہمارا جہاز پورے چھ شبانہ روز کے سفر کے بعد ۱۶۶۲ میل طے کرکے بندر عدن میں پہنچا۔ اتنی مدت رات دن پانی میں رہ کر خشکی دیکھنے کو ہر ایک کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ ہرچند کہ عدن کا منظر ذرہ بھی خوش آئند نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ بالکل خشک غیر ذی زرع اور جلی ہوئی سنگلاخ سرزمین ہے جس پر سبزی یا کسی درخت کا نام و نشان تک نہیں۔ تاہم خشکی کے رہنے والوں کو دور سے عدن کی پہاڑیاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ آٹھ دس میل سے عدن کی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جہاز نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا ہم سے پندرہ بیس منٹ پہلے پی اینڈ او کمپنی کے جہاز تسمانیا نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا تھا۔ یہ ڈاک کا جہاز تھا

جو چوبیس گھنٹے ہم سے بعد بمبئی سے روانہ ہؤا تھا۔ بعض لوگ جلدی کے لئے خصوصیت سے ڈاک کے جہازوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور انہیں قدرے کرایہ زیادہ دینا پڑتا ہے۔ سبراؤں نے عدن سے کوئلہ اور ڈاک لی۔ اور فوراً آگے کو روانہ ہوگیا۔ لیکن جہاز امپیریٹرکس جس میں ہم سوار تھے۔ دن بھر عدن کا مال تجارت اتارتا اور عدن سے نیال پورٹ سعید وغیرہ بندروں کے لئے لادتا رہا۔ عدن میں ہندوستان کا بھیجا ہؤا غلہ آتا رہا تھا۔ اور وہاں سے نیویارک (امریکہ) کے لئے چمڑا اور قسطنطنیہ کے لئے تمباکو علاوہ دیگر اشیا کے بار کیا گیا تھا۔ کاؤس جی ڈنشا نامی ایک پارسی سوداگر کے کارندے یہ بوجھ دن بھر لدواتے رہے۔ یہ صاحب پچاس برس پہلے عدن میں آئے اور ایک چھوٹی سی دوکان کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ بہت ترقی کی۔ آج یہ عدن میں سب سے بڑے آدمی۔ صاحب مکانات اور جائداد بلکہ کشتی شیمروں کے مالک اور سب سے بڑے ٹھیکہ دار ہیں۔ انکی بدولت قریب پانسو کے پارسی عدن میں جمع ہوگئے ہیں۔ اور کاروبار کرتے ہیں اور تمام علاقہ شمالی (ساحل افریقہ) اور عدن (ساحل عرب) کی زیادہ تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے ۔

جہاز عدن میں پہنچا۔ تو مجھے عدن کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا گویا باغ عدن نہ تھا مگر پھر بھی عدن تو تھا۔ لیکن فوراً ایک چھوٹے شیمر میں ایک ڈاکٹر صاحب آگئے۔ اور انہوں نے حکم دیا کہ جہاز کا کوئی مسافر طاعون کے شبہ سے عدن میں نہیں جاسکتا۔ جو چند مسافر درجہ دوم وسوم کے اُترنے والے ہیں اُنہیں پانچ روز قرنطینہ میں گذارنے پڑینگے۔ دو بوہرے سوداگروں اور ایک اطالین (یورپین) نے اپنے عدن کے دوستوں کی معرفت بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح دوم درجے کے مسافروں کو قرنطینہ کی قید سے بری کیا جاوے مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اور نہایت یاس وحرمان سے قرنطینہ کی طرف گئے

جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرتے تھے۔ فی نفسہٖ مدنی بالطبع انسان کو قرنطینہ کی تنہائی سے سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ادھر جہاز پر اسباب بار ہوتا رہا اور دوسری طرف سے کوئلہ لدتا رہا۔ اور کوئلے کی وجہ سے جہاز کے سب کمرں کے دروازے بند تھے کہ گرد سے سیاہ نہ ہو جائیں۔

غوطہ زن سمالی لڑکے

ہاں بڑی دلچسپ کیفیت اس وقت کی یہ تھی۔ کہ جوں ہی جہاز نے لنگر کیا۔ بہت سے سُمالی لڑکے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز کے گرد جمع ہو گئے۔ اور چلّا چلّا کر انگریزی زبان میں کہنے لگے "چار آنہ آٹھ آنہ۔ روپیہ پانی میں پھینکو۔ ہم غوطہ لگا کر نکال لائینگے"۔ ان لوگوں نے آٹھ دس لفظ انگریزی کے سیکھ رکھے ہیں۔ اور اُن سے اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ بعض مسافروں نے دو دو آنیاں چونیاں پانی میں پھینکیں۔ اور یہ لوگ فوراً اپنی کشتیوں سے پانی میں کود کر پکڑ لائے اور سکّے دکھلا دیئے۔ کبھی دو چار اکٹھے پانی میں کودتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی نہ کوئی پانی کے اندر سے سکّہ پکڑ لاتا۔ پانی بہت گہرا تھا مگر یہ تو دونی چونی کو ایک آدھ گز سے زیادہ نیچے نہیں جانے دیتے تھے۔ میرے خیال میں چونکہ سمندر کا پانی بوجہ نمکین ہونے کے بھاری ہوتا ہے اس میں شیریں پانی کی نسبت دونی چونی کو تہ تک پہنچنے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اور سمالی لڑکے پانی کے اندر آنکھیں کھلی رکھ کر غوطہ لگاتے ہیں اور چونکہ پانی بہت صاف اور شفاف ہوتا ہے یہ سکہ راستہ میں سے ہی اچک لاتے ہیں۔ بہرحال یہ بڑا دلچسپ تماشا ہوتا ہے۔ یہ پانی میں ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی تیرتی ہے۔ گھنٹوں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے بازیں اور ٹانگیں ہلاتے رہتے ہیں۔ اور ڈوبتے نہیں۔ دو ایک لڑکے غوطہ لگا کر جہاز کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف جا نکلے۔ شام تک ان لوگوں نے "آئی ڈائیو" میں غوطہ لگاتا ہوں کا شور مچا رکھا تھا۔* ان کے علاوہ کئی ایک

* اس نوٹ کو صفحہ ۷۰ پر دیکھو۔

اور بھی چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں جہاز تک آئیں۔ ان میں دوکاندار سودا بیچنے کو لائے تھے۔ یہ لوگ مسلمان اور یہودی عرب تھے۔ مگر انگریزی۔ اردو اطالی وغیرہ زبانوں کے بھی تھوڑے بہت فقرات کام چلانے کے لئے جانتے تھے۔ زیادہ تر یوروپین سامان مثل دیا سلائی۔ سگار۔ اچار۔ اور دیسی میوہ جات مثل لیمو۔ سنگترہ۔ خربزہ اور تربوز کے جہاز والوں کے پاس بیچنے کو لاتے۔ کوئی شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا۔ تو یہ اپنے چھینکے کی ایک رسّی اوپر کو جہاز میں پھینک دیتے اور دوسری اپنے ہاتھ میں رکھتے۔ اور چھینکے میں سودا ڈال دیتے۔ جو مسافر جہاز میں کھینچ لیتا۔ اسی طرح وہ دام اسی چھینکے میں رکھ دیتا۔ اور دوکاندار اپنی ڈونگی میں نیچے کھینچ لیتا۔ یہودی لوگ شتر مرغ کے پر اور کسی دوسرے جانور کے پروں کی بوا (Boa) لائے تھے۔ یہ سیاہ یا بھورے پروں سے قریب دو گز کے لمبی سی چیز ہوتی ہے۔ جو موسم سرما میں

حاشیہ صفحہ ۱۵: ہندوستان میں لوٹنے کے بعد میں نے ٹائمز آف انڈیا میں یہ مضمون دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ بندر عدن میں ایک صومالی لڑکا جب ایک سکہ نکالنے کے لئے پانی میں گیا تو ایک شارک مچھلی اسے کھا گئی یا سیر پیسے سمندر سے گہرائی کی شروع کی ہر کسی لڑکے کو آئندہ سکے نکالنے کیلئے پانی میں نہیں کودنے دیں گے۔ بلکہ ۱۹۰۹ء میں صاحب مجسٹریٹ عدن نے اس مطلب کا ایک اعلان مشتہر کیا تھا اور ۱۹۱۰ء میں پی اینڈ او کمپنی کے ایجنٹ نے اسکی نقل اپنے جہازوں کے مسافروں کے لیے چھاپ کر شائع کی تھی کہ وہ صومالی لڑکوں کو پانی میں سکے پھینک کر کودنے کی ترغیب نہ دیں۔ اب عدن کی پولیس کہتی ہے کہ وہ برابر صومالی لڑکوں کو اس فعل سے روک رہی ہے۔ مگر وہ پولیس کی بے خبری میں پانی میں کود پڑتے ہیں۔ اور جو کشتیاں سودا بیچنے کو جہازوں کے قریب آتی ہیں۔ وہ انہیں کے ملاح ہوتے ہیں۔ واقعی مجھے ان بیچاروں کی حالت پر رحم آتا تھا۔ جب یہ گھنٹوں پانی میں پیسے اور سکوں کیلئے چلاتے رہے۔ سوائے کسی دو ایک کے مسافروں نے ان کی جانب زیادہ التفات نہ کیا۔

یوروپین عورتیں گھروں میں بیٹھے ہوئے پھرتی ہیں۔ یہ پانچ سے لے کر بیس روپیہ تک بکے جو کئی میموں اور بعض صاحبوں نے جہاز پر خریدے بعض دوسرے لوگوں نے بڑے بڑے گھونگے۔ شیر کی کھالیں وغیرہ جو اس علاقے کے تحائف سمجھے جاتے ہیں خریدیں۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ یہ اور سیاہ فام حبشی یا عرب لڑکے ٹوٹی پھوٹی انگریزی۔ اطالی اور اردو زبانوں میں اپنا مطلب بخوبی نکال لیتے تھے۔ اور خوب ہوشیار معلوم ہوتے تھے۔ یہ چیزوں کے دام پہلے پہل دگنے چوگنے لگاتے تھے۔ اور آخر آدھے چوتھائی منظور کر لیتے تھے۔ میں نے یوروپ میں جا کر دیکھا تو لیڈیوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ صمالی لڑکوں کے سروں کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے تھے اور بعض کے سرخی مائل۔ گیارہ بجے رات تک کشتی آنے جانے اور سودا بیچنے والوں کا جہاز کے گرد تانتا لگا رہا۔ جہاز میں دن بھر مال تجارت اترتا رہا خصوصاً چمڑے نیو یارک کے لئے اور تمباکو جو قسطنطنیہ کے لئے بار کیا گیا تھا۔ زنگبار کا تمباکو تھا جو قسطنطنیہ میں پہنچ کر وہاں کے نام سے یورپ میں بکے گا۔ عدن میں ہندوستان کا بہت سا غلہ اتارا گیا اور کپڑا بھی۔ عدن جیسے مقام سے اسقدر تجارت درآمد و برآمد دیکھ کر تعجب ہوا مگر یہاں تجارت ساحل عرب کے ایک بڑے حصہ کے لئے ہوگا۔

بحیرہ قلزم

ہمارا جہاز ۱۰ بجے رات کو عدن سے بحیرہ قلزم کو روانہ ہونے والا تھا۔ ہم صبح اٹھے تو جہاز سرگرم بحر پیمائی تھا۔ آج بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے اور بعض چٹان عرب اور افریقہ کے ساحلوں کی طرف نظر آئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی قسم کی مرغابی بکثرت موجود تھی۔ کیونکہ دونوں طرف کے کنارے بہت قریب تھے۔ گو سمندر میں تین چار سو میل خشکی سے دور بھی بعض جانور نظر آتے تھے۔ ۷ جون کو ہمارا جہاز بندر جدہ کے مقابل سے گذرا۔ جو جو خیالات اس مقدس سرزمین کے مقابل گذرتے ہوئے ان چار پانچ روز میں میرے

ول میں گذرے تھے۔ اُن کے بیان کرنے کیلئے دفتر درکار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ تمام سمندر مع دونوں طرف کے ایشیائی اور افریقی ساحلوں کے توحید کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ اور پیچھے مسلمانوں کے کارناموں کا منظر بنے ہوئے تھے۔ مگر اس نظر سے آج یہ قلزم اور اسکے کنارے یکساں سُونے پڑے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اسلاف دنیا میں نام پیدا کر گئے تھے انکے اخلاف ننگ زمانہ ہونے میں سبقت لے گئے ہیں ؎

مجھ کو بحر قلزم میں دن بھر بیسیوں چھوٹے چھوٹے خشک جزیرے اور چٹان عربی اور زنگی ساحلوں پر نظر آئے۔ جیسی کہ بحر ہند اور بحر عرب میں مچھلیاں نظر آتی تھیں یہاں نہیں دیکھیں۔ بحر عرب میں تو بارہا مچھلیوں کی ایسی قطاریں نظر آئیں جو جہاز کا شور سنکر پانی سے اس طرح اچھلتی کودتی تھیں کہ گویا ہرن جنگل میں چوکڑیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دور تک یہ جہاز کی ہمراہ چلی جاتی تھیں۔ یہ مچھلیاں گز سوا گز سے زیادہ لمبی نہ ہوتی ہونگی لیکن مرغابیاں جو چیل اور بگلے کے درمیان ایک قسم نرالی کی تھیں بحر قلزم میں بے شمار تھیں۔ سمندر کے پانی میں سُرخی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا تھا۔ کہ جو بحر احمر یا ریڈ سی کے نام کی وجہ قرار دیا جاتا۔ بحر قلزم میں سخت گرمی پڑتی ہے لیکن اسوقت زیادہ گرمی نہ تھی۔ اور بوجہ سمندر چھوٹا ہونے کے کئی جہاز دن بھر میں ادھر اُدھر گذرتے نظر پڑتے تھے۔ بحالیکہ بحر ہند میں ہفتہ بھر میں صرف ایک جہاز نظر آیا تھا۔

جرمنی زبان

تین چار روز کے بعد جب جہاز میں طبیعت سنبھلی تو کچھ پڑھنے کا خیال آیا۔ دو چار سفرناموں اور گائیڈبکوں کو سرسری نظر سے جلدی ہی دیکھ لیا۔ ہمارے ساتھ ایک نوجوان پارسی طالب علم بھی سفر کر رہا تھا۔ جو جرمنی کے ایک مقام کنسٹر میں برقی انجنیری سیکھتا تھا۔ اور کچھ عرصہ یہاں رہ کر بمبئی میں کسی خانگی کام کے لئے آیا تھا۔ اسکے پاس جرمنی زبان کی گرامر

اور جرمن گفتگو سیکھنے کی کتاب تھی۔ میں نے اس سے کتاب مانگ کر جرمنی ابجد سیکھی اور کچھ لفظ اور فقرے یاد کرنے شروع کئے۔ وہ ہنستا تھا کہ اس درد سری سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اتفاقاً ہمارے درجہ کے مسافروں میں ایک جرمن پادری صاحب بھی تھے جو جنوبی ہند میں کام کرتے تھے اور اب اپنے وطن کو جارہے تھے۔ میں نے اُن سے کچھ تلفظ پوچھنے شروع کئے۔ کیونکہ جرمن زبان کے بعض تلفظ مشکل ہوتے ہیں۔ اسلئے سفر جہاز کا زیادہ حصہ اسی محنت بے فائدہ میں گذر گیا۔ اور بہت مزے

پادری صاحب سے بحث

سے گذرا۔ کیونکہ کبھی طبیعت بیکاری سے نہ گھبراتی تھی۔ یہ پادری صاحب اپنے مطلب کے بہت پکے تھے۔ بار ہا مجھ سے مذہبی باتیں چھیڑ دیتے۔ اور میں اس گفتگو کو ٹال دیتا۔ ایک روز میں نے ان سے کہا کہ بہتر ہے ایک روز عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کرلیں چنانچہ تین چار اور انگریز اور پادری صاحب ملکر مجھ سے دو تین گھنٹے بحث کرتے رہے۔ اُن کے اعتراضات وہی تھے۔ جو عموماً عیسائی مسلمانوں پر عاید کرتے ہیں۔ جب وہ تثلیث اور کفارہ کے مسئلہ کو مجھے سمجھانے میں قاصر رہے تو کہنے لگے آؤ مسیح اور محمد صاحب کی زندگیوں کا مقابلہ کریں حضرت محمد کی بہت سی بیویاں تھیں اور حضرت مسیح عمر بھر مجرد رہے۔ بتلاؤ کس کی مثال تقلید کے قابل ہے۔ میں نے کہا غالباً حضرت مسیح کی مثال ہی تقلید کے قابل اور زیادہ پریکٹیکل (عملی) ہے۔ تاکہ دنیا کا سلسلہ توالد

اہل ہند اور اہل یورپ کے اخلاق

تناسل ہی بند ہو جائے۔ پھر پادری صاحب نے اہل ہند کی بد اخلاقی اور بدکاری کا ذکر شروع کیا۔ اور اس کو اہل ہند کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ٹھیرایا۔ کہا سکولوں کے چھوٹے بچوں تک بدکاری کی علت میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا واقعی یہ افسوس کی بات ہے۔ لیکن سب بچے تو یکساں نہیں ہوتے۔ اور علاوہ اسکے معلوم نہیں

کہ یورپ میں بچوں کا کیا حال ہے۔ لیکن یورپ میں جو عورتوں کی بداطواری اور حرامزادہ بچوں کی کثرت اخباروں اور کتابوں کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہے کیا اسے مذہب عیسوی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیا جاوے۔ اسکا جواب یہ لوگ سوائے اسکے کچھ نہ دے سکے کہ یورپ میں لوگ بدکاری چھپا کر نہیں کرتے۔ مگر ہندوستانی ظاہرا بگلا بھگت بنے رہتے ہیں اور باطن میں گندے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اخلاقی معیار اہل یورپ کی طرح اعلیٰ نہیں لیکن اس پر گفتگو ایسے طور پر چل پڑی کہ ان میں سے دو تین صاحبان نے اپنے اپنے تجربات یورپ کے مختلف ممالک کی بداطوار عورتوں کی بیباکی کے قصے سنانے شروع کئے جو باوجود انسدادی قانون موجود ہونے کے سربازار انہیں اجنبی سمجھ کر ان کے گلے کا ہار ہوگئی تھیں۔ اس پر ایک صاحب نے جو بہت ہوشیار آدمی تھا مجھے کہا کہ اگر تم یورپ میں کچھ اچھا سبق لینے کے لئے جاتے ہو تو اپنے دل کو پہلے ہی وہاں کی زندگی کے تاریک پہلو سے متعصب نہ بنا لو۔ وہاں ایک روشن پہلو بھی ہے۔ اور وہ غور سے مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ یورپ میں روشن پہلو تاریک پہلو پر بہت غالب ہے جسکا ذکر دوسرے موقعوں پر آتا رہے گا۔ غرض اس روز کے بعد پادری صاحب نے مجھ سے ہر وقت مذہبی گفتگو کرنی بند کر دی۔ گو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی انجیل دے کر اسے پڑھنے کی تاکید کی۔

روشنی کے مینار

۱۱ جون کو جبکہ سویز ایک دن رات کا فاصلہ رہ گیا تھا جہاز کے دونوں طرف چند جزیرے نظر آئے۔ ان میں سے دو کا نام برادر و خواہر ہے۔ ان میں سے ایک پر ایک لائٹ ہوس یعنی روشنی کا مینار شب کو جہازوں کی رہنمائی کے لئے بنا ہوا ہے جس میں یورپین ملازم رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہر ہفتہ کھانا پانی ایک جہاز دے جاتا ہے۔ گو دنیا

کے سمندروں میں بعض ایسے لائٹ ہوس بھی ہیں کہ جن کے ملازموں کو سال میں صرف ایک مرتبہ ذخیرہ بھیجا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو عموماً سال میں نو ماہ خدمت اور ۳ ماہ رخصت ملتی ہے۔ ایک یورپین مسافر نے بتلایا کہ گذشتہ دس سال سے گورنمنٹ انگریزی اور سلطان ٹرکی کے مابین یہ امر زیر بحث رہا ہے کہ اس سمندر کے کئی جزیروں پر لائٹ ہوس تعمیر کئے جائیں۔ سلطان المعظم اصرار کرتے ہیں کہ اگر یہ لائٹ ہوس ان کی حفاظت میں رہیں تو ان کے بنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ تمام دنیا کے سمندروں میں جہازرانی کی سہولیت کے لئے ایک انٹرنیشنل لائٹ ہوس ایسوسی ایشن یورپ میں قائم ہے۔ جس کی حفاظت میں سب لائٹ ہوس ہیں۔ بحیرہ قلزم کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جزیرہ پریم کی نسبت اسقدر بتلانا ضروری ہے کہ باب المندب کا یہ جزیرہ جس پر مدت تک حکام یمن اور دوسری عرب قومیں حکمران رہی ہیں۔ ۱۸۵۵ء کے قریب خالی اور غیر آباد تھا۔ فرانسیسی امیر البحر نے اپنے ایک افسر کو مخفی حکم دے کر اس جزیرے پر پھر فرانسیسی جھنڈا گاڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ افسر عدن میں آکر انگریزی ایجنٹ کے پاس ٹھہرا۔ اور کھانے پر شراب زیادہ پی گیا۔ اسلئے اُس نے اپنا مقصد ظاہر کردیا۔ انگریزی افسر نے وہیں کھانے کی میز کے نیچے ہاتھ لیجا کر پنسل سے اپنے ایک ماتحت کے نام حکم لکھ دیا کہ فوراً جہاز لیجا کر پریم پر انگریزی جھنڈا گاڑ دو۔ چنانچہ جب فرانسیسی افسر وہاں پہنچا تو وہ جزیرے پر انگریزی قبضہ پا کر بہت نادم ہوا۔ یہ جزیرہ پانچ میل لمبا ہے۔ کچھ انگریزی فوج بھی یہاں رہتی ہے۔ جزیرہ پریم پر انگریزی قبضہ کا قصہ انگریزی قوم کی اس چستی اور ہوشیاری کی بہت عمدہ مثال ہے کہ جس سے اس نے دُنیا کے سب بڑے حصے پر قبضہ کرکے اسے سنبھال رکھا ہے۔

۱۰ جون۔ ہوا تیز تھی اور کسی قدر طوفان معلوم ہوتا تھا یہانتک کہ پانی کئی فٹ

تختۂ جہاز پر آ پڑا۔ مگر واقف کاروں کی نظر میں یہ ہرگز طوفان نہیں تھا۔ لیکن مجھ پر اسکا ضرور اثر ہوا۔ سر چکرانے لگا اور کسی قدر دل بھی متلایا۔ بطن کے پچھلے حصہ میں صحت نادرست رہی۔ بہتیری کوشش کی مگر کچھ پڑھ نہ سکا۔ باوجودیکہ قبض سخت رہا لیکن اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ گھر میں ایک دو روز کے قبض سے دردِ سر بلکہ بخار تک ہو جاتا تھا۔ یہاں سرکہ اچار لیموں کی ترشی بکثرت کھاتا رہا۔ مگر کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ گھر میں اس سے آدھی چوتھائی ترشی سے نزلہ کا کام ہو جاتا تھا۔ معلوم نہیں سمندر کی آب و ہوا یا کھانے کی قسم کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ کھانا بہت ہلکا ہوتا تھا۔ علاوہ اسکے سرخ مرچ کا تو نام و نشان تک اس میں نہ ہوتا تھا۔ مجھے اپنی عام صحت اچھی معلوم ہوتی تھی جو یقیناً سمندر کی صحت بخش ہوا کی بدولت تھی۔

۱۱۔ جون۔ بعض انگریز مسافر کس سرگرمی سے دن بھر رسالے وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں گویا انہیں اگلے مہینہ میں امتحان دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

مشنیوں کی آمدنی

اس قوم کے اوسط درجہ کے آدمی بھی بڑے باخبر ہوتے ہیں۔ آج جرمن پادری صاحب نے جرمن مشنوں کے متعلق میرے سوال پر بتلایا کہ جرمنی میں دو قسم کے چرچ ہیں۔ ایک سٹیٹ چرچ کہ جسکے خرچ کی ذمہ دار سرکار ہے۔ اور دوسرا پرائیویٹ چرچ۔ سٹیٹ چرچ کے پادریوں اور دیگر ملازموں کی تنخواہوں وغیرہ کا خرچ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے۔ اور پادریوں کو ایک سرکار کا مقرر کیا ہوا امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔ پرائیویٹ چرچ کے لوگ مشن کالجوں سے امتحان پاس کرتے ہیں۔ ان کا معیار تعلیم علیحدہ ہوتا ہے۔ جس میں علاوہ تاریخ جغرافیہ ریاضی کے علم الٰہی تاریخ قدیم منطق فلسفہ آداب مباحثہ۔ تاریخ مذاہب۔ تاریخ چرچ۔ ڈاکٹری کی تعلیم۔ لاطینی یونانی اور فرانسیسی (یا انگریزی) ضروری ہیں۔ ڈاکٹری کی تعلیم اسلئے ضروری ہے کہ جہاں ڈاکٹر نہ ہوں پادری ہی لوگوں کا علاج کرسکیں۔

اور انہیں اپنی جانب متوجہ کر سکیں۔ پرائیویٹ مشنوں کی آمدنی چندوں سے ہوتی ہے۔ غریب دہقان جو نقد کچھ نہیں دے سکتے۔ اپنی گائیں کا دودھ یا کھیت کی کچھ اور پیداوار بصورت جنس ہی دیدیتے ہیں۔ جس کی قیمت مشن کے فنڈ میں جمع ہو جاتی ہے۔ جو امیر لوگ مذہبی مشنوں کا خرچ ہزارہا یا لاکھوں روپے یک مشت ادا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ واقعی یہ بڑے ایثار کرنے والے لوگ ہیں۔ اور یوروپ کی زندگی کا روشن پہلو ایسے ہی لوگوں کے دم سے قائم ہے۔ آج سر شام ہوا ایسی تیز ہو گئی کہ صحن جہاز میں کھڑا رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کبھی کبھی تنہائی میں یہ خیال گھبراتا تھا کہ تمام یوروپین ہمسفر اپنے اپنے وطن کو جارہے ہیں اور ہندوستانی تجارت اور امتحان پاس کرنے کو۔ اور میں صرف علم "شے ازجمل شے" حاصل کرنے کے لیے۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ اگر میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو اخبارات، معاملات تکمیل تعلیم اور بعض اشیاء سے تجارت کی نسبت کافی واقفیت حاصل کر کے جاؤنگا۔ جو بمقابلہ خرچ زر کے بہت حقیر ہوگی۔ الا ماشاءاللہ"

بندر سویز

۱۲ جون کی دوپہر کو جہاز بندر سویز میں پہنچا۔ طاعون کی وجہ سے مسافروں کو اُتر کر سویز دیکھنے کی اجازت نہ ملی۔ یہ ایک چھوٹا سا مصری قصبہ دس گیارہ ہزار باشندوں کا ہے۔ جسکو نہر سویز کھودے جانے کے بعد بہت رونق ملی ہے۔ قاہرہ سے ۹۰ میل جانب مشرق واقع ہے۔ اس سے دو میل جانب مغرب ٹھیک برلب آب قلزم و نہر سویز یوروپین آبادی قائم ہوئی ہے۔ جسکے خوبصورت مکانات اور اہلکاران نہر کے بنگلے ایسے جنگل اور ریگستان میں دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے جہاز نے بندرگاہ میں پہنچ کر دو تین پھریرے بذریعہ رسیوں کے بلند کئے۔ سب سے پہلا زرد جھنڈا تھا۔ جو ظاہر کرتا تھا کہ جہاز طاعون زدہ مقام سے آتا ہے۔ دوسرا جھنڈا پائلٹ طلب

کرتا تھا۔ پائلٹ ایک جہاز ران ہوتا ہے۔ جو کسی خاص سمندر یا اسکے حصے
سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ جہاں گذرنے سے جہاز رانوں کو جہاز کی ہلاکت
کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن پائلٹ جہاز کو سلامتی سے وہاں سے نکال لیجاتا ہے
جب بمبئی سے جہاز روانہ ہوا تھا تو پائلٹ نے تین چار میل تک ہمیں رستہ
دکھلایا تھا۔ اسی طرح نہر سویز میں بھی ہر جہاز کے ہمراہ پائلٹ روانہ ہوتا ہے اور
اس کی فیس ہر جہاز کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ زرد جھنڈے کو دیکھ کر سب سے پہلے
ڈاکٹر کی کشتی آگئی جس میں ایک مرد اور ایک لیڈی ڈاکٹر تھی۔ پہلے جہاز
کے چیف آفیسر نے انہیں اپنے کاغذات دکھلائے جو غالباً بمبئی کے
ہیلتھ آفیسر نے دیئے ہونگے۔ پھر سب ملازمان جہاز کی نبض دیکھی گئی۔ اور
مسافروں کی حاضری لی گئی۔ تیسری جھنڈی کے ذریعے میٹھا پانی جہاز کے
لئے طلب کیا گیا تھا جس سے ایک کشتی بھری ہوئی آگئی اور دو تین گھنٹے بذریعہ
پمپ کے حبشی قلی سیر پانی جہاز میں پینے کے پانی کے حوض میں پہنچاتے
رہے۔ عصر کے قریب جہاز نہر سویز میں داخل ہوا۔ نہر **نہر سویز**
کا داخلہ نہایت دلچسپ تھا۔ نہر سویز ۱۰۰ میل لمبی۔ ۴۴ فیٹ چوڑی۔ اور ۲۰
فیٹ گہری کھودی گئی ہے۔ راستہ میں تین چار قدرتی جھیلوں میں گذرتی
ہے جو اس سے زیادہ گہری ہیں۔ چونکہ اس میں سے جہاز چھ میل فی گھنٹہ کی
رفتار سے زیادہ تیز نہیں چلائے جاتے تاکہ پانی کے صدمے سے کناروں
کی مٹی نہ گرے۔ اسلئے ہر جہاز کو کم از کم پندرہ سولہ گھنٹے نہر سے گذرنے میں
لگتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا جہاز مقابل سے آتا ہوا ملے۔ تو ایک جہاز کو
ایک پہلو میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اور دوسرا پاس سے گذر جاتا ہے اسطرح سے
کسی کسی جہاز کو دو دو چار گھنٹے ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسلئے راستہ میں ایک رات
ضرور آتی ہے۔ نہر سویز کے منتظموں نے نہر کی حفاظت کے لئے ۱۸۸۷ء
سے روشنی کا یہ انتظام کیا ہے کہ ہر ایک آنے جانے والے جہاز کی پیشانی پر

ایک بہت بڑی برقی روشنی کی لالٹین آویزاں کی جاتی ہے۔ اور برقی روشنی تیار کرنے کا ذاتی نیمو ڈائنمو انجن جہاز میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے نہر کے راستے پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ راستہ میں جاتے ہوئے نہر کی بائیں طرف یعنی جانب مصر کے کنارے پر کئی چوکیاں اور مکان انتظام نہر کے لئے قایم ہیں۔ اور بہت سے ملازمان نہر جو سب کے سب فرانسیسی معلوم ہوتے ہیں۔ یا کم از کم مصری نہیں ہیں۔ بورٹ بوٹوں میں بھی رہتے ہیں۔ نہر کے اسی کنارے پر کچھ درخت اور سبز جھاڑیاں ہیں۔ عرب کی طرف کا کنارہ تو صرف ریگستان لق و دق نظر آتا ہے۔ نہر میں ہمیشہ بذریعہ ڈریجر مشینوں کے مٹی اور ریت نکلتی رہتی ہے۔ اسلئے تمام نہر کا راستہ بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم دو تین ہزار یورپین نہر سویز کے متعلق ملازم ہونگے۔ نہر سویز سنہ ۱۸۵۹ء میں ایم۔ ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجنیر کی تجویز سے کھدنی شروع ہوئی تھی۔ خدیو سعید پاشا مصر پر حکمران تھے۔ ان کے نام پر بندر سعید (پورٹ سعید) بحیرہ روم پر آباد ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں نہر کے افتتاح کی رسم ادا ہوئی بڑی رونق کا جلسہ ہوا۔ جس میں شہنشاہ بیگم فرانس اور شہنشاہ آسٹریا موجود تھے۔ نہر کے کھودنے میں بیس ملین پونڈ یعنی ۳۰ کروڑ ہندوستانی روپیہ خرچ ہوا تھا۔ انگلستان نے اس نہر کے کھودے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر اسکے بعد اسے مفید سمجھ کر اس نے نہر کی کمپنی کے بہت سے حصے خرید لئے ہیں۔ اور اب سب قوموں سے زیادہ وہی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ممالک مشرق سے تجارت کرنے والے ۹۵ فی صدی جہاز اس نہر سے گذرتے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ ہر جہاز کو ۵۰ پونڈ محصول ایک دفعہ نہر سے گذرنے کے عوض دینا پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں نہر سویز سے تین ہزار چار سو اکتالیس جہاز اور دو لاکھ بیاسی ہزار ایک سو چرانوے مسافر گذرے۔ تعداد مذکور میں دو ہزار

چار سو سات جہاز تجارتی اور سات سو ستر جہازات ڈاک اور دو سو اکسٹھ جنگی
اور بار برداری والے جہاز تھے۔ انگریزی جہازوں کی تعداد انیس سو چھتیس
تھی۔ ۱۹۰۰ء میں نہر سویز کو نو کروڑ تیرہ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو بہتر فرانک
کی آمدنی ہوئی جب سے یہ نہر جاری ہوئی ہے پہلے کبھی اس قدر زیادہ آمدنی
نہیں ہوئی۔ جنگ چین کے ایام میں گورنمنٹ روس نے براہ سویز
سینتیس ہزار فوج اس طرف روانہ کی اور فرانسیسی فوج چھبیس ہزار اور
جرمنی کی چوبیس ہزار اس نہر سے گذری۔ امریکہ اور ہسپانیہ کی جنگ کے
ختم ہونے پر گورنمنٹ اسپین نے جو فوج اس نہر کی راہ سے جزائر فلپائن کو گذاری
اسکی تعداد تیرہ ہزار تھی اور جو تجارتی جہاز اس نہر سے گذرے بمقابلہ دیگر ممالک
کے انگریزی جہازوں کی تعداد تین میں دو تو ضرور تھی۔ کیسی عجیب بات
معلوم ہوتی ہے کہ دو براعظموں ایشیا و افریقہ کو پانی کے ذریعے الگ کر دیا
گیا ہے۔ اور دو سمندروں بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو ملا دیا گیا ہے جس سے
تجارت اور آمد و رفت کو کروڑوں روپے کا منافع ہوتا ہے۔ تاریخ سے
معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ریمیسس ثانی مصر کے ایک قدیم بادشاہ
نے بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان ایک ۹۰ میل کی نہر کھدوائی —
لیکن وہ گرد و ریت سے بھر گئی۔ مگر دارا اول شاہ ایران نے پھر اسے
خالی کرایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب حکمران نے اسے کھدوا۔ -
پھر ۱۷۹۸ء میں نپولین اعظم نے اسے جہازوں کے لئے کھدوانے
کے واسطے پیمائش کرایا۔ لیکن اس غلط خیال سے جو اُس زمانہ میں عام
تھا۔ ارادہ ترک کر دیا کہ بحیرہ قلزم کی سطح آب بحیرہ روم سے ۳۰ فیٹ بلند
ہے۔ پورٹ سعید میں ایم ڈی لیسپ کا ایک بڑا بت سمندر کے ساحل
پر اس کے نہر کھودنے کی یادگار میں نصب ہے۔ آجکل نہر سویز کے راستے
سے سولہ روز میں لنڈن کا خط لاہور پہنچ جاتا ہے۔ گویا ڈاک کے جہاز بارہ

تیرہ روز میں یہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ جو پہلے زمانہ میں افریقہ کے گرد سے ۳ ماہ اور اس سے بھی پہلے ۹ ماہ میں طے ہوا کرتا تھا۔

بندر سعید اور آگے

۱۲ بجے پورٹ سعید پہنچے یہاں جہاز نے کوئلہ لیا۔ لیکن بوجہ اندیشہ طاعون کسی مسافر کو جہاز سے اترنے کی اجازت دی۔ گو ہمارا سٹیمر بازار سے اتنا قریب کھڑا تھا کہ دوکانوں کے بورڈ پڑھے جا سکتے تھے۔ آج سے سردی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ میں نے بھی گرم کپڑے پہن لیئے۔ ممالک مشرق میں اور کسی شہر نے اتنی جلدی ترقی نہیں کی جتنی کہ اس بندر نے کی ہے۔ شہر بہت خوبصورت ہے۔ عمارات یورپین طرز کی ہیں۔ جب ہم پورٹ سعید سے بحیرہ روم میں داخل ہوئے تو دو یورپین مسافر کہنے لگے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہم شائستگی کے علاقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس وقت تو اُن کی بات مجھے ناگوار معلوم ہوئی۔ کہ اُنہوں نے میرے وطن کو جہالت کی سرزمین قرار دیا۔ لیکن جب یورپ پہنچ کر دو تین شہر دیکھ لیئے تو میں اُن کو حق بجانب سمجھنے لگا۔ بیشک اہل یورپ اور اہل ہند کے حالات میں لاکھوں کوس کا فرق ہے۔ ۱۲ کی شام سے چلکر ۱۸ کی صبح کو جہاز بندر ٹریسٹ میں پہنچا۔ ۱۴ تاریخ کو بائیں طرف جزیرہ کریٹ نظر آیا۔ اور دن بھر جہاز جزیرہ کی طوالت کے پہلو کو طے کرتا رہا۔ پہاڑ اور گھاٹیاں بالکل نظر آتی تھیں۔ دو چار اور جزیرے بھی چپ و راست نظر آئے۔ یوروپین مسافر جہاز پر وقت گذارنے کے لئے مختلف کھیل کھیلتے تھے۔ مثلاً ایک بالٹی میں رسی کے حلقے پھینکے جاتے تھے۔ اور جبکہ زیادہ حلقے اسکے اندر پڑتے وہ جیت جاتا۔ اسی طرح اور جہازی کھیلوں میں بھی تھوڑی سی ورزش جو جہاز کی محدود جگہ میں ہو سکے اور شائستگی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ ان لوگوں کے اصرار پر جب ایک روز ایک کھیل میں بار ہیٹ وفش میں بھی شامل ہوا۔ تو بوجہ مشق اچھی طرح نہ کر سکنے کے میں بہت جلد

پار کیا۔ آج بمبئی اور جہاز کے وقت میں ساڑھے تین گھنٹے کا فرق ہو گیا تھا۔
۱۴ جون کو یونان کا ایک جزیرہ تارانتو نامی جہاز سے بائیں طرف نظر آیا۔
اور دائیں طرف بھی مجمع الجزائر یونان کے کئی جزیرے نظر آتے رہے کہ
جنہیں دیکھنے کے لئے جہاز کے تمام زن و مرد مسافر صبح پانچ بجے سے ۸ بجے
تک کھڑے رہے۔ مکانات گرجے کھیت سرو کی روشیں اور ہوا کی چکیاں
جا بجا نظر آتی تھیں۔ اور ہندوستانی نظر میں صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ
آبادی نئی قسم کی ہے۔ ایک جگہ ایک جزیرہ جہاز سے اتنا قریب معلوم
ہونے لگا کہ پتھر پھینکو تو وہاں جا پڑے۔ وہاں جہاز کے ایک افسر
نے ایک نرسنگا پھونکا۔ اور پہاڑ سے بعینہ صاف صاف ویسی
ہی صدا سے بازگشت نے جواب دیا۔ شام کو جہاز بحیرہ ایڈریاٹک میں
یونان کے ساحل طے کر کے ترکی علاقہ کے مقابل چل رہا تھا۔ اٹلی کے
ساحل پر برنڈزی سے آگے نکل چکا تھا۔ شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے
تک شفق کی اتنی روشنی تھی کہ جو ہندوستان میں ساڑھے چھ بجے کو
ہوتی ہے۔

یکشنبہ ۱۵ جون۔ کل جہاز کے ٹریسٹ پہنچ جانے کی خوشی میں آج
کا دن بالکل گپ شپ میں گذرا۔ دوپہر کو جزیرہ لیسا نظر آیا۔ جہاں
ایک نہایت خوبصورت خلیج پر ایک شہر پہاڑ کی نشیب میں آباد تھا۔
معلوم نہیں وہاں کے رہنے والوں کو کیا کیا تکلیفیں پیش آتی ہونگی
لیکن مجھے تو وہ منظر اور تنہائی ایسی پسند آئی کہ ان لوگوں کی حالت
پر رشک آنے لگا۔ شام تک ساحل ٹرکی کی خشک پہاڑیاں بائیں
طرف نظر آتی رہیں۔ آج پراٹسٹنٹ عیسائیوں نے جہاز پر نماز
پڑھی۔ رومن کیتھالک پاس بیٹھے رہے۔ مگر شریک نہ ہوئے۔
ایک انگریز سے جسے میں جانتا تھا کہ رومن کیتھالک نہیں میں نے

پوچھا کہ تم کیوں نماز میں شریک نہیں ہوتے۔ اس نے کہا۔ میں پریسبٹیرین ہوں۔ چرچ آف انگلینڈ کی عبادت کا قائل نہیں۔ جو نماز کی کتاب سے نماز کے مقررہ فقرات پڑھنے کے لئے مجبور ہیں آج سطح بحر پر جو تیل کی طرح صاف تھی غروب آفتاب کا نظارہ نہایت شاندار اور دلکش تھا۔

یوروپ کے پہلے شہر ٹریسٹ اور وینس

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

۱۰ جون کو سویرے اٹھ کر سب لوگوں نے اسباب باندھنا شروع کیا۔ جہاز ۱۰ بجے ہی بندر ٹریسٹ میں پہنچ گیا۔ یہ شہر کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جو بندر کے گرد محیط ہیں۔ تھوڑی دیر میں چار ڈاکٹروں کی ایک کمیشن مسافروں کے ملاحظہ کے لئے پہنچی۔ سب کو اندیشہ تھا کہ کہیں دو روز کا قرنطینہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ کپتان نے عدن سے مال بار کیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر ایک مسافر اور ہر ایک ملازم جہاز کی نبض دیکھی۔ اس وقت تک جہاز پر ایک زرد جھنڈا اڑ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس جہاز میں بیماری ہے۔ اسلئے نہ کوئی شخص خشکی سے اس پر آسکتا ہے، ورنہ جہاز سے کوئی شخص خشکی پر جاسکتا ہے۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے جہاز کو مرض سے پاک و صاف بتلایا تو سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ اور ایک دم زدن میں وردی پہنے ہوئے ڈابلین قلیوں نے جہاز پر یورش کر دی۔ سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب اُن کے حوالے کیا جو انہوں نے کشتیوں میں رکھدیا۔ اور ہم لوگ بھی جہاز کے خدمتگاروں کو انعام دے کر کشتیوں میں جا بیٹھے۔ یہ دستور ہے کہ جہاز میں کھانے کے کمرہ کے خدمتگار تمہارے اور بھی کئی کام کر دیتے ہیں۔ شام کو اگر کمرہ میں گرمی ہو تو تمہارا بستر صحن جہاز پر بچھا دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بوٹ بھی صاف کر دیتے ہیں

قرنطینہ کا اندیشہ

بستر کی چادریں بدلنے اور نہانے کے تولئے دینے میں مدد دیتے ہیں۔ اسلئے کچھ نہ کچھ بخشش انہیں ضرور دینی چاہئے۔ یورپ میں جس قدر بخشش کا بُرا رواج پھیلا ہوا ہے۔ میں مختلف مقامات میں اسکا ذکر کرونگا۔

غرض ہم لوگ خشکی پر پہنچے۔ مزدور ہمارا اسباب ایک لمبی سی دستی گاڑی پر لاد کر چونگی خانہ میں لے گئے۔ جہاں سے معائنہ کے بعد ہم قریب ہی ایک ہوٹل میں پہنچے۔ یہاں قلیوں کو کرایہ دینے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کہ ان کی بات ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہاں ہر شخص اطالی زبان بولتا ہے۔ کیونکہ ٹریسٹ دراصل اٹلی کا شہر ہے۔ لیکن اب آسٹریا کے قبضہ میں ہے۔ آخر ہوٹل کے پورٹر[1] نے ہمارا فیصلہ کرایا۔ اور دو قلیوں اور ایک کشتیبان کو آدھ گھنٹہ کی محنت کے لئے ہم چار آدمیوں کو نو شلنگ یعنے پونے سات روپئے دینے پڑے۔ ہوٹل والے نے یہ مزدوری اپنے پاس سے دیکر ہمارے بل میں لکھ لی۔ یورپ میں ہر ہوٹل والے تمہاری گاڑی اور مزدوری وغیرہ کا روپیہ اگر تم چاہو۔ تو تمہاری سہولیت کی خاطر دیدینگے۔ اور پھر تم سے حساب میں درج کر لینگے۔

یورپ کا پہلا شہر

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ انگریزی زبان بھی ایسی متاع نہیں ہے جو ہر بازار میں بک سکے۔ کیونکہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے انگریز ہمراہی بھی یہاں ہماری طرح ہی صم بکم تھے۔ چونکہ میں نے یہ یورپ کا پہلا شہر دیکھا تھا۔ اسکی ہر چیز مجھے عجیب معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تو گاڑیاں اور گھوڑے سب اور ہی رنگ کے تھے۔ بازار میں ہر طرف یہی لوگ نظر آتے تھے۔ عمدہ عالیشان اور صاف و نفیس دوکانوں کے دروازے نئے ڈھنگ کے۔ غرض ہر چیز نرالی تھی۔

اخبارات

سب سے پہلے میں ہوٹل میں پہنچ کر اخبار دیکھنے لگا یورپ میں ہر ہوٹل کے ساتھ لازمی بات ہے کہ ایک کمرہ میں تازہ اخبارات

[1] یہ ہوٹلوں کے دروازوں پر ایک اہلکار رہا کرتا ہے جو تمام متعلق کام مسافروں کے آرام کے

اور رسالہ کو رکھے مختلف قسم کی ڈائرکٹریاں پڑی ہوں۔ البتہ یہ امر ہوٹل کی حیثیت پر منحصر ہے کہ کتنی اور کس کس زبان کے اخبار اور رسالے موجود ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یوروپ کی ہر زبان کے بڑے بڑے اخبار اور ہر ملک کی ڈائرکٹریاں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ہوٹلوں کے ریستورانوں اور قہوہ خانوں میں بھی اخبارات کا ہونا لازم ہے۔ آج اٹھارہ روز کے بعد جہاز سے اترے تھے۔ اسلئے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس عرصہ میں دنیا میں کون کون سے واقعات پیش آئے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے جنگ ٹرنسوال اور پھر ہندوستان کی خبریں جو مل سکیں پڑھیں۔ اسی عرصہ میں افغانستان کا پشوریہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔

وینس کو روانگی

آسٹرین لائیڈ کمپنی کے ٹریسٹ جانے والے جہازوں کے مسافروں سے اس کمپنی کی طرف سے یہ بھی رعایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ ٹریسٹ سے وینس کو جانا چاہیں تو اسی کرایہ میں جا سکتے ہیں۔ چونکہ میں اس سفر میں اٹلی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اٹلی کا کم از کم ایک شہر وینس ضرور دیکھنا چاہا۔ نیز دوسرا اسلئے کہ ہمیشہ وینس کی خوبصورتی کی تعریف سن [illegible] ہے۔ کیونکہ اس شہر کے مکانات سمندر کے اندر پانی میں بنے ہوتے ہیں۔ اور اکثر بازاروں اور گلیوں میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اسلئے اپنا اسباب اسی ہوٹل میں چھوڑ کر جس کا نام ہوٹل ڈالا روم تھا۔ اسی شب کو وینس کو روانہ ہوا۔ جو ٹریسٹ سے ۹ گھنٹے کا راستہ ہے۔ رات کو جہاز میں جا سوئے تو صبح وینس پہنچ گئے۔ دور سے ہی سمندر میں سے ایک شہر کے نمودار ہو جانے کا نظارہ بہت عجیب معلوم ہونے لگا۔ وینس کے عالی شان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور

قدیم وینس کی عظمت

میناروں میں مشرقی عمارت کی شان پائی جاتی ہے کوہ الپس سے اتر کر بحیرہ ایڈریاٹک میں گرنے والی

پانچ صدیوں سے پہلے سنگم پر قدیم زمانہ میں یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہو گئے تھے۔ جن پر قوم وینیٹی آ کر آباد ہو گئی۔ اور کچھ مدت کے بعد یہ تنگ اور نیستان کے جزیرے یہاں تک آباد ہوئے کہ دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنے جو تیرہ سو سترہ سال تک قائم رہے۔ یہ وینس کی سلطنت تھی کہ جسکے سامنے ایک زمانہ تک ساری دنیا سر تسلیم خم کرتی تھی۔ دُنیا کے سمندروں میں کوئی بحری طاقت وینس کے مقابلہ کی نہ تھی۔ کریٹ۔ سائپرس۔ جینوا۔ پانیسا۔ سیریا اور قسطنطنیہ اسکے خراج گذار تھے۔ دو دفعہ وینس کے ڈوجوں (بادشاہوں) نے ترکوں کے آنے سے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور خیر الدین باربروسا امیر البحر سلطنت عثمانیہ سے بھی جنگ کی تھی خصوصاً صلیبی جنگوں کے زمانہ میں وینس کو اعلےٰ درجہ کا پولیٹیکل اور تجارتی عروج حاصل ہوا تھا۔ اور اسکے جہازوں نے شام کی تجارت سے بہت دولت کمائی تھی۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں فرانس نے وینس کو فتح کر کے اسکی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر وینس کی عظمت کے زمانہ میں جو عجائبات اس شہر میں جمع ہو گئے تھے وہ اب تک موجود ہیں۔

سڑکوں پر۔ کشتی بانی۔

شہر وینس کا محیط ۸ میل ہے۔ اور بڑی نہر نے اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دراصل یہ شہر تین بڑے اور ۱۱۴ چھوٹے جزیروں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اور چار سو چھوٹے اور بڑے پُلوں کے ذریعے سے ان سب جزیروں کو ایسی طرح ملا دیا گیا ہے کہ ایک شخص ان پُلوں سے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا کشتی میں بیٹھنے کے جا سکتا ہے۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگ کشتیوں پر گذرتے ہیں۔ اسلئے بجائے گھوڑوں گاڑیوں شکرموں ریکشو وغیرہ کے وینس کی گلیوں میں صرف کشتیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کشتی ایک خاص قسم کی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے جسکا سکان بلند ہوتا ہے۔

اور اسے وہاں گنڈولا کہتے ہیں۔ گنڈولہ چلانے والے ملاحوں کو اس کے
چلانے میں عجیب مہارت ہوتی ہے۔ یہ مکانوں کے ایک انچ قریب
تک اپنے مرکبوں کو لے جاتے ہیں اور ان سے ٹکرانے نہیں دیتے
جبکہ نہایت تیزی سے چلا رہے ہوں تو ایک دم میں انہیں روک سکتے
ہیں۔ غرض وینس کے گنڈولے بجائے خود عجب دلچسپ چیز ہوتے
ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ
ایک فرانک (دس آنہ) فی گھنٹہ پہلے گھنٹہ کے لئے اور چھ فرانک فی
گھنٹہ کے دن کے لئے مقرر ہے۔ نہروں کے علاوہ خشکی پر بھی بعض گلیاں
اور چھوٹی سڑکیں ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے عالیشان محلات کے دروازے
عین بر لب آب واقع ہیں اور تعمیر زیادہ پتھر و سنگ مرمر کی ہے۔ زبان
اٹالی اور مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ اور تو ہر طرح سے یہ لوگ یورپین
ہیں۔ مگر اہل اٹالی تمام یورپ سے زیادہ غریب ہیں۔ ان کا ملک چھوٹا
ہے۔ اور اسے فوج اتنی زیادہ رکھنی پڑتی ہے کہ اس کے خرچ کے بوجھ
کے نیچے دبا جاتا ہے۔ اسلئے بیہودہ قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں
ہمارے گائیڈ سے جب گنڈولہ پر مشہور مکانات دکھانے کی اجرت دو فرانک
دی گئی تھی۔ مجھے بتلایا کہ ہر فرانک میں دو سینٹم سرکار کے اور ۹۸ میرے ہیں
(فرانک = ۱۰۰ سینٹم سکہ اطالیہ) ایسے مختلف قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے
ہیں کہ جتنے کسی کے بچے ہوں ان پر بھی اتنے ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ جب
ہمارا اسباب کشتی سے ایک مزدور خشکی پر لایا تو ایک غریب عورت
بوجھ اٹھانے کو دوڑی۔ اس کے سوا بعض غریب عورتیں اور بچے
بھیک مانگتے تھے اور برہنہ پا تھے۔ مگر ساتھ ہی دوسری جانب یہاں بھی
ایک مسافر کا روزانہ خرچ آٹھ دس روپے سے کم نہیں ہوتا۔ قہوہ خانہ میں
ایک پیالی چاء اور ایک ٹوسٹ کے لئے سات آٹھ آنے دینے پڑتے

سینٹ مارک کا گرجا

ہیں ۔ مزدوروں نے بھی سفیدہ کا لگا رکھے ہیں ۔ جو چیزیں یہاں دیکھی ہیں اُن میں قابل ذکر سینٹ مارک کا گرجا ہے ۔ جو بڑے "پیازا" (چوک) میں واقع ہے ۔ اِس گرجے کا دروازہ "سینٹ صوفیا" (قسطنطنیہ) سے لایا گیا تھا جو چاندی کا بنا ہؤا ہے ستونوں کی ایک بڑی قطار میں چار ایسے ستون ہیں جو بیت المقدس کے بتائے جاتے ہیں کئی چھوٹے ستون نہایت قیمتی پتھروں کے ہیں کہ جنکے ثانی ملنے محال ہیں ۔ اٹلی کے نامور مصوروں نے گذشتہ چار پانچ سو سال میں اس گرجا میں ایسی اچھی تصویریں موزائک (رنگین شیشہ کی میناکاری کا کام) کی بنائی ہیں ۔ کہ جو یورپ بھر میں مایۂ ناز سمجھی جاتی ہیں ۔ یہ تصاویر زیادہ تر بائیبل اور سینٹ پیٹر کے قصوں سے متعلق ہیں ۔ جو قد آدم یا اُس سے بھی بڑی دیواروں اور چھت پر بنی ہوئی ہیں ۔ مسیح مریم اور بارہ حواریوں کے قد آدم بت ایک دیوار میں نصب ہیں ۔ اِس عالی شان معبد کے تمام فرش میں بیش قیمت پتھروں کے ذریعے ایسا مینا کاری کام کیا گیا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ (لاہور) کی چھت اور روضہ ممتاز محل کے اندر کا فرش اسکے سامنے دوم درجہ کی چیزیں ہیں ۔ اِس فرش کی تعمیر میں باقی تمام گرجا کے برابر روپیہ صرف ہؤا ہے ۔ حضرت مسیح کے حواری سینٹ مارک (مرقس) کی قبر اس گرجا میں ہے ۔ سینٹ مارک کی لاش پہلے اسکندریہ میں دفن تھی ۔ لیکن دو سوداگر ایک دفعہ اُن کی ہڈیاں کھود کر یہاں لے آئے ۔ اور انہیں اِس جگہ دفن کرکے اُن پر یہ عالی شان گرجا تعمیر کیا گیا ۔ کہ جسکے خوبصورت اور عجیب بنانے میں اہل وینس نے کوئی دقیقہ صرف زر اور لیاقت کا اٹھا نہ رکھا ۔ اِس میں ایک جگہ حضرت مریم کا سونے کا بت رکھا ہؤا ہے ۔ جو صرف اتوار کو معتقدین کی زیارت کے لئے کھولا جاتا ہے ۔ اسکے باہر چاندی کے ہزاروں ٹکڑے انسان کے

دل کی شکل کے بنے ہوئے شیشوں کے اندر آویزاں ہیں۔ جو رومن کیتھولک معتقدین نے اپنی اپنی مرادیں پوری ہونے کے بعد "مقدس مادر" کے بت پر وقتاً فوقتاً چڑھائے ہیں۔ ان لوگوں کے اعتقاد میں حضرت مریم کا دل دُنیا کی تمام مرادیں پوری کر سکتا ہے۔ اگر اُس سے منت مانی جائے۔

گرجا کی وسیع چھت کے نیچے جا بجا رومن کیتھولک زن و مرد موم بتیاں روشن کر کے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ میرے جہاز کے دوست جرمن پادری صاحب جو پراٹسٹنٹ تھے اور اسوقت بھی میرے ہمراہ تھے۔ کہتے تھے کہ رومن کیتھولک لوگ خیرات کا روپیہ کس بیرحمی سے صرف کرتے ہیں۔ یوروپ میں بلحاظ خرچ اور خوبصورتی کے صرف ایک اور گرجا سینٹ پیٹر (واقع روم) اس سے بڑا ہے۔ گو بلحاظ جسامت و عظمت کولون کا گرجا بھی بہت بڑا ہے۔

دیگر عجائبات

اس گرجا کے بڑے دروازے پر چار ٹھوس گھوڑے پیتل کے پورے قد کے کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کا وزن دو ٹن (۷۰ من) بتلایا جاتا ہے۔ یہ گھوڑے بھی یوروپ کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ قدیم اہل روما نے انہیں بنایا تھا۔ اور اہل وینس قسطنطنیہ سے انہیں لوٹ لے گئے تھے۔ یہاں سے اپنے عروج کے زمانہ میں نپولین اعظم انہیں پیرس لیگیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر وینس نے انہیں مانگ لیا۔

اس گرجا کے مشرق کی جانب ڈوج کا قصر قابل دید ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر بائرن نے جس "برج آف سایز" (آہوں کے پل) کو اپنی نظم کے ذریعہ سے غیر فانی کر دیا ہے وہ ایک طرف اس قصر سے ملحق ہے۔ اور دوسری طرف اُن ہیبت ناک جیلخانوں سے کہ جن کے بدنصیب قیدیوں کو دوبارہ دنیا کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی پل کی راہ سے قیدی محل شاہی سے قیدخانہ میں پہنچائے جاتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر متاثر نہ ہوں۔

افسوس کیپانیل

گرجا کے سامنے کیپانیل[+] کے نام سے ایک ساڑھے تین سو فیٹ بلند اور ۴۰ فیٹ گول مینار چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ہے جسکے اندر اوپر جانے کے لئے بجائے سیڑھیوں ڈھلوان راستہ ہے۔ اور نپولین اول اس راہ سے گھوڑے پر سوار ہوکر اسکی چوٹی تک پہنچا تھا۔ اور اسی کی چوٹی پر دوربین کے موجد گلیلیو نے کئی تجربات علم ہیئت کئے تھے۔ یہ دراصل اس گرجا کے گھنٹے کا مینار تھا۔ گو اب اسکی چوٹی پر ایک محافظ شہر کی آتشزدگی اور کشتیوں کے حادثات کی خبر رکھنے کے لئے متعین رہتا ہے۔

سینٹ مارک کے گرجا کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ جہاں ہزارہا پالتو کبوتر رہتے ہیں۔ اور ایسے نڈر ہیں کہ جو کوئی پاس جا کھڑا ہو اسکے کندھوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ان کو خوراک ایک وقف سے ملتی ہے۔ اور وینس کے چہرے کا ضروری خط و خال شمار ہوتے ہیں۔ یہی میدان اس شہر کا ناک ہے جیسا لنڈن کے لئے ہائیڈ پارک یا کلکتہ کے لئے ایڈن گارڈن اور دہلی کے لئے چاندنی چوک ہے ویسا ہی یہ یہاں کے لئے ہے۔ اسکے تین طرف شہر کی سب سے بارونق دکانیں ہیں۔ دو تین بڑے بڑے قہوہ خانے ہیں جن کے باہر بلا مبالغہ ہزاروں کرسیاں اور میزیں ہونگی۔ یہاں کے لوگوں کی بڑی تفریح یہی معلوم ہوتی ہے کہ یار دوست زن و مرد ملکر سیر کو قہوہ خانوں میں آبیٹھتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور گپ زنی کرتے ہیں۔ جو اخبار پڑھنا چاہیں وہ اخبار پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کے اخبارات قہوہ خانوں کے لئے خریدے جاتے ہیں۔ جرمن۔ فرانسیسی اور اطالی اخباروں کے پڑھنے کا عام رواج ہے۔ ہفتہ میں دو تین راتوں کو اس میدان میں بہت سے باجے کے سٹینڈ لاکر رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج منگل کی شب کو بھی دو گھنٹے

+ ۱۴ر جولائی ۱۹۰۲ء کو کیپانیل خود بخود بوجہ پرانی تعمیر ہونے کے گر پڑا ۱۹۰۳ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی

تک بینڈ باجہ بجتا رہا۔ اس وقت تمام میدان بالکل پُر ہو گیا تھا۔ عورتیں اور مرد بکثرت پھر رہے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ اطالین عورتیں ۹۵ فی صدی سر برہنہ تھیں۔ رنگ ان کا بھی ویسا ہی سرخ و سپید ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی عورتوں کا۔ عورتیں عموماً خوبصورت اور مرد عموماً معمولی قد و قامت اور جسامت کے نظر آئے۔ پولیسمین سر کی ٹوپی سے جوتے تک سیاہ پوش تھے

شیشہ اور لیس کی صنعتیں وینس میں

یہاں شیشہ اور لیس دو بڑی صنعت کے کام ہیں اور دونوں یورپ بھر میں مشہور ہیں۔ میں نے دونوں قسم کے کارخانے دیکھے۔ سب سے بڑے شیشہ کے کارخانہ میں کاریگروں کو آلات شیشہ بناتے دیکھا۔ شیشہ بھٹی میں پانی کی طرح پگھلا ہوا ہوتا تھا۔ کاریگر ایک آہنی لمبی نلکی کے آگے شیشہ چپکا کر پھونک مارتا تھا تو یہ پھول جاتا تھا۔ پھر آہنی چمٹے سے جس طرح چاہتا اُسے موڑ لیتا۔ مٹی کے بُت بنانے میں بھی اس سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہوگی۔ لیکن شیشہ کو مختلف رنگ دینا اور پورے کی نقل کرنا زیادہ مشکل کام ہیں۔ ایک دوسرے شیشے کے کارخانے میں جا کر دیکھا کہ ایک عورت شیشہ کی دو باریک نلکیوں سے جن سے کسیری کے حسب رجولی آشنا ہیں۔ بذریعہ بتی آگ کے تار نکال رہی یہ تار انسان کے بالوں سے موٹی نہ تھی اور بجلی چپکدار تھی۔ پاس سے ایک پہیہ پر جسے دو پاؤں سے ہلاتی تھی یہ تار تنی جاتی تھی۔ مختلف رنگوں کے شیشہ کی ایسی کئی تاریں اکٹھی کر کے ان سے چھوٹی چھوٹی فینسی خوبصورت ٹوکریاں بنی جاتی تھیں۔ جو کافی لچکدار ہوتی ہیں۔ شیشہ کی اور کئی چیزیں آرائش کی بنائی جاتی ہیں۔ لیکن سب سے بیش قیمت موزائیک (میناکاری) کا کام ہے۔ جس کے لئے قدیم زمانہ سے وینس مشہور ہے۔ مختلف رنگوں کے شیشوں پر سنہری ورق لگایا جاتا ہے۔ اور سب کو کاٹ کر چوتھائی انچ کے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کسی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اس پر یہ شیشے سنہری پہلو نیچے

119963

کر کے ایسے طور پر جوڑے جاتے ہیں کہ کل اصلی رنگ کسی تصویر کے آجاتے ہیں۔ مثلاً سبز رنگ کو نیلے پر ختم کرنے کے لئے ایسے شیشے لگائے جائینگے جس سے معلوم نہ ہو سکے گا کہ سبز کہاں ختم ہوتا ہے اور نیلا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ گرجوں میں اس قسم کی قد آدم تصاویر ہزاروں روپے کی لاگت سے بنائی جاتی ہیں۔ میں تعجب کیا کرتا تھا کہ "سٹینڈ گلاس ونڈز" (رنگین شیشوں کے دریچے) پر یوروپ کے گرجوں میں کیوں اتنا خرچ آتا ہے"

لیس جنیوا اور وینس کی اب تک مشہور ہے۔ جب میں لیس کے کارخانے میں گیا تو کام کرنے والی لڑکیوں کو چھٹی ہو چکی تھی۔ اور وہ سب ملکر سامنے کے ہال میں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔ تاہم کارخانہ کے منیجر نے ساتھ لیجا کر سب کمروں میں لیس کا کام دکھلایا۔ یہ کام بالکل ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور اس کی اچھی قیمت آتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر لکھنؤ کی چکن کاڑھنے والی عورتوں میں اس کام کا رواج دیا جاوے تو یقیناً فائدہ کا کام ہو۔ جب ہم کارخانے سے نیچے اترنے لگے۔ تو چند لڑکیاں دوڑ کر پیچھے آگئیں اور اشاروں سے ہم سے پیسے مانگے۔ آجکل یہاں دن ۱۷ گھنٹے سے کم نہیں صبح ساڑھے تین چار بجے اتنی روشنی ہوتی ہے کہ کتاب بخوبی پڑھی جائے اور شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک کتاب کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے اسلئے دن ختم ہونے میں نہیں آتا۔

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہی پیشہ ہے کہ جس اجنبی کو شہر میں دیکھیں اسے کہیں کہ آؤ تمہیں شیشہ کے عجائب خانے دکھلائیں۔ اور اس طرح اسے ساتھ لے کر شیشہ کے سوداگروں کی دوکانوں میں لیجاتے ہیں جو واقعی عجائب خانے ہوتے ہیں۔ وہاں دکان والوں کی قابلیت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ مال مسافر کے ہاتھ بیچ دیں۔ کیونکہ کوئی مسافر ایسا نہ ہوتا ہوگا جو مال کو پسند نہ کرے۔ ہمارے پارسی رفیق نے ایک کارخانہ سے دو چیزیں

کے شیشے آلات خریدے۔ وینس میں اور بہت سے قابل دید مکانات تھے مگر ہم نے ایک ہی دن میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اور شام کو جہاز

زنانہ اور مردانہ مسافروں کی بے تکلفانہ ملاقات

پر سوار ہو کر صبح ٹریسٹ پہنچ گئے۔ ان جہازوں میں ایک ہی کمرہ سب مسافروں کے لئے ہوتا ہے جسکے گرداگرد چاروں طرف نیچے اوپر دو تین قطاریں بستروں کی ہوتی ہیں۔ ایسے طور پر کہ ایک لیٹنے والے شخص کے پاؤں دوسرے کے سر سے چھو جاتے ہیں۔ روشنی روکنے کے لئے صرف ایک پردہ سامنے گرا سکتے ہیں۔ عورتیں مرد بچے سب ایک جگہ سو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک میاں بیوی ہنستے کھیلتے ایک بستر پر سو گئے اور انہوں نے پردہ تک نہ گرایا۔ وینس جاتے ہوئے اسی سٹیمر پر ایک اٹالین ایک عورت سے جو اسکے سامنے کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ بہت مذاق کرتا تھا۔ اور وہ اور اسکی دو تین سہیلیاں کھل کھلا کر ہنس دیتی تھیں۔ صبح اٹھ کر مجھے ایک انگریز رفیق سفر نے کہا کہ اگر کوئی انگریز عورت ہوتی تو فوراً جگہ چھوڑ کر چلی جاتی۔

اٹلی اور آسٹریلیا کے سکے

ایک روز میں ابھی آسٹریا کا سکہ بخوبی نہیں سمجھا تھا کہ دوسرے روز اٹلی کے علاقہ میں چلا گیا۔ جہاں اٹلی کے سکہ سے کام پڑا۔ اس لئے دونوں کے آپس کی نسبت اور دونوں سکوں کی ذاتی قیمت نے مجھے کئی جگہ دھوکا دیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ کوئی اجنبی خواہ کتنا ہی ہوشیار رہو۔ اس نقصان سے بچ نہیں سکتا۔ آسٹریا کا سکہ اس طرح ہے۔ ہیلر یا سولدی سب سے چھوٹا سکہ ہے۔ جو میں نے دیکھا نہیں اور غالباً ابھی بنا نہیں۔ تاہم دو ہیلر کا ایک کراوزر ہوتا ہے۔ اور وہ ہندوستان کی ایک مسی پائی کے برابر ہے۔ اور وہ کراوزر ادھنی کے برابر۔ سو کراوزر کا ایک فلارن چاندی کا حجم میں روپیہ کے برابر ہے۔ لیکن قیمت میں سوا روپے کے مساوی۔ اس کا نصف چاندی کا کراؤن

یا گرونا ہوتا ہے۔ پھر نکل (جرمن سمور) کے ۲۰ ہیلر اور ۱۰ ہیلر کے سکے چونی اور اُس سے ذرا بڑے ہیں۔ اٹلی میں فرانک اور سنیٹم جاری ہیں۔ ایک فرانک میں جو ہندوستان کے دس آنہ کے برابر ہے۔ سنیٹم میں سو پائی کے برابر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی پیچھے برابر سی ۵ سنیٹم ہے۔ ادھنی کے برابر ۱۰ سنیٹم۔ ۲۰ سنیٹم نکل چاندی کا چونی سے بڑا۔ فرانک کو لیرہ بھی کہتے ہیں۔ زیادہ چلن نوٹوں کا ہے۔ جو ۵ و ۱۰ لیرہ کے ہوتے ہیں۔ اور جو نقدی کے مقابلے میں پونڈ (پندرہ روپے) کے بجائے ۲۵ کے ۲۶ ملتے ہیں۔ اٹلی سے باہر کسی کام کے نہیں۔ اٹلی کے اندر بھی انہیں لوگ لینے میں تامل کرتے ہیں۔ انگریزی طلائی ساورن جو ہندوستان میں اب چلتا ہے۔ یورپ بھر میں بلا تامل پوری قیمت پر منظور کیا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے وینس جاتے ہوئے وینس میں اور وینس سے ٹریسٹ جاتے ہوئے ٹریسٹ میں جہاز پر کسٹم ہوس (محکمہ چونگی) کی طرف سے مسافروں کا اسباب کھول کر دیکھا گیا۔ اور جس بکس میں کوئی چیز قابل محصول تھی۔ اس پر ایک ٹکٹ چپکا دیا گیا۔ یورپ کے سفر میں کسٹم سے اچھی خاصی تکلیف ہوتی ہے اور ذرہ ذرہ چیزوں پر چونگی لی جاتی ہے۔

ایک شاہی محل

۲۰ جون کو ٹریسٹ پہنچ کر وہاں کے قابل دید مقامات دیکھے۔ جن میں سے "میرامار" قابل ذکر ہے۔ میکسیملین شہنشاہ میکسیکو نے ٹریسٹ سے دو تین میل باہر سمندر کے کنارے پر بڑے شوق سے تیار کیا تھا۔ مگر بادشاہ جوانی میں ہی باغیان میکسیکو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اُس کی بیگم شاہ بلجیم کی ہمشیرہ بجیم تب دیوانی ہو گئی۔ جو اب تک زندہ ہے۔ امپرر میکسیملین موجودہ شہنشاہ آسٹریا (فرانسس جوزف) کا چھوٹا بھائی تھا۔ اسلئے سرکار آسٹریا کی طرف سے اس محل کی حفاظت کیجاتی ہے اس میں تمام ہمعصر بادشاہوں کی قد آدم تصاویر اور بہت سے دوسرے

تاریخی آدمیوں کی بڑی تصاویر ہیں۔ بڑے قرینہ اور شوق سے مختلف کمروں کی آرایش اور زیبایش کی گئی ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر بہت سی تصویریں میں انیگری کے طور پر مطلب ادا کیا گیا ہے۔ اب تک میکسیمیلین کے لکھنے کے کمرہ۔ کتب خانہ۔ کمرۂ استراحت۔ ڈرائنگ روم وغیرہ میں سب سامان ویسا ہی پڑا ہے۔ جیسا کہ اُسکی زندگی میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان کا مالک ابھی کمرہ سے باہر گیا ہے۔ شب زفاف کا کمرہ اُسی طرح آراستہ ہے جیسا کہ اسوقت کیا گیا تھا۔ اور چونکہ بادشاہوں کے سجے سجائے مکان کا کم کسی کو دیکھنے کا موقع ہوتا ہے یہاں بےحد آرام اور عیش کا سامان معلوم ہوتا تھا۔ مکان کے چپہ چپہ پر مجھے خیال آتا تھا کہ ایسے قصر وسیع اور سامان تکلف کے تیار کرانے والے بھی دنیا میں نہیں رہتے۔ اور یہاں سے قبل از وقت کوچ کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اس محل کے باغ میں ایک جگہ ایک پھولوں اور پتوں کا قالین دیکھا۔ جس میں پانچ چھ رنگوں کے پھولوں کے خط ایسی خوبی سے کھینچے گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا واقعی ان رنگوں کا بنا ہوا قالین ہے۔ بحالیکہ صرف ایک مختلف الالوان پھولوں کی کیاری تھی۔ اس محل کے دکھلانے والے تین چار آدمیوں کو ٹپ دینا پڑا۔ جو ڈھائی روپیہ کے قریب تھا۔

ٹپ کی حقیقت

ٹپ کی تشریح ناظرین کی خاطر کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں ایک عام رسم ہے کہ جس ہوٹل یا ریسٹارنٹ یا قہوہ خانہ میں تم کچھ کھاؤ پیو۔ کھانے کی قیمت کے ساتھ ہی اُس ویٹر (خدمتگار) کو۔ جو تمہیں کھانا لا کر دیتا ہے ضرور کچھ پیسے دیکر جاؤ۔ ورنہ تم ناشائستہ تصور کئے جاؤ گے۔ نہیں بلکہ دوسری مرتبہ وہ ویٹر تمہارے طلب کرنے پر بھی تمہیں کھانا دینے میں دیر لگائیگا۔ کہدیگا ہاں لاتا ہوں۔ مگر نہیں لائیگا۔ اچھا تم نے کوئی مکان بھی دیکھا۔ اس مکان کے ساتھ جو باغ تھا۔ اسکے دکھلانے کے لئے کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ ہو لیا۔

اور جب تم دروازے پر پہنچے تو ایک اور شخص بھی کھڑا ہے۔ اور آپ کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ یہ سب کچھ نہ کچھ لینے کے مستحق ہیں۔ اور ہندوستان کی طرح دو چار پیسے لیکر نہیں ٹل جاتے۔ تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگے ہو۔ اس کے پورٹر اور کم از کم پانچ چار دوسرے ملازموں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا ضروری ہے۔ سٹیشن پر جاتے ہو۔ اور ایک شخص تمہارے ساتھ اجنبی دیکھ کر ہو لیا۔ وہ تمہیں گاڑی بتلاتا ہے یا تمہارا اسباب تلوا دیتا ہے وہ بھی ٹپ مانگتا ہے۔ اور یہ رسم ایسی عام ہے کہ بیڈیکر کی جرمنی اور آسٹریا کی گائیڈبکوں تک میں لکھا ہے۔ کہ مسافر کو ایک شلنگ روزانہ ٹپ کا خرچ سمجھ لینا چاہئے۔ جسکے مستحق ہوٹلوں کے خدمتگار اپنے آپ کو سمجھتے ہیں بعض انگریز مصنفوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں بخشیش۔ مانگنے کی بہت بُری رسم ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں یوروپ میں ٹپ کا ایسا بُرا دستور ہے کہ جو بھلے مانسوں کو دق کر دیتا ہے۔ بلکہ بڑا کمینہ اور وحشیانہ دستور ہے۔ اور یہ نہیں کہ اجنبی ہی اس کا شکار ہوتے ہیں۔ بلکہ وہاں کے رہنے والے لوگ بھی کم و بیش دیتے ہیں۔ یوروپ میں بہت لوگ اپنے گھروں میں کھانا پکاتے اور کھاتے نہیں۔ اسلئے ریسٹورنٹوں اور ہوٹلوں میں بڑی رونق رہتی ہے۔ میرے خیال میں سوائے خاص لوگوں کے یہاں کے عام لوگوں کی زندگی اپنے لئے صرف روٹی اور کپڑا بہم پہنچانے رہنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ اگر دو دن بھی بیکار ہوتے تو گذارہ نہیں ہوتا۔

دوکانوں کی طرز

ٹریسٹ میں عمدہ عمدہ بڑے بڑے عالی شان مکانوں کے جس دوسری چیز نے مجھے متوجہ کیا وہ دوکانوں کے دروازے تھے۔ اور دوکانوں کے دروازے تمام یوروپ میں کم و بیش یکساں ہوتے ہیں دوکان کی پیشانی پر دو تین فیٹ جگہ اندر جانے کے لیئے چھوڑ کر باقی

جگہ بڑے بڑے شیشوں سے بند کر دی جاتی ہے جسکے پیچھے دکان کا مال دکھلاوے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح بازار میں گذرنے والے لوگ بھی باہر سے ہی دوکان کا مال دیکھ سکتے ہیں۔

موٹے تازے جانور اور چارہ کی کثرت

یہاں ایک اور چیز بھی نرالی معلوم ہوئی۔ مزدوروں کی بارکش گاڑیوں اور سواری کی گاڑیوں میں بھی بڑے بڑے موٹے تازے بڑے بڑے گھوڑے جتتے ہوئے نظر آتے۔ مگر یہ بہت سست تھے۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں بھدے تھے اسلئے چلانے سے چلتے تھے۔ غالباً گھوڑوں کی یہ قسم یہاں چھکڑوں کے لئے مخصوص ہوگی۔ بیل بھی یہاں موٹے تازے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ کسکے بعد میں نے یوروپ بھر میں لاغر گھوڑا اور دبلا بیل نہیں دیکھا وجہ اسکی میری سمجھ میں سوا اسکے کوئی نہیں آئی کہ یہاں چارہ بہت ہوتا ہے۔ اور چارہ خشک کر کے جمع رکھنے کی رسم عام ہے۔ اسلئے چارہ کی کمی کبھی نہیں ہوتی۔ سواری کی گاڑی صرف وکٹوریا فٹن تھی۔ جس کا کرایہ شہر کے اندر پہلے گھنٹے کا ایک فلورن (ستہ) اور دوسرے گھنٹے کا ۸ کراؤنز (عسہ) تھا۔ بوجھ لادنے کی گاڑیاں ایک گز چوڑی اور سات آٹھ گز لمبی ہونگی۔ پہیوں کے اوپر صرف دو لمبے بٹ لگا کر انہیں تختوں سے بھر دیا گیا تھا۔ البتہ پہیئے ایسے طور سے لگے ہوئے تھے کہ گھومانے وقت دو پہلے اور دو پچھلے الگ الگ گھوم جاتے تھے۔ کھانا ویانا کی طرح یہاں بھی ایک یہودی کے ریسٹورنٹ سے کھایا۔ جو بہت احتیاط سے ذبیحہ پکاتے ہیں۔ اور ذبیحہ کو "کوشر" یا "کوشر" کہتے ہیں۔ یہ شیخ انعام اللہ صاحب بٹلا کی مہربانی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہودی ریسٹورنٹوں کی راہ بتائی۔ یورپ کے ہر بڑے شہر میں یہودی موجود ہیں۔ اور سب جگہ ان کے کھانے

قہوہ خانے

کے مکان علٰحدہ ہیں۔ شام کو بڑے چوک میں جہاں

پبلک بینڈ باجا بجی بجتا ہے۔ ایک قہوہ خانہ میں آئس کافی "(یعنی برفانی قہوہ) پیا۔ یہ عجیب قسم کا قہوہ آسٹریا جرمنی اٹلی بعض انگلش ملک پایا جاتا ہے۔ شیشے یا چینی کے پیالے میں نیچے شیریں قہوہ ہوتا ہے اور اسکے اوپر دودھ کی جھاگ بنا کر ایسی طرح رکھی جاتی ہے جو پیالی سے اونچی ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور قہوہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قہوہ خانوں میں زن و مرد کا ہجوم بے انداز تھا۔ لوگ مکان کے اندر اور باہر میدان میں یکساں کثرت سے لکڑی کی نہایت مختصر سفری کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ سامنے ایک مختصر سی میز ہوتی جسکے گرد دو یا چار کرسیاں ہوتی ہیں۔ اور قہوہ یا چائے یا مٹھائی جو چیز مانگو فوراً ویٹر حاضر کر دیتا۔ ساتھ ہی بلا مانگنے کے کوئی نہ کوئی اخبار بھی لا رکھتا کیونکہ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وہاں ہر شخص خواندہ ہے۔ اور ضرور اخبار پڑھنا چاہتا ہے۔ کئی لوگ صرف مختلف اخبار دیکھنے کے لئے "کافی" میں کہ جس نام سے یہاں قہوہ خانے مشہور ہیں آتے ہیں۔

ویانا کو روانگی

۲۰ جون کو میں ٹریسٹ سے ویانا کو رخصت ہوا۔ ریل کا ٹکٹ ہمبرگ تک میں نے اپنے مہربان دوست لاہور کے پروفیسر آرنولڈ صاحب کی ہدایت کے مطابق بمبئی سے ہی ٹامس کک اینڈ سن کے دفتر سے خرید لیا تھا۔ اسلئے ٹکٹ لینے میں تکلیف نہ ہوئی۔ اسکے علاوہ پروفیسر آرنولڈ صاحب نے سفر یورپ کے متعلق مجھے چند اور ہدایات بھی کی تھیں جن سے میں نے بہت سا فائدہ اٹھایا۔ سٹیشن پر اسباب کے تلوانے میں دقت ہوئی۔ چونکہ ہوٹل کا ایک ملازم ساتھ تھا۔ ایک میرا اور ایک میرے دوست کا کپڑوں کا ٹرنک تلوایا گیا۔ اور ایک ایک چھوٹا ٹرنک ریل میں ساتھ رکھ لیا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے سفر کے لئے اتنے اسباب کا کرایہ جو من سوا من سے زیادہ نہ ہوگا۔ بارہ تیرہ روپے دینا پڑا۔ یورپ میں ریل کا کرایہ بہت گراں ہے

اور ہندوستان کی ریلوں کی طرح گاڑیوں میں بوجھ رکھنے کی جگہ بھی نہیں
ہوتی۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی گاڑیوں میں تو ۳-۴ سیر کے ہینڈ بیگ سے زیادہ
نہیں لیجا سکتے۔ البتہ آسٹریا کی سیکنڈ کلاس کی گاڑیوں کے گدیلے ایسے
اعلٰے ہیں کہ ہندوستان میں فسٹ کلاس میں بھی نہیں ملتے۔ لیکن اس
میں بیٹھنے کی جگہیں الگ الگ نشان کی ہوئی ہیں۔ اگر سونا چاہو تو اسکے
لئے علیحدہ گاڑی مقرر ہے جسکا کرایہ زیادہ ہے۔ اُس میں چلے جاؤ۔
مجھے ہوٹل کے ملازم نے یہ بھی کہا کہ اگر گارڈ کو کچھ ٹپ دیدو گے تو وہ تمہارا
کمرہ کو مقفل کر دیگا۔ اور کوئی دوسرا مسافر اندر نہ جا سکیگا۔ پھر تم بے کھٹکے
سو رہنا۔ مگر میں نے اس نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ان گاڑیوں میں
صرف ایک طرف کے حصے اندر باہر جانے کے لئے کھلتے ہیں۔ اسی
طرف ایک برآمدہ بھی بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم گاڑی کے پہیوں کی سطح
پر ہوتا ہے۔ اسلئے سیڑھیوں سے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں ۔

سرسبزی اور چارہ ۔

ٹرسٹ سے ویانا کو جاتے ہوئے صبح کو ۴ بجے سے
دن کی روشنی نمودار ہوئی۔ ملک نہایت سرسبز
اور شاداب تھا۔ پہاڑوں کا ایک چپہ بھی سبزی سے خالی نہ تھا۔ گھاس کے
دریا امنڈ رہے تھے لوگ الگ کھیتوں میں گھاس بھی بوتے ہیں
اور اسکو کاٹ کر خشک کر کے جمع کر رکھتے ہیں۔ میں نے جا بجا اسکے ڈھیر
دیکھے۔ ہندوستان کے زمینداروں کا مدار صرف مویشیوں پر ہے
افسوس ہے کہ ابھی تک یہ لوگ گھاس کے ذخیرے رکھنے کے فوائد
کے قائل نہیں ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بوجہ خشک سالی کے اس قدر مویشی
ہندوستان میں مرے کہ بعض علاقوں میں تو دسواں حصہ جانور زندہ نہیں
رہے۔ حالانکہ اگر سال گذشتہ کی گھاس کا ذخیرہ ہوتا۔ تو اس سے کم
تکلیف ہوتی۔ گاؤں اس ملک میں بڑے بڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جہاں

پہاڑی کے دامن یا کسی وادی میں تھوڑی جگہ کھیتوں اور گھروں کیلئے
نکلتی وہیں پانچ چار دس بیس دہقانوں نے مکان بنا لئے عورتیں عموماً
مردوں کو کھیتی باڑی کے کام میں مدد دیتی ہیں - لیکن اسپر بھی انکے کپڑے
اُجلے ہوتے ہیں۔ زن و مرد کام کرنے سے پہلے ایک رنگین کپڑا اپنے
سامنے باندھ لیتے ہیں۔ اسلئے دوسرے کپڑے کم میلے ہوتے ہیں۔ اس ملک
میں عورتیں اکثر مردانے کام کرتی ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ دیتی
اور کلرکی کرتی ہیں - دوکان کرتی ہیں - ہوٹلوں - قہوہ خانوں اور دفتروں

ہوٹل کی خدمتگار عورتیں

میں ملازم ہیں - غرض جہاں تک پڑتا ہے مردوں کی
برابر روٹی کماتی ہیں - جن جن ہوٹلوں میں میں مقیم
ہوا ہوں سب میں کئی کئی عورتیں بطور خدمتگار رکھے
نوکر تھیں - خدمتگار عورتوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُن کے سروں پر
چھوٹی سی سفید ٹوپی اور سامنے ایک سفید ایپرن (تہ بند) بندھا ہوا ہوتا ہے
جب مسافر کمرہ سے باہر جاتا ہے تو یہی مکان کو صاف کرتی ہیں - ہر ایک
میز کرسی کو پونچھتی ہیں - بستر کو جھاڑتی اور بچھاتی ہیں - تمام چیزوں کو قرینے
سے لگاتی ہیں - ملنہ منہ دھونے کا میلا پانی پھینک کر صاف پانی لا رکھتی
ہیں اور پاخانہ بھی صاف کرتی ہیں پاخانے عموماً ان ملکوں میں ایسے طور
پر بنے ہوئے ہیں کہ قضائے حاجت کے بعد ایک رسی کھینچنے سے بہت
سا پانی زور سے پاخانہ کے برتن میں آپڑتا ہے اور اسکو صاف کر جاتا ہے
پاخانہ کا برتن پہلے ہی چینی کا ہوتا ہے - اسلئے خوب صفائی رہتی ہے -
بستر ہوٹلوں میں نہایت پُر تکلف ملتا ہے - جیسا اچھا ہوٹل ہو ویسا ہی سامان
اچھا ہوتا ہے - تاہم بستر جیسا گدگدا بنانے میں یہاں توجہ کی جاتی ہے اور جگہ نہیں
ہندوستان میں لوگوں کو معلوم ہی نہیں - دو دو بالشت اونچے سونے کے گدیلے
تو معمولی بات ہے - تکیے اور توشک پروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں فراق

سن جالاروں کے پر ہندوستان سے یورپ کو آتے ہیں لیکن کوئی
ہندوستانی پروں کے تکیوں اور توشکوں کی قدر نہیں جانتا۔ ہوٹلوں
میں چادریں۔ تکیوں کے غلاف۔ تولیے ہر روز بدلے جاتے ہیں۔ ہر
کھانے پر نیا دھویا ہوا تولیہ ملنے کی رسم بہت عمدہ ہے۔ گو کھانے مجھے
یہاں کے ایک آنکھ نہیں بھاتے صرف بوجہ مجبوری پیٹ بھر لیتا تھا۔
یورپ اور ہندوستان کے کھانا پکانے کے طرز میں بعد المشرقین ہے
میں نے جو کچھ یورپ میں کھانا پکانے کا مطلب سمجھا صرف ہر چیز کا ابال
لینا ہے۔ مگر یہ سُنا ہے کہ ہر کھانے کو صحت کے لحاظ سے عمدہ بنانا مدِ نظر
رکھا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے ایک شخص میرے ساتھ سوار ہوا۔ گو یہ
آسٹرین تھا مگر بوجہ مصر میں رہ چکنے کے عربی بول سکتا تھا۔ اسلئے اس
سے باتیں ہوتی رہیں۔ اور بھی اس سفر میں مختلف ممالک یورپ میں
مجھے اہل یورپ ملے ہیں جو عربی اور ترکی زبانیں تھوڑی بہت بول سکتے
تھے کہ جنکے ایسے مقامات میں ملنے سے ایک مسلمان کو ضرور تسلی اور اطمینان
حاصل ہوتا ہے۔

ویانا پایہ تخت آسٹریا

باز گو از نجد و از یاران نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

۱۱ جون کو دوپہر سے پہلے ویانا کے سٹیشن پر پہنچا۔ سٹیشنوں پر شہر کے ہوٹلوں کے ملازم گاڑیوں کے پہنچنے کے وقت اس غرض سے حاضر رہتے ہیں کہ مسافروں کو ترغیب دے کر اپنے اپنے ہوٹلوں کو لیجائیں۔ سٹیشن سے باہر ہوٹل کی گاڑی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مع اسباب کے ہوٹل مٹروپول کی گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل میں پہنچے یہ ہوٹل شہر کے نہایت بارونق اور خوشنما حصہ میں واقع ہے۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی سے جو چوتھی منزل پر واقع تھا دریائے ڈینیوب قریب ہی نظر آتا تھا جو شہر ویانا میں سے ہو کر گذرتا ہے۔

اول درجے کے ہوٹلوں کی سکونت

لاہور سے چلتے وقت مجھے ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ یورپ میں جا کر ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل میں ٹھیرنا چاہئے کہ جہاں مسافر کے مال وجان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر خرچ میں کفایت مدنظر ہو تو اسی ہوٹل کی کسی اوپر کی منزل میں کمرہ لینا چاہئے۔ کیونکہ اوپر کی منزلوں میں کرایہ نسبتاً ارزاں ہوتا ہے۔

لفٹ

اور جب میں نے دیکھا کہ سب اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے مسافر کو سیڑھیوں پر چڑھنے میں مطلق زحمت نہیں ہوتی۔ تو میں ہر جگہ اس مشورہ پر کاربند ہوتا رہا۔ لفٹ نہ صرف ہوٹلوں میں بلکہ عالی شان

پرائیویٹ مکانوں اکثر تجارتی کارخانوں فیکٹریوں اور دفتروں میں بھی لگے ہوئے ہیں کہ جو آبی یا دُخانی طاقت سے چلتے ہیں۔ اور ان میں بیٹھ کر آدمی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بلا تکلف پہنچ جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کے لفٹ پر ایک ملازم متعین رہتا ہے۔ اور جو لوگ اوپر جانا چاہیں انہیں اس میں داخل کر کے ایک رسی کو آہستہ سے کھینچتا ہے جس سے لفٹ خود بخود اوپر چڑھنے لگتا ہے۔ اور جس جس منزل تک وہ شخص جانا چاہیں وہاں پہنچکر انہیں اُتار دیتا ہے۔ اور اُتارنے سے پہلے گویا بڑے ادب سے سلام کرتا ہے۔ اگر تم نیچے اُترنا چاہو اور لفٹ نیچے گیا ہوا ہو تو لفٹ کے مقام پر آکر ایک بٹن کو دبا دو۔ لفٹ والے آدمی کو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ کس منزل پر بٹن دبایا گیا ہے۔ اور وہ فوراً وہاں لفٹ لے کر آ جائیگا۔ اور تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں طرفۃ العین میں نیچے لیجائیگا مگر میں نیچے اُترنے کے لئے سوائے جلدی کی ضرورت کے لفٹ والے کو نہیں بلایا کرتا تھا۔ بلکہ سیڑھیوں کے راستہ سے اُتر جایا کرتا تھا۔

چونکہ میرے سفر کی غرض صرف معلومات حاصل کرنا تھی میں نے ہر جگہ پہنچکر زیادہ سے زیادہ وقت ہر قسم کی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف کیا کہ جنہیں میں نے اپنے اور اپنے اہل ملک کے حق میں مفید سمجھا۔ گائیڈ کے ساتھ بھی اور تنہا گائیڈ بک لے کر میں ہر طرف گھوما کرتا تھا۔ وہ تین آدمیوں سے ملاقات پیدا کی جو ہندوستان کو آسٹریلیا کا مال بھیجنے والے ایجنٹ تھے۔ اور ان کے ساتھ جا کر بھی بعض کارخانے اور گودامیں دیکھیں۔ یہاں کے ٹکنیکل سکول۔ عجائب گاہ فنون و حرفت اور دیگر مقامات کی سیر کی۔ تا کہ یہاں کی زندگی کے اکثر حالات معلوم ہو جائیں پر ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کوئی شخص کسی مقام اور قوم کی خصوصیتیں تو کیا معلوم کر سکتا ہے۔ تاہم میں نے تھوڑے وقت میں ظاہری حالات

جو معلوم کئے ہیں۔ اُن میں سے مزید ضروری لکھتا ہوں۔

تجارتی کارخانے

آجکل ہندوستان میں جرمنی کی طرح آسٹریا کا بھی بہت سا مال تجارت کھپتا ہے۔ مثلاً چھاپنے کا کاغذ۔ ترکی ٹوپیاں۔ شکر۔ اور اَور بہت سی مسالحی کی چیزیں آسٹریا کی ساختہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کے کارخانے شہر کے قریب بہت کم ہیں۔ اکثر کارخانے مضافات میں ہیں۔ شہر میں صرف اُن کے دفاتر ہیں۔ ان کی تجارت ہر سال ترقی کر رہی ہے۔ بعض کارخانے اجنبیوں کو دکھلانے میں تامل کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی بعض خلیق لوگ سفارشی چٹھیاں ہو دیتے ہیں اور خود بھی ساتھ ہو لیتے ہیں۔

عالیشان مکانات

مکانات ویانا کے نہایت رفیع اور عظیم الشان ہیں۔ اکثر مکانات پر شبہ ہوتا ہے کہ یہی شہنشاہ آسٹریا کا قصر ہوگا۔ یا کوئی پبلک عمارت۔ لیکن وہ کسی پرائیویٹ شخص کا مکان۔ یا تاجر کی دکان نکل آتی ہے۔ پانچ چھ منزلہ عمارتیں عام ہیں۔ پتھر سنگ مرمر اور شیشہ تعمیر میں بہت صرف کیا گیا ہے۔ قابل دید پبلک مکانات میں جو میں نے دیکھے بڑا عجائب گاہ عجائب گاہ آرٹس واٹر سٹریز۔ ٹاؤن ہال۔ ہوس آف پارلیمنٹ۔ پکچر گیلری شہنشاہ آسٹریا کا تھیٹر اور یونیورسٹی ہیں۔

ویانا کا عجائب خانہ

عجائب گاہ کا مکان سہ منزلہ ہے جس میں بڑے بڑے چالیس کمرے ہیں۔ اسکے اور اسکے سامنے کی پکچر گیلری (مرقع خانہ) کی تعمیر پر بارہ ملین فلورن (یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ ہندوستانی روپیہ) صرف ہوا تھا۔ یوں تو عجائب گاہ کے اندر ایک مکمل مجموعہ قدرتی اور مصنوعی اشیا کا جمع ہے۔ لیکن اس کی تمام دیواروں پر ہر ملک کی طرز معاشرت اور تاریخ کے نظاروں کی تصویریں کاریگر مصوروں نے کھینچ دی ہیں۔ اور جابجا نامور آدمیوں کے بُت بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اتنے وسیع مجموعے اشیا کے کلکتہ کے عجائب گاہ میں نہیں ہیں۔ پتھروں میں ایک شہاب

ثاقب (۰۰۰۰) پونڈ وزنی غیر مقرر شکل کا موجود تھا۔ جو ۔۔۔ء میں آسٹریا میں گرا تھا اور ظاہرا فولاد معلوم ہوتا تھا۔ لکڑی کے کئی متحجر ٹکڑے دیکھے جو شکل میں بالکل چوب معلوم ہوتے تھے۔ چھال اور تار برابر نظر آتے تھے مگر اب پتھر بنے ہوئے تھے۔ تین تین چار چار ہزار سالوں کے مردوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ اُسی زمانہ کے زنگ آلود آہنی زیور ہاتھوں اور پاؤں کے

ہندوستانیوں کی نسبت معلومات

ساتھ پڑے تھے۔ ایک جگہ ہندوستان کی دیہاتی زندگی کا نقشہ چند کاشتکاروں کے بت بنا کر دکھلایا گیا تھا۔ یہ بنگال کے مزارع تھے۔ جو سیہ فام اور بالکل برہنہ تن تھے اور اُن کے پاس ایک چھپر کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ اگر ان کو دیکھ کر یہاں کے لوگ سب ہندوستانیوں کو ایسا ہی سمجھ لیں تو ان کا کچھ قصور نہیں۔ چنانچہ عجائب گھر سے فارغ ہو کر جب میں آسٹریا کی پارلیمنٹ ہوس کو دیکھنے گیا تو دربان نے میرے گائیڈ سے پوچھا کہ یہ ان کپڑوں کو جو یہ اس وقت پہنے ہوئے تھا وطن میں جا کر کیا کروں گا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں پہنچ کر میں سب کپڑے اتار دوں گا۔ اور جب مکان کو اندر سے دیکھتے ہوئے میں اپنی پاکٹ بک میں نوٹ لیتا جاتا تھا تو اُسے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ ہندوستانی لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہیں۔ اور میری تحریر کو غور سے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو خاصی سٹینوگرافی (شارٹ ہینڈ کی تحریر) ہے۔

آسٹریا کی پارلیمنٹ

اس مکان میں بیس ستون دس دس گز لمبے سنگ مرمر کے ٹکڑوں کے تھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی مکان اتنا عظیم الشان نہ تھا جتنے کہ اس شہر کے دوسرے مکانات کے لحاظ سے پارلیمنٹ کو ہونا چاہیے۔ ہرن ہوس (ہاؤس آف لارڈس) اور پارلیمنٹ ہوس کی نشستیں الگ الگ ہیں۔ شہنشاہ کے بیٹھنے کی دونوں میں علیحدہ ایک ایک جگہ ہے۔ اور جب اُس کا جی چاہے آ کر شریک ہو سکتا ہے

گائیڈ نے بتلایا کہ ابھی چند روز کی بات ہے ممبران پارلیمنٹ میں خوب جوتی پیزار چلی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ آسٹریا ایک سلطنت ہے جو کئی ایسی مختلف قوموں کا پولیٹکل مجموعہ ہے کہ جنکی زبانیں رسم و رواج اور قومیت جدا جدا ہے۔

ٹپ کا اسکال کہنا

ہر مکان کے دیکھنے کے لئے دربانوں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا پڑتا ہے۔ اور عموماً عجائب گھروں کے دیکھنے کے لئے بھی قریب قریب یورپ کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ فیس داخلہ دینی پڑتی ہے۔ چونکہ ویانا کا عجائب گھر ہم نے اتوار کو دیکھا تھا اسلئے کچھ فیس داخلہ نہیں دی تھی۔ تاہم عجائب گاہ کے دروازہ پر چھاتا رکھنے والے شخص کو بیس کروئنزر (چونی) دینی پڑی۔ شاید دونی بھی کافی تھی۔ گائیڈ ہر جگہ بتلا دیتا تھا کہ یہاں اتنا ٹپ دینا چاہئے ویانا میں تو یہ اندھیر ہے کہ ٹرام کے کنڈکٹروں کو بھی جو ٹکٹ دیتے ہیں ٹکٹ سے نصف دام بطور انعام کے دینا چاہئے۔ وجہ اس کی مجھے یہ بتلائی گئی۔ کہ ان کی تنخواہ صرف دو پونڈ ماہوار ہوتی ہے۔ اور اسی ٹپ کے بھروسے پر یہ اس ملازمت کو اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے کنڈکٹر کو کچھ نہیں دیا تو وہ تمہیں منہ سے تو کچھ نہیں کہے گا مگر سامنے کے لوگوں کی نظروں میں تم حقیر معلوم ہونے لگو گے۔ یہاں ٹریم کی گاڑی میں دو کمرے بنا دیئے گئے ہیں جنکے گرد بڑے بڑے شیشے لگے ہوتے ہیں۔ اگر پہلے کمرہ میں جگہ نہ ملے تو لوگ دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھتے ہیں۔ لیکن جو شخص اندر جاتا ہے ممکن نہیں کہ دروازہ احتیاط سے بند کر کے نہ بیٹھے۔ ورنہ ایسی سرد ہوا کا جھونکا اندر آئے گا کہ سب مسافر گھبرا اٹھینگے۔

عجائب خانوں کا کرایہ صرف

ہندوستانی مسافر کو ممالک یورپ میں یہ بات دلچسپ معلوم ہوگی کہ وہاں کے دارالسلطنتوں میں

بجائے ایک عجائب گاہ کے کئی کئی عجائب گاہ ہوتے ہیں - ان میں سے
ایک تو عام عجائب خانہ ہوتا ہے - اور باقی علوم و فنون کی خاص خاص
شاخوں اور انسانی زندگی کی مختلف ضرورتوں سے متعلق ہوتے ہیں -
مثلاً ایک عجائب خانہ میں صرف ملک کی اشیاء صنعت و حرفت
کے نمونے ہیں - دوسرے میں علم جراحی کی امداد کے سامان - ایک
اور میں صرف سامان حرب کے عجائبات - یہاں تک کہ برلن میں ایک
عجائب خانہ صرف ڈاکخانہ کی عجائبات سے بھرا ہوا ہے - اس میں دُنیا
کے ہر ملک کے ہر زمانہ کا ڈاک کا ٹکٹ ہے - ہر قوم اور ملک کے ہر نرخ
کی چٹھی رسانوں کی وردیاں ڈاک گاڑیوں کے نقشے اور نمونے - تار برقی
ٹیلیفون اور فوٹوگراف کے نمونے اور دُنیا کے ڈاکخانوں کے طرح طرح
کے عجائبات جمع کئے گئے ہیں - غرض کوئی زراعتی کوئی حفظان صحت
کا کوئی انڈسٹریل عجائب گاہ ہے - ویانا کے مشوزیم آف آرٹ و انڈسٹری میں
شیشہ کی دستکاری کے مکمل نمونے موجود ہیں - چینی کا ہر قسم کا کام بھی
پڑا ہے - اور ہر قسم کا مال جو آسٹریا دیگر ممالک کو ایکسپورٹ کرتا ہے اسکے
نمونے رکھے ہوئے تھے - علاوہ اسکے دُنیا کے مختلف ممالک کی اُن اشیا
کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے جو آسٹریا کے کاریگر تو ابھی نہیں بناتے
مگر انہیں چاہئے کہ اس مذاق اور اس طرح وضع کا سامان بنائیں اور اُن
ملکوں کو بھیجیں - مثلاً اس عجائب گاہ کا ایک کمرہ بتمامہ مراکش کے سامان
زندگی سے سجایا گیا تھا - اس میں تمام اسی ملک کا فرنیچر تھا - قرآن شریف
رحل پر پڑا ہوا - قہوہ پینے کا سامان - جوتے قالین فرش سب مراکش کی وضع
کے تھے - ایسے عجائب خانوں سے ملک کے دستکاروں کو بڑی مدد ملتی ہے

شاہی اوپیرا

کھیل تماشوں میں ویانا کی زندگی پیرس کے ہم پلہ معلوم
ہوتی ہے - ویانا کا اوپیرا ہاؤس ایسی عالیشان عمارت ہے

اور کسی ثانی دنیا میں نہیں۔ اور یہ شہنشاہ آسٹریا کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ہر ایک
تھیئٹر جوانب سے تمام لوہے کا بنا ہوا ہے اسپر ۱۲ ملین فلورن خرچ ہوئے تھے
اور اندر آتشزدگی کا اندیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ ۱۸۸۱ء میں ایک تھیئٹر ویانا
میں کئی سو آدمیوں سمیت جل گیا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا شہنشاہ کو
کچھ اس سے نفع بھی ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر سال کے اخیر پر کچھ نہ کچھ گرہ
سے دیکر خسارہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ٹکٹ کی قیمت
دیتے ہیں۔ کبھی کبھی شہنشاہ آسٹریا بھی معہ شاہی مہمانوں اور شاہی خاندان کے
ارکان کے آکر تماشا دیکھتا ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر مشہور ڈرامہ سے متعلق
جس قدر تصاویر یورپ کے استادانِ فن نے بنائی ہیں ان کی نقلیں اور فن
ڈرامہ نے ہر زمانہ میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں ان کی خیالی تصویریں جو درجہ
بدرجہ داخلہ کے دروازہ میں جو نقش اور خوبصورتی کے دو شکلیں ثبت رکھے
ہوئے ہیں۔ اجنبی یورپ میں آکر جس چیز کی نہایت کثرت دیکھتا ہے وہ بت
اور تصویریں ہیں۔ کہ جن کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اور جسکا زیادہ حال کسی دوسرے
موقع پر لکھونگا۔

پراٹر کے عجائبات

اہل ویانا نہایت رنگین مزاج لوگ ہیں۔ شہر کے باہر ایک وسیع پارک بنام پراٹر واقع ہے۔ تمام موسم گرما میں جب
بارش نہ ہو ہر شام کو یہاں اتنا بڑا میلہ لگ جاتا ہے کہ ہندوستان میں بھی کم
دیکھنے میں آتا ہوگا۔ اس میں ایک جگہ شہر وینس بنایا گیا ہے۔ اور اسکا نام
رکھا ہے "وینیڈگ اِن وین" یعنی "ویانا میں وینس" میں اس کے تھوڑے سے
حالات بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکیگا کہ اہل ویانا کس قدر
تفریح کے دلدادہ اور شیدا ہیں۔ یہاں آنہ دس آنہ کا ٹکٹ لے کر ہزارہا
لوگ اندر جاتے ہیں۔ اندر بیسیوں قسم کے تماشے جابجا موجود ہیں۔
ایک بہت بڑا دولابی پنگھوڑا بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ لنڈن کی نمائش کا۔

اور جس کورٹ میں کریٹ وہیل کے نام سے بنایا گیا تھا۔ غالباً اس میں کا
اوپر کا سرا زمین سے تین سو فٹ بلند ہوگا۔ اس میں نشستیں بنائی ہوئی ہیں
جن میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ انجن کے ذریعے سے اسکو چکر دیا جاتا ہے۔ ایک
جگہ جھیل ہے۔ ایک کشتی بہت بلند زمین سے پھسلتی ہوئی اس زور سے
آتی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے پانی میں جاتے ہی غرق ہو جائیگی۔ لیکن زور سے
پانی پر چکر لگا کر آگے نکل جاتی ہے۔ اس میں بھی لوگ کچھ پیسے دیکر سوار
ہوتے ہیں۔ کوئی اطالی گیت اور ناچ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا
تماشا ایک تھیٹر میں ہوتا ہے۔ جس میں ایک روز میں نے دیکھا کہ اکیلی
عورتیں یورپ کی ہر قوم کے سپاہیوں کی وردیاں پہنکر باری باری سے
آتی ہیں۔ اور ناچتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے آٹھ دس روسی پھر جرمنی
فرانسیسی انگریزی اطالی سپاہی آئے اور گذر گئے۔ اسی طرح ہر قسم کی
ورزشیں اور کھیل تماشے یہاں ہوتے ہیں۔ کھیلوں کے

آسٹریا کی ہولی:

درمیان دو تین مرتبہ ہر شام کو وقفہ کیا جاتا ہے۔ تو لوگ
ایک دوسری سڑک پر جاتے ہیں۔ جس کے دونوں طرف درخت ہیں۔
ان درختوں کی تمام شاخوں میں سرخ سبز اور سفید روشنی کے بجلی لیمپ لگے
ہیں۔ ایک بٹن دبانے سے سب لیمپ روشن ہو جاتے ہیں۔ اور باغ
طلسمات کا باغ معلوم ہونے لگتا ہے۔ الف لیلہ کے الہ دین اور عجیب و غریب
چراغ کا قصہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ہزارہا مرد اور عورتیں اس میں
ادھر ادھر چکر لگاتی ہیں۔ جا بجا چند لڑکیاں میزوں پر کچھ کاغذ کے پیکٹ
فروخت کرتی ہوئی ہیں۔ سائن پر کوری آنڈولی جلی خط میں لکھا ہوا ہوتا ہے
اور ان کے اندر مختلف رنگوں کے باریک کاغذ کے اتنے بڑے گول ٹکڑے
کاٹ کر رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ جتنا بڑا سپید دائرہ ہے ○ اب ہر زن
و مرد اپنا پیکٹ پھاڑ کر جس پر چاہتا ہے یہ کاغذ مٹھیاں بھر بھر کر پھینکتا ہے

پھر نامرد خوبصورت عورتوں پر اور عورتیں مردوں پر پھینکتی ہیں۔ پہلے واقفیت یا آشنائی کا کچھ لحاظ نہیں۔ تم جس کے منہ پر تمہارا جی چاہے کوری انڈیلی پھینکو۔ کوئی داد و فریاد نہیں۔ بلکہ سب لوگ خوش ہوتے ہیں۔ بعض مرد تعاقب کر کے عورتوں کے منہ پر بار بار پھینکتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی شرارت اور شوخی میں ان سے کم نہیں ہوتیں۔ شاید کبھی ہولی میں ہندو عورتوں نے اپنے عشر عشیر بھی شوخی اور ناز نہیں دکھلائے ہونگے۔ لوگ ادھر ادھر جاتے ہوئے کاغذ کے پھول پھینکتے جاتے ہیں۔ اور زمین پر دو دو انگل موٹا فرش ان کاغذوں کا ہو جاتا ہے۔ ایک دو عورتوں نے مجھ پر اور میرے ہندوستانی رفیقوں پر بھی یہ گولہ پھینکا۔ اور جب ہم نے اس پر بھی ان کو جواب دیا تو ایک کمبخت نے پشت کی طرف سے میرے کالر کو اٹھا کر قدرے آستین میں اسکے نیچے ایک مٹھی پھینک دی جو میں نے مکان پر پہنچ کر نکالی۔ ایک عورت نے ایک گھنٹہ سے پچکاری دی اور جو ادھر توجہ کیا تو اس نے منہ پر کاغذ ریزے پھینکے۔ معلوم ہوا کہ ان میں آوارہ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور اس ذریعہ سے لوگوں سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔ مگر گھر بار والی عورتیں بھی ان میں شامل ہوتی ہیں مساوات تو یہ ہے کہ یہ ایک پرستان کا نظارہ تھا اور نعوذ باللہ انسان ان کے آسیب سے مشکل سے بچ سکتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر میں لوگ تماشا دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ قہوہ خانے شہر کے ہر کوچہ۔ بازار۔ باغ اور کوٹھے پر موجود ہیں۔ ان میں بھی جتنے چپہ چپہ پر ہیں۔ خوبصورت عورتیں خدمتگاری پر مقرر ہوتی ہیں میزیں اور کرسیاں پڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے بیٹھے۔ اور قہوہ آئس کریم وغیرہ پئے۔ لیکن قیمت دگنی چوگنی دے۔ دستور ہے کہ جو قیمت مانگی جائے دینے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔ یہ تو نہایت مختصر حال بازار پراٹر کا۔ ایک بڑے تماشہ کا ہے۔ جہاں ویانا میں شہر وینس کی نقل اتاری گئی ہے۔ یہاں کئی قسم کی مومی تصاویر کے میوزیم۔ پینوراما۔ گول پھرنے والے گھوڑوں

کے چکر۔ اور بائسکلوں کے چکر موجود ہیں۔ اور لوگ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔

تماشوں کی سیر

چنانچہ ان میں سے چند تماشوں کا مختصر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پینورا ما ہندوستان میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جو یہاں پہلے پہل دیکھا اور پیرس نمائش کا و پیرس میں کئی جگہ دیکھا۔ پینورا ما میں ایک سٹیج کو چاروں طرف پردوں کے ذریعے سے چھپا کیا جاتا ہے۔ اور ان پردوں پر ایسے طور سے نقاشی کی جاتی ہے اور ان پر بیرونی روشنی ڈالی جاتی ہے کہ دیکھنے والا بالکل معلوم نہیں کر سکتا کہ وہ پردوں پر رنگین تصاویر دیکھ رہا ہے یا واقعی زندہ آدمی اور حیوانات مکانات اور باغات دور تک اسے نظر آرہے ہیں۔ کسی قدر دھوکا جو تھیٹر کے بعض پردوں پر مکانات کے اصلی ہونے کا ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ پینورا ما میں ہوتا ہے۔ غرض پینورا ما کی کاریگری یہ ہے کہ اس کے پردوں کی رنگین تصاویر زندہ اور اصلی چیزیں پورے قد کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے زندہ اور صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ یہ خیال ہی دل میں نہیں آسکتا کہ کہیں پردے بھی موجود ہیں۔

مومی بتوں کی ایک نمائش لاہور میں میں نے دیکھی تھی۔ لیکن یہاں ایسی کئی نمائشیں موجود تھیں۔ اور ان میں سے بعض خاصے علمی۔ اور تاریخی عجائب خانے تھے۔ علاوہ یورپ کے مشہور آدمیوں کے بتوں کے کہ جن میں پریسیڈنٹ کروگر اور جنرل جوبرٹ کے بت بھی تھے اور بعض تاریخی اور قیاسی قصوں کے بت بنائے گئے تھے ایک نمائش میں انسان کی تمام بیماریوں اور جراحی کے مختلف عملوں کو مومی بتوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا کہ جن میں سے بعض کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ واضح رہے کہ مومی بتوں کو ہمیشہ قدرتی رنگ دیئے جاتے ہیں۔

ہولناک سزائیں

لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز مومی بتوں

کی وہ نمائش تھی کہ جس میں قدیم زمانہ کے یورپ کی ہولناک سزاؤں اور خصوصاً ہسپانیہ کے زمانہ "انکوئیزیشن" کی وحشیانہ سزاؤں کو انسانی بتوں پر عمل کرتے ہوئے دکھلایا گیا۔ قدیم یورپ کی ان وحشیانہ سزاؤں کے نمونوں کے سامنے کل دنیا کی سزائیں گرد ہو جاتی ہیں۔ تعجب ہوتا تھا کہ انسان نے اپنے بنی نوع کو جسمانی اذیت پہنچانے کے فن کو بھی اس حد تک ترقی دی تھی کہ یہ خاصا ایک ہنر ہو گیا تھا۔ ناخنوں کو لوہے کی پلاس میں دبا کر خون نکالنا۔ لوہے کا خول کہ جس کے اندر کی طرف آہنی میخیں ہوتی تھیں اس میں آدمی کو بند کرنا۔ تاکہ میخوں سے چھد کر عذاب کے ساتھ اس کی جان نکل جائے۔ ٹانگ کے گرد رسی کس کر لکڑی کے فانوں سے آہستے تنگ کیا جاتا تھا۔ پنڈلی اور ٹانگ کو خاردار شکنجوں میں دبایا جاتا جس طرح پنجاب میں سکھوں کے عہد میں کاٹھ کی ایک سزا موجود تھی کہ جو اب نہایت بے رحمی اور جہالت کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں اس سے زیادہ مہیب کاٹھ رہ چکے ہیں۔

بعض مورتی بتوں کے ساتھ مردانہ آلات تناسل موجود تھے۔ اور اسی طرح یورپ کے عجائب گھروں میں پتھر اور دھات کے بعض کلاسک بتوں میں یہ آلات برابر نمایاں ہیں۔ اور ان عجائب گھروں میں زن و مرد یکساں پھرتے ہیں۔ اور اس امر کو خلاف اخلاق نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن قاہرہ کے

نوٹ: انکوئیزیشن ایک نہایت خوفناک محکمہ تھا۔ جو کہ سب سے پہلے بارھویں صدی عیسوی میں پیدا ہو کر سزا دیتے تھے کہ دشمن کیتھولک مذہب کے تباہ کیا گیا تھا۔ لیکن پندرھویں صدی عیسوی میں جب بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا نے ہسپانیہ کی سلطنت کو عرب [illegible] سے نکال دیا۔ تو اس وقت انکوئیزیشن کو بہت ترقی دی گئی۔ اصل غرض [illegible] یہ تھی کہ جو لوگ [illegible] مسلمان تھے [illegible] ہسپانیہ میں [illegible] ایک دو سال میں [illegible] [illegible] [illegible] ملا جاتا تھا کہ ان کی اس حالت کی تصویریں [illegible] دیکھ کر [illegible] صرف ہسپانیہ میں بیس ہزار [illegible] جاسوسی پر متعین تھے۔

عجائب گاہ جیزہ میں قدیم بتوں کا ایک گروہ ہے کہ جسے صرف اسلئے پبلک نہیں دیکھ سکتی کہ وہاں ایسے بت ہیں کہ جن کے آلات نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کارروائی گورنمنٹ مصر کی منشا سے کی گئی ہوگی۔ ورنہ یورپکی نمایشگاہوں میں یہ امر عیب نہیں سمجھا گیا۔

جیسے کہ ہندوستان کے میلوں میں ایک انگریزی وضع کے گرد گھومنے والے ہنڈولے دیکھے جاتے ہیں اسی خیال میں بہت کچھ ترقی کرکے پانچ سات قسم کی کھیل اختراع کی گئی ہیں۔ بعض میں گھوڑے بعض میں بائیسکل وغیرہ چڑھنے کے لیئے لگائے گئے ہیں۔ اور جب لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں تو یہ ایسی وضع سے لگائے گئے ہیں کہ سواروں کو خاصی ورزش ہو جاتی ہے اور گھوڑے زندہ گھوڑوں کی طرح اچھلتے کودتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ہندوستان کے خلاف یہ کھیل بچوں کی نسبت عورتوں اور مردوں کے زیادہ کام آتی ہیں۔ ایک جگہ ایک کشتی کو لوہے کی کمانیوں پر ایسے طور سے لگایا گیا تھا کہ جب لوگ اس میں سوار ہوتے تھے تو یہ اس طرح جھکولے کھاتی تھی کہ گویا متلاطم سمندر میں چل رہی ہے۔ ایک جگہ زور کا اندازہ کرنے کے لیئے ایک عجیب کھیل بنایا تھا۔ دو لوہے کے ستونوں کے مابین ایک سوراخ پر ایک آہنی پتھر پڑا ہوا تھا۔ جسکو ایک چوبی گھن سے جتنے زور کی چوٹ لگائی جاتی اتنا ہی بلند ایک تار پر چڑھ جاتا۔ جو شخص دو پیسے دیتا اُسے گھن کی چوٹ لگانے کی اجازت دی جاتی۔ دو ایک شخص کھڑے ہوئے تھوڑی تھوڑی فیس لے کر لوگوں کو قسمتیں بتلا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک غوطہ زن کنوئیں میں غوطہ مار رہا تھا اور کنوئیں کے سر پر غواصوں کو ہوا پہنچانے کے آلہ سے اُسے ہوا پہنچانے کا تجربہ لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا۔ ایک بیدست و پا بچہ۔ چند نہایت پست قامت لڑکے لڑکیاں اور ایک نہایت طویل القامت شخص مختلف خیموں میں نمایش کے لیئے

موجود تھے کہ جن کی اصلی قدروں کی تصویریں باہر لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ تو ایک کشتی بلند جگہ سے پھسل کر ندرے جھیل میں آگرتی تھی۔ لیکن ایک دوسری جگہ ایک ایسی گاڑی بنائی گئی تھی جو ایک ڈھلوان بلندی سے توپ کی طرح زور سے پستی کو پھسلکر آتی۔ اور وہاں سے آہنی رسوں کے ذریعہ سے سیدھے ایک اور بلندی پر چڑھ جاتی جو دو منزلہ مکان سے کم نہ ہوگی ان میں بھی کچھ پیسے دے کر لوگ بیٹھتے تھے۔ ایک گاڑیوں کی قطار ایک ایسی سڑک کے گرد گھومتی تھی جو کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی تھی۔ ایک جگہ بعض بتوں کے سینوں میں بندوق کا نشانہ لگایا جاتا تھا۔ اور جو کامیابی سے نشانہ لگاتا کچھ چیز جیت لیتا تھا۔ مگر میں تو آدھے بھی تماشے بھی بیان نہیں کر سکتا جو اتوار کے روز دنیا کے تفریح گاہ پر اتر میں دیکھے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اتنے شائقین کہاں سے جمع ہو جاتے ہیں۔

عظیم الشان رقص و سرود کی محفلیں

میں اسی حیرت میں غرق تھا کہ ایک ایسے مکان کے قریب میں گذرا جہاں باجے کی تان کے ساتھ سینکڑوں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ناچ رہے تھے۔ یہ ایک کھلے میدان میں قہوہ خانہ تھا جس میں بلا مبالغہ پانچ چھ ہزار عورتیں مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے سامنے میزوں پر بڑے بڑے شیشے کے گلاسوں سے بیر شراب کی جھاگ نظر آرہی تھی کہ جس کی ایک بوتل یہاں ایک آنہ کو بکتی ہے ہر چند رہ بیس منٹ کے بعد بینڈ بجنے لگتا۔ اور بیسیوں جوڑے عورتوں اور مردوں کے ناچنے میں مشغول ہو جاتے۔ جب بینڈ تھمتا تو یہ بھی ناچ بند کر کے اپنی اپنی میزوں پر بیٹھ جاتے۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اسکے قریب چار پانچ اور اسی قسم کے قہوہ خانوں میں یہی سلسلہ راگ رنگ کا جاری ہے معلوم ہوا کہ یہ لوگ زیادہ تر خدمتگار ہی اور مزدوری پیشہ ہیں جو ہفتے بھر میں چھ دن کام کر کے اتوار کے روز زن و مرد فراغت پا کر یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

ریفریشمنٹ کے دام

جابجا آسمان کے شامیانہ کے نیچے کرسیوں اور میزوں کی قطاریں پڑی ہوئی ہیں۔ یہاں جو بیٹھتا ہے اسکے سامنے ایک پری پیکر عورت حسب خواہش ریفریشمنٹ حاضر کر دیتی ہے۔ مگر چونکہ یہاں ریفریشمنٹ کے دام اصل لاگت سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اسلئے بعض ایسے قہوہ خانے کوئی بینڈ یا گویا عورتیں متعین کر لیتے ہیں۔ قریب شام میں تھک کر ایک ایسے قہوہ خانہ میں بیٹھ گیا جہاں وینس کے گنڈولے والے (کشتی بان) اطالی عورتوں سمیت اپنے مزامیر بجا کر اطالی ترانے گا رہے تھے۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ ہارورڈ دارورٹ کی آزمائش کا نقصہ اگر صحیح ہے تو وہ معذور رہتے۔ کس درجہ تک اہل آسٹریا اپنے آپ کو عیاشی کی طرف راغب کر رہے تھے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ اگر عورتیں اس دلچسپ جلسہ سے خارج کر دی جائیں تو ایک مرد بھی وہاں رہنا پسند نہ کرے۔ اور یہ کہ تمام شرارت عورتوں کی بیجا بے پردگی کا نتیجہ تھی۔

ہر قسم کی سواریاں

ویانا میں ہزاروں ایک اور دو گھوڑوں کی سواری کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ ان میں ایک ٹائم پیس کی طرح چھوٹی سی کل ٹکسا میٹر نامی لگادی گئی ہے۔ کہ جو مسافت کا اندازہ بتلائی جاتی ہے۔ اور جب گاڑی چھوڑو تو کرایہ اور سواری دونوں کو بحث اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انکے علاوہ گھوڑوں کی ٹریمویں۔ دخانی ٹریمویں اور برقی ٹریمویں تینوں چلتی ہیں۔ ان کی آمنی بس گاڑیاں الگ چلتی ہیں۔ ٹریمویں ہر جگہ پانچ منٹ بلکہ دو دو تین تین منٹ کے بعد گذرتی ہے۔ اور گاڑی ہر طرف سے بڑے بڑے شیشوں سے بند ہوتی ہے۔ تاکہ ہوا نہ آسکے۔ بوجھ کی گاڑیاں کئی طرح کی ہیں۔ لیکن ان کے گھوڑے بھی ویسے موٹے تازے ہیں۔ بازاروں میں نمونا پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ مگر کہیں کہیں اسفالٹ کا فرش ہے جو بہت ہموار ہے۔ بائیسکل بہت کم ہیں۔ کیونکہ پتھروں کے ٹکڑوں پر ان کی سواری کا

لطف نہیں آتا۔ موٹر کار کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ علاوہ اس کے نہر اور دریا میں جو متوازی شہر میں سے گذرتے ہیں۔ کشتیاں اور سٹیمر بوجھ لیجاتی ہیں

عورتوں کے کام عورتیں ہر قسم کے کام کرتی ہیں۔ میں نے عمارت کے مزدوروں میں عورتوں کو کام کرتے دیکھا ہے۔ اور قریباً ہر دفتر کے کلرکوں میں دو ایک چار پانچ موجود ہوتی ہیں۔ جو عموماً ٹائپ رائٹر پر چٹھیاں لکھتی ہیں اور تیس سے ساٹھ فلورن (فی فلورن ۱۲؍) تنخواہ پاتی ہیں۔ مرد کلرک چالیس سے سو ڈیڑھ سو دو سو فلورن تک ترقی کرکے پہنچ جاتے ہیں۔ بہت سی عورتیں سبزی ترکاری بیچتی اور دوسری دوکانیں کرتی ہیں۔ بلکہ ایک کارخانہ میں سب کلرک عورتیں تھیں اور اُن کی مینیجر بھی ایک عورت تھی۔

سوداگروں کے محرر مرد کلرک جو میں نے پرائیویٹ کارخانوں میں دیکھے عموماً نوعمر لڑکے تھے۔ یہ کام ایسی عمدگی سے کرتے ہیں کہ جیسا ذاتی کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف کارخانہ کا مالک یا مینیجر ان سے نوکروں کا سا سلوک نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا برتاؤ کرتا ہے جو جنٹلمینوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کام پر اعتبار کرتا ہے کہ جس کے یہ بوجہ اپنی ذہانت اور لیاقت کے حقدار معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کارخانہ میں ہم پہنچے کہ جہاں مینیجر موجود نہ تھا کلرکوں نے فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ سے اسے ہمارے آنے کی اطلاع دی۔ اور جب تک وہ کارخانہ میں نہ پہنچا دو تین ہوشیار کلرکوں نے ہمیں طرح طرح کی باتوں میں لگائے رکھا۔ یہاں دستور ہے کہ ۵ سے ۱۲ بجے تک اور ۲ سے ۷ بجے تک دفتر اور کارخانے کھلے رہتے ہیں۔ اور ۱۲ سے ۲ بجے تک سب کو کھانے کے لئے چھٹی ملتی ہے۔

ویانا کے اخبارات تھوڑا سا ویانا کے اخبارات کا حال بھی لکھنا مناسب ہے۔ یہاں بہت سے اخبارات با تصویر متین اور پنچ چھپتے ہیں۔ بعض با تصویر اخبارات کی تصاویر کئی رنگوں میں ہوتی ہیں۔ میں ایک اخبار کے کارخانہ

کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں جو میں نے دیکھا تھا۔ اس کا نام "ونیر تاگ بلاٹ" (یعنی ویانا کا روزانہ کاغذ) ہے۔ اور یہ ایک لاکھ پرچہ ہر روز چھپتا ہے۔ اور صبح اور شام دو مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس کارخانہ میں ایک ہزار آدمی ملازم ہیں۔ تمام کام کلوں سے ہوتا ہے۔ سکے کے حروف بھی لینوٹائپ کلوں کے ذریعے جوڑے جاتے ہیں۔ کئی مشینیں چھاپنے کی موجود ہیں۔ لیکن بڑی مشین جس پر ۵۰ ہزار فلورن لاگت آئی ہے ایک گھنٹہ میں ۳۲ صفحے کے ۲۴ ہزار اخبار چھاپ کر۔ کاٹ کر اور توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بلکہ شمار کرنے کی مشین بھی ساتھ ہی لگی ہوئی ہے جو خود بخود بتلاتی جاتی ہے کہ کتنا اخبار چھپ چکا ہے یہ کارخانہ صرف برقی طاقت سے چلتا ہے۔ کارخانہ کے انجنیر نے مجھے مہربانی کر کے وہ تمام عمل کر کے دکھلایا کہ جس کے ذریعہ سے کمپوز شدہ سیسہ کے حروف کا عکس پلاسٹک کے پتہ پر لیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ ایک گول پتر کی صورت میں سیسہ سے سٹیریوٹائپ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک کمپوز شدہ صفحہ سے کئی سٹیریو پلیٹ بنا کر ایک سے زیادہ مشینوں پر چڑھا دیتے ہیں تاکہ اخبار جلدی چھپ سکے۔ اور تمام یورپ میں اخبارات اسی طریقہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا ایک اخبار جو شہر میں اول نہیں۔ بلکہ دوسرا اخبار شمار ہوتا ہے۔ اتنا کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ جو اسکو خریدتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اخبار کیا خاک کام کر سکتے ہیں۔ جبکہ اہل ملک اُن کی کچھ قدر ہی نہیں کرتے۔ یہاں قہوہ خانوں۔ رسٹارنٹوں اور ہوٹلوں میں سینکڑوں اخبار ہر روز خریدے جاتے ہیں۔ جتنا کوئی معزز قہوہ خانہ ہوگا اُتنے ہی وہاں اخبار زیادہ آتے ہونگے جس ہوٹل میں میں مقیم تھا۔ وہاں یورپ کی سب زبانوں کے اخبار خریدے جاتے تھے۔ لنڈن۔ ٹائمز ہور السٹریٹڈ لنڈن نیوز انگریزی زبان کے بھی موجود تھے۔ روسی۔ فرانسیسی۔ اطالی غرض سب زبانوں کے اخبارات رکھے جاتے ہیں

تاکہ جس زبان کا جاننے والا مسافر وہاں پہنچے۔ اخبار پڑھنے سے محروم نہ رہے۔ یہاں گداگری کا امتناع قانون جاری ہے۔ بازار میں کھلم کھلا فقیر بھیک نہیں مانگ سکتے۔ مستحقوں کے لئے الگ غریب خانہ بنا دیا گیا ہے۔ زندگی کے اخراجات ہر چند کہ یہاں بہت گران ہیں۔ پیرس اور لنڈن سے کم ہیں۔ جو لوگ گوشت نہیں کھاتے ان کے بھی یہاں کئی ریسٹارنٹ موجود ہیں۔ اور وہاں بھی ہزارہا لوگ جا کر کھاتے ہیں۔

گرجا کے بُت دیانا میں سب سے بڑا گرجا سینٹ سٹیفن کا چرچ ہے یہ قدیم زمانہ کی بڑی عالی شان عمارت ہے۔ جس کی ۱۱۴۷ء میں تعمیر شروع ہوئی تھی۔ یہ دنیا کے اول درجہ کے گرجاؤں میں شمار ہوتا ہے اسکے اردگرد گھوم کر میں نے دیکھا کہ باہر کی دیواروں میں کنواری مریم حضرت مسیح اور اُن کے حواریوں کے بہت چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے تھے جن کی تعظیم وہاں کے لوگ ایسی ہی کرتے ہیں جیسی کہ ہندوستان میں اہل ہنود مہادیو اور گنیش کے بتوں کی کرتے ہیں جو دیواروں میں اسی طرح لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

عظیم الشان ٹاؤن ہال نئی عمارتوں میں ویانا کا ٹاؤن ہال نہایت عالیشان ہے کہ جس میں ۲۲۶ کمرے اور (۳۴۰۰) دریچے ہیں۔ عمارت سہ منزلہ ہے۔ اس میں شاہان آسٹریا کے قد آدم بُت اور بہت سے ناموروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ دیواروں پر کاغذ کی بجائے ریشمی کپڑا چسپاں ہے۔ فرش اور دیواروں پر بے محابا پتھر خرچ کیا گیا ہے۔ بڑے کمرے کا طول ۵۰ میٹر (۵۵ گز) عرض ۳۴ اور بلندی ۱۹ میٹر ہے اس میں بہت بڑا جھاڑ (۳۲۰۰) بتی کی برقی روشنی کا آویزاں ہے۔ کہ جس سے بڑا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ دریچوں میں جو ہزارہا رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی گلکاری کا زیبائش علٰحدہ ہے۔

ٹ کے متعلق مزید کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ ہوٹل مینرولی جہاں میں مقیم تھا۔ بڑے بڑے پورٹر کو ایک پیسہ تنخواہ نہیں ملتی۔ صرف لوگوں کے انعام واکرام پر اس کا گذارہ ہے۔ بلکہ چار اور ملازم اور مزدور اُس نے ہوٹل کی خدمت کے لئے رکھے ہوئے ہیں کہ جن کی تنخواہ وہ تین سو روپیہ وہ اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کماتا ہے۔

دوکانوں کے سائین بورڈ

ایک اور بات جو اجنبی کو یہاں سٹرائیک ہوتی ہے یہاں کے دوکانوں کے سائین بورڈ ہیں۔ گو آج کے یوروپ کے ہر شہر میں مسافر کو اسی طرح سائین بورڈ نظر آئینگے جو شیشہ اور چینی اور گلٹ کے نہایت خوشنما حروف سے بنائے جاتے ہیں سائین بورڈ کی جو غرض ہوتی ہے کہ ہر راہ رو اسے پڑھ لے ان سے پوری ہوتی ہے بڑے بڑے رنگین پوسٹر بعض بعض دیواروں پر سینکڑوں چسپاں ہیں۔ اور اسی طرح ایک سڑک جو دو میل سے کم نہ ہوگی اور بڑی بارونق ہے اسکے دونوں جانب لکڑی کے تختوں کی قد آدم دیواریں ہیں کہ جنہیں انگریزی میں ہورڈنگ کہتے ہیں۔ اور ان کی ایک چپہ بھر جگہ بھی پوسٹروں سے خالی نہیں۔ اور ایک کمپنی لوگوں کے پوسٹر ان جگہوں پر چپکاتی ہے اور ان جگہوں کا پرائیوٹ لوگوں اور میونسپلٹی کو کرایہ دیتی ہے۔

ترکی ٹوپی کی تجارت

ترکی ٹوپی جسقدر ہندوستان کے مسلمان پہنتے ہیں وہ سب آسٹریا میں بنتی ہے۔ بلکہ یہیں سے زیادہ تر ممالک عثمانیہ میں جاکر بکتی ہے۔ کچھ عرصے سے ترکی ٹوپی کے آسٹریا کے سب کارخانے متحد ہوکر ایک کمپنی بن گئی ہے۔ اور میں اُن کے دفتر میں گیا تھا تو اسی روز ایک قسطنطنیہ کا ٹوپیوں کا سوداگر بھی یہاں وارد تھا جو ایک عیسائی تھا اور ایک لاکھ درجن ٹوپیوں کا سودا کر رہا تھا۔

آسٹریا کے کاغذ

سیر اسپیری کا غذ بھی کہ جس پر ہندوستان میں کتنی اخبار

اور کتابیں چھپتی ہیں زیادہ تر آسٹریا اور کسی قدر جرمنی سے ہندوستان میں آتا ہے۔ اور جرمنی فرانس اور انگلستان میں جد و جہد کرنے کے بعد آخرکار لوٹتے ہوئے اس کاغذ کا میں نے ویانا ہی میں کسی قدر رعایتی قیمت سے کچھ مدت کے لیئے ٹھیک کیا۔ معلوم ہوا کہ آجکل ردی اون لوہا وغیرہ قسم کا مال تو سستا ہے لیکن کاغذ گراں ہے۔ کیونکہ بوجہ جنگ ٹرنسوال اور جنگ چین کے اخبارات پہلے سے اسقدر زیادہ پڑھے جاتے ہیں کہ کاغذ کے موجودہ کارخانے وہ مانگ سہولیت سے پوری نہیں کر سکتے اسلیئے کاغذ والوں کے دماغ آسمان پہنچے ہوئے تھے اور کاغذ کی قیمتیں بہت کچھ چڑھ گئی تھیں۔ جب سے ایشیا یورپ اور امریکہ میں اخبار والوں کو کاغذ کی قیمت میں خسارہ ہو رہا تھا۔

شاہی کتب خانہ میں نے ویانا کے کچھ قابل دید مقامات تو گاڑی میں دیکھے تھے۔ یہاں انگریزی کے سوائے سات اور زبانیں یوروپ کی جانتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میرا باپ کل پندرہ زبانیں مع ترکی و عربی کے جانتا ہے اور یہ قوم کا یہودی تھا۔ لیکن میں نے یہاں کی شاہی لائبریری اور شاہی خزانہ نہیں دیکھا تھا۔ جو دونوں قابل دید مقامات ہیں۔ ہوٹل کے پورٹر (دربان) نے مجھے گاڑی طلب کر دی اور گاڑیبان کو سمجھا دیا کہ مجھے لائبریری تک پہنچا دے لیکن جب میں لائبریری میں پہنچ گیا۔ تو وہاں کوئی شخص انگریزی دان نہ نکلا۔ آخر میں نے گائڈ بک کی مدد سے انہیں سمجھایا کہ میں مشرقی زبانوں کی کتابیں فلاں الماری میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ عبرانی اور یونانی کتابوں کے مسودوں کے ساتھ ہی کئی ایک فارسی اور عربی [illegible] بھی تھے۔ مگر وہ اس قدر قابل عزت سمجھے گئے تھے کہ [illegible] بلا اجازت حکام اعلےٰ انہیں ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں تھی۔ ان میں ایک قلمی قرآن شریف پہلو دو انچ لمبا اور اسی قدر چوڑا [illegible] ورق۔ جو [illegible] کا لکھا ہوا

تھا بھوج پتر پر سنسکرت کی کتابیں اور انجیر کے پتوں پر ایک چینی مسودہ بہت پرانا موجود تھا۔ افسوس ہے کہ بوجہ جرمن زبان کا نہ جاننے کے میں یہاں سے مستفید نہ ہو سکا۔ یہاں سے میں شاہی خزانہ دیکھنے گیا۔ جس میں خلیفہ ہارون الرشید کی تلوار اور اس کے دوست اور ہمعصر شاہ شارلمین کا تاج اور دیگر یادگاریں۔ حضرت مسیح کی اصلی صلیب کا ایک ٹکڑا۔ جواب تک شاہان آسٹریا کو بوقت تخت نشینی دکھلایا جاتا ہے۔ اور اور بہت سی تاریخی وقعت کی چیزیں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ہفتہ میں ہر روز نہیں دکھلایا جاتا اسلئے اسکے دیکھنے سے محروم رہا کیونکہ میں یہاں زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا۔ تاہم اس کی تھوڑی سی تلافی اس طرح ہو گئی کہ مجھے آسٹریا کے تمام فوجی اور سول افسروں اور وزیروں امیروں کو ان کے درباری لباس میں دیکھنے کا موقع ملگیا۔ امپیریل ہاف برگ ایک تاریخی مکان ہیں شہزادگان آسٹریا کے محل ہیں۔ اور یہیں شاہی خزانہ ہے۔ آج شہنشاہ آسٹریا کے ایک بھتیجے یا بھائی کی شادی کی تقریب میں ریسپشن کا دربار تھا۔ جسمیں شرکت کے لئے یہ سب لوگ جمع ہوئے تھے۔ یہاں تماشبینوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور پولیس کے لوگ جن کا لباس فوجی ہوتا ہے (اور سر کانسٹیبل

پولیس والوں کا سلوک

کی کرتی نہ ہوتی ہے) ہجوم کو ایک طرف ہٹا رہے تھے مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ ہر دفعہ "بیٹھے" کہہ کہہ کر لوگوں کو پرے ہٹنے کی تاکید کرتے تھے۔ "بیٹھے" کے معنے ہیں "مہربانی کر کے" میں آج تک سمجھے ہوئے تھا کہ پولس ہمیشہ ہجوم کو ڈنڈے سے ہنکایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ہندوستان میں عام طور پر دیکھا تھا۔ لیکن یہاں پہنچکر یہ عقدہ کھلا کہ اہل یورپ ایسا سلوک گوارا نہیں کرتے۔

• یہاں دو صاحبوں نے مہربانی کر کے مجھے مختلف مقامات کے دکھلانے میں بڑی مدد دی۔ یہ آسٹریا کا تجارتی مال ممالک غیر کو بھیجنے کے ایجنٹ ہیں

ویانا کا ٹکنیکل سکول

اور ماسٹروں نے مجھے بہت سے حالات بتلائے چنانچہ انہیں میں سے ایک کے ہمراہ میں نے یہاں کا ٹکنیکل سکول دیکھا۔ ایک صاحب سے یہاں کے پروفیسر وڈلف فرنیکل کے نام سفارش حاصل کر کے ہم لوگ وہاں پہنچے۔ یہ بڑی عالیشان اور بہت ہی وسیع عمارت ہے اس کے دور کے حصہ میں مشینوں کی ایک نمائشگاہ ہے۔ جس میں وہ تمام مشینیں رکھی ہوئی ہیں۔ جو آسٹریا کے کارخانے تیار کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ہاتھ سے چلانے کی مشینیں بھی ہیں۔ یہاں ایک دھات دیکھی جو معلوم ہوا کہ حال ہی میں ایجاد ہوئی ہے۔ اور چونکہ مگنیشیا سے مرکب ہے مگنالیم اسکا نام رکھا گیا ہے۔ اسکے دوسرے حصہ میں کئی کارخانے کفش دوزی۔ خیاطی۔ نجاری وغیرہ کے جاری ہیں۔ جہاں وہ لوگ کام سیکھتے ہیں جو باقاعدہ طالب علم اس ٹکنیکل سکول کے نہیں بن سکتے۔ اور دن کے کسی حصہ میں فرصت حاصل کر کے کام سیکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ نوجوان نہیں ہوتے۔ جو طالب علم اس مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں بہت سے مضامین ٹکنیکل اور کیمیکل صیغوں میں سکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں کے دو تین افسروں نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن سب کی انگریزی ایسی خام نکلی کہ وہ مجھے بہت کم باتیں سمجھا سکے۔ آخر میں نے یہاں کے سررشتہ تعلیم حرفت کی سال گذشتہ کی رپورٹ لی۔ جو جرمن زبان میں ہے اور بہت سی مغززنی کے بعد اور ڈکشنری کی مدد سے اس سے مطلب نکال لیا۔ ٹکنیکل تعلیم کا یہ مدرسہ جو تمام ملک کے ٹکنیکل مدارس کا مرکز ہے سنہ ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا تھا جسپر دس ہزار فلورن (فلورن = ۱۶ر) خرچ ہوا تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۹ء میں اسپر ۲ لاکھ ۳۴ ہزار فلورن خرچ ہوئے۔ اس مدرسہ کی (۱۲۶۱) شاخیں تمام ملک

میں پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے اس مدرسہ سے چھوٹی چھوٹی کلیں مثل خیاطی یا کشیدہ دوزی کی کلوں کے تمام آسٹریا کے بیرو نجات کے قصبات کے ایسے مزدوروں کو دیجاتی ہیں۔ جو ان کے ذریعے سے روزی کما سکیں۔ اور دس سال کے اندر بالاقساط ان کی قیمت اس صیغہ کو ادا کر سکیں۔ ٹکنیکل سکول کے قریب ایک بہت بڑا محتاج خانہ اُن بوڑھے مردوں اور بڑھیا عورتوں کی پرورش کے لئے قائم ہے۔ جو اب کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور کوئی ان کا نگران بھی نہیں۔ انہیں یہاں بڑی آسایش سے رکھا جاتا ہے۔ بوڑھے مردوں کے متعلق شاہان آسٹریا کی یہ بات نہایت عجیب اور دلچسپ ہے

بادشاہ پیر مردوں کے پاؤں دھوتا ہے

کہ سال میں ایک روز شہنشاہ آسٹریا اپنے پایہ تخت کے سب سے بوڑھے بتیس آدمی اپنے محل میں بطور مہمانوں کے بلاتا ہے۔ اور ان کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دھوتا ہے۔ اور تولئے سے خود صاف کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو کھانا اور کچھ تحفہ دیا جاتا ہے۔ میں اس بات کو بمشکل باور کرتا اگر ایک پینورامیں کہ جس میں شہنشاہ فرانسس جوزف کی زندگی کی ہر منزل کی تصویریں قد آدم موجود تھیں۔ بوڑھے آدمیوں کے پاؤں دھونے کی تصویر نہ دیکھتا۔ افسوس ہے کہ سال گذشتہ میں ایک شقی القلب انارکسٹ نے شہنشاہ بیگم آسٹریا کو قتل کر دیا ورنہ وہ بھی اسی قدر بڑھیا عورتوں کو بلا کر اُن کے پاؤں دھویا کرتی تھیں۔

کتے گاڑیاں کھینچتے ہیں

یہاں عام رواج ہے کہ بعض مزدور جو دستی گاڑیوں میں اسباب لاد کر ادھر اُدھر لے جاتے ہیں انہوں نے ایک بڑا سا کتا بھی گاڑی میں جوتا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ کتا گاڑی کو کھینچتا ہے اور ایک رسا یہ اپنے کندھے پر ڈال کر کھینچے لئے جاتے ہیں۔ بجالیکہ ان کے گلے میں کالر ایسا سفید ہوتا ہے کہ شاید ابھی بدلا

ہوگا۔ بازار میں ہوکے کتے کا منہ قانوناً بند کرکے جانا پڑتا ہے۔ بعض کتے چھوٹے چھوٹے شیروں کے برابر دیکھے گئے ہیں۔

ویانا سے رخصت ہوتے وقت خیال آیا کہ یہ شہر جس کی آبادی سنہ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری کے حساب سے پندرہ لاکھ سے زائد ہے۔ ایک ایسے ملک کا صدر مقام ہے کہ اب جس کے ماتحت بہت سا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا ہے۔ لیکن ایک وہ زمانہ تھا کہ ترکوں نے ویانا پر دو مرتبہ حملہ کیا۔ پہلی دفعہ سلطان سلیمان ثانی نے ۲۶ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۵۲۹ء تک اور دوسری دفعہ قارہ مصطفےٰ صدر اعظم ترکی نے ۱۴ جولائی سے ۱۲ ستمبر سنہ ۱۶۸۳ء تک ویانا کا محاصرہ رکھا۔ اور آخری دفعہ اہل آسٹریا نے اہل پولینڈ اہل سکسنی۔ اہل بویریا اور اہل فرانس کی متعدد فوجوں سے انہیں پسپا کیا۔ اگر ترک اپنی کوشش میں اس وقت کامیاب ہوگئے ہوتے تو آج دنیا کے نقشے کی صورت دوسری ہوتی۔

برلن پایۂ تخت جرمنی

بمبئی میں کرایہ لیکر ٹامس کک کے ایجنٹ نے ہمیں ویانا تک ریل کا ٹکٹ دے کر باقی روپیہ کی رسید دے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ ویانا میں ٹامس کک کے ایجنٹ سے یہ رسید دکھلا کر آگے کے لئے ریل کا ٹکٹ لے لینا۔ اس وقت ہم نے برلن سے ہیمبرگ کو جانے کی بجائے برسلز کو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسلئے ویانا سے برلن تک کا ٹکٹ اور باقی روپیہ واپس لے لیا۔ کک کے ایجنٹ نے ساتھ ہی تاکید کر دی

بڑے بڑے شہروں کے متعدد ریلوے سٹیشن

تھی کہ اگر تم ویسٹ بان نامی سٹیشن کے سوا کسی دوسرے سٹیشن سے تم ریل پر سوار ہوئے تو کرایہ دوبارہ دینا پڑیگا۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں ریلوں کے کئی کئی سٹیشن ہوتے ہیں۔ اور اجنبی کو اس بات کے معلوم کرنے کے لئے بڑی دقت پیش آتی ہے کہ فلاں طرف جانے کے لئے اسے کس سٹیشن سے سوار ہونا چاہئے۔ میں نے سٹیشن پر پہنچکر چھوٹا ٹرنک اور ہینڈ بیگ گاڑی میں رکھ لیا۔ اور بڑا ٹرنک بک کرا دیا۔ یورپ میں لمبا سفر کرنے والے لوگ ریل کے ٹکٹ عموماً سٹیشن پر آ کر نہیں خریدتے۔ بلکہ شہر ہی میں قبل از روانگی مختلف پسنجر ایجنٹوں کے کارخانوں سے خرید رکھتے ہیں۔ آسٹریا اور جرمنی میں شنکر کا کارخانہ مشہور ہے۔ قلی یہاں کے سٹیشنوں پر بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ سب کام خود کر دیتے ہیں۔ عموماً یہ لوگ لکھے پڑھے ہوتے

ہیں۔ قلی اسباب کے رسیدیں خود تول کر منوا دیتے ہیں۔ ریلوے گارڈ مسافروں سے ملائمت اور ادب سے پیش آتے ہیں۔ گاڈ یا ہوٹلوں کے ملازم اور دوکاندار اور دوسرے یوروپین لوگ بھی توجہ اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسلئے یوروپینوں کی نسبت جو ڈر اور غیر ضروری تکلف کا خیال ہندوستانی مسافر کے دل میں جاگزین ہوتا ہے وہ خود بخود دور ہونے لگتا ہے۔

یوروپ سے واپس شدہ ہندوستانی۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعض انگریز افسروں میں یہ خیال موجود ہے کہ ہندوستانی نوجوان جو یوروپ سے ہو آتے ہیں اپنی نسبت غرور اور غیر ضروری اہمیت کے خیال ساتھ لے آتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نیک دل افسر تھوڑی سی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک تعلیم یافتہ باشندہ ہندوستان کو یہ بات معلوم ہونی ضروری ہے کہ اہل یوروپ ہوّے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نہایت شائستہ لوگ ہیں۔ اور ساتھ ہی جن یوروپینوں کو وسط یوروپ کے بعض جنگلی ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہو وہ ہندوستان کی حالت کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ دانا ہندوستانی یوروپ سے لوٹ کر اپنے آپ کو اور بھی بے حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ جس قوم کے فرد ہیں وہ بہت ہی حقیر ہے۔

اتنی سویرے صبح کی روشنی

۲۹ جون کی شام کو ویانا سے سوار ہوئے قریب ڈھائی بجے شب کے بینائی صبح نمودار ہونے لگا۔ اسی لحاظ سے اگر ناروے میں آدھی رات کو طلوع آفتاب نظر آتا ہو تو ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ آج ہی کل یوروپ اور امریکہ کے ہزارہا لوگ ناروے میں آفتاب نیم شب دیکھنے جا رہے تھے۔ ساڑھے تین بجے صبح کے شفق نمودار ہوئی۔

موسم بہار کی سرسبزی اور شادابی

ریل کے دونوں طرف زمین بالکل سبز اور کھیتوں سے پر نظر آتی۔ پہاڑ ہو یا گھاٹی سب جگہ کھیت تھے۔ ایک چپہ زمین خالی نہ تھی۔ کہیں آب رسانی کا کنواں نظر نہ آیا۔ البتہ کہیں

کہیں کوئی پون چکی نظر پڑتی تھی۔ بارشیں اور اوس یہ اس ملک میں کھیتوں
کا حصہ ہوتا ہو۔ انگوروں کے کھیت بے شمار تھے۔ جہاں قطار در قطار ہزار ہا لکڑیاں
گز گز بھر کی زمین میں گاڑی ہوئی تھیں۔ اور ان پہ انگور کی بیلوں کو چڑھا دیا
گیا تھا۔ جرمنی اور فرانس میں بھی انگور کے کھیت ایسے ہی نظر آئے۔ اس
سرسبز اور خوشنما منظر میں کہیں کہیں کوئی چھوٹی سی آبادی کسانوں کی نظر
آجاتی تھی۔ البتہ اکیلے دُکیلے مکانات تو کھیتوں میں بکثرت تھے۔ اور انہیں
کھیتوں کے مکانات میں بعض دو منزلہ اور خوش حیثیت بھی تھے۔ ان کے
دریچوں میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں کے اندر پھولوں
کے گملے بھی تھے۔ باہر تو اکثر مکانوں کے پھولوں کی کیاریاں ہوتیں۔ یہ
حال عام کسانوں کی زندگی کا ہے۔ راستہ میں دو چار شہر قصبے بھی آئے
کہ جن میں سے ہو کر یا ان کے پاس سے ریل گذرتی تھی۔ اور جو کیفیت ریل
میں سوار ہو کر وہاں نظر آتی وہ ان کوچوں میں چل کر نظر نہ آتی۔ صبح

چونگی کے افسر

۹ بجے گاڑی مشتن کے سٹیشن پر پہنچی جو آسٹریا اور
جرمنی کے مابین سرحد ہے۔ یہاں جرمن چونگی کے افسر اسباب کا ملاحظہ کرنے
کے لئے گاڑیوں میں گھس آئے۔ جو شخص ہماری گاڑی میں آیا اُس نے
پوچھا کوئی قابل محصول چیز تو نہیں۔ اور نفی میں جواب پا کر ایک چھپا ہوا
ٹکٹ ہمارے اسباب کے مختلف پیکٹوں پر چسپاں کر دیا۔ لیکن جو ٹرنک
بڑے تھے اور بریک میں بک کرا کر رکھے گئے تھے۔ انہیں گاڑیوں سے
نکال کر ایک دفتر میں رکھ گیا۔ اور مسافروں کو اس دفتر میں لے گئے جہاں
میزوں پر سب کے ٹرنک پڑے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنا ٹرنک کھول کر
ان افسروں کو دکھلاتا۔ میرے ٹرنک میں ایک پشمینہ کی چادر تھی جسے ایک
چونگی کا افسر غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے سمجھا یہ اسے قابل ذوجنت سمجھ کر محصول
مانگے گا۔ میں نے جھٹ چادر کو پھیلا کر اوڑھ لیا۔ اسباب زیادہ صفر رسانی

نہیں کھولا گیا۔ اور شہر تک مقفل کرنے کے بعد اُن پر بھی وہی ریٹ محصول
کے ٹکٹ چسپاں کر کے انہوں نے ہی ریل میں رکھوا دیئے۔ بعض لوگوں سے
تھوڑی چیزوں مثلاً آٹھ دس چیزوں پر بھی محصول لے لیا جاتا ہے۔ تھوڑی
دیر میں دریائے الب پر سے گذرے ہوگمشل سڑک دریا کے کنارے چلی گئی
تو برلن میں گاڑی بدلنی پڑی۔ یہ بڑا وسیع سٹیشن ہے۔ اور خوبصورت بھی کافی
ہے۔ لیکن وسعت میں بمبئی کے وی۔ ٹی بندر سٹیشن پر بھی بہت بڑا ہے جرمن
علاقے کے ایک سٹیشن پر ایک لڑکے سے چیریاں خریدیں اور جب آسٹریا کا سکہ
دینے لگے تو اُس نے چیریاں واپس لے لیں۔ قریب بارہ بجے شہر برلن میں

گاڑیبانوں کی دستبرد سے مسافروں کی حفاظت

پہنچے۔ تو سٹیشن کے باہر ایک پولیس کا افسر ملا۔ اُس
نے پوچھ کر ریل کے کس درجہ میں سوار تھے۔ اور دوم
درجہ بتلانے پر اسی درجہ کا ایک ٹکٹ ٹمین کا حوالہ کیا۔
یہ ٹکٹ اسلئے دیا جاتا ہے کہ اگر گاڑیبان مسافر کو تکلیف دے یا اس سے
زیادہ کرایہ مانگے۔ تو مسافر کہہ سکتا ہے کہ میں تمہیں ٹکٹ نہیں دونگا
بلکہ پولیس کے دفتر میں دونگا۔ حالانکہ گاڑیبان کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ٹکٹ
واپس لاکر اسی پولیس کے افسر کو دے کہ جس نے اسے مسافر کے حوالے

ٹکسا میٹر

کیا تھا۔ لیکن گاڑیبانوں کی زیادہ ستانی روکنے کی تدبیر
ٹکسا میٹر سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے جو دنیا کی طرح برلن کے کرایہ کی گاڑیوں میں
بھی لگایا گیا ہے۔ یہ مشین ایک چھوٹے ٹائم پیس کے برابر گول ایسی ترکیب
سے گاڑی کے کوچ بکس کے برابر لگا دی جاتی ہے کہ گاڑی کے چلنے سے
اسکی سوئی بھی چلتی ہے۔ اور بتلاتی رہتی ہے کہ اب کتنا کرایہ گاڑیبان کو
دینا چاہئے۔ اگر گاڑی جلدی چلیگی تو یہ مشین بھی جلدی کرایہ بڑھائیگی۔ اسلئے
ٹکسا میٹر کی موجودگی سے یہ اندیشہ بھی نہیں رہا کہ گاڑیبان آہستہ گاڑی
چلائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اُسے کرایہ بھی کم ملیگا۔ اگر ہندوستان کی کرایہ

کی گاڑیوں پر بھی بڑی بڑی میونسپلٹیاں ٹکسا میٹر لگوائیں۔ تو امید ہے کہ مفید ثابت ہو۔ اسکی قیمت بھی چار پانچ شلنگ سے زیادہ نہیں۔ گاڑیبانوں کے لئے یہ اسلئے بھی مفید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے معلوم کر سکتے ہیں دن بھر میں ان کے گھوڑوں نے کتنا فاصلہ طے کیا۔ اور کیا کمایا۔ برلن میں جہاں اس قدر گاڑیبانوں کو تاکید ہے وہاں ان کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا گیا ہے۔ گاڑی میں سواری کیا رہ سیر سے زیادہ بوجھ مفت نہیں لیجا سکتی۔ علاوہ اس کے اگر سواری چاہے کہ گاڑیبان بلا بارش کے گاڑی کا ٹپ بند کرے یا کھولے۔ تو ہر ایسی فرمایش کے لئے گاڑیبان کو ۲ فینگ یعنی ۳ پیسے ہونگے۔ گاڑیبان سب لکھے پڑھے ہیں۔ جب فارغ ہوتے ہیں تو اکثر کوچ بکسوں پر بیٹھے اخبارات پڑھتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ لکھا ہوا پتہ گلی کوچوں کا ان کو دکھلایا ہے تو اتنے بڑے شہر برلن میں۔ جس کی آبادی ۲۰ لاکھ سے اوپر ہے اور جس کا رقبہ مع مضافات دو میل سے کم نہیں یہ ٹھیک موقع پر مجھے لے پہنچے۔ یہ کوچبان وردی پہنتے ہیں۔ جس میں واسکٹ سرخ ہوتی ہے۔ اول درجے کی ٹوپی سیاہ اور کالر سفید اور دوم کی ٹوپی سفید اور کالر زرد ہوتا ہے۔ میں ہندوستانی رفیق بمبئی سے لے کر برلن تک میرے ساتھ رہے۔ کہ جن میں سے مسٹر بلا تو آگرہ سے میرے ہمسفر ہوئے تھے اور جس روز میں برلن میں ٹھیرا وہ ہیمبرگ کو چلے گئے۔ ہم وطنوں سے الگ ہو جانے کا افسوس تو ہوا لیکن یہ کتنے بڑے اطمینان کی بات تھی۔ کہ اب دن بھر کے تمہارے وقت میں کوئی حصہ دار اور شریک نہیں رہا تھا۔

برلن کا ہوٹل برلن میں میں جس ہوٹل میں ٹھیرا اسکا نام قیصر ہوٹل تھا کہ جسے یہاں کے لہجہ میں "قیزر ہوٹل" کہتے تھے۔ اور اسکے دروازے پر قیصر ولیم کا بُت نصب تھا۔ اور یہ ہوٹل برلن کے سب سے بارونق اور بڑے بازار میں واقع تھا۔ کہ جہاں کھڑکی میں بیٹھ کر میں برلن کی زندگی کا اچھی طرح

نظارہ کر سکتا تھا۔ الیکٹرک کال بل کے ذریعہ نوکروں کو بلانے کے لئے ویانا اور برلن کے ہوٹلوں میں یہ ہدایت فرانسیسی۔ جرمنی اور انگریزی زبانوں میں آویزاں کر دیتے ہیں کہ اگر برقی بٹن کو ایک مرتبہ دباؤ تو مرد نوکر حاضر ہوگا۔ دو دفعہ دباؤ تو نوکرانی آئیگی۔ اور اگر بوٹ درکار ہو تو تین مرتبہ دباؤ۔ کیونکہ دستور یہ ہے کہ شام کو جب مسافر اپنے کمرے میں آتا ہے تو دن بھر کا میلا بوٹ اتار کر اپنے کمرہ کے دروازے کے باہر رکھ دیتا ہے۔ اور کوٹ اور پتلون بھی دروازہ کے باہر ایک کھونٹی پر لٹکا کر خود دروازہ بند کر کے سو رہتا ہے۔ ایک مرد نوکر شب کو سب مسافروں کے بوٹ جو ہر ایک کے دروازے کے باہر پڑے ہوئے ملیں یکجا کر پالش کرتا ہے۔ اور اُن کے کپڑوں کو برش کر کے علی الصباح مالک کے دروازے کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے۔ لیکن بتقدیر اگر ابھی بوٹ صاف ہو کر نہ آیا ہو تو کال بل کا بٹن تین مرتبہ دبانے سے بوٹ فوراً حاضر کیا جاتا ہے۔ مسافر کا ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے فرض ہوتا ہے کہ وہ بوٹ صاف کرنے والے مزدور کو ضرور کچھ انعام دے جائے۔ کبھی کبھی چیمبر میڈ (نوکرانی) ہی بوٹ بھی صاف کراتی ہے۔ اور مسافر کے کمرہ کی صفائی اور بستر وغیرہ بچھانے کی بھی یہی ذمہ دار ہوتی ہے۔

کھانے کے لئے ریسٹورنٹ۔ پیرس اور ویانا کی طرح برلن میں بھی میں نے پہلے ہی روز ہوٹل والوں کی ہدایت سے ایک یہودی ریسٹورنٹ کا پتہ لگا لیا۔ اور دو تین جرمنی زبان سیکھنے کی کتابیں خرید لیں۔ کہ جن کی وجہ سے میں کسی وقت بیکار نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کسی روز تو میں ڈکشنری کی مدد سے ساٹھ ستر لفظ جرمنی زبان کے کاغذ پر لکھ کر یاد کر لیتا۔ اور اس وقت مجھے اُن کے یاد ہو جانے میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ مگر اب اکثر فراموش ہو گئے ہیں۔ سچ ہے کہ عدادہ دینا

علاوہ سبزیوں کے ریسٹورنٹ تلاش کرنے کے ہمیں وجیٹیرین ریسٹورنٹ بھی ہر شہر میں تلاش کر لیتا تھا۔ ان ریسٹورنٹوں میں کسی قسم کا گوشت نہیں پکتا بلکہ صرف بقولات اور غلوں سے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں۔ اور میوہ جات کھانوں کے ہمراہ دیئے جاتے ہیں۔ ان کے کھانوں میں بعض مٹھائیں تو نفیس اور لذیذ ہوتی ہیں۔ لیکن بعض دوسرے کھانے جو محض حفظ صحت یا وجیٹیرین اصول کے لحاظ سے پکائے جاتے تھے سخت بدمزہ ہوتے مثلاً جب یہ کسی ترکاری کا شوربہ لاتے کہ جس میں ہلدی مرچ مصالحہ کچھ نہ ہوتا تو یہ صرف دھوون کا پانی معلوم ہوتا تھا۔ سرخ مرچ گرم مصالحہ اور ہلدی تو یورپ کے کسی کھانے میں استعمال ہی نہیں کئے جاتے۔ لیکن ان وجیٹیرین ریسٹورنٹوں میں تو سیاہ مرچ سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے۔ مگر جب کبھی مجبوراً جو عام ریسٹورنٹوں میں کھانا کھانا پڑتا۔ تو مجھے طرح طرح کے تجربات حاصل ہوتے۔ مشاہدہ کی غرض سے میں ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کی کیفیت نقل کرتا ہوں:

ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کا تجربہ

میرے جرمن دوست جب جرمن بازار کے مجھے کچھ کاغذ لینے اسباب کی دکان میں رکھ رہے تھے وہ ایک جگہ کے قریب مجھے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے لئے لے گئے۔ وہ جرمن وضع کا ریسٹورنٹ تھا۔ ہر چند کہ میں نے مینو کو سمجھا دیا تھا کہ میں کیا کیا چاہتا ہوں لیکن جب پہلے پہل حسب دستور شوربہ آیا اور میں زیادہ حصہ پی چکا تو پیالی کی تہہ میں کچھ سرخ چیز نظر آئی۔ وہ کیکڑا تھا۔ میں نے باقی شوربہ چھوڑ دیا۔ مجھے ریسٹورنٹ کا سپاتیر کارٹ یعنی کھانوں کی تفصیل کا کاغذ دکھایا گیا۔ جس کی پیشانی پر سرخ تصویریں کیکڑوں کی بنائی ہوئی تھیں۔ اور چونکہ ریسٹورنٹ کے لئے بڑے فخر و مباہات کی بات تھی کہ ان کے ہاں کیکڑے کا شوربہ

بنا ہوتا تھا جو ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے شوربا اور آلو وغیرہ کھا کر گذارہ کیا۔ البتہ میوہ چیری آجکل خوب پکا ہوا ہے۔ اور مزیدار ہے۔ اسے میں اکثر کھانے کے بعد شوق سے کھاتا ہوں۔ جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ اس میز پر میرا ہمسایہ آدمی ایک اور جرمن تھا یہ مجھ سے ہندوستان کے متعلق مختلف باتیں پوچھتا رہا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمام یورپ میں لوگ انگریزوں کی خوش قسمتی پر حسد کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان ایسے اتنے بڑے ملک اور کئی دوسری نو آبادیوں کے مالک ہیں۔ میرے کھانے پر شراب نہ پینے پر ان لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ بیئر تو ان کا عام مشروب ہے لیکن وائن اور وسکی بھی اچھے رنگ پیتے ہیں۔ اس ہوٹل میں پانی پینے کا گلاس اور صراحی موجود ہی نہ تھے آخر ایک شراب کے ذرا سے گلاس میں مجھے تھوڑا سا پانی لا کر دیا گیا۔ یہ لوگ لمبے بیٹھ کر بہت دیر لگاتے ہیں۔ باتیں کرتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ

اشتہار کے نرالے طریقے

کھانا کھاتے جاتے ہیں۔ یہاں ایک کاغذ کے چوڑے سے بنے ہوئے دانتوں کے خلال دیکھے۔ جن پر ایک کارخانہ کی شراب کا نام چھپا ہوا تھا۔ یہ گویا اس شراب کا اشتہار تھا۔ اور اس شراب کے کارخانہ نے اس ریسٹورنٹ میں یہ خلال مفت استعمال کے لئے دے رکھے تھے تاکہ کھانے کے ساتھ شراب پینے کے لئے لوگوں کو اس کی شراب کا نام یاد آجاوے۔ اسی طرح میں نے ریسٹورنٹوں میں بعض کاغذ کے خوبصورت چھپے ہوئے پرزے دیکھے ہیں جو دوسری طرف سے خالی ہوتے ہیں اور ان پر ریسٹورنٹ والے کھانے کی قیمت کا بل لکھ کر گاہکوں کو دیتے ہیں ان کی دوسری طرف شراب وغیرہ کھانے کی چیزوں کا اشتہار ہوتا ہے جنکو ان کارخانوں کے مالک چھپوا کر مختلف ریسٹورنٹوں میں بھجوا دیتے ہیں "

انگلستان کے ایک ریسٹارنٹ میں شیشہ کے نمکدان دیکھے جو ایک نمک بیچنے والا کارخانہ بطور اشتہار نمک کے اپنے گاہکوں کو مفت دیتا تھا۔

شہر کی مدح

برلن ویانا سے بڑا اور زیادہ مصفا شہر ہے۔ یہاں کی پبلک عمارات ویانا سے زیادہ ہیں۔ پبلک مانومنٹوں کا تو یہاں کچھ حساب نہیں۔ بازار اسفالٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد و غبار کا نام و نشان نہیں جو دن بھر شہر میں پھرو تو جوتہ جھاڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہاں صبح سے شام تک ہر وقت بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اور قہوہ خانوں میں میلہ لگا رہتا ہے۔ کسی پبلک عجائب خانہ یا تماشگاہ میں جاؤ تو وہاں اتنے آدمی ملتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ شاید سارا شہر وہیں اُمنڈ آیا ہے۔ لیکن اگر اسی روز دوسری جگہ جاؤ تو وہاں بھی وہی حال ہوگا۔

برلن کا چڑیا گھر

میں نے یہاں کے وسیع چڑیا خانہ (ٹیئر گارڈن یعنے باغ حیوانات) کو اتوار کے روز دیکھا کہ جسکے دیکھنے کے لئے ایک مارک (۱۲ آنہ) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ تو اندر بلا مبالغہ بیس پچیس ہزار زن و مرد کا مجمع تھا۔ جو کچھ تو جانوروں کے دیکھنے اور زیادہ تر قہوہ پینے اور باجہ سننے میں مصروف تھے۔ چڑیا گھر برلن کا اتنا مشہور ہے کہ پیرس اور لنڈن میں بھی اتنا بڑا نہیں اور لاہور کے چڑیا گھر سے تو بلا مبالغہ بیس گنا بڑا ہے۔ یہاں ہاتھی بھی چڑیا گھر میں عجیب چیز سمجھا جاتا ہے اور اسکے رہنے کا مکان ہندوستان کے ایک مندر کے نمونہ کا بنایا گیا ہے۔ میں نے زرافہ یعنی شتر گاؤ پلنگ یہاں پہلی دفعہ زندہ دیکھا۔ یہ دنیا میں سب سے بلند جانور اور عجیب الخلقت حیوان ہے۔ دو زندہ ہرن بالشت بالشت بھر بلند دیکھے جو بچے نہیں تھے۔ بلکہ کسی بالشتی نسل کے تھے۔ اور شیشے کے صندوقوں میں

رکھے ہوئے تھے۔ امریکہ کا بھینسا ربنین کئی قسم کا دیکھا جسکا سر بھینسے کی طرح اور پچھا بچھڑے کی طرح تھا۔ بعض ایسے عجیب جانور تھے کہ نہ ہماری بولی میں ان کے نام ہیں اور نہ میں انہیں شناخت ہی کر سکتا تھا۔ ایک دریائی گھوڑا اور ایک افریقہ کا بہت بڑے بال والا شیر بھی تھا۔ غرض جانوروں کے تمام نمونے جمع کرنے کی یہاں تک کوشش کی گئی تھی کہ ایک مکان صرف مختلف نسلوں کے کتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ بعض بعض مکانات چڑیا خانہ کی بجائے خود قابل دید تھے۔ بچوں کے لئے یہاں ایک الگ مکان تھا جہاں یہ کھیلتے کودتے تھے۔ پرچہرہ عورتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن چونکہ آج اتوار تھا آج داخلہ کا ٹکٹ نصف ہونے کی وجہ سے مجمع بہت تھا۔ بہت لوگوں نے یہاں آنے کے سیزن ٹکٹ لے رکھے تھے۔ بینڈ باجہ کے سٹینڈ نصف درجن سے کم نہ ہونگے۔ شام کو آتشبازی بھی حاضرین کی تفریح کے لئے چھوڑی گئی۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ جس قدر ممکن ہوں لوگ کھینچ کر یہاں لائے جاویں۔ اور چڑیا گھر کی آمدنی بڑھے۔ اس لئے ان کی تفریح کی سب سامان مہیا کئے جاتے تھے۔

ٹیئر گارٹن میں جس باغ میں چڑیا گھر واقع ہے وہ بجائے خود ایک تفریح گاہ ہے۔ یہ باغ کاہے کو ہے بلکہ ایک لمبا چوڑا جنگل ہے جو شہر کے ایک پہلو میں میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جسکے سر بفلک درخت کہیں گھنے اور کہیں چھدرے نہایت سایہ دار موجود ہیں۔ نیچے گھاس ہے کہ جس میں کی کتنی سڑکیں اور سینکڑوں روشیں ہر سو نکل جاتی ہیں۔ اور کئی جگہ سے نہر بھی بہ کر نکل جاتی ہے۔ راستوں میں ہزاروں بنچیں بچھی ہیں۔ جن پر لوگ بیٹھتے ہیں لیکن عموماً ان بنچوں پر دو دو عورتیں و مرد راز و نیاز کی باتیں

عاشقانہ کی باتیں

میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ کبھی عورت کی باہیں مرد کی گردن میں لپٹی ہوئی اور کبھی مرد کی عورت کی کمر کے گرد نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ دونوں ایسے مشغول راز و نیاز ہوتے ہیں کہ انہیں پاس سے گذر جانے والوں بلکہ دنیا و مافیہا تک کی خبر نہیں ہوتی۔ اور لوگ عمدًا ان کے پاس بیٹھ کر ان کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے۔ کہیں غریب گرہستن عورتوں کی ٹیپ ٹاپ پارٹیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں خادمہ عورتیں بچوں کو دستی گاڑیوں میں لئے پھرتی ہیں۔ کہ ناگاہ تم ایک بہت کشادہ سڑک میں پہنچ جاتے ہو۔ جس کی ایک طرف دور تک سنگ مرمر کے بہت سے شاندار بُت کھڑے ہیں جو یہ قیصر ولیم ثانی نے حال ہی میں قدیم زمانہ سے لے کر آج تک اپنی آباؤ اجداد یعنی سلاطین جرمنی کے اپنی جیب خاص کے خرچ سے بنوائے ہیں اور بقول ریویو آف ریویوز کے ایڈیٹر مسٹر سٹیڈ کے واقعی یہ برلن کا ایک زیور ہے۔ گو یہاں کے سوشلسٹ لوگ انہیں ناپسند ہی کرتے ہیں۔

دو عارضی نمائشگاہیں یہ آجکل دو عارضی نمائشگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک تو کالونیل تھی۔ جس میں جرمنی کی نوآبادیوں کی چیزوں کی نمائش تھی۔ جو دو تین سے زیادہ نہیں۔ تاہم جنوبی افریقہ کی وحشی جرمن رعایا۔ جزیرہ کیمرن اور چین کے نئے علاقہ کنوچو کے باشندوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کو پورے طور پر دکھلایا گیا تھا۔ آج ایک گائڈ میرے ہمراہ تھا۔ جب سوات کے حبشیوں کے خس پوش جھونپڑوں میں دو تین گلی برتن اور چند چمڑے اور کپڑے کی چیزیں نظر آئیں تو اس نے کہا کہ تمہارے ملک میں بھی تو اسی طرح کے گھر ہوتے ہیں۔ گو اس وقت تو میں نے اُسے ٹال دیا۔ لیکن سچ پوچھئے مجھے قائل ہونا پڑا کہ پنجاب کے دیہات میں بعض غریب کاشتکاروں کے جھونپڑوں کا یہی

سے اتنی ہی مشابہ جیسی کہ پرانی گلی ہے۔ ایران میں اسی قدر زیادہ ہی سامان ہوتا
ہے۔ مگر وہ خس پوش نہیں ہوتے۔ لیکن ہندوستان کے بعض دوسرے
حصوں میں کاشتکاروں کے جھونپڑے خس پوش ہی ہوتے ہیں۔ یہاں
فی کس نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کے لئے دئے گئے
واضح رہے کہ جہاں گائڈ ساتھ ہو اسکا کرایہ اور داخلہ کا ٹکٹ بھی دینا پڑتا ہے
اس گائڈ کی شرح ۱۰ مارک روزانہ یعنی ساڑھے سات روپے تھی۔ اور میں
نے صرف ایک روز اسے ہمراہ رکھا۔ لیکن جہاں میں پیدل جا سکتا تھا وہاں
بھی گائڈ صاحب کی خاطر مجھے گاڑی کرایہ کرنی پڑی۔

تصاویر اور بُت دوسری نمائشگاہ جرمنی کی مصوری۔ سنگتراشی اور بُت
بُت ڈھالنے کے فن کی تھی۔ جو کنسٹ آؤسٹلنگ یعنی آرٹ اگزبیشن
کے نام سے مشہور تھی۔ یہ بہت بڑا عالیشان مکان تھا۔ جسکے سامنے پرنس
بسمارک کا برنجی بُت نصب تھا۔ مکان کے اندر اسکے پچاس کمروں میں
بیحد و حساب تصاویر اور بُت تھے کہ میرے جیسا کوڑہ مغز آدمی بھی ان
کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ یہاں دستور ہے کہ ہر نمائشگاہ کے دروازے پر اسکی
اشیا کی تفصیل کی کتاب بکتی ہے۔ یہاں جسقدر تصاویر اور بت زیادہ تھے
اتنی ہی زندہ لعبتان فرنگی اور جوانمردان جرمنی کثرت سے تھے۔ بلا مبالغہ
دس بارہ ہزار زن و مرد اسوقت ان کمروں میں پھر رہے تھے۔ اسلئے ہر قدم
پر سنبھلکر چلنا پڑتا تھا کہ کسی لیڈی کا دامن پاؤں تلے نہ دب جائے۔ یا کسی
سے ٹھوکر نہ لگ جائے کیونکہ بعض منچلے مصوروں نے ایسی تصویریں بنا
رکھی تھیں کہ لیڈیاں وہاں نقش دیوار ہو جاتی تھیں۔
یہاں بھی نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کی فیس دینی پڑی۔ چھاتہ

یا لاٹھیاں اندر تو لیجانے نہیں دیتے۔ اور باہر رکھوا لینے کی معقول اجرت لے لیتے ہیں۔ صرف ویانا کے بڑے عجائب گاہ اور برلن کے اسلحہ خانہ اور لنڈن کے برٹش میوزیم میں چھاتے رکھنے کا کچھ دینا نہیں پڑا۔ ورنہ اور سب جگہ کم و بیش دینا پڑا ہے۔

عورتیں معبود مرد اور عورتیں

ان ممالک میں جب کسی ہجوم یا مجمع کا ذکر کیا جائے تو قدرتی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے زن و مرد دونوں کی معجون مرکب مراد ہے۔ مرد کیا ہیں عورتوں کی تسخیر کے پروانے۔ گو بلحاظ خوبصورتی اور شاندار لباس کے عورتوں کو پروانے بلکہ تیلیاں کہنا چاہئے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی عورتیں صرف کپڑے پہننے اور بناؤ سنگار کر کے اسے دوسروں کو دکھلانے اور ناز و ادا اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ان کی ہر آن میں بناوٹ اور ہر قدم میں ادا ہے۔ میں اتوار کے روز چڑیا گھر کے ہجوم کو ایک خاص تقریب کا نتیجہ سمجھا تھا۔ لیکن اس نمائش کے باہر جو ہزاروں کا مجمع سبزہ زار میں قہوہ پی رہا تھا اس سے میرا پہلا خیال باطل ہو گیا۔ نمائش گاہ کے اندر بعض تصاویر صرف قدرتی لباس پہنے تھیں مگر ان کی عریانی معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ ہر بیں نظر صرف ان کے آرٹ کی تعریف کر سکتی تھی۔ بعض لوگ ان تصاویر کے دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ دنیا و مافیہا سے خبر نہ تھی۔ ان مجمعوں میں میں نے ایک اور دلچسپ بات یہ نوٹس کی کہ نوجوان مردوں کے ساتھ جو لڑکیاں ہوتی تھیں وہ ہر دوسری عمر کے مردوں کی منکوحہ عورتوں کی نسبت ان سے زیادہ گرویدہ بلکہ گلے کا ہار ہوتی تھیں۔ گویا محبت میں گداز تھیں۔ اور گویا کہ جوں جوں مدت مناکحت بڑھتی جاتی ہے

محبت کی سرگرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ قہوہ خانوں اور رسٹارنٹوں میں بھی ایسے
جوڑے جیتے اکثر بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔

برلن کا اسلحہ خانہ

برلن کا اسلحہ خانہ ایک ایسا مقام ہے کہ جس کا ثانی دُنیا میں کم ہوگا۔ اس میں یورپ کے اسلحہ جنگ کے قدیم زمانہ سے لیکر آجتک کے سب نمونے موجود ہیں۔ ارہ کی طرح کاٹنے والی تلواریں۔ پتھر کے توپوں کے گولے۔ پانچ پانچ سو سال کی پرانی توپیں سینکڑوں قسم کی چھوٹی بڑی موجود ہیں۔ لیکن غرض اس نمایش سے جرمن کی جنگی تاریخ کے دکھلانے اور اہل جرمنی کے دلوں میں جنگی جوش تازہ رکھنے کی ہے۔ کیونکہ جرمنی نے جو اسلحہ فرانس یا کسی دوسری قوم سے کبھی جنگ میں حاصل کئے ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ ہزاروں قسم کی تلواریں۔ نیزے۔ بندوقیں۔ توپیں۔ ڈھالیں۔ تبر۔ دارنیزے۔ کلہاڑے۔ قدیم زمانہ کی نائیٹوں اور ان کے گھوڑوں کے بھاری زرہ بکتر۔ توپوں کے گھوڑوں کے ساز۔ سپاہیوں کی وردیاں۔ جنگی علم۔ مفتوحہ قلعوں کی چابیاں اور آلات و متعلقات جنگ از قسم اصطرلاب وغیرہ فریڈرک دی گریٹ اور نپولین اول کے ذیلے ہوئے تحفے موجود ہیں۔ ایک جگہ قلعہ ایڈریانوپل کی چابی اور علم موجود ہے۔ جو جرمنی نے ۱۸۱۵ء میں فتح کیا تھا میرے خیال میں وہ شمشیر یہاں نہیں رکھی ہوگی۔ جو سلطان عبدالمجید خاں نے قیصر ولیم دوم کو ان کی پہلی ملاقات پر قسطنطنیہ میں دی تھی اور جو ان کے دادا سے ترکوں نے چھینی ہوئی تھی۔ نہ یہ دکھلایا گیا ہے کہ نپولین نے برلن پر کیا تباہی برپا کی تھی۔ اور کس طرح برلن کے وہ چار دھاتی گھوڑے پیرس کو ہمراہ لیگیا تھا جو اب جرمنی نے واپس لے کر برینڈنبرگ کے دروازے پر نصب کئے ہوئے ہیں۔ اس اسلحہ خانہ میں بہت سے ایرانی اسلحہ بھی ہیں جو غالباً خرید کر رکھے گئے ہونگے۔ ان میں سے اکثر زرہ بکتر وغیرہ مرصع ہیں

کھودے ہوئے ہیں ایک زرہ کے سینے پر نصر من اللہ و فتح قریب
اور ایک شمشیر کے پھل پر لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار لکھا ہوا ہے
اور سوائے بیل بوٹوں کے کوئی خوبی نہ تھی بمقابلہ یورپین سادہ اسلحہ کے ایرانی
اسلحہ کا بناؤ سنگار زنانہ معلوم ہوتا تھا۔ فرانسیسی فوج کے بعض ستر اسی
اور سو سال کے پرانے کوٹ اور سامان جنگ ایسے بھدے تھے جیسے کہ
آجکل پنجاب میں چوکیدار پہنتے ہیں۔ اسلحہ کی جو ترقی ہوئی یہ سب گزشتہ صدی
کا نتیجہ ہے۔ اس عمارت کے ایک بازو میں دس دس بیس بیس گز لمبی
اور اسی نسبت سے چوڑی میزوں پر ان تمام جنگوں کے میدانوں کے نقشے
مٹی کے بنے ہوئے فراز و نشیب میں بنائے گئے ہیں۔ کہ جن سے فن جنگ
کے ماہر بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں جرمنی اور غنیم کی فوجوں
کے ننھے ننھے سپاہی مٹی یا لکڑی کے بنا کر دکھلائے گئے ہیں۔ ان سے
بہتر سمجھ کسی میدان جنگ کی پوزیشن کی اور کسی طرح نہیں آسکتی۔ لیکن سب
سے دلچسپ بات اس اسلحہ خانہ میں ناموروں کا کمرہ ہے۔ جس میں جرمنی
کے تمام بادشاہوں اور اکثر بڑے بڑے امراء کی برنجی اور سنگ مرمر کی قد
آدم سے بڑی نیم قد بتیاں موجود ہیں۔ اور دیواروں پر جرمنی کے تمام
جنگوں کے نقشے اعلےٰ درجہ کے استادان فن نے کھینچے
ہیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر اصلی میدانوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے
پھر جاتے ہیں۔ چھت پر چار تصاویر بادشاہوں کے عدل۔ انصاف۔ بہادری
اور تدبر کی بصورت تمثیل دکھلاتی ہیں۔ مگر برلن کی تمثیلی تصویروں میں مجھے
وہ عالیشان بت شہنشاہ ولیم اول کا بہت پسند آیا جو اسکے قصر کے سامنے
سنہ ۱۸۷۱ء کی جنگ کے بعد نصب کیا گیا ہے۔ اور جس میں سامان جنگ و

جدل کر فراموش کر کے انگوری کی صورت میں صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کی رونق بڑھانے کی طرف توجہ دکھلائی گئی ہے۔ یہ سب مضمون چند بُتوں کی صورت میں بڑی خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ اہل جرمنی نے تصویر اور مُبت کے کام میں بڑی ترقی کی ہے اور اسکے اچھی طرح سمجھنے کے لئے بھی کسی ماہر آرٹشٹ کی نظر درکار ہے۔ ہاں اسلحہ خانہ کو دیکھ کر ممکن نہیں کہ کسی مُردہ سے مُردہ جرمن کے بدن میں بھی اپنے باپ دادوں کے کارناموں کو دیکھ کر جنگی روح جوشزن نہ ہو۔ یہ اسلحہ خانہ ہی موجودہ سلسلہ کا صدیوں کی جانبازیوں اور کوششوں اور ہزاروں جانوں کے نقصان سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن جو لوگ یہ کام کر گئے ہیں اپنی آئندہ نسل کے لئے ایک ایسی میراث چھوڑ گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں اور باپ دادوں کے نام پر فخر کر سکیں۔ بیشک اس مجموعہ کو دیکھ قوم کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

صنعت و حرفت کے کارخانے

میں نے یہاں بعض کارخانے دیکھے۔ جو اپنی قسم کے اول درجے کے ہیں۔ مثلاً رنگین تصویریں چھاپنے یا شیشہ اور برتن کا سامان آرائش اور قلمیں پنسلیں بنانے کے کام کرنے اور ان میں سے ہر ایک کی وسعت اور عظمت کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا ہے کہ اس سے بڑا کارخانہ کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری جگہ اُس سے بھی بڑا دیکھ کر مجھے حیرت پر حیرت ہوتی۔ ایک ہمارا ملک ہے کہ ہم سوئی دھاگے قلم دوات کاغذ بٹن وغیرہ ہر چیز کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور ایک یہ ملک ہے کہ دنیا کی ضروریات کی چیزیں بہم پہنچاتا ہے۔ مجھے ایک جرمن

تعلیم کا نتیجہ

ملاقاتی نے بتایا کہ ہماری ترقی کا راز صرف تعلیم اور محنت ہے

تعلیم یہاں جبری دی جاتی ہے۔ یعنی ہر اٹھ سال کا بچہ قانوناً مجبور ہے کہ ۱۲ سال تک مدرسے میں پڑھے۔ اگر ہمارے لوگ اسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک روز دنیا میں ہم اول درجے کی قوم ہو جائیں گے۔ ہمیں ملک فتح کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہنر اور صنعت و حرفت کے ملک سائنس کے زور سے ہم فتح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں اب بھی ہم تمام دنیا کی قوموں سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ ایک دوسرے شخص نے بتلایا کہ ۱۸۷۱ء سے جرمنی کی نئی زندگی کی بنیاد پڑی ہے جبکہ قیصر ولیم اول نے فرانس پر فتح حاصل کر کے قوم جرمن کے منتشر اور متفرق اجزا کو ایک کر لیا اور صنعت و حرفت اور علوم فنون کی ترقی کی جانب بلیغ توجہ کی۔ اس وقت سے اس ملک میں شب و روز ترقی ہو رہی ہے۔ اور جس قدر مال تجارت جرمنی سے دیگر ممالک کے استعمال کے لئے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاص انگلستان میں جرمنی کا بنا ہوا جس قدر سامان کھپتا ہے۔ وہ سب اسی تیس سال کی مدت میں بننے لگا ہے۔

جرمنوں اور انگریزوں کی سوشل زندگی کا مقابلہ

جرمن سوسائٹی میں بڑی خوبی مجھے یہ بتلائی گئی کہ بخلاف انگلستان کے غریب اور متوسط درجہ کے لوگ بھی امرا کی طرح زندگی مزے سے بسر کرتے ہیں۔ اور سیر و تماشہ سے دل بہلاتے ہیں۔ بڑے بڑے مجمعوں میں یا سرِراہ کوئی جرمن بدمست نہیں دیکھا گیا۔ بخلاف انگلستان کے کہ جہاں غریب و غربا کی بڑی تفریح یہی ہے کہ شراب پی کر دل بہلائیں۔ میرے مخاطب نے یہ بھی رائے دی کہ جرمنی آئندہ زمانہ میں بڑی قوم ہو گی اگر اہل جرمنی اسی طرح محنت و مشقت میں سرگرم رہے۔ ان کے دماغ صاف ہیں۔ انکی طبائع میں آمادگی اور سکنت ہے۔ اور انگریزوں کی نسبت کہا کہ وہ مغرور زیادہ ہو گئے

ہیں۔ اور سوائے روپیہ کمانے کے اور انہیں کچھ کام نہیں۔ اگر انگریزوں نے یوروپ کی بعض دوسری قوموں کی طرح فوجی خدمت اپنے ملک میں لازمی نہ کر دی تو یہ زیادہ مدت دُنیا میں بڑی قوم نہیں رہ سکیں گے۔

جرمن عورتیں

جرمن عورتوں کی نسبت کہا کہ بہت اچھی بیویاں ہوتی ہیں۔ انگلستان کی عورتوں کی طرح ہر وقت ناز نخرے ہی میں محو نہیں رہتیں گھر کا کاروبار سب خود کرتی ہیں۔ انہیں اچھی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو اپنی باری سے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیتی ہیں۔ میرے مخاطب کی لڑکی کی عمر سترہ سال کی ہے جو جرمن میں اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی گفتگو صاف کرنے کے لیے انگلستان کے ایک مدرسہ میں بھیجی گئی تھی۔ اور اب پیرس کے ایک مدرسہ میں تعلیم پاتی ہے۔ اسکے بعد اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اطالی زبان بھی سیکھ لیگی۔ ورنہ یہی تین زبانیں جرمنی انگریزی فرنسیسی کافی ہونگی۔ واضح رہے کہ یوروپ میں لڑکیوں کے مدرسے سب جگہ ریزیڈنشل سسٹم پر قائم ہیں۔ یعنی اُن کے ساتھ بورڈنگ ضرور ہوتے ہیں۔

دکانوں کی روشنی سے اشتہار کا کام لینا

فراڈریش سٹراسے یعنی کوچہ فریڈرک نامی برلن کا اُس بڑے بازار کا نام کہ جس میں میں مقیم تھا۔ رات کے وقت نہایت دلکش ہوتا تھا۔ سرِ شاہراہ دکانیں برق اور گاس کی روشنی سے جگمگا اٹھتیں۔ اور شیشوں کے پیچھے جو لاکھوں روپیہ کا مال سجا ہوا ہوتا تھا روشنی اُسے دن کی نسبت بہت زیادہ دلکش بنا دیتی تھی۔ ایک نئی ترکیب برقی روشنی کی پہلے پہل یہ دیکھی کہ بعض دکانوں کے نام کے حروف جو دن کو سفید اور سادہ معلوم ہوتے تھے دراصل ہر حرف کئی ایک برقی لیمپ سے مرکب تھا۔ ایکدم دونوں میں یہ سب لیمپ روشن ہو جاتے اور دکان

کا نام نور کے حرفوں میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا۔ اور دوسرے لمحہ میں وہ روشنی معدوم ہو جاتی۔ اور لمحہ کے بعد پھر اسی طرح نمودار ہو جاتی۔ لیکن بعض دوسری دکانوں پر اس سے بھی زیادہ حیرت بخش عمل برقی روشنی کا دکھلایا جاتا تھا۔ مثلاً دوکان کا نام دو سطروں میں ہے۔ تو برق واحد میں ان میں سے ایک سطر کے حرف سرخ اور دوسری کے سبز برقی روشنی سے منور ہو جاتے یا ایک کے اسم سفید اور دوسرے کے سبز اور دوسرے لمحہ میں وہی سفید سرخ اور سبز سفید ہو جاتے۔ غرض ایک اجنبی کو پہلے پہل یہ نظارہ عالم طلسمات سے کچھ کم حیرت افزا نہیں معلوم ہوتا۔ بجائیکہ سوائے مال کا اشتہار دینے کے اس معجزہ سے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ اس کثرت سے قیمتی اور عجیب و غریب مال سے بھری ہوئی دکانیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ اس کا خریدار کون ہوگا

تمام شب روشنی رہتی

یہاں بازاروں اور ہوٹلوں میں بیٹھنے کا بہت رواج ہے یہاں شام کو ساڑھے دس بجے تک دن کی روشنی میں خط لکھ پڑھ سکتا تھا۔ ۹ جولائی کو ہیمبرگ سے سفر کر کے گیا تھا جس میں رات کی تاریکی کے متعلق وہاں تاریکی کا تجربہ درست تھا۔ آپ کو برلن کے راستہ میں بارہ بجے تین بجے صبح ہو جانے کے اس روز تعجب ہوا تھا۔ یہاں پرسوں بوجہ صاف رہنے مطلع کے ساحل بحر سے ہمبرگ تک تمام راستہ اس کا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔ یعنی ۱۰ بجے تک تو تب شب جیسے روشنی مثل ہندوستان کے وقت مغرب کے دیکھتا آیا۔ اس کے بعد کسی قدر دھندلی ہو گئی تھی۔ تو گویا تمام شب میں ذرا بھی تاریکی مثل ہمارے یہاں کی معمولی شب کے نہیں ہوتی۔"

میں جب ہوٹل میں مقیم تھا۔ یہ شہر کے نہایت پر رونق کوچہ فریڈریش سٹراسے میں واقع ہے۔ یہ بازار اسقدر چلتا ہے کہ میں نے رات کے دو دو بجے تک

جاگ کر بھی انتظار کیا کہ دیکھوں اس میں کب آمد و رفت بند ہوتی ہے۔ مگر مجھے پتہ نہیں ملا۔ دُخانی اور گھوڑے کی ٹریموے کے علاوہ آمنی بس گاڑیاں شب و روز بکثرت چلتی ہیں۔ شاید کوئی شخص دو تین سال یہاں رہے تو اُسے پتہ لگ جائے کہ ٹریم اور آمنی بس کی لائنیں کس کس طرف جاتی ہیں۔ گھوڑا گاڑیوں پر میں نے ساڑھے آٹھ نمبر سے زیادہ نمبر دیکھا کیونکہ خاص خاص اطراف کو جانے والی الگ الگ گاڑیاں ہوتی ہیں۔

اندرون شہر کی ریل کی سڑک

شہر کے اندرون حصے کے گرد اور عام طور پر شہر کے اندر ایک حلقہ ریل کا گذرتا ہے۔ جس کی سڑک مکانات کی چھتوں کے برابر یا بیس فیٹ بلند ہے۔ اور اس سڑک کے نیچے ۲۲ پل شہر کے اندر ہیں۔ جرمن اسکوٹ ڈبان یعنی شہری ریل کہتے ہیں۔ ایک سٹیشن دو دو میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اور گاڑی ہر پانچ منٹ کے بعد ہر سٹیشن سے دونوں طرف روانہ ہوتی رہتی ہے۔ اور نصف منٹ سے زیادہ کسی سٹیشن پر ٹھہرتی ہوتی۔ اس ریل کے ذریعے تک جب پرنس بسمارک نے تجویز کیا تھا شہر برلن کے اندر لوگوں کی جلد آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور اکثر کاروباری لوگوں نے اسکے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ ٹکٹ دینے کے لیے کوئی شخص نوکر نہیں۔ البتہ چند مشینیں بطریق مبکس چٹھی ڈالنے کے بڑے صندوقوں کی برابر نصب کئے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں دس فینی کا سکہ جو دو پیسہ کے برابر ہوتا ہے ڈالتا ہے۔ تو جھٹ ایک ٹکٹ تیسرے درجے کا ان کے ایک منہ سے گر پڑتا ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے کا ٹکٹ دو ہی کا سکہ ڈالنے سے نکلتا ہے۔ البتہ ایک شخص ٹکٹ کو چیک کرتا ہے سا ریل کا ہر پانچ منٹ کے بعد اس حلقہ میں بالمقابل دونوں طرف گھومتے رہنا

اور کسی سٹیشن پر نصف منٹ سے زیادہ نہ ٹھیرنا وہاں کی زندگی میں ایک عجیب مقوی اور سریع الاثر دوائی کا کام دیتا ہے۔ چونکہ ریل کی دونو طرف شہر کے مکانات ہیں ان کی دیواروں پر مختلف ادویات اور مال اسباب کے اشتہار بڑے بڑے حروف میں نقش کر دیے گئے ہیں کہ جنکے لیئے دیواروں کے مالکوں کو کرایہ دینا پڑتا ہے۔ یہ حروف اور نقشہ وغیرہ اتنے موٹے اور واضح ہوتے ہیں کہ چلتی ریل میں بآسانی پڑھے جاسکتے ہیں۔

جرمنی کا جنگی عنصر کس قدر نمایاں ہے۔

برلن میں تو ہر شخص فوجی اور جنگی عنصر اسقدر زیادہ پاتا ہے کہ خواہ مخواہ کسے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں غیر معمولی سرگرمی فوجی امور میں ظاہر کی جاتی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا مدار ہی ایک بہت بڑی فوجی جمعیت پر ہے۔ خصوصاً اسکے ہمسایہ فرانس سے ہمیشہ کی عداوت اور پرخاش کی وجہ سے۔ اسلیئے جرمنی میں کانسکرپشن کا رواج ہے۔ یعنی ہر جوان آدمی کو قانوناً بیس برس کی عمر کے بعد فوج میں بھرتی ہونا پڑتا ہے۔ اور پیدل فوج میں دو سال یا سوار فوج میں تین سال آئین جنگ سیکھنے کے لیئے خدمت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ بیس سال کی عمر میں اگر کسی طالب علم کا امتحان قریب ہو یا اس کی تعلیم میں ہرج ہوتا ہو تو حکام وقت کی اجازت سے اسے اور ایک دو سال تک فوجی خدمت میں شریک ہونے سے معاف کیا جاتا ہے۔ فوجی خدمت کے زمانہ میں پہلا سال جبکہ لوگ کام سیکھتے ہیں انہیں اپنے گھر سے اپنا خرچ چلانا پڑتا ہے لیکن اسکے بعد روٹی کپڑا اور تھوڑا سا جیب خرچ جو چھ سات روپے سے زیادہ نہیں ہوتا انہیں سرکار سے ملتا ہے۔ جو لوگ فوج میں داخل ہونے سے پہلے اچھی تعلیم حاصل کر چکتے ہیں ان سے پیدل میں صرف ایک اور سواروں

میں صرف دو سال خدمت لی جاتی ہے۔ اسکے بعد یہ لوگ ریزرو میں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ اور جب ضرورت ہو ملک کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان دو تین سال کی خدمت کے بعد ریزرو میں آ جانے والوں کو اگلے سال سات آٹھ ہفتہ اور اس سے اگلے سال چار یا پانچ ہفتہ کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح سے سارا ملک سپاہیوں کا ہو گیا ہے۔ اور بقول ایک جرمن کے اب کوئی غنیم کبھی جرمنی پر حملہ آور نہ ہو گا۔ جو لوگ بارہ سال تک فوج کی ملازمت کر چکتے ہیں ان میں سے بعض کو انتخاب کر کے سول کی ملازمت مثل ڈاکخانہ ریلوے جنگلات وغیرہ میں نوکری دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکخانہ اور ریل کے ملازموں اور کلرکوں تک کی فوجی وردیاں ہوتی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی فوجی سپاہیوں اور افسروں نے ڈاکخانہ یا ریل پر قبضہ کر لیا ہے۔

برلن کے عجائب خانے

گو میں نے اپنا تمام وقت شہر کے قابل دید مقامات عجائب اشیاء اور تجارتی کارخانوں کے دیکھنے میں صرف کیا تاہم میں دیکھتا ہوں کہ میں نے برلن کو بہت کم دیکھا ہے۔ عجائب خانے یہاں ایک درجن کے قریب ہیں۔ جو اپنے اپنے رنگ میں سب بےنظیر ہیں۔ ایک میں اقوام دنیا کی تاریخی و معاشرتی زندگی کے سامان جمع ہیں۔ اسکو فوکلر کنڈے میوزیم کہتے ہیں۔ ایک میں قدیم زمانے کے رومن لوگوں کا مجسمے بت اور سامان۔ قدیم یونانیوں۔ مصریوں وغیرہ وغیرہ اقوام کے بت۔ قبریں اور آثار موجود ہیں۔ ایک زراعتی عجائب خانہ ہے جس میں آلات زراعت۔ تخم و ترقی زراعت کی تاریخ کے تمام مدارج دکھلائے

گئے ہیں۔ ایک میں شاہان جرمنی کی یادگاریں اور تاریخی سامان جمع کئے گئے ہیں۔ ایک کا نام پوسٹ آفس میوزیم ہے۔ اس میں ڈاکخانہ کی ترقی کی تاریخ کے مختلف سامان جمع کر کے دکھلائے گئے ہیں۔ ایک میں تمدن عیسوی کی ترقی کی تاریخ ہے۔ عجائب خانوں کے متعلق مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نوللکرکنڈے میوزیم میں جہاں دنیا کے ہر ملک کے لوگوں کے سامان کافی اور کافی سے زیادہ موجود ہیں۔ عرب۔ ایران اور ہند کا ایک تنکا نہیں دکھلایا گیا۔ البتہ چین کے بہت سے سامان جمع تھے۔ اور آجکل چین میں شورش برپا ہونے کی وجہ سے لوگ بڑے شوق سے ان حالات کو دیکھتے تھے۔ ہندوستان کے حصہ میں اتنی دلچسپ چیزیں تھیں کہ کلکتہ کے بڑے عجائب خانہ میں لوگوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کی نمایش اس سے بڑی نہ ہوگی۔ جس عجائب گاہ میں قدیم زمانہ کے بُت اور تصاویر جمع کئے گئے ہیں اُسے قدیم و جدید عجائب گاہ اور پکچر گیلری کہتے ہیں یہ بڑی عالیشان دو منزلہ عمارت ہے۔ جس کے وسط میں ایک عظیم الشان گول ہال ہے جس کی دیواروں اور چھت پر دلکش مرقعے کھینچے گئے ہیں۔ اس عجائب گاہ میں یونانی چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ یونانیوں کے بتوں میں سقراط اور افلاطون ارسطو اور دیگر نامور لوگوں کے بُت موجود تھے۔ جن میں سے بعض اصلی قدیم زمانہ کے بنائے ہوئے اور باقی یورپ کے دیگر عجائب خانوں کے اصلی بتوں کی نقلیں تھیں۔ اسی طرح رومیوں کے بُت بھی بہت تھے۔ ایک حصہ صرف حضرت مسیح و مریم کے انواع و اقسام کے بتوں اور تصویروں کے لیے مخصوص تھا۔ جن میں سنگ و دھات پتھر غرض ہر چیز کے بنے ہوئے بُت پڑے تھے۔ ایک حصہ میں قدیم مصریوں کے میتیان یعنی مصالحہ لگی ہوئی

لاشیں اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے بُت اور نادر کی چیزیں تھیں۔ ایک حصہ میں یونانیوں کے قدیم زمانہ کی آرٹ کی چیزیں بے شمار تھیں۔ یہاں کے عجائب خانوں میں عورتیں مردوں سے کم نہیں آتیں خواہ مضمون کیسا خشک ہو۔ ایک عورت ایک دیوی کی تصویر نقل کر رہی تھی۔ بعض کمروں کی دیواروں پر قدیم زمانہ کے تاریخی اور قیاسی مضامین کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ اور بعض دیواروں پر اسی مطلب کی فریز آویزاں کی گئی تھی۔

تعلیم کا چرچا

یہاں تعلیم جبری دی جاتی ہے۔ ہر شخص قانوناً پابند ہے کہ اس کے گھر میں جو بچہ آٹھ سال کا ہو اُسے بارہ سال تک پڑھنے کو مدرسہ میں بھیجتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاڑیبان مزدور پولیس کانسٹیبل مزدور کاشتکار سب خواندہ ہیں۔ تعلیم کا خرچ بھی زیادہ نہیں ہے۔ جو لوگوں کو ناگوار معلوم ہو۔ لیکن جو تعلیم یہاں کی زیادہ دلچسپ ہے وہ صنعت و حرفت کی تعلیم ہے۔ یہاں پرائمری سکولوں کو جینور کہتے ہیں جو شہر میں ہوتے ہیں۔ لوئر سکولوں کو ریال سکول اور مڈل اور ہائی سکولوں کو گمنازیم کہتے ہیں۔ اور پیشے اور حرفے مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھانے کے مدرسے گیوربے سکول کہلاتے ہیں۔ اکثر غربا لوگ تو بچوں کو ابتدائی سکولوں سے نکال کر پیشے سکھلا لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اعلیٰ تعلیم اپنی اولاد کو دینا چاہتے ہیں یا اعلیٰ اور علمی پیشے سکھلانا چاہتے ہیں تو وہ گمنازیم میں طلبا کی تعلیم ختم ہو چکنے پر اُنہیں یا تو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں اور یا ٹکنیش ہوخ شولے یعنی ٹکنیکل ہائی سکول میں۔ ہر چند کہ جرمنی کی یونیورسٹیاں عرصہ سے مشہور چلی آتی ہیں۔ سارے یورپ کے علمی حلقوں میں بالحاظ یونیورسٹی کے خیالات یہ جرمن یونیورسٹیوں کے لئے باعث فخر ہے۔ مگر یونیورسٹی کی تعلیم میں تکمیل تعلیم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی

کی ڈگریاں حاصل کرنے والے لٹس اور گریب علاوہ دیگر دینی علوم کے پڑھتے ہیں اور پادری بننے کے لئے عبرانی ضرور سیکھتے ہیں۔ لیکن مشرقی زبانوں کا مدرسہ علیحدہ ہے۔ جہاں چینی جاپانی عربی فارسی سنسکرت سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس کے اندر مشرقی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ جرمنی صنعت و حرفت کے مدارس کے علاوہ فن زراعت باغبانی علاج الویشی مرغیاں پالنے اور دودھ دہی مکھن اور میوہ جات پیدا کرنے کے مدرسوں پر بہت روپیہ خرچ کرتی ہے جو ملک میں بکثرت جاری ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا ٹکنیکل سکول

لیکن جس چیز نے اس زمانے میں جرمنی کو بہت بڑی شہرت اور عزت دی ہے۔ وہ یہاں کا پالی ٹکنی کم یعنی ٹکنیکل ہائی سکول ہے۔ یہ مدرسہ اب ایک سو ایک سال سے جاری ہے۔ پچھلے سال اسکے صد سالہ سالگرہ کا جلسہ بھی ہوا تھا۔ مجھے اسکے دیکھنے کا جتنا زیادہ شوق تھا۔ اتنا ہی اسکے دیکھنے کا سامان عسیر الحصول تھا۔ آخر ایک صاحب سے پروفیسر ڈاکٹر شیون ہاگن کے پاس سفارش کرائی۔ پس اس نے پرنسپل سے اجازت حاصل کر دی۔ اور میں ساڑھے پانچ گھنٹے برابر اس عالی شان تعلیمگاہ کی مختلف منزلوں اور درجوں کا طواف کرتا رہا پہلے پہل کیمسٹری کا حصہ دیکھا جس میں مختلف کمرے اجزائے کیمسٹری کے نزول تجربات اور لکچر دینے کے لئے مختص تھے۔ ایک پروفیسر نے اپنے کمرے میں لیجا کر تاریکی کر دی۔ اور پھر برقی روشنی سے سامنے ایک چادر پر عکسی تصویریں بنا کر دکھلائیں۔ اور اور بھی چند تجربات دکھلائے۔ یہ حصہ کہ جس میں آرگینک و ان آرگینک کیمسٹری اور فوٹوگرافی سکھلائی جاتی ہے اصل سکول کی عمارت سے علیحدہ ہے۔ مگر سکول کی اصل عمارت جو پانچ

چھ منزلوں کی بڑی وسیع ہے اور سات آٹھ سال میں ختم ہوئی تھی مگر وہ اب
اتنی غیر مکتفی معلوم ہوتی ہے کہ اتنی ہی ایک اور وسیع عمارت اسکے ساتھ
زیر تعمیر ہے۔ دن بدن طالب علم اور سکول کے عجائب خانوں کا سامان اتنا
بڑھ رہا ہے کہ مکان وسیع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آجکل تین ہزار
طالب علم یورپ کے ہر ملک اور قوم کے یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ بیچ کا صحن
اور ہال کمرہ کہ جسے اولا کہتے تھے نہایت پر تکلف ہیں جو کسی شہنشاہ کے
قصر میں موجب زینت ہو سکتے ہیں۔ کئی پروفیسروں اور سائنس کے
عالموں کے بت اور تصاویر تمام عمارت میں جابجا رکھے ہوئے ہیں۔ بڑے
کمرہ میں قیصر ولیم اول کا روئیں بت ہے۔ ایک عجائب خانہ میں ہر قسم
کی مشین کا چھوٹا سا نمونہ طالب علموں کے سمجھانے کے لئے رکھا ہوا ہے
لیکن ایک دوسری جگہ ایک مکان میں مشینوں کے ہر پرزہ کو اس کا عمل
ذہن نشین کرانے کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے رکھا گیا ہے۔ بلکہ ایک
ایک پرزہ کے مختلف عمل اسکے مختلف حصوں سے دکھلائے گئے ہیں۔
ہر فنی تعلیم کا گروہ اور کئی کلاس روم۔ مطالعہ کے کمرے۔ اور کتب خانہ
مشہور مصور اور آرٹسٹ شنکل کا عجائب خانہ۔ پلوں کی تعمیر کے سامان۔
اور پلاسٹر آف پیرس کے بتوں کا کمرہ۔ عالی شان گرجوں اور دیگر عمارات
کے چھوٹے ماڈلوں (نمونوں) اور نقشوں کے کمرے۔ دخانی جہازوں کے
نمونوں کے کمرے۔ نقشہ کشی۔ نجاری اور علم رنگ کے لکچر کے کمرے
اور جدا جدا نئے اور کتنے کمرے اور لکچر روم تھے۔ خلاصہ یہ کہ بارہ بجے
دوپہر سے ساڑھے پانچ بجے شام تک تمام مکان کو دیکھا۔ مگر دکھلانے
والا شخص جو یہاں کا ایک ملازم تھا کہتا تھا کہ ابھی آدھا مدرسہ بھی نہیں دیکھا

گو یہ مدرسہ سو سال سے برلن میں جاری ہے۔ اور اہل جرمنی کی موجب فخر
ہے لیکن صرف گذشتہ پچیس تیس سال سے غیر معمولی ناموری حاصل ہوئی
ہے جب سے کہ جرمنی کی دستکاریوں نے غیر ملکوں میں رواج پایا ہے۔
انگلستان تک سے لوگ بچوں کو جرمنی میں تعلیم حرفت کے لئے بھیجتے
ہیں۔ پہلے ہر قوم کے طالب علم انگریز امریکن روسی اطالی یہاں اس قدر
داخل ہو جاتے تھے۔ کہ جرمنوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ لیکن اب دو تین
سال سے پہلے جرمن طلبا داخل کئے جاتے ہیں اور اگر گنجایش ہو تو باقی
قوموں کے طالب علم لئے جاتے ہیں۔ سوائے ترکی اور یورپ کے
ہر چھوٹے بڑے ملک کے طالب علم یہاں موجود تھے۔ ایک جگہ اس سکول
کے ان بہت سے طلبا کے نام سنہری حروف میں کندہ ہیں جو جرمنی کے
گذشتہ جنگ فرانس میں مارے گئے تھے۔ سکول کے عقب میں نئی
روشنی حاصل کرنے اور سرما میں مدرسہ کے گرم رکھنے کے لئے
بڑی بڑی برقی کلیں دو مکانوں میں لگی ہوئی ہیں۔ جرمنوں کا یہ کہنا ذرہ
بھی بیجا نہیں کہ اتنا بڑا مدرسہ اس فن کا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔ مسلمان
بڑے ناز سے اب تک کہہ دیا کرتے ہیں کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی میں
ایک وقت میں دس ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ اور مراکو کے فیض کے
دار العلوم میں بھی کئی ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ مگر پہلے آدمی یہ دیکھو تو سہی کہ
وہ کیا پڑھتے ہیں۔ اور یہ کیا پڑھتے ہیں۔ جن علوم کو الازہر اور فیض میں پڑھایا
جاتا ہے وہ اب بوسیدہ ہڈیاں ہو چکی ہیں۔ کوئی ہندی پڑھنے والے کو
ذرہ امریکہ کی مشہور لک یونیورسٹی کی رصدگاہ میں۔ یا گرینچ انگلستان
کی رصدگاہ میں لیجا کر مقابلہ تو کرے کہ وہ فرضی علم ہیئت صحیح ہے یا یہ

یعنی مشاہدہ ستاروں کا عظیم الشان دوربینوں سے۔ جو لوگ اس قسم کی متانیک سر پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے معاف کریں سے تو و طوبی و ما و قامت یار۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ۔ اس ٹیکنیکل سکول کی لائبریری میں ستر ہزار کتابیں صرف صنعت و حرفت و علوم فنون پر جرمنی، فرانسیسی۔ انگریزی اور دوسری یورپین السنہ میں ہیں۔ میں نے مہتمم کتب خانہ سے دریافت کیا کہ کوئی مشرقی ملکوں کی کتب بھی ہے۔ تو اس نے تلاش کر کے ایک پون گز کی لمبی چوڑی کتاب کی تین جلدیں میرے سامنے لا رکھیں۔ اس کتاب کا نام فرانسیسی زبان میں یہ ہے۔

آثار مستادیہ اسلام

اس کتاب میں مسلمانوں کی دوسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی تک قاہرہ کی نہایت خوبصورت عمارات۔ مساجد اور آرٹ کی دوسری چیزوں کی نہایت عمدہ تصاویر اور نقشے تھے۔ یہ کتاب جو پیرس میں چھپی ہے اس کتب خانہ کے چار پانچ سو مارک دہ رک ۱۲۰۰ خرچ آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک کے پاس بھی اس کتاب کی کاپی نہ ہوگی۔ ایسی عالی شان اور خوبصورت مساجد اور مقابر کے نقشے اس میں موجود ہیں کہ میرا مخاطب مجھے کہنے لگا کہ مسلمان اس پر جس قدر فخر کریں بجا ہے ع این سطر جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند۔ یاران رفتہ از نقش پا نوشتہ اند مگر میں نے کہا کہ ساتھ ہی مسلمان جس قدر ماتم کریں وہ بھی بجا ہے کیونکہ اب ان کے پاس یہ فن بھی نہیں رہا ہے۔ برلن کا ٹیکنیکل ہائی سکول یہاں کی یونیورسٹی سے بھی زیادہ مرغوب اور زیادہ بڑا ہے۔ اس ٹیکنیکل ہائی سکول کے معائنہ کے دوران میں اس کی عظمت اور سامان کو دیکھ کر مجھے اپنا آپ نہایت

حقیر معلوم ہوتا تھا۔ اور مایوسی ہمت کو ایسا پست کر رہی تھی کہ دل میں خیال گذرتا
کہ اس زندگی کا تو خودکشی سے خاتمہ کر دینا چاہئے جو ایسی ناکارہ ہے۔ یہ
ایک ایسے سلسلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ جسکے بیان درج کرنے کی ضرورت نہیں
لیکن یہہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایسی تعلیم گاہ
ابھی دو صدیاں بعد تک قائم نہیں ہوگی۔ سکول کے سامنے میدان میں ایک
طرف جرمنی کے مشہور توپ ساز کارخانہ کرپ کے بانی کرپ کی اور دوسری طرف
ایک نامور برقی انجنیری کے کارخانہ والے سمن کے دو مجسمے نصب ہیں
ٹکنیکل سکول دیکھ کر مجھے اس قدر حیرت تھی کہ میرے رفیق نے دونوں گائیڈ کو
اپنی گرہ سے دو مارک (ایک روپیہ) دیدئے جو مجھے دینے چاہئیں تھے۔ لیکن مجھے خبر نہیں ہوئی

عظیم الشان دوربین کا تماشہ

برلن کی قابل دید چیزوں میں جو میں نے دیکھیں میں ٹریپٹو
کی دوربین کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ ٹریپٹو ایک مقام
مضافات برلن میں شہر سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما باغ اور
تفریح گاہ ہے جہاں ہر روز ہزاروں لوگ سیر کے لئے آتے ہیں۔ یہ دوربین
بوجہ اپنی جسامت اور سکے چلنے کی مشین کے جو بجلی کی طاقت سے چلتی ہے ایک
عجیب چیز ہے۔ یہ کل ڈیڑھ لاکھ مارک کے خرچ سے ستر آدمیوں کے چندہ سے
۹۶ء میں پروفیسر آرخن ہولڈ کی ہدایت پر بنائی گئی تھی۔ اسکا طول ۲۱ میٹر یعنی
۶۸ فیٹ سے زیادہ ہے۔ اور آجتک یورپ اور امریکہ میں لمبی سے لمبی دوربین
۱۸ میٹر کی موجود ہے۔ پیرس کی نمائش ۱۹۰۰ء میں جو سب سے بڑی دوربین بنی
تھی۔ وہ نامکمل رہی تھی۔ لہذا اسوقت یہی دنیا میں بڑی لمبی دوربین ہے
اسکے ڈائرکٹر پروفیسر آرخن ہولڈ سے ایک موقع پر میری اتفاقی ملاقات ہوگئی
تھی۔ اور انھوں نے مجھے دوربین سے بعض ستارے اور چاند دکھائے

کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ میں نے چاند زحل زہرہ مریخ وغیرہ ستاروں کو اس میں سے بہت عمدگی سے دیکھا۔ چاند بہت صفائی سے ایک مجلّی سنہری برتن کی طرح نہایت قریب معلوم ہوتا تھا کہ جسے دیکھ کر نظر خیرہ ہوتی تھی۔ اور جس کی سطح پر کئی چٹیاں چھوٹی بڑی موجود تھیں۔ یہ چاند کے پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں پروفیسر کہتا تھا کہ بیچ کی گہرائی ضرور چاند کا سمندر ہوگی جو اب خشک پڑا ہے۔ کہیں کہیں ایسے پتھر کے چٹان اور ٹکڑے نظر آتے تھے جیسے کسی ٹوٹے ہوئے پہاڑ کے پہلو میں گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زہرہ ایک اعلیٰ درجے کے ہیرے کی طرح جھلملاتا ہوا چھوٹا سا ستارہ نظر آیا۔ پروفیسر کہتا تھا کہ روشنی کی رفتار فی گھنٹہ ۲۲ ہزار میل ہے اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس رفتار سے ۱۸ سال چلکر ویگا کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ العظمت للہ۔ دوربین کا ڈھانچہ کہ جس پر یہ قائم ہے اور جس کے ذریعے سے یہ سینکڑوں من لوہا وزن سو اشارے سے جدھر چاہو ایک ملی میٹر کے دسویں حصہ تک برقی طاقت سے بڑی آسانی کے ساتھ مڑ سکتا ہے۔ چونکہ ستارے ہمیشہ آگے یا پیچھے کو حرکت کرتے رہتے ہیں اسلئے دوربین کو بھی ہر دم اُسی سمت میں چلنا چاہیے۔ یہی اُسکے پھرانے کا سامان نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ تم وسط میں دوربین کے تنے کے قریب کھڑے ہو۔ اور ایک بٹن کے دبانے سے یہ تمام دو بہت وسیع رفتار سے تمہارے گرد گھوم رہا ہے۔ امید کی جاتی تھی کہ یہاں کی گورنمنٹ جلد اس دوربین کو خرید لے گی۔ بہت لوگ زرِ داخلہ دے کر ہر شام اس میں سے اجرام فلکی دیکھنے آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے مجھے نہایت مہربانی سے بہت دیر تک دوربین کے ذریعے سے ستارے دکھلا کر پھر اپنا علم ہیئت کا عجائب خانہ دکھلایا جس میں ہیئت کے دیوانوں کیلئے

بہت سا مصالحہ اجرام فلکی کے نقشوں اور فوٹوگرافوں وغیرہ کا موجود تھا۔ اسمیں چاند اور سورج کی مختلف زمانوں کے چارٹ موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اجرام فلکی کے علم نے کن مدارج سے ترقی کی ہے۔ کئی کلیں ستاروں کی رفتار سمجھانے کے لیئے موجود تھیں۔ ایک کمرہ ایسا تھا کہ جو ایک دم میں برقی روشنی سے منور ہو جاتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہاں یہ

لاکھواں تماشائی میں تھا

پیش آئی کہ جب سے یعنی چار سال سے یہ دوربین بنی ہے۔ اسکے ملاحظہ کرنے والوں کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے اور لطف یہ ہوا کہ اتفاقاً یہ لاکھواں نام میرا درج رجسٹر وزیٹران ہوا تھا۔ پروفیسر آرخن ہولڈ یہ دیکھ کر بہت خوش تھا اور سب لوگوں سے کہتا تھا کہ ہمارا ہندوستانی دوست لاکھواں وزیٹر ہے۔ پروفیسر نے دوسرے روز برلن کے کل اخبارات میں یہ بات چھپوا دی۔ کہ ٹریپٹو کی دوربین کا لاکھواں وزیٹر فلاں ہندوستانی ہے اور جبکہ میں پیرس میں تھا تو مجھے کسی نے ایک جرمن اخبارات کے تکڑے کاٹ کر بھیجے۔ جن میں میرے دوربین کے دیکھنے کا قصہ درج تھا۔ مجھ پر تو اس امتیاز کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن یہ لوگ ایسی باتوں پر مرتے ہیں۔ برلن کی بہت سی لیڈیاں اور جنٹلمین مجھے اس شام کو بنظر حسرت دیکھتے تھے کہ لاکھواں وزیٹر ہونے کی انھیں عزت کیوں نہ ملی۔

پروفیسر آرخن ہولڈ علم ہیئت کا بڑا استاد ہے۔ گذشتہ سال کے ماہ مئی میں آفتاب کا کامل گرہن دیکھنے کے لئے یہ گورنمنٹ کی طرف سے الجیریا کو بھیجا گیا تھا۔ اور اب ایران اور سمرقند کو بھی علم ہیئت کی تحقیقات کے لئے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دوربین دکھلانے کے بعد پروفیسر صاحب اور اُن کی بیوی نے مجھے دعوت دی۔ یہاں دعوت دینا کوئی مشکل بات نہیں۔

کسی رسٹارنٹ یا ہوٹل میں جاکر جو کھانا مطلوب ہو مانگ لو اور اسکے دام دیدو
یہ شام کا وقت اور پانی کا کنارہ تھا۔ جہاں ہزارہا لوگ کھانا کھا رہے تھے۔
ایک چھوٹی سی برقی طاقت سے چلنے والی کشتی پر سوار ہو کر لوگ ایک جزیرے

جولائی میں سردی کی شدت

میں پہنچتے تھے جسمیں ٹریپٹو کا رسٹارنٹ تھا۔ میں اس شام کو ہمیشہ یاد رکھونگا۔ نہ اسلئے کہ ٹریپٹو کی دوربین میں چاند کو تھوڑے فاصلے سے دیکھ لیا تھا۔ بلکہ اسوجہ سے کہ آج ۹ جولائی کو اس قدر سردی تھی (شاید بارش کی وجہ سے آج غیر معمولی سردی تھی) کہ میری ہڈیوں میں مغز سکڑا جاتا تھا۔ اور میرے کندے درد کرنے لگے تھے حالانکہ میں سِنے سولے اور اورکوٹ کے باقی سب کپڑے موسم سرما کے پہنے ہوئے تھے۔ اسپر بھی پروفیسر آرحن مولنہ کی ایک بات پر مجھے ہنسی آجاتی تھی۔ پروفیسر صاحب تھوڑی سی انگریزی جانتے تھے۔ اور شاید اس روز ان کے ذہن سے وائف (بیوی) کا لفظ اتر گیا تھا۔ اسلئے جابجا گفتگو میں اپنی بیوی کے ذکر کے متعلق ہسبنڈ (شوہر) کا لفظ استعمال کرتے۔ پروفیسر نے آج شام کو کسی قدر دیر سے وہاں پہنچنے کی یہ وجہ بیان کی کہ چونکہ جرمنی سے آج چین کو فوج روانہ ہونے والی ہے مجھے گورنمنٹ نے اسلئے بلایا تھا کہ میں فوجی افسروں کو وہ قاعدے سمجھا دوں جن سے وہ برلن اور چین کے وقت کا فرق معلوم کرسکیں اسلئے میں نے اپنے ہسبنڈ (شوہر) کو ٹیلیفون کے ذریعے سے خبر کردی تھی کہ وہ مہمان

ٹیلیفون کا آرام

کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے جلدی پہنچ جائے۔ ان ملکوں میں ٹیلیفون بڑے آرام کی چیز ہے۔ شہر کے جس حصہ میں کوئی شخص ہو ایک دم میں ہر دوسرے حصہ کے لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے۔ میں اخبار لوکال انسائیگر کے دفتر سے جب بذریعہ ٹیلیفون پروفیسر کو اپنے آنے

کی اطلاع بھیجی تھی تو پروفیسر رصد گاہ میں نہ تھا۔ وہاں سے اسکے کلرک نے اپنی ٹیلیفون سے کسی دوسری جگہ اطلاع دی - اور پروفیسر نے کہلا بھیجا کہ میں تھوڑی دیر میں رصد گاہ میں پہنچ جاؤں گا۔ اگر کوئی شخص مکان سے جانیسے پہلے اپنا پتہ تبلا جائے تو بذریعہ ٹیلیفون ہر جگہ اس سے بات چیت ہو سکتی ہے - پروفیسر کی بیوی کے علاوہ ان کے ساس اور خسر اور ایک اور دوست اور اسکی بیوی تھے جن کی نئی شادی ہوئی تھی اور انگلستان سے یہاں ہنی مون منانے آئے تھے - لیڈیاں مجھ سے تعجب سے پوچھتیں کہ کیوں ہندوستان میں خاتونیں پردہ میں رکھی جاتی ہیں - اور کہتیں کہ پھر گھر کا سودا سلف کون خریدتا ہوگا اور انتظام امور خانہ داری کون کرتا ہوگا - ایک جنٹلمین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ اچھے کپڑے اور خرچ کرنے کو روپے بھی نہیں مانگتیں -

برلن کے اخبارات

ہاں یہاں کے اخبارات کا بھی تھوڑا سا حال سنانا مناسب ہے - میں اول درجے کے چند اخبارات کے اڈیٹروں سے جاملا اور چند دوسروں سے بوجہ عدیم الفرصتی نہیں مل سکا کہ جنہوں نے مہربانی کرکے مجھ سے ملنا منظور کیا تھا - میں نے ایک روز اول درجے کے پانچ چار اخبارات کے اڈیٹروں کو ملاقات کے خط لکھ دئے تھے قریب قریب سب کے جواب دوسرے دن تک پہنچ گئے - یہاں کا سب سے بڑا اخبار لوکال انسائگر ہے - افسوس ہے کہ میں اسکے اشر پاٹر نمک مالک مسٹر گبٹ شیرل سے تو نہ مل سکا کہ جس نے اپنی طباعی اور لیاقت سے ایک چھوٹا سا اخبار نکال کر آج اسکو برلن کے اخبارات میں سب سے ممتاز بنا لیا ہے - کیونکہ وہ شہر سے باہر گیا ہوا تھا - تاہم مسٹر وِنڈیک نے اپنے چیف کی غیر حاضری میں مجھے اپنا سارا کارخانہ جس کی پانچ منزلیں زمین سے اوپر اور ایک

زیر زمین بھی دکھلایا۔ شاید اس سے بعد مجھے اس سے بڑے کارخانے اخبارات کے دیکھنے کا اتفاق ہو۔ لیکن اس وقت تک یہ کارخانہ سب سے بڑا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ علاوہ دو کال انسائگر کے صبح شام کے ایڈیشنل کے خلاصہ لٹ پوسٹ "روزانہ" ۔ وہانگ رجسٹر تمام شہر کے کرایوں کا رجسٹر ہفتہ وار "دوخے" باتصویر ہفتہ وار اسی کارخانہ سے نکلتے ہیں۔ شہر برلن کی ڈائرکٹری بھی یہیں چھپتی ہے جسکے صفحے سال بھر سٹینڈنگ الماریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تھوڑی بہت اصلاح ہو کر ہر سال چھپتے ہیں۔ یہاں سات چھوٹی اور بارہ بڑی مشینیں چھاپتی ہیں۔ ہر بڑی مشین آدھ صفحہ کے اخبار دو کال انسائگر کو ۲۵ ہزار فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی۔ کاٹتی اور توڑتی ہے۔ لوکال انسائگر ہر روز سوا دو لاکھ چھپتا ہے۔ صرف ان عورتوں اور مردوں کی ایک چھوٹی سی فوج کام کر رہی تھی۔ جو اخبار گن گن کر بیچنے کو لیجا رہے تھے۔ ایک سو کے قریب وردی پوش کلرک دفتر میں تھے۔ دو تین کلرک صرف روپیہ کا کام کر رہے تھے۔ ان کے سامنے پانچ چھ ہزار روپے کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے رکھے تھے جو عجب نہیں کہ آج کی اخبارات کی فروخت کا نتیجہ ہو۔ یہ لوگ مجھے مختلف حصے دکھلاتے ہوئے اس جگہ لے گئے جہاں تصویریں بنتی تھیں۔ اور مجھے کہنے لگے کہ ہم بہت جلد تصویر بنا سکتے ہیں۔ تمکو دکھلاتے ہیں ذرہ ٹھیرے رہو۔ ایک دم میں کیمرہ لاکر انہوں نے میری تصویر کی سہ پہر کا وقت تھا۔ شام کو تصویر تیار کر کے میرے پاس ہوٹل میں بھیجدی۔ اور پشت پر لکھ دیا کہ بیادگار تمہارے اس کارخانے کو دیکھنے کے یہ تصویر دی جاتی ہے۔ اتنی جلدی فوٹوگراف لینا۔ ڈیولاپ کرنا۔ اور چھاپ کر بورڈ پر لگا کر حوالہ کر دینا بہت عجلت کا کام ہے۔ ان کے اخبارات میں جتنی

کچھ کچھ حالات چھپے تھے۔ جو مجھے بعد میں ملے۔

دم کشی کی ڈاک

برلینر ٹاگ بلاٹ جو یہاں کا اعلیٰ درجہ کا آزاد اور انٹرنیشنل اخبار سمجھا جاتا ہے اسکے ایڈیٹر ڈاکٹر لیوی ان نے میرے خط کا جواب بذریعہ اورہ پوسٹ" دم کشی کی ڈاک" کے اُسی روز سہ پہر کو بھیجدیا تھا۔ یہ طریقہ خط بھیجنے کا بھی برلن میں عجیب ہے۔ جس خط کو بہت جلد شہر کے دوسرے حصے میں بھیجنا مطلوب ہو۔ اسپر معمولی ڈاک سے دو چند محصول کا ٹکٹ چسپاں کیا جاتا ہے۔ گو ڈاک دن میں بارہ دفعہ تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اورہ پوسٹ کے خط اس سے بھی پہلے ایک نلکوں کے سلسلہ کے اندر سے بذریعہ ہوا کے زور کے پہنچائے جاتے ہیں۔ ایسے خطوں کو نلکہ میں ڈالکر جیسے مشین کی ہوا سے دھکا دیا۔ اور دم زدن میں منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں سے تار کی طرح جلدی تقسیم کردیے گئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ لنڈن میں بھی یہ طریق ڈاک کا جاری ہوگیا ہے۔ اور پیرس میں بھی۔ "پٹی بلو" (نیلا چھوٹا) کے نام سے ایک نیلے رنگ کا خط شہر کے اندر سی سُرعت سے جا سکتا ہے۔ غرض چٹھی پاتے ہی میں ۲ جولائی کو ۵ بجے

برلینر ٹاگ بلاٹ کے ایڈیٹر سے ملاقات

شام کے مقررہ وقت پر برلینر ٹاگ بلاٹ کے دفتر میں پہنچا۔ یہاں اخبارات کے دفتروں کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جو تازہ برقی خبریں دمبدم ان دفتروں میں پہنچتی رہتی ہیں انہیں فوراً چھاپ چھاپ کر دفتر کے باہر بازار میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ اور لوگ ان کے پڑھنے کے لئے ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ دفتر کے اندر ایک شخص جو غالباً لوگوں کو ہر قسم کی اطلاع دینے کے لئے ملازم ہوتا ہے اُس نے مجھے ایک کوچ پر بٹھلایا۔ اور خود میرا مطلب پوچھ کر

چیف ایڈیٹر صاحب کو بتلانے گیا۔ ڈاکٹر لیوی بن اپنے کمرے سے باہر نکل کر مجھے اندر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ انگریزی کسی قدر تکلف سے اور فرانسیسی سہولیت سے بول سکتا تھا۔ اس وقت اسکے سامنے پروف پڑا ہوا تھا جسے وہ دیکھ رہا تھا۔ مگر اسکے ماتحت نصف درجن سے زیادہ نائب ایڈیٹر تھے۔ اور دائیں ہاتھ کی طرف میز پر ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ کچھ اور کاغذات بھی میز پر بکھرے پڑے تھے۔ میں نے معذرت کی کہ بلا کسی خاص کام کے میں نے آپ کا ہرج کیا ہے۔ کیونکہ میں روزانہ اخبار نویسی کی مصروفیت سے کسی قدر واقف ہوں۔ ڈاکٹر لیوی بن نے مجھ سے ہندوستان کی سوشل اور پولیٹکل امور کے متعلق کئی سوالات کئے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ پنجاب افغانستان کی سرحد سے ملحق ہے تو پوچھا کہ کیا میری رائے میں ہندوستان کو روس کے حملہ کا اندیشہ تو نہیں۔ اور امیر کا میلان کدھر ہے۔ میں نے کہا روس کے لئے افغانستان سے ہندوستان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔ اور چونکہ افغانوں کو روسیوں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے وہ اُن کے طرفدار نہیں ہو سکتے پھر ہندو مسلمانوں کی آبادی اور گورنمنٹ سے رعایا کے تعلقات پر گفتگو کی اور جب میں نے سمجھایا کہ کانگریس والے وہی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں جو کسی سلطنت میں فریق مقابل گورنمنٹ (opposition) ادا کرتا ہے تو اُس کا ظن رفع ہوا کہ رعایا سرکار سے ناراض نہیں۔ میرے پاس پیسہ اخبار کا نمونہ موجود تھا۔ چیف ایڈیٹر اُسے دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اُس کی قیمت کی ارزانی و تعداد اشاعت دونوں باتوں کو پسند کیا۔ بلکہ مجھ سے وہ پرچہ لے لیا۔ اور اپنے دوسرے روز کے اخبار میں میری ملاقات کی کیفیت مع پیسہ اخبار کے ایک کالم کے فوٹوگراف کے چھاپ دی۔

پیسہ اخبار کی قیمت کی ارزانی

اثنائے گفتگو میں جب میں نے اُس کے سوال کے جواب میں کہا کہ برلن عمدہ شہر ہے اور قوم جرمن میں بسمارک ہمبولڈٹ اور شاتن جیسے لوگ گذرے ہیں کہ جن کے بُت شہر میں جابجا نصب ہیں تو اُس نے کہا کہ جب تم لنڈن کو دیکھو گے تو اس سے زیادہ پسند کرو گے کیونکہ انگریزوں کی شائستگی زیادہ قدیم ہے اور ان کے عجائبات کے ذخیرے ہم سے بڑے ہیں۔ مگر ان تک پہنچنے میں تو میرا کارڈ کئی ہاتھوں اور دوسرے آدمیوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہا تھا لیکن جب میں ان کے سیکنڈ سٹنگ روم میں پہنچ گیا۔ اور ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ تو پھر یہ دروازے تک چھوڑنے آئے۔ بلکہ اس سے بھی باہر آکر باہر کے دروازے تک اڈیو کہہ کر چھوڑ گئے۔ اڈیو بمنزلہ خداحافظ ہے جو جرمنی اور فرانس میں یکساں مروج ہے۔ اور قسطنطنیہ میں بھی اسکا عام رواج ہو گیا ہے میں نے اکثر اہل اخبارات کو آسٹریا و جرمنی میں خلیق پایا ہے۔ اخبارات یہاں کے بڑا رسوخ رکھتے ہیں۔ بلحاظ دولت کے بھی بڑے بڑے تجارتی کارخانے ہوتے ہیں۔ ہر کارخانہ میں روزانہ قیمتوں کے روپیوں اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اسلئے ان کی کاؤنٹنگ ہوسوں پر بنکوں کا شبہ ہوتا ہے۔ روزانہ اخبارات کے دفتروں کے باہر دم بدم تازہ تار برقیاں چسپاں ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں جنہیں عام لوگ آکر پڑھتے ہیں اسلئے اخبار کے دفتروں کے دروازوں کے آگے لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ مزدور گاڑیبان۔ چپڑاسی فروش کوچے صاف کرنیوالے غرض سب لوگ لکھے پڑھے ہیں۔ اسلئے شائستگی کا لوگوں کی طبائع پر بہت بڑا اثر معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم نے تعصبات اور جہالت کے عیوب کو دور کر دیا ہے۔ لوگ ہر دم ترقی کرنیکے نئے منتر کرتے ہیں اور چونکہ علوم بہرہ یاب ہوتے ہیں ہر روز نئی کلیں اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایسی کلیں کہ جنہیں کام کرتے دیکھ کر

تعجب آتا ہے یہ سب کچھ کا اجر ہے بلا محنت اور کوشش کے کبھی عزت نہیں مل سکتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے ؎

بقدر الکد تکتسب المعالی — ومن طلب العلی سہر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللآلی — ویحظی بالسیادۃ والنوال
ومن طلب العلی من غیر کد — اضاع العمر فی طلب المحال

برلن کی دکانوں میں مال تجارت

بڑی بڑی فیکٹریاں گو شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہیں لیکن ان کے شو روم شہر میں جابجا واقع ہیں جو نہایت دلکش ہیں اور کارخانوں کے مال و اسباب کے ذخیروں سے بھرے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں دیکھکر تعجب ہوا۔ تھا کہ سوچو تو ترقی یافتہ شائستگی نے انکی ضروریات کس قدر بڑھا دی ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزوں کی ضروریات کا حصر نہیں ہوسکتا۔ صرف بچوں کے کھلونے سینکڑوں بلکہ ہزاروں قسم کے ہوتے ہوں گے اور چونکہ ان لوگوں میں دولت بہت زیادہ ہے یہ کھلونے بھی بڑا دام پاتے ہیں۔ جست اور نکل چاندی کا ایک نیا مرکب ایجاد کر کے برتن بنائے جاتے ہیں جسے سلور پلیٹ کہتے ہیں۔ اس کے ظروف بہت خوبصورت تھے۔ ایسی ہی ہر قسم کی چیزیں سونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ قیمتی جواہرات کے زیورات و اقسام کے نمونے بنائے جاتے ہیں تاکہ سستے بیچکر لوگ انہیں بھی خریدیں جنکے پاس ایک فرزین کا سب قیمتی جواہر نہیں ہو وہ اسکی فرزائی کا بھی رنگینی سے بہرہ ور ہو جائے۔ یورپ اور امریکہ میں دولت اور تجارت کی ترقی نے ایک نئی قسم کی دکانیں پیدا کی ہیں جنہیں سٹور کہتے ہیں اور جن میں دنیا کی ہر چیز ایک جگہ فراہم کرکے بیچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لندن میں وائٹلی کی اسی قسم کی دکان ہے جو یونیورسل پرووائیڈر کہلاتا ہے اور جس کا تفصیلی حال اپنے موقع پر آئے گا۔ پیرس میں لوور اسی قسم کی دکان ہے کہ جس میں تمام دنیا کی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ امریکہ میں ایسی

بھی دکانیں ہیں ۔

برلن کی سب سے بڑی دوکان - اسی قسم کی ایک دکان برلن میں بازار لیپزگر میں
بھی میں نے دیکھی۔ اس کا نام ورتھیم ہوس ہے وسط بازار میں ہے۔ یہاں کس کس قسم
کا مال تھا اس کی تفصیل محال ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اہل برلن کی روزمرہ
ضرورت کی کوئی چیز نہ ہوگی جو یہاں نہ تھی۔ گو یہ مکان بڑا وسیع تھا لیکن ابھی
ساتھ کے مکانات اس کے ساتھ ملا کر اسے اور وسیع کر رہے تھے۔ اور اس
مکان کی چھت آئینہ کی تھی۔ بیچ میں ایک بہت بڑا صحن تھا اور دونوں
طرف مکان میں تین تین منزلیں مال و اسباب سے بھرا ہوا تھا۔ گو اس میں تین
چار جگہ سیڑھیاں تھیں مگر دونوں پہلوؤں پر دو لفٹ لگے ہوئے تھے جو
ہر وقت گاہک عورتوں کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر لانے لیجاتے
رہتے تھے۔ گاہک زیادہ تر بلکہ قریب قریب سب عورتیں تھیں۔ اور اسی لئے
دکان کے ملازم بھی تمام عورتیں تھیں جو دو تین سو سے کم نہ ہونگی۔ میں اپنا
رفیق تمام دکان کے تینوں منزلوں میں ہر طرف پھرے مگر کسی نے نہیں ٹوکا
کہ کیا لینے آئے ہو۔ ہر قسم کے سامان کا جدا شعبہ تھا اور ہر شعبہ میں اس
قسم کا مال بکثرت تھا۔ ہر جگہ ایسے زیادہ بیچنے والی عورتیں بڑی مستعدی
سے مال بیچ رہی تھیں۔ یہاں دستور بھی دوکانوں سے جدا ہے اس وجہ سے مال
ارزاں بیچا جاتا تھا کیونکہ یہاں ہر قسم کا مال بڑی مقدار میں خریدا جاتا تھا
دوکان کے مالک دوسرے دوکانداروں کی نسبت بہتر خرید و فروخت کا طریقہ
دیکھنے کے لئے میں نے برلن کے قابل دیدنی مقامات کی ایک البم خریدی۔
جس کی قیمت ایک مارک دو آنہ تھی۔ بیچنے والی عورت نے بڑے اخلاق
سے اس کی آخر تصویریں الٹ کر دکھائیں۔ لیکن جب میں نے اس کی قیمت
دینی چاہی تو اس نے نہ لی۔ بلکہ ٹکٹ دیکر ایک دوسری میز تک
ہمیں لے گئی۔ جہاں ایک دوسری لڑکی نے قیمت وصول کر لیا اور ایک تیسری نے کے

کتاب میں چڑھا کر قیمت وصول کی۔ اور مجھ سے اس البم کو ایک کاغذ میں اچھی طرح پیکٹ باندھ کر ہاتھ میں لٹکا لے جانے کے لئے ڈور باندھ دیا۔ جبکہ میں وہاں تھا تخمیناً دو اڑھائی ہزار کے البم ایک وقت کا اب اس دوکان میں ہونگے اسی سے اس دوکان کے روزمرہ سود کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لاہور کے ریشم کی قیمت

لاہور میں کئی سوداگر ریشم کا کپڑا بننے والوں کے ہیں کسی زمانہ میں ان کے بنے ہوئے کپڑے کی بڑی قدر تھی اور ایران کے گلبدن اور چادریں بہت پسند کیا جاتا تھا لیکن جب سے چین کا بنا ہوا ریشم کا سستا مال آنا شروع ہوا پھر یہ قدر جاتی رہی۔ لیکن اگرچہ ان کی کساد بازاری ہو چکی ہے۔ مگر پھر بھی ہندوستان میں ہر جگہ لاہوری ریشم اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اور مضبوط بھی بہت ہوتا ہے میں ان ریشم بنانے والوں کی بہبودی کے خیال سے اس ریشم کے نمونے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ اور میں نے لندن میں ان کے سوداگروں کو دکھلانے کی کوشش کی۔ اور ایک ایجنٹ کے ساتھ ریشم کا کپڑا بیچنے والے دوکانوں پر گیا مگر افسوس ہے کہ مجھے برلن میں ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی یہاں لوگوں نے لاہور کے ریشم کے نمونوں کی نسبت کہا کہ یہ صاف بنے ہوئے نہیں ہیں اور زیادہ قیمت کے ہیں۔ جو اچھے بنے ہوئے ہیں وہ گراں ہیں۔ اور جب جرمنی میں لوگ اور ان ریشم خریدنے کے عادی ہیں۔ جو جرمنی یا دیگر ممالک کے ملوں سے آتا ہے بلکہ جاپان اور چین سے بہت سستا ریشم جرمنی میں آتا ہے جس کے چند سال قبل ایک جرمن سوداگر نے ہزار اتھان بمبئی کو بھی روانہ کئے تھے اور ہوا گمنام۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ جرمنی میں اب تک دستور ہے کہ غریب دہقان اور کسان جب کھیتی باڑی کرتے ہیں اور جاڑوں میں چونکہ بوجہ سردی کی شدت کے بیکار رہتے ہیں۔ تو یہ ریشم کا کپڑا بنا کرتے ہیں تاہم ان لوگوں نے لاہور کے ریشمی کپڑے کی مضبوطی کو پسند کیا۔ مگر کہا کہ گاہک

اندازں کپڑا خریدنے کے عادی ہیں۔ بیس سال پہلے برلن میں ایسا بھدا ریشم پہنا جاتا تھا۔ اب لوگ زیادہ نزاکت پسند ہو گئے ہیں۔ پردوں کے لئے بھی زیادہ گراں تھا۔ ایک شخص نے صلاح دی کہ اگر قیصرۂ جرمنی ایک لباس اس ریشم کے کپڑے کا پہن لے تو تمام فیشن ایبل سوسائٹی میں اس کا رواج ہو جائے۔ ایک شخص نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک ہندوستانی اپنے ملک کے مال کے نمونے جرمنی میں لایا ہے۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہے ؎

گل آورد سعدی سوئے بوستاں
بشوخی فلفل ہندوستاں

چونکہ فرانس میں اب تک بافت ریشم دستی کارگاہوں میں کیا جاتا ہے۔ اور لاہور کے ریشم سے سستا ہوتا ہے اسلئے ان کی موجودگی میں لاہور کے ریشم کے بکنے کی صورت نہ پیدا ہوئی۔ البتہ قسطنطنیہ اور بیروت میں اسے بہت پسند کیا گیا۔ اور بعض سوداگروں نے کچھ نمونے کے تھان لینے بھی منظور کئے۔ بصرف رنگ اور کپڑے کے عرض میں کچھ اصلاح چاہتے تھے۔ گو لاہور کے ریشم بننے والوں کو میری محنت سے اب تک تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ مگر اتنی بات کا مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کوئی شخص جو مجھ سے زیادہ وقت اس کام پر یورپ کے سوداگروں میں صرف کر سکتا ہو وہ ضرور لاہوری ریشم کی بافت فروخت کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہندوستانی بچے [illegible] کی جیسا کہ ہوشیارپور وغیرہ مقامات میں بنتی ہے۔ یہاں [illegible] تھی۔ اور ایک سوداگر نے بڑی خواہش سے مجھ سے اس کا پتہ پوچھا تھا۔

برلن کے قہوہ خانے

برلن کی زندگی پوری نہیں ہو سکتی جب تک وہاں کے قہوہ خانوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ [illegible] کے نیچے کی منزل میں ایک عظیم الشان قہوہ خانہ تھا جس میں صبح ۹ بجے سے رات کے ایک دو بجے تک ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا [illegible] وقت بھی [illegible] لینے کی نعمت

دلی تھی۔ یہی حال اور قہوہ خانوں کا میں نے دیکھا جہاں کہیں کہ میں گیا۔ شہر کے اندر اور نواح شہر میں ہزاروں قہوہ خانے تھے اور یہاں کے لوگ کچھ ایسے بلا خور ہیں کہ کسی وقت قہوہ خانے والے فارغ نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک روز ایک صاحب بوئر Baue قہوہ خانہ میں مجھے لے گئے۔ برلن میں یہ قہوہ خانہ بڑا تاریخی مکان مشہور ہے۔ یورپ اور جرمنی کے بڑے بڑے نامور لوگ یہاں قہوہ پینے آتے ہیں۔ اور یورپ میں اس کا نام خود برلن کی طرح مشہور ہو گیا ہے۔ دنیا کے ہر ملک کا اخبار اس قہوہ خانہ میں منگوایا جاتا ہے جو اخبار برلن میں اور کسی جگہ نہ آتا ہو گا وہ یہاں سے ملے گا۔ یہ قہوہ خانہ تمام رات کھلا رہتا ہے اور مالک اس سے لاکھوں روپے پیدا کر چکا ہے۔

برلن میں ٹپ کا رواج اور ٹپ کا ان میں اس قدر رواج ہے کہ ان میں سے بہت سے بلا تنخواہ صرف اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔ نواح شہر کے ایک قہوہ خانہ میں میرے ایک جرمن دوست نے قہوہ پینے کے بعد جب ویٹر کو ٹپ دیا تو میں نے اُسے کہا کہ یہ بڑی قبیح رسم ہے۔ بہتر ہو اگر قہوہ خانوں کے مالک چیزوں کی قیمتیں بڑھا دیں جو پہلے بھی کچھ کم نہیں۔ اور اپنے ملازموں ویٹروں وغیرہ کو بھی گرہ سے تنخواہ دیا کریں۔ اس نے کہا یہ تمہارا ہی خیال نہیں۔ یہاں کے اخبارات نے بھی اس بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور کئی لوگوں نے اس طریقہ کو برا کہا ہے۔ بلکہ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں خود ویٹروں نے برلن میں ایک کانفرنس کی تھی اور اس میں اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے تھے کہ ہمیں یہ طریقہ تنخواہ کا پسند نہیں کیونکہ [illegible] ذلت کا طریقہ دنیا میں اچھا نہیں ہوا [illegible] میرے دوست نے کہا فرانس میں سب سے ٹپ کا طریق اور بھی زیادہ مروج ہے کہ جہاں سے برلن میں آیا ہے اور پیرس کا منیجر یہ ہے کہ کھانے کی قیمت کا دسواں حصہ ویٹر کو دیا جاتا ہے لیکن پیرس میں ویٹر اس پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ویٹروں کے قمیص اور کالر

ایسے ہی صاف اور کوٹ ایسے ہی قدرے سیاہ ہوتے ہیں کہ جیسے شلیتوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ان پر سفید کوٹ اور اوپر سفید تہ بند باندھ لیتے ہیں تاکہ دوسرے نوکروں کی بھیڑ میں تمیز ہو۔ جب ایک ترکی نے ریسٹورانٹ میں ٹپ منع تھا لیکن یہاں بھی جب بہت رفیق نے دیا تو فادر نے بلا تامل لے لیا۔

عورتوں کا کام

برلن کے ہوٹلوں اور دوکانوں میں کس قدر عورتیں نوکر دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کی آبادی تو اس سے نصف آدمی کام کرتی ہے کیونکہ سب عورتیں گھروں کے اندر بیکار رہتی ہیں۔ سوائے ان معدودے چند کے جو کھیت کیاروں کے کام میں اپنے شوہروں کو مدد دیتی ہیں۔ حالانکہ یہاں کے کاموں سے اگر سب عورتیں نکال دی جائیں تو سب دروازے بند ہو جائیں مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صرف کنواری یا بیوہ عورتیں ہی ملازمت کرتی ہیں متاہل عورتیں گھروں میں رہتی ہیں۔ اور یہی وہ عورتیں ہوٹلوں میں جہاز اور یا تفریح کے مقامات میں مردوں کے ساتھ چائے پیتی دیکھی جاتی ہیں۔

[illegible]

آج تک مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک بڑے رسٹورنٹ میں جہاں میں جاتا یہ سمجھ کر کہ یہ یہودیوں کے کسی رسٹورنٹ کا کھانا ہے جاتا تھا۔ لیکن چھ سات روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ یہودیوں کا ہوٹل نہیں ہے۔ بلکہ عیسائیوں کا ہے تو مجھے اپنی غلط فہمی پر بڑا افسوس ہوا اور فوراً وہیں سے بھاگ کر یہودی ہوٹلوں کو بھی دریافت کرنے کی خواہش ہو گئی۔ سچ ہے یورپ میں پہنچ کر جو تکلیف ہوئی وہ صرف کھانے کے متعلق تھی۔ ہمارے اور یورپ کے کھانوں میں اس قدر زیادہ فرق ہے جس قدر کہ خود ہمارے اور اہل یورپ میں ہے۔ عجیب طرح کے بے مزہ اور بے رنگ اور بے نمک گوشت اور ترکاریاں پکاتے ہیں کہ جنہیں پھینک دینے کو جی چاہتا ہے نہیں بلکہ کھانا دیکھ کر رونا آتا ہے۔ گوشت کھانے کی نسبت سے اپنے ملک میں بھی بہت سے خیالات نرالے ہیں۔ میں سب سے پہلے

کھا کھا سکتا ہوں۔ لیکن زیادہ مرغن یا چربی والے یا ٹھنڈے گوشت
نہیں کھا سکتا۔ لیکن یہ سب جیسے ہیں، خصوصاً مجھے کھانی پڑیں کبھی
سوڈا منگواتا تو وہ شکر کی طرح میٹھے نکلتے۔ بلکہ ساگ شکر میں پکا ہوا میں نے
کھایا ہے۔ شوربوں میں آٹا اور شکر کیا کیا ملاتے کہ مزہ سے مرتا ہو جاتا۔ پینے
کی وقت صرف اسلئے خاک ڈالتا کہ کھانا مرغوب نہیں ملتا تھا۔ غرض سارا
کھانے کا معاملہ کچھ سے بے شکل اور کچھ عادت کی بات تھی۔ تدبیروں سے نہیں
بدل سکتی تھی۔

یہودیوں کا ذبیحہ

یوں تو یہودیوں کے یہاں بھی کھانے ویسے ہی بے رنگ
اور بے نمک ہوتے ہیں لیکن ذراں کھانے کی ترغیب تھی کہ ان کے
یہاں مسلمانوں کیطرح سور کا گوشت حرام سمجھا جاتا ہے اور ذبیحہ وہ مسلمانوں سے
بھی زیادہ احتیاط سے کرتے ہیں۔ اسلئے یہودیوں کے ریسٹورانٹوں اور
ذبیحہ کا تھوڑا سا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تمام یورپ بلکہ جس ملک میں
یہودی رہتے ہیں۔ خواہ بود و باش زبان اور لباس کی ہر ایک ظاہری طرز
میں وہ اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے مشابہ ہو گئے ہوں لیکن ذبیحہ کھانے
کے وہ بڑے پابند ہیں۔ ان کے دوکانوں اور ریسٹورانٹوں پر عبرانی زبان
کے یہ حروف כשר لکھے ہوئے ہوتے ہیں جن کا تلفظ کوشر یعنی
ذبیحہ ہے۔ صرف شہر لنڈن کے ویسٹ اینڈ کوچہ میں ڈیڑھ سو گوشت
قصابیوں کی دکانیں ہیں۔ یہودیوں میں ذبیحے کی اس قدر احتیاط کیجاتی
ہے کہ ان کا ذبح کرنے والا عالم یا امام کئی سال تک ذبح کرنے کے
علم اور فن کو سیکھ کر امتحان دینے کے بعد پیشہ ذبیحہ جانوروں کے
کاٹنے کی اجازت پاتا ہے۔ جو ذبح کرنے والی چھری کی دھار کو بڑی صفائی
سے تیز رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہفتہ میں دو چار دفعہ اور بڑے بعض بڑے
مذہبی افسر آکر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اگر چھریاں ذرا بھی کند ہوں تو ذبح

کرنے والے عمل کو سزا دی جاتی ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ کم از کم تکلیف سے جانور کی روح فنا ہو۔ ذبح کرنے سے پہلے ایک دعا پڑھی جاتی ہے اور ذبح ہو چکنے کے بعد بھی گوشت کو بڑے غور سے دیکھا جاتا ہے۔ جانور کی شکل کا اگر اس میں کوئی قصور رہا یا عام صحت میں کوئی نقص پایا جاوے تو ذبح ہوا ہوا جانور یہودیوں کو کھانے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ مثلاً ۱۸۹۸ء کی آخری ششماہی میں صرف لنڈن میں ۱۱ ہزار یہودیوں نے ذبح کی تھیں ان میں سے ۵ ہزار رد کی گئیں جو عیسائیوں نے کھائیں۔ غرض یہودی ذبیحہ کھانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور سوئٹزرلینڈ میں جہاں کے قانون کے مطابق وہ اپنے رسوم کے ساتھ ذبح نہیں کر سکتے وہ وہاں دوسرے ملکوں سے ذبح ہوا ہوا گوشت جس پر ذبیحہ کی مہر لگی ہو منگوا لیتے ہیں۔

ٹوپی اور پگڑی کا اثر میں سفر یورپ کے تمام مدت میں ترکی ٹوپی ہی پہنے رہا ہوں مگر لنڈن وغیرہ شہروں میں بعض اوقات مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ ایک انگریزی ٹوپی خرید کر پہن لوں۔ لیکن مجھے ضرورت معلوم نہ ہوئی۔ البتہ کبھی کبھی جب زیادہ سردی معلوم ہوتی تو میں پگڑی باندھ لیتا۔ چنانچہ برلن میں پانچ چار روز میں نے پگڑی بھی باندھی۔ جو کچھ تو سردی کی وجہ سے تھی اور کچھ اس خیال سے کر دیا اور برلن میں ہر وقت بعض لوگوں نے مجھ سے ترکی زبان میں گفتگو کرنا چاہی۔ سادا ہوئے۔ بعض لوگ عربی میں بھی مجھے مخاطب کرتے۔ کوال سٹائیکن ہیمبر ہیکنٹ کا کلرک عربی میں گفتگو کرتا تھا۔ میرے دل میں تھوڑا سا یہ بھی خیال گزرا تھا کہ کسی جاننے والے کو شاید اتنی بات یاد ہے کہ کوئی ہندوستانی بھی گھر سے باہر نکلے ہیں یا کوئی اور میرا ہمسایہ کا ہندوستانی کہیں سے مجھے دیکھنے کو پہچان سکے۔ مگر وہاں کے لوگ خصوصاً عورتیں اور بچے ترکی ٹوپی کو عجب لباس خیال کرتے تھے اور کبھی راہ چلتے اشارے کرتے جاتے تھے اس ٹوپی اور پگڑی سے مجھے کسی قسم نقصان بھی ہوا کہ کبھی

لوگوں کا ٹکٹی والوں اور مزدوروں وغیرہ نے مجھے نیم وحشی سمجھ کر مجھ سے اپنے حق سے زیادہ پیسہ تقاضا کر کے لیا ۔

دستکاری کا عجائب گاہ ذکر گذشتہ سے عجائب گھر و کتب سے اتصال جنگل میں دیکھی گئے ہیں ۔ برلن کا نہایت دلچسپ عجائب گھر ہے ۔ ۱۰ جولائی بروز یکشنبہ میں مع ایک جرمن دوست کے اسے دیکھنے گیا ۔ جو آج مجھے از راہ برلن میں اپنے گھر پہچاننے کے لئے لینے آیا تھا ۔ آج ۱۲ سے دو بجے تک عجائب گھر کھلا تھا ۔ یہاں دستکاری کی کوئی فیس نہیں لیتے اور چھتریوں کی اجرت دینا لازمی ہے ۔ گو سیڑھی سے جاتے ہوئے ایک آدمی نے پارسیوں کے وسطی ایشیا کی مختلف قوموں کے مذہبی عبادات کے بت اور دیوتا موجود تھے ۔ یہیں جگن ناتھ پوری کی مشہور رتھ کی نقل اصل رتھ کے مجسم کی کمی ہوئی تھی ۔ کہ جس کے پہیوں کے نیچے قدیم زمانہ میں اہل ہنود کچل کر مرجانا موجب ثواب سمجھتے تھے ۔ میکسیکو کا ایک بہت بڑا گول پتھر جس پر وہاں کے دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں پڑا تھا جس کی نسبت خیال ہوا کہ اسے یہاں تک لاتے کس طرح ہوں گے ۔ ایک ترکی لیڈی کا موم کا بت زیورات میں کھڑا تھا جس کے ایک ہاتھ میں دیوان اور سامنے رحل پر قرآن کھلا پڑا تھا ۔ عجائب گاہ کی پہلی منزل پر پرانیوں کے برتن اور کھلونے ۔ اہل سائبیریا ترکستان اور قدیم اہل حبشہ کے قدیم و جدید شکل ضروریات پوشاکیں اور آثار تھے جس سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانہ میں اہل جرمن لاشیں جلاتے تھے ۔ بعض لاشیں بعد ازاں کے شکل کی کی محفوظ بھی رکھی جاتی تھیں ۔ اہل جرمنی رسوٹین نامی کے قدیم زمانہ کی زیورات میں بالکل اسی قسم کے ہنسلیاں گلے میں پہننے کی اور چوڑیاں بل دار جیسی آجکل پنجاب کے دیہات میں پہنی جاتی ہیں اور جنہیں "ول" کہتے ہیں رکھی گئیں ۔ ایک قسم کی ہنسلیاں چاندی کے تاروں کو رسی کی طرح بٹنے سے بنائی گئی تھیں ۔ جو

بیچ میں زیادہ اور کسی دن پر کم ہو کر ایک ہو گئی تھیں۔ اور پنجاب میں جنگل کے گلے میں جھاڑی کے دو ہار سے پہنائے جاتے ہیں ویسے معلوم ہوتی تھیں۔ ایک جگہ بھیڑو یا لنگ کے عورتوں کے زیور تھے۔ لیکن یا لنگ میں عرب گھر بنا کر کب رہے تھے؟

ان سب چیزوں کے دیکھنے سے خیال ہوتا تھا کہ انسان کی ابتدائی نسلیں اپنے سامانوں اور صنعتوں میں کس قدر ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اسی سے واقفان علم اقتصادی نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان قوموں میں کسی زمانہ میں بڑا تعلق اور ربط ضبط تھا جس سے ان کے حالات اس قدر مشابہ ہیں۔ دوسری منزل پر وحشی افریقہ کے مختلف اقوام کی ضروریات ان کی مختلف شکلوں اور قومی دیوتاؤں سے متعلق سامان کا بھاری مجموعہ تھا افریقہ کے بے شمار مختلف قومیں جس میں ایک دوسرے سے بلحاظ شکل ہی مختلف ہیں۔ بلکہ بلحاظ خیالات و عادات اس قدر متفاوت ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے بڑے بڑے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بعض قدیم قومیں جو افریقہ اور نیز امریکہ کے ہیں۔ مردوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے رکھنے کا رواج پایا جاتا ہے اور ان کے مردوں کی بیسیوں نعشیں موجود ہیں۔ ایسی وسیع نمائش گاہ پر یقیناً لاکھوں روپے خرچ کرنا پڑے ہونگے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر صیغہ میں کافی سامان اس ملک کے لوگوں کی ضروریات اور حالات کا ہے۔ وحشیان افریقہ کی ایک بہت بڑی لکڑی کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی کشتی بھی رکھی ہوئی تھی اور کئی ایک پورے قد کے مجسمے پتھر سرکنڈوں اور پھوس سے بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ تیسرے منزل میں سیلون۔ ہندوستان۔ کشمیر۔ ہمالیہ۔ برہما۔ تبت۔ سیام چین۔ جاپان کے ذخیرے تھے۔ مگر عرب و ایران کے سامان بالکل نہ تھے میرے ساتھی کو ہندوستان کی مختلف اقوام کے بتوں کی شکل و شباہت سے

میں اس قدر رعایتیں دیکھ کر متعجب ہوا۔

پنجاب کا ذخیرہ پنجاب کے متعلق ذخیرہ کافی نہ تھا۔ گو لاہور کے کیسے بازار کی آٹھ آنے والی ایک چارپائی بھی پڑی تھی لیکن اس سے لوگ یہی نتیجہ نکالتے ہوں گے کہ ہندوستانی صرف ایسی ہی چارپائیاں استعمال کرتے ہوں گے۔ ایک صادق الاخبار بہاولپور کا نمونہ سیاہ کوری کاغذ پر چھپا ہوا رکھا تھا میں نے وہاں رکھنے کے لئے پیسہ اخبار اور انتخاب لاجواب کے نمونے مع ایک سنہری لگے ہوئے مرسلہ کے جو تحفتہً میرے پاس تھا عجائب گاہ کے اعلیٰ افسر کے پاس بھجوا دیئے جس نے مجھے بعد میں شکریہ کا خط بھیجا چین اور جاپان کے زندگی کے بہت بڑے سامان جمع کئے گئے تھے اور چینیوں کے فنون اور زندگی کے مظہرات پوری طرح پر دکھلائی گئی تھیں اور آج کل باوجود شورش چین کے انہیں بہی لوگ زیادہ توجہ سے دیکھتے تھے۔ جتنی چینی مجسمے پورے قد کے بنائے گئے تھے۔ ایک جگہ ایک ماہی گیری کی کشتی اور اس کے ساتھ کئی بگلے رکھے ہوئے تھے۔ یہ بگلے چینیوں کے لئے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ خود ہی مچھلی نہ نگل جائیں ان کے گلوں میں چھلے ڈال رکھے تھے۔ چینیوں کا کشیدہ اور دیگر دستکاریاں ان کے غضب کی لیاقت ظاہر کرتی ہیں۔ ایک جگہ ہاتھی دانت کے گولے تھے جو ایک دوسرے پر خلاف سطح چڑھے ہوئے تھے یعنی کہ ایک ہی بڑے ٹکڑے کو کاٹ کر اسی میں سے یہ سب گولے نکالے گئے تھے جو ایک دوسرے کے اندر موجود تھے۔ چوتھی منزل پر بھی چینیوں کی چیزیں اور چینیوں کی تصاویر اور اسلحہ جنگ وغیرہ تھے۔ عجائب خانوں میں جو محافظ ہوتے ہیں کیسے معقول اور مہذب تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔

عجائب گاہ سے فارغ ہو کر ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر پاٹ شام ریلوے سٹیشن سے ہم گرانڈ والا کی آبادی کو گئے۔ جہاں قریب ہی

قیصر جرمنی کے بزرگوں کا خوبصورت جنگل کئی میل کا ہے اور جہاں عین آبادی کے وسط میں پرنس بسمارک کا رونمیں بُت معہ ایک بڑے کتے کے نصب تھا کیونکہ وہ یہیں رہنا پسند کرتا تھا جرمنی کے بڑے کتے شیر کے ہم قد ہوتے ہیں۔ ریل کے سٹیشنوں پر بوجہ اتوار کے بڑی رونق تھی۔ اتوار کے دن ہر زن و مرد تفریح اور سیر میں صرف کرنا چاہتا ہے اور بہت لوگ شہر سے باہر چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ دن بھر شہر میں کام کرتے ہیں اور رات کو مضافات شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ مزدوروں کے سیزن ٹکٹ جو چھ سات میل کے حلقے کے اندر رہنے والے ہیں روپیہ سوا روپیہ ماہوار سے زیادہ قیمت کے نہیں ہوتے۔ جو درحقیقت بہت ہی نادر بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ غریب لوگوں اور مزدوروں کو ہر طرح سے سہولیت بہم پہنچائی جائے۔

ایک ہی جگہ میں مختلف طرز تعمیر کے مکانات

اس آبادی میں بڑے بڑے امیروں نے شہر سے باہر گھر بنا رکھے ہیں اور ہر گھر کی طرز تعمیر نرالی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی عمارت کی وضع رومن کسی کی گاتھک کسی کی گریک کسی کی اسلامی اور کسی کی مخلوط طرز اختیار کی ہے۔ انجنیروں اور معماروں نے اپنی عقل کو بے لگام چھوڑ کر مکانات کے نقشے بنائے تھے۔ برقی ٹریم یہاں بھی چند منٹ کے بعد گذرتی ہے۔

اطلاع کی گھنٹی

دستور ہے کہ یہاں دروازے میں ایک حلقہ یا بٹن ہوتا ہے کہ جسے دبانے سے مکان کے اندر گھنٹی بجتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دروازہ کھلوانا چاہتا ہے۔ دروازے سے گھر والوں کو پکارنے اور چلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسٹر [illegible] اطلاع دی۔ [illegible] ملاقات کرائی۔ اور بچہ میاں بیوی نے اپنے [illegible] گھر کا سامان اور کھلونے مجھے دکھلائے [illegible] لوگ [illegible]

کا سامان ایسا ستھرا اور خوشنما ہے اور ایسے سلیقہ سے سجایا ہوا ہے کہ دیکھ کر
طبیعت خوش ہوتی ہے۔ ان کے کئی کھلونوں اور چھوٹے چھوٹے سامان چلانے
کے چیزوں کی تاریخ ہے جو مجھے سنائی گئی۔ یہی کیفیت میں نے یورپ کے
مختلف ملکوں انگلستان وغیرہ میں بھی دیکھی ہے جس گھر میں میں گیا ہوں
وہیں گھر کی خانم نے مجھے کئی چینی کے برتن یا کھلونے یا اور سامان جو اُسے یا
اس کے بیٹوں یا شوہر کو کبھی تحفہ ملا ہو یا شاید پچاس سو سال سے اُن کے
کنبے کے پاس چلا آتا ہو یا کسی رشتہ دار نے کسی دور کے ملک سے تحفہ بھیجا ہو۔
دکھلایا ہے۔ ایسی چیزوں سے ان لوگوں کو بڑی وابستگی ہوتی ہے۔ لنڈن
میں ایک سال خوردہ لیڈی نے مجھے وہ کھلونے دکھائے تھے جو اُسی چار
پانچ سال کی عمر میں اسکی سالگرہوں کے موقع پر اُسے عزیزوں نے بطور تحفہ
دیئے تھے۔ ہمارے ملک میں ان باتوں کا رواج نہیں

ایک گھر میں کھانا

تھوڑی دیر کے بعد صاحب خانہ نے مجھے کھانے کے کمرہ
میں طلب کیا۔ جو خوب آراستہ تھا۔ کھانے پر بیٹھے تو پہلے پہل شوربا آیا۔ جو
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ٹرٹل یعنی کچھوے کا ہے۔ میں نے کھانے
سے عذر کیا۔ میزبان اور اُسکی بی بی نے بھی عذر کیا کہ انہیں معلوم نہیں تھا
کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ بڑے تکلف کا لذیذ اور اسی لئے گراں
قیمت کھانا ہوتا ہے۔ پھر جھینگا مچھلی کا دور آیا۔ میں نے اس کے کھانے
سے بھی عذر کیا۔ اور انڈے لے لئے۔ دو تین قسم کا گوشت اور مرغ لیا۔
ڈبل روٹی مکھن چائے چیری کا شربت پنیر پڈنگ وغیرہ۔ میوہ جات تازہ۔ مثل
چیری۔ اسٹرابیری۔ اخروٹ۔ سیب۔ اور شفتالو ناشپاتی بھی کھائے۔ معلوم ہوتا
تھا کہ میرے لئے ایک پرتکلف دعوت کی تیاری کی گئی تھی۔ ایک شفتالو
کی قیمت پچیس پینی۔ یہ ہر شے جو کہ غذا کے کمروں میں ایک ایک خانہ میں
ایک ایک بند کر کے اُس سے لائے جاتے ہیں۔ پڈنگ پر سے ہوتے ہوا م

پڑے ہوئے تھے۔ پہلے تو مغرب سے یہ لوگ نا واقف تھے اور آم کو بھی نہیں جانتے تھے۔ جب میز پر دوسرا کھانا منگوانا منظور ہوتا تو دیوار میں ایک بٹن دبانے سے باورچی خانہ میں گھنٹی بجتی اور خدمتگار خود بخود دوسرا کھانا لے کر حاضر ہو جاتی۔ ہم تین گھنٹہ تک کھانے پر بیٹھے رہے۔ مجھے میوہ جات اور کھانے کا بار بار اصرار کیا جاتا تھا جس میں میاں بیوی ایسا برتاؤ کرتے تھے جو بالکل تکلف کا معدوم ہوتا تھا۔ جب بیوی کوئی چیز دیتی تو میاں تھینکس کہہ کر لے لیتا۔ اثنائے گفتگو میں مسز ہوجر نے کئی ایسی باتیں کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی باخبر عورت ہے اور کثرت سے اخبار پڑھتی ہے۔ مسٹر ہوجر کا قول تھا کہ جرمن عورتیں پالٹکس میں دخل دینا پسند نہیں کرتیں۔ اور بہت عمدہ بیویاں ہوتی ہیں۔ البتہ اپنے شوہروں سے باتیں کرنے اور وقت بہلانے کے لئے پالٹکس سے باخبر رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ قیصر بیگم بھی اپنے شوہر کے پالٹکس میں دخل نہیں دیتی۔ گو قیصر ہر امر میں اس سے مشورہ لیتا ہے۔ لیکن وہ مشورہ سے آگے ایک قدم نہیں رکھتی اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بذات خود مصروف رہتی ہے۔"

تصویر دار کارڈ جمع کرنے کا شوق

کھانے کے بعد ہم لوگ ڈرائنگ روم میں آگئے اور یہاں میاں بیوی نے مجھے اپنی تصویروں اور تصویر والے کارڈوں کے البم دکھائے۔ تصویر والے کارڈوں کے جمع کرنے کا رواج دو تین سال سے برلن اور عموماً تمام یورپ میں بہ مرض متعدی کے پھیلا ہوا ہے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نئے نئے ڈزائن کے کارڈ چھاپے جاتے ہیں۔ ہر تاریخی واقعہ مثلاً قیصر کے بیت المقدس کی زیارت کو جانے۔ یا جنگ چین پر جرمن فوجیں بھیجنے۔ یا کسی تاریخی مقام کا خوبصورت منظر اور دلچسپ خیال کا کارڈ چھاپ دیا جاتا ہے بلکہ کرسمس کا بھی اب پوسٹ کارڈوں پر چھاپے جاتے ہیں۔ پتے کی جانب ذرا سی جگہ خالی

ہوتی ہے دوسری طرف بعض پر تو مضمون کے دو لفظ لکھنے کی بھی گنجایش
نہیں ہوتی لوگ ان کے مختلف نمونوں کو بڑی شوق سے جمع کرتے ہیں
کہ جس سے ڈاک کے پرانے ٹکٹ جمع ہوتے ہیں۔ بعض کارڈ ایسے
پرتکلف ہوتے ہیں کہ دو دو شلنگ قیمت پاتے ہیں۔ لوگ اپنے دوستوں
سے وقت رخصت کہتے ہیں کہ جس شہر سے گذرو وہاں سے با تصویر کارڈ ضرور
ڈاک میں بھیجنا۔ اسی اثنا میں رات کے گیارہ بج گئے۔ اور ان لوگوں نے
مجھے بڑے تپاک اور مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ میرے اظہار
شکر گذاری پر صاحب خانہ کی بیوی نے کہا کہ چونکہ مسافر کا وقت مقیم کی
نسبت زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اور بھی آپ کے قدم رنجہ
کرنے کے زیادہ شکر گذار ہیں۔ یہاں سے ایک میل پر دوسرا
ریلوے سٹیشن تھا۔ یہاں مجھے میرا رفیق ریل میں سوار کر گیا۔ اور بتلایا
کہ آٹھویں سٹیشن پر ریل سے اتر پڑنا۔ چنانچہ میں ۱۰ بجے اپنے
ہوٹل میں پھر آ کر پہنچا۔ اگرچہ رات کے بارہ بج چکے تھے
لیکن بازاروں میں بھیڑ ایسی تھی کہ گویا ابھی سر شام کا وقت
ہے۔

ہندستانی خدمتگار کا جرمنی میں — اثناے گفتگو میں آج میزبان کی بیوی نے
کہا کہ جب ہندوستان میں مزدوری کی شرح اتنی کم ہے تو کیوں نہیں
وہاں سے بہت سے لوگ خدمتگاری کی نوکری اور دوسری مزدوریاں
کے لیے یہاں آ جاتے۔ یہاں مزدوری بہت گراں ہے۔ یہاں گھروں
میں نوکرانیاں بڑے نخرے سے نوکری کرتی ہیں۔ نوکر ہونے سے پہلے
پوچھ لیتی ہیں کہ کام کیا کیا کرنا ہوگا۔ تنخواہ کتنا ملے گا۔ اس میں بڑھنگ
کتنا ہوگا۔ اور فلاں فلاں کام تو ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ اگر نوکرانی
سے دس شلنگ کا گلاس ٹوٹ جائے اور اسے ذرا بھی چشم نمائی کی گئی۔

تو وہ جھٹ کہنے لگی کہ تمہارا کام ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تم اپنا کام سنبھالو ہم جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان سے اکثر بہت جفاکش اور ہنرمند لوگ ہوتے ہیں لیکن زبان اور رسم و رواج کی ناواقفیت اور یہاں کے لوگوں کی ناواقفی کی وجہ سے وحشت سے یہاں نہ ٹھہر سکیں۔ علاوہ اس کے ہندوستانی ابھی گھروں سے باہر جانا نہیں سیکھے۔ اُس نے کہا کہ ۱۸۹۶ء میں جو برلن میں ہندوستان کے متعلق نمائش ہوئی تھی تو اُس میں چند ہندوستانی لڑکے بھی آئے تھے۔ اس نمائش کے خاتمہ پر کئی اہل برلن نے چاہا تھا کہ ان لڑکوں کو رکھ لیں اور انہیں اپنے گھروں میں بچوں کی طرح پرورش کریں۔ لڑکے بھی یہاں رہنے کو خوش تھے لیکن ان کے والدین انہیں یہاں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اب بھی اگر کئی ہندوستانی لڑکے یہاں آئیں تو لوگ بخوشی انہیں پرورش کرنے کو اپنے پاس رکھ لیں۔ کیونکہ کئی لوگوں نے برلن میں حبشی بچے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کو اخیر حسب قانون ملک مدرسہ میں بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ آگے اُس نے کہا کہ مجھے اگر ایک بچہ ہندوستان سے گھر میں کھیلنے کے لیے منگا دو تو میں لڑکوں کی طرح نہیں بلکہ اچھی طرح رکھوں گی۔

ستھرے اور پاکیزہ مکانات

یہاں کے رہنے کے مکانات بڑے پُرتکلف اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اور یہی حال سارے یورپ کے شہروں کا ہے۔ چھتوں میں کڑیاں کہیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ صاف لکڑی یا گچ کی چھت پر خوشنما بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ بمبئی کلکتہ میں بھی کئی مکانوں کے چھت اسی قسم کے ہیں دیواروں پر بیل بوٹے والا کاغذ اور کہیں کہیں کپڑا چسپاں کیا جاتا ہے۔ اسلئے مکانات میں گرد کہیں سے نہیں آتا۔ ان ملکوں میں آندھیاں بھی آتی ہیں

پردے نہایت نفیس ریشمی - طلادار - یا چینی کانچ وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ سامان اور فرنیچر لکڑی - پیتل - تانبے - چینی اور ماربل کا ہوتا ہے۔ چارپائیاں اور بستر ایسے ہی نفیس اور آرام دہ - ہوٹلوں میں چادریں اور تکیوں وغیرہ کے غلاف بہت جلد جلد بدلے جاتے ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے سفید تولئے ہر روز بدلے جاتے ہیں۔ ہوٹلوں اور ریسٹارنٹوں میں کھانے پر صاف دھوئے ہوئے تولئے ملتے ہیں۔ ایک ویجی ٹیرین ریسٹارنٹ میں کاغذ کا رومال ملتا تھا جسکو ہاتھ منہ پونچھ کر پھینک دیا۔ گویا اس کی قیمت دوسرے رومال کی دھلائی کی قیمت سے بھی کم تھی

مضافات شہر کے کھیتوں میں جہاں سبزی ترکاری بوئی جاتی ہے کسانوں نے مختلف کیاریوں میں لکڑیاں گاڑ کر ان پر ناموں یا نمبروں کے بورڈ لگا رکھے ہیں۔ اور یہیں چھوٹی چھوٹی لکڑی کے گھر جیسے کہ ریل کے سٹیشنوں میں سگنل دینے والوں کے لئے ہوتے ہیں بنا رکھے ہیں۔ غریبوں کے بچے یہاں بھی پابرہنہ پھرتے دیکھے۔

بلجیم وغیرہ

جہاں بگشتم و درد اہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

۱۱ جولائی کو علی الصباح اٹھ کر میں نے چند خطوط شکریہ کے ان اہل لندن کو لکھے کہ جنہوں نے مجھ سے مسافر نوازی کا برتاؤ کیا تھا۔ اور مختلف مقامات کے دیکھنے اور واقفیت بہم پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔ یورپ میں میں نے دیکھا ہے کہ گرمیا صبح ساڑھے تین بجے طلوع ہو جاتی ہے تاہم عام لوگ ساڑھے سات سے آٹھ نو بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے پانچ چھ بجے اٹھنا یہاں بہت سویرا کہلاتا ہے۔

ٹپ کا سب کو شائق پایا

اب سوائے اسباب باندھنے اور ہوٹل کا بل ادا کر چکا دینے کے اور مجھے کوئی کام نہیں تھا۔ تاہم مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سر پر ابھی کام کا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ کیونکہ چلنے سے پہلے ہوٹل کے کئی ملازموں کو مجھے انعام دینا چاہئے تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ انعام یا ٹپ کا سلسلہ میرے لئے تو سفر کی ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ بلکہ میں نے جس اجنبی یا اہل یورپ سے اس مشکل میں مدد مانگی ہے سب کو اس سے نالاں پایا ہے۔ کیونکہ سفر میں ذرا سی نقل و حرکت کے لئے نہیں ٹپ دینا چاہئے۔ خصوصاً ہوٹلوں کے کئی ملازموں کو جیسا کہ میں پیچھے بیان کر چکا ہوں مالکان ہوٹل تنخواہ نہیں دیتے اور صرف مسافروں کے انعام پر ان کا گذارہ ہوتا ہے۔ اسلئے اب یہ رسم قرار

پالیسی ہے کہ مسافر ہوٹل سے رخصت ہونے سے پہلے فلاں فلاں نوکروں کو حسب حیثیت کچھ دے کر جائے۔

رخصت ہوتے وقت کس کس کو کیا کیا دینا چاہئے

پورٹر جو ہوٹل کے دروازے پر رہتا ہے۔ یہ تمہیں ہر قسم کی اطلاع دیتا ہے۔ اگر تمہیں گاڑی چاہئے تو دروازے پر کھڑے ہو کر سیٹی بجاتا ہے تو گاڑی والا آجاتا ہے۔ اگر تم نے شہر میں ٹیلیفون میں کسی شخص سے بات چیت کرنی ہو تو یہ تمہارے لئے بات کر دیتا ہے۔ اسکے پاس ڈاک کے ٹکٹ موجود رہتے ہیں قیمت لیکر تمہارے خطوں پر چسپاں کر دیتا ہے۔ تمہیں بتلا دیتا ہے کہ کس کمرے کا کیا کرایہ لیگا۔ جب تم ہوٹل میں ٹھہرے تو ٹوٹو ٹیکسیوں یا گاڑیبان کو کرایہ اپنی گرہ سے دیکر تمہارے حساب میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب تمہارے خط ڈاک میں آئیں تو فوراً تمہارے کمرے میں ایک لڑکے کے ہاتھ تمہارے پاس پہنچا دیتا ہے۔ یہ شخص سب سے زیادہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چند کہ یہ ہوٹل کا نوکر ہوتا ہے لیکن اسے ایک حبہ تنخواہ نہیں ملتی بلکہ یہ اپنی انعام کی آمدنی سے دو تین ادنیٰ ملازم ہوٹل کے لئے نوکر رکھتا ہے لیکن تمہاری چیمبر میڈ یعنی وہ خادمہ جو ہر روز جب تم کمرے سے باہر جاتے ہو۔ دوسری چابی سے جو اس کے پاس رہتی ہے تمہارا کمرہ کھول کر صفا کرتی ہے۔ منہ ہاتھ دھونے اور پینے کا پانی بھرتی ہے۔ ہر روز رومال بدلتی ہے۔ میلا پانی پھینکتی ہے۔ تمہارا بستر ہر روز بچھاتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو تمہارے کپڑے پر بٹن بھی ٹانک دیتی ہے۔ کسی دوسرے سے انعام کی کم مستحق نہیں۔ اسکے علاوہ وہ مزدور جس نے تمہارا اسباب گاڑی سے نکال کر تمہارے کمرے میں لا رکھا تھا۔ اور اب تمہارے چلتے وقت گاڑی میں لے جائیگا وہی شخص ہے جو ہر روز تمہارے بوٹ روغن کرتا ہے جو تم سونے سے پہلے اپنے کمرے کے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو۔ اور اگر تم اپنا کوٹ اور پاجامہ

بھی دروازے سے باہر کی کھونٹی پر شب کو لٹکا دو گے تو اسے ان کے بجنسہ
کر دینے میں بھی عذر نہیں۔ اسلئے یہ سب سے زیادہ انعام یا حق المحنت کا
مستحق ہے۔ اس طرح چھوٹا لڑکا جو تمہارے خطوط تین مرتبہ ڈاک میں ڈال آیا
ہے۔ لفٹ والا جو تمہیں ہر روز دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ پانچویں بلکہ چھٹی
منزل پر لفٹ کے ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ گو تنخواہ دار ہے۔ لیکن انعام
کا منتظر ہے۔ کھانے کے کمرے میں ہیڈ ویٹر ہر کھانے پر کھانے کی قیمت کے
دسویں حصے کے برابر انعام کا امیدوار ہے۔ القصہ ہر وہ امیدوار تم سے انعام
چاہتا ہے خصوصاً جس روز تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگو۔ اس لئے نا تجربہ کار
اور نو آموز مسافر کے لئے اگر وہ خرچ بھی زیادہ ہو تو یہ بڑے امتحان کا وقت
ہوتا ہے۔ ابھی تم ان سب کو ان کے حق سے زیادہ دے کر اسٹیشن کو جاتے
ہو۔ اور اپنا اسباب بک کرانا چاہتے ہو۔ تو ہوٹل سے ایک شخص کو ساتھ
لیجاؤ گے۔ جو زبان اور دستور سے آگاہ ہے۔ سٹیشن پر قلی موجود ہوتے
ہیں۔ جو اسباب گاڑی سے اٹھا کر تولنے کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ وہاں
ایک ثالث شخص اسباب تولتا ہے اور بکنگ کلرک کو وزن بتلاتا ہے لیکن
اجرت کا تم سے مستحق ہے۔ قلی گاڑی میں اسباب رکھ کر اجرت مانگے گا۔
اور جو تم سے مانگیگا لیگا۔ کیونکہ وہ جنٹلمین ہے۔ لکھا پڑھا ہے۔ جھوٹ
تھوڑا ہی بولیگا۔ اور تمہیں دھوکا تھوڑا ہی دیگا بلکہ بعض اوقات قلی سے
پوچھا جاتا ہے تمہارا حق المحنت کیا ہے۔ جو وہ بتلاتا ہے جبراً و قہراً اسے
دینا پڑتا ہے۔ ہوٹل کے ملازم کو بھی جسے تم ساتھ لائے تھے کچھ دینا چاہئے
کیونکہ اس نے تمہارا کوئی کام نہیں کیا۔ کیا وہ انعام کا مستحق نہیں ؟ کیا
اس صورت میں ہندوستانی مسافر بشرطیکہ وہ بہت زیادہ دولتمند نہ ہو۔ اگر
کسی شہر سے رخصت ہونے کے وقت عارضی دیوانگی میں مبتلا ہو جائے
تو تم اسے معذور نہیں سمجھو گے ؟ مجھے ایسے وقتوں میں ہندوستان کے

روپیہ پر جسم آتا تھا جو تھوک کی طرح یورپ میں پھینک دیا جاتا ہے اور ہندوستان میں فقیر کو دو پیسے دینے میں تامل کیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ سب مرحلے طے کرکے میں ۱۱ جولائی کو برلن سے برسلز پایہ تخت بلجیم کو روانہ ہوا۔

بڑے بڑے شہروں سے روانہ ہونے کے لئے نووارد مسافر کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ فلاں طرف کو جانے کے لئے کس سٹیشن سے کس ریل پر سوار ہوتا ہے۔ اور پھر فلاں شہر تک کونسی گاڑی ٹھرو ہے۔ بہرحال میں جس بارونق بازار فریڈرش سٹراسے میں مقیم تھا۔ اسی نام کے

پیرس کا سفر سٹیشن پر پیرس کی طرف سوار ہوا۔ یہاں مجھے ایک جرمن مل گیا۔ جس نے مجھ سے پہلی بات بمبئی کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کی۔ میں اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص بیس سال تک بمبئی میں ریلوے انجینئر رہا ہے۔ اور اب پنشن لے کر وطن میں آیا ہے۔ عمر بھر مجرد رہا ہے۔ اور اب باسٹھ سال کی عمر میں ایک بائیس سال کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ہندوستان میں سب سے بڑا عیب بچپن کی شادی ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے تو اس سے خوب عبرت حاصل کی ہے۔ تاہم یہ شخص اہل ہند کی مسکنت اور شرافت کو بہت پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جس قدر ہندوستانیوں کی قدر کرنی چاہئے انگلشمین نہیں کرتے۔ اسکی رائے میں ہندوستان کے افلاس کا بڑا باعث ہر سال بہت سا روپیہ انگلستان کو چلا جانا ہے۔ اسی کمرے میں ایک انگریز عورت تھی جو پولینڈ سے آرہی تھی اور جو کولون تک میری ہمسفر رہی۔ یورپ میں عموماً لوگ ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہیں کہ جن میں اکثر شستہ طور پر فرانسیسی کا درجہ اول اور انگریزی کا دوم ہے۔

پیسنجر ایجنٹس میں نے بمبئی سے ہی جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ریل کا ٹکٹ بھی ہمبرگ تک خرید لیا تھا۔ لیکن ویانا میں آکر میں نے برلن تک کا ٹکٹ رکھا اور باقی کے دام ٹکٹ کے دفتر سے واپس لے لئے۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ

برلن دیکھ لینے کے بعد ہمبرگ کا دیکھنا ضروری نہیں رہتا۔ جس طرح ہندوستان
اور یورپ کے اکثر مقامات میں طامس کک کا دفتر مسافروں کے آرام دہی
کے لیئے قائم ہے۔ یورپ کے مختلف ممالک میں ایسے کئی اور کارخانے
ہیں جو ٹورسٹ ایجنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ مسافروں کو ہر ریلوے
لائن اور ہر جہاز کی لائن کا ہر مقام کے لیئے ٹکٹ دے سکیں۔ مسافروں کو بتلا
سکیں کہ فلاں مقام کو فلاں راستہ سے جانا چاہیئے۔ جن مسافروں کو پاس
ان کے ٹکٹ ہوں۔ خاص خاص مقامات میں ان کے ایجنٹ ان مسافروں
کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں ان کو ٹھگا جانے سے بچاتے ہیں۔ مختلف ممالک
کے سکے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مسافروں کے خطوط جو ان کے پتہ سے آتے
ہیں انہیں دیتے ہیں۔ غرض تمام ایسے کام کرتے ہیں کہ جن سے مسافروں کو
آرام ملے۔ لیکن اکثر کاموں کا معاوضہ ان سے کچھ نہیں لیتے۔ بلکہ ان ریلوں
اور جہازوں کی کمپنیوں سے کمیشن لیتے ہیں کہ جنکے یہ ٹکٹ بیچتے ہیں برلن میں اسی قسم
کا ایک کارخانہ کارل شٹانگن کا بڑا مشہور ہے۔ جس کے مسافروں کی سہولیت
کے لیئے بہت سے مقامات کی سیاحت کے حالات چھاپ رکھے ہیں
میں نے اس کارخانہ سے برلن سے کولون و کولون سے برسلز پایہ تخت بلجیم
اور برسلز سے پیرس کا ٹکٹ دوم درجے کا قریب ساٹھ روپے کو خریدا تھا۔
لیکن جس گاڑی پر میں اب سوار ہوا تھا یہ ایکسپرس (تیز رفتار) تھی۔ اسلیئے مجھے
دو مارک کا ایک اور ٹکٹ تیز رفتاری کی خاطر خریدنا پڑا۔

اب میں تھوڑا سا اس گاڑی کا ذکر کرتا ہوں کہ جس میں میں نے یہ سفر کیا۔ یہ
گاڑی ۹۵ میٹر یا ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی۔ ہر گاڑی کے ایک
طرف ایک برآمدہ تھا۔ جس میں سے تمام ٹرین کی گاڑیوں کے مسافروں کی
آپس میں آمدورفت ہو سکتی تھی۔ ہر کمرہ جدا تھا۔ جس میں چھ نشستیں تھیں۔
گدیلے بڑے پرتکلف اور سپرنگ دار تھے اور سامانوں کے رکھنے کے لیئے بھی

جگہ بنائی گئی تھی۔ چھ نشستوں کو الگ الگ کر لی تھی۔ ان سب نشستوں کا نمبر سلسلہ وار تھا۔ جو تمہارے ٹکٹ پر گارڈ لکھ دیتا تھا۔ اور اسی طرح کمرے کے باہر دروازے پر ایک پلیٹ میں چھ نمبر لگے ہوئے تھے۔ جن سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کون کون سی نشست پر ہے۔

گاڑی میں خالی جگہوں کا حساب

ریل کے ہر کمپارٹمنٹ کے باہر ایسی تختیاں دیوار پر آویزاں ہوتی ہیں کہ جتنے آدمی اُس کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں۔ ہیں جو سیٹ رُک جاتی ہے۔ اُس کی تختی کو گارڈ اُلٹ دیتا ہے۔ اور ہر نئے سٹیشن پر جب ریل پہنچتی ہے تو گاڑی کے برآمدہ میں جا کر بلا مسافروں کو جگانے کے باہر سے ہی گارڈ معلوم کر سکتا ہے کہ اس درجہ میں کتنی جگہیں خالی ہیں۔ اور جو جگہ خالی ہے اُسپر اس سٹیشن کے مسافروں کو گارڈ بٹھلا دیتا تھا۔ اول اور دوم درجہ کی گاڑیوں میں آرام کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں تھا سوائے اسکے کہ دوم درجے کے ایک کمپارٹمنٹ میں چھ اور اول درجے کے کمپارٹمنٹ میں چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اور بقول کسے ایک جسفر کے اول درجہ میں صرف لارڈ یا بیوقوف ہی زیادہ روپیہ خرچ کر کے بیٹھتے ہونگے۔ ان گاڑیوں کے پاخانوں میں آرام زیادہ تھا۔ ایک تو لیا بھی پاخانہ جانے کے وقت ہاتھ پونچھنے کے لئے ملتا تھا۔ ایک گاڑی کے پاخانہ کے کمرے میں "پینی ان دی سلاٹ مشین" میں دس کراؤنزر کا ایک سکہ ڈالنے سے مشین ایک چھوٹا سا پیکٹ پھینک دیتی تھی۔ اس میں تھوڑا سا صابن کا برادہ۔ ایک چھوٹا سا رومال۔ اور پاخانہ پونچھنے کا تھوڑا سا لپٹا ہوا کاغذ ہوتا تھا۔ اگر دس کراؤنزر سے کم سکہ اس میں ڈالو تو یہ واپس پھینک دیتی تھی۔ یہاں عورتیں کیسی بے باکی اور الھڑپنے کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں۔ بلکہ بیگانہ مردوں کے ساتھ بھی تنہا بے فکری سے سفر کرتی ہیں عورتوں کی بے پردگی اور آزادی عام اور معمولی بات ہونے کی وجہ سے مردوں کو بھی ہر عورت کو دیکھ کر بُرا خیال نہیں گذرتا۔ مگر جن ملکوں میں پردہ کی رسم ہے

وہاں بے پردگی کے ساتھ ہی حب شہر خیال مردوں کے دل میں گذر جانا ایک سیدھی بات ہے کیونکہ الانسان حریصٌ الی ما منع ایک قدرتی نتیجہ انسانی طبیعت کا ہے۔

چلتی گاڑی میں کھانا کھانا

ریل گاڑی کے ہر کمرے میں ایک آلارم خوف یا حادثہ کا لگا تھا۔ جو صرف خوف یا حادثہ کے وقت بلانا چاہئے۔ لیکن اس گاڑی کے ساتھ کھانے کا کمرہ بھی تھا۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں نے ایک بٹن دبایا تو خدمتگار آگیا۔ اُس سے ناشتہ طلب کیا۔ وہ دو انڈے نمک و سیاہ مرچ (سُرخ مرچ یورپ میں کوئی نہیں کھاتا) قہوہ کی پیالی۔ چینی۔ دودھ۔ ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹوسٹ دو تین قسم کے دو دو لے آیا۔ اور ایک چھوٹی سی میز پر سب کچھ لا کر رکھ دیا۔ جب میں کھا چکا تو وہ سب برتن اور میز اٹھا کر لے گیا اور ڈیڑھ مارک یعنی چیرا اسکے دام اور پنجی ارسو پائی انعام لے گیا۔ آج گاڑی کے دونوں جانب کا ملک نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ حد نگاہ تک سرسبز اور خوشنما کھیت چلے گئے جن کی ہم آہنگی کہیں کہیں سُرخ رنگ بستیوں اور کھپریل کے مکانات سے ٹوٹتی تھی۔ کاشتکاروں کے مکانات کا یہاں عجیب طریقہ ہے۔ اکثر کھیتوں پر مکانات بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنکے گرد تھوڑی سی پھلواڑی اور میوہ دار درخت بھی ہوتے ہیں۔ آج کئی پون چکیاں بھی دیکھیں۔ مجھے اس سے پہلے آسٹریا میں سے گذرتے ہوئے بھی خیال ہوچکا ہے کہ یہ چیزیں مشینیں تو ہیں سہی۔ لیکن پون کیوں ہندوستانی زمیندار اور کاشتکار استعمال نہیں کرتے۔ صرف ایک مرتبہ پون چکی کا مکان اور اسکے پنکھے جڑوا لو۔ پھر اس سے مدت تک گہرائی سے پانی کھینچا کرو۔ کوئی زیادہ خرچ یا محنت درکار نہیں ہوگی۔ میرا قصد ہے کہ کسی وقت لاہور میں پون چکی تو ضرور تجربہ کے خیال سے کھڑی کروں گا۔ مگر ایک انجینیر دوست نے مجھے یہی کہا ہے کہ یہاں اس قدر ہوا نہیں ہے جو لگاتار پنکھوں کو گھما سکے۔

کارخانے کے دودکشوں کا جنگل

سہ پہر کے قریب ریل ایسے علاقہ سے گذری - جس میں ہزاروں دخانی کارخانے لوہے اور فولاد کی مشینوں - توپوں - بندوقوں - کوئلہ نکالنے اور اسی قسم کی صنعتوں کے ہیں - ایک مقام ایسن سے گذر ہوا جہاں کارخانوں کی چمنیوں کا بلا مبالغہ ایک جنگل تھا - یہ ہزارہا چمنیاں کتنا مال تیار کر کے دنیا کا روپیہ کھینچتی ہونگی - یہیں جرمنی کی مشہور توپیں اور بندوقیں بنانے کا کرپ کا کارخانہ ہے کہ جسکے آتشبار اسلحہ کے لئے یوروپ کی تمام سلطنتیں اُس کی مشکور ہیں - اور وہ یوروپ میں اول درجہ کا آدمی ہے - اس وقت جو شخص اس کارخانے کا مالک ہے - اُس کی دولتمندی کی تفصیل بیان کرنا لاحاصل ہے - مختصر کہ وہ جرمنی میں سب سے دولتمند شخص ہے لیکن یہ اُس شخص کا بیٹا ہے کہ جس نے اس کارخانے کی بنیاد رکھی اور اسکو کامیاب کیا - اس شخص کا بُت برلن کے ٹیکنیکل ہائی سکول کے سامنے نصب ہے - کہتے ہیں اپنے کارخانے سے بیس سال تک اسکو کامیابی نہ ہوئی - اور باوجودیکہ وہ بڑا مستقل مزاج آدمی تھا - تاہم اُس کی ہمت پست ہوگئی - مگر بیس سال کے انتظار کے بعد قسمت نے ہنس کر اُسکی طرف دیکھا اور یہ امیر کبیر ہو گیا - اسکا کارخانہ میلوں میں پھیلا ہوا ہے - جس کے اندر ہی لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں - قیصر ولیم اول شہنشاہ جرمنی نے اسکا کارخانہ دیکھ کر کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری سلطنت کے اندر ایک اور چھوٹی سلطنت ہے - بہرحال اس وقت تک پہلے کرپ کا وہ غریبانہ جھونپڑا بجنسہٖ اسکے کارخانہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے - کہ جس میں وہ اپنی مفلسی کے زمانے میں رہا کرتا تھا - تاکہ اسکے مزدور دیکھیں اور باور کریں کہ وہ بھی اپنی موجودہ حالت سے ترقی کر کے اتنے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتے ہیں -

مویشی کے لئے گھاس کا ذخیرہ جمع کرنا

برلن سے لیکر کولون تک تمام راستہ ایسا سرسبز تھا کہ گویا صدہا میل کا ایک مسلسل باغ تھا - گھاس بافراط تھی - اور

چقندر کے کھیتوں کی اُن کے رنگوں سے تمیز ہو سکتی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سبز کھیتوں اور درختوں کے جھنڈوں کے مابین سرخ اینٹوں اور کھپریلوں کے مکانات نظر آتے تھے۔ اکثر مکانات کے ساتھ خواہ تھوڑی جگہ ہو لیکن پھلواڑی اور ترکاری کے لئے بغیچے ہوتے تھے۔ میلوں میں گھاس کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں عورتیں اور مرد لمبی درانتیوں سے کھڑے ہو کر گھاس کاٹنے اور اُسکے خشک کرنے میں مصروف پائے۔ قدرتاً مجھے توجہ ہوئی کہ کیوں اس قدر گھاس جمع کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ممالک میں صرف موسم گرما کے چھ مہینے ہی یہ سرسبزی اور فصلیں اور درختوں کا رنگ روپ رہتا ہے۔ سرما میں نہ صرف درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ بلکہ زمین پر ایک تنکا مشکل سے اُگتا ہے۔ زمین پہ مہینوں برف پڑی رہتی ہے مویشی ساروں کے مہینوں گرم اور تاریک اصطبلوں کے اندر بند رہتے ہیں۔ اور سورج کی شعاع نہیں دیکھتے۔ اس لمبے زمانے کے لئے جانوروں کو کس قدر چارہ چاہئے کہ جس کا ابھی سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جس توجہ سے کسان اپنے لئے غلہ بوتا ہے۔ اسی سے اپنے جانوروں کے لئے چارہ بوتا ہے کہ جسے ہے (Hay) یعنی گھاس کہتے ہیں۔ اِسے کاٹ کر خشک کیا جاتا ہے۔ اور انباروں میں بھر کر رکھا جاتا ہے۔ چونکہ سورج یہاں ہمیشہ نہیں نکلا رہتا۔ اِسلئے انگلستان میں ایک مثل ہے :۔

Make hay while the sun shines یعنی جب تک آفتاب چمکتا رہے گھاس خشک کر لو۔ یعنی موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ ہندوستانی ایسی موقع پر کہا کرتے ہیں۔ "بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو" گھاس جمع کر رکھنا یہاں انکیں ضروری ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں مویشی اس قحط سالی میں مر گئے اور مر رہے ہیں۔ مگر وہاں بھی گھاس مہیا کرنے اور اسکو انبار میں جمع رکھنے کا دستور جاری ہوتا۔ تو اس سے تکلیف کم ہوتی۔ گو بارش

نہ ہونے سے بڑی تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ ہندوستان میں
سال کے ہر فصل میں کچھ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلئے بخلاف ان ممالک کے
وہاں کے باشندوں میں وقت ضرورت کے لئے پس انداز کر رکھنے
کی عادت بھی نہیں۔ حالانکہ ان کے ملک میں یہ بہت بڑی خوبی اور خدا
کی ان پر بہت بڑی مہربانی ہے۔ مگر انہوں نے اسکو بقول ع اے مشفق
طبع تو بر من بلا شدی۔ اپنے حق میں زحمت بنا رکھا ہے۔ یہاں میں نے
جتنے گھوڑے ہر قسم کی گاڑیوں کے آگے جُتے ہوئے دیکھے ہیں۔ اور جتنے
بیل اور گائیں کھیتوں میں دیکھی ہیں۔ نہ صرف قدوقامت میں بڑے ہیں
بلکہ بہت موٹے تازے اور پلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
انہیں چارہ کی کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ گھاس کا بیج مل سکتا ہے میں ہندوستان
کے اکثر بارانی ملک کسانوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ بیج گھاس بونے اور خشک
کر کے رکھنے کا ایک دفعہ ضرور تجربہ کریں۔ کئی گھاس یا سا رگون جوہی یا لونگی
قسم کے گھاس ہیں جو تخم سے بونے جاتے ہیں اور خوب پھیلتے ہیں۔ انہیں
کاٹ کر کھیت میں دبا کر یا خشک کر کے رکھا جائے تو جانوروں کو بڑا آرام رہیگا

گرم ہند و سرد ملکوں کی خوش نصیبی کا مقابلہ

مجھے یورپ کی سرسبزی اور دولتمندی۔ باشندوں کے انکے
رنگ کی سفیدی اور طاقت کی ترقی دیکھ کر بارہا خیال
ہوتا تھا کہ معلوم نہیں اس میں خدائے تبارک و تعالیٰ کی کیا مصلحت ہے
کہ وہ ان لوگوں پر ہم لوگوں سے زیادہ مہربان ہے۔ لیکن جب مجھے
ان ملکوں کے موسم سرما کی کیفیت معلوم ہوئی کہ تمام کھیتوں اور جنگلوں اور
شہروں اور کارخانوں پر یکساں برف کی تہیں جم جاتی ہیں۔ یہاں تک
کہ کھیتوں میں ایک تنکا پیدا نہیں ہو سکتا۔ انسان اور جانور مکانوں کے
اندر دبکے پڑے رہتے ہیں۔ صرف شہر برلن کے بازاروں سے فی سال
برف صاف کرنے کا خرچ گورنمنٹ کو کئی لاکھ مارک ہوا تھا۔ لنڈن میں فی کس کو

ابر کی تاریکی کی وجہ سے چراغ روشن کرنے پڑتے ہیں۔ اور لوگ کئی کئی دن
سورج دیوتا کے درشن کو ترس جاتے ہیں۔ اب مجھے معلوم ہونے لگا ہے
کہ ہندوستان پر خداوند تعالیٰ کسی دوسرے ملک سے کم مہربان نہیں۔ گو
میرے ایک عالم دوست کا قول ہے کہ ہندوستان کی گرمی کا موسم ہندوستانی
طبائع پر بڑا اثر ڈالتا ہے اور ان کی تیزی اور عقل کی روشنی کم کر دیتا ہے۔
اسلئے ہندوستان میں گذشتہ تین چار سو سال میں کوئی لائق آدمی پیدا
نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور نہ اس طویل بحث
کی یہاں درج کرنے کی گنجایش دیکھتا ہوں۔ تاہم میں یورپ کے موسم سرما
سے ہندوستان کے موسم گرما کو بہت زیادہ مہربان اور بنی نوع انسان
کے حق میں مفید پاتا ہوں۔ اگر ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت جون جولائی کی
دوپہر کی دھوپ ننگی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتی تو وہ اپنے ان جاہل بھائیوں
کی طرف دیکھے جو جون جولائی میں عین دوپہر کے وقت کھلیانوں سے
غلہ نکالتے ہیں۔ اور جب ماہ رمضان گرمیوں میں آتا ہے تو روزہ رکھ کر
بھی یہ لوگ دن بھر دھوپ میں کام کر سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے جو
پنکھوں کے نیچے بھی اُف اُف کرتے رہتے ہیں زیادہ مطمئن اور خوش
رہتے ہیں۔

کولون کا عظیم گرجا اور اسکے عجائبات

برلن سے ۹ گھنٹے میں گاڑی کولون پہنچی۔ یہ مقام ایک
بہت بڑے گرجے کے لئے مشہور ہے کہ جسکی بنیاد
۱۲۴۸ء میں رکھی گئی تھی۔ اور جسکی تعمیر صرف حال میں یعنی ۱۸۸۰ء میں ختم
ہوئی ہے جبکہ نیچے کی عمارت بالکل پرانی ہو گئی ہے تو اوپر کا حصہ ختم
ہوا ہے۔ یہ گرجا (۵۰۰) فیٹ بلند اور اتنا ہی لمبا ہے۔ بڑا کمرہ (۱۴۰) فیٹ
بلند ہے اور اس میں تیس ہزار آدمی کرسیوں پر سما سکتے ہیں۔
یورپ بھر میں صرف میلان اور سیویلے کے دو گرجے اس سے بڑے ہیں۔ اس

گرجا کی پانچ ہزار چوٹیاں اور عکس ہیں۔ ۱۲۰ رنگین شیشہ کے دریچے ہیں جو مختلف لوگوں اور تاجروں کی کمپنیوں نے نذر کئے ہیں۔ صرف ایک رنگین دریچہ جو داخلہ کے دروازے کے اوپر ہے۔ اور قیصر ولیم دوم کے باپ قیصر فریڈرک نے اس گرجا کو نذر کیا تھا۔ نو سے ہزار مارک قیمت کا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی دریچوں پر کیا لاگت آئی ہوگی۔ اس گرجا میں علاوہ صدہا تصاویر کے سات سو کد آدم بُت حواریوں۔ ولیوں اور حضرت مسیح و مریم کا ہے جنہیں دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ جس قدر بُت تراشی اور بُت پرستی کے دنیا میں رومن کیتھلک عیسائی ذمہ دار ہیں۔ اس قدر تمام ہندو اور چینی اور جاپانی اور افریقہ کے فیٹش (Fetish) پرست نہ ہونگے۔ اس شہر میں بیس رومن کیتھلک اور صرف تین پراٹسٹنٹ گرجے ہیں۔ یہ وہ ملک ہے کہ جس میں مارٹن لوتھر پراٹسٹنٹ مذہب کا بانی گذرا ہے۔ اور اُس نے عیسائیوں کو بُت پرستی سے روکا ہے۔ تاہم کوئی شخص جب کسی رومن کیتھلک گرجے کو دیکھے تو اُسے ذرا بھی شک اس امر کو تسلیم کر لینے میں باقی نہیں رہ جاتا کہ عیسائی کس قدر بُت پرستی میں منہمک ہیں۔ یہاں کئی لوگ مریم مقدس کے بُت کے سامنے گھٹنے ٹیکے سجدے کر رہے تھے بعض موم بتیاں بتوں کے سامنے جلا کر تسبیح پھیرنے میں مصروف تھے۔ معلوم نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے بھی تسبیح عیسائیوں میں مروج تھی یا کہ اس شہر میں کبھی نہ کبھی کوئی پراٹسٹنٹ عیسائی رومن کیتھلک بنتا رہتا ہے۔ اور اُسے اسی طرح دوبارہ اصطباغ دے کر رومن کیتھلک جماعت میں شامل کیا جاتا ہے جس طرح کوئی غیر عیسائی شخص عیسائی بنایا جاتا ہے اس گرجا کا بڑا گھنٹہ اُن توپوں سے بنایا گیا ہے جو گذشتہ جنگ میں فرانس سے چھینی گئی تھیں۔ اور یہ اتنا بڑا ہے کہ اسے بوقت ضرورت اٹھائیس آدمی کھینچکر بجاتے ہیں۔

جبکہ فرانس کے پریسیڈنٹ نے ساٹھ ہزار فوج کا ریویو کیا تھا۔ اور شہر رات کو تین رنگوں کے رنگین برقی اور جاپانی لالٹینوں کی روشنی سے دولہن بنا دیا گیا تھا۔ تاہم وہ اس شب کو بھی جب سے اس روشنی کا بہت سا نمونہ پیرس کے دو بڑے بازاروں شانزلیزی۔ اور بولوار میں دیکھ لیا۔ اور لاکھوں سہ رنگی سرخ سفید نیلگون جھنڈیوں کو بھی دیکھا۔ جو تمام فرانس میں اس روز اس تیوہار کی تقریب سے دروازوں اور مکانوں پر نصب کی گئی تھیں۔ واضح رہے کہ فرانس کا قومی جھنڈا انہیں تین رنگوں کا ہے۔ اسی مناسبت سے برقی روشنی بھی انہیں تین رنگوں کی استعمال کی گئی تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ پیرس پہلے ہی تمام دنیا میں اول درجے کا خوبصورت شہر ہے کہ جس پر تمام عالم متفق ہے۔ اور اب اس میں بوجہ عالمگیر نمائش ہونے کے اس قدر دلچسپیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ میرے جیسے مردہ دل بھی دن بھر دیکھتے پھرنے اور پاؤں پر کھڑے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نہایت نازک مزاج اور گلبدن لیڈیاں صبح سے کھڑی ہوئی شام تک نمائشگاہ کے مختلف سکشنوں کو دیکھتی پھرتی ہیں۔ اور تھک کر کسی کوچ یا کرسی پر ایک دم بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر آگے بڑھنے کو مستعد ہیں۔ خیر نمائشگاہ پیرس کا قصہ تو آگے لکھوں گا جو طویل ہوگا۔ بالفعل اپنی برلن کی رام کہانی سناتا ہوں۔

برلن کا تصویرخانہ برلن میں ایک شب و روز کے بخار کے بعد مجھے آرام ہو گیا تھا۔ میں نے گاڑی میں تو شہر کے مختلف اور مشہور مقامات دیکھے اور عجائب خانہ اور پکچر گیلری وغیرہ مقامات پیدل دیکھے۔ اب نمائشگاہ پیرس کو دیکھ چکنے کے بعد برلن کی پکچر گیلری کی زیادہ قدر و قیمت میری نظر میں نہیں رہی۔ تاہم اس میں بہت سی بیش قیمت تصاویر ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تصویر حضرت آدم و حوا کی لنڈن کے ایک نیلام سے سات لاکھ بیس ہزار فرانک کو خریدی گئی تھی۔ اس سے اندازہ ان لوگوں کی تصویروں کے قدر کا ہو سکتا ہے۔

ایک دوسری تصویر Vantas (بطلت، نامی دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ جس میں انسان کا انجام ایک کھوپڑی اور چند اعضا کی ہڈیاں رہجاتی ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا بوس و کنار اور عورتوں کی بے پردگی تو بیہودہ تصاویر سے نمایاں تھی۔ ایک وارڈر (غلام) نے مجھے ساتھ پھر کر کئی تصاویر دکھلائیں۔ لیکن میری طبیعت ایسی کبیدہ تھی کہ میں نے اُسے کچھ نہ دیا۔ گو کچھ لینے کی امید پر اُس نے مجھے دکھلائی تھیں۔

زیادہ ستانی مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ خواہ اہل یورپ کتنے مہذب ہیں۔ لیکن ناواقف مسافر سے زیادہ ستانی میں انہیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوٹل والوں نے پانچ فرانک روزانہ کا مجھے کمرہ دیا تھا۔ جس پر نصف فرانک موم بتی کا زیادہ مانگتے تھے۔ بعض دوسرے ہوٹلوں میں بھی روشنی کی قیمت علاوہ مانگا کرتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ روشنی ہمیشہ کمرہ کے کرایہ میں محسوب ہوتی ہے تو انہوں نے نصف فرانک کا دعوٰے چھوڑ دیا سٹیشن کو جانے کے وقت گاڑیبان سے صاف صاف کہدیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک جو تمہارا کرایہ مقرر ہے وہی دونگا۔ لیکن وہاں پہنچکر زیادہ مانگنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تمہارے ٹرنک کا کرایہ زیادہ مانگتا ہوں۔ لیکن جب میں ذرا پکارا تو وہی ڈیڑھ فرانک لیکر چلا گیا۔ اسی طرح ایک ہی چیز کی قیمت مختلف مقامات میں مختلف دینی پڑتی ہے۔ بوجہ بخار کے کئی مرتبہ میں نے یہاں سکنجبین پی۔ ہوٹل والوں نے ایک گلاس کی قیمت ۵ سو لگائی۔ رسٹارنٹ والوں نے ساڑھے تین آنے۔ اور ایک غریب میوہ بیچنے والی عورت نے ۱۰ سینٹم یعنے ڈیڑھ آنہ۔ فرق ان میں صرف اتنا تھا کہ اس بڑھیا نے لیموں کاٹ کر ہاتھ سے پانی میں نچوڑ دیا تھا اور ہوٹل والوں نے لیموں نچوڑنے کے آلہ سے لیموں نچوڑا تھا

شام کو یہاں کا زولاجیکل پارک دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ کیسے خوشنما زینت

اور پھول اور پودے اور صاف ستھری روشیں ہیں۔ تختے تختے بلندی سے نشیب میں چلے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ڈھلوان پر واقع ہے۔ اس پارک میں کئی روشیں بت کشکاری۔ ضعف۔ جوانی۔ پیری۔ طفولیت وغیرہ حالتوں کو زنانہ لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ پارک اور قصر شاہی کے قریب کا پارک تمام یورپ میں بے نظیر مشہور ہیں۔ شہر کا ایک حصہ ایک پہاڑی پر اور دوسرا نشیب میں واقع ہے۔ اسکے بلند حصہ پر کھڑے ہو کے سے دوسرا حصہ جو قدیم شہر ہے بہت پستی میں نظر آتا ہے۔ ٹاؤن ہال جو شہر کے وسیع مارکٹ میں واقع ہے۔ اسکی چوٹی ۲۹۴ فٹ بلند ہے۔ اور اسکے اوپر ایک ستر فٹ بلند تانبے کا سینٹ مچل کا بت نصب ہے۔ شہر میں کئی ایک پبلک فونٹین (پانی کے فوارے) ہیں جنکو پر تکلف وصاف کے فرشی اور قیاسی عالی شان بتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

بسمارک کے ایک اخبار کا دفتر دیکھا	میں نے یہاں کے سب سے بڑے اخبار "میونخ" کا دفتر بھی دیکھا جسکے لئے برلن سے معرفت کا خط لایا

تھا۔ اور اس میں عکسی تصاویر کی پلیٹ بنانے کے پراسیس (طریق عمل) کو دیر تک سمجھتا رہا۔ برقی روشنی اور برقی طاقت سے اس قدر زیادہ ان ملکوں میں کام لیا جاتا ہے کہ جس کی حد نہیں۔ دفتر کا ہر کمرہ برقی روشنی سے روشن ہے۔ فوراً اندر جا کر ایک بٹن دبا دو تو کمرہ روشن ہو جائیگا۔ عکسی تصویر لینی ہو۔ تو برقی روشنی دن کی طرح کمرے کے اندر کر لو۔ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ بلا برقی روشنی کے میرا ارادہ فوٹو زنکو پراسس سے تصویریں بنانے کا ہے۔ یہ شہر چھوٹا ہے اور اس اخبار کی اشاعت بھی ستر ہزار روزانہ سے زیادہ نہیں تاہم پانچ سو اور سات سو فرانک ماہوار کے دو فوٹو زنکو بنانے والے علاوہ فوٹوگرافر اور دوسرے کاریگروں کے صرف تصویر کے سیکشن میں ملازم ہیں۔ معلوم نہیں سب یہ لوگ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔

پاسکیں۔ مگر مجھے اخبار نویس سمجھ کر ہر شہر کے اخبار والوں نے نہایت خلق
سے اپنے اپنے کارخانے اور دفتر دکھلائے ہیں۔ برسلز کی عمارات بھی
دوسرے یورپین شہروں کی طرح خوبصورت ہیں۔ بلکہ یوروپ میں اس شہر
کو چھوٹا پیرس کہتے ہیں۔ لیکن میں نے ایک دلچسپ بات یہ دیکھی کہ جس
طرح یہ سلطنت چھوٹی ہے اسکے باشندے بھی قد و قامت میں چھوٹے
ہیں صرف دو تین روز میں اس قدر پست قامت آدمی مجھے یہاں ملے
کہ میں حیران ہو گیا۔ برقی اور دخانی ٹریم سے زیادہ اور گھوڑے کی ٹریم سے کم
ہے۔ موٹر کار یعنی برقی یا دخانی طاقت سے چلنے والی چھوٹی سی گاڑی
کا یہاں برلن سے زیادہ رواج ہے۔ ایک شام کو ایک دلچسپ واقعہ
پیش آیا۔ ایک شخص ایک ایسی گاڑی دوڑائے لئے جا رہا تھا۔ کہ
ایک عورت اُس کی رفتار کی جھپٹ سے گر گئی۔ گاڑی والا گاڑی دوڑا کر
لے گیا۔ ایک دم میں دس بیس سپاہی اُسکے پیچھے دوڑ گئے کہ اُسے
پکڑ لائیں۔ کیونکہ عورت کو اس نے گرا دیا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ بھلا
انسان کی کیا مجال ہے کہ موٹر کار کو دوڑ کر پکڑ سکے۔ لیکن وہ لیڈی بھی اتنے
میں اُٹھ کھڑی ہوئی اُسے چوٹ نہیں آئی تھی۔ مجھے بائیسکل کے بعد یہ
خود بخود چلنے والی گاڑیاں بہت پسند آئیں۔ لیکن ان کی قیمت ابھی
بہت زیادہ ہے۔ اسلئے اُمید نہیں کہ ہندوستان ایسے غریب ملک
میں زیادہ رواج پائیں۔ اہل بلجیم گو پست قامت ہیں لیکن پست ہمت
نہیں۔ صنعت و حرفت میں یورپ کی سب قوموں کے برابر ہیں۔ ناظرین
نے کئی دفعہ اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ بلجیم کے انجنیروں کی کمپنیاں ترکی
شام اور ایران میں جرمنی۔ انگلستان۔ فرانس اور روس کے پہلو بہ پہلو
ریلوں اور سڑکوں اور تجارتی کارخانوں کی رعائتیں حاصل کرنے میں
مصروف ہیں بلکہ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خلیج فارس کے بندروں کا ٹھیکہ

ایران نے بلجیئم کی کمپنیوں کو دیا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ بڑے ڈیل ڈول اور بڑی جسامت پر بھی انسان کی عظمت کا حصر نہیں۔ بلجیئم کے باشندے تو مجھے زیادہ ہی پست قامت اور منحنی نظر آئے ہیں۔ لیکن اٹلی اور فرانس کے عام باشندے بھی معمولی قد کے لوگ ہیں۔ جو ہم لوگوں سے تنآور نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں آدمیت۔ لیاقت اور ہمت ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ   پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

بوجہ طبیعت ناساز ہونے کے کھانا دو دن تک نہ کھایا۔ لیکن ایک روز بازار سے گذرتے ہوئے ایک دوکان پر چیریاں دیکھ کر رغبت معلوم ہوئی۔ مگر خیال ہوا کہ خود بازار سے چیریاں خریدنے میں سبکی ہوگی۔ لیکن میں نے کہا مجھے یہاں کون جانتا ہے۔ چیریاں بیچنے والی بڑھیا نے مجھے ایک کاغذ کے لفافہ میں چیریاں لپیٹ دیں۔ جسے دیکھ کر ذرہ بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چیریاں ہونگی۔ اسکے بعد انگلستان میں جا کر دیکھا تو کئی بھلے مانس جنٹلمین بازار سے ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں اور یہ بات داخل عیب نہیں۔

اسی شام کو پیاس لگی تو ایک قہوہ خانہ میں جا کر خادمہ سے لیمونیڈ مانگا مگر وہ نہیں سمجھی اور کمبخت دوڑی ہوئی گئی اور میرے سامنے ایک لبالب گلاس بیئر کا لا کر رکھ دیا۔ اور بھی بہت لوگ یہاں بیئر پینے میں مصروف تھے۔ میں نے کہا میں اسے نہیں پیتا۔ مگر وہ میرا مطلب نہ سمجھی اور بھاگ گئی۔ میں نے اسے پھر بلایا اور لیمونیڈ اور لیمن سکویش کہتا رہا۔ مگر بندہ درگاہ کو اس وقت "بیٹرن" یا "سٹروینڈ" کا لفظ یاد نہ آیا نہیں تو لیموں کی شکنجبین مل جاتی۔ آخر دس سنیٹم (سوا آنہ) دیکر بیئر بھی رہنے دی اور چلا آیا۔ یورپ میں لیمونیڈ کا بالکل رواج نہیں مگر سوڈا واٹر

دو زبانوں کا رواج اکثر پایا جاتا ہے۔ زبان یہاں کی فرانسیسی ہے لیکن چونکہ سرحد جرمنی سے ملحق ہے اور ملک چھوٹا سا ہے اور آبادی اسی لاکھ سے زیادہ نہیں۔ سرکاری کاغذات اور ریلوے اور ٹریموے کے نوٹس بورڈ فرانسیسی اور جرمنی دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ جیسے مثلاً اضلاع مغربی وشمالی (ہند) کی عدالتی کاغذوں کی حالت یاد آگئی جو آئندہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہوا کرینگے۔

کس گاڑی کے نیچے جوتا جاتا ہے۔ یہاں کی چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں آسٹریا اور جرمنی کی طرح کتا آگے جوتا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ گاڑی اتنی اونچی ہوتی ہے کہ کتا اسکے نیچے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ اسکے چلنے سے اسکے اوپر گاڑی خود بخود آگے چلی جاتی ہے۔ اور زیادہ جگہ بازار میں نہیں روکتی۔ ہوٹل میں جو موم بتیاں ملتی تھیں۔ ان کے اندر تین سوراخ ہوتے تھے۔ اسلئے جو موم پگھل کر بتی کے باہر گرتا ہے وہ ان کے اندر کو گرتا تھا اور تلف نہ ہوتا تھا۔ یہی طریقہ پیرس کی موم بتیوں کا ہے۔

ہوٹل کا بل مجھے ہند بکر کی گائیڈ بک کا مشکور ہونا چاہئے جس نے صاف لکھ دیا ہے کہ مسافروں کو ہر دوسرے تیسرے اپنا ہوٹل کا بل دیکھتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہوٹلوں کے مینجروں کا حساب اکثر ٹھیک نہیں ہوتا اور وہ اپنے مطالب کی غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ برسلز کے ہوٹل کی مالک کے بل میں پڑتال کرنے پر غلطی نکلی۔ اور جو کھانے میں نے نہیں کھائے تھے میرے نام سے کاٹے گئے۔ جب میں ویٹر چیمبر میڈ اور پورٹر کو تین فرانک انعام دے کر گاڑی میں سوار ہوا تو میں نے گاڑی والے کو صاف صاف کہدیا کہ تمہیں سٹیشن تک ڈیڑھ فرانک سے زیادہ کرایہ نہ دوں گا۔ وہاں سے تو خاموش ہو کر چلدیا لیکن سٹیشن پر پہنچکر جھگڑا کر ڈالا

دور کہنے لگا کہ تمہارا تو ڈیڑھ فرانک کرایہ ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے بوجھ کا کرایہ اسکے علاوہ ہے۔ لیکن میں نے ذرا اصرار کیا اور تکرار کی تو وہ ڈیڑھ فرانک ہی لیکر چلتا ہوا۔ بیچارا لیکن برلن کے سٹیشن پر لانے والے گاڑیبان نے جھگڑا کر کے پونے مارک (شلنگ) کی بجائے سوا شلنگ لے لیا تھا۔

پیرس کو روانگی

باوجودیکہ میرے دوست نے پیرس سے تار دیا تھا اور خط بھی لکھا تھا کہ دو روز کے بعد پیرس آنا۔ کیونکہ ۱۴ جولائی کو فرانس کی آزادی کی یادگار میں بہت بڑا تیوہار تھا کہ مسافروں کو سٹیشن پر گاڑی تک نہیں مل سکتی تھی اور وہ دوست اپنے کنبے سمیت خود بھی تعطیل کے باعث شہر سے باہر کسی سیرگاہ پر خوش سواد مقام میں آرام سے لئے چلا گیا تھا۔ مگر ایک دوست کو ہدایت کر گیا تھا کہ وہ میرا تار پہنچنے پر مجھے سٹیشن سے جا کر کسی ہوٹل میں ٹھیرا دے۔ مگر ۱۳ جولائی کو تار دے کر میں برسلز سے پیرس کو روانہ ہو گیا۔ برسلز کے سٹیشن پر دیکھا کہ یہاں عام مسافروں کے لئے نہایت پُرتکلف گدیلوں والے کاؤچ پڑے ہوئے تھے لیکن سیکنڈ کلاس گاڑی بہت گھٹیا تھی۔ ۹ بجے چلکر

پیاس کی شدت

۵ بجے شام کو گاڑی پیرس پہنچی۔ مجھے راستہ میں پیاس سخت لگی۔ لیکن جب ایک آدھ منٹ کے لئے راستہ میں کسی سٹیشن پر گاڑی ٹھیرتی۔ تو لوگ دوڑ کر اترتے سٹیشن پر پہلے ہی سے Buffets بیئر شراب کے لبریز گلاسوں کی قطار سجی ہوئی ہوتی۔ ایک ایک پینی رکھکر ہر شخص بلا پوچھے کے ایک گلاس پی لیتا۔ اور روٹی کا ٹکڑا لیکر بھی کوئی کوئی کھا لیتا۔ پانی پینے کا یہاں رواج ہی نہیں ہے۔ میں نے ایک دو جگہ پانی مانگا بھی لیکن جلدی میں نہ ملا۔ اور ریل روانہ ہو گئی پیاس سے میری زبان خشک ہو گئی۔ اس بیئر شراب کو جو سستا ہے منشی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ پانی کی طرح پیتے ہیں۔ جہاں سے ریل فرانس کے علاقہ میں

داخل ہوئی تھی تمام سٹیشنوں اور راستہ کے مکانوں پر تین رنگوں کی جھنڈیاں بکثرت آویزاں نظر آتی تھیں کہ جنکے موجب کا ذکر پہلے آچکا ہے

ہوٹلوں کی گرانی

پیرس کے سٹیشن پر پہنچا تو میرے دوست کا ایک دوست میرا منتظر تھا۔ اس نے فوراً اس اسباب کے حاصل کرنے میں مدد دی جو میں نے برلن سے سیدھا پیرس کو بھیجا تھا۔ اور مجھے ایک نامی ایک ہوٹل میں ٹھیرایا جس کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے کا کرایہ ایک شب کا بلا کھانے کے خرچ کے دس فرانک تھا جو مجھے دوسرے روز کرایہ دینے کے وقت خیال گذرا کہ میرے وطن کے اس سے بہت بڑے مکان کے مہینہ بھر کا کرایہ ہے۔ چونکہ بوجہ نمایش ایک دنیا پیرس میں آمدی ہوئی تھی۔ اسلئے کرایہ کا نرخ خصوصاً نمایش کے قریب کے مکانات میں بہت گراں تھا۔ بیس پچیس فرانک ہوٹل

ایک لاجنگ ہوس میں قیام

سے ایک اچھے کمرے کا معمولی کرایہ تھا۔ چونکہ ہوٹلوں کی نسبت لاجنگ ہوس ارزاں ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ زیادہ مدت ٹھیرنا چاہیں انہیں انہیں مکانات میں ٹھیرنا چاہئے پیرس کے اخبارات میں ان مکانات کے خالی کمروں کے اعلان چھپتے رہتے تھے۔ دوسرے روز اسی دوست کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہو کر دن بھر ہم کرایہ کے مکانات دیکھتے پھرے۔ دو دن میں گاڑی کے کرایہ اور ہوٹل کے آج بیالیس فرانک خرچ ہوئے تھے۔ لیکن آخر نمایش کے قریب ایک لاجنگ ہوس میں ایک کمرہ ملگیا۔ جو گو بہت سادہ تھا اور پانچویں منزل پر تھا تاہم بوجہ ارزانی اور نمایش سے قریب ہونے کے غنیمت سمجھا گیا۔ بعض مکانات سے نمایش تک آنے جانے کا کرایہ ہر روز معقول فرانک خرچ ہو جاتا۔ لیکن یہاں سے مجھے کبھی ایک پیسہ نمایش تک جانے کے لئے نہ خرچنا پڑا۔ گو یہ کمرہ بہت ہی سادہ تھا لیکن مہینہ کی

بستر گدیلا تکیہ سفید چادریں۔ پائنداز کو قالین۔ ہاتھ منہ دھونے کی چھوٹی سنگ مرمر کی میز۔ لکھنے کی چھوٹی سی میز اور دو سادہ کرسیاں مثل پیس معمولی چھپر کھٹ۔ کپڑوں کی الماری پر سنگ سیاہ کا تختہ اور چند چھوٹی چھوٹی آرائش کی چیزیں مثل گھونگھوں جاپانی پنکھوں اور سستی تصویروں کی تھیں۔ اس تفصیل سے میری غرض یہ بتلانے کی ہے کہ ان ملکوں میں غریب لوگ بھی کیسا ستھرا مذاق رکھتے ہیں اور کیسی آسائش اور صفائی سے بسر کر سکتے ہیں۔

آج مکان تلاش کرنے کے دوران میں ایک مالک مکان عورت نے بتلایا تھا کہ اس وقت پیرس میں صرف اہل امریکہ ساٹھ ہزار کے قریب آئے ہوئے تھے۔ اور عموماً یہ لوگ اخبارات کے اشتہار دیکھ کر بذریعہ تار آنے سے پہلے ہی مکان ٹھہرا لیتے تھے اور اس طرح خالی مکانات کے کرائے ویسے رہے تھے مکان کی تلاش سے سبکدوش ہو کر میں نے ۲ جولائی سے بالالتزام نمائش کی حاضری شروع کر دی۔

سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملکِ دارا

بے نظیر عالمگیر نمائش اور پیرس کا سلیقہ

آج تک دنیا میں کئی عظیم الشان عالمگیر نمائشیں ہو چکی ہیں۔ لیکن پیرس کی سنہ ۱۹۰۰ء کی نمائش سے اُن سب کو وہی نسبت ہے جو ہاتھی کے پاؤں سے دوسرے جانوروں کے پاؤں کو ہے۔ نہ صرف اسلئے کہ پیرس کی نمائش گاہ سب سے آخر میں ہوئی ہے اور جب تک کسی دوسرے ملک میں پھر انٹرنیشنل اگزبیشن یا بقول اہل امریکہ کے والڈس فیئر (Worlds fair) یا بقول اہل فرانس کے ایکسپوزیشون یونی ورسال (Exposetion Universale) یا بقول اہل جرمنی کے ویلٹ اوسٹیلنگ (Welt aushtalleng) نہ ہو فرانس کی آخری نمائش سے گوئے سبقت لیجانا محال ہے بلکہ اسلئے بھی کہ اس قسم کی عالمگیر نمائشگاہوں کے قایم کرنے اور انہیں کامیاب اور دلکش بنانے میں جو سلیقہ اہل فرنس کو حاصل ہے کسی دوسرے یوروپین یا امریکن قوم کو حاصل نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عالمگیر نمائش گاہوں کا خیال بھی پیرس سے پیدا ہوا۔ کیونکہ سنہ ۱۷۹۸ء میں پہلے فرانس کی حکومت ڈائرکٹری کے تاریک زمانہ میں پیرس میں چھوٹے پیمانے پر ایک انٹرنیشنل نمائش قائم ہوئی تھی۔ سلطنت اضلاع متحدہ امریکہ کہ جہاں سنہ ۱۸۹۳ء کی شکاگو کی عالمگیر نمائش کھلی تھی ابھی وجود میں بھی نہیں

آئی تھی۔ بلکہ خود انگلستان میں پیرس کا نمونہ مرحوم والد بزرگوار شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی مساعی جمیلہ سے پہلے پہل ۱۸۵۱ء میں حرفت دستکاری اور علوم و فنون کی ترقی کے لئے عالمگیر نمائشگاہ کھولی گئی تھی۔ مگر اس کے بعد انگلستان میں کوئی دوسری اس قسم کی نمائش آج تک قایم نہیں ہوئی بحالیکہ اُس زمانہ سے آجتک صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں صدہا بیش قیمت ایجادیں اور اختراعیں عمل میں آچکی ہیں۔ غرض تمام یورپ اور امریکہ اس بات کے تسلیم کرنے میں متفق ہے کہ عالمگیر نمائش گاہیں قایم کرنے کا سلیقہ جیسا کچھ کہ اہل پیرس جانتے ہیں اور کوئی قوم نہیں جان سکتی۔ میں اپنی تائید میں اس نمائش گاہ کے اینگلو سیکسنز گائیڈ کی تمہید سے چند سطروں کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ یہ گائیڈ محض اینگلو سیکسن قوم کی رہنمائی کے لئے لکھا گیا تھا اس لئے فرانسیسی میلان کا اس میں شُبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ایک دفعہ پھر اس دُنیا کے پرستان شہر پیرس نے سنہری آگ سے روشن کی ہوئی جادو کی چھڑی اپنی انگلیوں میں گھمائی ہے۔ ایک دفعہ پھر اسکے سحر بازی کے اشارہ سے عیش و عشرت حسن لفریب۔ نور اور بشاشت کے محلات کہ جن کی نظیر دُنیا کے باشندوں نے اس سے پیشتر نہیں دیکھی دم زدن میں عدم سے وجود میں آگئے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر اس آزادی کی ملکہ پری نے اپنی انگلیوں کے پوروں کے بوسے سے تمام دنیا کو آنے اور شیدائی بنانے کو بُلایا ہے۔ اس کی دعوت کا پیام تمام دُنیا میں ہوا کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ اور دنیا کے ہر گوشہ سے زن و مرد اور بہنا و پیر اس کی خوشی کو مرحبا کہنے اور اُس کی خوشی میں شریک ہونیکو آگئے ہیں۔۔۔۔ کیونکہ دُنیا کے بچے نہایت خوشی سے اس خوش خلق گوشے دیپرس کی سُریلی آواز سُنکر تھوڑی دیر کے لئے از خود رفتہ ہونے کے

واسطے اسکی چاردیواری میں جمع ہو جاتے ہیں۔ فرانس بڑی تمام قوموں میں اور تمنا پیرس تمام دنیا کے شہروں میں اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام قوموں کو کس طرح یکجا جمع کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ اُن کے مذاق ایک دوسرے سے کتنے ہی متناقض ہوں۔ پیرس بخوبی سمجھتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد واحد کو کچھ دیر کے لئے کس طرح شادمان اور مطمئن کر سکتا ہے تا کہ وہ اسکے صدر مقام کے حدود کے اندر بکھر جائیں۔ پیرس شادمانی کے لئے مخلوق ہوا ہے۔ اسکا دلفریب چہرہ بجائے خود ایک دعوت ہے۔ اسکا بانکپن اور حسن ملاحت فریب۔ ٹھگے بغیر نہیں رہتے۔ اور اسکے حرکات و سکنات ایسی دل لبھانے والی ہیں کہ ہر مرتبہ جو وہ اپنے شاندار جشنوں میں شریک ہونے کے رتبے متبسم کرتا ہے تو کسی کو سوائے انہیں قبول کرنے کے چارہ نہیں ہوتا۔ ہر متواتر جشن پہلے سے وسیع اور شاندار ہوتا ہے اور جوں جوں مدت گذرتی جاتی ہے پیرس پر شباب آتا ہے۔ اور ہم میں سے ترش رو سے ترش رو بھی اس کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غرض ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمایش ان سب چیزوں سے جو دنیا دیکھ چکی ہے بہت بڑھی چڑھی ہے۔ لاریب پیرس نے اپنے فن کا کمال دکھلا دیا ہے۔ اور دنیا میں اور کسی شہر کو ویسا کمال حاصل نہیں جو اسکے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ اور اس اور عید اللندن پر جوش سرگرم اور گرد آرو پیچا پارک۔ خاموش اور معمولی برلن یا دنیا بھر کا اور کوئی شہر کہ جسکا نام لیا جا سکتا ہے۔ وہ بین الاقوام تماشہ گاہوں کو کیا جانے؟ ان میں سے ایک میں بھی ایسے دلکش اور دلفریب سامان بہم پہنچانے کی لیاقت نہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ شوخی یہ بانکپن اور یہ البیلے ناز و ادا نہیں۔ یہ خوشنما چہرہ نکھرا ہوا جوبن اور یہ وجدانی حالت نہیں کہ جس کی کسی نمایش کا کوئی تکمیل کیلئے ضرورت ہے۔ کہ جہاں کہ ہر مذاق

ہر طبیعت اور ہر رسم و رواج کے لوگ دنیا کے روزمرہ دھندوں سے تھوڑی سی دیر کے لئے آزاد ہو کر اپنے آپ کو بھول جائیں۔ یہاں پیرس میں کیسا خوشنما اور طبیعت میں انبساط پیدا کرنے والا موسم ہے۔ یہ شاندار اور کشادہ بازار اور رستے کیسے ہیں کہ جنکے دونو طرف سر بفلک و رخوشنما درختوں کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ ہر طرف سے سوائے خوشی کی صداؤں۔ خوبصورت چیزوں اور دل لبھانے کے سامانوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ہر وقت تیوہار کی سی فرحت چاروں طرف نمودار ہے۔ پیرس عیش اور انبساط سے زندگی گذارنے کا فن جانتا ہے۔ روزمرہ ولی کی تمام تدابیر سے واقف ہے۔ اور زیادہ متین اور شاید غمگین قوموں کے بہلانے کے فن میں ماہر ہے۔ یہ تہذیب اور خوش اخلاقی۔ اور ناچ رنگ اور خوبصورت عورتوں کی سرزمین جو کیا بلحاظ تاریخ کی دولت اور کیا دولت علم و فن اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنے کی لیاقت کے ایک دفعہ پھر تمام دنیا کی قوموں کو اپنی حیرانی نعمت پر مدعو کرتی ہے۔ کہ کم از کم مختصر سے زمانہ کے لئے تو آپس کی رقابتیں اور کشمکشیں بھول جائیں اور ایک عالمگیر نمایش کی دل لگی میں محو ہو جائیں۔ امسال بلکہ اب پیرس آمادہ ہوا ہے کہ خوشی کرنے والوں کے ساتھ ملکر خوش ہووے۔ تمہیں اسکا ثبوت ہر بشرہ سے ملیگا۔ پیرس نے اپنے آپ کو سب کا دوست بنا لیا۔ وہ سب کے لئے خوش آمدید کا ہاتھ بڑھائیگا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں۔ اور اُسے بھروسہ ہے کہ جب رخصت کا وقت آئیگا تو وہ لوگ آخر عمر تک اسکے یہاں سنہ ۱۹۰۰ء میں زمانہ تعطیل جنسی خوشی میں گذارجانے اور عموماً قوم فرانس اور خصوصاً اہل پیرس کی دلچسپ مہمان نوازی کو یاد کیا کرینگے ۔"

یہ ہے نمایش پیرس اور پیرس کی تعریف جو ایک انگریز مصنف لکھتا ہے۔ جولا ریب فرانسیسیوں کو رقابت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ میں پیرس

اور اس کی نمائش کی تعریف اس قدر سے نہیں کرتا کہ کہیں میرا بیان مشرقی مبالغہ نہ سمجھا جائے۔ مندرجہ بالا سطور سے روشن ہے کہ پیرس نے اپنے سنہ ۱۸۸۹ء کی عالمگیر نمائش کو کس قدر دلفریب اور مفید بنایا تھا کہ دنیا کا شہر کوئی شہر اس سے پہلے کوئی ایسی نمائش نہیں دکھلا سکا۔ وہی مصنف لکھتا ہے کہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ سنہ ۱۸۸۹ء کی نمائش پیرس نے دنیا بھر کی تعلیم اور دل بہلاؤ کا اس قدر سامان بہم پہنچایا ہے کہ کبھی پہلے جمع نہیں ہوا اس کی سخت حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اس سے اسکی عظمت اور کوشش و کاوش کا کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔ سرسری نظر سے معلوم ہوجاتا ہے کہ نمائش پیرس بجائے خود ایک وسیع شہر ہے۔ اور نہ صرف بلحاظ عالیشان عمارتوں اور وسیع باغوں اور راستوں کے قابل عزت ہے۔ بلکہ اپنے متنوع اور متفرق مطالب اور دلچسپیوں کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے۔ نکتہ چینیوں اور رقیبوں نے بھی اگر اس نمائش پر کوئی الزام لگایا تھا۔ تو وہ یہی تھا کہ یہ بہت بڑی تھی۔

نمائش دیکھنا یہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے پیرس میں پہنچکر اُس نمائشگاہ کو ایک نظر دیکھ لینے کا کس قدر شوق تھا جس کی تعریف میں تمام یورپ اور امریکہ کے اخبارات رطب اللسان تھے۔ اور میری حالت اُس اعرابی سے مشابہ تھی جو خلیفہ کے دسترخوان کی ہر ایک نعمت پر بے محابا پیاپے حملے کر رہا تھا۔ اور خلیفہ کی حضوری کے آداب تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ پہلے شہر پیرس کے عجائبات دیکھوں یا نمائش پیرس۔ اور کہاں سے شروع کرکے کہاں ختم کروں۔ بہرحال پہلے کچھ روز تو میں بہت بے قاعدگی سے نمائش کو دیکھتا رہا۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص اس دنیا کی سب سے بڑی نمائشگاہ کو کما حقہ دیکھنا چاہتا تو اُسے چھ ماہ یا

کو اذکر تین ماہ دیکھنے میں لگانے پڑتے - ورنہ یوں تو بعض ممالک یورپ کے لوگ یہاں ایک ہفتہ اور تین دن کے لئے بھی آتے تھے - اور چاروں طرف نمائشگاہ میں چکر لگا - کہیں کہیں تماشے دیکھ اور کھا پی آرام دیتے تھے - اور دل کو اطمینان دے لیتے تھے کہ اُنہوں نے پیرس کی سب سے بڑی اور سب سے آخری نمائشگاہ دیکھ لی - بلکہ انگلستان کی بعض ٹریٹ کمپنیوں نے غیر مستطیع اور مصروف لوگوں کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ ہفتہ کی دوپہر کو انگلستان سے روانہ ہوں اور اتوار کو نمائش پیرس دیکھ کر - اتوار کی شام کو لنڈن کو روانہ ہو جائیں - جو لوگ اور کسی طرح نمائش دیکھنے سے بالکل محروم رہ جاتے - ان کو لئے یہ اچھا طریق تھا - میں ہمہ میں اہل یورپ کے شوق دید نمائش کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں - ہر روز یورپ کے ہر ملک اور امریکہ کے آشرفتوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں زن و مرد نمائش دیکھنے کے شوق میں مست صبح سے شام تک نمائش کی مختلف عالی شان عمارات میں پھر رہے تھے - ایسی ایسی نازک اندام لیڈیاں جو دو قدم پیدل آہستہ چلنا گوارا نہ کریں - گھنٹوں نمائش گاہ میں پیدل پھرتیں - جب تھک جاتیں - تو تھوڑی دیر سستانے کو بیٹھ جاتیں - کیونکہ نمائشگاہ میں جا بجا عمارات کے اندر اور باہر کرسیاں - بنچیں اور پر تکلف کوچ پڑے ہوئے تھے - جن پر تھکے ہوئے شائقین بیٹھ کر دم لے لیتے - نمائشگاہ کے احاطے کے اندر کوئی گاڑی نہیں داخل ہو سکتی - اسلئے ایک قسم کی ہاسپٹل گاڑیاں جیسی کہ ہسپتالوں میں مریضوں کے پھرانے کے واسطے استعمال کی جاتی ہیں - بہت سے مزدور لئے پھرتے تھے - اور ان پر بعض تھکی ہوئی لیڈیاں اور جنٹلمین کچھ مزدوری دے کر بیٹھ جاتے تھے - اور مزدور انہیں جا بجا کمروں کے اندر اور باہر لئے پھرتے تھے - چونکہ میں اس پر سوار نہیں ہوا

مجھے ان کا کرایہ معلوم نہیں ۔

مقام نمائش یوں کہنے کو تو نمائشگاہ پیرس صرف (۲۷۶) ایکڑ اراضی میں محدود تھی لیکن صرف دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ جگہ بہت بڑی ہے۔ جبکہ اس میں تین تین چار چار منزل کی اکثر عمارات اشیائے نمائش کے لیئے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ مقام دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے درمیان واقع ہے۔ اور اسپلاناڈ ڈا انولیڈ۔ شانڈامار اور ٹراکوڈیرو نامی تین مقامات دریائے سین کے کناروں پر پھیلے ہوئے تھے چونکہ شہر کے اندر ایک جگہ اتنی بڑی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لیئے نمائش کو تین چار مختلف مقامات پر پھیلا دیا تھا۔ اور سب کو آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ ایسے طور پر کہ کہیں کہیں شہر کی سڑکیں نمائشگاہ کے بیچ سے گذر جاتیں۔ لیکن نمائشگاہ والوں کے لئے لکڑی کے پل اوپر سے گذرنے کے لئے بنا دیئے گئے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو ادہر آنے سے روکنے

نمائش کے ٹکٹ کے لئے لکڑی کا پردہ لگا دیا گیا تھا۔ ہر شخص ہر روز ایک فرانک (دس آنہ) کا ٹکٹ دے کر نمائش کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ البتہ صبح آٹھ سے دس بجے تک۔ اور شام کو چھ سے دس بجے تک نمائشگاہ میں داخل ہونے کے لئے فرانک فرانک کے دو ٹکٹ علحدہ لینے پڑتے۔ ٹکٹ گو نام کو ایک فرانک کے تھے۔ لیکن دراصل فرانک کے دو دو اور کبھی تین تین بھی بک جاتے تھے۔ نمائشگاہ کے باہر سینکڑوں غریب مرد اور عورتیں ہاتھوں میں ٹکٹ لئے ہوئے آنے جانے والے آدمیوں کے سامنے لاتے اور جو خریدنا چاہتے خرید لیتے۔ بعض لوگوں نے بیس فرانک کا ایک ہی بانڈ خرید رکھا تھا۔ انہیں روزمرہ نیا ٹکٹ نہیں خریدنا پڑتا تھا۔ ان ٹکٹوں سے بہت بڑی آمدنی نمائش کرنے والوں کو ہوتی تھی تاہم خیال تھا کہ بمقابلہ ان کے خرچ اور محنت کے خسارہ رہیگا

* کھیل کود اور ورزش اور [illegible] کے سامان وغیرہ بڑی چیزوں کی نمائش شہر کے قریب ایک کھلے میدان میں

کیونکہ نمائش گاہ اتنے وسیع پیمانے پر بنائی گئی تھی کہ اسکے ہیچ پورے سے شہر کے
نمائشگاہ کے داخلہ کے کئی دروازے تھے۔ جو لوگ ٹکٹ دے کر نمائش
کے احاطے کے اندر داخل ہو جاتے۔ وہ نمائشگاہ کے سارے مکانات
اور اشیائے نمائش کے دیکھنے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن جو مکانات
عجیب اور قابل دید تماشے پرائیویٹ لوگوں نے نمائش کے اندر قایم کئے
تھے اُن کے لئے الگ الگ ٹکٹ فرانک یا دو فرانک یا اس سے کم
و بیش قیمت کے لینے پڑتے۔ مثلاً اگر تم کوئی پانوراما یا ڈایوراما دیکھنا چاہو
یا سب سے بڑی دوربین دیکھو۔ یا زیر زمین کان میں جاؤ۔ یا ایفل ٹاور پر
چڑھو۔ تو تمہیں الگ الگ ٹکٹ داخلہ کے لینے ہونگے۔ یہ لوگ بھی لاکھوں
روپے کما رہے تھے۔ لیکن مجھے ایک اطالین جنٹلمین نے (کہ جس کی نمائش
کے بہت بڑے وہیل پینڈولے میں شراکت تھی) بتلایا کہ اکثر نمائش کے لئے
والے سوائے معدودے چند کے خسارہ اٹھا رہے تھے۔ کیونکہ جس قدر
لوگوں کے شریک نمائش ہونے کی توقع تھی اُس قدر نہیں ہوئے تھے۔

انگریزوں کی شرکت

خصوصاً انگلستان سے بہت کم لوگ آئے تھے شاید
اسلئے کہ بوجہ اخراجات جنگ ٹرنسوال کئی لوگ زیادہ خرچ نہیں کر سکتے
تھے۔ شاید اس لئے کہ بہت لوگ جنوبی افریقہ کو گئے ہوئے تھے۔ شاید
اسلئے کہ بہت سے لوگ افریقہ میں عزیزوں کے مارے جانے کی وجہ سے
ماتم میں تھے۔ لیکن بقول "چور کی داڑھی میں تنکا" فرانسیسی سمجھتے تھے
کہ چونکہ فرانسیسی اخبارات نے جنگ ٹرنسوال کے متعلق انگلستان کے
خلاف ناگوار تحریرات شائع کی ہیں۔ اسلئے اہل انگلستان ان سے خفا
ہیں اور بہت کم نمائش میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی حال انگلستان کی
اشیائے نمائش کا تھا۔ گو جا بجا انگلستان کی ساختہ چیزیں اور کلیں
نمائش کی گئی تھیں۔ اور کسی یورپ کے ملکوں سے اچھی تھیں۔ لیکن

نمائش پیرس

انگلستان کے اول درجہ کی سلطنت ہونے کی وجہ سے اُس سے اس سے بہت زیادہ شرکت کرنے کی توقع کی جاتی تھی۔ اس وقت مختلف مقامات نمائش کو دیکھ کر جو میں اندازہ بحساب نمائش کے متعلق لگا سکا تھا اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کی اشیائے صنعت وحرفت اور کلیں وغیرہ سب ملکوں سے زیادہ تھیں۔ اور یہ قدرتی بات تھی کہ فرانس کی چیزیں زیادہ ہوتیں* اس کے بعد دوسرا درجہ جرمنی کا تھا۔ جرمنی نے ہر بات میں بڑھ کر قدم مارا تھا۔ مکانات بھی تو نرالے ڈھنگ کے بنائے تھے۔ نمائش میں چیزیں بھی عمدہ اور زیادہ رکھی تھیں۔ تیسرا درجہ اضلاع متحدہ امریکہ کا تھا پھر آسٹریا ہنگری۔ انگلستان۔ اٹلی۔ روس۔ جاپان۔ بلجیئم۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ پرتگال۔ یونان وغیرہ کا درجہ تھا۔ یہ بات بہت دلچسپ تھی کہ جاپان نے اس نمائشگاہ کے اکثر شعبوں میں خاصہ حصہ لیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایک ایشیائی قوم یورپین اقوام کے پہلو بہ پہلو ہی صنعت وحرفت کی اشیا کا مقابلہ کر رہی تھی

ترکی کی بے توجہی

افسوس ہے کہ سلطنت ترکی نے باوجود یورپ میں واقع ہونے کے اشیائے نمائش میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ البتہ اقوام کے مکانات کی قطار میں سلطنت عثمانیہ کا ایک عالی شان مکان مسلمانی طرز تعمیر کا بنا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس میں ضرور کچھ ترکی ساخت کی چیزیں اور اور کچھ مسلمانوں کی صورتیں ملیں گی۔ لیکن دونوں امیدیں بیاس ہوئیں اس مکان کی دو تین منزلوں میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور بعض کپڑوں مثل رومال وغیرہ اور قالینوں کے بیچنے کی دوکانیں یہودیوں نے کھول رکھی تھیں۔ ان پچاس ساٹھ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں صرف ایک شخص مسلمان تھا۔ مزہ تو یہ ہے کہ یہ یہودی بھی زیادہ تر شامی تھے۔ قسطنطنیہ

* (۲۲۹۱۰۰) مربع فیٹ زمین پر صرف فرانس اور اسکی نو آبادیوں کی نمائش تھی اور باقی (۱۲۷۹۰۰۰) مربع فیٹ پر تمام ممالک غیر کی۔

کے نہیں تھے۔ مجھے ترکوں کی یہ بے پروائی دیکھ کر افسوس ہوا۔ یہ مسلمان محمد جنید شاہ آٹھ دس سال انگلستان میں طبابت چشم کرچکا ہے۔ اور اس کی بیوی بھی انگریزن ہے۔ اس سے میں نے ترکوں کی اس بے اعتنائی کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے کہا ترک سمجھتے ہیں کہ وہ یورپ میں آکر بے دین ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ گھر میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ ابتدائے اسلام میں تو مسلمان چین۔ ہندوستان اور ہسپانیہ تک جاکر بیدین نہیں ہوتے تھے۔ جبکہ راستہ سالوں میں طے ہوتا تھا۔ اور اب جب کہ راستہ گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ اور ترک خاص یورپ میں رہتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے پیرس تک صرف دو شب و روز صرف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بے دین ہو جانے کے ڈر سے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ دوسری طرف کمبخت جاپانی ہزارہا میل گھر سے دور سینکڑوں پیرس میں ملتے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ کے ہر بڑے شہر میں کسب فن اور تحصیل تعلیم کے لئے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی کثرت ترکی کے مکان سے مایوس ہوکر مجھے خیال ہوا کہ مصر اور الجیریا اور ٹیونس اور طرابلس کے مکانات بھی تو نمایش میں ہیں۔ وہاں مسلمان ضرور ملیں گے۔ میں نے جو جاکر دیکھا کہ یہودی اور صرف یہودی ہر مکان میں ان ممالک کی اشیاء کی خرید و فروخت کر رہے تھے۔ انہوں نے ترکی ٹوپیاں اور مصری سدری۔ الجیری اور مراکشی جبے اور عمامے پہنے ہوئے تھے۔ صرف اپنے لباس کی بدولت یورپ میں روٹیاں کما رہے تھے۔ الجیری مکان نمایش میں مجھے دو تین مسلمان حانظانہ ایشیں ملے۔ اور ٹیونس یعنی طنجہ کے مکان میں صرف باورچی مسلمان تھے۔ کہ جن کے ہاں میں ہر روز شام کا کھانا کھاتا تھا۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا تھا

یہودی عورتوں کا ناچ یہودی عورتیں جو بالکل گوری چٹی اور حسین ہوتی ہیں یہ کمبخت

عربی اور مسلمانی عورتوں کا لباس پہن کر ترکی۔ مصر۔ ٹیونس اور مراکش
چاروں مقامات کے تھیٹروں میں ناچتی تھیں۔ ہندوستان کی رنڈیوں
کا ناچ ان کے مقابلہ میں نہایت شریفانہ اور مہذبانہ ہوتا ہے۔ یہودیوں
کا لباس اور ناچ خاصہ مخصوص ہوتا۔ اور اہل یوروپ تماشبین تمدن شایہ سمجھتے تھے
کہ وہ محمڈن عورتوں کا ناچ اور تماشا دیکھ رہے تھے۔ مجھے یہ باتیں دیکھ کر
افسوس ہوا۔ لیکن اس کی تلافی اور کسی طرح سے نہیں ہو سکتی کہ ہزارہا مسلمان
یوروپ میں جائیں اور اپنے کھرے چال چلن اور لیاقت سے اپنا سکہ ان
ممالک میں جما دیں۔ اس وقت روئے زمین پر کم از کم

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

حساب سے ۵۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ جو دنیا کی آبادی کا آٹھواں
حصہ ہیں۔ بقول دیگرے ۲۰ کروڑ* سے کم مسلمان دنیا میں آباد نہیں۔ جو دنیا میں ہر

* دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کی مقدار کے متعلق مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ سیاحت
(میں قیاس ہے کہ ممالک اسلامیہ خصوصاً افریقہ کی مسلمان آبادی کا صحیح اندازہ یورپین جغرافیہ
دان نہ کر سکے ہوں۔ عام جغرافیوں میں کل دنیا میں ۲۰ کروڑ مسلمان بتلائے جاتے ہیں۔ اور
ایک حال کے انگریزی اخبار میں ان کی تعداد حسب ذیل ہونے بیس کروڑ کے قریب بتلائی گئی
ہے۔ کل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۹ کروڑ ۶۰ لاکھ ہے۔ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ سلطان ٹرکی کی
حکومت میں ہیں۔ ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ دیگر مسلمان فرمانرواؤں (مثلاً شاہ فارس امیر کابل وغیرہ)
کے ماتحت ہیں۔ ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ افریقی ریاستوں کے زیر حکومت ہیں۔ چین میں مسلمانوں
کی تعداد ۳ کروڑ ہے۔ عیسائی سلطنتوں کی مسلمان رعایا کی تعداد ۹ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے۔ اس
تعداد میں سے ۶ کروڑ ۲۰ لاکھ مسلمان برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہیں۔ قاہرہ کے عربی اخبار
المؤید سے حسب ذیل تعداد دنیا کے مسلمانوں کی نقل کی ہے۔ ۔ دولت عثمانیہ اور یوروپ میں
۲ کروڑ ۳۰ لاکھ۔ سلطنت ایران ۹۰ لاکھ۔ طیبار ۱۰ لاکھ۔ دولت افغانستان ۴۰ لاکھ۔ دولت
مصر ۹۰ لاکھ۔ حکومت بخارا ۳۰ لاکھ ۵۰ ہزار۔ سوڈان مع حبش مشرقی (ایک کروڑ ۵۰ لاکھ۔
خیوا ۸۰ لاکھ۔ اوگنڈا ۸۰ لاکھ۔ سلطنت روس ۲۰ لاکھ۔ سلطنت زنجبار ۳۰ لاکھ چینی تاتار ۲۰ لاکھ

ہر چھپا شخص شمار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں مجھے دیش سے صرف چند شخص [illegible]
گننے کے لائق نظر آئے اور وہ بھی بجز ایک آدھ دستکار کے بشوق دید
نمائش سے آئے تھے اور نہ اسباب نمائش لائے تھے۔ بلکہ معمولی اور
ادنیٰ خدمات پر ملازم ہو کر آئے تھے۔

ہندوستانی تماشا کی کمپنی

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ عام طور پر اہل ہند کا فقدان تھا۔
ہندوستانی ہندو یا مسلمان یہاں عنقا تھے۔ البتہ لکھنؤ اور الہ آباد کے چند
ہندو وکیلوں کا بھلا ہو کہ انہوں نے اپنے ملک کے تماشے اور کرتب
یورپ میں دکھلانے کے لئے ایک پرفارمنگ کمپنی بنائی تھی اور ساٹھ
کس ہندوستانی ہندو مسلمان ملازم رکھ کر ساتھ لے گئے تھے۔ انہیں میں
مشہور پہلوان غلام محمد مرحوم امرت سری۔ اور اسکا بھائی کلو بھی مع چار دوسرے
لاہور اور امرت سر کے پہلوانوں کے تھے۔ ایک رنڈی اور کچھ بھانڈ پنجابی
ایک رنڈی اودھ کی۔ اضلاع مغربی و شمالی کے کئی سازندے۔ ستار وغیرہ بجانے
والے۔ دو بھان متی۔ ایک بنگالی [illegible] کا کرتب کرنے والا کچھ جمناسٹک
والے۔ ایک دہلی کا مصور [illegible]۔ ایک سپیرا۔ ایک کپڑا کھانیوالا۔ ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵۔ سلطنت چین خاص ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ۔ جرمن واقع مشرقی افریقہ ۱۰ لاکھ۔ [illegible]
موزمبیق ۲۰ لاکھ [illegible] ہزار۔ ہندوستان ۶ کروڑ [illegible]۔ سلطنت مراکو ۶۰ لاکھ۔ سلطنت الجیریا ۴۰ لاکھ۔ سلطنت مصر [illegible]
[illegible] لاکھ۔ سلطنت تونس ۱۵ لاکھ۔ طرابلس ۱۰ لاکھ۔ [illegible] زنجبار [illegible] لاکھ۔ سلطنت روس [illegible] لاکھ۔ جزیرہ بورنیو [illegible]
میزان کل اہل اسلام دنیا [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار ہے۔ اور میزان کل اقوام عیسائی [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ۔ اور اہل یہود [illegible] کروڑ
[illegible] لاکھ۔ اور غیر اہل کتاب [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار۔ ایک فرانسیسی فاضل ایم [illegible] نے اپنی کتاب سیر الاسلام میں
مفصلہ ذیل تعداد اہل اسلام کی صحیح کی ہے۔ یورپ میں ایک کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار [illegible] سو [illegible]۔ ایشیا میں ایک
کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار [illegible] سو [illegible]۔ افریقہ میں [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار۔ آسٹریلیا اور اسکے جزائر میں [illegible] لاکھ [illegible] ہزار۔
برٹش انڈیا میں [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible]۔ شمالی افریقہ میں [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible]۔ جزائر ہند میں [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible]۔ ایشیا میں [illegible] کروڑ [illegible]
[illegible] میزان کل [illegible] ان تحقیقات سے [illegible] مسلمانوں کی تعداد [illegible]

حلوائی - ایک سات فیٹ لمبا آدمی - دو لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے بنانے والے اور کچھ اور ملازم تھے - غلام پہلوان کے مقابلہ کے لئے پہلے خیال تھا کہ انگلستان کا نامور پہلوان سینڈو نامی نکلیگا - لیکن وہ اِس قسم کی کشتی کرنے سے جھجکتا تھا کہ جس کا ہندوستان میں رواج ہے - وہ بوجھ بہت اُٹھا سکتا ہے اور مکوں سے لڑ سکتا ہے کیونکہ یورپ اور امریکہ میں یہی شہزوری کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن کشتی نہیں کرتا - اِسلئے ایک ترک پہلوان قارا احمد نامی نے غلام سے کشتی کرنا منظور کیا - افسوس ہے کہ پورے تین ماہ یہ لوگ بیکار رہے - پہلے اس کمپنی میں کچھ فرانس کے لوگ بھی شریک تھے - جو کسی وجہ سے الگ ہو گئے - مقدمہ بازیاں ہوئیں - آخر بیچارے ہندوستانیوں کے سر پر سارا بوجھ پڑ گیا - لکھنؤ کے وکیل پنڈت موتی لال جو اسکے بانی تھے - کل کام کے ذمہ وار تھے - میرے پہنچنے کے بعد ان کا تھیٹر بنکر تیار ہوا - اور انہوں نے بہت دیر کے بعد کام شروع کیا - لوگ ان کے تماشوں کو پسند کرتے تھے - لیکن تین ماہ تک کام نہ شروع کر سکنے سے اِن کا سنا گیا تھا کہ دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا تھا - میں پنڈت موتی لال اور اُن کے شرکا کی ہمت کی تعریف کرتا تھا - اور اُن کی کامیابی کے لئے دُعا کرتا تھا لیکن ان لوگوں کے دیر سے کام شروع کر لینے اور خرچ بڑھے ہوئے ہونے نے انہیں فائدہ نہ ہونے دیا - ورنہ جو تماشے انہوں نے پہلی پہل کئے تھے انہیں لوگ بہت پسند کرتے تھے - جب میں لنڈن سے لوٹ کر آیا تو مجھے ایک ہندوستانی نے بتلایا کہ کمپنی کے تماشوں میں بہت کم آدمی جاتے ہیں - اور کمپنی نے پہلوان وغیرہ کئی آدمی ہندوستان کو لوٹا دیئے ہیں - شاید بانیان کمپنی کو یہ اِس بات کی سزا ملی ہوگی کہ ہندوستانی ہو کر انہوں نے سرزمین یورپ سے بجائے خرچ کرنے کے کچھ کمانے کا ارادہ کیا تھا - بھلا ان کے چلائے

ہندوستانی یورپ سے کس کر لائیں

یہ الٹی گنگا تھوڑا ہی چلنے لگی تھی۔ وہ تو خیر گذری کہ انہیں خسارہ ہوا ورنہ
آئندہ ہمیشہ ہندوستانی یورپ میں جا کر کمانے کی راہ ہی نکال لیتے۔
امید ہے کہ اہل یورپ کی طرح ہندوستانی اس ایک شکست سے پست
ہمت نہیں ہو جائینگے۔ یہ فارسنگ کمپنی میں کامیابی نہیں ہوئی تو کچھ تو انتظام
کی غلطی یا اور وجوہات ہونگی۔ ہندوستان کی دستکاریاں کو یورپ اور
امریکہ میں شہرت دینے اور کھپانے کے لئے اور یورپ کے مختلف
ممالک کے مال کو جو یہاں آتا ہے خوب سستی کر کے ہندوستان
پہنچنے کے لئے ہزار یا پانچ سو ہندوستانیوں کی کھپت ہو سکتی ہے۔ جو کاروبار
بارے کچھ مس رکھتے ہوں۔ اور شروع میں کام چلانے کے لئے کچھ
روپیہ بھی خرچ سکیں۔ ان میں سے ممکن ہے بعض تو لکھ پتی ہو جائیں۔ مگر
باقی بھی کام سیکھ جانے کے بعد تین چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہیں کمایا کرینگے۔
مجھے وہ ہندوستانی بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں جو ہندوستان سے
باہر جا کر کمائیں اور اگر ہو سکے تو اس کمائی کو ہندوستان میں لا کر کھائیں۔ اہل
یورپ کروڑوں روپے ہندوستان سے کما کر یورپ میں لے جاتے
ہیں۔ سو آئندہ ہندوستان کے سب سے بہتر فرزند وہ ہونگے جو یورپ
امریکہ وغیرہ میں جا کر کسی نہ کسی طرح سے محنت مزدوری یا تجارت سے کمائیں
ہر چند کہ میں نے بہت غور کیا مگر ہندوستانیوں کے یورپ میں آ کر کمانے
کے سب راستے ظاہرا بند پائے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر ہندوستان
کے کئی ہونہار نوجوان عزم کر لیں تو وہ یورپ میں جا کر اپنے لئے راستے
خود کھول سکتے ہیں۔ کیا وہ چینیوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر ہندوستانی
یہاں کی طرح طرح کی مشینوں اور دوسرے کارخانوں سے مزدور بنکر سینکڑوں
ہنر اور فن سیکھ جائینگے تو اپنے ملک میں جا کر انہیں رواج دے سکیں گے
اب تو یہ وقت ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی یورپ سے کوئی مشین بھی خریدتا ہے

تو اکثر اوقات اُس کے پُرزے نہ جوڑ سکنے کی وجہ سے مشین کام میں نہیں لا سکتا۔ ہر چند کہ انگریز سو سال سے زیادہ سے ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے تعلق سے ہندوستانیوں پر یورپ کی اچھی باتوں کا اتنا اثر نہیں پڑا۔ جتنا کہ ایک ہزار ہندوستانیوں کے دو تین سال یورپ و امریکہ میں رہ کر واپس جانے سے پڑ سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہندوستانی کچھ لکھے پڑھے ضرور ہوں۔ یہاں تو میں نے دیکھا ہے کہ صرف گھوڑے اور بیل اور کتے تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ باقی اللہ کی سب مخلوقات خواندہ ہے۔ بعض اوقات کسی میلے کپڑوں والے یا غریب شخص کی طرف دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا نہیں ہے۔ لیکن وہ کم و بیش خواندہ نکلتا ہے۔

پیشوں اور حرفتوں کے راز

نمائش گاہ پیرس میں اور اس سے باہر مجھے اکثر اوقات خیال رہتا تھا کہ کوئی ایسے مفید اور کارآمد پیشے اور چھوٹی چھوٹی [illegible] تلاش کروں کہ جن سے ہندوستان کے غریب لوگ معمولی استطاعت کے ساتھ کام کر سکیں۔ چنانچہ میں نے اس بارہ میں جو چند نوٹ کئے تھے انہیں کتاب کے اخیر میں درج کرتا ہوں۔ ایک روز میں نے نمائشگاہ میں ایک امریکہ کے میوہ جات "پریزرو" Preserve کرنے والے جنٹلمین سے ملاقات کی اور اُس کی خوش اخلاقی نے مجھے جرأت دلائی تو میں نے اُس سے میوہ جات کو سڑنے سے محفوظ رکھنے کا حال معلوم کیا اُس نے مجھے یہ تو بتلا دیا کہ نمائش کرنے کے لئے میوہ جات کی بغرض نمائش اصلی شکل و صورت قائم رکھنے کے واسطے کیا تدبیر کرنی چاہئے۔ مگر عام طور پر کھانے کے میوہ جات کو کچھ مدت تک محفوظ رکھنے کا طریقہ نہ بتلایا۔ تاہم ایک طریقہ جو مجھے معلوم ہوا تھا وہ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھتا ہوں۔ اگر ہندوستانی کم و بیش تنخواہ پر تھوڑا عرصہ یورپ د[illegible]

کارخانوں میں مزدوریاں کریں تو وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں ۔

یورپ کے میوجات یورپ کے سرد ملکوں میں میوہ جات بہت کم پیدا ہوتے ہیں ۔ بعض میوے یہ لوگ بڑی شکل سے شیشہ کے مکانات میں پیدا کرتے ہیں ۔ خربزہ جیسی عام چیز کو شیشہ کے چوکھٹوں میں پالتے ہیں ۔ اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ ان کے دام یہاں کتنے ہونگے ۔ سالم خربزہ خرید کر یہاں کھانے کا رواج نہیں ۔ کیونکہ لوگ اتنے دام نہیں دے سکتے اسلئے بعض ریسٹارنٹوں میں کھانے سے پہلے ایک پھانک خربوزہ کی بھی دیتے ہیں ۔ جس کے دام دس بارہ آنے یا اسکے قریب لگا لیتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں یہاں سردے کیوں نہیں بھیجے جاتے ۔ شفتالو تو روئی میں بند ہو کر اٹلی سے وغیرہ دیار یورپ میں جاتے ہیں ۔ اسلئے ایک ایک شفتالو کی قیمت تین تین چار چار آنے ہے ۔ ایسے شفتالو لاہور میں پیسے کے آدھ سیر اور سیر بھر بکتے ہیں ۔ میرے لاہور کے دوست جانتے ہیں کہ مجھے شفتالو سے بہت رغبت ہے ۔ لیکن یہاں میرے پاس اتنے دام نہیں تھے کہ ہر روز جتنے چاہتا کھاتا ۔ علاوہ اسکے یہ ایسے لذیذ بھی نہیں تھے کہ جیسے لاہور میں ہوتے ہیں ۔ آم کا یہاں کے لوگ نام بھی نہیں جانتے پس ہندوستان سے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت میوہ جات کی یورپ سے جاری ہو سکتی ہے ۔ یہ لوگ پیسہ والے ہیں ۔ اور کھانے پینے پر خوب خرچ کرتے ہیں ۔ اگر کوئی صاحب ہندوستان میں میوہ جات ایک دو ماہ محفوظ رکھنے کی سستی اور سہل ترکیب جانتے ہوں تو وہ اپنے ہموطنوں کے فائدے کے لئے مشتہر کر دیں کیونکہ صرف اسی لائن میں لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت یورپ سے چل سکتی ہے ۔

کچھ اور ہندوستانی علاوہ ان ہندوستانیوں کے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں دو بنگالی ۔ دو دکھنی پارسی ۔ ایک مرہٹہ ۔ ایک سرحدی پٹھان ۔ گلاشیا ونائی

جو اس سال سے یورپ میں رہتا ہے اور گو ناخواندہ ہے مگر فرانسیسی اور انگریزی بلاتکلف بول سکتا ہے اور یورپ سے ہر طرح اپنی روزی کما لینے میں بڑا ہوشیار ہے۔ اور ایک لاہور کا باو محمد بخش مجھے یہاں ملے شاید کوئی بھولا بھٹکا اور چینی لباس میں تھا

یورپ کے غریب لوگ ہر چند کہ نمائش گاہ میں تمام یورپ اور امریکہ کے دولتمند اور فیشن ایبل لوگ جمع تھے۔ تاہم بہت سے غریب یورپین کنبے بھی ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور جس طرح دولتمند لوگ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں پرتکلف اور بیش قیمت کھانے کھاتے تھے اسی طرح یہ غریب کنبے اپنی بیگوں اور تھیلیوں سے روٹیاں نکال لیتے اور نمائش گاہ کے کسی باغیچہ یا کونہ میں بیٹھ کر بیئر شراب یا پانی کے ساتھ خشک روٹی کو حلق سے اتار لیتے۔ جس طرح ہمارے ملک میں دیہاتی میلوں کے موقعوں پر غریب لوگ روٹیاں پکوا کر پلے باندھ لاتے ہیں ویسا ہی ان کا حال تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ شربت یا شراب وغیرہ خرید لیتے تھے۔ کیونکہ یہاں پانی مفت ملنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ صرف دو چار جگہ میں نے پانی کے نلکے بھی دیکھے جہاں سے لوگ مفت پانی کے گلاس اور بوتلیں بھر لیتے تھے

نمائش کے گائیڈ نمائشگاہ و پیرس کے حالات کے لئے فرانسیسی و انگریزی میں کئی گائیڈ کتابیں چھپی ہوئی ملتی تھیں۔ لیکن سب سے اعلیٰ گائیڈ وہ آفیشل ہینڈ بک تھی جو سولہ یا اس سے زیادہ جلدوں میں منتظمان نمائش کی جانب سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں کل اشیا کی تفصیل درج تھی جو نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ میں نے پانچ روز مختلف اوقات میں بعض پیرس کے ملاقاتیوں کی مدد سے نمائش وغیرہ کے مقامات دیکھے۔ اسلئے یہاں مجھے کسی تنخواہ دار گائیڈ کے رکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

اس عظیم الشان نمائش کو میں ناظرین کے تفہیم کے خیال سے پہلے دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ میں وہ تمام اشیا ہے صنعت و حرفت و ساختہ ممالک دنیا ہیں جو بغرض تعلیم جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسرے میں وہ

تمام دل بہلاؤ کے سامان مثل ایفل ٹاور پر چڑھنے یا غبارہ پہ اُڑنے یا زیر زمین جانے یا تھیٹر اور بائیسکوپ وغیرہ دیکھنے کے تھے۔ دیکھنے کے سوا ایک بڑا حصہ نمائش میں کھانے پینے کا شامل تھا۔ چپہ چپہ پر بیئر شراب۔ دیگر شرابوں۔ قہوہ اور چائے اور لیمونیڈ پینے کی دکانیں اور کھانے کے ریسٹورنٹ تھے۔ یہ لوگ خوب روپیہ کما رہے تھے۔ یہاں پانی پینے کا تو رواج ہی نہیں تھا۔ مجھے عجیب عجیب تجربے تماشے سفر میں ہوئے۔ یہ لوگ بڑے کھاؤ اور پینے والے ہیں۔ اور اکثر وقت فرصت میں کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے۔

نمائش میں فن تعمیر کی قدر

نمائشگاہ کی بڑی ترکیب اس طرح ہے کہ پیرس کے مشہور "بولوارڈ" (لمبا اور کشادہ بازار جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت ہیں)۔ اور "شانزلانزی" (سڑک) کے قریب اور "پلاس ڈالاکونکارڈ" (وسیع چوک) کے محاذی نمائش کا بڑا دروازہ تھا۔ تین ۲۲-۲۲ فیٹ محرابوں کا ایک مثلث (۲۲۰ گز) زمین پر بڑے تکلف سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے گنبد کے نیچے دو ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے تھے گویا یہ مثلث عمارت تھی کہ جس کے تینوں پہلوؤں میں تین دروازے تھے۔ اور اٹھارہ ان جنگلے آدمیوں کے اندر گزرنے کے تھے کہ جس سے ایک گھنٹہ میں ہزار آدمی داخل ہو سکتے تھے۔ یہ دروازہ ہزارہا رنگین برقی لیمپوں سے رات کو خود بخود روشن ہو جاتا تھا اور عجیب دلکش نظارہ ہوتا تھا۔ یہ پرتکلف صنعت کاری اور بتوں اور تصویروں کے کام سے آراستہ تھا۔ تصویروں۔ بتوں اور دیواروں کے "فریز" میں پتھر اور چونے کے بیل بوٹے بنانے کے کام کی یہاں اس قدر عزت ہے۔ اور اس کام کو نمائش کی عالیشان عمارات میں جا بجا اس قدر صرف کیا گیا تھا کہ میرے خیال میں جس قدر لاگت کل عمارتوں کی تعمیر پر آئی ہوگی اس سے بہت زیادہ ان کی ایسی آرائش پر آئی ہوگی کہ جن پر خاص خاص نامی آرٹسٹ اور مصور لگائے گئے تھے

اور انہوں نے جو کام کئے تھے اُن سے عمر بھر کے لئے اُن کے نام روشن ہو گئے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ ان لوگوں کی اس جانفشانی کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن مندرجہ ذیل بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فرانس میں اس خاص آرٹ کی کس قدر قدردانی ہوتی ہے۔ فرانس کے تمام ملک میں مختلف مدارس آرٹ کے قائم ہیں۔ اور سرکار فرانس کا فرض ہے کہ ان سب پرائیویٹ سکولوں کی مالی امداد کرے۔ پیرس کے نیشنل سکول آف فائن آرٹس میں نقاش مصور۔ مُبت بنانے والے۔ پتھر کندہ کرنے والے اور معمار وغیرہ تعلیم پاتے ہیں۔ جنکو گورنمنٹ سے وظائف ملتے ہیں۔ اور اسی سکول کی بدولت فرانس کے آرٹ کا رتبہ یورپ بھر میں اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں سے یہ لوگ تعلیم ختم کر کے اکاڈیمی آف فرانس واقع روم (اٹلی) میں اس فن کی تعلیم کی تکمیل کے لئے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ فرانس چینی اور مٹی کے برتن بنانے اور تپسٹری کی قسم کے قالین بُننے کے مدارس پر روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ریشمی قالین کے برتن سونے کی قیمت سے خریدنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان پر ایسا اعلیٰ آرٹ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ان کے بہت سے نمونے نمائش میں ہم نے دیکھے۔

فنِ تعمیر میں قومی خصوصیت

اس کے علاوہ نمائش کے مکانات میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی تھی کہ وہ بڑے عالیشان ہوں اور خاص خاص حالتوں کے لئے اُن کی صورتیں موزون ہوں۔ اور یہ واقعی بہت بڑا کمال یہاں کے معماروں نے کیا تھا کہ شکل سے دیکھ کر پہچان جاؤ کہ یہ عمارت ٹرکی کی ہے یہ ایران کی ہے۔ یہ مصر کی ہے۔ یہ چین کی ہے۔ یہ جاپان کی ہے۔ یہ روس کی۔ اور یہ افریقہ کی کسی وحشی قوم کا جھونپڑا یا چھپر کا مکان ہے۔ یہ بہت بڑا کمال ہے۔ اور اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ سیام اور انام کے بعض پہاڑوں میں کھودے ہوئے مندر اور غاریں بنا کر دکھلائی

گئی تھیں۔ جو بالکل پہاڑی کھوہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دراصل کاریگروں نے چونے سے یہ کام بنایا تھا۔ انام اور جاوا کے مکانات پر بدھ کے کئی بت عمارت میں بنائے گئے تھے۔ الجیریا اور مراکو، اور ٹیونس کے مکانات اپنی اپنی شان کے فن عمارت میں بنائے گئے ہیں۔ ایسے ہی یورپ کے مختلف ممالک جرمنی۔ آسٹریا۔ اٹلی۔ یونان۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ ہسپانیہ۔ انگلستان سویڈن۔ ناروے وغیرہ کے مکانات میں وہ امتیاز تھا۔ جو ان ملکوں کی تعمیرات میں ہے۔ اور ہر واقف باہر سے ہی دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ یہ اٹلی یا ہالینڈ کا مکان ہے۔ مجھے بار بار ان مکانات کو دیکھ کر اس خیال سے افسوس ہوتا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد ایسے عالی شان مکانات گرا دیئے جائیں گے اور اتنی جلدی گرا دیے جانے والے مکانات پر معماروں اور منبت کاروں اور سنگتراشوں نے ایسی محنتیں اور لیاقتیں صرف کی ہیں۔ قوموں کے مکانات میں تو صرف بعض قومی پوشش اور روزمرہ زندگی کی ضروریات۔ بعض ساخت اور صنعت و حرفت کا سامان اور سامان تعلیم اور پیداوار ملکی رکھی گئی تھی لیکن سب ملکوں کی اصل نمایش کی تجارتی چیزیں مثلاً کلیں یا دیگر سامان صنعت و حرفت خاص خاص حصوں میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے نمایش کے محلات میں رکھے گئے تھے۔ مثلاً تم زراعت کی نمایش دیکھنے جاتے ہو تو وہاں ہر ملک کی زراعت کی کلیں اور پیداواریں یہاں تک کہ غلے کے خوشے اور روٹیوں تک پکی ہوئی پڑی تھیں۔ اور شیشوں میں ہر قسم کے دانے اور فن زراعت کی کل کتابیں۔ مکھن اور پنیر تیار کرنے اور باغبانی اور نخلبندی کی کلیں۔ غرض فن زراعت اور اس کے سب متعلقات کے سامان ہر ملک کے الگ الگ حلقوں میں موجود تھے۔

مواقعے

منتظمان نمایش نے اشیائے موجودہ کے کسی ترکیب سے رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی۔ کیونکہ سب چیزوں کے بعض پہلو دوسری چیزوں

سے ملتے تھے۔ مثلاً زراعت کی کلیں دوسری کلوں سے ملتی تھیں۔ اور کپڑے اون اور روئی اور دیگر ریشہ دار چیزیں زراعت سے متعلق تھیں۔ اسلئے اِن لوگوں نے بڑی کوشش سے تمام نمایش کی اشیا کو ۱۸ حصوں اور ۱۲۱ شاخوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُن ۱۸ حصوں کی تفصیل یہ ہے:۔ حصہ اول تعلیم و طریقہ تعلیم۔ دوم مصوری۔ نقاشی۔ تعمیر۔ سوم لٹریچر۔ سائنس اور آرٹس۔ چہارم کلیں۔ پنجم برقی۔ ششم سول انجنیری اور ٹرانسپورٹ۔ ہفتم زراعت۔ ہشتم باغبانی و نخلبندی۔ نہم جنگلات۔ شکار۔ ماہی گیری۔ دہم خوراک۔ یازدہم معدنیات و فلزات۔ دوازدہم سامان آرایش و فرنیچر۔ سیزدہم پوشش و ریشے۔ چہاردہم کیمیاوی صنعتیں۔ پانزدہم متفرق صنعتیں۔ شانزدہم صحت۔ حفظ صحت اور مزدوروں کے مکانات۔ ہفدہم نو آبادیاں۔ ہژدہم فوجی و بحری نمایش۔

۱۲۱ شاخیں اور ان ۱۸ حصوں کی ۱۲۱ شاخوں کی فہرست گو بہت لمبی ہے تاہم نمایش گاہ کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے اسکا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:۔

حصہ ۱۔ تعلیم و تربیت شاخ ۱۔ بچوں کی تعلیم۔ پرائمری تعلیم۔ نوجوانوں کی تعلیم۔ شاخ ۲ (سکنڈری تعلیم) ۳ (اعلیٰ تعلیم۔ سائنس کے مدارس) ۴ (خاص فنون لطیفہ (فائن آرٹس) کی تعلیم۔ مع موسیقی) ۵ (خاص تعلیم زراعت) ۶ (خاص تجارتی اور صنعتی تعلیم)۔

حصہ دوم۔ آرٹس کے کام (صرف فنون لطیفہ) ۷ (نقاشی۔ نقشہ کشی۔ کارٹون)۔ ۸ (چھاپنے کی تصویریں کھودنا۔ پتھر کا چھاپا) ۹ (تمغوں اور قیمتی پتھروں پر کندہ کرنا۔ اور بت بنانا) ۱۰ (تعمیر عمارت)

حصہ سوم۔ لٹریچر۔ سائنس اور آرایش کے متعلق آلات و اسباب ۱۱ (ٹائپ گرافی۔ مختلف قسم کی چھاپنے کی ترکیبیں) ۱۲ (فوٹو گرافی) ۱۳ (کتابیں۔ فن موسیقی کے مطبوعات۔ جلد بندی۔ اخبارات۔ پوسٹر) ۱۴ (نقشے اور جغرافیہ اور

کاسموگرافی (علم الارض) کے سامان - ٹاپوگریفی) ۱۵ (ریاضی اور
سائنس کے متعلق آلات - سکے اور تمغے) ۱۶ (طب اور جراحی) -
۱۷ (آلات موسیقی) ۱۸ (تھیٹر کے متعلق اشیا اور سامان) -

حصہ چہارم - مکینیکل انجنیرنگ

۱۹ (دودخانی انجن) - ۲۰ (مختلف قسم کے انجن)
۲۱ (عام کلیں) - ۲۲ (مشین ٹول)

حصہ پنجم - برق

۲۳ (بجلی کا مکینیکل وسائل سے پیدا کرنا اور کام میں
لانا) - ۲۴ (الکٹرو کمسٹری) - ۲۵ (برقی روشنی) - ۲۶ (ٹیلیگرافی اور
ٹیلیفونی) - ۲۷ (برقی طاقت کے مختلف استعمال) -

حصہ ششم - سول انجنیری - بار برداری

۲۸ (سامان اسباب اور تراکیب متعلق سول انجنیری)
۲۹ (پبلک ورکس کے متعلق نمونے اور نقشے) -
۳۰ (گاڑیوں اور پہیوں کے بنانے کے کام) (علاوہ ریلوں کے) -
۳۱ (زینیں اور ساز) - ۳۲ (ریل اور ٹراموے کا سامان) - ۳۳
(تجارتی جہاز رانی کے متعلق سامان اور اسباب) - ۳۴ (غبارہ بازی
کے متعلق سامان -

حصہ ہفتم - زراعت

۳۵ (آلات اور تراکیب جو کشتکاری میں مستعمل ہوتی
ہیں -) ۳۶ (کاشت انگور کے متعلق سامان اور ترکیبیں) - ۳۷ (دیگر
اشیائی کاشت کے متعلق سامان اور ترکیبیں) - ۳۸ (اگرانومی (زراعتی)
کے اصول) زراعت کے شمار و اعداد) - ۳۹ (پیداوار از زراعت
متعلق بہ غذا) - ۴۰ (پیداوار حیوانی متعلق بہ غذا) - ۴۱ (زراعتی پیداوار
جو قابل خوراک نہ ہوں - ۴۲ (مفید کیڑے اور ان کی پیداوار - مضر کیڑے
اور ان کے قاتل پودے)

حصہ ہشتم - چمن باغبانی و گلبندی

۴۳ (سامان اور تراکیب جو باغبانی اور گلبندی
میں کام آتے ہیں -) ۴۴ (خانہ باغ کے پودے) -

۴۵ (میوہ جات۔ اور میوہ دار درخت اور پودے)۔ ۴۶ (درخت جھاڑیاں آرائشی پودے اور پھول)۔ ۴۷ (گرین ہاؤس اور ہاٹ ہاؤس کے پودے۔ (یعنی شیشہ گھروں کے پودے))۔ ۴۸ (باغبانی اور ذخیرہ کے تخم اور پود)

حصہ ہشتم جنگلات۔ شکار۔ ماہی گیری۔ اور جنگلی خودرو پیداوار

۴۹ (محکمہ جنگلات کے متعلق سامان و تدابیر)۔ ۵۰ (جنگلات کی کاشت اور جنگلاتی حرفتوں کی پیداوار)۔ ۵۱ (شکاری سامان اور ضروریات) ۵۲ (شکار کی پیداوار اور حاصلات)۔ ۵۳ (ماہی گیری کا سامان۔ کانٹے بنسیاں اور پیداوار)۔ ۵۴ (خودرو جنگلی فصلوں کے جمع کرنے کے آلات اور سامان)۔

حصہ نہم خوراک کی پیداوار

۵۵ (سامان و تدابیر جو خوراک کی پیداوار کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں)۔ ۵۶ (مکھیوں سے متعلق پیداوار اور اس کے خلاصے) ۵۷ (روٹی اور حلوے)۔ ۵۸ گوشت مچھلی ترکاریاں اور میوہ جات جو ٹین میں بند کرکے رکھے جاتے ہیں)۔ ۵۹ (شکر اور مٹھائی کے اقسام اور انواع و اقسام کے مصالحے اور آچار و چٹنیاں)۔ ۶۰ مختلف اقسام کی انگوری شرابیں)۔ ۶۱ (شربت اور شرابیں۔ مختلف قسم کے الکحال والی تجارتی شرابیں)۔ ۶۲ (مختلف قسم کی پینے کی چیزیں)

حصہ یازدہم کان کنی معدنیات۔

۶۳ (کانوں کا کھودنا)۔ ۶۴ (فلزات و معدنیات) ۶۵ (دھاتوں کے مختلف قسم کے کام)۔

حصہ دوازدہم پبلک عمارات اور پرائیویٹ مکانات کی آرائش کے سامان اور فرنیچر

۶۶ (سرکاری عمارات اور سکونتی مکانات کی مستقل آرائش۔) ۶۷ (رنگین شیشہ)۔ ۶۸ (دیواروں پر چسپاں کرنے کے کاغذ کی اقسام اور کاغذ کو چسپاں کرنے کی تدابیر)۔ ۶۹ (خانگی اور آرائشی (آرٹ) فرنیچر۔

۷۰ (قالین ٹیپسٹری اور دیگر اقسام فرش و آرائش دیوار ہا)۔ ۷۱ (عارضی آرائش اور سامان خانہ داری کی تجارت)۔ ۷۲ (بجلی اور چینی ظروف)۔ ۷۳ (شیشہ۔ بلور)۔ ۷۴ (مکانات میں حرارت۔ روشنی اور ہوا داری پیدا کرنے کے سامان اور وسائل)۔ ۷۵ (برقی روشنی کے علاوہ دیگر قسم کی روشنیوں اور ان کے سامان و تدابیر)۔

حصہ سیزدہم۔ سوت تاگا۔ کپڑا۔

۷۶ (کاتنے اور رسے بٹنے کے سامان اور تدابیر) ۷۷ (کپڑا بننے کے کارخانوں کا سامان اور طریقے) ۷۸ (کپڑے کے مصالح کو مختلف حالتوں میں دھونے رنگنے چھاپنے اور تیار کرنے کے طریقے اور سامان)۔ ۷۹ (لباس سینے اور تیار کرنے کے لئے ضروری سامان اور طریقے)۔ ۸۰ (روئی کا دھاگہ اور کپڑا) ۸۱ (سن اور السی وغیرہ کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۲ (اون کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۳ (ریشم اور ریشم کا کپڑا)۔ ۸۴ (لیس۔ زردوزی اور گوٹ اور حاشیے جھالر دار)۔ ۸۵ (خیالی اور عورتوں مردوں اور بچوں کے لباس تیار کرنا)۔ ۸۶ (کپڑے سے متعلق مختلف پیشے)۔

حصہ چہار دہم۔ کیمسٹری کے متعلق پیشے

۸۷ (عملی کیمسٹری اور دوا سازی)۔ ۸۸ (کاغذ سازی)، ۸۹ (چمڑے، ور کھالیں)۔ ۹۰ (خوشبوئیں تیار کرنا) (عطاری)۔ ۹۱ (تمباکو اور دیا سلائی بنانا)۔

حصہ پانزدہم مختلف پیشے

۹۲ (سٹیشنری)۔ ۹۳ (کٹلری۔ چھریاں۔ چاقو قینچیاں)۔ ۹۴ (سنار کے سونے اور چاندی کے سامان)۔ ۹۵ (زیورات اور جواہرات)۔ ۹۶ (کلاک۔ جیبی گھڑیاں۔ ٹائم پیس)۔ ۹۷ (برنج اور لوہے کے ڈھالے ہوئے اور گھڑے ہوئے سامان)۔ ۹۸ (برش۔ چمڑے کی چیزیں۔ قیمتی آرٹیکل اور باسکٹ ورک) ۹۹ (انڈیا ربڑ اور گٹا پرچا کی حرفتیں۔ سفر اور دورہ کے سامان)۔ ۱۰۰ (کھلونے)

حصہ شانزدہم صنعتی کارگزاری

حفظان صحت وبیماری سے حفاظت

۱۰۱ (امیدواری و شاگردی - نوعمر مزدوروں کی حفاظت) ۱۰۲ (محنت اور مزدوری تقسیم منافع تجارت مشترکہ) ۱۰۳ (بڑی اور چھوٹی حرفتیں - کواپریٹو ایجنسی ایسوسی ایشنس - پروفیشنل اور ٹریڈ ایسوسی ایشنس) ۱۰۴ (بڑے چھوٹے پیمانہ پر کاشتکاری کرنا - جس میں دودھ اور مکھن اور انڈے اور گوشت تیار کرنا شامل ہے - زراعتی بینک یا قرضے - زراعتی انجمنیں) ۱۰۵ (صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور صفائی - کام کے متعلق قواعد و ہدایات) ۱۰۶ (مزدوروں کے مکانات) ۱۰۷ (کواپریٹو اور پراویڈنٹ سٹور) ۱۰۸ (مزدور زن ومرد کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے متعلق انسٹی ٹیوشن) ۱۰۹ (پراویڈنٹ انسٹی ٹیوشن) ۱۱۰ (لوگوں کی بہتری کے لئے سرکاری اور پرائیویٹ تحریکیں) ۱۱۱ (حفظان صحت) ۱۱۲ (پبلک خیراتی امداد)

حصہ ہفدہم

نوآبادیاں بسانا

۱۱۳ (نوآبادیوں کے بسانے کے طریقے) ۱۱۴ (نوآبادیوں کی عمارات اور سامان) ۱۱۵ (خاص اسشیا جو نوآبادیوں کو بھیجی جاتی ہیں)

حصہ ہژدہم بری اور

بحری جنگی فوجیں

۱۱۶ (توپخانہ کے سامان) ۱۱۷ (فوجی انجنیری اور متعلقہ خدمات) ۱۱۸ (بحری تعمیرات - ہائیڈرالکس تارپیڈو کشتیاں) ۱۱۹ (نقشہ کشی - ہائیڈروگرافی - مختلف آبی آلات) ۱۲۰ (مستقل سپاہ جات) ۱۲۱ (حفظان صحت اور حفظ ماتقدم کے سامان)

لیکن اس قدر دلچسپ اور عظیم نمائش کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی نہیں ہوتی تھی - بلکہ بعض اوقات ایک ایک قدم پر درد محسوس ہوتا تھا - نہ اسلئے کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف ہے - نہیں یہ تو نہایت خوبصورت شہر ہے - دنیا میں اسکا ثانی خوبصورتی میں نہیں - نہ اسلئے کہ یہاں کے باشندے تندخو اور بدمزاج ہیں - خاص نہیں نہایت متواضع اور پرلے درجہ کے پولائٹ

میرے خیالات

ہوتے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو میں نے نہایت متواضع اور خوب پایا ہے۔ اسلئے کہ مجھے اچھی چیزیں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ دُنیا بھر کے بھانت بھانت کے لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر کی عجیب عجیب چیزیں نمایش میں ہر روز دیکھتا ہوں۔ خوبصورت لیڈیاں اور بانکے منچلے ہر روز پس و پیش پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک چیز میرے درد و افسوس کو بڑھاتی ہے۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہموطن کیوں ان خوشیوں سے محروم ہیں۔ وہ کیوں قحط اور افلاس کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ جبکہ یہ ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ بلکہ ہمارا ملک زیادہ زرخیز ہے۔ وہاں ارزانی زیادہ ہے۔ وہاں باشندے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد اہل یوروپ سے پہلے مہذب تھے۔ ان سب خرابیوں کی جڑ مجھے جہالت اور بے علمی نظر آتی ہے۔ سر سید احمد خان مرحوم و مغفور نے آج سے بیس برس پہلے یوروپ میں آکر جو نتیجہ نکالا تھا۔ ہر شخص ضرور اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اگر ذرہ بھی تدبیر معمول کر دیکھے۔ مگر اولیت کا تاج ضرور اسی بزرگ سید کے سر پر رہیگا۔ آج یوروپ بیس سال پہلے کے یوروپ سے بہت ترقی کر گیا ہے۔ فرانس کی نمایش کے منتظم کہتے ہیں کہ ان کی ۱۸۸۹ء کی نمایشگاہ میں اور حال کی نمایشگاہ میں ترقی صنعت کے لحاظ سے صدہا کوس کا فرق ہے۔ جرمنی کی تو کل صنعت و حرفت کی کائنات بیس سال کی عمر رکھتی ہے۔ یعنی ۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی کے بعد اسکی بنیاد پڑی۔ مجھے یقین ہے کہ سر سید مرحوم اگر آج کل یوروپ میں آتے تو اپنی تعلیم کی سکیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم کا جزو ضروری سمجھتے۔ یہاں صناع اور کاریگر اور سوداگر راجاؤں اور شہزادوں کے درجے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ابنائے وطن سے جو میرے خیال کی تائید کرتے ہیں وہ کم مستعد عمل ہیں۔ وہ اس خیال کی اشاعت

میں کوشش کریں۔ تاکہ ایک عظیم قومی ٹیکنیکل سکول کی بنیاد رکھی جائے

نمایش کا پہلا حصہ

حکمت طلب و بزرگی آموز
تا بہ نگرند روزت از روز

میں قریب ایک ماہ کے پیرس میں رہا۔ اور سوائے تین یا چار روز کے میں بلاناغہ نمایشگاہ میں جاتا رہا اور اکثر اوقات صبح سے شام تک اشیاے نمایش کے دیکھنے میں مصروف رہا۔ پس اتنے دنوں میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ ہر چند کہ اکثر حصے نہایت سرسری دیکھے تھے۔ کیونکہ نمایش کو نظر غور و تعمق سے دیکھنے کے لئے چھ ماہ بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ یورپ اور امریکہ کی تمام سائنس اور شائستگی نے انیسویں صدی عیسوی کے اس آخری سال تک جو کچھ بھی ترقی کی ہے۔ اس سب کا خلاصہ اور انتخاب یہاں پیش کیا گیا تھا۔ غرض دنیا کے ہر ایک صنف کی چھوٹی بڑی عجیب۔ نرالی۔ کارآمد اور مفید چیزیں یہاں موجود تھی۔ پھر اگر ان چیزوں کے دیکھنے میں بہت سا وقت صرف ہو جانے تو بالکل معمولی بات تھی۔ عمارات کہ جن میں یہ چیزیں رکھی گئی ہیں بجائے خود عجب سے عجب پرپیچ اور انواع و اقسام کی طرز تعمیر کے نمونے تھیں۔ میں تو جس چیز کی طرف دیکھتا تھا اور جہاں دیکھتا تھا محو تماشا رہ جاتا تھا۔ ایشیا سے نمایش کا یہ عالم تھا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عمارات کی یہ حالت تھی ؎

زہے صفات عمارت کہ وقت تماشہ بہ دیدہ باز نہ گردد نگاہ از دیوار

دستور تھا کہ صبح ۸ بجے نمایش کھلتی تھی۔ اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ۱۰ بجے تک دو فرانک کے دو ٹکٹ لیکر داخل ہونے کی اجازت تھی

آٹھ بجے سے پہلے نمایش میں صدہا گھوڑا گاڑیاں صفائی کرنے اور کھانے پینے کا سامان اور ایندھن بہم پہنچانے کو ادھر اُدھر گھومتی پائی جاتیں۔ مگر پھر دن بھر میں نمایش کے احاطہ کے اندر کسی گاڑی کا گذر نہ ہوتا۔ ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ایک ٹکٹ داخلہ کے لئے کافی تھا۔ لیکن شام کے ۶ بجے سے ۱۱ بجے تک۔ جبکہ پیرس کے اکثر اُمرا اور رنگین مزاج شوقین خنکی کے وقت آنا چاہتے تھے۔ دو ٹکٹ داخلہ پر دینے پڑتے تھے

تماشائیوں کی تعداد

۱۲ اگست ۱۹۰۰ء کے پیرس کے اخبار "لا پیٹری" سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ اگست کو حسب ذیل تعداد کے لوگ نمایش میں داخل ہوئے تھے:- ۸ سے ۱۰ بجے صبح تک ۵۲۳۳- ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ۹۶۱۰۸- اور شام کے ۶ بجے کے بعد ۱۱۰۵۳- میزان ٹکٹ والے ۳۰۹۰۴- ملازمت کے ٹکٹ والے یعنی جو نمایش گاہ کے اندر ملازم تھے ۸۹۰۱۷- مفت ۳۰۸- کل ۲۵۰۸۰۷- اور جو حصہ نمایشگاہ کے کھیلوں اور میلے سامان کی نمایش کا علیحدہ تھا۔ اس میں ۵۱۱۵ لوگ داخل ہوئے۔ میزان کل ۱۷۰۲۰۲- لیکن اس روز تعطل ہو رہا تھا اسلئے اتنے لوگ داخل نہیں ہوئے جتنے کہ ہر روز داخل ہوتے تھے۔ کبھی کبھی تین لاکھ سے بھی زیادہ لوگ نمایش گاہ میں داخل ہوتے تھے۔ چونکہ یہ میلہ ایک دو روز کا نہیں تھا۔ بلکہ چھ ماہ کا تھا۔ اسلئے اتنے لوگوں کا ہر روز داخل ہونا بھی بڑی بات تھی۔

تقسیم نمایش

نمایشگاہ بلحاظ موقع چار بڑے حصوں پر مشتمل تھی اور اگر کھیلوں کے ضمیمہ کو الگ کر دیا جائے تو تین حصوں پر واقع تھی۔ جو دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے وسط میں واقع ہیں۔ اور دریا ان تین حصوں کو جدا کر دیتا ہے۔ میں سب سے پہلے پلیس ڈی لا کنکارڈی دکھلانے کے لئے نمایش کے بڑے دروازے کی طرف لے چلتا ہوں کہ جسکی کیفیت اوپر درج ہو چکی ہے آپ کو اس میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ گو داخل ہونے کے

لئے اور بھی چھوٹے دروازے تھے - اندر جا کر بائیں طرف بائسکل یا آٹوموبیل (خود بخود چلنے والی گاڑیاں) جن کا پیرس میں بڑا رواج ہے تھوڑی سی فیس دے کر رکھی جاتی تھیں - اور راستہ کی دونوں طرف پودوں اور پھولوں کی نمائش شروع ہو جاتی تھی - جو کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول اور پودے تھے - میں ان کا ذکر نہیں کرتا - لیکن جو شیشہ کے مکانات میں عجیب و غریب پودے اور پھول محفوظ تھے - وہ تمام دنیا کے عجائبات علم نباتات کا انتخاب تھے

گوشت خور پودہ

میں نے یہاں گوشت خور پودہ (پیچر پلانٹ) کے کئی نمونے دیکھے - اسکے پھولوں کے اندر مکھیاں اور چیونٹیاں داخل ہو جاتی ہیں - اور ایک طرح کے لیسدار شیریں لعاب سے لپٹ جاتی ہیں اور پودہ انہیں ہضم کر لیتا ہے - اسکے علاوہ جاپان کے پست قامت درخت دیکھے - بڑے بڑے درخت مثل بوہڑ اور سرس و شیشم کے جاپانی باغبان کسی طرح کے پیوندوں سے بہت پست قامت بنا سکتے ہیں - چنانچہ میں نے بڑے بڑے درخت ایک ایک بالشت کے پودوں کی صورت میں دیکھے جنکے

نمائش باغبانی وغیرہ

تنے ویسے ہی موٹے اور سالخوردہ ہوتے ہیں - اور شاخیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جو کئی سال میں بنتی ہیں - لیکن حجم میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں - ان عجائبات کا ذکر کرنے کی لئے کسی علم نباتات کے ماہر کی ضرورت ہے - اور ایسے ہی لوگوں نے ان سے اصلی لطف بھی حاصل کیا ہوگا - ہر چند کہ دریا کے دونوں طرف باغبانی اور زراعت کی نمائش تھی - لیکن دائیں طرف کہ جدھر بڑا دروازہ تھا - تین بڑے بڑے قصر شیشہ کی چھتوں اور دیواروں کے اس نمائش کے لئے مخصوص کئے گئے تھے - ان میں مختلف ممالک کے پھول - پودے اور میوہ جات دکھلائے گئے تھے - امریکہ تک کے میوجات سیب - ناسپاتیاں - انگور اور سنگترے نمائش کے لئے لائے گئے تھے اور جو میوجات زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے - ان کو مربہ وغیرہ مرکبات

میں Preserve (پریزرو) کیا گیا تھا۔ تاکہ ان کی اصلی حیثیت اور جسم میں فرق نہ آجائے۔ ایک مکان میں تمام غلّوں اور پودوں اور ترکاریوں اور میوہ جات کے درختوں کے تخموں کے صدہا نمونے تھے۔ جو کاغذ کے لفافوں میں رکھے ہوئے تھے۔ یہیں باغبانی کے تمام آلات اور زراعت و باغبانی کی تمام کتابیں اور رسالے جو فرانس میں چھپے تھے رکھے ہوئے تھے ایک جگہ بہت سے پودے سفید شیشہ کے کھلے منہ کی بوتلوں میں تھے۔ اور میزوں پر سفید کپڑا بچھا کر انہیں رکھا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک جگہ مخمل کے اوپر روئی میں لپیٹے ہوئے چند پھل سجائے گئے تھے۔ ایک مکان کے اندر ایک بہت بڑا قالین رنگ برنگ کے پھولوں کا اُگایا گیا تھا۔ اور اسی جگہ دوران نمایش میں اور بھی کئی پھولوں کے مالیوں نے اپنے اپنے قالین اُگا کر مقابلہ کرنا تھا۔ ایک طرف پودوں کو پانی دینے کے آلات اور اوزاروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ ایک سے چار سال تک عمر کے ذخیرے لگانے کے پودوں کی بھی نمایش کی گئی تھی۔ اور دوران نمایش میں تین مرتبہ ترکاریاں بونے کا مقابلہ پیرس کے کنجڑوں نے آپس میں کرنا تھا۔ ان کنجڑوں اور مالیوں کا جو ان پودوں کے گرد و پیش پھر رہے تھے اور بعض پرائیویٹ نمایشوں کے محافظ تھے کچھ [illegible] یہ بھی پورے خوش پوشاک اور تعلیم یافتہ جنٹلمین تھے۔ یہاں سے دریا کی طرف زیر زمین ایک راستہ تھا۔ جہاں امریکہ کی بہت سی کلیں زراعت کے متعلق رکھی تھیں اور بعض کلیں چلا کر دکھلائی جاتی تھیں لیکن ان کلوں کا بہت بڑا مجموعہ شاندار (Champ de Mars) کی ایک عمارت میں اکوئریم تھا۔ اس سے بھی نیچے زیر زمین دریا کی سطح سے کسی قدر نیچے شہر پیرس کا (Aquarium) یعنی پانی کے جانوروں۔ پودوں اور پتھروں وغیرہ کے دکھلانے کا عجائب خانہ تھا۔ یہاں علیحدہ ایک فرانک

داخلہ تھا۔ جس میں ایچ بھر کے موٹے شیشے کے تختوں کے پیچھے پانی پانی میں مچھلیوں کے مختلف نمونے جو کہیں۔ سرطان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریائی جانور مع سمندر کی تہ کی سیپیوں۔ گھونگوں اور مونگے وغیرہ کے درختوں کے ٹھیک اصل حالت میں دکھلائے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس شیشے کے پیچھے پانی کے اندر مصنوعی رسائل سے ہوا اور روشنی پہنچائی گئی تھی۔ ایک جگہ سمندر کی تہ میں غوطہ زن مع غواصی کے کے آلات وسامان کے کھڑا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ غوطہ زن سمندر کی تہ میں کس قسم کا لباس پہنکر اور تنفس کی ہوا کے لئے کیا انتظام کرکے نیچے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ بھی بحری جانور سمندر کی عورت یعنی جسے Mar maid بھی پانی کے اندر گھومتی نظر آتی تھی۔ اسکا نصف بالائی جسم ایک خوبصورت جوان عورت کا اور نصف زیرین مچھلی کا تھا جیسا کہ تصاویر میں ناظرین نے دیکھا ہوگا۔ ایسی صفائی سے مچھلیوں کے ساتھ انسانی شکل کا پانی کے اندر نظر آنا نہایت حیران کرنے والا نظارہ تھا۔ اسکے چھت اور پہلوؤں پر پتھر وغیرہ کی نوکیں (Icecles) کیسی خوبصورتی سے بنائی تھیں کہ کہ یہ مکان ایک پرانی غار معلوم ہوتا تھا۔

اس سے آگے دریا کے اسی طرف دو عالیشان عمارات تعمیر کی گئی ہیں جن کے کاریگروں نے اپنی لیاقت تعمیر سے بہت بڑا امتیاز حاصل کیا تھا۔

فنون لطیفہ کا بڑا قصر

یہ دونوں عمارات بالمقابل واقع تھیں۔ ایک کا نام "فنون لطیفہ کا بڑا قصر" اور دوسری کا نام "فنون لطیفہ کا چھوٹا قصر" تھا۔ بڑے قصر میں فرانس اور یوروپ کے تمام ممالک۔ امریکہ اور جاپان کے اعلیٰ مصوروں کی تصاویر آئل کلر اور واٹر کلر دکھلائی گئی تھیں۔ استادان فن نے مورتوں میں گویا جان ڈال دی تھی۔ پینٹنگ۔ انگریونگ۔ سکلپچر اور آرٹ کی ہر چیز کا اس سے بہتر مجموعہ دنیا نے کم دیکھا ہوگا۔ یورپ کے بڑے ملکوں کے قطع نظر

چھوٹے چھوٹے ممالک بلجیم اور ہالینڈ اور ریاستہائے بلقان تک کی تصویروں کے الگ الگ کمرے تھے۔ ایشیا میں سے جاپان نے پہلی دفعہ اس قسم کی نمائش کی تھی۔ عمارت کے وسط کے بڑے صحن میں اسی طرح یوروپ کے تمام ممالک اور اضلاع متحدہ امریکہ کے صناعوں کے برنج اور پلاسٹر آف پیرس کے بنائے ہوئے عجیب و غریب بُت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض کے ذریعے سے نہایت نازک خیالات اور انسانی جذبات کو ظاہر کیا گیا تھا۔ یوروپین مصوروں اور بُت گروں کے نیچرل مذاق کے مطابق ان تصاویر میں سے اکثر میں مردوں اور عورتوں کے ستر کو کھولے۔ اُن کی رانیں اور چھاتیاں وغیرہ مقامات برہنہ دکھلانے میں مصوروں اور بُت تراشوں نے بڑے بڑے زور مارے تھے۔ میں نے ایک یوروپین دوست سے ذکر کیا کہ کیا اس سے بے تہذیبی اور ناپاکی کے خیالات کو ترقی نہیں ہوتی۔ تو اس نے کہا کہ انہیں اسی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ جس سے وہ بنائی گئی ہیں۔ یعنی نیچر کی اپنی سادگی اور اصلی خوبصورتی کے اظہار کے لئے ننگی وضع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی چھاتیوں کے اُبھار اور گدرائے ہوئے بدن سے وہ دیکھو نیچر پھوٹ پھوٹ کر رہی ہے لیکن خواہ میری نظروں میں اول اول یہ بات نرالی معلوم ہوتی تھی میں نے کسی یوروپین مرد اور عورت کو اس برہنگی کی طرف ذرا بھی ملتفت ہوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ صرف مصور کی اظہار خیالات کی قابلیت اسکے کام میں تلاش کرتے تھے۔ میں خود بھی کبھی ان بتوں اور تصویروں کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوتا تھا کہ ہندوستانی ہونے کا خیال ہی میرے دل سے محو ہو جاتا تھا کیونکہ کئی کئی دن تک کوئی ہندوستانی نظر نہ آتا۔ لیکن جب کبھی یہ خیال گذرتا کہ وہ سب دستکاریاں اور عجائبات جو میں دیکھتا ہوں ان میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہندوستانی ہونے کی ذلت کی

حس تیز ہو جاتی - میں چونکہ اپنا محدود وقت بڑی کفایت سے استعمال کرنا چاہتا تھا - میں پہلے روز دن بھر کھڑا رہنے کے بعد ایک جگہ سستانے کو بیٹھ گیا - اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی دونوں بغلوں میں لکڑیاں تھیں اور جو چلنے سے معذور تھا وہ بھی نگارخانہ دیکھنے میں مصروف ہے میں نے اسے دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور اٹھ کھڑا ہوا - اس قدر ناموران یورپ کی تصویریں اور بُت اس مجموعہ میں موجود تھے کہ یہاں ان کی ایک چھوٹی سی لغات تیار ہو سکتی تھی -

چھوٹا قصر چھوٹے محل میں پرانی چیزیں فنون نفیسہ کے متعلق دکھلائی گئی تھیں - اس میں سے پشمی یعنی قدیم زمانہ کے قالینچوں کہ جن پر تصاویر بنائی جاتی تھیں اعلیٰ نمونے دیواروں پر آویزاں تھے - اور ان پر کیسی نازک اور خوبصورت تصویریں تھیں - ہیکل کے برتن - شمعدان اور آرائش کے سامان - لوہے کے آرائش کے سامان - قفل اور عجیب وغریب چابیاں - لکڑی کے پرانے عمدہ کام فرنیچر کی قسم سے - ہاتھی دانت اور ہڈی کے عمدہ کام کے نمونے - چینی اور مٹی کے پرانے نفیس برتن منبر دوزی کا کام - چمڑے کے کام - چاندی اور سونے کے قدیم زیورات وسامان آرائش - پرانی گھڑیاں - شیشہ اور موزائک کے کام - پرانے سکے پرانی کتابیں اور مسودے - اس عجائب گاہ فنون میں صرف پرانی چیزیں جمع کر کے دکھلائی گئی تھیں جس سے معلوم ہو کہ فرانس میں زمانہ قدیم میں صنعت و کمال فن کی کیا حالت تھی - ان چیزوں کے صناعوں کے نام ملک میں مشہور ہیں - فرانس کے ہر شہر میں عجائب خانے اور تصویرخانے ہیں - ان سب نے اپنے یہاں کے استادوں کے کام اس نمائش گاہ کو مستعار دیے تھے - مجھے خیال ہوا کہ اگر ہندوستان میں وہاں کے استادان فن کے کمال کے نمونے تلاش کئے جائینگے تو نہیں ملیں گے

کیونکہ اہل یورپ وہاں سے سب چیزیں کھینچکر یورپ میں لا رہے ہیں
وہ بیقدر ہیں اور دولتمند بھی ہیں۔ اور اتنے دام دے سکتے ہیں کہ ہندوستانی
نہیں دے سکتے۔ اور حاجتمند ہندوستانی جنکے آباو اجداد اپنے وقت
میں آسودہ تھے۔ اپنی سب چیزیں فروخت کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہند
ہندوستان کے عجائب خانوں میں رکھنے کے لئے اتنا روپیہ ان چیزوں
پر خرچ نہیں کر سکتی۔ جتنا روپیہ کہ یورپین سیاح خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے
اہل ملک یہ بات ہی نہیں سمجھتے کہ ملکی عجائب خانوں کو چیزیں تحفہ بھی
دی جاتی ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں اکثر علم و فن کے قدردان اپنی
قیمت سے اپنے ملک کے عجائب گاہوں کو نادر چیزیں تحفۃً دیا کرتے
ہیں۔ نمائش سنہ ۱۹۰۰ء کے لئے جس قدر عمارات تعمیر ہوئی ہیں۔ نمائش
کے بعد وہ سب گرا دی جائینگی مگر یہ دونوں عمارتیں فائن آرٹس کی قائم
رہیں گی۔ اور عجائب گاہوں کے کام آئیں گی۔ پہلے ہی پیرس میں اوّلین
درجہ اعلےٰ سے اعلےٰ قسموں اور مقصدوں کے عجائب گاہ ہیں ٭

خوبصورت پل

ہم لوگ یہاں سے فارغ ہو کر اس پل سے گذر کر دریا کے
دوسرے کنارے پر چلے جاتے تھے۔ یہ پل الگزینڈر سوم زار روس
کے نام پر نامزد کیا گیا تھا اور اسی نے اس کا بنیادی پتھر ۱۸۹۶ء میں رکھا تھا۔
جو روس و فرانس کے حال کی پولیٹکل دوستی کی یادگار ہے۔ یہ اسی نمائش
کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ جو پیرس کے دریائے سین کے سب پلوں سے
عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اس پر بہت سا کام بت بنانے اور تعمیر اور
سکلپچر کی خوبی کا کیا گیا ہے۔ جس سے یہ نہایت عمیق تعمیر شمار ہوتا ہے۔ یہ لوگ
ایسی عمارات پر بت ایسی صنعت سے بناتے ہیں۔ جو واقعات تاریخ کو ظاہر
کرتے ہیں اور انسانی خیالات اور حالات وقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتے
ہیں۔ اس پل سے گذر کر سامنے "اسپلانیڈ دے انوالیڈ" کا چوک آتا ہے۔ یہ

ودشہری عالی شان مکین میں چار چار منزل کی عمارات متقابل تعمیر کی گئی تھیں۔ ان عمارات میں فرانس کی اور تمام ممالک دنیا کی ساختہ اشیا تجارت بطور نمونہ رکھی گئی ہیں۔ ان اشیا سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کس ملک میں صنعت وحرفت کیسی ترقی پر ہے۔ کس ملک میں کیا کیا چیز زیادہ بنتی ہے۔ اور کیسی بنتی ہے۔ تقریباً ہر ملک کے کاریگروں اور کارخانہ داروں نے اپنی حرفت کے بہترین نمونے دکھلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ان ملکوں میں ہندوستان کی ساختہ کسی چیز کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور چین کا تھا۔ البتہ جاپان کی اشیا سے صنعت ودستکاری نے بہت سی جگہ گھیری ہوئی تھی۔ ہندوستان کی اشیا ء حرفت کی نمایش ایک الگ مکان میں حبشیوں کے ساتھ یورپ کی نوآبادیوں کے حلقے میں تھی۔ جہاں کہ چین مراکو الجیریا ٹیونس وسوڈان سینیگال وجاوا وغیرہ ممالک کی تھی۔ یہاں کوئی ایسی چیزیں تو بنتی ہی نہیں جو ملک یورپ میں جاکر وہاں کے استعمال کے لئے کھپتی ہوں۔ بلکہ اہل ہند کی سوشل زندگی کے لئے جو اشیاء درکار ہوتی ہیں۔ اور وہ ہندوستان میں بنتی ہیں۔ وہی ہندوستان کی خام پیداوار کے ساتھ اس مقام میں رکھی گئی تھیں۔ میں جو تفصیل دنیا کی صنعت وحرفت کی عجیب وغریب چیزوں اور بے نظیر اور حیران کردینے والی کلوں اور کاریگریوں کی اس نمایش کے متعلق لکھونگا۔ اُن سے اہل ہند اندازہ کرسکتے ہیں کہ دوسری قومیں دنیا میں کیا کر رہی ہیں۔ اور وہ خود کس خواب خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں۔

تعلیم ہی ترقی کا ذریعہ ہے — میں جہاں تک غور کرتا ہوں اور جہاں تک دیکھتا ہوں مجھ یورپ اور امریکہ کی ترقی کا باعث سوائے اُن کی تعلیم کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن تعلیم سے میری غرض صرف اعلیٰ تعلیم پانے اور ڈگریاں حاصل کرنے کی نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم بجائے خود بہت عمدہ بات ہے۔ لیکن

پھر بھی ہر شخص کی قسمت میں اُس سے فائدہ اٹھانا نہیں لکھا ہے۔ اس لئے جو تعلیم دنیا میں زیادہ لوگ پاسکتے ہیں وہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لائق بننے کی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے کالجوں میں فزکس اور کیمسٹری اور بیالوجی پڑھی ہے۔ لیکن کسی نے بھی کوئی نیا طبعی عنصر دریافت نہیں کیا۔ کوئی نیا مرکب کیمیاوی ایجاد نہیں کیا۔ نہ کوئی کان ہی دریافت کی ہے نہ کوئی عمدہ کل ہی بنائی ہے یہاں لوگ صرف کتابیں ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ زیادہ لوگ نوشت وخواند سیکھ کر کارخانوں میں عملی کام سیکھتے ہیں۔ فرانس کا سب سے بڑا عالم جراثیم کا ماہر اور بیکٹیریالوجی کا استاد بلکہ دریافت کرنے والا پاسٹیور ہرگز گریجوایٹ یا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا۔ صرف ایک عام کیمسٹ تھا۔ اُس نے ادھر توجہ کی اور آج بیکٹیریالوجی نے دنیا کے علوم صحت کی صورت بدل دی ہے۔ پاسٹیور نے سگ دیوانہ کے علاج سے دنیا کو حیران کردیا ہے۔ فرانس نے بڑے ناز سے نمائشگاہ کے حفظ صحت سکشن میں پاسٹیور کا بت رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح امریکہ کا نامور برقی موجد اڈیسن اور بلا تار کے برقی خبر رسانی کا موجد مارکونی کبھی باقاعدہ تعلیم سے بہرہ یاب نہیں ہوئی۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ علم بہت ضروری ہے۔ لیکن عمل اُس سے ضروری ہے ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی — چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند — چارپائے برو کتابے چند

یہاں عمل سے مراد میری علم کے ذریعے سے صنعت وحرفت کی تعلیم میں ترقی کرنے کی ہے۔ یوروپ ممالک کی بڑی خوبی ہے کہ یہاں کے لوگ فوراً علم کو عمل کی کسوٹی پر کستے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں میرے خیال میں تو یہی راستہ منزل مقصود ہے ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست — ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

نمایش کا دوسرا حصہ

انولیڈ حصہ پل الگزینڈر سوم کے عین سامنے یہ دو عالی شان دو منزلہ عمارات تعمیر کی گئی تھیں۔ جنکے بیچ سے ایک ۲۰ فیٹ کھلا راستہ چھوڑا گیا تھا۔ ان میں فرانس اور دیگر ممالک کے صنعت و حرفت کی عام اشیا تھیں۔ مگر خصوصاً پرائیویٹ اور سرکاری مکانات اور عبادت گاہوں کی آرایش کا فرنیچر اور سامان رکھا گیا تھا۔ اس ذیل میں ہر قسم کے قالین۔ شیشہ۔ لوہے۔ لکڑی۔ چینی۔ مٹی۔ چمڑے کپڑے۔ ربڑ۔ جواہرات۔ چاندی سونے گھڑی سازی وغیرہ کا سامان آجاتا ہے۔ حفظ صحت اور ضروریات زندگی کی سب چیزیں یہاں تھیں۔ بڑے بڑے برش۔ پروں کی چیزیں۔ ہاتھی دانت۔ سینگ اور ربڑ کا کام۔ گھڑیوں۔ کے بڑے بڑے مجموعے۔ بڑی بڑی کلاکوں کی کلیں اور کھلونے وغیرہ بے انداز تھے۔ پل کی طرف سے ان عمارت کو جاتے ہوئے ایک دائیں اور ایک بائیں ہاتھ تھی۔ بائیں طرف کی عمارت کے نیچے ایک بڑے حصہ میں مکانات اور سرکاری عمارات کے سجانے لکڑی قالین اور کپڑے کی قسم کا سامان تھا۔ ناظرین تعجب کریں گے کہ صرف مکانات کے سجانے کے لئے اتنا کونسا سامان درکار ہوتا ہے کہ جس کی اتنے بڑے عالی شان مکانات میں نمایش کی گئی تھی حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی ان مکانات کو دیکھنے سے پہلے نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس ضرورت کے لئے کونسا اتنا بڑا سامان درکار ہوگا۔ لیکن اہل یورپ کی تہذیب نے اپنے مکانات کو بلحاظ آسایش وخصوصاً بلحاظ آرایش ہمارے مکانات سے بالکل نرالی قسم کی چیز بنا دیا ہے ان کے فرنیچر اور سجاوٹ کے

سامان اتنے زیادہ اور ایسے نفیس ہیں کہ وہ بجائے خود ایک علم ہو گئے ہیں۔ یہاں میں اس امر سے بحث نہیں کروں گا کہ ایسی آرائش و آسائش ضروری ہے یا نہیں۔ البتہ میں یہ بتلانے سے خاموش نہیں رہ سکتا کہ یورپ نے گذشتہ تین چار صدیوں میں آرائش کے بارہ میں بڑی ترقی کی ہے۔ اور چینی اور شیشے اور کپڑے اور مختلف فلزات سے آج یہ لوگ ایسی عجیب و غریب چیزیں تیار کر سکتے ہیں کہ کوئی زاہد خشک مغز بھی انہیں دیکھ کر گرویدہ ہونے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شیشہ یا کانچ کا استعمال

شیشہ یا کانچ بلور ایسے جو تمام دو یورپ میں اس سے بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کہ جسقدر ہم ہندوستان میں اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہزاروں مکانات کی چھتیں صرف شیشہ کی بنی ہوئی ہیں۔ کہ جن میں اور کسی طرف سے روشنی نہیں آ سکتی حتی سوا چھت میں سے آتی ہے۔ سینکڑوں جگہوں میں بازاروں میں اور مکانوں کے اندر کہ جہاں سے صرف آدمی گذرتے ہیں مگر گاڑیاں نہیں گذر سکتیں۔ تم شیشہ کے فرش جڑے ہوئے دیکھو گے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ زمین کی قلت کے اس جگہ کے نیچے جو مکان ہیں ان میں اور کہیں سے روشنی نہیں آ سکتی۔ مگر اس شیشہ کی چھت سے آ سکتی ہے یہ چھت میلے رنگ کے شیشے کی مکعب شکل کی اینٹوں کو آہنی فریموں میں جڑنے سے بنتی ہے کہ جن اینٹوں کا ہر پہلو ایک فٹ لمبا ہوتا ہے۔ مکانات کی تنگی کی وجہ سے پیرس اور لنڈن میں زیر زمین ریلیں موجود ہیں۔ جو میلوں بازاروں اور مکانوں کے نیچے چلی جاتی ہیں۔ برلن اور پیرس میں ایسی ریلیں ہیں جو سطح زمین سے بلند مکانات کی منزل کے برابر ستونوں اور پلوں پر چلتی ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں شیشہ کے استعمال بتلا رہا ہوں۔ علاوہ چھتوں کے گز گز بھر کے لمبے چوڑے شیشے تو عام مکانات کے دروازوں اور کھڑکیوں میں لگے ہوتے ہیں۔ لیکن تمام بڑے بڑے شہروں کی دکانوں کے

بیرونی دروازوں میں اڑھائی تین گز لمبے اور دو دو گز تک چوڑے شیشے میں
نے دیکھے ہیں کہ جس کے اندر دکان کا سامان نمایش سجایا جاتا ہے دکان
کے سامنے کی تمام جگہ سوائے دو ڈھائی فیٹ کے داخلے کے راستہ کے
اسی کام میں صرف ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنگین بیل بوٹے دار شیشے اب
تیار ہوتے ہیں جو کھڑکیوں میں لگائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں منظور ہو
کہ باہر سے اندر نظر نہ آسکے۔ وہاں ایک نئی قسم کا شیشہ لگایا جاتا ہے۔
جس میں کھردرے کپڑے کی طرح شکن پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دو
گز اونچی اور دو دو گز دور کی بوتل شیشہ کے ان مکانات میں دیکھی۔ ایک بڑی
شیشہ کی گز بھر لمبی کشتی مع متلاطم سمندر کے پانی کے نقشہ کے دیکھی جو شیشہ
کے فن کا اوج کمال پر پہنچنا ظاہر کرتی تھی۔ میں نے وینس میں شیشہ کے
بالوں کو دیکھا تھا۔ جو انسان کے سر کے بالوں کی طرح شیشہ کی باریک تاریں
تھیں۔ یہاں کی ایک دوسری نمایش میں ایک دوربین کا سب سے بڑا
شیشہ دیکھا جسکا وزن پانچ ٹن یعنی ایک سو چالیس من سے زیادہ تھا۔ یہ
ڈیڑھ بالشت موٹا اور تین گز قطر کا تھا۔ اسکے علاوہ اور بہت سے شیشے
کے عجائبات دیکھے۔ اسی طرح چینی اور مٹی کے برتنوں کی نسبت قیاس
چینی اور مٹی کے برتن کر لیجئے۔ یہاں چینی کی انگیٹھیاں اور قبل پیس اور دوسرے
گھروں کے سجانے کے سامان علاوہ برتنوں اور بتوں کی عام بات ہے۔ مگر
مٹی سے جو نفیس برتن اور بت بنائے جاتے ہیں۔ اور انہیں انواع و اقسام
کے روغنوں سے سجایا جاتا ہے۔ وہ غضب کا دلکش فن ہے۔ ان مکانات
میں مٹی اور چینی کے برتنوں کی بڑی نمایش ہے۔ وہ کمہار جو ہمارے یہاں
ایک بڑا غریب اور مسکین مزدور ہے۔ اور جسکے بنائے ہوئے پیالے
صحنکیں ہانڈیاں اور کونڈے دو دو چار چار پیسے کو بکتے ہیں۔ یہاں اس نے
ایسی جون بدلی ہے کہ کسی دوسرے سوداگر سے کم نفع نہیں کماتا۔ بعض

مٹی کے بت ایسے نفیس بنائے جاتے ہیں اور بعض برتنوں پر ایسے خوشنما بیل بوٹے اور باریک تصویریں دیکھی ہیں کہ استادان فن اس صنعت کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ درحقیقت فرانس نے مٹی اور چینی کے کام میں فی زمانہ نام حاصل کیا ہے۔ گورنمنٹ فرانس اس فن کی ترقی کے لئے بعض مدارس اور کارخانوں کو زرِ نقد سے مدد دیتی ہے۔ شاہ کجکلاہ ایران میرزا مظفرالدین فرانس کے مٹی کے کام کو دیکھ کر ایسے ریجھے تھے کہ فوراً اپنا ایک مٹی کا بت بنانیکا حکم دیدیا۔ چنانچہ جب کاریگر نے بت کو بنانا شروع کیا تو کبھی کبھی شاہ کجکلاہ اسکے سامنے ایک ایک گھنٹہ بیٹھتے رہے تاکہ نقل مطابق اصل بنجائے ان مٹی کے برتنوں کی دوکانوں کے ملازم دیکھنے میں ایسے صاف ستھرے اور معقول معلوم ہوتے تھے۔ جیسے کہ ہمارے یہاں بڑے بڑے صاحب لوگ نظر آتے ہیں۔ مٹی کا سونا بنانا اسکو کہتے ہیں۔ حقیقت میں دستکاری کیمیا ہے۔ اور مٹی کے برتنوں پر پتھر کا روغن کرنا بھی شائستگی کا ضروری جزو ہے۔ ملتان اور گوجرانوالہ وغیرہ مقامات پنجاب میں جو اینٹوں اور برتنوں پر پتھر کا روغن کیا جاتا ہے وہ اسکے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہر حال مٹی کے کام کی یہاں بڑی وسیع صنعت و حرفت ہے۔ جو مٹی کی اینٹوں سے لے کر مٹی کے منقش برتنوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بجائے ہمارے یہاں کے کمہار کے ایک بھدے سے چاک اور اینٹیں بنانے کے لکڑی کے سادہ سانچے کی یہاں کئی کلیں اس کام میں آتی ہیں۔ اور ان کی بھی یہاں نمائش کی گئی تھی۔

لکڑی اور لوہے کا فرنیچر

ایک اور بڑا حصہ لکڑی اور لوہے کے کام کی نمائش کا تھا۔ لکڑی پر سنہری روپہلی رنگ و روغن اور وارنش اور لوہے وغیرہ دھاتوں پر اناملِ یعنی چینی چڑھانے کا فن بھی ہندوستان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ میں نے آسٹریا اور جرمنی میں برتنوں پر چینی روغن چڑھانے کے کارخانے

میں جانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ کیونکہ ایسے کاموں کو جن میں نفع کافی ہو اور خرچ زیادہ نہ ہو یہ لوگ مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ لوہے کے پھول پتے پنانے جنگلے اور دیگر آرایش کے سامان تیار کرنے میں یہ لوگ ایسے ہی استاد ہیں جیسے کہ مٹی کے برتن تیار کرنے میں ہیں۔ تالے اور چھپکے پیچ وغیرہ کیل کانٹے بھی مختلف اقسام کے موجود تھے۔ لکڑی کے فن میں ہر قسم کا فرنیچر عجیب عجیب قسم کی کرسیاں میزیں اور الماریاں دکھلائی گئی تھیں۔ جیسے گدیلوں کی ساخت اور رنگ و پ کے مذاق پر لیڈیاں دیکھتے ہی مفتون ہو جاتی تھیں۔

سجے ہوئے کمرے — بہت سے کمرے نمایشگاہ میں صرف مختلف وضعوں سے سجا کر رکھے گئے ہیں کہ لوگ دیکھیں اور پھر ان کارخانوں سے اسی سامان سے اور اسی وضع پر کمرے سجوائیں۔ ایک کمرے میں زمین سے چھت تک صرف نیلگوں فرنیچر تھا۔ یہ کمرے کیا تھے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ مگر ان کی حد سے زیادہ نفاست اور نزاکت دیکھ کر مجھے یہ بھی خیال آیا تھا کہ یہ شاید کام میں لانے کے لئے نہیں بلکہ صرف دکھلانے کے لئے ہوں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ مذاق سلیقہ اور عقل آبدارخانہ کے کمروں کے سجانے میں صرف کی گئی تھی۔ ان سے میری مراد ان کمروں سے ہے۔ جن میں غسل خانہ کا سامان رکھا جاتا ہے۔ ان میں ہاتھ منہ دھونے کے چینی سنگ مرمر اور شیشہ کے برتن موجود تھے۔ نہانے کے ٹب سنگ مرمر چینی یا پیتل تانبے وغیرہ کے تھے۔ جن میں پانی پیچدار نالیوں سے آتا تھا۔ میں نے کئی ایسے نہانے کے سامان دیکھے کہ جن میں ایک جگہ ایک دیاسلائی سلگا کر لگانے سے گیس کے ذریعے سے پانی ساتھ ساتھ

گرم ہو کر ٹب میں گرتا جاتا تھا۔ گویا آپ ایک منٹ میں گرم پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں میں نے ایک دوست کے مکان میں ایسے ٹب میں غسل بھی کیا ہے۔ لیکن غسلخانے کے سامان کا ذکر کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ ہندوستان کے شائقین کو ایسے عیش و آسایش کے سامانوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دوں۔ کیونکہ ان کے لئے ان کی قیمتیں ان کے فوائد سے زیادہ سنگین ہیں۔ تاہم وہ ان بیانات سے یہ علم حاصل کر سکتے ہیں کہ مہذب دنیا کن باتوں میں اپنی عقل صرف کر رہی ہے اور کس دھن میں مصروف ہے۔

ونٹی لیٹر پنکھے

نمایش کے اسی حصہ میں بہت سے ونٹی لیٹر Ventilator یعنی گھومنے والے دیواروں پر لگے ہوئے پنکھے ایسی تیزی سے گھوم رہے تھے کہ ان کے پاس کھڑے ہونے سے خوب ہوا لگتی تھی۔ ایسے پنکھے میں نے پہلے بھی یورپ کے ہر ملک کے دفتروں اور کارخانوں میں کام کرتے دیکھے تھے۔ انہیں لوگ کام کرنے کے میز یا سامنے کی دیوار پر لگا سکتے ہیں۔ اور یہ برقی بیٹری یا موٹر کے ذریعے سے ہر وقت بڑی تیزی سے گھومتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امریکہ میں بنتے ہیں۔ اور ہر ایک کی قیمت مع بیٹری کے سو شلنگ کے قریب ہوگی۔

حفظ صحت کی عمارت

ان دو عالیشان عمارتوں کے علاوہ ایک حفظ صحت کی عمارت ہے۔ جس میں بلا مبالغہ ایک ہزار قسم کے کھانا پکانے اور پانی گرم کرنے کی انگیٹھیاں مٹی لوہے گلٹ۔ چینی پیتل اور خدا جانے کس کس چیز کی موجود ہیں۔ اہل یورپ علم کو حاصل کر کے جب عمل میں لاتے ہیں تو اس کے ذریعے سے وہ ایسی نفیس چیزیں

تیار کر سکتے ہیں کہ جن سے بنی نوع انسان کو روزانہ زندگی بسر کرنے میں آسایش حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی لیاقت سے خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ بخلاف علم کے ایشیائی خیال کے کہ جہاں علم صرف تزکیہ نفس کے لئے سیکھا جاتا ہے اور اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگ "چارپائے بروکتابے چند" کی مثال ہیں۔ مگر اب بقول ایک فلاسفر کے علم کو آسمان سے اتار کر باورچیخانہ میں لایا گیا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کی ضرورتوں میں خدمت کر سکے۔

کاغذ کے صیغہ کی چھوٹی کلیں وغیرہ

ان دونوں عمارات میں سے بائیں جانب کی عمارت میں صرف فرانس کے مختلف پیشہ وروں کی نمایشیں تھیں۔ اور دائیں میں اوپر کی چھت میں بترتیب بلجیم۔ روس۔ جرمنی سویڈن۔ انگلستان۔ ہسپانیہ۔ اٹلی۔ ناروے۔ آسٹریا۔ ہالینڈ۔ فرانس کا چینی کا کام۔ اور پرتگال کے کاریگروں کی نمایشیں تھیں۔ ہر ملک نے وہ چیز نمایاں کر رکھی تھی کہ جس کی صنعت پر اسے ناز تھا۔ یہاں میں نے بہت سی عجیب و غریب کلیں اور سامان دیکھے۔ مثلاً ایک جگہ ایک چھوٹی سی کل کاغذ کی ڈبیاں تیار کر رہی تھی صرف کاغذ اور لئی اس میں رکھ دیتے تھے۔ کل خود کاغذ کو کاٹ کر ایک خاص حجم کی ڈبیا بنا کر پھینکتی جاتی تھی۔ اُن پر لیبل چسپاں ہوتے تھے۔ یہیں ایک مشین دیاسلائی بنانے کی دیکھی۔ یہ کل مشین کا حصہ تھی جس میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے ایک بڑھیا عورت ڈالتی جاتی تھی۔ تیلیاں خود بخود بعض سوراخوں میں پھنسکر جو اس مطلب کے لئے ہوتے تھے آتش زا مرکب سے چھوجاتیں اور تھوڑی دیر میں (ساتھ ہی ساتھ خشک ہو کر) ایک گڑھے

میں گر جائیں۔ ایک مشین سگرٹ کے کاغذ بلا مدد ہاتھ کے چھوٹی چھوٹی
کتابوں کی صورت میں سی کر خود بخود پیکٹ لپیٹتی جاتی ۔ ایک عورت ایک
چھوٹی سی مشین سے ٹب بنا رہی تھی۔ ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین
سے ایک ہی دباؤ میں ایک خوبصورت ابھری ہوئی تصویر نقش کر دیتی
ایک جگہ لڑیاں اور جھنڈیاں چھاپنے کے گول رولر اور چپٹی پلیٹیں تھیں۔ جن
میں بیل میں ابھرے ہوئے بیل بوٹے۔ تھے ۔ یہ صیغہ مکان سجانے کے
لئے کاغذ کی چیزیں بنانے کا تھا کہ جہاں کاغذ کے سینکڑوں استعمال
دکھلائے جاتے تھے۔ ان مشینوں کے مرتب کرنے میں یہ بات
مدنظر رکھی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان کے ہاتھ سے کرنے کا
کام باقی نہ رہے۔ اور کئی آدمیوں کا کام مشین تھوڑے وقت میں کر سکے
جھنڈیں چھاپنے۔ اور دیواروں پر چسپاں کرنے والے کاغذوں کے
بیل بوٹوں کے سانچے۔ جلد بندی کی ڈبیوں اور ہر قسم کے کاغذات
کے سامان کی الگ نمائش تھی۔ صرف کاغذ کے سودا بیچنے کے لفافے
اور مال تجارت لپیٹنے کے ڈبے بنانا۔ جن کی تجارت یورپ میں بیحد ہے۔
اور ان کاموں کے لیے خاص کلیں بنائی گئی ہیں۔ وہ بازار سے دو
پیسہ کی چیزیں خریدو۔ یا شکر چنے پیسے کے لو تو دوکاندار یہ سودا ایک
مضبوط کاغذ کے لفافے میں ڈال کر تمہیں دے گا۔ اور وہ ہاتھ گاڑی
والا دوکاندار نہیں دیکھو کہ ہمارے ملک کے چھابڑی والے دوکانداروں
کی طرح یہاں بھی ہاتھ کی گاڑی والے دوکاندار عورتیں یا مرد ترکاری اور
میوہ جات بیچتے ہیں، تو اُسکے لفافے پر اس کی دوکان کا نام چھپا ہوا ہو گا۔ کوئی
دو چار پیسے کی خشک میوہ خریدے تو وہ بھی لفافے میں ملیگی۔

ان عمارات میں ربڑ کی مختلف چیزوں مثلاً کھلونوں بائیسکلوں کے ٹائروں اور سینکڑوں دوسری چیزوں کے بھی کہ جن کا حصر کرنا مشکل ہے۔ نمائش کی گئی تھیں

زیورات

چاندی سونے کی چیزیں یا وہ ترعورتیں یورپ میں بطور زیورات کے نہیں پہنتیں سوائے انگوٹھی یا بروچ کے گو سوئٹزرلینڈ کی عورتوں کے کانوں میں انگلی کے برابر لمبے اور موٹے سونے کے زیور دیکھے ہیں جو اسی شکل کے ہیں۔ جیسے کہ پنجاب میں ڈورہوتے ہیں۔ یہاں سنار کا کام زیادہ تر آرائشی سامان مثلاً چاندی سونے کے برتن بنانا ہے۔ چنانچہ ایک صیغہ میں کھانے کے برتن صراحیاں۔ جواہرات کے صندوقچے آرائشی پیالے اور قدیم زمانہ کی رومیوں اور یونانیوں کے ڈیزائنوں کے برتن موجود تھے۔ کہ جن پر یورپ کے سناروں نے اپنی عقل خرچ کی ہوئی تھی۔ ایک جگہ فرانس

گھڑیاں اور کھلونے

کی گھڑیاں (کلاک اور جیبی) اور ہر قسم کے کلاک ورک کے کھلونے موجود تھے۔ جو خود بخود چل رہے تھے۔ لیکن کھلونوں کے صیغہ میں ایسی عجائبات تھیں کہ جہاں سے ننھے بچے ہی گذرتے ہوئے خوش ہوجاتے تھے۔ بلکہ بڑے بوڑھوں کے لب بھی مسکرائے بغیر نہ رہتے تھے۔ اور لوگ دیر تک پاس کھڑے ہو کر انہیں دیکھتے تھے۔ گھڑیوں کے صیغے میں گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال کی پرانی گھڑیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ فرانس نے دکھلایا تھا۔ سوئٹزرلینڈ کی مشہور گھڑیاں اور زیورات موجود تھے۔ اس حصہ میں روس کی نمائش میں میں نے ایسی چیزیں دیکھیں (خصوصاً ایک مٹی یا رنگین لوہے سے گرجا کا ماڈل) جو دیکھنے کی مجھے توقع نہ تھی۔ میرا خیال تھا کہ صنعت و حرفت کے بارے میں روس بالکل وحشی ملک ہے۔ لیکن یہاں آکر یہ خیال بالکل بدل گیا جس طرح یورپ کے دیگر

مختلف ممالک کی صنعتیں

ممالک صنعت و حرفت میں ترقی کر رہے ہیں اور نفیس اور نازک چیزیں کلوں کی مدد سے بناتے ہیں۔ ویسی ہی روس بھی بناتا ہے۔ جو اس نے اس صیغہ میں نمایش کے لئے رکھی ہیں۔ روس میں بھی مانچسٹر کی طرح چھینٹیں اور دوسری قسم کے سوتی کپڑے بنتے ہیں جو وسط ایشیا میں کھپتے ہیں۔ جرمنی اور آسٹریا کی تو تعریف کرنا فضول ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ دونوں ملک کیا کچھ کر رہے ہیں۔ البتہ فرانس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں تھا کہ فرانس ہر قسم کی صنعت و حرفت کلوں اور فنون نفیسہ میں اس قدر ترقی کر چکا ہے۔ کیونکہ فرانس کی بنائی سوتی چیزیں ہندوستان کے بازاروں میں نام کو نظر نہیں آتیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرانس انگلستان کی طرح جرمنی اور امریکہ کا مقابلہ سستی چیزیں بنانے میں نہیں کر سکتا۔ امریکہ اور جرمنی سستی چیزیں بنا کر انگلستان اور فرانس میں جا بیچتے ہیں۔ امریکہ کی نمایش کی چیزیں بھی بہت نفیس تھیں اور اور وہاں کی ذہانت کا پتہ دیتی تھیں۔ لیکن انگلستان کی نمایش بہت اچھی نہ تھی۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہاں کی چیزیں عمدہ نہیں تھیں۔ چیزیں تو بہت اعلیٰ تھیں لیکن بہت تھوڑی چیزیں اس صیغہ اور دوسرے صیغوں میں دکھائی گئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد مجھے ایک اخبار سے معلوم ہؤا کہ خود نمایش پیرس کے انگلستان کی کمیٹی نے تسلیم کیا تھا کہ انگلستان نے بہت نامکمل نمایش کھلائی ہے جس کی اس سے توقع نہ تھی۔ خواہ وجہ اسکی کوئی ہو۔

جاپان نے بہت سی جگہ سامان لیکر (یہ جاپانی مشہور روغن ہے) اور چینی کے برتنوں سے روک رکھی تھی۔ واقعی اس کے سامان کی شان نرالی تھی شاید یورپ کبھی اس کی نقل کرے۔ لیکن ابھی تو جاپان کی شان نرالی ہے

پاؤں کا پنکھا

۱۷ ار جولائی کو انہیں عمارات میں سے ایک نرالی قسم کا پاؤں سے چلنے والا پنکھا دیکھا۔ ایک لیڈی نمایش کے ایک کمرہ کی محافظ کتاب پڑھ رہی تھی اور پاؤں سے آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ میں نے جھٹ اسکا بھدا سا سکیچ لے لیا۔ ایک سادہ فریم میں ایک لکڑی سرے پر لگی ہوئی ہے جس کے دونوں طرف چول ہے۔ اس میں دو سوراخوں میں دو ڈورے پڑے ہیں جو نیچے پاؤں کی لکڑیوں سے بندھے ہیں۔ اسی لکڑی میں ایک چھوٹا سا پنکھا لگا ہے جس کی پچھلی طرف تھوڑا سا بوجھ ہے۔ باری باری آہستہ آہستہ پاؤں ہلانے سے یہ بخوبی چلتا ہے۔ اور ایک آدمی کے لئے کافی ہوا پہنچاتا ہے۔ میں نے لاہور پہنچکر اسکے ایک دو نمونے بنوائے تھے ان میں پوری کامیابی ہوئی ہے۔

یہاں ایک مشین لیس یعنی ریشم کی کناری بن رہی تھی۔ مشین بیشک بہت پیچیدہ تھی لیکن کناری میں بیل بوٹے اور انگریزی حروف خود بخود بنتے جا رہے تھے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا کہیں کہیں تاگا گانٹھ دیتا تھا۔ ایک دوسری مشین پر لیس کی پانچ چھ پٹیاں بنی جاتی تھیں۔ میز پوشوں اور بستروں کے غلافوں میں انواع و اقسام کی تصویریں اور بیل بوٹے بنتے ہوئے دیکھے۔ اور ہزاروں مختلف قسم کی چیزیں ان عمارتوں میں دیکھی گئیں۔ لیکن ان کی تفصیل بیان کو طول کرے گی۔

اضلاع متحدہ امریکہ کی نمایش میں ایک قسم کے گول سے برقی پنکھے بکثرت خود بخود چل رہے تھے۔ یہ ایک دو فٹ قطر کے چار پروں والی گول سی مشین ہے پر ترچھے ہیں اور تیزی سے گھومنے سے ہوا کو خوب حرکت دیتے ہیں۔

علاوہ نمایشی اشیا کے ایک بہت بڑا جزو تجارت کا بھی نمایش کے مکانات

میں موجود تھا۔ جو چیزیں نمائش کے لئے لائی گئی تھیں انہیں تو بیچنے کا حکم
نہیں تھا۔ البتہ جو لوگ انہیں خریدتے وہ ٹکٹوں سے سوداگر کے نوشت
خواند کر لیتے تھے۔ اور چیز پر ایک کاغذ چسپاں کر دیا جاتا تھا کہ یہ ایک تہ
یا دو چار یا دس یا بیس مرتبہ فروخت ہو چکی ہے۔ لیکن نمائش کے ختم ہونے
تک وہاں سے اٹھائی نہیں جائیگی۔ مگر جا بجا چھوٹی چھوٹی دکانوں پر عورتیں

خود بیچنے والی عورتیں

کھڑی چھوٹی چھوٹی چیزیں عموماً اسی ٹکٹ یا اسی قسم کی
کرجنکا و بلشن سے بیچتی تھیں۔ اور آنے جانے والوں کو بلا کر اپنا مال دکھلاتی
تھیں یہی نمائش کے کاڈ اور کارڈ، فوٹوگراف اور نمائش کی یادگار کی
قسم کی دوسری چیزیں بیچتی تھیں۔ مثلاً ایک قسم کے چمچوں پر ایفل ٹاور یا
نمائش کے بڑے دروازے کی تصویر نقش کی گئی تھی۔ ایفل ٹاور نامی بڑے
مینار کی شکل کے لوہے اور پیتل کے کھلونے بنائے گئے تھے۔ جنہیں لوگ
ہزاروں خریدتے اور اپنے گھروں کو سفر کی یادگار کے طور پر لے جاتے تھے
رومالوں پر ایفل ٹاور کی نقل چھاپی گئی تھی۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کی
نمائشوں میں یا وہاں کی انگوٹھیاں یا کھلونے یا زیورات شیشے وغیرہ ہزاروں
چیزیں یہ عورتیں بیچتی تھیں۔ اور چونکہ یہ راہ میں سے گذرنے والے سے ہر
وقت خریداری کی درخواست کرتی تھیں۔ مجھے تو اب زہر معلوم ہونے
لگی تھیں۔ کیونکہ میں کچھ خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ ہر چیز بیچنے پر مستعد
ہوتی تھیں۔ میں نے بعض وقت چیزیں نمائش کے قریب جا کر اسی لئے
نہیں دیکھیں۔ کہ وہ خوبصورت عورت جو میز پر دکان لگائے کھڑی ہے ضرور
ٹوکے گی کہ سل وو پلے موسیو (صاحب مہربانی کرکے) یہ چیز تو ضرور خریدئے۔
میں نے بارہا زبان نہ سمجھنے کا بہانہ کیا اور پاس سے کھسکا چلا گیا۔ تاہم دس بیس

روپے کسی کسی چیز پر داغنے ہی پڑتے۔ چونکہ یہاں کی عورتیں دوکانداری کا بہت اچھا سلیقہ رکھتی ہیں۔ اور اکثر عورتیں نہ صرف تنہا دکانیں کرتی ہیں بلکہ اپنے شوہروں کا دوکان میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔

عینکیں بیچنے والے نمایش گاہ کے اسی حصہ میں اور بعض بعض دوسرے حصوں میں بھی بہت سی عینکیں بیچنے والے بھی ہر وقت شکار کے منتظر رہتے تھے۔ یہ لوگ سب کے سب امریکن تھے۔ اور ہر گذرنے والے سے درخواست کرتے تھے کہ تمہاری آنکھوں کا مفت بلا معاوضہ امتحان کر دینگے۔ میں نے پانچ سات کو ترٹالا۔ ایک دو سے آنکھیں امتحان بھی کرائیں مگر ان سے عینک نہیں خریدی۔ لیکن ایک روز ایک کمبخت نے ادویات کے سیکشن کے قریب مجھے ایسا سبز باغ دکھلایا۔ کہ میں نے ایک عینک اٹھ سو ایک پونڈ کو خرید لی۔ اور جب میں رات کو مکان پر پہنچا تو میرے دوست نے کہ جس کے مکان پر میں ان دنوں فروکش تھا مجھے بتلایا کہ دو فرانک کا مال تم نے بیس فرانک کو خریدا ہے۔

امریکن اخبارات ہرچند کہ اخبارات اور چھاپنے کے فن کی نمایش کا حصہ بالکل الگ تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ لیکن امریکہ والوں نے تنہا اپنے اخبارات اور چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کلوں کی نمایش یہیں کی تھی۔ ایک کمرہ میں ہر روز سینکڑوں امریکہ کے اخبارات اور رسالے کھول کر رکھے جاتے تھے۔ اور جو چاہتا انہیں پڑھتا۔ امریکہ کے عجیب و غریب اخبارات اور رسالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر عقل اور دانش خرچ کی جاتی ہے۔ مجھے امریکہ کے اخبارات اور رسالے انگلستان کے اخبارات اور رسالوں سے بہت زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ میں کئی

گھنٹے ان اخبارات کے مطالعہ میں محو رہا۔ اس کمرہ کے پاس ہی امریکہ کی چھاپنے کی مشینوں۔ نیویارک لایف انشورنس کمپنی۔ فوٹوگرافوں اور ٹائپ رائٹروں کا دفتر تھا۔ امریکہ کے اخبار نیویارک ٹائمز کا پیرس کا ایڈیشن ہر روز یہیں چھاپا جاتا تھا۔ اور دیکھنے والوں کے سامنے مشین کے منہ سے نکلتا ہی مفت بٹ جاتا تھا۔ یہ کتنی بڑی انٹرپرائز تھی۔ یہ بہت بڑی تین منزلوں کی مشین تھی۔ جس میں تین ریلیں کاغذ کی چڑھی ہوئی تھیں۔ اور ایک پیچ میں آن واحد میں تین پرچے اخبار کے چھپ جاتے تھے۔ واضح رہے کہ امریکہ کے اخبار نیویارک ہیرلڈ اور نیویارک ٹائمز دونوں کے یوروپین ایڈیشن انگریزی زبان میں ہر روز پیرس سے شائع ہوتے ہیں۔

فرانسیسی بولی تحریری او تقریری

نمایش کرنے والے لوگ اپنے اپنے سامان کی فروخت کرنے کے لئے ہزار ہا قسم کے دلچسپ اشتہار اور پتا مول فہرستیں چھاپ کراتے تھے جو عموماً فرانسیسی زبان میں تھے اور تقسیم کرتے تھے۔ اتنا غنیمت تھا کہ میں اب کچھ کچھ ان کا مطلب سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ تھوڑی سی شُد بُد فرانسیسی زبان کی میں نے لاہور میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر مزہ یہ تھا کہ باوجود اس تمام جد و جہد کے کسی فرانسیسی کی باتیں سمجھ میں کم آتیں جو لوگ فرانسیسی زبان کتابوں سے سیکھیں گے ان کا یہی حال ہوگا۔ اس زبان میں بہت سے حروف جو لکھے ہوئے ہوتے ہیں "تلفظ میں نہیں آتے۔ مثلاً نمایش کے ایک حصہ کا نام Champs de Mars یعنی "مریخ کا کھیت" ہے۔ انگریز تو اسکو "شامپ ڈے مارس" پڑھیں گے۔ لیکن فرانسیسی اسکا تلفظ "شان دو مار" کرتے ہیں۔ پیرس کے ایک مشہور بازار کا نام Champs de Elysees ہے۔ جسکو فرانسیسی "شانز لیزی"

کہتے ہیں۔ اسلئے اجنبی جب انکے منہ سے سنکر زبان نہ سیکھی ہو
ان کا تلفظ سمجھ نہیں سکتا۔

متحرک پلیٹ فارم کی سیر

میں نے تیسرے دن میں اس حصہ نمایش کو سرسری دیکھا آخری روز دیکھا کہ دوسری منزل کے ایک دروازے سے اکثر لوگ باہر کو جارہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کے پلیٹ فارم ریڑھی پر کھڑے ہوتے ہیں جو خود بخود دکھائی جاتی ہے۔ نقشہ نمبر اول میں عمارات نمایش کے اندر شہر پیرس کا ایک حصہ گھرا ہوا ہے۔ جیسرج کا نشان ہے۔ اس حصے کے گرد یہ پلیٹ فارم برقی طاقت سے دن بھر پہیوں کے اوپر پھرتا رہتا تھا۔ اور اسکا نام "پلیٹ فارم موبیل" یعنی متحرک پٹری تھا۔ یہ دراصل دو پلیٹ فارم تھے۔ ایک تو بالکل ساکن تھا۔ سیر کھڑے ہوکر لوگ دوسرے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے تھے۔ جو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا تھا۔ لیکن اس سے اگلا پلیٹ فارم جو اس سے چوڑا تھا وہ آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا تھا۔ چاروں طرف نمایش کے اندر اسکے کئی سٹیشن تھے۔ جہاں نصف فرانک (۵ر) دینے پر اسکے اوپر سوار ہونے کی اجازت ملتی تھی۔ ہزاروں عورتیں۔ مرد۔ بچے ہر روز اس پر سوار ہوتے تھے۔ اور جبتک خود کود کر نہ اترجائیں کوئی اُنہیں نہیں اتارتا تھا۔ ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پر آسانی سے قدم رکھ سکتے تھے۔ غرض یہ پلیٹ فارم بھی نمایش کا ایک نہایت عجیب نمونہ تھا۔

متحرک سیڑھی

اسکے علاوہ ایک قسم کی متحرک سیڑھی نمایش گاہ کی اکثر دو منزلہ عمارات کے اوپر چڑھنے کے لئے لگی ہوئی تھی۔ جو ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ گویا دو رولروں پر ایک آہنی جالی لپٹی ہوئی ہے۔ اور رولر

ہر وقت گردش میں رہتے تھے۔ جس سے وہ ہر دم نیچے سے اوپر کو جایا کرتے تھے۔ اسپر لوگ کھڑے ہوتے تو دم بھر میں دوسری چھت پر پہنچ جاتے تھے۔ دس سینٹیم یا ایک پینی یا اسکا ٹکٹ تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سیڑھی کی لکڑی بھی حرکت کرتی رہتی تھی۔ کہ جسکو دونوں طرف تھام کر اوپر چڑھتے ہیں۔ غرض یہ بھی ایک دلچسپ اور نئی ایجاد تھی کہ سیڑھیاں چڑھنے کے لئے دو قدم بھی نہ ہلانے پڑیں۔

کرایہ کی کرسیاں نمائش میں جابجا تھکے ماندے مسافروں کے بیٹھنے کے لئے چند آہنی بنچیں پڑی تھیں۔ لیکن یہ سب لوگوں کے بیٹھنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ ایفلٹے بڑے منار کے نیچے اور عجائب گاہ کے سامنے ہزاروں ہلکی پھلکی آہنی کرسیاں پڑی رہتی تھیں۔ دن میں کسی وقت تھک کر یا شام کو عموماً قصر برق و قصر آب کی بہار دیکھنے کے لئے لوگ ان پر بیٹھتے تھے۔ سیاہ پوش بڑھیا عورتیں ان سے کرسیوں کا کرایہ وصول کرنے کو موجود ہوتی تھیں۔ کرسیوں کا کرایہ دس سے تیس سینٹیم (دو سے چھ پیسے) تک ہر دفعہ بیٹھنے کے لئے مقرر تھا۔ خواہ تم دو منٹ بیٹھو یا دو گھنٹے۔ اور اسی طرح مشہور ٹھنڈی سڑک شانز لیزی پر دو رویہ کرسیاں پڑی تھیں جن کے بیٹھنے والوں سے عورتیں کرایہ وصول کرتی تھیں۔

حکمت کا راز حضرت سلیمان کا قول ہے کہ حکمت جواہرات سے بیش قیمت ہے۔ اور اس کی تصدیق نمائشگاہ پیرس کو دیکھنے سے اچھی طرح ہوتی تھی وہاں جاکر معلوم ہو سکتا تھا کہ اہل یورپ کی بہبود حکمت کا راز کیا ہے۔ جبکہ افریقہ کی بالکل وحشی قوموں جیسی کانگو اور دیمی گیمبا کے قدیم متوطنوں کے نہایت ابتدائی اور وحشیانہ ساخت کی چیزوں کے پہلو بہ پہلو

یورپ اور امریکہ کی آخری ساخت کے بیس بیس ہزار گھوڑوں کی طاقت کے کے بڑی بڑی نیو شور مچاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ اہل یورپ کے بڑے طبقہ میں مجھے کئی ایک اخلاقی قباحتیں نظر آتی تھیں۔ لیکن ان میں بہت سی خوبیاں محنت دماغ سوزی ایفائے وعدہ۔ راست گوئی دیانت کی بھی بطور ایک جماعت کے مجھے نظر آئیں۔ بقول انکا سب حبیب اللہ" کے خدا ان کی محنت کا انہیں انعام دیتا ہے اور اپنے کسب میں کمال حاصل کرنے کی وجہ سے یہ لوگ عزت حاصل کرتے ہیں ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بیکمال ہیچ نیرزد عزیز من

نمایش کا تیسرا حصہ

اطالیہ کی قومی عمارت

انومیڈ کی دونوں عالی شان اسباب صنعت و حرفت کی عمارات دیکھ چکنے کے بعد ہمیں دریائے سین کی طرف لوٹ کر انہیں کنارہ پر چلنا پڑتا۔ جہاں اقوام یورپ و امریکہ کی قومی عمارات تھیں۔ ان میں سب سے پہلے اطالیہ کی قومی عمارت نہایت عالی شان تھی۔ ان عمارات کی تعمیر میں خصوصیت سے اس امر کو مدنظر رکھا گیا تھا کہ جس قوم یا ملک کی عمارت تھی۔ اس ملک کے خاص طرز تعمیر کے اعلیٰ نمونوں سے اسے یہاں نقل کیا گیا تھا۔ اس لئے یہ حصہ نمایش کا۔ اور ایک دوسرا حصہ جس میں فرانس و انگلستان کی نوآبادیوں اور ممالک مشرق کی تعمیرات تھیں نہایت دلچسپ تھے۔ کیونکہ ان میں مختلف ممالک کے طرز پہلو بہ پہلو نظر پڑ نہایت عمدہ اثر پیدا کرتی تھی۔ اور بعض عمارات

تھا ایسی خوبصورت اور عالی شان اور نرالی طرز کی تھیں کہ ان کے دیکھنے سے جی سیر نہیں ہوتا تھا۔ اٹلی کی عمارات وینس کے مشہور گرجا سینٹ مارک کے نمونے پر بنائی گئی تھی کہ جس کی کیفیت میں سیر وینس کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ بظاہر یہ عمارت ایسی خوبصورت اور عالی شان معلوم ہوتی تھی۔ اور اس پر فن مصوری و نقاشی کہ جس میں اطالین یورپ بھر میں استاد سمجھے جاتے ہیں۔ بے حد خرچ کیا گیا تھا اور اس خیال پر تعجب ہوتا تھا کہ عنقریب ختم نمائش کے بعد اسے گرا دیا جاویگا۔ اسکا گنبد طلائی تھا اور اس کی دو منزلوں میں اطالین حرفت کے نمونے خصوصاً آرٹ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔

ترکی کی قومی عمارت اس کے بعد ترکی کی قومی عمارت تھی۔ یہ عربی اور شامی طرز تعمیر سے مرکب تھی۔ قسطنطنیہ کی چند بڑی بڑی پبلک عمارات کے حصے اور خصوصاً عجائب گاہ جینی سیرز کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس میں تین منزلیں تھیں۔ پہلی میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور کشیدہ کے رومال۔ دوسری میں برتنوں و قالینوں کی قسم کی چیزیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی زن و مرد بیچ رہے تھے۔ جیسا کہ قسطنطنیہ کے بازاروں کا حال ہے دوسری منزل میں جو دمشق کے ایک قہوہ خانہ اور سلطان احمد کے فوارہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر تھا جس میں یہودی اور یہودنیں عرب اور مسلمانوں کے سوانگ بھر کر اور عربی گیت گا کر اور ناچ کر مسلمانوں کو بدنام کر رہی تھیں۔ مصر الجزائر۔ ٹیونس اور ترکی سب کے مکانات کے سامنے تھیٹر بھی لگائے گئے تھے۔ ان سب ملکوں میں عورتوں کے ناچنے کی طرز نرالی ہے۔ جس میں چھاتیاں اور کندے پھڑکائے جاتے ہیں۔

اور ناف کے حصے کو تمام جسم سے الگ عجیب طور سے حرکت دی جاتی ہے جس میں ان عورتوں کو خاص مہارت ہوتی ہے۔ ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ ان کے مقابلہ میں عین تہذیب کا نمونہ ہے۔ ناچنے والی عورتیں اور ان کے مرد سب یہودی تھے۔ مگر یقیناً یورپ کے ناواقف لوگ انہیں مسلمان سمجھتے تھے۔ اور کبھی کبھی جبکہ یہ بدوؤں کا لباس پہنکر رجز خوانی کرتے تھے اور عربوں کے شادی بیاہ کی رسمیں اور شتر کی زندگی کے ایک واقعہ کی نقل کرتے ہوئیں جسے بھی دیکھی تھی تو کوئی شخص ان میں اور مسلمانوں میں بمشکل تمیز کرسکتا ہوگا۔ ٹرکی کے مکان میں صرف ایک مسلمان جو مدت تک انگلستان میں متوقف رہا ہے۔ اور ایک انگریز عورت سے شادی بھی کی ہے۔ اس نے کہا گورنمنٹ ٹرکی نے نمائش میں خاص حصہ لینا پسند نہیں کیا۔ اور نہ کسی مسلمان نے یہاں آنا پسند کیا ہے۔ مسلمان نوجوان یورپ میں آکر اہل یورپ کی بے حجاب لڑکیوں کو دیکھ کر فریفتہ ہوجاتے ہیں اور مسلمان نہیں رہتے۔ مجھے یہ سنکر نہایت افسوس ہوا کہ ترک اب تک ایسے نادان ہیں کہ باوجود کتنی صدیوں سے یورپ میں رہنے کے انہیں اتنی عقل نہیں آئی کہ اسلام ایسا کچا دھاگا نہیں جو ٹوٹ جائے۔ نہ کسی خاص ملک اور قوم اور آب و ہوا سے مخصوص ہے۔ اور بالفرض اگر یورپ جاکر یہ اہل ہنود کے مذہب کی طرح خراب بھی ہوسکتا ہے۔ تو انہیں کی طرح پراسچت کرنے سے پھر صحیح و سالم بھی ہوسکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلام کے معنے کیسے غلط سمجھے گئے ہیں ؎

زنہار از آن قوم نباشی کہ فریبند — حق را بسجودے و نبی را بدرودے

ترکوں کے شریک نہ ہونے کا باعث

مگر اس کے بعد مجھے ایک معزز فرنچ لیڈی سے یہ سُنکر اطمینان ہوا کہ جس مدرسہ میں اُن کی جوان لڑکی پڑھتی ہے اس میں چند ترک نوجوان خاتونیں بھی تعلیم پاتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ سے صرف پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ اور نیز ایک اور شخص سے معلوم ہُوا کہ پیرس کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں چند ترک نوجوان تعلیم پاتے ہیں۔ گویا اُن سے بہت کم ہیں۔ جتنے کہ جاپانی طالب علم ہیں۔ جو سات سمندر طے کر کے یورپ اور امریکہ میں ہنر سیکھنے جاتے ہیں۔

ٹرکی کے بعد اضلاع متحدہ امریکہ کا مکان واشنگٹن کے کیپی ٹول کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اس مکان کی زیرین سطح خالی تھی۔ جس میں اہل امریکہ کی آسائش کے لئے ڈاکخانہ تار اور اطلاعدہی وغیرہ کے دفتر تھے۔ مکان کے سامنے

امریکہ کی عمارت

امریکہ کی نامور بہادر جارج واشنگٹن کا رنگین بُت گھوڑے پر سوار کھڑا تھا جس نے امریکہ کو انگلستان سے آزاد کرایا تھا۔ مکان کی پیشانی پر آزادی کا فرضی مجسمہ ترقی کی گاڑی میں سوار دکھلایا گیا تھا۔ مکان کے بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ اطراف کے کمرے اضلاع متحدہ میں سے ہر ایک ضلع کے نام کے الگ الگ تھے۔ اوپر جانے کے لئے دو لفٹ تھے اور رات کو برقی روشنی ہوتی تھی۔ اس مکان میں کوئی سامان نمائش نہیں تھا۔ کیونکہ امریکہ کے سامان سے نمائش گاہ کی مختلف عمارتیں بھری پڑی تھیں۔ اسکے اندر صرف اہل امریکہ کی شائستگی کے تمام پہلو دکھلائے گئے تھے۔

ڈنمارک

ڈنمارک کا مکان ڈنمارک کے خاص طرز تعمیر میں بڑا دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اندر اس ملک کی ساخت کی چیزیں سجائی گئی تھیں۔

آسٹریا — اسکے بعد آسٹریا کا قومی مکان دو منزلہ نہایت عالیشان تھا۔ اس میں نیچے دو تین کمرے صرف اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے سجا کر دکھلانے کے لئے مخصوص تھے۔ دوسری منزل میں کچھ اسباب نمائش ہوئی کلولیا کے نمونوں۔ تصاویر و بتوں کی قسم سے تھا۔ ایک بُت ایک مادرزاد برہنہ مرد کا تھا جس نے ایک ویسی ہی مادرزاد برہنہ عورت کو سب سے اونچا اٹھا رکھا تھا۔ اور اور بھی کئی برہنہ تصاویر تھیں۔ جنکے آرٹ کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ ایک کمرہ میں یہاں کے کُل اخبارات اور رسالجات کے سرورق چسپاں تھے جو بجائے خود بہت دلچسپ نمائش تھے۔ اور نمونے اخبارات کے بھی موجود تھے۔ کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک کتاب میں کہ جسکا نام یہ ہے The Grosse Induetrres Ostritshe 1848-1898 آسٹریا کی صنعت و حرفت کی ترقی کی کیفیت ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۸ء تک جرمنی زبان میں تفصیل بیان کی گئی تھی نمائشگاہ میں آسٹریا ہنگری کا جہاں جہاں سامان رکھا ہؤا تھا۔ وہیں شہنشاہ فرانسس جوزف کا ایک روپہلی بُت بھی رکھا ہؤا تھا۔

پرتگال — پرتگال کا مکان سادہ تھا۔ لیکن اپنی خاص مشرقی نما طرز کا تھا۔

بوسینیا و ہرزی گووینیا — بوسینیا اور ہرزی گووینیا کو بھی سبز نہیں آیا کہ نمائش پیرس میں حصہ نہ لیں۔ اس مکان میں ایک طرف عربی طرز کے ستون لگا دیے تھے اور محراب ایسے طور پر بنائے گئے تھے کہ ایک عالی شان مسجد معلوم ہوتی تھی۔ اور ان ممالک سے ٹرکی کا تعلق یاد آجاتا تھا۔ مگر یہاں ٹرکی کے مکان میں اشیاء ساختہ کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیائے ساختہ

کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیائے ساختہ کی خاصی دلچسپ نمائش اس مکان کے اندر موجود تھی۔

پیرو اسکے آگے ملک پیرو کی عمارت تھی۔ جو جنوبی امریکہ کی ایک جمہوری ریاست ہے۔ طرز تعمیر ہسپانیہ کی عمارات کی سی تھی۔ کیونکہ اس ملک میں پہلے ہسپانیہ کا ہی قبض ودخل تھا۔ اوپر دو مینا کاری کے مینار تھے۔ دو منزلہ عمارت تھی جس میں پیرو کی ساختہ چیزیں اور خام پیداوار موجود تھی۔ بعض چیزیں یورپ کی اشیائے ساختہ سے لگا کھاتی تھیں۔ (۲۰۰۱) مربع گز زمین پر مکان تعمیر کیا گیا تھا۔

ہنگری ہنگری ہرچند کہ سلطنت آسٹریا کا حصہ ہے۔ لیکن اس قوم نے جابجا نمائش میں آسٹریا سے علیحدہ حصہ لیا۔ چنانچہ اسکا مکان بھی آسٹریا کے مکان سے علیحدہ تھا۔ جو فن تعمیر کا عجوبہ شمار ہونے کے قابل تھا۔ گیارہ یا بارہ قوم جتنی طرزیں تعمیر میں استعمال کرتی ہے وہ سب اس عمارت میں جمع تھیں جو جیسی باہر سے خوبصورت تھی ویسی ہی اندر سے۔ ہنگری کی فوجوں کی وردیوں تاریخی یادگاروں۔ اور خانگی زندگی کے سامانوں کے نمونوں اور تصویروں سے مکان نہایت دلچسپ بنایا گیا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ چند فقرات اس اثر کا کوئی حصہ بھی پیدا نہیں کرسکتے جو مکان کے دیکھنے سے حاصل ہوتا تھا۔

انگلستان اسکے آگے برطانیہ عظمےٰ کا مکان تھا۔ نمائش کی تیاری کے ابتدائی زمانہ میں جو رائل کمیشن انگلستان نے نمائش پیرس میں حصہ لینے کے لئے مقرر کی تھی۔ حضور پرنس آف ویلز (حال شاہ ایڈورڈ ہفتم) اس کے سرپرست قرار پائے تھے۔ لیکن اس کے بعد بوجوہات فرانس و انگلستان کے تعلقات ایسے دوستانہ نہ رہے۔ جس سے انگلستان نے اتنی دلچسپی

نمایش پیرس میں نہیں لی جتنی کہ اسے لینی چاہئے تھی۔ تاہم بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ انگلستان کی قومی عمارت ایک نامور انگریزی مکان کنگشن ہوس کے نمونہ پر تعمیر کی گئی تھی۔ نمایش کے طور پر اس میں بہت سا قیمتی اسباب سجایا گیا تھا۔ مثل نمونہ ہائے فنون نفیسہ۔ جواہرات۔ زیورات اسلحہ وغیرہ جو انگریزی ساخت کا خاصہ عجائب گاہ ہے۔ کئی کمرے انگلستان کے مکان سجانے والے کارخانوں نے اپنے فرنیچر سے سجائے ہوئے تھے۔ داخلہ کے سامنے ہال میں خوبصورت ٹیپسٹریاں (قالین تصویر دار) دیواروں پر سجائی گئی تھیں۔ دوسری منزل پر ایک لمبی گیلری میں انگلستان کی ماہیں صدی کے مصوروں کے کمال کے نمونے جمع تھے۔ اور چینی کمرہ میں انگریزی ساخت کا بہترین سامان موجود تھا۔

ایران اس کے پچھلی طرف ایران کا مکان تھا۔ عمارت کو دیکھ کر بے ساختہ مان لینا پڑتا تھا کہ ہم ایران کے کسی کوچہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ اس عمارت میں اصفہان کے مدرسہ نادر شاہی کا خاکہ اتارا گیا تھا۔ دونوں سروں پر دو مکانات دو منزلہ تھے۔ جن میں شیشے ایسے طرز سے لگائے گئے تھے کہ دن کو آفتاب اور رات کو برقی روشنی بہت اچھا اثر پیدا کرتی تھی۔ نمایش کے کمروں میں کرمان اور خراسان کے ایرانی قالین خلیج فارس کے بڑے بڑے موتی اور کچھ چینی کی قسم کے برتن تھے۔ شیراز کا عطر گلاب اور کچھ قدیم ایرانی اسلحہ اور دستکاری کے نمونے تھے۔ اس کے علاوہ بیش قیمت زیورات جو شاہی خاندان کے سوا ایران میں کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہو سکتے موجود تھے۔ عمارت کے تینوں طرف کچھ نظم خوش خط فارسی نستعلیق میں کندہ تھی۔ اس میں سے میں نے یہ شعر نقل کر لئے۔ جو ایرانیوں کے خیالات

کا خاصہ نمونہ ہیں۔ اور شہنشاہ مظفر الدین کی سعادت پر بھی دلالت کرتی ہیں ؂

نگارشن ہنر و باغ صنعت ما بیں | شگفتہ واند صبا طے ز صنع دست بشر
زمانہ پرورشش فضل می دہد ہر روز | درخت علم کنوں بیشتر گرفتہ ثمر
ہمیشہ تا بجہاں نام علم بودہ بلند | ازیں دیار ہمی نشر کردہ در دیگر
ز ہر دیار ہنر ملک خاصہ ایراں | کہ دولت است ہنر پیشہ و ہنر پرور
علی الخصوص بعہد خدیو صاحب تاج | مظفر الدین شہنشاہ والا بلند اختر

اور بڑے دروازے پر یہ شعر تھے ؂

ایں طرفہ بنا کہ دلکش شاہان است | در عرض ہنر ز دولت ایران است
تا ہست جہاں باد مظفر منصور | شاہنشہ ما موئید یزدان است

واضح رہے کہ نمائش کی اور کسی عمارت پر کوئی نظم یا شعر نہیں دیکھے گئے البتہ اٹلی کی عمارت پر کچھ تاریخی عبارت تھی۔

بلجیم | بلجیم کا مکان اس ملک کے ایک مشہور مکان ہوٹل ڈی والاویل (ٹاؤن ہال) کا نمونہ تھا۔ جو سولھویں صدی کا بنا ہوا تھا۔ اور چونکہ اس ملک میں لیس مشہور چیز ہے۔ اسلئے اسکی گیلری۔ ستون۔ محراب۔ اور ایک گنبد پر لیس ایسی خوبصورتی سے تعمیر میں دکھلائی گئی تھی۔ کہ فن تعمیر کی بڑی قابلیت ظاہر کرتی تھی۔ نیچے کے کمروں میں بلجیم کے مختلف شہروں کے اسباب کی نمائش تھی۔ اور ایک کمرہ وہاں کے اخبارات اور مطابع کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دوسری منزل پر سٹیٹ روم اور دوسرے سجے ہوئے کمرے تھے لکسمبرگ کی گرینڈ ڈچی سے بھی ان اقوام عالی شان کے محلات میں اپنا گھر بنائے بغیر رہا نہیں گیا۔ جس میں اس چھوٹے سے علاقہ کی پیداوار اور ساخت کے نمونے تھے۔

ناروے

ناروے کا مکان بالکل لکڑی کا بنا کر سرخ سفید اور سبز رنگا گیا تھا۔ جیسا کہ ناروے کے دیہات کے مکانات ہوتے ہیں۔ چونکہ ناروے کا سمندر کا کنارہ بوجہ دندانہ دار ہونے کے بہت بڑا ہے۔ اور اندرون ملک میں بھی پانی بہت ہے۔ اسلئے ماہی گیری اس ملک کا پیشہ ہے۔ اس عمارت میں یہاں کی ماہی گیری کے قدیم سے لیکر حال تک مختلف سامانوں کا ایک عجائب گاہ موجود تھا۔ جو بڑا دلچسپ تھا۔ پہلو بہ پہلو ماہی گیر اور جنگل سے لکڑیاں کاٹنے والے کی زندگی دکھائی گئی تھی۔ ایک بڑے چٹان پہ کئی سو پرند جس سے بھرے ہوئے دکھلائے گئے تھے۔ جو بڑا دلچسپ نظارہ تھا۔ ڈاکٹر نانسن جس جہاز میں دو تین سال پہلے قطب شمالی کی تحقیقات کے لئے گیا تھا اُسکا نمونہ اور سامان سفر دکھلایا گیا تھا۔ لیکن منجملہ کئی دیگر اشیا کے ناروے کے باشندوں کے بُت، وہاں کے مکانات کے نمونے تیرھویں سے انیسویں صدی تک وہاں کی زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے تھے۔

جرمنی

جرمنی کا مکان ایک جرمنی کے آخری زمانہ کے طرز تعمیر کے گرجا کے نمونہ پر بنایا گیا تھا۔ جسکا مینار (۲۶۰) فیٹ بلند چلا گیا تھا۔ نیچے کی منزل میں جرمنی میں کاشت انگور کی نمائش بالتفصیل دکھلائی گئی تھی۔ بیچ کے بڑے کمرے میں جو پچاس فیٹ بلند ہے۔ جرمنی کے اُستادانِ فن کی چھت کے آرائش کے نمونے تھے۔ اور جرمنی کی کتابیں چھاپنے اور زردگرائی کے فن کے نمونے بھی یہاں دکھلائے گئے تھے۔ باقی نیچے اور اوپر کے کمروں میں فریڈرک اعظم سابق شہنشاہ جرمنی کا بیش قیمت مجموعہ عجائبات سامان آرائش در محلات پاٹسڈم (قصر شہنشاہ حال) اسکا

بیش قیمت فرنیچر معہ دیگر سامان فرنیچر کے نمونوں سے دکھلایا گیا تھا لیکن چونکہ فی
کی موجودہ دستکاری اور حرفت کے نمونے نمایش گاہ کی عمارات میں قطع نظر
فرانس کے باقی سب ملکوں سے زیادہ تھے ۔

بلگیریا — بلگیریا کی عمارت میں داخلہ کا دروازہ صرف ترک طرز تعمیر
کا تھا جو دو بلند مربع ستونوں پر قایم تھا۔ باقی عمارت عیسائی طرز کی تھی ۔

ہسپانیہ — ہسپانیہ کا قومی محل ہسپانیہ کے زمانۂ ری نیسنس کے
طرز تعمیر میں بنا ہوا تھا۔ جس میں مسلمانی طرز عمارت کی بہت سی جھلک
نمایاں تھی۔ اس میں الکالا کی یونیورسٹی (۱۵۵۳ء) ٹولیڈو کے الکزار
(العقصر) سالامانکا کی یونیورسٹی وغیرہ مکانات کے حصوں کی نقل اتاری گئی
تھی۔ اندر ایک بڑے ہال کے گرد دو منزلہ گیلریاں تھیں۔ جن میں ہاتھی
نقشہ اور فنون نفیسہ کی تاریخی نمایش کی گئی تھی۔ ملکۂ ہسپانیہ نے محلات
شاہی سے عجیب و غریب چیزیں نمایش کے لئے مستعار دی تھیں۔
اور قومی اور پرائیویٹ عجائب خانوں نے بھی بعض چیزیں بھیجی تھیں ہسپانیہ
کی ساختہ چیزیں نمایش کے مختلف حصوں میں موجود تھیں ۔

رومانیا — رومانیا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن اس کی عمارت میں
بھی اس ملک کے طرز تعمیر کا پورا خاکہ کھینچا گیا تھا۔ مکان کا وسطی ہال ہوریزو
کی خانقاہ سے نقل کیا گیا تھا۔ پہلوؤں کی بیرونی صورت آرگاش کے بڑے
گرجے اور دریچے شاور یلی توس سے نقل کئے گئے تھے۔ اسلئے مکان کی عام
صورت رومانیا کی خاص تعمیر معلوم ہوتی تھی۔ جسکے اندر ہال کی مختلف پیداوار
اور تصویروں کے نمونے دکھلائے گئے تھے ۔

سوئیڈن — سوئیڈن کا مکان بھی ناروے کی طرح چوبی تھا اور اس ملک کی

صنعت و حرفت اور تجارت کے نمونوں سے پُر تھا۔ مکان کی تعمیر میں جو لکڑی خرچ ہوئی تھی وہ بھی سوئیڈن کی تھی۔ لکڑی پر کھودا ہوا کام اور سوئیڈن کی لیس کے نمونے بہت دلچسپ تھے۔ آزمودہ کار پیشہ ور مازم بیٹھے ہوئے اپنے ملک کی مختلف حرفتوں میں تماشا دیکھنے والوں کے سامنے مشغول تھے لیس جو ہاتھ سے بنی جاتی تھی اور جو یورپ کی عورتوں کے لباس کا نہایت قیمتی جزو ہے۔ میں نے بُنی جاتی ہوئی دیکھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں پر دھاگا لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ جو نیچے لٹکتی رہتی ہیں۔ اور بُننے والی عورت ایک اڈے کے سامنے بیٹھی ہوئی ایسی پھرتی سے اُن دھاگوں کو نیچے اوپر کرتی ہے جیسے کہ لاہور میں ازار بند بُننے والی عورتیں جلدی سے ریشم کی تاریں انگلیوں سے نیچے اوپر کرتی ہیں۔ ہال کے سامنے پیچھے کی طرف ایک بڑا کمرہ تکلف طور سے سجایا گیا تھا۔ جس میں معتمد آدمی (کوئی بادشاہ یا عہدہ دار) جو یہاں آئے بیٹھ سکتا تھا۔ اسکے پردے اسی کمرے کے لئے بُنے گئے تھے اسکے دونوں پہلوؤں میں دو پینوراما نمایاں تھے۔ جن میں سے ایک کا نام "شب زمستان" اور دوسرے کا نام شب تابستان" تھا۔ میں نے سفر وانا کے حالات میں پینوراما کی کیفیت سمجھا دی ہے۔ جو ایک لمبے چوڑے کپڑے پر کسی مقام کی تصویر ایسی طور پر رنگوں سے کھینچی جاتی ہے اور کپڑے کو ایسے طور پر ایک سٹیج کے گرد زمین سے چھت تک آویزاں کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والے باور کرتے ہیں کہ وہ کوئی اصلی قدرتی نظارہ دیکھ رہے ہیں بحالیکہ وہ قدرت کی صرف نقل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک پینوراما میں قطب شمالی کے قریب کے ایک برف کے علاقہ کو دکھلایا گیا تھا اور دوسری میں رات کا رنگ ایسا بنایا گیا تھا۔ جو صبح صادق کی طرح ہو۔ کیونکہ اس

اِس ملک میں گرمیوں میں آدھی رات کو بھی آفتاب اُفق کے قریب لٹکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جسکو دیکھنے کو ہر سال ہزارہا لوگ جاتے ہیں۔ دو کمروں میں سویڈن کے اخبارات اور رسالے میزوں پر پڑے تھے جو چاہتا بیٹھکر پڑھتا

یونان

یونان کا مکان خالص بابلی زمانہ کی طرز تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ اور چھت کے اوپر خیلوران سدغن کی اینٹیں لگائی تھیں۔ ڈھانچ عمارت کا لوہے کا تھا۔ بخلاف دوسری عمارات کے لکڑی کے ڈھانچوں کے اس میں یونان کے زمانہ حال کی اشیائے ساختہ کے ساتھ قدیم یونان کے صنعت مصوری اور بُت تراشی کی حالت بھی دکھلائی گئی تھی۔ یونانی نمائش کرنے والوں نے زیادہ تر شراب۔ تمباکو۔ ریشم اور سوت کے کپڑے معدنیات اور چمڑا دکھلایا تھا۔ اور یونان کی تمام چیزیں اُسی مکان میں تھیں جو (۹۵۰) مربع گز پر تعمیر کیا گیا تھا۔

سربیا

سربیا کا مکان سادہ شکل کا تین گنبدوں والا خالص اسلامی طرز تعمیر کا تھا۔ گو اِن ملکوں میں اب اسلامی حکومت نہیں رہی۔ لیکن طرز تعمیر پر مسلمانوں کا اثر ایسا نہیں تھا۔ جو اُن کی حکومت کے ساتھ ہی کم ہو جاتا۔ اس مکان کے اندر سربیا کے فن مصوری کے چیدہ نمونے نمایاں تھے۔ یہ مکان دوسری اقوام کے مکانات سے علٰحدہ جگہ پر واقع تھا۔

میکسیکو

اور اسی طرح میکسیکو کا دو منزلہ مکان علٰحدہ تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی مسلمانوں کی عمارات کی جھلک تھی۔ پیشانی کے ستونوں پر بنی ہوئی گیلری ہسپانیہ کی تعمیر کی نقل تھی۔ کیونکہ جنوبی افریقہ کی ان جمہوریوں پر پہلے پہل ہسپانیہ کا قبضہ تھا۔ جو مدت تک مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اندر میکسیکو کی پیداوار اور دستکاری کی نمائش تھی۔ میکسیکو کی نوکدار نرالی ٹوپیاں جن میں سے بچوں

کی ٹوپیوں پر بھاری طلائی کام گوٹے اور کشیدہ کا تھا۔ اور بالکل مشرقی لباس معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی زینوں پر بھی طلا کا کام بنا ہؤا تھا۔ مکسیکو کے مکان میں گلیں تو بہت کم تھیں مگر قدرتی پیداوار کی قسم کا سامان بہت تھا۔

قہوہ خانے مندرجہ بالا قریب قریب کل اقوام کے مکانات کے ساتھ قہوہ خانے اور ریسٹارنٹ (کھانے کی دکانیں) متعلق تھیں۔ جن میں اس ملک کے طرز مخصوص کا کھانا اور پینا مناسب قیمت پر مہیا کیا جاتا تھا کہیں کہیں قہوہ خانوں اور ریسٹارنٹوں میں گاہکوں کو اکٹھا کرنے کے لئے اسی ملک کی پوشش پہنکر یورپین زن و مرد گا اور بجا رہے تھے۔ اور لوگ سامنے کرسیوں اور میزوں پر بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ بعض اوقات صرف یہ گانا اور بجانا سننے کے لئے لوگ ان کرسیوں پر جا بیٹھتے جو ہر قہوہ خانہ کے پاس بکثرت پڑی ہوتی تھیں۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی قہوہ خانہ کا ویٹر (خدمتگار) حاضر ہو کر سوال کرتا تھا کہ "کیا ارشاد ہے" یعنی کیا کھانا یا پینا لاؤں۔ مجھے ان ایام میں اکثر دن بھر نمائش میں پھرتے رہنے سے کوفت اور قہوہ خانوں میں کبھی مجبور ہو کر بیٹھ جانا اور شربت لیموں کی بار بار فرمائش کرنا ہمیشہ یادگار رہیگا۔ غریبانہ قہوہ خانوں میں جہاں لیموں کاٹ کر ہاتھ سے نچوڑا جاتا تھا وہیں آنہ کو تازہ شربت کا گلاس ملتا تھا۔ لیکن اچھے قہوہ خانوں میں جہاں سانچے سے نچوڑا جاتا تھا۔ چھ سات بلکہ آٹھ دس آنہ۔ ایک گلاس کی قیمت ہوتی تھی۔ جس میں گیہوں کے پودے کے دو دو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی نالیاں (جیسے پنجابی میں نڑ کہتے ہیں) پڑی ہوتی تھیں تاکہ ان کے بیچ سے شربت منہ میں کھینچ لیا جائے۔ یہ نالیوں کا دستور کسی نے آسٹریا جرمنی اٹلی اور پیرس کے قہوہ خانوں میں برابر دیکھا ہے۔ میرے خیال میں اسکی وجہ

یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے دانت عموماً خراب ہوتے ہیں اور برفاب دانتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اسلئے آئیس ٹی (برفانی چائے) جو میں نے یورپ میں ہی آکر دیکھی ہے۔ جس میں چائے کے گلاس میں برف کا ٹکڑا ڈالا جاتا ہے۔ اور گلاس کے سرے پر دودھ کی جھاگ ایک انچ بلند نظر آتی ہے اور شربت برف ان ڈنٹھلوں کی نالیوں سے پیتے ہیں۔ لیکن

قومی شرب

قطع نظر کم و بیش چائے اور قہوہ کے یورپ کے ملکوں کا عام شرب کسی نہ کسی قسم کی شراب ہے۔ اور یورپ پر کیا منحصر ہے۔ مصر اور مراکو اور ٹیونس اور ٹرکی کے قہوہ خانوں میں اُن ملکوں کی انگوری شراب زیادہ تر پی جاتی ہے چین کے قہوہ خانہ میں لوگ جانوروں کے گھونسلوں کا شوربہ اور ایک قسم کی خاص شراب۔ جاپان کے قہوہ خانہ میں جاپان کا قومی شربت ساکی (ایک قسم کی چاول کی شراب) روس کے قہوہ خانہ میں روس کا عام قومی شربت ودکا (نوعے از شراب) غرض ہر ملک کے مکان کے ساتھ نرالی قسم کا کھانا پینا موجود ہوتا تھا۔ یقیناً ہر شخص جو اس نمائش میں آیا ہوگا۔ اُس نے اپنے ملک کی طرز تمیز ضرور دیکھی ہوگی۔ اور سوائے ہندوستانی کے اپنے ملک کے کھانے پینے کی بھی شکل دیکھی ہوگی۔ میں نے بارہا دور دور سے آکر ٹیونس کے عربی رسٹارنٹ میں کھانا کھایا۔ گو وہ بالکل ہندوستانی طرز کا پکا ہوا نہیں ہوتا تھا تاہم ہندوستان سے بہت ملتا جلتا تھا اور یورپین بے نمک طعام سے جدا قسم کا ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی سستا بھی تمام پیرس میں یہی مکان تھا۔ اسی لئے نمائش گاہ کے تمام عربی ممالک کے باشندے جو بجز معدودے چند کے تمام یہودی تھے اور سینکڑوں سے کم نہ تھے۔ حبشی اور اکثر یوروپین بھی یہاں آیا کرتے تھے۔ میں نے روغن زیتون اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یہیں کے سلاد میں

کھایا ہے۔ اور صرف اس خیال سے دل کو تسلی دیتا تھا کہ قرآن مجید میں زیتون کا اچھے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ روغن زیتون تمام یورپ میں کم و بیش کھایا جاتا ہے۔ مگر قسطنطنیہ اور شام میں پہنچکر تو زیتون کا اچار بھی بہت کھایا۔

حفظ صحت کی نمائش

انگلستان کی ساؤتھ کنسنگٹن کی نمائش گاہ میں ۱۸۸۴ء میں پہلے پہل حفظ صحت کی آلات اور سامان کی نمائش کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر اس نمائش میں اسکو تکمیل کو پہنچا دیا گیا تھا۔ انسانی صحت کے متعلق جو کچھ ضروری ایجادیں اور ترقیاں ہو چکی تھیں وہ سب یہاں نمایاں کی گئی تھیں۔ سرد ممالک میں عمارتوں کو بھاپ گرم پانی اور گرم ہوا سے گرم کرنے کے ہر قسم کے سامان مکانوں کی وینٹی لیشن (ہوا دار بنانے) کے متعلق طرح طرح کی ایجادیں۔ کھانا پکانے کے لئے انواع و اقسام کے چولھے اور انگیٹھیاں جو فلزات مٹی اور چینی کی بنی ہوئی ہزاروں نمونوں کی تھیں۔ ان میں سے بعض تیل اور بعض گیس اور بعض برقی حرارت سے گرم کی جاتی تھیں۔ ایک سکشن میں بیسیوں نمونوں کے پانی چھاننے کے فلٹر اور ایک دوسرے میں غسل کرنے کے ٹب پانی کے حمام اور نلکے رکھے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر چینی اور ٹائل کے دلکش حمام دیکھ کر طبیعت بغیر غسل کرنے کے ہی خوش ہو جاتی تھی۔ ایک حمام کا ایک پیچ گھماتے سے اس کی دس پندرہ گیس کی بتیاں روشن ہو گئیں اور فوراً اس میں سے گرم پانی نیچے بہنے لگا۔ ایک جگہ فرانس کے مشہور سگ گزیدہ کے علاج کے موجد پاسیٹور کا بت رکھا ہوا تھا۔ اور اسکے قریب اسکے علاج کا اصول اور عمل دکھلایا گیا تھا۔ طاعون سل اور دیگر اسی قسم کی بیماریوں کے بیسیلی یعنے جرم بوتلوں میں بند کر کے رکھے گئے تھے۔ جو میگنی فائنگ شیشوں کے ذریعے بالکل ایسے ہی نظر آتے تھے جیسے کہ مریضوں کے جسم کے اندر

ہوتے ہیں۔ قریب ہی جرمنی کے سیل کے مشہور معالج ڈاکٹر کوخ کا ثبت بھی تھا۔ جسکے قریب اسکے سیل اور ٹیوبرکلوسس کے علاج اور حفظ ماتقدم کے سامان تھے۔ جرمنی کے علاوہ انگلستان۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی نے بھی اس حصہ میں بہت چیزیں دکھلائی تھیں۔

بحری و بری فوجی نمائش

دریائے سین کے اسی طرف ان عمارات سے آگے ایک بہت لمبی چوڑی عمارت "پہلے ڈے ساری ڈے ٹیا سے ڈے مرتیسنے" قصر افواج بحر و بر" کے نام سے موسوم تھی۔ جو (۱۲۴۴) فیٹ لمبی اور (۱۹۴) فیٹ بلند تھی۔ باہر سے یہ عمارت بالکل بھدی نظر آتی تھی لیکن اسکا اندر عجائبات جنگی سے پُر تھا۔ عمارت زمانہ وسطی کے جنگی تعمیرات کی طرز پر تعمیر کی گئی تھی۔ جس میں جنگی تعمیرات کے ہر پہلو کو مدنظر رکھا تھا کہیں ایسی سیڑھیاں لگائی تھیں جیسی کہ قلعوں میں ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا تہ خانہ بنایا تھا جیسا کہ قلعوں کے قید خانے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر جو نمائش اس عظیم الشان و وسیع عمارت میں کی گئی تھی۔ وہ نہایت دلچسپ تھی ایک بڑے حصہ میں فرانس کے جنگی اسلحہ۔ جنگی سامان باربرداری کی گاڑیوں و جانوروں ہر قسم کی توپوں۔ بندوقوں۔ گولوں۔ گولیوں وغیرہ وغیرہ و سامان کی نمائش تھی جو میرے جیسے ناواقف شخص کو بھی حیران کر رہی تھی۔ یہاں میں نے تین مرتبہ وغیرہ جان بوجھ کر لکھا ہے۔ کیونکہ فرانس نے جنگی ضروریات میں جدید چیزیں دکھلائی تھیں۔ ہر قسم کا غلہ جو فوج میں انسان اور جانور کے کام آتا ہے دکھلایا گیا تھا۔ ہر قسم کی روٹی۔ غلہ اور گوشت اور ترکاریوں کے ست جو سپاہی اپنی توشہ دان میں تھوڑی جگہ میں لیجا سکتا ہے۔ فوجی روٹیاں اور کھانے پکانے کی انگیٹھیوں اور چولھوں کی نمائش۔ انواع و اقسام کی شرابوں اور پانیوں کی نمائش

جن سے سپاہیوں کی وردیاں بن سکتی ہیں اور جنگ کی ضرورتیں چل سکتی ہیں جنگی تمغے ہر عہدے کے انواع و اقسام کے تار برقی سامان جو جنگ کی خبر رسانی یا کسی دوسرے پہلو میں کام آسکتے ہیں۔ پورے قد کی نقلی بچھیریں اور گھوڑے گولی بارود کے صندوقوں سے لدے ہوئے ہر قسم کے چرمی سامان اور ساز جانوروں کا چارہ۔ اصلی قد کی خوفناک لمبی سے لمبی بحری و بری توپیں۔ جہازوں کے چھوٹے نمونے۔ زخمیوں کے معالجہ کے جراحی سامان زخم سینے کی سوئی تاگے تمام اور بیماروں کی ڈولیوں کی قسمیں۔ غرض جو چیز جنگ کے متعلق سمجھ میں آسکتی ہے وہ سب مع تار اور ڈاک خانہ کے سامان کی نمونہ کے ساتھ سرکار اور مختلف تجارتی دکانوں نے دکھلائی تھی۔ قریباً آدھے مکان میں دیگر تمام دول یورپ نے اپنے یہاں کے جنگی سامان دکھلائے تھے۔ سنہ ۱۸۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک فرانسیسی فوج کے مختلف عہدہ داروں کی وردیوں اور فرانس کے بادشاہوں اور جنرلوں کی تصویروں اور بتوں کی نمائش علیحدہ کی گئی تھی۔ سینکڑوں مومی بت ہر عہدے کے افسروں کی وردیاں پہن کر فوجی آن بان سے کھڑے تھے۔ ایک جگہ میدان جنگ کی شام کا منظر دکھلایا گیا تھا۔ سپاہیوں اور افسروں کے مومی بت بنا کر اپنے اپنے کام میں مصروف دکھلائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خود فرانس کے کسی میدان جنگ میں کھڑا ہوا۔ سن دمن کیفیت دیکھ رہا ہوں فرانسیسی فوج میں جو الجیریا کے مسلمان سپاہی بھرتی ہیں وہ بھی ترکوں کی طرح سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ الجیری ٹوپیاں ترکی ٹوپیوں سے زیادہ کشادہ اور پست ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ بہت بھاری پھندنے آویزاں ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سوار الجیری سپاہی بھی دکھلائے گئے تھے۔ بجلی طاقت کی آٹو موبیل گاڑیاں بھی جنگ میں کام آنے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

روس کے مکان میں وسط ایشیا کے تمام قبیلوں جرکس گرجستان سائبیرین سپاہیوں کے بُت اپنی اپنی وردیوں میں کھڑے تھے۔ مگر آگے چلکر ایک کمرہ میں ترکی فوج کی تمام قسم کی وردیاں پہنکر ترکی سپاہیوں کے لوجی بُت بھی استادہ تھے۔ جنکا محافظ ایک ترک تھا۔ یہ پہلی اور اکیلی ترکی نمائش منجانب گورنمنٹ عثمانیہ ہے جو یہاں موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ترکی فوج ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکے سر پر ترکی سلطنت کا دار ہے۔ اور جس پر ترک ناز کر سکتے ہیں۔ اس شخص نے میرے سر پر سُرخ ٹوپی دیکھ کر مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی مگر جلدی ہی اُسے معلوم ہوگیا کہ میں ترک نہیں تھا۔ تاہم اُس نے میرا مسلمان ہونا غنیمت سمجھا اور اُس نے کہا کہ تمہارے سوائے میں نے کوئی مسلمان پچھلے تین ماہ میں اس مکان میں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے بعض مسلمان یورپین لباس اور یورپین ٹوپی میں وہاں گئے ہوں۔ لیکن عجب نہیں کہ کوئی بھی اس مکان میں نہ گیا ہو۔ کیونکہ میری طرح ہر شخص دیوانہ نہیں تھا جو ہر چیز دیکھتا پھرتا۔ باہر سے بھی یہ عمارت کچھ دلکش نہیں تھی۔ ترکی سپاہیوں کے موی بُت ترکی وردیوں میں نہایت شاندار معلوم ہوتے تھے۔ مگر سوائے بُتوں کے اور کسی قسم کے ترکی سامان جنگ کی نمائش نہیں کی گئی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ واقعی یہ ترکی کی اصل حالت کا مرقع ہے۔ اُنکے پاس سپاہی تو گھر کے ہیں مگر سامان جنگ مثل توپوں بندوقوں کے یوروپ سے لینا پڑتا ہے۔ ترکی میں بھی اب بندوقیں اور توپیں بنتی ہیں کہ جن کی مزید کیفیت قسطنطنیہ کے حالات میں درج ہے۔ جرمنی اور آسٹریا نے بھی سامان جنگ کی اچھی نمائش کی تھی۔ شروع میں اس مکان میں حفظ صحت اور جنگ کے سامان کی نمائش شروع ہوئی تھی۔ نیچے کی منزل میں بحری سامان اور تہذیب انگلستان فرانس

اور جرمنی کے بڑے بڑے کارخانوں سے نمونے دکھلائی تھیں۔ جنگی جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے بہت سے موجود تھے۔ اس کام میں انگلستان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی مکان میں فرانس نے اپنی فوج کی گذشتہ صد سالہ حالت کی نمائش بھی کی تھی۔ جس میں گذشتہ سو سال کی وردیاں مومی بتوں کو پہنا کر اور اسلحہ اور ان کی ترقی دکھلائی تھی۔ اور تمام فرانسیسی زرہ بکتر اور فرانسیسی فوجی تمغے دکھلائے تھے۔ اس مکان کے بائیں جانب بہت سے مکانات میں جنگی سامان کے ضمیمے تھے۔ ایک مکان میں سب سے بڑی روسی توپ دیکھی۔ ایک مکان بلجیئم کی بندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی میں فرانسیسی فوجی ہسپتال کے مجروحوں اور ڈاکٹروں کے بُت تھے۔ اور کئی اور مکانوں میں ہر قسم کی روشنی کے سامانوں اور کھانا پکانے کے متنوع مشینوں کی نمائش تھی۔ قریب ہی ایک علیحدہ مکان میں بحری و بری جنگی نمائش کا ضمیمہ ایک مکان میں تھا۔ جس میں روس بلجیم و انگلستان کی توپیں اور بندوقیں نمایاں کی گئی تھیں۔ بندوقوں کے نمونوں میں بلجیم بہت بڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ روس نے دو بہت بڑی توپیں دکھلائی تھیں وہ توپیں بارہ گز سے کم نہ ہونگی۔ اور اسی اندازہ سے انکے گولے بھی بڑے تھے۔ آجکل فن حرب وضرب پر یوروپ کی بہترین عقل صرف ہو رہی ہے۔ اسکے قریب ہی فرانس کی فوج کے روٹیاں پکانے کے تنوروں اور فرانسیسی جنگی ہسپتالوں کی اور نمائش تھی یہاں فرانسیسی سپاہیوں کے یتیم بچوں کے لئے چندہ جمع کرنے کا صندوق بھی پڑا ہوا تھا۔ اسکے قریب مختلف قسم کی روشنیاں مثل برقی۔ ایسیٹیلین۔ الکحل۔ گیس وغیرہ کے مختلف سامان اور نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمائش سامان جنگ میں میری رائے میں فرانس

کے بعد جرمنی اور پھر روس اور انگلستان کا رتبہ تھا۔

میں نے نمائش کو چھ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ جن میں سے تیسرے حصے کا بیان ختم ہو چکا۔ لیکن دریا کے داہیں جانب کے چوتھے حصہ کا بیان کرنے سے پہلے میں چھٹے حصے کی ایک دو عمارات کا ذکر کر دیتا ہوں جو اقوام کے محلات کی قطار میں واقع ہیں۔ جنگی سامان کی عمارات سے آگے ایک مکان

تجارتی جہاز رانی

"پیلیئے ڈالا نیوی گیسیون ڈاکامرس" یعنی تجارتی جہاز رانی کے محل کے نام سے (۴۰۱) فیٹ لمبا دو منزلہ مکان واقع تھا۔ اس میں دو بڑے ہال اور ایک برآمدہ تھا۔ جو جہاز رانی کے متعلق ہر قسم کے سامان سے جو سمجھ میں آ سکتا ہے پُر تھا۔ تمام دنیا کی جہاز رانی کی کمپنیوں نے جہازوں کے چھوٹے ماڈل اور جہاز تعمیر کرنے والے کارخانوں نے جہاز کے استعمال میں آنے والے مصالح از قسم لکڑی۔ لوہے۔ تار کے رسے۔ کپڑے۔ ٹاٹ۔ پال۔ کیل کانٹے غرض ہر چیز کے نمونے موجود تھے۔ کئی سو قسم کے آہنی تار اور سوت اور سن اور ناریل کے ریشے اور خدا جانے اور کس کس چیز کے رسے موجود تھے۔ جان بچانے کے لائف بوٹ (Life Boat) کشتیاں۔ لائف گارڈ تیرنے کے ریشم کا سامان ربڑ اور کارک کا جسکو لپیٹ کر سمندر میں کود پڑتے ہیں۔ یا سمندر میں ڈوبتے ہوئے اسکے سہارے سے جانبر ہو سکتے ہیں۔ تمام بڑی بڑی جہازی کمپنیوں نے اس نمائش میں حصہ لیا تھا۔ نہر سویز کی کمپنی نے نہر کا نمونہ کئی گز لمبا چوڑا ایک چوبی تختہ پر بنا کر دکھلایا تھا۔ جس میں دونوں طرف کے سمندر نہر اور رستہ کی جھیلیں شیشہ سے دکھلائی گئی تھیں۔ خدیو سعید پاشا اور خدیو اسمعیل دونوں کے بُت بھی یہاں موجود تھے۔ تمام جہازی کمپنیوں اور دنیا کی سلطنتوں کے جہازی بیڑوں اور جہازوں کے

نمایش کا چوتھا حصہ

سوشل اکاڈمی اور محتاجوں کی امداد

اب نمایش کے چوتھے حصہ میں یعنی دریا کی دوسری جانب اقوام غیر کے محلات کے مقابل چلئے۔ باغبانی اور غلہ بندی کے تین شیشہ کے محلات کے قریب کہ جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک عالی شان عمارت محل کانگریس و سوشل اکاڈمی کے نام سے موسوم تھی۔ اس میں یورپ اور امریکہ کی تمام اقوام نے اپنے یہاں کے لائف انشورنس کمپنیوں۔ غریب خانوں۔ یتیم خانوں۔ ہسپتالوں کے حالات کے نتائج مستنبط کرکے بتلائے تھے کہ انسان کی اوسط عمر صحت اور بیماری کی حالت میں کیا ہے۔ یعنی فلاں مدت میں فلاں ملک میں کتنے لوگ کہ جنکی جانوں کا بیمہ ہو چکا تھا اچھے بھلے مر گئے اور کتنے بیمار ہو کر مرے۔ کتنا روپیہ غریب خانوں پر خرچ ہوا۔ غریب مزدوروں کے بچوں اور یتیموں کی پرورش کا کیا انتظام کرنا چاہئے۔ مزدوروں کے مکانات بڑے شہروں میں کیسے ہوں۔ کانوں اور کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور ان کے مکانات کے نمونے۔ غریبوں کو خیرات کس طرح پہنچائی جائے۔ چھوٹے چھوٹے پیشے جو غریب لوگ گھروں میں کر سکیں۔ غریب لوگوں کی باہمی امداد کی فنڈ کہ جنہیں بلڈنگ سوسائٹیاں کہتے ہیں اور جنکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غریب مزدوری پیشہ لوگ اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ہفتہ وار یا ماہوار ان بلڈنگ سوسائٹیوں میں دیتے جائیں اور کام چھوٹ جانے یا بیمار ہو جانے کی حالت میں یہ سوسائٹیاں انہیں مقررہ رقمیں گذارہ کے لئے دیں۔ غریب خانوں کی معاونت کی کمیٹیاں۔ زراعتی قرضہ اور کاشتکاروں کو امداد۔ محنت پیشہ لوگوں کی ضروریات کی دکانیں۔ ان کی اخلاقی اور دماغی ترقی کے سامان جنکا

غریب خانوں کی امداد کی کمیٹیاں۔ سیونگ بنکوں کے نتائج۔ کوآپریٹو اور مشترکہ سرمایہ کے کاموں کے نتائج۔ مویشی کی پرورش دودھ دہی اور زراعت کے کارخانوں کی حفاظت۔ غریبوں کی صحت کا خیال۔ بیکاروں کو مزدوری دلانے کی کمیٹیاں۔ مزدور عورتوں کے بچوں کی حفاظت۔ مزدوری پیشہ عورتوں اور مردوں کی حالت کی اصلاح۔ اُن کی اخلاقی اور ذہنی ترقی کا سامان پراویڈنٹ سوسائٹیاں۔ سامان حفظ صحت کی نمائش۔ غریبوں اور یتیموں کی پرورش کا سامان۔ غریب خانوں اور یتیم خانوں کے لئے سستا لٹریچر اور تصویریں اِن اور بہت سے اسی قسم کے دوسرے سوشل امور کے متعلق واقفیت کتابوں اور چیزوں کے نمونوں اور ڈایاگراموں کی صورت میں اس وسیع مکان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جرمنی پھر امریکہ۔ انگلستان۔ فرانس۔ بلجیم۔ ہنگری۔ روس۔ اٹلی وغیرہ وغیرہ ممالک کے کمرے تھے۔ انگلستان کے کمرے میں جنرل بوتھ کا ایک نقشہ لنڈن کے مفلسوں کے مقام نمایاں کرنے والا بڑا عجیب تھا جس میں رنگوں کے ذریعہ سے دکھلایا گیا تھا کہ لنڈن کوچہ میں کتنے محتاج۔ کتنے متوسط الحال اور کتنے غنی رہتے ہیں۔ امریکہ کے مکان میں وہاں کی محافظ لیڈی سے میرے طلب کرنے پر ایک سلسلہ مندرجہ بالا مطالب کے پندرہ رسالوں کا دیا۔ جو خاص اسی نمائش میں مفت تقسیم کرنے کے لئے امریکہ کے وزیر تعلیم نے لکھوائے تھے۔ لیکن جب میں نے ادا کرنے کے لئے اُنکی قیمت دریافت کی تو اُس عورت نے کہا کہ ہم انہیں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اور کہا کہ ہمارے لئے یہی امر خوشی کا موجب ہے کہ اس خاص مسئلہ سے لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک دو کمروں میں کھیتی باڑی کے جانوروں کے فوٹوگراف سٹیریوسکوپ میں لگا کر رکھے ہوئے تھے۔ اور اوپر کی منزل میں

مختلف علوم و فنون پر لیکچر

چھ سو (۶۰۰) فیٹ لمبا (۴۰) فیٹ چوڑا ہال کانگرس کے لئے

پہ بذریعہ اشارات گفتگو کرنے کے جھنڈیوں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔
صرف اسی ایک مکان کی فہرست اشیا دو تین موٹی موٹی جلدوں میں بمشکل سما سکتی ہے۔ اس عمارت کی تعمیر میں جہازوں کے سکان اور رستے اور دوسرے نشان دکھلائے گئے ہیں اسکے بائیں جانب جرمنی کی جہازرانی کی کمپنیوں اور پی اینڈ او کمپنی وغیرہ نے اپنے اپنے علحدہ مکانات میں اپنے جہازوں کے نمونوں کی نمائش کی تھی۔ جرمنی کے جہازوں کے مکان کے اوپر جو کہ ایک لائٹ ہوس کی نقل تھا ایک بہت بڑا کرہ ارض ہر وقت برقی طاقت سے گھومتا رہتا تھا اور رات کو سمندر کے لائٹ ہوس کی طرح زور دار برقی روشنی اس سے نکلتی تھی۔ جس کی سرخ تانٹ دار روشنی آدھی رات تک چاروں طرف گھوم کر نمائشگاہ اور شہر پر پڑتی رہتی تھی۔ مکان کے اندر جرمنی جہازوں کے نمونے اور جہازوں کے متعلق فاصلہ اندازہ کرنے کے آلات تھے۔ مکان کے وسط میں ایک بہت بڑا برنجی دیو بنایا گیا تھا۔ جسکے ایک ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھوڑا تھا۔ جو اگر ٹھوس ہوگا تو چار من کا ہوگا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس نے کرہ ارض تھام رکھا تھا کہ جسکے ایک قطب کی میخ اسکے منہ میں حرکت کرتی تھی۔ کیونکہ برقی طاقت سے یہ کرہ ہر دم گھومتا رہتا ہے۔ اسی کرہ کے گرد خطوط سے دکھلایا گیا ہے کہ جرمنی کے تجارتی جہازوں کی لائنیں دنیا کے کن کن سمندروں میں گھومتی رہتی ہیں۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بڑے محلات کے سامان سے اہل ہند کو کوئی کام یا دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جہازرانی سے اندرون ملک کے لوگوں کو کام نہیں پڑتا۔ اور ساحل بحر کے لوگ بھی بوجہ جہالت بالکل واقف نہیں۔ فوجی چیزوں سے وہ اور بھی ناواقف ہیں۔ یوروپین لوگ یہاں جنگی سامان کی عمارت میں مختلف توپوں اور بندوقوں کو دیکھتے تھے بلکہ ان کی عورتیں تک ان سے دلچسپی رکھتی تھیں مگر مجھے کبھی ایک معمولی بندوق سے بھی دل بستگی کرنے کا موقع نہیں

ملا۔ میں کیا سمجھ سکتا تھا۔

جنگلات شکار و ماہی گیری

ٹراکوڈیرو کا پُل چھوڑ کر سامنے اُسی قطار میں دریا کے کنارے پر ایک دو منزلہ عمارت (۲۲۳) فیٹ لمبی تھی۔ جس کے اندر دو عمارات علیحدہ علیحدہ تھیں جو ایک پچاس فیٹ بلند اور ۲۰ فیٹ چوڑے محراب کو دروازہ سے ملحق ہوتی تھیں۔ جو تمام سہ چوبی تھا۔ یہ عمارت "جنگلات اور شکار و ماہی گیری" کے سامانوں پر مشتمل تھی۔ مگر جنگلات میں دُنیا کی ہر قسم کی جنگلات اور ذخیرے اُن کے چوبی نمونے۔ چھالیں۔ درختوں کے پھل۔ گوندیں اور لکڑی کے ہر قسم کے استعمال آ گئے۔ خواہ مکان کی تعمیر ہو یا گاڑی جہاز بنانا۔ ہتھیاروں کے دستے یا کلیں یا کوئی چیز ہو۔ شکار میں تمام جنگلی جانور چرند و پرند اُن کی کھالیں اور پر اور سینگ۔ ہاتھی دانت۔ قیمتی کھالوں کے کپڑے اُن کے سر دانت اور ہڈیاں اور ماہی گیری میں دُنیا کے تمام سمندروں کی ہر ایک قسم کی مچھلیوں اور دوسرے صدفوں اور جانوروں کے نمونے اور مونگے موتی وغیرہ آ گئے۔ مچھلی کے تیل۔ چمڑے۔ ہڈیاں پکڑنے کے ہر قسم کے سامان یعنی جال۔ کنڈیاں۔ نیزے وغیرہ آ گئے۔ گنجایش کہاں ہے کہ اس مکان کی سب اشیاء کی تفصیل بیان کر سکوں۔ جسقدر آپ کا وہم و گمان اُن اقسام کے متعلقات کے اصناف بنا سکتا ہے بنا لیجئے۔ شکار کرنے کی بندوقیں اور پستول اور پھندے اتنے قسم کے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی مختلف ملکوں کے شکار اور ماہی گیری کے طریقے۔ شکار کے لباس۔ جنگل کے میوجات۔ چھالوں۔ گوندوں۔ جڑوں۔ انڈیا ربڑ وغیرہ چیزوں کے متعلق تمام مشینیں اور آلات قیمتی سمور اور پوستینیں صدہا قسم کی موجود تھیں۔ ایک روسی پوستین کے زنانہ گاؤن کی قیمت غالباً پندرہ بیس ہزار پونڈ تھی۔ یعنی دو ڈھائی لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ مختلف ملکوں اور قوموں کے شکاریوں کے بُت قد آدم کھڑے تھے۔ اور مچھلیوں اور جانوروں کے سروں کے صدہا نمونے ہر ملک کے آویزاں تھے۔

زنجیروں یا میخوں سے ان کے ٹکڑے پیزوں سے جڑے ہوئے تھے۔

پیرس قدیم

اس سے آگے دریا کے کنارے پر ایک لمبا چوڑا مکان کئی حصوں میں قدیم پیرس کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں قدیم زمانہ کی شہر پیرس کی خاص خاص اور نمونہ کے مکانات کی ٹھیک نقل اتاری گئی تھی یورپ کے زمانہ وسطی اور بعد کے زمانہ ری نیسنس (ترقی) اور ۱۸ اور ۱۹ ویں صدی کے پیرس کے الگ الگ نمونے دکھلائے گئے تھے۔ اندر کے لوگوں کے لباس اسی زمانہ کے تھے۔ عورتیں مرد دوکاندار ملازم نوکر آقا سب کے اسی زمانہ کے لباس اور لمبے بال پوڈر آلودہ تھے۔ یہاں تک کہ مکان بھی اسی زمانہ کی طرز کے اور اسی مصالح سے تعمیر کئے گئے تھے جو اسوقت مروج تھا۔ حال کے پیرس اور اسوقت کے پیرس میں زمین و آسمان کا فرق ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ مرور زمانہ کے بعد قومیں کس قدر بدل جاتی ہیں۔ اسکے اندر متعدد ریسٹورنٹ ایک تھیٹر اور اور بھی تماشا گاہیں تھیں۔ کہ جہاں تھیٹر اور موسیقی کے اُستاد آکر کمال فن دکھلاتے تھے۔ یہی مکان میں پیرس کے قدیم تعلیمی حرفتی سکولوں سے لے کر آج تک کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔ قدیم زمانہ کی باغبانی کا نمونہ بھی دکھلایا تھا۔ جو آج بحد عروج کو پہنچ گئی ہے۔

پودوں اور جانوروں کی نسل کی ترقی

کیسی عجیب بات ہے کہ قطع نظر پھولوں اور پھلوں کے درختوں کی ٹہنیاں صرف ایک طرف یا دوسری طرف کی قطار میں بھی سدھائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک پھل کے درخت کی صرف اس شکل کی ٹہنیاں ہیں اور دوسرے کی صرف اس شکل کی ہیں۔ کر جنکو پہلے بانس کی کھپچیاں باندھ کر ان صورتوں میں سدھایا جاتا ہے۔ اور بیسیوں قسم کے شاخوں والے درختوں کی قطار میں ہر درخت کی شاخیں ساتھ کے درخت سے اس طرح ملا دی ہیں کہ شاخوں اور پتوں کی اس شکل کی

ایک لمبی جالی نظر آتی ہے - اِن لوگوں نے پھولوں پھلوں - درختوں اور ترکاریوں تک کو اپنے مطلب کے مطابق عمدہ بنا لیا ہے - نباتات کو ہی نہیں بلکہ حیوانات کو بھی اپنے ڈھب کا بنا لیا ہے - یہاں ہل جوتنے اور بوجھ کی گاڑیاں کھینچنے والے گھوڑوں کی نسل گاڑی کے تیز رفتار گھوڑوں سے علحدہ ہے - پہلی قسم موٹی بھدّی اور بارکش ہے - دوسری تیز اور خوبصورت ہے - بھیڑی - بیل اور سور کو چونکہ یہ لوگ صرف گوشت کے لئے پالتے ہیں اسلئے یہ جانور ایسے موٹے تازے اور صرف گوشت کے مربع لوتھڑے ہوتے ہیں کہ جنکے نیچے صرف ٹانگیں اور سامنے چھوٹے سر نظر آتے ہیں اب ان کی نسلیں ہی اس ڈھب کی ہو گئی ہیں جنکے تیار کرنے میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہے - کہ جس گھوڑے کو بھدا اور بارکش پایا - اُسکو ویسی صفت کی گھوڑی سے ملا کر بچہ لیا - اور پھر اگلی نسل میں بھی یہی امر مدنظر رکھا تو چند پشتوں میں یہ ایک علحدہ نسل قائم ہو گئی - اس قسم کا ذرہ ذرہ سا فرق بہت بڑا نتیجہ پیدا کرتا ہے -

اب نمایش کے باقی دو بڑے حصّوں یعنی پنجم و ششم میں کل ایشیائی اور افریقی اقوام اور کل دنیا کی بہترین کلوں اور تعمیر و تعلیم کے طریقوں کا سامان جمع کیا گیا تھا - جو کچھ ان کلوں کی عظیم الشان عمارتوں میں میں نے علم برق اور مکینکس کے شعبدات اور عجائبات دیکھے ہیں وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا - واقعی علم بہت بڑی طاقت ہے - کیسے کیسے عظیم الشان لوہے کے مینار اور پل اور پہیئے بڑے بڑے - برقی و دخانی اور مکنیکل طاقتوں سے کیسی سُرعت اور سہولیت سے چل رہے ہیں کہ جنکے سامنے ہاتھی بھی چیونٹی کی طرح پس جائے - مگر ایک آٹھ دس سال کا بچہ بھی انہیں مناسب مقام سے تھام کر روک سکتا ہے - واقعی علم بڑی طاقت ہے اور جہالت کی طاقت اسکے مقابلہ میں ایسی ہی بے حقیقت ہے جیسے کہ سوڈان کے ہزار درویشوں کے ٹڈّے انگریزی میکسم

اس میں فرانس کی آبادی کے مختلف سوشل حالات کے متعلق نہایت عمدہ اعداد و شمار کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے۔ مثلاً جن سے سرسری نظر سے معلوم ہو سکتا تھا کہ فرانس میں یتیم کتنے ہیں۔ یا سارے ملک میں مفلس کتنے ہیں۔ اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں۔ گونگے اور بہرے کتنے ہیں۔ سکول اور ہسپتال کتنے اور کہاں کہاں ہیں۔ اس مکان میں ایک ہزار آدمی بفراغت میز کے گرد بیٹھ سکتے تھے اور ان معاملات کو سن سکتے تھے کہ جن کے لئے یہ کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ کل (۱۲۷) ایسی کانفرنسیں مختلف تاریخوں میں اس عالی شان مکان میں ہوئیں۔ جن میں سے بعض میں سپیکر اول نے میجک لینٹرن کے ذریعہ سے بھی اپنے مطالب حاضرین کے ذہن نشین کئے

آرشٹہ مضامین

نمائش گاہ کی تعلیمی اغراض کا یہ جلسہ بہت بڑا جزو تھا۔ اور پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا کہ صرف ڈیلکے وہ مختلف علما جو مختلف علوم و فنون اور ترقی کے مسائل میں دستگاہ رکھتے ہوں۔ ان مسائل پر بحث کریں کہ جن کی تحقیقات اور تلاش میں ان کی عمریں صرف ہو چکی تھیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں بسرپرستی منتظمان نمائش اس غرض کے لئے متعدد کمیٹیاں قائم ہوئی تھیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے سپیکر نامزد کئے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارشٹہ مضامین پر تین کورس لکچروں کے نمائش گاہ میں دیے جانے قرار پائے۔ اور یہ کل مضامین۔ آرٹس صنعت و حرفت۔ حفظان صحت۔ تعلیم طب اور پولیٹکل اور سوشل اکانومی پر مشتمل تھے۔

سائنس

آرنی تھالوجی (پرندوں کا علم)۔ میٹی آرولوجی (علم حوادث موسم)۔ علوم طبعی۔ علوم ریاضی۔ جیالوجی و طبقات الارض (علم برق۔ انتھروپالوجی اور آرکیالوجی (انسان کی طبعی ساخت اور اشیاء قدیم کا علم)۔ سائیکالوجی (علم دل و دماغ)۔ انتھنوگریفی (علم خصوصیات

نسل انسان)۔ کیمسٹری (کیمیا)۔ باٹنی (علم نباتات)

عملی علوم اور متعلقہ مضامین

باغبانی۔ جنگلات۔ کانیں اور معدنیات۔ کاشت انگور۔ بیمۂ مال و جان۔ بیمۂ زندگی کے کاروبار کے حسابات۔ زراعت۔ میٹیریل کی آزمائش۔ برقانی انجن اور مشینری عملی مکینیکل۔ فن عمارت اور بحری تعمیرات۔ فوٹوگرافی۔ عملی کیمسٹری جانورانی۔ دواسازی۔ تجارتی اور مادی پیداوار کا جغرافیہ۔ گرامو سے کاشت میوجات۔ ریلیں۔

طب اور حفظان صحت تعلیم

پیشہ طبابت۔ علم طب۔ ڈرماٹولوجی (علم امراض جلد) دندان سازی۔ حفظ صحت۔ ہپناٹزم (مقناطیس حیوانی) بہروں کو جدید زبانوں کا سکھلانا۔ اعلیٰ تعلیم۔ سوشل سائنس کی تعلیم پرائمری تعلیم۔ سیکنڈری تعلیم۔ ٹیکنیکل اور انڈسٹریل تعلیم۔ تعلیمی کتابیں اور رسالے۔ ببلوگرافی۔ نقشہ کشی کی تعلیم۔ پاپولر ایجوکیشن۔ فن زراعت کی تعلیم۔

سوشل اور پولیٹیکل ایکانومی

سستے مکانات۔ کنٹمپوری ہسٹری (معاصرانہ تاریخ)۔ عورتوں کا کام اور زنانہ انسٹی ٹیوشن۔ زراعتی سنڈیکیٹ۔ قرضے کے بینک (کریڈٹ بینکس)۔ کوآپریٹو پروڈکشن۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں۔ انٹرنیشنل کوآپریٹو ڈیویلپمنٹ تجارت اور حرفت۔ کرمنل سوشیالوجی۔ امداد مفلسان (پوور ریلیف)۔ اندھے۔ گونگے بہرے۔ خلاف بردہ فروشی۔ نوآبادیاں۔ تاریخ مذاہب عورتوں کے حقوق۔ سوشل تعلیم۔ امن۔ بحری قانون۔

جتنا مجھے یورپ کے مختلف ممالک کی زبانیں نہ جاننے کا اس مکان میں افسوس ہوا کہیں نہیں ہوا۔ میں ان مضامین کے متعلق مختلف ملکوں کے حالات دیکھنا چاہتا تھا۔ جن کی کتابیں یہاں بکثرت میزوں پر پڑی تھیں اور

ہوا تھا جسکی ہزاروں بلوریں کرنیں آفتاب سے جا ملتی تھیں۔ لیکن رات کے وقت اسکے پانچ ہزار رنگین لیمپوں کی روشنی قابل دید ہوتی تھی۔ علم برق کو جان بوجھ کر نمایش کے عین وسط میں عزت کی جگہ دی گئی تھی۔ کیونکہ یہہ پہلا موقع تھا کہ کسی نمایش میں اسپر پوری توجہ کی گئی ہو۔ اور علاوہ اس کے برق کو بیسویں صدی کے عجائبات کا بچہ کہا جاتا ہے۔ اور اس نمایش کی حیات کا تو واقعی یہی قصر برق منبع تھا۔ کیونکہ یہیں سے تمام کلوں کو چلانے کے لئے برقی طاقت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اور تمام نمایش کے لاکھوں برقی لیمپ اسی سے روح حیات پاتے تھے۔ سینکڑوں میل برقی تار اس عجائب گاہ کے چپہ چپہ پر زیر زمین اور زیر دریا سے سین بچھی ہوئی تھی جو ایک بٹن کے دبانے سے اس تمام نمایش کے [illegible] کمروں اور حجروں اور مکانوں کو روشن کر دیتی تھی۔ مگر یہ روشنی صرف راتوں کو ہی اپنے جلوے نہیں دکھلاتی تھی بلکہ دن کو بھی ایک جگہ کام آتی تھی۔ [illegible] کلوں کے سکشن میں طرح طرح کی کلوں

برقی [illegible] کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ برقی سامان کے صیغہ میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچکر دیکھا کہ برقی طاقت سے ایسے ایسے عجیب و غریب کام لئے جاتے ہیں جنسے گمان ہوتا ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں ہے جبکہ انسان کی ہر ضرورت کا انصرام برقی طاقت سے ہی ہوا کریگا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ صدہا مرد اور عورتیں ایک سیڑھی کے راستے سے دوسری منزل پر چڑھے جا رہے ہیں۔ اور اتنے دنوں کے تجربہ سے یہ بات مجھے بخوبی معلوم ہو گئی تھی۔ کہ نمایش میں جدہر بہت سے زن و مرد جا رہے ہوں ادھر ضرور کوئی قابل دید چیز ہوتی ہے۔ میں بھی اسی ہجوم کے ساتھ ایک بہت بڑی

جادو کا کمرہ

شش پہلو کمرہ میں داخل ہو گیا جس کی پیشانی پر موٹے حروف میں Salle de Illusion (سال ڈا الیوزیاں) یعنے دھوکے کا کمرہ لکھا ہوا تھا۔ اور واقعی یہہ عجیب کمرہ تھا جب دو تین

ہزار مرد اور عورتیں اس میں سما گئے تو کمرہ کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور اس میں اندھیرا چھا گیا۔ مگر ایک آن واحد میں بیشمار برقی لیمپ اس میں روشن ہو گئے اور مکان جگمگا اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں چھ بہت لمبی گیلریاں دور تک بنی ہوئی تھیں۔ اور ان میں ہر طرف ستونوں کی قطاریں انتہا تک چلی گئی تھیں۔ یہ ستون بھی چھوٹی چھوٹی برقی لیمپوں سے اٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان میں سے بعض لیمپوں کا رنگ سرخ اور بعض کا سبز اور ایک دم زدن میں سب کا نیلگوں اور کبھی سفید براق ہو جاتا۔ اور کبھی ایک دم کے لئے سب لیمپ گل ہو جاتے اور کمرہ میں گہری تاریکی چھا جاتی۔ لیکن جب سب لیمپ مختلف رنگوں کے چشم زدن میں روشن ہو جاتے تو اس شیشہ کے مکان میں عجیب سماں نظر آتا۔ جو ہر فرد بشر کہ جس نے ایک دفعہ اسے دیکھ لیا ہے عمر بھر کبھی فراموش نہ کریگا۔ ناظرین مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد اپنے واہمہ کو کھلا چھوڑ دیں تو کچھ اندازہ اس عجیب کمرے کا لگا سکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ کمرہ اتنا وسیع نہیں تھا اور نہ اس میں اتنے لیمپ اور اتنے ستون تھے کہ جتنے نظر آتے تھے۔ اسکی تمام دیواریں اور چھت سارا شیشہ کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں کہ جن میں بہت سے برقی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ اور چھ ٹکڑوں میں چھ ستون برقی لیمپوں سے اٹے ہوئے نصب تھے۔ برقی لیمپوں کے یکا یک روشن ہو جانے سے جہاں تک نظر جاتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ کے ہر طرف گیلریاں اور ہزاروں ستون چلے گئے ہیں۔ اور حد نگاہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ لیکن دراصل نگاہ کو شیش محل کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا۔ تماشہ کے خاتمہ پر سب زن و مرد نے خوب تالیاں بجا کر داد دی۔

برقی سامان اس کمرے کے قریب دوسری منزل پر یورپ کے مختلف ممالک کے برقی سامان کی دکانیں تھیں۔ اور ان میں جو جو برقی شعبدے

دوپوں کے مقابلہ میں ثابت ہوئے۔

نمایش کا پانچواں حصہ

نمایش گاہ کو میں نے اپنی تجویز میں جن چھ حصوں پر تقسیم کیا تھا ان میں سے چار کا مختصر بیان ہو چکا ہے۔ اب شکار اور ماہی گیری کے سامان کی عمارت کو دیکھ کر باہر نکلنے کے وقت دریا تمہارے بائیں طرف ہوگا۔ اور پیرس کا مشہور آہنی مینار (ایفل ٹاور) تمہارے دائیں طرف۔ بائیں طرف دریا کے پار ٹراکوڈیرو کی خوبصورت عمارات مختلف طرز تعمیر کی موجود ہیں جن میں مراکو اور الجیریا مصر اور ٹونس کی عربی طرز تعمیر کی عمارتیں چینی جاپانی جاوی وغیرہ ملکوں کی تعمیرات کے پہلو بہ پہلو دل لبھا رہی ہیں یہ ممالک یورپ کے مقبوضات درنو آبادیوں کا سکشن ہے۔ اور انہیں میں ہندوستان اور سیلون کی عمارات بھی ہیں۔ یہ چھٹا حصہ نمایش کا ہے۔ لیکن ایفل ٹاور کی دوسری طرف جو عظیم الشان عمارات دونوں طرف دور تک چلی گئی ہیں اور آخری حصہ پر قصر برق اور سوبار آب کے محل نے انہیں ملحق کر دیا ہے یہ ہر قسم کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے شعبوں اور کلوں کی عمارات ہیں جو پانچواں حصہ نمایش کا ہیں۔ علاوہ علوم و فنون کے انہیں دونوں حصوں میں دل بہلاؤ کے سامان بھی زیادہ ہیں۔ کہ جن میں نہ صرف تھیٹر اور قہوہ خانے شامل ہیں بلکہ پینوراما و ڈایوراما مینار ایفل علاوہ دوسری دلچسپی کی چیزیں کہ جنکا حال اخیر میں درج کیا جائیگا موجود ہیں۔ پانچویں حصہ کی بھی عمارتیں کہ جن میں کان کنی۔ کپڑا بننے کی کلوں۔ زراعت صنعت کستری۔ سول انجنیری اور ریلوں۔ فن تعلیم۔ لٹریچر سائنس و آرٹ و برق وغیرہ علوم اور حرفتوں کے سامان اور کلوں اور نمونوں کے رکھنے کے

لئے وسیع جگہ تیار کی گئی تھی۔ دراصل نمائش گاہ کہلانے کے لائق تھیں۔ اور یہ اتنی وسیع اور اتنے سامان سے پُر تھیں کہ انہیں کو پورے طور پر دیکھنے کے لئے مدت درکار تھی۔ یہ سب عمارتیں اندر سے آپس میں ملی تھیں۔ صرف جہاں ایک صیغہ کی نمائش کی چیزیں ختم ہو جاتیں۔ وہاں سے دوسری صیغہ کی شروع ہو جاتیں۔

قصر برق

اگر قصر برق کو سینہ یا سر قرار دیا جاوے کہ جسکے سامنے دلکش فواروں اور آبشاروں کے لئے "شاٹو ڈا او" کے نام سے ایک تماشا ہے آب کا حوض اور آبشار تھے تو دونوں طرف کی صنعت وحرفت اور علوم و فنون کی عمارات بمنزلہ دونوں بازوؤں کے نظر آتیں کہ جنکے خاتمہ کے قریب سر فلک ایفل تا مد واقع تھا۔ یہ قصر برق رات کے وقت روشنی کرنے کے کام آتا تھا کہ جسکے ہزاروں برقی چراغان کے ایک طرفۃ العین میں روشن ہو جانے سے تمام نمائش گاہ عالم نور ہو جاتی۔ اور جو فواروں اور آبشاروں کو معمولی لطف دکھلاتے تھے اب ہزارہا مختلف الالوان برقی لیمپوں کے سامنے واقع ہونے کی وجہ سے ان پر قوس قزح کے تمام رنگ منعکس ہوتے۔ اور یہ دور تک پھیلے ہوئے نور کے شعلے بلا مبالغہ ایک ایسا خارق العادہ نظارہ پیدا کرتے کہ بلا انکے دیکھنے کے اُسکا قیاس میں لانا مشکل ہے۔ ہر شب کو تو اس قصر برق کو روشن نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن جس شب کو یہ روشن کیا جاتا۔ نمائش گاہ کے اس وسیع میدان میں جو عجائب گاہ ٹراکوڈیرو تک چلا گیا تھا۔ دن سے زیادہ رونق ہوتی۔ اسی قصر آب کے پیچھے وہ برقی روشنی بھی تیار ہوتی تھی جو نمائش کی دوسری عمارتوں میں استعمال کی جاتی تھی۔ قصر برق کی شناسائی کے لئے اسقدر اور بتلا دینا مناسب ہے کہ اسکی چوٹی پر ایک "برق" کا قیاسی بُت ایک چُرٹ میں بٹھلایا گیا تھا جسے [illegible] اندر اگن و دیوتا کھینچتے تھے۔ دن کو تو یہ شیشے اور لوہے کا بُت معلوم ہوتا تھا کہ جسکے عقب میں شیشہ کا ایک بڑا آفتاب بنا

سنگ میں سے تراشا گیا تھا اس سے رنگ کے مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں مثل گھنٹیوں۔ زنجیروں۔ باغبانوں اور دیگر حرفت پیشہ لوگوں کے اوزاروں۔ گھر کے برتنوں اور چاندی سونے کی اشیاء کے سجی گئی تھیں۔ اس میں اٹلی جرمنی روس۔ انگلستان۔ سویڈن ناروے بلجیم ممالک متحدہ امریکہ اور آسٹریا ہنگری نے مختلف معدنی اور آہنی چیزیں اور ریلیں اور انجن دکھلانے میں کافی حصہ لیا تھا۔ اس صیغہ کے شروع میں بعض آہنی

نب بنانا

کارخانوں نے اپنی بنائی ہوئی آہنی چیزوں کو سجا کر ان سے بڑے بڑے دروازے بنا دیئے تھے۔ یہیں ہم نے نب بنانے کی دو تین مشینیں دیکھیں جنہیں سوئٹزرلینڈ کی عورتیں اپنی وطنی لباس میں نب بنانے میں مصروف تھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی دستی مشینیں تھیں۔ پہلے ان میں سے ایک میں ایک لوہے کے باریک پترہ کو بمقدار نب کے کاٹا جاتا تھا دوسری میں اسکو نب کی شکل میں ٹیڑھا کیا جاتا تھا۔ تیسرے میں شگاف دیا جاتا۔ اور چوتھی میں اس پر حروف وغیرہ چھاپے جاتے تھے۔ گویا ایک ہی پریس میں مختلف چار ڈائیاں لگنے سے یہ کام چل سکتا ہے۔ اور اس طرح نب بنانے کی مشین پر پانچ سات سو روپیہ سے زیادہ خرچ نہیں پڑیگا۔ البتہ نب بنانے کے لئے لوہے کو کاٹنا اور نب کو کافی آب دینا تجربہ سے سیکھا جا سکتا ہے۔

کپڑے۔ سوت اور تاگے کے صیغہ میں ہر قسم کی اون۔ ریشم۔ سوتی السی اور سن وغیرہ کے موٹے اور پتلے کپڑے اور تاگے موجود تھے۔ اور ریشم وغیرہ ریشوں کے تیار کرنے کی مختلف منزلیں نمونوں میں دکھلائی گئی تھیں۔ یعنی ریشم کے کیڑے کی ابتدائی حالت سے لیکر ریشم کے

لباس وغیرہ

پھولدار کپڑے اور اسکے بہترین سلے ہوئے لباس تک پہلو بہ پہلو رکھے گئے تھے۔ فرانس ریشم کی عمدگی کے لئے خاصکر مشہور ہے

درزی کے کام اور سلائی کی مختلف شاخوں زردوزی وغیرہ کا کمال بھی پوشاکوں کے نمونے دکھلا کر نمایاں کیا گیا تھا۔ مختلف ملکوں کی روئی کے ریشوں کی طوالت کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اونی سوتی کپڑے سفید چھاپے ہوئے اور رنگے ہوئے۔ دھونے اور رنگنے کے مصالحے غرض کپڑے کے متعلق جو امر اعلیٰ سے اعلیٰ خیال میں آسکتا ہے یہاں موجود تھا۔ اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے کپڑے اور جالیاں اور لیسیں اور فیتے اور قیطنیں اور گوٹے بننے اور کاتنے کی مشینیں بھی پہلو بہ پہلو رکھی گئی تھیں جو کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ تمام ایک مکمل مشین کپڑا بننے۔ روئی دھننے سے لے کر کپڑا تیار کر دینے تک کی یہاں پڑی تھی جسے روس کے ایک ٹکنیکل سکول کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ ریشمی منسوج کی کلیں اور جرابیں اور بنیان بننے کی کلیں بھی یہاں کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ہر قسم کے زنانہ بیش قیمت کپڑے ٹوپیاں دستانے دستی چھڑیاں اور بوٹ الوان و اقسام کے تھے۔ تاگے اور باریک اور موٹے رسے بٹنے کی کلیں اور سامان اور مال کے نمونے الگ تھے۔ اور جس طرح کہ ہر صیغہ کے ساتھ ایک ریٹرو اسپکٹو یعنی گزشتہ زمانہ کی اسی خلاف کی چیزوں کی نمائش اس نمائشگاہ میں دکھلانے کا انتظام کیا گیا تھا کپڑوں کے صیغہ میں یہ بڑی تیاری سے دکھلائی گئی تھی یورپ کے ہر عہد اور خصوصاً فرانس کے عروج سلطنت کے زمانہ کے کپڑوں سے عیش اور نامور بادشاہوں بیگمات اور امرا کے کپڑوں ٹوپیوں اور چھڑیوں وغیرہ کے نمونے اور اُن کی تصاویر جمع کی گئی تھیں۔ پوشاکوں کے بعض نمونے نمائش کے ایک دوسرے حصہ میں مومی بتوں کو پہنا کر دکھلائے گئے تھے۔ اور بعض کو تصویریں بنا کر دکھلایا گیا تھا۔

خوشبوئیں وغیرہ اسی صیغہ کے ساتھ خوشبوؤں کا صیغہ تھا۔ فرانس عطریات کے لئے بڑا مشہور ملک ہے۔ مختلف اقسام کے عطریات کی خوبصورت

میں نے دیکھے وہ بیان کرنے مشکل ہیں۔ جرمنی آسٹریا انگلستان اور
اضلاع متحدہ امریکہ کے برقی آلات کی ورکشاپیں بہت زیادہ اور پُر رونق تھیں
ان میں انواع و اقسام کی طاقت کی باٹریاں طبی عمل روشنی اور طاقت حاصل
کرنے کے لئے موجود تھیں۔ سینکڑوں قسم کے فونوگراف اور گریفوفون
اور ٹیلیفون اور روشنی کے لیمپ اور طاقت کے اکاموںیٹر جمع تھے۔ ان میں
سے بعض مشینیں عمل کر رہی تھیں جنپر ہزارہا تماشائی مکھیوں کی طرح جمع ہوجاتے
تھے یہ تمام کارخانہ جادو کا کھیل معلوم ہوتا تھا۔ اور جبکہ تمام یورپ اور امریکہ
کے موجدوں نے لوگوں کو حیران کرنے کا ایکا کر لیا ہو تو کوئی دانا سے دانا
آدمی بھی اس برقی ذخیرہ کے شعبدات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہونے سے محفوظ
نہیں رہ سکتا تھا۔ ؎

حیرت ہرکس دریں عالم بقدر بینش است ہر کہ دانا تر دریں ہنگامہ حیران بیشتر

برقی موجدوں کے شعبدے

اس سے نیچے کے کمرہ میں بڑے بڑے برقی ڈائنیموچار ہزار کیلوگرام طاقت سے لے کر ذرا ذرا سے کھلونوں تک
اور ہر قسم کے بھاری اور ہلکے موٹر اور بڑی بڑی مشینیں تھیں۔ برقی ریلوے
اور برقی ریل گاڑیاں۔ برقی کشتیاں اور لانٹ ہوسوں کے استعمال کے لئے
برقی سرچ لائٹ۔ غرض بڑی بڑی طاقت کی برقی روشنی اور قوت کا سامان تھا۔
ایک جگہ اضلاع متحدہ شلا اور ایڈیسن کی آخری برقی ایجادیں دکھلا رہا تھا۔
جرمنی ڈاکٹر رونٹجن کی ایکس شعاعیں۔ رنگین فوٹوگرافی اور پروفیسر ونہلٹ کی
ایک سیکنڈ میں پانچ ہزار مرتبہ برقی رو کی رکاوٹ نمایاں کر رہا تھا۔ اٹلی مارکونی
کے بے تار کی برقی خبر رسانی کا سامان۔ اور سوئٹزرلینڈ ایم ڈوساندز کی برقی
ایجادیں بلند بولنے اور آواز لکھنے والے ٹیلیفون کہ جو ایک بات کو ایک
مرتبہ کہہ دینے کے بعد بار بار بتلا سکتے تھے نمائش کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ
برقی گھڑیاں۔ طبی برق۔ کیمیاوی برق۔ کان کنی وغیرہ مختلف اقسام کے برقی

کے جا بجا تجربے نمایاں کئے گئے تھے۔ اگر صرف اس نمائش کے سامانِ برقی کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے جائیں تو تمام کتاب کے پُر کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

اب میں اُن عظیم الشان عمارات کی ایشیائی نمائش بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ لیکن بوجہ اشیاء کے بے اندازہ ہونے کے میں

کان کنی و معدنیات

کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ کان کنی اور معدنیات کے صیغہ میں تمام بڑی معدنیات اور پتھر کے کوئلہ کی کانوں کے نمونے دکھلائی گئے تھے۔ اور کان کنی کے تمام آلات اور سامان مثل بارود اور ڈائنامیٹ وغیرہ کے موجود تھا۔ آرٹیزین کنووں کے کھودنے اور مٹی کو تیل کے لئے زمین میں سوراخ کرنے کے آلات اور طریق اور کانوں میں آمد و رفت کے سامان نمایاں کئے گئے تھے۔ غرض کان کنی کے متعلق جتنی کلیں اور دستی آلات۔ کانوں کی پیداوار کے نمونے اور کام کے طریقے اب تک ایجاد ہوئے ہیں ہر ایک کا نمونہ یہاں موجود تھا۔ سیفٹی لیمپ اور مختلف اقسام کی کان کنی کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر۔ چھکڑے اور دستی گاڑیاں معدنیات ڈھونے کے لئے۔ موٹے رسّے اور کرینیں وغیرہ لادنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے پتھر اور سنگ مرمر تراشیدہ اور ناتراشیدہ عمارت کے کام کے اور چونہ اور سیمنٹ بنانے کے الگ الگ چنے ہوئے تھے۔ ریت کٹھالیاں بنانے کے لئے اور دیگر مصالحے بھٹیاں اور دستی اور چینی کے برتن بنانے کے موجود تھے۔ معدنی کھادیں مثل فاسفیٹ وغیرہ کے اور معدنی ایندھن مثل پتھر کے کوئلہ اور پیٹ کے دکھلایا گیا تھا۔ اور معدنیات کے کئی عجیب و غریب نمونے اسفالٹ۔ ایمبر پیٹرولیم۔ بڑمن راک اور سنگینز کے صندوق کی قسم سے موجود تھے۔ آسٹریا کی کان کنی کی نمائش میں بتوں کا ایک گروپ

شیشیاں ۔ عطر کشید کرنے کے سامان اور مختلف خوشبودار پودے اور پھول کہ جن سے عطر کشید کیا جاتا ہے نمایاں کئے گئے تھے ۔ دانت صاف کرنے کے سفوف ۔ صابن ۔ انواع واقسام کے چہرے پر ملنے کے غازے ۔ اور بالوں کے سفوف اور رنگ اور ٹائلیٹ کے بیسیوں دیگر سامان اکٹھے کئے گئے تھے ۔ یہاں ایک شخص دانتوں کے سفوف کی خوبصورت ڈبیاں ہر تماشائی کو مفت بانٹ رہا تھا ۔ اور اگر اسنے نمایش کی تمام مدت یعنی چھ ماہ یہی عمل مفت ڈبیاں بانٹنے کا جاری رکھا ہے تو خدا جانے کتنے لاکھ ڈبیاں بانٹ گیا ہوگا ۔

انجن اور آہنگری میکینکل انجنیری میں دخانی انجن ۔ مختلف قسم کی موٹر مشینیں متفرق قسم کی کلیں اور ٹکنیکل اوزار تھے ۔ ان میں سے بعض انجن گاس سے ۔ بعض دخان ۔ بعض گرم ہوا ۔ اور چند مٹی کے تیل سے چلتے تھے ۔ اور بہت سی ہائڈرالک پریس ۔ پون چکیاں ۔ ہوا کی تیزی کے پیمانے ۔ پانی سے چلنے والی کلیں ۔ سال امونیا ۔ کاربونک ایسڈ وغیرہ وسائل سے چلنے والی کلیں جمع کی گئی تھیں ۔ کاٹنے والی چھید نے والی اور دبا کر چھاپنے والی مشینیں بھی بہت سی تھیں ۔ دُخانی ہتھوڑے پانی نکالنے کے انواع واقسام کے پمپ اور پون چکیاں (مگر یہ سب تھوڑی گہرائی سے پانی نکالتی تھیں) ۔ سیمیں ٹھونکنے والی مشینیں اور لوہے کو کھینچنے اور موڑنے والی کلیں ۔ تولنے کے کانٹے ۔ لوہا کاٹنے کے گول آرے ۔ تیز کرنے کھلا کرنے اور اور طرح طرح کے آہنی اعمال کی الگ الگ انواع واقسام کی مشینیں پڑی تھیں ۔ گیس موٹر نصف ہارس پاور سے دو سو ہارس پاور تک بہت اچھا کام کرتے تھے ۔ اور دخانی انجنوں میں دکھلایا گیا تھا کہ پچھلے دس سال کی نسبت ایندھن میں کس قدر کفایت ہوئی ہے ایک فرانسیسی کارخانے نے مونہ کی چینی روغنی کام کی نمایش میں تعمیر کی تھی

اضلاع متحدہ امریکہ کا کام کرنے والا لڑکا۔ جرمنی طالب علم۔ سوئٹزرلینڈ۔ کنیڈیا ناروے ماہیگر اور بلجیم کا ان کن وغیرہ۔ اس کمرہ کو ضرورت کے وقت پچاس سو بجلی لیمپوں سے روشن کیا جاتا تھا۔

موسیقی

تعلیم اور علوم و فنون کا حصہ مختلف مزامیر اور باجوں سے شروع ہوتا تھا۔ گو ان سے مجھے دلچسپی نہ تھی اور نہ کچھ سمجھ میں آتے تھے تاہم سینکڑوں قسم کے پیانو۔ آرگن۔ سارنگیاں طنبورے اور منہ سے بجانے والے باجے فونوگراف اور گرامو فون تھے۔ انہیں کے قریب ایک کانسرٹ کا کمرہ تھا جس میں پانچ سو آدمی بیٹھ کر موسیقی سن سکتے تھے۔ اسکا دوسرا حصہ فوٹوگرافی اور چھپائی کا ہے۔ فوٹوگرافی کے متعلق مقامی اور مسافرانہ کیمرے جیسی کیمرے۔ فوٹوگرافی کے تمام کیمیائی اجزا اور سنشو کاغذ جمع کئے گئے تھے۔ رنگین فوٹوگرافی۔ فوٹو تھیوڈور۔ لائٹ۔ سینو میٹوگراف۔ فوٹو ہیلیو گراف۔ شیرو سکوپ اور موٹو سکوپ مختلف روشنیوں میں لئے ہوئے گراف بڑے بڑے استادوں کی دستکاری کے چیدہ نمونے۔ شیشے کپڑے لکڑی اور انامل پر عکسی تصاویر کے بہ طرف اجرام آسمانی کے عکس تصاویر۔ اور ایکس شعاعوں کے آلات بھی نمایاں کئے گئے تھے۔ انہیں کے

جغرافیہ اور نقشے

قریب ایک کمرہ میں جغرافیہ اور طبقات الارض کے نقشے اور اٹلس جمع تھے۔ اور اٹلس چھاپنے والے کئی فرانسیسی وغیرہ کارخانوں کا اسباب پڑا ہوا تھا۔ ایک کرہ ارض ربڑ کا بنا ہوا تھا جس میں ہوا پھونکنے سے وہ پھیل کر گول ہو جاتا تھا۔ میں نے اسے چھ سات فرانک کو خرید کر وہیں سے لاہور کو روانہ کرا دیا۔ یہ کرہ ارض بوقت ضرورت ہوا بھرو دینے سے گول ہو جاتا ہے۔ اور ہوا نکال لینے سے لپیٹ کر جیب میں ڈالا جاسکتا ہے۔ اسی اٹلس بیچنے والے کارخانے کے ایجنٹ نے کہا کہ انگلستان کے اٹلس اور گلوب بیچنے والے بعض کارخانے ہمیں سے نقشے چھپواتے

ہیں۔ تھیٹر بھی یورپ میں تعلیم کا ایک صیغہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے
تعلیم کے ضمن میں تھیٹر کے بڑے بڑے سبق آموز نظارے اعلےٰ
درجے کے استادوں نے ۱۶×۱۲ فیٹ کے پردوں پر کھینچکر لٹکائے
ہوئے تھے۔ تھیٹر کی سینری کھینچنے میں حد کردی گئی تھی۔ اسکے علاوہ
تھیٹر میں پہنے جانے والے جھوٹے جواہرات اور چمکدار زیورات خوبصورت
لباس بھیس بدلنے کے کپڑے اور ٹوپیاں اور غازے اور پوڈر سامنے
گلاس کیسوں میں پڑے تھے۔ تھیٹر میں کام آنے والے اعلیٰ درجہ
کے فوٹوگراف اور پچھلی صدی کے تھیٹر اور ڈرامہ کے نامور آدمیوں کی
تصویریں بھی یہاں رکھی گئی تھیں ناچنے کی تاریخ بعض خوبصورت مومی
بتوں کو لباس میں آراستہ کرکے دکھلائی گئی تھی۔

جراحی طبابت وغیرہ

اسی کے قریب ایک حصہ ڈاکٹری اور جراحی سے مخصوص
تھا۔ جہاں ہر قسم کی جراحی اور میڈیسن کے آلات قدیم وجدید لوہے چاندی
اور سونے کے چمک رہے تھے۔ جرثیم کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے
سروں اور دماغ کے نمونے۔ اعمال جراحی کی تصویریں اور ثبت۔ دندان
سازی کے آلات۔ مختلف امراض کے نمونے۔ جنہیں دیکھ کر رونگٹے
کھڑے ہوتے تھے۔ اور مصنوعی ٹانگیں مریضوں کے بستر فوجی زخمیوں
کی مدد کا سامان۔ جابجا پڑے ہوتے تھے۔ اسی کے قریب عینکوں مع دوربینوں
خوردبینوں آلات نقاشی ہوا انجنیری و جہاز رانی وغیرہ کا سیکشن تھا۔ بڑی بڑی
دوربینیں۔ گز گز بھر قطر کے محدب اور مقعر شیشے چھ چھ انچ موٹے موجود تھے۔
عینک لگانے کے لئے امتحان کرنے کی کلیں۔ اور عینکوں کے پتھر کے
شیشے رگڑنے کی کلیں۔ لیکن سب سے عجیب کل مجھے وہ معلوم ہوئی کہ
جسکے ذریعے سے کوئی جمع تفریق کا سوال صحت سے حل ہوسکتا ہے یا جو
کسی لمبی چوڑی رقم کی صحت سے میزان کرسکتی ہے۔ لیبوریٹریاں اور

بلکہ کاشتکاروں کو ان اچھے آلات سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ کھیتی باڑی کرنے اور دودھ دہی وغیرہ کے متعلقات کی کلیں اس قدر جمع تھیں اور بعض ایسی دلچسپ تھیں کہ اگر بہت سا وقت ملتا تو انہیں غور سے دیکھنا ضروری تھا۔ مگر وقت کی تنگی سے میں اور دوسرے تمام دیکھنے والے ان اشیا کی قطاروں میں سے عموماً گذرتے ہی رہتے تھے۔ اور بہت کم ٹھیر کر کسی چیز کو زیادہ غور سے دیکھ سکتے تھے۔ یہیں کھیتی باڑی پر کتابیں اور زراعتی مدرسوں کے نصاب بھی مختلف ملکوں سے رکھے ہوئے تھے

شراب مٹھائیاں وغیرہ شراب کشید کرنے کا ایک بہت بڑا کارخانہ اسی طرح میں سجایا گیا تھا۔ اور بھی بنت عنب کے خاطر مدارات کے سامان یعنی کشید کی کئی کلیں چاروں طرف پڑی تھیں۔ ایک چاکولیٹ بنانے کا فرانسیسی کارخانہ عملی کام کر کے دکھلا رہا تھا۔ اس کی ترکیب بڑی دلچسپ تھی۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کوکا کے بیجوں کو بھون کر پیستے۔ اور پھر گوندھ کر سانچوں میں ڈالتے۔ یہ سانچے چھوٹی چھوٹی ریل کی سڑکوں پر رکھے جاتے اور خود بخود بھٹی میں داخل ہو کر پک کر نکل آتے۔ اس تمام کارروائی میں ہاتھ کہیں نہیں لگانا پڑتا تھا۔ اور یہ سب کام کل کے ذریعے سے ختم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی مٹھائیاں مربے اور جام دکھلائے گئے تھے۔ اور سرکہ بھی ایک طرف بنتا تھا۔ ایک طرف سوڈا واٹر اور شمپین بنانے کی کلیں کام کر رہی تھیں۔

ڈیری دودھ کی صنعت ہندوستان میں ہندوستان بہت بڑا زراعتی ملک ہے اور یہاں مویشی بھی زراعت کے لئے رکھنے ضروری ہیں۔ مکھن اور پنیر بنانے کے سامان کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں سوئٹزرلینڈ جیسا چھوٹا سا ملک لاکھوں روپیہ کا مکھن اور پنیر ہر سال غیر ممالک کو بھیج سکتا ہے۔ اور انڈے مرغیاں اسی قدر قیمت کے اس کے

علاوہ ازیں معلوم نہیں ہندوستان کیوں ادھر متوجہ نہیں ہوتا۔ میں نے سنہ ۱۹۰۱ء
کے آخر میں لکھنؤ میں جا کر معلوم کیا کہ وہاں لاہور سے بالائی بہت ارزاں ملتی
ہے۔ سنا تھا کہ لکھنؤ میں پنہاری کو بھی ایک پیسہ کی بالائی کھائے بغیر
چین نہیں آتا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں دودھ بہت سستا ہے۔ اس صورت
میں وہاں یا جہاں کہیں ہندوستان میں دودھ سستا ہو ڈیری کی مشینوں سے
ضرور کام لینا چاہئے۔ اور اسی طرح مرغی انڈا بھی وافر تیار کرنا چاہئے۔ انگریزوں
میں ان چیزوں کی بہت قدر ہے گو ہندوستانی بھی انہیں خوشی سے خریدتے
ہیں۔ اول اول اندرون ملک کی ضرورت کے لئے یہ چیزیں تیار کرنی چاہئیں
اور بتدریج یہ تجارت غیر ممالک سے بھی ہو سکتی ہے۔

عظیم الشان کمرہ

زراعت کے حصے کو دیکھتے دیکھتے میں ایک ایسے عظیم الشان
کمرے میں داخل ہو گیا کہ جس کا ثانی نہ پہلے دیکھا ہے اور شاید پھر بھی دیکھنا
نصیب نہ ہو۔ یہ نمائش گاہ کا سب سے بڑا کمرہ تھا سال ذ فیٹ Salle
de fete تھا۔ یہ کمرہ جو چھہتر ہزار (۷۶۰۰۰) مربع گز زمین پر گول بنا ہوا ہے
اس میں پچیس ہزار آدمی با آسانی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی چھت شیشہ کی تھی۔
اور بڑے بڑے جلسوں اور ناچوں کے لئے اسے تعمیر کیا گیا تھا۔ پریذیڈنٹ
فرانس نے اسی میں بیٹھ کر اس نمائش کا افتتاح کیا تھا۔ اس کے وسط میں
آٹھ آہنی ستونوں پر تیس میٹر وسعت کا شیشہ کا گنبد تھا۔ فرانس کے چار
نامور مصوروں کو اس عظیم کمرہ میں زراعت صنعت و حرفت اور برق وغیرہ کی
بیس بیس میٹر کی لمبی کئی کئی تصاویر نقش کرنے کے لئے ۲۰-۲۰ ہزار فرانک
گورنمنٹ فرانس نے دیئے تھے۔ ان کے علاوہ کل تیس اقوام کہ جنہوں نے
اس نمائش میں کچھ نہ کچھ چیز بھیجی ہے اُن کے ایک ایک آدمی کی تصویر
آٹھ آٹھ فیٹ بلند اس کی دیواروں میں الگ الگ کاریگروں نے کھودی
تھی۔ مثلاً انگلستان کو ایک لاٹ سے تعبیر کیا ہے۔ ترک کو سپاہی

جسکا خرچ دو لاکھ دس ہزار فرانک اندازہ کیا گیا تھا ✦

نجاری نجاری کی بہت سی کلیں بھی لکڑی کے ہر عمل کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کا کام دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسان کے دستی کام کو ان سے کیا نسبت ہے۔ ایک کل بوتلوں کے کاگ کھولنے کے آلے بناتی تھی۔ لکڑی کے دستے پاس تیار پڑے تھے۔ لوہے کی ایک موٹے تار کو ایک مشین میں ڈال کر اس دستہ کے گرد ایسی طرح پیچ دیا جاتا کہ دم زدن میں ایک آلہ کاگ کھولنے کا تیار ہو جاتا۔ اور ہزار ہا شوقین بطور نمائش گاہ کی یادگار کے ایک ایک ڈیڑھ سنٹیم کا سکریپ کر لیتے جاتے تھے۔ یہ مشین بھی سات آٹھ سو روپیہ سے گراں نہ تھی۔ یہیں مشین سے باورچی خانہ کے برتن بنانے کی کلیں بھی تھیں۔ مگر یہ ایسے ہی برتن بناتی تھیں۔ جیسے کہ امرتسر اور دہلی میں برتن بنانیوالی مشین بھی۔ بہ قبل ہو چکی ہیں۔

زراعت اور کلیں زراعت کا حصہ بہت وسیع تھا۔ اور بخیال سہولت کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اسی میں غلوں اور خوراک کی شاخ شامل تھی۔ آٹا پیسنے کی چکیاں۔ غلہ کو صاف ستھرا کرنے کی کلیں۔ روٹی پکانے کے تندور اور چولہے۔ شکر بنانا۔ قہوہ۔ عرقیات اور شراب کشید کرنیکا سامان مکمل تھا۔ شرابیں۔ مٹھائیاں گرم مصالحے۔ انگور کی پیداوار اور کشید انگور کی بیماریاں۔ کھیتوں کے مکان۔ نالیاں۔ کلیں۔ غلہ کے کوٹھار۔ دودھ دہی اور مکھن تیار کرنا۔ کھیتی باڑی کے دوسرے کام۔ فصل کے مضر اور مفید کیڑے۔ پودوں کے مضر کیڑوں کا استیصال۔ سبزی ترکاریاں۔ غلے۔ چارے۔ تر بزرو کشی ہوئی مچھلی گوشت بقولات اور میوجات علاوہ خوراک کے زراعتی پیداوار میں۔ حیوانی خوراک۔ اصول زراعت کی تحقیقات کا سامان۔ مویشی کتوں اور مرغیوں کے مکانات۔ فرانس اور یورپ کے تمام ممالک سے جمع کئے گئے تھے۔ مختلف ملکوں نے

اپنے یہاں کے ہر قسم کے غلے اور زراعتی پیداوار کی چیزیں مع زراعتی کلوں کے نمایاں کی تھیں۔ امریکہ کے ہل کئی قسم کے تھے۔ ایک ہل جس کی جگہ تخم بوتا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کھاد بھی کھیت میں ڈالتا جاتا تھا۔ مگر ایسے طور پر کہ کھاد اور تخم مل نہ جائیں۔ امریکہ نے دو سو قسم کے گیہوں اور ڈیڑھ سو قسم کی مکی کے تخم نمایاں کئے تھے۔ اور گھاس کے تخم بھی دکھلائے تھے بلجیئم۔ ہالینڈ۔ ہنگری۔ سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی زراعت کی مشینیں بکثرت تھیں اور سوئٹزرلینڈ ہی کی دودھ۔ مکھن۔ و پنیر کی مشینیں بھی زیادہ تھیں۔ جنیوا کی ایک برف کی قلفیاں بنانے کی مشین بہت عمدہ تھی۔ ایک دو منٹ میں دودھ منجمد ہو جاتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ لوگ یہ قلفیاں لے کر کھاتے جاتے تھے۔ یہ مشین بھی اگر کوئی انٹرپرائزنگ ہندوستانی کسی بڑے شہر میں منگوائے تو فائدہ اٹھائے۔ ہنگری کے غلوں۔ اٹلی کی سیویوں (ماکرونی) اور شراب کی نمائش زیادہ تھی۔ جاپان۔ ہسپانیہ اور پرتگال تینوں ملکوں نے غلوں اور شرابوں کی نمائش کافی کی تھی۔ ہل تو خیر دو دو تین تین بیلوں کے اور بجلی سے بھی تھے۔ اور سراونیں طرح طرح کی تھیں۔ مگر کھیت سے غلہ نکالنے کی مشینیں ریل گاڑیوں کے برابر اور ان سے بھی بڑی تھیں صرف بڑے بڑے تناور جانوروں سے صاحب مقدور زمیندار ہی انہیں استعمال کرتے ہونگے۔ ان مختلف یورپین ممالک کی صدہا کاشتکاری کی کلوں کو دیکھ کر خیال ہوا کہ جب ان چھوٹے یورپین ممالک میں اس قدر کثرت سے کھیتی باڑی کے آلات اور کلیں بنتی ہیں تو اگر کبھی ہندوستانی کاشتکاروں کو ہوش آیا۔ اور وہ اصلاح یافتہ آلات زراعت استعمال کرنے لگے تو ہندوستان میں بے شمار ایسے آلات کی کھپت ہوگی۔ اس وقت بھی تمام ہندوستان کے ایک سو بڑے شہروں میں اگر آلات زراعت کی دوکانیں کھولی جائیں تو یقیناً ان دوکانوں کا ہی کام چل جائیگا

ابزرویٹریوں کے استعمال کے آلات مختلف ممالک کے اوزان و ماپ ایم کاشیر کی ۱۹ فیٹ لمبی دوربین بھی یہیں تھی۔

تعلیم

تعلیم کے مضمون کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جیسا کہ (۱۲۱) شعبوں کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے۔ (۱) معصوم بچوں کی تعلیم اور پرائمری تعلیم (۲) سیکنڈری تعلیم (۳) اعلےٰ اور علمی تعلیم (۴) خاص فنون کی تعلیم (۵) خاص زراعتی تعلیم (۶) دستکاری اور تجارت کی تعلیم۔

ابتدائی تعلیم

طریق تعلیم میں سنہ ۱۹۰۰ء تک دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ سب نمایاں کی گئی تھی۔ پہلے معصوم بچوں کی تعلیم کے متعلق مدرسہ کا کمرہ اور کھیل کی جگہ دکھلائی گئی تھی۔ کاغذ کی کترن کاٹ کر ان سے ٹوکریاں بنانا۔ اور بچوں کی تصویروں کی کتابیں۔ سکول کا کمرہ (۲۰×۳۰) فیٹ لمبا بنایا گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر ٹھیک موقع پر تصاویر نقشے۔ استاد کی میز لڑکوں کی بنچیں کتابیں اور پلاسٹر کے ماڈل اور بلیک بورڈ تھا۔ لوئر پرائمری کے بچوں کی ماہانہ مشقی کاپیاں۔ مضمون نویسی۔ حساب اور ڈرائنگ وغیرہ کی دکھلائی گئی تھیں۔ اپر پرائمری سکولوں کی لڑکیوں کا کشیدہ لیس بنانا۔ زردوزی اور کپڑوں وجرابوں کی مرمت کرنے کے نمونے اور لڑکوں کا لکڑی اور لوہے کا کام۔ اس کے بعد پیشے کے مدارس میں ابتدائی تعلیم کی کیان پوری ہو جانے کے نمونے تھے۔ زنانہ و مردانہ نارمل سکولوں کی تعلیم اور لیکچروں کا نتیجہ۔ ماسٹروں کے بھیجے ہوئے اپنے مدارس کے سامان اور جماعتوں کے فوٹوگراف کہ جن میں سے بعض کو بڑا کر کے دکھلایا گیا تھا۔ جادو کی لالٹین کے سلائڈ۔ نائٹ سکولوں کا سامان اور مدارس کی لائبریریوں کے نمونے۔

سیکنڈری تعلیم

سیکنڈری تعلیم کے متعلق فرانس اور دیگر ممالک کے سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کے لڑکوں کی کاپیاں۔ نصاب کی کتابیں جو بعض ان

امتحانات کے پرچے مدارس کے شمار (تعداد) و نتائج کی خاص تعلیمی کتابیں نمایاں کی گئی تھیں۔ تاریخ الحیوان کی تعلیم کا سامان آلات ڈرائنگ اور سائنس پڑھانے کے لئے آلات مختلف کارخانوں سے دکھلائے گئے تھے۔ لڑکیوں کے کام میں سوزن کاری اور زردوزی کے نمونے بہت اعلیٰ تھے۔ رسائل کہ جن سے استادوں کی تعلیمی قابلیت بڑھ سکتی تھی۔ نصاب اور اوقات تعلیم۔ سکاٹلینڈ کے سیکنڈری سکولوں میں علاوہ ڈرائنگ کے (و) لکڑی کا کام (ب) لوہے کا کام (ج) تانبے اور پیتل پر کندہ گری (د) ڈھالے ہوئے لوہے کا کام (ھ) نجاری (ی) مٹی کے ماڈل بنانا۔ سیکنڈری تعلیم کی طرح ہی اعلیٰ تعلیم کی کیفیت ہے۔

زراعتی تعلیم | اس کے متعلق زراعتی مدرج المویشی اور باغبانی کے مدرسوں کے تختے نمونے پودوں غلوں ہڈیوں پتھروں شہد کے چھتوں۔ ریشم کے کیڑے کے کویوں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ حیوانات کی امراض کے نمونوں کا عجائب گھر کیسا بھیانک نظارہ پیش کرتا تھا پتوں اور خوشبوؤں پرندوں اور ان کے انڈوں اور نیچرل ہسٹری کے دیگر نمونوں کا مجموعہ مکمل تھا۔ کاشت زمین اور پودوں اور حیوانات کی امراض اور بہبود کے لئے یہ آلات جو یہاں دکھائے گئے تھے کس قدر دلچسپ و مفید تھے۔ اور مویشی پالنے اور کاشتکاری کی عام اصلاح کی تدابیر میں ان سے کس قدر مدد مل سکتی تھی۔ ایسے مدارس فرانس میں بہت ہیں اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی ان کی کمی نہیں۔ بارہ سال پہلے کے ایک کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یورپ کے بعض ممالک میں ایسے مدارس کس قدر تھے کہ جن سے کاشتکاروں کو مدد ملتی ہو

ٹکنیکل تعلیم | کی ہر شاخ کے متعلق کافی مصالحہ موجود تھا۔ ناریا اپر پرائمری سکولوں کی تعلیم میں جو خامی رہ جاتی ہے یہ صنعت و حرفت اور پیشہ سکھلانے

چوکھٹوں وغیرہ کے بیچے تیچے نمونے بنا کر دکھلائے گئے تھے اور اسی طرح نارو سے ابتدائی سکولوں کی حالت اور ایک مکمل کھانا پکانے کے مدرسہ کی کیفیت دکھلائی تھی۔

روس کے صناع اور ٹیکنیکل سکولوں کا کام بھی کسی ملک سے پیچھے معلوم ہوتا تھا۔ روس کے چھاپنے کی مشینیں۔ چھپی ہوئی تصویریں رنگین اور عکسی فوٹو زنکو اور دیگر تمام وسایل سے چھپا ہوا۔ خوبصورت جلد بندی کے نمونے اور عمدہ چھپی ہوئی کتابیں۔ ٹین پر رنگین چھپا ہوا۔ نقاشی نقشہ کشی اور مصوری کے آلات۔ نجاری اور آہنگری کے اوزار اور سینکڑوں از قبیل دوسری چیزیں دیکھیں۔ روسی زنانہ و مردانہ پیشوں کے مدرسوں۔ قومی ٹیکنیکل سکولوں اور اعلےٰ علمی مدارس کے مکانات کے نقشے نمایاں کئے گئے تھے۔ ایک روسی نقشہ سے معلوم ہوتا تھا کہ فقط روس میں ایک ہزار انڈسٹریل سکول ہیں۔ روسی اخبارات کا ریڈنگ روم بھی موجود تھا۔ اور روسی اخبارات اور رسالجات کے جو سرورق چھپاں تھے اپنے ڈیزائن کے لحاظ سے انگریزی سرورقوں سے کم نہیں تھے۔ ایک مشین اس وقت تصاویر چھاپ رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر کہنے کے قابل ہوں پڑا کہ چھاپنے کے معاملہ میں روس دیگر ممالک یوروپ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں۔

ایک جگہ فرانس اور یوروپ کی پرانی کتابوں اور پرانی تصویروں اور قدیم زمانہ کی بیش قیمت جلد بندی کے نمونوں کی نمائش کی گئی تھی۔ پہلے زمانہ کے جلد سے پریس دیکھے۔ علم جغرافیہ کی قدیم زمانہ کی کتابیں اور نقشے اسطرلابیں اور سکسٹائیل پرانے زمانہ کے کرہ ہائے ارضی۔ طبعی۔ بحری متعلق ہیئت اور شمار و اعداد وغیرہ ہر قسم کے نقشے جمع کئے گئے تھے۔ یہیں ایک پرانی خطوط کا مجموعہ تھا جس میں ہر زمانہ کے یوروپ کے سلاطین قدیم کے خط تھے۔ مشہور لوگوں کی دستخطی کتابیں اور ایک ہزار جیبی کتابوں کی لائبریری

بھی بہم پہنچائی گئی تھی جن کی تقطیع ۲۰×۳۰ انچ سے زیادہ نہ ہوگی۔ پوسٹر یعنے دیواروں پر چسپاں کرنے والے بڑے بڑے رنگین چھپے ہوئے اشتہارات کی بھی ایک بڑی دلچسپ نمائش کی گئی تھی۔ جس میں سینکڑوں ایسی تصویریں تھیں جو مُنہ سے بول کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ پوسٹر ابھی سے یورپ اور امریکہ کی تجارت کی ترقی میں اشتہار دینے کا بہت عمدہ ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اور آئندہ زمانہ میں اس سے اور بھی بہت کچھ امید کی جاتی ہے۔

فرانس کے سکوں اور تمغوں کی نمائش بھی خاص تھی۔ قریب ہی ایک کل سکے ضرب کر کے دکھلا رہی تھی۔ اور جو شخص چاہتا اس نمائش کی یادگار کا تمغہ جس پر اُسی روز کی تاریخ چھاپی جاتی وہاں سے گرما گرم خرید لیتا۔

فرانسیسی اخبارات کے ریڈنگ روم میں سب سے زیادہ رونق تھی۔ فرانس کے ماہوار رسالے انگریزی رسالوں سے کسی طرح پیچھے پڑے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔ ان میں بھی ایسی ہی تصویریں اور ایسے ہی مضامین ہوتے رہیں جیسے کہ انگریزی رسالوں میں ہوتے ہیں۔ فرانس کے بعض نامور رسالوں کی کل جلدوں کے مجموعے لوگوں کے استعمال کے لئے فراہم کر دیئے تھے۔ اور بعض اعلےٰ درجہ کی چھپی ہوئی تصاویر کی کتابیں اور البم بھی۔ تا کہ اگر کوئی شخص پڑھنا نہ چاہے یا پڑھنا نہ جانتا ہو مگر یہاں آ کر بیٹھ جائے تو تصویریں تو دیکھ سکے۔ فرانس کے بہت سے کُتب فروشوں نے اپنی کتابوں کی دُکانیں بھی یہاں سجا رکھی تھیں۔ جنہیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اکثر کارخانے اور مطابع علم کی ایک ایک شاخ کی طرف متوجہ ہیں۔ مثلاً ایک کارخانہ صرف تکمیل تعلیم پر کتابیں چھاپتا ہے۔ ایک صرف مدارس کی تعلیم کے لئے۔ ایک صرف ناول یا تاریخ جغرافیہ۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی اپنی شاخ کو تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی تمام کوششیں

میں چھاپ رہی تھی۔ مگر دریافت کرنے پر اسکا دام کم و بیش بیس ہزار
روپیہ معلوم ہوا۔ جرمنی کی کئی ایک اعلےٰ درجے کی ٹائپ کی مشینیں موجود
تھیں جو زمین سے چار چار۔ پانچ پانچ گز بلند کھڑی تھیں۔ کرامولیتھو چھاپنے
اور جلد بندی کی کلیں بھی کئی ایک تھیں۔ ایک ایسی مشین بھی نمایاں
کی گئی تھی۔ جو کتابوں کے فرموں کی خود بخود سلائی کرتی جاتی تھی یعنے
دفتری کا کام کرتی تھی۔ ایک شخص نے حروف کو ابھارنے اور کاغذ
پر ابھرواں (یعنے Embossed) تصویریں چھاپنے کی کل بھی مجھے
دکھلائی۔ میری اوفی اور گانزٹ وغیرہ کارخانوں کے چھاپنے اور کاغذ
توڑنے کی مشینیں گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار کاغذ کا فرمہ چھاپ کر توڑ موڑ
سکتی تھیں۔ روس۔ فرانس۔ بلجیم۔ سوئٹزرلینڈ۔ جرمنی۔ آسٹریا
انگلستان اور جاپان نے چھاپنے کے کام میں بڑا حصہ لیا تھا۔
انگلستان اور آیرلینڈ کی پبلشرس ایسوسی ایشن نے بہت عمدہ چھپی
ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ نمایش کو بھیجا تھا۔ اخبار لنڈن گرافک کا
دفتر بھی مع چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کل کے یہاں موجود تھا
انگلستان کے تمام ماہوار رسالوں۔ ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں کے
سرورق ایک جگہ چسپاں کئے ہوئے تھے جو بہت خوشنما معلوم
ہوتے تھے۔ اسی طرح روسی آسٹرین اور فرانسیسی و جرمنی اخباروں رسالوں
کے سرورقوں کے مجموعے بھی میں نے دیکھے۔ ایک جگہ انگلستان نے
تعلیم کے سامان کی نمایش میں مسٹر گلیڈسٹون کی طالب علمی کے زمانہ
کا ایک امتحان کا پرچہ بھی دکھلایا تھا۔ جاپان کے تعلیمی سیکشن میں کئی
ٹکنیکل تعلیم کی رپورٹیں جاپانی کلوں کے نمونے اور عمدہ جلد کی کتابیں
رکھی ہوئی تھیں۔ بلجیم سے زنانہ اور مردانہ تعلیم کے سامان اور اعداد و شمار
کے جدول مع تصاویر طلبا کے دکھلائے گئے تھے۔ سوئٹزرلینڈ کنڈر گارٹن

(حدیقۃ الصبیان) کے سامان کی نمائش بھی کی تھی - جن میں ہمارے یہاں کے بچوں کی سی کاغذ کی کشتی اور کاغذ کا بنا یا ہوا رات دن کا کھلونا اور معمولی لکڑی کی جھنجھری بھی اُن کے کھیلوں میں تھیں - سوئٹزرلینڈ کے مجموعہ میں آلات ڈاکٹری کے علاوہ ایک بارش کا اندازہ بتلانے کی نئی طرح کی کل تھی - اور ایک بنگی مشین موسم کی کیفیت بتدتی تھی - ہنگری کے نابیناؤں کے مدرسے کچھ چیزیں مثل پشم کے بوٹ - بید کی بوتلوں کے غلاف گھاس کے صندوق برش اور غلیچے وغیرہ کے رکھی ہوئی تھیں - جو اندھوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اندھوں کو بھی کچھ کام سکھلایا جاوے تو بالکل ناکارہ نہیں رہتے - بُوڈاپسٹ (ہنگری) کے ٹکنیکل سکول کی تیار کی ہوئی دھواہرات کے علاوہ سوئٹزرلینڈ اور جنیوا کے انڈسٹریل آرٹس سکولوں کی بنی ہوئی چیزیں بھی بہت عمدہ تھیں - آخرالذکر مدرسہ نے ایک کھانے کا کمرہ نہایت عمدہ فرنیچر سے سجا کر دکھلایا تھا - آسٹریا کے سکول آف گرافک آرٹس کے فوٹوگراور بہت پسند کئے جاتے تھے - اسلاع متحدہ امریکہ نے علاوہ کئی دلچسپ تعلیمی اشیا کے دندان سازی دلمن بیلاری کے آلات کی اعلیٰ درجہ کی نمایش کی تھی - دوسری طرف فرانس کے آرٹس سکولوں کے طلبا کے تیار کئے ہوئے سامان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب سے گوے سبقت لیجا چکے ہیں - فرانس کے مدارس نقاشی مصوری نبت تراشی اور کشیدہ کاری و تعلیم ٹکنیکس کے کام کے نمونے بکثرت نمایاں کئے گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تصویر کھینچنے نقاشی کرنے لکڑی پلاسٹر اور لوہے کے پھول پتے بنانے کپڑے پر کشیدہ کاڑھنے اور گالین بننے موٹے کپڑے پر تصویر بننے یا کاڑھنے کے کام میں انھیں بڑی مہارت ہے - سویڈن کا ایک مکمل پرائمری سکول مع جماعت دستکاری کی تعلیم امور خانہ داری اور کھانا پکانے کے برتنوں باورچی خانہ اور

کے سکول پوری کر دیتے ہیں۔ ڈرائینگ ایک ایسا مضمون معلوم ہوتا ہے
جو تمام المنٹری یا پرائمری سکنڈری اور ٹکنیکل مدارس میں سکھلایا جاتا ہے
ٹکنیکل سکولوں کے طلبا کے کام جو دکھلائے گئے تھے ان میں دخانی انجن
فٹنگ کے پرزے۔ اور لوہے اور لکڑی کا ہر قسم کا کام تھا۔ گھڑی سازی
زیورات ریمیٹیشن جیولری کے مدرسے کے بنے ہوئے نقلی جواہرات
اور زیورات۔ سناروں کے مدرسہ کے زیورات اور آرٹ کے سامان۔
لڑکیوں کے مدرسہ کی زردوزی اور لیس۔ پیرس کی پیدا شدہ کی سوسائٹی
کا پرول اور پھولوں کا کام۔ پیپر مینوفیکچر کے پروفیشنل سکول کا ڈبوں وغیرہ
کا کام۔ کپڑے کے رنگین پھول جو لیڈیوں کی ٹوپیوں وغیرہ پر استعمال
ہوتے ہیں نمایش میں ایک جگہ بنا کر دکھلائے جاتے تھے۔ انکا سارا
کام چھوٹی چھوٹی مشینوں سے ہوتا ہے۔ خاص خاص پھولوں کے رنگ
کے کپڑوں کو خاص خاص پیٹرنوں کے برابر مشینیں کاٹ دیتی ہیں۔ وہی
ابھار دیتی ہیں۔ اور گول یا ٹیڑھا بنا دیتی ہیں۔ اور پھر عورتیں انہیں سوئی
سے کہیں کہیں ٹانکے لگا کر جوڑ لیتی ہیں۔ یہ بہت تھوڑی توجہ سے سیکھا
جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے دوست کی مدد سے فرانس کے ہر قسم کے
ٹکنیکل سکولوں کے تیس چالیس پروگرام جمع کر لئے۔ جن میں فرانس کی
زراعت و باغبانی کے مدارس بھی شامل ہیں۔ سکاٹلینڈ کے دستی کام
سکھلانے کے مدرسوں میں جیسے بننا۔ برش بنانا۔ ڈرائنگ اور چیزوں
کی ڈیزائن بنانا نجاری اور ووڈ سٹ جیسی سکھلائی جاتی ہے۔ اور پرائمری
سکولوں میں چھوٹے بچوں کو (۱) قدرتی اشیا مثل پھل پھول اور پتوں وغیرہ
کی برش (موقلم) سے نقل اتارنا (۲) سہل اور سادہ چیزوں کی کاغذ کی شکلیں
کاٹنا (۳) بید گھاس یا پرال وغیرہ کی ٹوکریاں ٹوپیاں اور کرسیاں وغیرہ
بننا (۴) بڑھئی کا سہل کام۔ آلات اور سامان جو جماعت میں کام آتے ہیں

ان کے ماڈل بنانا (۵) مٹی کے بت بنانا۔ غرض امریکہ اور یورپ کے اکثر ابتدائی مدارس میں بچوں کو دستی کام کا ٹرننگ سکھلایا جاتا ہے۔ اور دستکاری کا میلان ان میں پیدا کیا جاتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم کنڈرگارٹن کا سامان بھی دکھلایا گیا تھا۔ یہ دو جرمنی زبان کے لفظوں کنڈر (طفل) اور گارٹن (باغ) سے مرکب ہے کہ جسکا عمدہ ترجمہ حدیقۃ الصبیان ہو سکتا ہے۔ اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ بذریعہ کھلونوں اور تصویروں کے کھیل اور بات چیت میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دی جائے۔ ایک برلٹزز کا طریقہ جسمانی تربیت کا بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور اندھوں اور بہروں اور گنگوں کی تعلیم کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ قریب ہی ایک شخص اپنی مجوزہ ایک عالمگیر زبان کی اشاعت کے لئے اسی کے متعلق مختلف زبانوں میں کتابیں بانٹ رہا تھا۔ جیسے کہ وولاپک بین الاقوام کاروبار چلانے کے لئے ایک سہل زبان اختراع کی گئی تھی ویسے ہی اسپرانٹو بھی اور پیرس میں اس کا موجد اور دفتر اشاعت موجود ہے ۔۔

مطابع اور متفرق تعلیم حرفت

اسی صیغہ تعمیر کے متعلق چھاپنے کے کام کا ہر پہلو دکھلایا گیا تھا۔ چونکہ اس کام سے مجھے کچھ خصوصیت ہے اسلئے اگر اسکا ذکر کسی قدر طویل ہو جائے تو معاف کیا جاؤں۔ نقاشی اور مصوری رنگوں کا چھاپنا۔ مختلف چھاپنے کے رنگ۔ تصاویر چھاپنا۔ اخبارات۔ مطابع کی کلیں۔ جلد بندی کی کلیں اور سامان مختلف ممالک کی مطبوعہ کتابیں اور رسالے دیکھے۔ ایک بہت بڑی مشین پر دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا پوسٹر کئی رنگوں میں چھپ رہا تھا۔ اور مختلف پتھروں پر سے ایک ایک رنگ چھاپا جاتا تھا۔ انگلستان کی ایک بہت پیچیدہ مشینیں آٹھ دس رنگ کا پوسٹر ایک آن واحد

ایک حلقہ میں محدود ہوتی ہیں۔ بعض مطابع نے اپنی چھپی ہوئی رنگین تصویریں اور لیبل ہی دکھلائے تھے۔ جن سے رنگ کا ہر ایک شیڈ نظر آتا تھا۔ یہ تصویریں فوٹو گرافی۔ فوٹو زنگو گرافی۔ فوٹو کراموگرافی۔ ٹائپو گروفو اور لیتھو کروموگرافی اور دیگر تمام ترکیبوں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اور یہیں چھاپنے کے رنگوں سیاہیوں اور روپہلی سنہری وغیرہ انواع و اقسام کے برادوں کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے۔

اس نمایش گاہ میں کس قدر چیزیں ہر قسم کی جمع کی گئی تھیں ان کا اندازہ جرمنی کے کاریگروں کی خوردبینوں۔ دوربینوں۔ عینکوں اور دیگر آلات معاون نظر کے مجموعہ سے ہو سکتا تھا کہ جن کی فہرست کی ضخامت چار پانچ سو صفحہ سے کم نہ ہوگی۔

فن زراعت کے مدرسہ کے متعلق فرانس نے تمام کھیت کے جانوروں کی اناٹومی و تشریح مومی بتوں کے ذریعے دکھلائی تھی۔ جس میں عجیب الخلقت بچے۔ مریض اعضا اور مریض جانوروں کی حالت سب کچھ تفصیل کے ساتھ نمایاں کیا گیا تھا۔ باوجودیکہ میں بڑے التزام سے ہر چیز دیکھتا تھا مگر مکان اتنے وسیع تھے اور اشیا کی یہ کثرت تھی کہ سینکڑوں چیزیں بلا دیکھے رہ جاتی تھیں۔

اسی حصہ میں ٹائپ اسٹر بھی طرح طرح کے تھے جنہیں چلا کر دکھلایا جاتا تھا

انواع و اقسام کی گاڑیاں

سول انجینیرنگ اور باربرداری کے سامانوں کے سیکشن میں ریلگاڑیوں کے سوائے باقی ہر قسم کی سڑک پر چلنے والی گاڑیاں رکھی گئی تھیں۔ لیکن یہاں موٹر کار یا آٹوموبیل گاڑیوں کا بڑا زور تھا۔ آٹوموبیل وہ گاڑی ہے۔ جو تین اور چار پہیہ ہوتی ہے جو بلا مدد کسی گھوڑے ٹٹو یا انسانی طاقت کے دخانی یا برقی طاقت سے چلے۔ اس کا آجکل پیرس میں بے حد رواج تھا۔ ہر چند کہ یوروپ کے ہر شہر میں ایسی گاڑیاں کم و بیش موجود تھیں مگر

پیرس میں تو ان کا شمار ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اس وقت ان گاڑیوں کے بنانے میں پیرس تمام دنیا میں سربرآوردہ ہے۔ اور امریکہ اور جرمنی میں بھی یہیں سے زیادہ تر خریدی جاتی ہیں۔ شاید پیرس کے پچاس سائز کارخانوں نے تو نمایش کی ہوگی۔ ابھی اس گاڑی کے بہت ہردلعزیز ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ سستی سے سستی قیمت دو آدمیوں کے بٹھانے کے لایق آٹوموبیل کی اس وقت ڈیڑھ ہزار روپیہ کے قریب مجھے بتلائی گئی تھی۔ بڑی طاقت والی گاڑی کے بار بار بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے کلاس سے چلنے والی پسند کی جاتی تھی۔ پیرس میں نمایش گاہ کے لڑن میں یہ کرایہ پر بھی چلتی تھیں۔ البتہ دوسری گاڑیوں سے ان کا کرایہ کسی قدر زیادہ ہوتا تھا۔ یہ عجیب چیز کہ چپ چاپ مگر بڑی تیزی سے بازاروں میں دوڑ رہی ہے۔ اور بائسکلوں کی جگہ لیتی جاتی ہے۔ اس صیغہ میں بائسکل بھی انواع و اقسام کے تھے۔ چو پہیہ گاڑیوں چھکڑوں توپوں کی گاڑیوں۔ باربرداری کی گاڑیوں۔ بچوں کی گاڑیوں۔ ٹریم گاڑیوں۔ کشتیوں۔ غرض ہر قسم کی گاڑیوں اور گاڑی کے متعلق فرانسیسی سامان کی نمایش مکمل تھی۔ ایک جگہ دو سو سال کی پرانی گاڑی اور کوچبانوں کا لباس دکھلایا گیا تھا۔ پالکی کا بھی اس وقت رواج ہوتا ہوگا۔ ایک پالکی ایران کے تخت رواں کی طرح دونوں طرف خچروں پر لدی ہوئی چلتی تھی۔ اور ایک بادشاہ لوئس پانزدہم کی گاڑی تھی سنہ ۱۸۱۸ء کا ایک بائسکل دکھلایا گیا تھا جو نہایت بھدا تھا۔ اور پیدل کے چلنے سے اسپر سوار ہونے میں ذرا ہی فرق ہوگا۔ گاڑیوں کا مکلف اور معمولی ساز بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور برف پر چلنے والی بلا پہیوں کی دو ایک گاڑیاں بھی تھیں۔ اسکے قریب ہر قسم کا ساز زینیں۔ لگامیں اور قمچیاں دکھلائی گئی تھیں

سڑکیں اور پل

اسکے بعد ایک صیغہ میں سڑکوں۔ نہروں پلوں اور عمارت کی تعمیر کے متعلق کلیں اور مسالے تھے جو زیادہ تر پیشہ ور انجینیروں اور معماروں

کے کام کے تھے ۔ سیمنٹ ۔ چونہ ۔ پلاسٹر وغیرہ مصالحے بھی تھے ۔ جن پتھروں سے مختلف قسم کا سیمنٹ بنایا جاتا ہے وہ بھی دکھلائے گئے تھے مصالح پیسنے ۔ مختلف مصالحوں کی طاقت معلوم کرنے اور اوزار ان پیشوں کے متعلقہ اوزار اور لیپ جمع کئے گئے تھے ۔ بڑے بڑے پلوں پشتوں اور مدکشا پلوں وغیرہ کے نقشے اور نمونے بھی موجود تھے

غبارہ بازی غبارہ بازی کا سامان بھی جمع کیا گیا تھا ۔ اس میں ایک موجد کی اُڑنے کی کل بہت دلچسپ تھی جو ایک بہت بڑے چمگادڑ کے اصول پر بنائی گئی ہے ۔ اور اسکی پسلیاں اور جوڑ ایسے لچکدار ہیں کہ ایک موٹر جو اسکے اوپر لگا ہوا ہے وہ سہولیت سے انہیں کھولتا اور بند کرتا رہتا ہے ۔ اور اس طرح یہ بڑی بڑی چادریں ہوا کے اوپر پھیلتی ہوئی بلند ہوتی جاتی ہیں ۔ اس موٹر کو ایک شخص چلاتا ہے جو چمگادڑ کے جسم کی جگہ ایک پنجرے میں بیٹھا رہتا ہے سنہ ۱۹۰۰ء میں اسکے تجربات میں کئی حادثات واقع ہوئے اسلئے بالفعل اس کے تجربات روک دیے گئے ہیں ۔ اور کئی قسم کے غباروں میں بیٹھ کر فوٹوگراف لئے ہوئے جمع کئے گئے ہیں چونکہ پہلے پہل غبارہ سنہ ۱۷۸۳ء میں دو فرانسیسی بھائیوں نے ایجاد کیا تھا اسلئے اس وقت سے آجتک اُس کی ترقی کی تاریخ کا متفرق سامان بھی فراہم کیا گیا تھا ۔

اسی صیغہ کی ایک شق میں ریلوں اور ٹریموے گاڑیوں کی نمائش ایک دوسرے مقام ونسینیز میں کی گئی تھی ۔ کیونکہ ایسی بڑی چیزوں کی نمائشگاہ میں کافی گنجائش نہ تھی اور یہاں چند چیزیں دکھلائی گئی تھیں ۔ ایم ہاؤڈری کا ایک ریل کا برقی انجن تھا جس نے سنہ ۱۸۹۶ء و سنہ ۱۸۹۹ء کے تجربات میں (۱۴۰) کیلومیٹر (ایک کیلومیٹر ۵/۸ میل) فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر لی تھی اور پھر ایک سو ٹن کا وزن رکھ کر سو کیلومیٹر بسہولیت جا سکتا تھا ۔ بعض

ذریعہ سے کپنیوں کی بنی گاڑیاں دکھلائی گئی تھیں۔

سٹیشنری علوم وفنون متعلقہ سٹیشنری کے صیغہ میں علاوہ اجزاء و آلات سٹیشنری کے کاغذ چمڑا دیاسلائی و تمباکو وغیرہ کے سامان دکھلائے گئے تھے۔ ایم ڈاربلے کی کاغذ بنانے کی عجیب مشین قابل دید تھی کہ جس میں ایک طرف کاغذ سازی کا خام مصالحہ ڈالدیا جاتا تھا اور دوسری طرف کاغذ بنا ہوا نکلتا آتا تھا۔ گلاس کیسوں میں انواع واقسام کے کاغذ تھے جن میں فوٹوگرافی کے کاغذات سے لیکر بینک نوٹ کے کاغذ تک موجود تھے۔ اور قریب ہی ایک کاغذ کا مجموعہ ایسا تھا کہ جس میں ابتدائے زمانہ کے کاغذ کے نمونوں سے لے کر اب تک جمع کئے گئے تھے۔ ایک جگہ فارمیسی یعنی دواسازی کی بھی نمائش تھی۔ جہاں ہر رنگ کی گولیوں اور ہر قسم کے پوڈروں کو جمع کیا گیا تھا۔ دوائیاں کوٹنے کے آلات سے لیکر گولیاں خوبصورت برتنوں میں بند کرنے تک سب سامان اور آلات دکھلائے گئے تھے۔ ایک دانتوں کے منجن والا کارخانہ بے محابا منجن کے ٹین کے بکس مفت تقسیم کر رہا تھا۔ جاپانی باریک رومال کے کاغذ کے بیسیوں قسم کے سادہ اور رنگین چھپے ہوئے نمونے رکھے ہوئے تھے۔

دیاسلائی و سگرٹ دیاسلائی اور سگرٹ کا جو تعلق کاغذ اور سٹیشنری سے ہے وہ ظاہر ہے۔ اسلئے ان دونوں چیزوں کو بھی یہیں رکھا گیا تھا۔ دیاسلائی کی تیلیوں کو بنتے دیکھنا تو بڑا دلچسپ نظارہ ہے۔ لیکن تمباکو کی تاریخ بھی کچھ کم دلچسپ بنا کر نہیں دکھلائی گئی تھی۔ اس کی زندگی کی ہر منزل بونے کے دن سے لیکر سگار و سگرٹ بنانے پائپ میں ڈالنے اور ناس بنانے تک بذریعہ نمونوں کے مشاہدہ میں لائی گئی تھی۔ ایفل ٹاور کے قریب بھی ایک علیحدہ مکان میں دیاسلائی اور سگرٹ بنانے

کی مشینیں نصب تھیں۔ دیاسلائی کی مشین میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے رکھ دیتے تھے۔ اسپر ایک سوراخدار تختی میں خودبخود ایک ایک تیلی ہر سوراخ میں داخل ہوجاتی۔ اور یہ تختی ان تیلیوں سمیت ایک طرف کو گھومتی جہاں سب تیلیوں کے دونوں سروں پر ایک جگہ سے مصالحہ لگ جاتا جو گھول کر تیار رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دور گھوم کر جانے میں خشک ہوجاتا ہے۔ اسپر یہ تیلیاں بیچ میں سے کٹ کر دو دو ہوکر ایک گہری جگہ میں گرجاتیں۔ صرف ایک بوڑھیا عورت اس مشین میں کٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے کھول کر رکھتی جاتی تھی۔ باقی سب کام آخر تک مشین کرلیتی تھی۔ سگرٹ بنانے کی مشین اس سے کم دلچسپ نہ تھی۔ ایک طرف باریک کاغذ کا گولا لگا ہوا تھا۔ اور ایک طرف کٹا ہوا تمباکو۔ اس کی بٹی ہوئی رسی پر باریک کاغذ لپیٹتا جاتا۔ اور خودبخود مناسب مقدار کے سگرٹ کٹ کر نیچے گرتے جاتے۔ گو سگرٹ مصر میں بہت بنتے ہیں۔ اور وہاں کے بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں یہ سب کام لپیٹنے کا میں نے دو تین فیکٹریوں میں ہاتھ سے کیا جاتا دیکھا ہے۔ اسی طرح سگرٹوں کی ڈبیاں خودبخود مشین سے بنجاتیں اور جب سگرٹ ہاتھ سے ان میں ڈالے جاتے تو پھر لیبل ان پر مشین سے چسپاں ہوتے۔

ایک حصہ میں لیبوریٹری میں کام کرنے کے تمام آلات جمع کئے گئے ہیں جیسے کہ بیکر۔ بوتلیں۔ مرتبان۔ سپرٹ لیمپ۔ ریٹارٹ۔ پھکنی۔ فلٹر۔ بھٹی۔ خوشبوئیں۔ دافع بدبو دوائیں۔ وارنش۔ انڈیا ربڑ۔ گٹاپرچا۔ مختلف قسم کی دھاتیں۔ ریڈ اکسائڈ آف لیڈ۔ کروم ییلو۔ کروم اور بیج اور جڑوں کی بعض قسمیں بڑے سلیقہ سے رکھی گئی تھیں۔ یہاں علم کیمسٹری کی منزل بمنزل ترقی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور پرانے اور بیکار آلات گزشتہ اور کارآمد آلات کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھ کر دکھلایا

کیا تیزاب مختلف قسم کے نمک اور شورہ گندھک اور فاسفورس کے مختلف اشکال کے اور کیمیائی عرقیات۔ موم۔ موم بتی۔ صابن۔ گلیسرین کول تار وغیرہ بھی سجا کر رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کے پاس وہ خام مصالحہ کہ جن سے یہ چیزیں تیار ہوتی ہیں نظر آتے تھے۔ مختلف رنگ۔ سریش جیلاٹین۔ وارنش۔ بوٹ کی سیاہی اور چھاپنے کی سیاہی وغیرہ چیزیں بھی مختلف ممالک نے اسی ضمن میں دکھلائی تھیں۔ یہاں کئی پرانے آلات کیمسٹری ایسے بھی تھے جنہیں اپنے وقتوں میں بڑے بڑے استادان کیمسٹری نے استعمال کیا تھا۔ مثلاً لیوازیر نے جس آلہ سے پانی میں آکسیجن دریافت کیا تھا وہ بھی موجود تھا۔ اور پاسٹیور نے جس خوردبین کی مدد سے پہلے پہل بیکٹیریا یا جراثیم معلوم کئے تھے کہ جنہوں نے دنیا کی مشہور امراض میں حیرت انگیز تغیر پیدا کیا ہے وہ بھی یہیں رکھی ہوئی تھی۔

چمڑہ کھال اور چمڑے کی حرفت کی بہت سی قسمیں دکھلائی گئی تھیں کہ جنکے ذریعہ سے چمڑے کی دباغت مکمل ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق زمانہ قدیم و جدید کی جوتیوں اور بوٹوں کے بھی بہت سے نمونے جمع کئے گئے تھے۔ اسی ضمن میں انگلستان نے رنگ اور وارنش وغیرہ دکھلائے تھے۔ روس نے کاغذ اور کاغذ بنانے کی لکڑی اور جرمنی اٹلی آسٹریا سویڈن وغیرہ نے بھی مختلف اشیا اسی مادہ کے متعلق دکھلائی تھیں۔

قصر آب قصر برق کہ جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے اسکے سامنے قصر آب ایک خوبصورت عمارت تھی۔ ۸۰ فیٹ چوڑی جگہ سے ۳۹ فیٹ کی بلندی کی آبشاروں سے چھ نالیوں سے پانی گرتا تھا۔ اور آبشاروں اور نیچے کے فواروں کی بہار قابل دید ہوتی تھی۔ رات کو قصر برق کے ہزارہا برقی لیمپ ان فواروں پر قوس قزح کے رنگ ڈالتے

تھے۔ اس پانی کے زور سے نمائش گاہ کی کئی مشینیں چلتی تھیں۔ اس عظیم الشان آبی تماشا کا نظارہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔

حصہ شانڈمارس کی صنعت وحرفت اور تعلیم کا صیغہ تو یہاں ختم ہوتا ہے۔ اب اس حصہ کی کچھ دل بہلاؤ اور تماشے کے لائق عمارات باقی ہیں جن میں سے ضروری ضروری عمارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دنیا میں بلند ترین مینار

مشہور ایفل ٹاور شانڈمارس کے داخلہ پر آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ دنیا میں انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کوئی مینار اتنا بلند نہیں۔ اس کی (۹۸۵) فیٹ کی بلندی کے مقابلہ میں مصر کا سب سے بڑا مخروطی مینار (۵۰۱) فیٹ بہت پست معلوم ہوتا ہے۔ ایفل ٹاور تمام لوہے کا بنا ہوا ہے کہ جو انسان کے لوہے کے فن میں کمال حاصل کرنے کا ایک عمدہ نمونہ ہے دراصل یہ آہنی مینار ۱۸۸۹ء کی نمائش گاہ پیرس کے لئے کارخانہ ایفل کے دانشمند انجینئر مسٹر روکیر کے دماغ نے تجویز کیا تھا۔ جنوری ۱۸۸۷ء سے لیکر مارچ ۱۸۸۹ء تک اسکی تعمیر ختم ہوئی جس میں (۷۳۰۰۰۰۰) تہتر لاکھ کیلوگرام لوہا صرف ہوا۔ اور اڑھائی کروڑ میخوں کے ذریعہ سے اسے جوڑا گیا تھا۔ جب سے یہ تعمیر ہوا ہے اسے ایک دفعہ دوبارہ رنگا گیا ہے جس پر ساٹھ ہزار پینٹ رنگ ایک لاکھ فرانک کا خرچ ہوا ہے۔ نمائش کی راتوں میں سات ہزار برقی لیمپوں سے کہ جن میں سے ہر ایک میں دس بتیوں کی روشنی ہوتی تھی اسے روشن کیا جاتا تھا۔ اور اسکی چوٹی پہ گیارہ بارہ بجے شب تک برقی روشنی چاروں طرف گھوما کرتی تھی اور کئی کئی میل تک عکس ڈالتی تھی کہ جسکا نظارہ بڑا عجیب ہوتا تھا۔ ۹۰۰ فیٹ کی بلندی سے

ایفل ٹاور واقعہ پیرس ۹۸۵ فیٹ۔ واشنگٹن امریکا کی ایک پتھر کی لاٹ ۵۵۵ فیٹ۔ عظیم مخروطی مینار مصر ۵۰۲ فیٹ۔ کولون (جرمنی) کا گرجا ۵۱۰ فیٹ۔ پیٹر برگ کا گرجا ۴۴۸ فیٹ۔ گریٹ پیٹر (واقعہ روم) ۴۳۵ فیٹ۔ سینٹ پال گرجا لنڈن ۴۰۴ فیٹ۔ سالسبری کتھڈرل انگلستان ۴۰۰ فیٹ

ایفل ٹاور کی عظمت کیا ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ کوئی شخص اس عظیم الشان آہنی برج کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ یا اسکی چوٹی تک چڑھ جائے۔ ہرچند کہ اسکے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں کہ جنکے ذریعہ سے اسکی چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسکے چاروں پہلوؤں میں اوپر جانے کے لئے لفٹ بھی لگے ہوئے ہیں۔ اسلئے لوگ لفٹوں کے ذریعے چڑھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ لفٹ کے ذریعے چڑھو یا سیڑھیوں کی راہ سے۔ مینار والے کرایہ یکساں لیتے ہیں۔ یہ لفٹ خاصے معمولی کمرے کے برابر ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں ایک سو آدمی آرام بیٹھ سکتا ہے۔ پہلی منزل پر جانیکا کرایہ دو فرانک۔ دوسری تک اور دو فرانک۔ اور تیسرے تک اور دو فرانک اور وہاں سے چوٹی تک۔ ایک فرانک۔ مگر ایک ہی دفعہ سب بندی کے لئے پانچ فرانک کرایہ مقرر تھا۔ ہزارہا لوگ ہر وقت لفٹوں کے ذریعے سے چڑھتے اترتے رہتے تھے۔ لفٹ میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور دم زدن میں اوپر کی منزل پر جا پہنچے۔ پہلی منزل پر جگہ بڑی کشادہ ہے۔ مینار کی چاروں طرف ایک چھوٹی سی ہر طرف ۲۰ گز سڑک سمنٹ یا اسفالٹ کی بنی ہوئی ہے۔ کئی قسم کے "پینی ان دی سلاٹ" مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں آنہ یا دو آنہ کے برابر ایک سکہ ڈالنے سے کوئی نہ کوئی چیز خود بخود باہر نکل پڑتی ہے۔ یا مشین تھوڑا سا باجا سنا دیتی ہے۔ یا اس میں سے کچھ خوشنما نظارے سامنے آجاتے ہیں۔ یہاں ایک کھانا کھانے کا رسٹارنٹ بھی ہے۔ دوسری منزل پر جگہ تنگ ہو جاتی ہے۔ مگر رسٹارنٹ یہاں بھی ہے۔ جو جی میں آئے کھا پی سکتے ہو۔ ان دونوں منزلوں پر کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں اور یادگاریں بیچنے کی دوکانیں بھی ہیں۔ پوسٹ کارڈوں پر ایفل ٹاور کی تصویر چھپی ہوئی یا رومالوں پر ایفل ٹاور چھپا ہوا اور کاڑھا ہوا۔ یا شیشہ کے گلاسوں اور چمچوں پر ٹاور نقل کیا ہوا

یا اس کی چھوٹی سی چیل کی نقل لوگ اس پر چڑھنے کی یادگار میں خرید لیتے تھے
ہر چند کہ پہلی اور دوسری منزلوں سے بھی شہر پیرس اور نمائش گاہ کا نظارہ بڑا
عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شہر کی سطح کی بلندی اور پستی ٹھیک معلوم ہوتی تھی۔
پیرس کی جانب جنوب پہاڑی اور بلند زمین نظر آتی تھی۔ لیکن تیسری منزل سے
تو نیچے دیکھنے سے طبیعت گھبراتی تھی۔ دریائے سین پاؤں کے نیچے ایک
چھوٹی سی پانی کی نالی نظر آتی تھی۔ ایسا اچھا برڈ آئی ویو کسی دوسرے شہر کا
تو غبارہ میں بیٹھ کر ہی دیکھا جا سکتا ہوگا۔ پیرس کی ان عالی شان عمارات مثل
نوٹرڈام۔ لوور۔ سینٹ جرمین ڈ اپرے۔ سینٹ سلپیس اور پینتھین جیسی
عالی شان عمارات کے کہ جن کی شہرت عالمگیر ہے گنبد مینار اور کلس نیلگوں
آسمان پر کیسے صاف نقش کئے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہاں جا بجا دوربینیں
بھی تماشائیوں کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ جب میں تیسری منزل پر گیا تو آندھی
زور سے چل رہی تھی۔ اور مجھے گمان ہوتا تھا کہ اگر یہ ایفل ٹاور کو نہیں گرا سکے گی
تو میں پھوس کی طرح یہاں سے اُڑ کر نیچے جا پڑوں گا۔ اسلئے مجھے چوٹی تک
جانے کی ہمت نہ پڑی اور میں نیچے اُتر آیا۔ کوئی اور شخص بھی اسوقت اوپر نہ
جاتا تھا کیونکہ شام کا وقت تھا۔ جس طرح کسی انسان کے چہرہ پر ناک ہوتی ہے
ایسے ہی نمائش گاہ پیرس کے میدان میں ایفل ٹاور تھا

مناظر دریا کے شعبدے

ایک مکان بنام اوپٹیکل پریشن (Oalarode optiques
مناظر دریا کے سامان سے پُر تھا۔ یہ عالی شان مکان جو ایفل ٹاور کے متصل تھا
اسکے دروازہ کے گرد علم قصص الاصنام کے بُت اور منطقۃ البروج کی شکلیں
بنی ہوئی تھیں۔ اسکا گنبد بھی جو زمین سے ۳۲ میٹر بلند تھا ایک طاقتور برقی
روشنی سے مسلح تھا۔ ڈیڑھ فرانک اسکا داخلہ مقرر تھا۔ وہ عظیم الشان

دنیا کی سب سے بڑی دوربین۔

ساٹھ میٹر (۱۹۵ فیٹ) لمبی اور ۴۵ ٹن بھاری دوربین
کہ جس سے بڑی دوربین کبھی نہیں بنی۔ اسی مکان میں

رکھی ہوئی تھی۔ اسکے شیشے ایسے طاقتور تھے کہ ان کے ذریعہ سے چاند صرف چند میل دور نظر آتا تھا۔ اسکے ایک طرف ایک نئی مشین لوکاسٹ کی شیڈ بنا کر رکھی ہوئی تھی کہ جسکے ذریعہ سے ہر وقت ایک ستارہ نظر میں رہ سکتا ہے۔ اور یہ اُسے نظر سے غائب نہیں ہونے دیتی ہر چند کہ بڑی دوربین اپنی پوزیشن نہیں بدل سکتی۔ اسکا وزن ۲۰ ٹن ہے۔ اور اسکے شیشے ایک میٹر ۲۰ سنٹی میٹر قطر کے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب تماشائیوں کی ایک پارٹی اس مکان میں جمع ہو جاتی تو ایک ہیئت دان پروفیسر فرانسیسی زبان میں اس دوربین کے مقصد پر لکچر دیتا۔ پھر سب لوگ ایک تھیٹر کی گیلری میں جا کر بیٹھ جاتے جہاں غالباً لائم لائٹ کے ذریعہ سے چاند اور دیگر سیاروں کی وہ صورت سامنے کی دیوار پر منعکس کی جاتی کہ جو اس عظیم دوربین میں سے نظر آ سکتی تھی۔ یعنی چاند کے فوٹوگراف بڑے کر کے دیوار پر ڈالے جاتے جس سے صاف طور پر چاند کے مختلف حصوں کی سطح کے فراز و نشیب نظر آتے تھے۔ چاند کی سطح بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ ہمنے ٹرپٹو (برلن) کی بڑی دوربین سے دیکھی تھی۔ لیکن یہ ویسی روشن نہ تھی جیسی کہ اصلی چاند کے مشاہدہ سے معلوم ہوتی تھی۔ نیز یہ ٹرپٹو کی دوربین سے تگنی سے بھی لمبی دوربین ہوگی۔ اسکے علاوہ ساٹھ اور قابل دید نظارے اور چیزیں اس عمارت میں تھیں۔ ایک نیچے کے کمرے میں تین بہت بڑے محدب شیشے دکھلائے گئے جن میں سے ایک کا قطر ڈھائی گز سے کم نہ ہوگا۔ ان کا وزن پانچ پانچ ٹن (۱۴۰ من) سے زیادہ بتلایا گیا تھا جس سے ان کی جسامت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی کمرہ میں امریکہ کے ایک ہر دلعزیز ایکٹرس و تماشاگاہ میں ناچنے والی عورت، کا خالص سونے کا ٹھوس بت کھڑا تھا۔

خالص سونے کا ٹھوس قد آدم کا بت

ایک ایکٹرس کا خالص سونے کا ٹھوس قد آدم بت اسکی تعریف کرنے والوں نے امریکہ کی ایک سونے کی کان والے شہر سے بھیجا

تھا۔ آج کل کی تہذیب کے بھی عجیب و غریب کرشمے ہیں۔ ایک جگہ سمندر
کی تہ کے جانور اور سمندر کے جنگل اور سپاٹ شیشوں کے پیچھے دکھلائے گئے تھے
ایک جگہ زمانہ قدیم کے جانور عظیم الجثہ مثل سلامتہ۔ ڈوڈو ہاتھی اور مچھلیوں
کے دکھلائے گئے تھے جو اب دُنیا سے معدوم ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا
تھا کہ معتووں کی شکلیں کاٹ کر اُن کے پیچھے مدہم روشنی رکھدی ہے۔ اور
شیشوں کی اوٹ سے یہ کیسے مہیب معلوم ہوتے تھے۔ ایک جگہ شیشے
کی دیواروں سے بھول بھلیاں بنادی گئی تھی جسکے اندر داخل ہونے سے
ہر طرف اپنی شکل نظر آتی تھی۔ اور بار بار شیشوں سے ماتھے ٹکراتے تھے اور
لیڈیاں اور جنٹلمین ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ بعض برقی اور شیشے کے
شعبدات ایسے تھے کہ دیکھنے والوں کو کبھی فراموش نہ ہونگے۔ ایک کمرے
میں تماشائیوں کی جماعت کو داخل کر کے وہاں تاریکی کردی گئی۔ ایک لکڑی
ایک میخ سے میز پر جڑی ہوئی تھی۔ برقی طاقت سے یہ میخ کے گرد ایسے زور
سے گھومتی اور چلتی تھی کہ رعدی گرج معلوم ہوتی تھی۔ ایک کمرہ میں ہیضہ اور
طاعون کے لیسے ایک میگنی فائینگ (بڑا دکھلانے والے) شیشے کے
پیچھے دیوار پر منعکس کر کے دکھلائے گئے۔ ایک جگہ قد آدم اور مقعر
شیشے ایسے لگے تھے کہ اُن کے سامنے جانے سے دیکھنے والوں کی
صورتیں کیسی کیسی مسخ ہو جاتی تھیں۔ کہیں بہت دیوزاد لمبے اور کہیں بالشتیوں
کی طرح پست قامت ہو جاتے۔ ایک میم بہت موٹی اور پست قد تھی۔ اور
پست قامت بنانے والے شیشے کے سامنے جا کر جو اسکی گت بنی تھی وہ
اس پر خود ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ ایک اور کمرے میں پہلے تاریکی کر کے ایک
سیاہ کپڑے پر برقی فوٹو گراف کا عمل اس طرح دکھلایا گیا کہ جو لفظ حاضرین میں
سے کوئی بولتا وہ ایک عورت ایک شیشے پر لکھ دیتی اور وہ خط شعلے میں
کمرہ کی دیوار پر جو سیاہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی روشن ہو جاتا۔ ایک

اور کمرہ میں دو شیشہ کی پون پون گز کی لمبی اور معمولی لاٹھی کے برابر موٹی نالیوں کو صرف برقی بیٹری سے چھو دینے سے ایسا روشن کیا گیا کہ ان میں سے آگ کی لپٹیں نکلتیں۔ مگر ہاتھ لگانے سے نالیاں سرد معلوم ہوتیں۔ ایک کمرہ میں چند شیشہ کی صراحیوں میں ایک ایسا مرکب دیکھا جو ہلانے سے بالکل روشن ہو جاتا تھا۔ اور کسی کمرہ میں مدھم سی روشنی کر لینے کے لئے اس صراحی کا رکھ دینا کافی تھا۔ اسی اصول پر بنے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے شیشہ کے لیمپ دیکھے جو صرف شیشہ کی ٹکیاں تھیں اور ان میں یہ مرکب پڑا ہوا تھا۔ روغن زیتون میں اگر فاسفورس کو حل کر لیں اور اسے شیشی میں ڈال کر تاریک کمرہ میں رکھیں تو وہاں ایسی ہی روشنی ہو سکتی ہے۔ اور غالباً ان شیشوں میں بھی مرکب فاسفورس تھا۔ ایک اور کمرہ میں ایک شخص باجا بجاتا تھا تو ساتھ ہی کمرہ کے چاروں طرف بعض برقی لیمپ خود بخود جلتے اور بعض بجھتے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چابی کا کسی نہ کسی برقی لیمپ سے تعلق تھا۔ غرض عالم سائنز و مرایا کے بہت سے عجیب و غریب شعبدات یہاں دکھلائے جاتے تھے۔

سر نیچے ٹانگیں اوپر

اور ایک مکان کا نام ہاؤ آرزوا آفوز یعنے الٹ پلٹ کا مکان تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اسکے اندر داخل ہو کر ہر چیز الٹی نظر آتی تھی۔ میں خود بھی جو اندر پہنچنے کے اپنی ٹانگیں چھت سے لگی ہوئی اور سر فرش پر دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اندر جتنی لیڈیاں اور جنٹلمین تھے سب کی یہی گت نظر آتی تھی۔ میزیں چھت سے لگی ہوئی تھیں اور جھاڑ فانوس زمین سے لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر سر کٹے کے اور اور کئی قسم کے تماشے تھے۔ اور کھانے پینے کا سامان بھی بکتا تھا۔ کھانے پینے سے ان لوگوں کی کوئی جگہ خالی نہیں ہو سکتی۔ ایک فوارہ ایسی طرح چلتا ہوا نظر آیا جسکا پانی چھت سے نیچے آ کر پھر چھت پہ جا گرتا۔ یہ سب

کام تھا بڑی کاریگری سے کیا ہوا۔ مگر تمام دیواریں اور چھت شیشے کے بنے ہوئے تھے جس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ تیسری منزل پر ایک شیشہ کا محل ایسا بنا ہوا تھا کہ جو اس میں داخل ہو فوراً اسکے سینکڑوں سر اور سینکڑوں ٹانگیں اور بازو نظر آنے لگیں۔

سیر گرد زمین

ٹور راؤنڈ دی ورلڈ (سفر گرد زمین) ایک اور دلچسپ تماشا تھا۔ اس عمارت کی بیرونی شکل چینی جاپانی کمبودیا اور ہندوؤں کی طرز تعمیر سے مرکب تھی۔ باہر سے ایک بلند چینی مینار معلوم ہوتا تھا۔ اور اندر داخل ہوتے ہی بودھ کے کئی بتوں سے آراستہ نظر آتا تھا پینوراما دروازہ ٹوکیو کے ایک مندر کے دروازے کی نقل تھی۔ اسی کے قریب ایک چینی مینار باغ نیکو کے مینار کی نقل بنایا گیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک داخلہ نصف فرانک کا پینوراما کا گائیڈ اور ۱۰ سینٹ چھاتا رکھنے کو دئے۔ اندر داخل ہو کر دیکھا تو پینوراما کو واقعی دلچسپ پایا۔ اس سے بڑھ کر مصوری کا کمال کیا ہو سکتا ہے۔ ویانا میں قیصر فرانسس جوزف کے حالات زندگی کا جو پینوراما دیکھا تھا اسکے سامنے وہ ہیچ ہے۔ اس میں یونان شام پورٹ سعید۔ سیلون۔ سیام۔ چین۔ جاپان اور ہسپانیہ کے سین دکھلائے گئے تھے۔ اور ہر ملک کے نظارہ میں جیسی کہ توقع کی جاسکتی تھی وہاں کی عمارات وہاں کے درخت بلکہ وہاں کے آسمان کی مختلف شکلیں بلکہ مختلف موسم تصویر کی خوبی اور صفائی کا اثر پیدا کر کے دکھا دیئے گئے تھے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر ملک کے سین میں وہیں کی عورتیں اور مرد لا کر سامنے بٹھلائے گئے تھے۔ دو جاپانی عورتیں بید کے گلابی رنگ کے آسمان کے نیچے پر شگوفہ سیب کے پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی اپنا قومی شربت ساکی پینے میں مصروف تھیں۔ چین کے شہر شانگھی کے خوشنما فصیل دار باغات اور چینی میناروں کے قریب چینی مرد

اور عورتیں کسی تری کھیل میں مصروف تھیں۔ عورتوں کے پاؤں بھدے ہوئے گیندوں کی طرح گول اور مردوں کے ناخن درندہ جانوروں کے ناخنوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ نہر سویز کے ریگستانی نظارہ کے قریب پورٹ سعید کا مصری کمہار مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ اور اسکی بیوی انہیں دیکھ بھال رہی تھی۔ شام کے یہودی زیور بنانے میں مصروف تھے۔ قسطنطنیہ میں آبنائے باسفورس کا خوبصورت نظارہ دکھلایا تھا جسکے دونوں طرف کے مساجد کے مینار نیلگون آسمان کے مقابل نہایت دلکش معلوم ہوتے تھے اور ایک طرف ترکوں کا بڑا قبرستان دکھلایا تھا جسکے بید مجنوں کے درخت اور قبروں کے مرمر کے کتبے بآسانی شناخت ہو سکتے تھے۔ ان اصلی اور جاندار نظاروں کو تصویر کے پردہ سے ایسی عمدگی سے ملحق کیا گیا تھا کہ تماشائیوں کے لئے باوجود جستجو کے یہ دریافت کرنا مشکل تھا کہ کہاں تصویر شروع ہوتی ہے اور کہاں مادی حصہ ختم ہوتا ہے۔ نمایش کئے زندہ نمونوں میں دو ہسپانی عورتیں اور دو مرد بھی دکھلائے گئے تھے۔ جو ویسے ہی سرخ و سپید تھے جیسے فرانسیسی ہوتے ہیں۔ اور ان کی سرحد بھی فرانسیسوں سے ملتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ سیر و سیاحت کے بہت کم شائق ہیں ان کے نمونے بھی یورپ میں کم لوگوں نے دیکھے ہونگے۔ یہی ان کی خانہ نشینی اب اس قوم کی نکبت کا موجب ثابت ہو رہی ہے۔

ہندوستانی عجان ستی

سیلون کے نظارہ میں دو بمبئی کے مسلمان عجان ستی مع ایک چھوٹی سی لڑکی کے بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے سیلون والوں کی سی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ چار ماہ سے جب سے یہاں بیٹھے ہیں تم پہلے ہندوستانی یہاں آئے ہو جس سے اپنی بولی میں بات کرکے خوش ہوئے ہیں۔ ورنہ ایک طرف چینی اور دوسری طرف مصری ہمسایہ ہیں جن کی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اور جو لوگ ہمیں دیکھنے آتے

اس کی نچلی منزل میں کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے کے سامان کے نمونے مثل رسوں۔ سیڑھیوں اور نوکدار لاٹھیوں کے موجود تھے۔ برفباری کی صورتوں میں جن مکانات میں مسافر پناہ لیتے ہیں ان کے ماڈل۔ اور کوہ الپس کی بوٹیوں اور پتھروں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔ اور اس ملک کے باشندوں کی خوبصورت پوشاکیں بھی دکھلائی گئی تھیں۔ دوسری چھت پر کوہ الپس کے خوبصورت اور خوفناک منظروں کے مرقعے اور فوٹوگراف تھے۔ اور وہاں کی نہایت دشوار گذار چوٹیوں راستوں اور خندقوں اور وادیوں کے آٹھ ڈیورامے اور ایک پینوراما تھے۔ ان میں سے ایک ڈایوراما ڈار جلیس کے گراؤ کا تھا کہ جس سے گہری زیر زمین غار دنیا میں دوسری نہیں۔

خالص شیشہ کا مکان

پونس کے پلیس آف لائٹ کا نام قصر الزجاج رکھنا مناسب ہوگا۔ کیونکہ یہ مکان از سرتاپا کانچ اور شیشہ کا بنا ہوا تھا۔ اس میں سوائے مختلف قسم کے شیشہ کے کوئی دوسری چیز استعمال ہوئی ہوئی مجھے تو نظر نہیں آتی تھی۔ اور اسی لئے اسکے کسی نکڑ یا کونے میں ذرہ بھی تاریکی دخل نہیں ہو سکتی تھی۔ نیچے کی منزل میں شیشہ بنانے کی ایک بھٹی تھی کہ جس میں شیشے کے مختلف آلات اور ظروف تماشائیوں کے سامنے صبح سے شام تک لوگ بناتے رہتے تھے۔ اور لوگ چھوٹی چھوٹی چیزیں مومنٹو (یادگار) کے طور پر خریدتے رہتے تھے۔ اسکے تہ نما چھت سے شیشہ کی نوکدار شاخیں نکلی ہوئی تھیں جو قدرتی حالت میں بلور کی معدنوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ باہر کی طرف فراخ سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ چھت اپنے شبکہ دار دیوار کے بالکل نیلے شیشہ کی بنی ہوئی تھیں۔ دوسری منزل میں ایک بڑا کمرہ اور ایک برآمدہ تھا۔ ان کے فرش چھت اور دیواروں میں بیسویں صدی کے انتہائی زمانے کی شیشہ گری کے کمال دکھلائے گئے تھے۔ فرش پر شیشہ کے رنگوں میں سجا سے قالین اور سنہری ستاروں کی نقل اتاری گئی تھی۔ دیواروں میں

بڑے سورج مکھی کے پھولوں وغیرہ کی ڈیزائنیں کٹ گلاس میں بنائی گئی تھیں۔ ہر قسم کے شیشہ کا نمونہ اس تعمیر میں صرف کر دیا گیا تھا۔ جس سے اس میں جا بجا ہیرے لعلوں اور نگوں کی جھلک پڑتی تھی۔ اس مکان کی سجاوٹ بھی شیشہ آلات سے کی گئی تھی اور اس میں جو ایک دو دوکانیں تھیں وہ بھی صرف جواہرات کی اقسام بیچتی تھیں۔ اور اس میں بیٹھنے کے واسطے کوچ بھی خالص شیشہ کے بنے ہوئے رکھے تھے۔ اسکا داخلہ ایک فرانک تھا رات کو اس عمارت میں صدہا برقی چراغ روشن ہو جاتے اور تمام عمارت دور سے ایک بڑا حباب نظر آتی۔ اس کی چوٹی پر ایک شیشہ کا بت یونانی مائتھالوجی کے مطابق آفتاب کی بیٹی الکٹرون کا لگایا گیا تھا۔ اس خوبصورت مکان کا بانی ایم پونس افسوس ہے کہ اس کی تکمیل تک پہنچنے سے پیشتر مر چکا تھا۔

لباسوں کا عجائب خانہ

پیلیس آف کاسٹیوم یعنی لباس کا محل بھی نمائش پیرس کی آن تعلیم اور دلچسپی کی متعدد نمائشوں میں سے تھا کہ جس پر پانی کی طرح بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ اور لباس کے بارے میں جو چیز کسی خرچ اور کوشش سے دستیاب ہو سکتی تھی یہاں فراہم کی گئی تھی۔ خصوصاً فرانس اور عموماً یورپ کی تاریخ کے بڑے واقعات اور شاہی درباروں اور نامور تاریخی لوگوں کی تصاویر بہم پہنچا کر ان سے بڑی احتیاط کے ساتھ اس عہد کے نئے لباس تیار کرائے گئے تھے۔ اور مومی بتوں کو ان میں ملبس کر کے کھڑا کیا گیا تھا۔ انکے دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی کہ لباس کس قدر تغیر پذیر چیز ہے۔ اور ایک زمانہ میں امراء و سلاطین جس لباس کو شاندار اور شریفانہ سمجھتے ہیں دوسرے زمانہ میں اسے بے رحمی سے متروک کر دیا جاتا ہے۔ داخل ہوتے ہی مصری سپاہی وغیرہ تھے۔ اور سامنے طرف اہل روما کی زندگی کے نظارے دکھلائے گئے تھے۔ دربار سلاطین بازنطین بھی بنایا گیا تھا۔ قرون وسطی کے یورپ کے سرداروں کے لباس اور اُن کے بعد لباس و نیزے بھی ایک جگہ آراستہ کئے گئے تھے۔ معلوم

ہوا کہ ایک زمانہ میں یوروپ کی امیر عورتیں صبح کو بہت عمدہ لباس پہن کر اپنے بستر ہی پر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ اور سب میں زن و مرد ملاقاتی اسلیئے آکر ملتے تھے۔ بجالیکہ آج کل کسی کے بستر کا کمرہ دیکھنا بھی معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آسٹریا کی مشہور ملکہ ایش چونکہ بڑی سست تھی اور وہ بستر ہی پہ بیٹھ کر اپنے امرا و وزرا کے ساتھ امور سلطنت کے احکام نافذ کیا کرتی تھی اسلیئے یہ رسم پھیل گئی تھی۔ نپولین اعظم کی بیوی تاجپوشی کا لباس جو وہ پہن رہی تھی۔ اور مختلف زمانوں کے لباس جا بجا کھڑے کر دیئے گئے تھے۔

قصر نسوان

پلیس آف وومن یعنی قصر نسوان کی غرض یہ تھی کہ عالم نسواں کی ہر زمانہ کی تاریخ اور سلسلہ وار ترقی کو نہ صرف فرنیچر، اثاث کی دستکاری میں بلکہ اس کی ذہنی ترقی اُن خانگی فرائض کی کامیابی اور اس کی زندگی اور لیاقت کے ہر پہلو میں دکھلایا جاوے۔ اس مکان کی سطح کی گیلری پر فرانس اور بعض دیگر ممالک یوروپ کی عورتوں کے پیشے اور خاص خاص پوششیں جو وہ پہنتی ہیں دکھلائی گئی تھیں۔ اور اسکے پہلو کے چاروں کونوں میں وہ نئے پیشے جو جدید سائنس نے زمانہ حال میں عورتوں کے لیئے پیدا کئے ہیں مثل ٹیلیفون اور ٹائپ رائٹر وغیرہ کے دکھلائے گئے تھے۔ بیچ میں یوروپ کی اُن نامور عورتوں کے قد آدم بُت اُن کے خاص لباسوں میں کھڑے کئے گئے تھے۔ کہ جنھوں نے اپنے عصر میں بڑے بڑے کام کئے ہیں ان میں جون آف آرک۔ روس کی ملکہ کیتھرائین۔ انگلستان کی ملکہ الیزبیتھ ازابیلا آف کیسٹل میریا تھریسیا آف آسٹریا۔ امریکہ کی مسز بیچر سٹو جس نے انکل ٹامس کیبن ایسا مشہور ناول لکھا تھا۔ اور اور کئی عورتیں تھیں۔ دوسری منزل پر عورتوں کی دستکاریوں کے نمونے اور عورتوں کے لئے مخصوص کانفرنس ہال اور تھیٹر۔ اور عورتوں کے لکھنے پڑھنے کا اپارٹمنٹ اور سنگار کے کمرے۔

روس کی شرابیں

روس الکوہال شرابوں کا مکان کہ جس میں پولینڈ اور ریگا

کی شرابیں مقطر کرنے کا سامان رکھا گیا تھا۔ اور شراب بنانے کا طریقہ دکھلایا جاتا تھا۔ گرجے کی صورت کا لمبا چوڑا مکان تھا۔ آسٹریا کے پہاڑی صوبہ تائیرول کی پیداواروں اور منظروں کی تصویروں وغیرہ کے لئے ایک الگ خوبصورت مکان تھا۔ اور سینٹ مارین کی چھوٹی سی جمہوری ریاست کی نمائش کا خوشنما مکان اسی نواح میں علیحدہ تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے مگر پرتکلف مکانوں کی نفاست اور سجانے کا سلیقہ اور ان میں جو چیزیں دکھلائی گئی تھیں ان کا اہتمام دیکھ کر مجھے خیال ہوتا تھا کہ ان کی یہی مثال ہے کہ اگر کلکتہ یا دہلی میں نمائش ہو تو ہندوستان کے ہر صوبہ کی نمائش علیحدہ ہو بلکہ تمام چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں اپنے یہاں کے اسباب کی علیحدہ علیحدہ یا دو دو چار چار ملکر نمائش کریں۔ مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔

یورپ اور افریقہ کی سیر کا دھوکا

بیلون سینوراما ایک اور نہایت عجیب کشش اس نمائش میں تھی۔ ایک دلکش پینوراما کے اندر ایک بہت بڑے غبارہ کی گاڑی پر لوگوں کو سوار کیا جاتا تھا۔ اور غبارہ ایسی طرح فضا میں چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سینکڑوں میل کی مسافت طے کر رہا ہے ابھی ناپیدا کنار بحر متلاطم سمندر پر گذر رہا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں یورپ میں نائیس کا ریویرا (دسیلا) نظر میں پھر جاتا ہے۔ اس سے آگے دو فوجوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ توپیں چل رہی ہیں۔ بندوقیں چلتی ہیں۔ اور متخاصمین ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں۔ ذرہ آگے ہسپانیہ کے پرانے قصبات کی منڈیوں کی رونق نظر آتی ہے۔ اور اہل ہسپانیہ کا مرغوب کھیل یعنی بیلوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔ تھوڑا اور آگے بڑھ کر افریقہ کے لق ودق ریگستان میں قافلوں کی قطاریں آ رہی ہیں۔ اور ایک عرب سواروں کا دستہ کسی قریب قبیلہ کو تاخت وتاراج کرنے کے لئے سرپٹ گھوڑے ڈالے جا رہا ہے اور پھر لوٹ کر غبارہ ایک یورپ کے پررونق شہر میں آ کر ٹھیر جاتا ہے۔ گویا

ہزاروں میل کی سیر و سیاحت میں جو نظارے انسان کو یاد رکھنے کے قابل نظر آتے ہیں وہ یہاں چند منٹ میں آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ اور اس صفائی اور خوبی سے کہ اس امر کا باور کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ یہ مصنوعی نظارے ہیں۔ اور گو بظاہر یہ کھیل تماشا ہی تھا تاہم اس تکمیل میں سائنس کی بہت سی آخری ترقیوں سے مدد لی گئی تھی۔ یعنی خاص قسم کے سینو میٹو گراف کی بہت سی تصویروں کو مدد کر ایک خاص طرز کے پہئے کے گرد کر جسکے یکساں دندانے اُس کی حرکت میں ذرہ بھی وقفہ نہیں ہونے دیتے تھے ۲۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تصویریں ایک منٹ میں نظر کے سامنے سے گذر جاتی تھیں۔ واضح رہے کہ سینو میٹو گراف کے تماشہ میں زندہ اور متحرک تصویریں چلتی پھرتی اور کام کرتی نظر آتی ہیں۔ اور فوٹو گرافی کی ایک خاص تدبیر سے کسی متحرک چیز کے سینکڑوں فوٹو گراف کہ جن میں سے ایک دوسرے میں متصل فرق نظر آتا ہے ایک منٹ میں سینکڑوں لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کے درمیان اگر اسکے دس پندرہ فوٹو گراف مختلف حالتوں کے لے لئے جائیں تو ان میں آپس میں بہت کم فرق معلوم ہوگا۔ پھر انہیں تصویروں کو قریب قریب جوڑ کر اگر جلدی سے نظر کے سامنے سے گذار جاوے تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے نے بیشتر ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا ہے۔ یہ سینو میٹو گراف کے تماشہ کی تفصیل ہے۔ لیکن بجلی اور سائنٹفک تدابیر کی مدد سے اس سینیورا ما کو اشیا کا قدرتی رنگ بھی ایسی اچھی طرح حاصل ہو گیا کہ اسکے منظروں کے قدرتی ہونے میں شک باقی نہ رہ جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ سینو میٹو گراف اور سینیورا ما کا مجموعہ ایک ہزار میٹر (فی میٹر ۳۹۰۳۴ - انگریزی انچ) لمبا نظارہ دکھلا کر ساری دنیا کو حیران کر رہا تھا۔ جس کا ٹکٹ داخلہ تھا۔

بحری سفر کا نمونہ پینوراما کا حصہ دوم بحری نظارہ ہے۔ اسی طرح میں ایک فرانک لیکر اس پینوراما کے اندر مارسیلز سے قسطنطنیہ تک بحری سفر کا نظارہ دکھلاتے تھے۔ راستہ میں الجیرز نیپلز اور وینس کے خوبصورت منظر نظر آتے تھے تماشائی اپنے آپ کو ایک سچ مچ کے جہاز کے صحن میں بیٹھا ہوا پاتے۔ اور یہ جہاز کسی ذریعہ سے اسی طرح ہچکولے بھی کھاتا تھا جیسے کہ طوفانی سمندر میں سچ مچ کا جہاز ڈگمگاتا ہے۔ جہاز کے نلوں سے دھواں نکلتا تھا۔ و خالی ازتسل دسیٹیاں بجتی تھیں، پال پھیلے ہوئے تھے۔ اور سمندر اور کنارہ کے متنوع نظارے آنکھوں کے سامنے سے گذرتے جاتے تھے۔ دور سے بجلی کڑکتی اور چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آندھی کا سماں بھی پیدا ہوتا تھا اور سمندر میں طلوع و غروب آفتاب کے خوشنما نظارے بھی دکھلائے جاتے تھے۔ ایک دوسری جگہ ایک ٹرینس اطلانٹک پینوراما دکھلایا جاتا تھا۔ جس میں بحیرہ روم کے بارہ خوبصورت منظر ساحل افریقہ کے بحری سفر کے دوران میں نظر آتے تھے۔ الجیرز میں فرانسیسی شہر و ٹونس کا نظارہ ایک عربی حمام اور بیابان میں چلتا ہوا کاروان وغیرہ ایک فرانک لیکر دکھلاتے تھے۔ ایک جگہ وینس و پیرس کا پینوراما بھی بنایا گیا تھا مگر وینس درویاتا کا جو ریاتلہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے وہ اس سے بہت اعلےٰ تھا۔

علم ہیئت کا خلاصہ آسمانی کرہ۔ یہ حیرت رنگ کا عظیم الشان کرہ جسکے اوپر دور سے منطقۃ البروج کی شکلیں بنی ہوئی نظر آتی تھیں اس غرض سے بنایا گیا تھا۔ کہ اسکے اندر علم ہیئت کے اکثر بڑے بڑے مسئلے عام لوگوں کو سمجھائے جائیں نظام شمسی بنا کر دکھلایا جاوے۔ اور لوگ اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھ لیں کہ آفتاب کے گرد کون کون سے سیارے کس طرح حرکت کرتے ہیں۔ اور زمین پر رات دن کیوں ہوتے ہیں اور موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں۔ تمام ستاروں کے اجرام میں ان کے حجم کی باہمی نسبت قائم رکھی تھی۔ اور

اس طرح کرہ ارض آٹھ میٹر قطر کا بنایا گیا تھا۔ خود یہ بڑا کرہ یا ہیئت کی نمایش کا مکان ۱۴ میٹر قطر کا تھا۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے ان دنوں بند تھا کہ جب میں نمایش میں تھا۔

وسطی امریکہ کی جمہوری ریاستیں

جمہوریہ ایکواڈور اور وسطی امریکہ کی دیگر جمہوری ریاستوں نکارا گوا گوئٹی مالا۔ کوسٹاریکا۔ ہانڈورس اور سالویڈور کی پیداوار اور دلفی حرفتوں کی نمایش کے لئے یہ دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ ان سب ریاستوں کی پیداوار اور حرفت قریباً یکساں تھی۔ مثلاً خام قہوہ۔ کوکوا۔ ٹشاپرچہ تمباکو اور زیادہ تر جنوبی افریقہ کے وسیع جنگلات کی لکڑیوں کے نمونے تھے۔ اور دستکاریوں میں شکر سفید قالین۔ روئی۔ کپڑا۔ اون۔ زردوزی اور لیس کے نمونے اور کھجور کے ریشوں کے جہازی بستر (Hammock) تھے۔

مراکش کی عمارت

مراکش کا مکان بھی نوح ایفل ٹاور کے دلکش نظاروں میں بڑا عجیب تھا۔ چونکہ مراکو ایک آزاد سلطنت ہے اس لئے دریا کے اس طرف اسکا مکان بنایا گیا تھا۔ ورنہ الجیریا۔ ٹیونس اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک کے مکانات دریائے سین کے مقابل کی طرف تھے کہ جنہیں نمایش کے جیتنے حصے کے ذیل میں بیان کرونگا۔ یہ مکان فیض کے عمدہ مکانات کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ اور اس میں تمام شان عربی تعمیر کی موجود تھی۔ پیشانی پر مغربی خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور "سلطان عبدالعزیز سلطان المغرب" وغیرہ جیسی کے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت اذان کا مینار بھی ایک کونہ پر روغنی تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ مکان کے اندر داخل ہو کر صحن میں ایک فوارہ جاری تھا۔ پہلوؤں میں ستون دار برآمدے تھے جنہیں مراکو نمونہ پر موزائیک کا کام بنا گیا تھا۔ مکان کے اندر مراکو کی صنعت کے طور پر اچھے اچھے بساط کے قالین اور کئی رنگوں کے چمڑے کے کام کے نمونے تھے کہ جن کاموں میں ابتک مراکو مشہور ہے۔ جسا بادہ چمڑے کے بہت بڑی بڑے پھندلے جوتے اور سلیپر تھے

بعض پر طلا کا کام تھا۔ کھجور کے پنکھے اور کھجور کے تھیلے۔ پرانی طرز کے چینی مٹی کے برتن نیلگوں رنگ کے مرتبان تھے جیسے ہندوستان میں بھی ہوتے ہیں۔ ریشمی کپڑے پر ریشم اور طلا کا کشیدہ۔ پیتل کے برتن خصوصاً جن میں عربی نقاشی کا سیدھے خط کا کام تھا۔ کچھ عجیب قسم کے چارجامہ کی قسم کی زینیں طلائی کام کی تھیں۔ توڑہ دار بندوقیں اور چمڑے بارود کی کپیاں جن پر سنہری کام تھا۔ اس نمائش گاہ میں یہ بڑی دلچسپ بات یاد آتی تھی کہ ایک طرف تو یورپ اور امریکہ کی اعلےٰ درجہ کی ترقی یافتہ صنعتیں اور بیس بیس گز لمبی جنگی توپیں اور پیچیدہ کلیں پڑی تھیں اور دوسری جانب مراکو اور سوڈان کی صنعتیں موجود تھیں۔ مکان کے اندر دو قوی ہیکل مسلمان عربی شکل کے جبے اور عمامے پہنے ہوئے اسباب کے محافظ تھے۔ ان کے رنگ بالکل گورے تھے۔ عموماً اہل مراکو سرخ و سپید رنگ کے ہوتے ہیں۔ مکان کی دیواروں پر مراکو کے مختلف منظروں کے فوٹوگراف تھے۔ اسکے متصل مراکو کے ریسٹارنٹ اور قہوہ خانے سے پلاؤ اور مراکو کی مٹھائی معہ وہاں کے قہوہ کے مل سکتی تھی۔ اس مکان کے گرد کوئی پچاس چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی چھوٹی چھوٹی چیزیں پیرس ہی سے خرید کر فروخت کر رہے تھے۔ ایک یہودی کی دکان پر ایک بہت عمدہ زندہ اشتہار تھا۔ یہ ایک حبشی سے فرانسیسی لفظ کہلواتا تھا۔ جو ان کا تلفظ بہت غلط کرتا تھا۔ اور بہت لوگ اسے سنکر ہنستے تھے۔ یہیں ایک دوسرے دکاندار نے پانی کے نلکے سے ایک چھوٹی سی کل بنا رکھی تھی۔ نلکے کے پانی کی دھار ایک پنکھے پر پڑتی تھی جو پن چکی کے پنکھے کی طرح تھا۔ اسکے ایک طرف چار کوڑیاں بندھی تھیں جو گھوم کر چار گلاسوں کو لگتی تھیں۔ اور ان سے خاصی سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ بہت لوگ تھوڑی دیر کے لئے اس چھوٹی سی دکان پر یہی تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔

نمایش کا چھٹا حصہ

اب میں نمایش گاہ کے چھٹے اور آخری حصہ کے کچھ حالات لکھتا ہوں جو شانڈمارس کے مقابل دریا کی دوسری طرف باغات ٹراکوڈیرو میں اُن کے متصل واقع تھا۔ اس حصہ میں زیادہ تر ممالک یورپ کی نوآبادیوں اور مقبوضات کی نمایش اور کچھ تماشہ اور دلچسپی کے مکانات تھے۔ بائیں طرف کی جگہ فرانس کی نوآبادیوں کو دی گئی تھی۔ اور دائیں طرف انگلستان ہالینڈ روس پرتگال۔ ڈچ مقبوضات اور چین جاپان روسی سائبیریا اور ٹرنسوال وغیرہ تمام متفرق ممالک تھے۔

میڈیغاسکر

جزیرہ میڈیغاسکر کی نمایش ایک دو میٹر قطر کے گول مکان میں تھی۔ نیچے سطح پر ایک جزیرہ بنایا گیا تھا جس پر میڈیغاسکر کے درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔ اور اس جزیرے کے زندہ پرند اور بندر یہاں لاکر رکھے گئے تھے۔ اس کے گرد پانی کا ایک گول تالاب تھا۔ جس میں دو تین چھوٹی چھوٹی اہل میڈیغاسکر کی کشتیاں پڑی تھیں اور کئی زندہ گھڑیال پانی میں چھوڑے گئے تھے جو کبھی کبھی منہ کھول دیتے تھے۔ دوسری منزل پر اس وسیع جزیرہ کی مختلف قوموں کی روزمرہ زندگی کے عمل اور پیشے دکھائے گئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں سونا کیسے نکالتے ہیں اور وہاں کے کھیتوں کو پانی کیسے پہنچاتے ہیں۔ اور چونکہ فرانس کو منظور ہے کہ اس کے اس نو مفتوحہ ملک میں فرانسیسی نوآبادکاروں کو جاکر بسنے کی ترغیب ہو اس بارہ میں مکمل واقفیت بہم پہنچانے کا ایک دفتر یہاں رکھا ہوا تھا۔ یہیں جزیرے کے حیوانات نباتات اور اقوام کی نمایش تھی اور یہیں چاول قہوہ اور دوسرے

تھے مع ریشم اور روئی کے لمبے لمبے ریشوں کے پڑے تھے۔ اسکے علاوہ پتھروں اور جواہرات کے اقسام پوشاکیں زیورات تاریخی معلومات غرض اس جزیرہ سے واقفیت بڑھانے کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک جگہ مٹی کے بتوں کا ایک موضع بنا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی فرانسیسی جزیرہ کے اندر غیر آباد جگہ میں جانا چاہے تو اُسے کیا کیا سامان از قسم اسلحہ و خوراک وغیرہ کتنے دیسیوں کے سروں پر اٹھوا کر لیجانا چاہئے۔ اور کس طرح اہل میڈیغاسکر فرانسیسی افسروں کی ڈولیاں اُٹھاتے ہیں۔ یہیں ۲۵ میڈیغاسکری باجا بجانے والے اپنی بھدی بانسریاں اور نقارے بجانے کیلئے مقرر تھے۔ تیسری منزل پر ایک چبوترا فتح میڈیغاسکر کا بنایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح فرانسیسی فوج نے تاناریوو پر قبضہ کرکے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں کی سیاہ چہرہ ملکہ کو فرانسیس وظیفہ خور بنایا گیا۔ اسی کے قریب ایک عمارت میں کرنل مارچند فرانسیسی افسر کے مہم سوڈان کا ذکر جسکے متعلق انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، چبوترا بنایا گیا تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس میں اس مہم کے راستہ میں جس قدر واقعات پیش آئے تھے اصلی قد کی تصاویر میں نمایاں کیا گیا تھا۔

دو عجائب گھر ہیں

قصر ٹراکوڈیرو ایک ایسا مکان ہے جو اس نمائش سے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ اور جو اسکے بعد قائم رہے گا۔ اس میں علوم اثنا گرافی و اقوام عالم کی اشکال، اور سکلپچر یعنی بتوں کی دو عجائب گاہیں قائم ہیں۔ اول میں جو سنہ ۱۸۷۸ء سے قائم ہے امریکہ افریقہ اور اوشیانا کی قدیم و جدید شائستگی سے متعلق البسہ اور دیگر اسباب کا مجموعہ ہے۔ اور مقابلہ کے لئے قبل از تاریخی یورپین تہذیب کی چیزیں بھی فراہم کی گئی ہیں۔ یہاں رومی اور یونانی سنگین بت اور مٹی کی نقلیں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری عجائب گھر جو ۱۸۸۲ء سے قائم ہے گیارھویں صدی سے زمانہ حال تک تعمیرات کے خاص خاص نمونے جمع کئے گئے

ملیچے کہ جن سے اس فن کی تاریخ سلسلہ وار اب تک معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے ہزاروں مختلف ذریعوں سے اس عجائب گاہ کے لیئے کس کس تلاش اور محنت اور کتنے خرچ سے یہ چونے اور پتھر کے ٹکڑے جمع پہنچائے گئے ہونگے۔ خواہ ہمیں اس خشک مضمون سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہو۔

کیوبا و ہوائی کیوبا اور ہوائی دونوں اضلاع متحدہ امریکہ کی نوآبادیاں ہیں۔ کیوبا نے دو سو چیزیں نمایش کو بھیجی تھیں۔ اس جزیرہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ شکر ہے۔ لیکن تمباکو یہاں کا بہت ہی مشہور ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ قہوہ شہد آب رومی غلہ میوہ جات تانبا خوشبوئیں قیمتی پتھر چینی کے برتن اور زر دوزی کا کام تھا۔ ہوائی کی بھیجی ہوئی چیزوں میں لاوا کے کچھ نمونے تھے جو اس جزیرہ میں آتشی مادہ سے نکلتا ہے۔ صندل کے صندوق۔ گوشت کے کئی نمونے اور کئی چھوٹی چھوٹی عجائبات مثل وھیل مچھلی کے دانتوں کے زیورات اور باشندوں کے عجیب مزامیر وغیرہ کی تھیں۔

آسٹریا کی دستکاریاں آسٹریا ہنگری یورپ میں ایک ایسا ملک ہے کہ جسکی کوئی نوآبادی یا مقبوضہ ملک یورپ سے باہر نہیں۔ تاہم آسٹریا بہت سی صنعت و حرفت کی چیزیں بناکر دیگر ممالک کی نوآبادیوں کو بھیجتا ہے۔ اسلیئے اس نے نوآبادیوں سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کیا ہے کہ یہاں ایک مکان میں ان تمام اشیا کے نمونے رکھ دیے ہیں جو کہ یہاں سے غیر ممالک میں بھیجی جاتی ہیں۔ خصوصاً آسٹریا کے تمباکو اور منبہ وڈ کی کرسیاں وغیرہ یہاں نمایاں کی گئی ہیں۔

گرین لینڈ مقبوضات ڈنمارک کے خوبصورت مکان میں زیادہ تر گرین لینڈ کی چیزیں ہیں۔ جہاں بہت سی بھیڑیں پالی جاتی ہیں کہ جن سے عمدہ قسم کی پشم حاصل ہوتی ہے۔ قطب شمالی کے وحشی جانوروں مثل ریچھ۔ رینڈیر ہرن اور سیل مچھلی وغیرہ کی کھالیں بہت عمدہ تھیں۔ سمندر

اور ندیوں کے پرندوں کا مجموعہ بہت دلکش تھا۔ جزیرہ آئیس لینڈ کی پیداوار بھی یہیں دکھلائی گئی تھی۔ گو یہ جزیرہ بنجر اور آتش خیز ہے مگر اس میں مچھلیاں اور جانور انواع و اقسام کے ہیں اور معدنی دولت بھی کئی قسم کی ہے۔

بلجیم کی نوآبادی کانگو فری سٹیٹ جنوبی افریقہ میں دراصل بلجیم کی ایک ریاست ہے۔ اور ایسی آزاد نہیں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے۔ بلجیم کے سوداگروں کی کمیٹی نے یہاں کی کچھ نمایش بہم پہنچائی ہے۔ جس میں شیشہ اور معدنیات کے کام کے نمونے اور سوتی کپڑے تھے۔ اور اس ملک کے دیسی باشندوں کے کام کے بھی نمونے دکھلانے تھے۔

الجیریا کی نمایش جیسا کہ میڈیغاسکر کی نمایش سے معلوم ہوتا ہے اور فرانس کی دیگر نوآبادیوں کی نمایش سے معلوم ہوگا فرانس نے اپنی نوآبادیوں کی نمایش کرنے میں بڑا زور لگایا تھا۔ ہر ملک کی ہر قسم کی پیداوار اور آمدنی کے اسباب تفصیل سے دکھلانے تھے اور ان کے متعلق بہت سی مطبوعہ واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ خصوصاً الجیریا کی نمایش پر بہت زور دیا گیا تھا۔ دو بڑے بڑے عالیشان مکانات مکان نیوشن کے مقابل اور عجائب گاہ ٹراکو ڈیرو کے سامنے تعمیر کئے گئے تھے۔ اور تمام نمایش گاہ میں کسی مسلمان کو بلحاظ شکل و صورت کے اور کوئی مکان ان سے زیادہ دلچسپ نہیں معلوم ہوتا ہوگا۔ انہیں میں سے ایک کے رسٹارنٹ میں کم از کم دن میں ایک بار عربی کھانے کھایا کرتا تھا۔ ان میں سے بڑی عمارت میں الجیریا کی سرکاری نمایش تھی۔ اور دوسرے مکان میں اس ملک کے منظروں کے تماشے اور چھوٹی چھوٹی کانیں اور پیشہ وروں کے مکان تھے۔ الجیریا کی کئی قدیم اور عالیشان عمارات کے بعض حصوں کی اس عمارت میں نقل اتاری گئی تھی۔ ایک عالیشان مینار اور ان کے سلطان پاشا کی مسجد کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اور پیشانی پر عربی کا ایک لمبا کتبہ کندہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت میں کئی گنبد اور چھت اور دروازے

خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ رات کو جب تین ہزار بجلی کے لیمپوں سے یہ عمارت روشن کی جاتی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی۔ اور اسکا بڑا گنبد جو الجیرز کے ماہی گیروں کی مسجد کے گنبد کا نمونہ تھا اس قدر روشن کیا جاتا جیسا کہ الجیرز کی مسجد کا ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے۔ اس عمارت کا بڑا کمرہ جو روشس روم (عربی کمرہ) کے نام سے نامزد تھا (۲۴۰۰) مربع میٹر تھا کہ جس پر فن تعمیر و آرائش کا بڑا زور خرچ کیا گیا تھا۔ یہ الجیریا کے عجائب خانہ اشیاء عتیق کی نقل تھا۔ اور اس میں بہت سی تاریخی یادگار کی چیزیں۔ پلاسٹر کے بنے ہوئے نمونے طلمسان اور طبیشہ کے کھنڈرات اور الجیرز اور شرسل کے عجائب خانوں کے بتوں کے اور ہر قسم کے سکیچ اور نقشے تھے۔ ساتھ کے کمرے کی چھت الجیرز کی مسجد ماہیگیراں کے "مقبرہ فاسی" سے نقل کی گئی تھی۔ اور طلمسان کے قریب سیدی ابن ادہم کے کئی پلاسٹر کے نمونے یہاں بھی رکھے گئے تھے اس ملک میں معلوم ہوتا ہے انگور بہت پیدا ہوتا ہے اور انگور اور انگور کی شراب اور کشید کرنے کے طریقوں کے لئے ایک کمرہ مختص کیا گیا تھا۔ اور کمرہ میں جنگلات کی پیداوار سرکاری اور پرائیویٹ نمائش کرنے والوں نے جمع کی تھی۔ کارک کے درخت کی چھال اور صنوبر اور اسکے رس کے یہاں بہت سے نمونے تھے۔ لکڑی پتھر اور معدنیات کے یہاں کئی نمونے تھے ایک درخت کی موٹائی اتنی تھی کہ اسکا کٹا ہوا سکشن کھڑے ہوئے میرے سر تک پہنچتا تھا۔ ایک کمرے میں تعلیم کا سامان سجایا گیا تھا۔ عربی اور فرانسیسی کتابیں جو الجیریا کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بچوں کی مشق کی کاپیاں اور قلم دوات کی قسم کا سامان یہاں موجود تھا۔ یہیں الجیریا کے کئی فرانسیسی اور دو ایک عربی اخبار بھی پڑے تھے۔ دو ایک فرانسیسی رسالے فن زراعت کے تھے جو الجیریا میں چھپتے ہیں۔ اور دو ایک عربی کتابیں بھی تھیں میں انھیں دیکھ رہا تھا کہ محافظ نے جو ایک نوجوان الجیرزی عرب تھا مجھ سے

پتہ پوچھا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھ سے ہندوستان کے متعلق کتنی باتیں پوچھتا رہا۔ اسکا نام خواجہ سید علی بن مصطفےٰ جزائری تھا۔ ہرچند کہ یہ تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعداد دریافت کر کے حیران ہوا۔ اس نے کہا کہ میرا بھائی الجیریہ کے اخبار المبشرہ کا ایڈیٹر ہے۔ پھر اس نے حقوق نسواں کے متعلق ایک کتاب دکھلائی جو اسکے بھائی نے لکھی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی اسی زمانہ میں حقوق نسواں پر کتابیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ جو زمانہ کا ایک بدیہی اثر ہے۔ وہاں الجیریا کے مسلمانوں کے متعلق فرانسیسی زبان میں ایک رپورٹ پڑی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے ملیگی۔ تو اس نے مجھے یہ اور اسی طرح تیرہ چودہ اور فرانسیسی رسالے الجیریا کی زراعت جغرافیہ تاریخ مذہب اور دستکاریوں وغیرہ پر لا دیئے۔ اور کہا کہ ہماری سرکار نے یہ خاص خاص واقف کار اشخاص سے مفت تقسیم کرنے کے لیئے لکھوائے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس تیاری سے الجیریا کی نمایش کی گئی تھی۔ ایک کمرہ میں صرف تصاویر تھیں جو اس ملک کے متعلق فرانسیسی اور عرب مصوروں نے ہاتھ یا کیمرہ سے کھینچی تھیں۔ ایک کمرہ کی چھت کا گنبد مشہور شیخ عبد القادر الجزائری کی مسجد مسکارا سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کمرے میں الجیریا کی کاشتکاری کی پیداوار اور آلات کے نمونے ہیں گیہوں بہت اعلیٰ قسم کا تھا۔ مکئی۔ جو۔ جوار۔ چنی [?]۔ ماش۔ مٹر غرض سب غلے عمدہ تھے۔ دیواروں پر بوٹے کا تخم نکالنے کے فرانسیسی اور عربی طریقوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ انگور چھانٹنے۔ زیتون چننے۔ کھجوروں اور سنگتروں کی فصل جمع کرنے۔ جنگل میں آرٹیزین کنوئیں کھودنے اور فاسفیٹس وغیرہ نکالنے کی تدبیریں بھی دکھلائی گئی تھیں۔ وہاں کی زراعتی سوسائٹیوں نے ایک جگہ اچھی نمایش کی تھی جس میں تمباکو کے اقسام اور انجیر کے

اور ریشم کے نمونے تھے۔ ہندوستان میں جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی بھی پرائیویٹ زراعتی سوسائٹی اتنے بڑے ملک میں نہیں، اور اسی کے قریب دیسی دستکاریوں کی نمائش تھی۔ چاندی اور تانبے کا کام بہت تھا۔ کپڑوں پر زردوزی اور کشیدے بہت اچھے تھے۔ اور قالین اور زیورات بھی تھے۔ دو تین کمرے صرف کشیدوں اور زردوزی کے نمونوں سے سجائے گئے تھے۔ جن میں دیواروں اور چھت پر ایک انچ جگہ خالی نہ تھی۔ بستر اور تکیہ کے غلافوں اور دیواروں کے سجانے والے کپڑوں پر نہایت نفیس سوزن کاری سے تحریر۔ عربی خط میں اچھے اچھے دعا، مبارکباد اور نصیحت کے فقرے اور عبارتیں کاڑھی ہوئی تھیں۔ میرا جی بہت چاہا کہ ہندوستان کی شریفوں کے گھروں میں بھی لڑکیاں کپڑوں پر ایسے کشیدے کاڑھا کریں۔ قسطنطنیہ میں برابر یہی رواج ہے کہ خواندہ مسلمان خواتین کپڑوں پر بہت خوشخط عبارتیں سوت ریشم اور طلا سے کاڑھتی ہیں۔ اس مکان کی پچھلی طرف ایک سیکلوراما اور ایک ڈایوراما میں ساحل الجیریا کے مختلف بحری منظر اور صحارا اور بسکارا کے مابین بیابان کی خشکی کے سفر کی خصوصیات نمایاں کی گئی تھیں۔ اور تبائل کی آپس کی چھیڑ چھاڑ کا نمونہ دکھلایا گیا تھا۔

ٹیونس — ٹیونس کا مکان الجیریا کے عین بالمقابل ہے جہاں وہ عربی ریسٹورنٹ بھی تھا کہ جہاں کھانا کھانے کے لئے نہ صرف مصر، مراکو اور ٹیونس کے عرب اور یہودی اور حبشی زن و مرد ہی آتے تھے بلکہ بہت سے فرانسیسی زن و مرد بھی آتے رہتے تھے۔ کیونکہ کھانا یہاں ارزاں اور مطبوع بھی تھا۔ گو ایسے تکلف پیرایہ میں نہ دیا جاتا تھا جیسا کہ دوسرے ریسٹورنٹوں میں دیا جاتا تھا۔ اسی احاطہ کے اندر ٹیونس کا ایک بادیہ نشین عرب مع اپنی بیوی اور بچہ کے ایک سیدھے سادے خیمہ میں بیٹھا رہتا تھا اور کبھی وہ میاں بیوی ان کا ایک موٹا سا کپڑا بھی لوگوں کو دکھلانے کے لئے بُنا کرتے تھے (جبکہ

کر کر خیمہ کے اندر تھا اور ان کا بچہ تماشائیوں سے پیسے مانگنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پاس کے قہوہ خانہ میں سیاہ اور تلخ الجیری قہوہ کی ذراسی پیالی ایک ایک آنہ کو بکتی۔ ہر ایسی قہوہ کی پیالی ایک چھوٹے سے ٹین کے برتن میں کر جسے لمبی دستک لگی ہوتی تھی ہر مرتبہ الگ الگ آگ پر گرم کرنا پڑتی تھی۔ اس قہوہ کی فروخت کی رونق کے لئے اُس مکان میں دو ایک یہودنیں تھوڑے وقفہ کے بعد ناچا کرتی تھیں۔ دو تین مرد بھی اِن کے ہمراہ ہوتے۔ یہ عجیب قسم کا فحش ناچ ہوتا ہے۔ صرف کمر کے حصہ کو ہلایا اور تھرکایا جاتا ہے اور سینہ اور چھاتیاں قریباً برہنہ ہوتی ہیں۔ پہلے تو یہ حرکت دیکھ کر میں متعجب ہؤا۔ لیکن اسکے بعد ٹرکی اور مصر کی عمارات میں یہودنوں کے اسی قسم کے ناچ دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اُن ملکوں کا یہی فیشن ہے۔ اور یقیناً اسکے مقابلہ میں ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ نہایت مہذبانہ ہے۔ اس ناچ کو دیکھنے کے لئے جوق جوق یوروپین اس قہوہ خانہ میں آ کر بیٹھتے اور تلخ قہوہ کا مزہ چکھتے تھے۔ اِسکے سامنے ٹیونس کی مٹی کے برتنوں کی دُکان تھی۔ پشت کی طرف ٹیونس کا بازار تجارت تھا۔ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں بہت سے زردوزی کے کپڑے اور رومال عربی بولنے والے یہودی بیچ رہے تھے۔ اور بعض کچھ بنا بھی رہے تھے قالین اور کچھ چمڑے کا سامان بھی تھا۔ ایک حلوائی ایک موچی اور ایک درزی بھی کام میں مصروف تھا۔ ان کے سروں پر ٹیونس کی ٹوپیاں تھیں الجیریا مراکو اور ٹیونس کی ٹوپیاں گو عام شکل میں ترکی ٹوپی کی طرز کی اور سرخ رنگ کی ہوتی ہیں۔ لیکن ترکی ٹوپی ذرا زیادہ چست اور چھوٹی ہوتی ہے اور اول الذکر ٹوپیاں تھوڑی بلند اور کھلی یعنے پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے پھندنے بھی بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ میری ترکی ٹوپی دیکھ کر بعض نے مجھے بلایا بھی۔ مگر میں کوئی سودا نہیں خریدنا چاہتا تھا۔ ٹیونس

کا بازار بہت تنگ تھا۔ دوسری منزل کے مکانوں کے چھجے ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ اور یہ وہاں کے ایک بازار کا نمونہ بنایا گیا تھا۔

ٹیونس کی اشیاء سے نمایش جس عمارت میں رکھی گئی تھیں وہ طیونس کی دو مساجد مسجد سیدی بن سعید اور مسجد مہریز کی نقل تھیں۔ اور اسی طرح ایک اور مشہور مسجد کا مینار ایک طرف تعمیر کیا گیا تھا۔ مسجد سیدی مہریز اور دوسرے مکان میں روغنی نمونے اور جو چیزیں ان سے تیار کی جاتی ہیں مثلاً صابن رنگ خوشبوئیں عطریات اور ریشم۔ سوسہ کی اسپی۔ کارک ترکاریاں میوہ جات وغیرہ رکھے گئے تھے۔ آثار قدیمہ کے ماڈل اور آرٹس کے نمونے بہت سے موجود تھے۔ سرکاری محکموں کے علاوہ پرائیویٹ لوگوں کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ جیسے ٹیونس کے تاکستانوں کی پیداوار۔ روغن زیتون وغیرہ کاسا اور قیروان سعدس کے قالین اور کمبل۔ جربا اور ساحل صفاکے اسفنج اور ٹیونس کے مشہور برتن۔ یہودن عورتیں نہ صرف ناچتی تھیں بلکہ الجیریا اور ٹیونس کے تماشہ کے مکانات کے دروازوں میں کھڑی ہو کر خوب دھومیں مچاتیں اور لوگوں کو تماشا دیکھنے کی ترغیب بڑی کامیابی سے دیتی تھیں۔ کہیں کہیں اپنے شوہروں کی دوکانوں پر سودا بھی بیچتی تھیں۔ کچھ عربی کتابیں اور ٹیونس کی جامع مسجد کے عربی کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی مطبوعہ فہرست بھی موجود تھی۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ٹیونس کو خط لکھنے پر مل سکے گی۔

اندلس عہد عرب میں

اندلس عہد عرب میں ایک علیحدہ دلچسپ تاریخی تماشا تھا۔ عمارت کی شان باہر سے ہی عربی تھی اور بادیہ نشین عرب شہسواروں کی تصویریں باہر بنی ہوئی تھیں۔ لیکن اندر کی خوبصورتی اور تاریخی دلچسپی سے باہر کو کیا نسبت تھی۔ ہسپانیہ کے زمانہ حکومت اہل اسلام اور بعد کے

تھی زندہ نظارے دکھلاتے جاتے تھے۔ سویل کے دروازہ الکزار القصر سے داخل ہو کر تماشائی غرناطہ کے قصر الحمرا کے مشہور دلکش صحن میں جا پہنچتے تھے کہ جہاں فوارہ چل رہا تھا اور چاروں طرف ستونوں کے غلام گردش محیط تھے۔ جنکے خوبصورت دریچوں میں خوبصورت عربی سکلپچر کا کام شنگرنی اور سنہری رنگوں میں دل لبھا رہا تھا۔ غرض الحمرا کی یہ نقل بھی دنیا کو دنگ کر رہی تھی۔ خواہ اصل سے اسے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ ایک طرف سویل کا گھنٹہ گھر عربی طرز تعمیر کا ستر میٹر بلند تھا جس پر اندر سے سیڑھیاں جاتی تھیں قرون وسطیٰ کا ایک عربی موضع "غربی" کے نام سے آباد کیا گیا تھا۔ جس کی مسجد کا کلس سنہری تھا۔ اور گو باشندے غریب نظر آتے تھے مگر ان کی دستکاری کے قالین چمڑے کی چیزیں اور اسلحہ اعلےٰ درجہ کی کاریگری کا ثبوت دیتے تھے۔ غرناطہ کے باب الانصاف سے گذر کر جہاں سلاطین اسلام عدالت کیا کرتے تھے تماشائی ٹولیڈو کے ایک عجیب سے کوچے میں پہنچ جاتے تھے۔ جہاں زمانہ روشن اور لوہے سیمنس کی دستکاریوں اور حرفت کی چیزوں سے دکانیں بھری تھیں۔ ایک طرف ایک ہسپانی تھیٹر تھا جس میں اب تک ہسپانی لڑکیاں کرتی کوئی عربی تان اڑا دیتی تھیں۔ اور دوسری طرف ہسپانیہ کی مشہور و مرغوب کھیل سانڈ لڑانے کے دکھلائے جاتے اور اسی طرح ایک جگہ بدوی شہسواروں کے گھوڑ دوڑ کا کام آراستہ بنا ہوا تھا۔ گو یہ دونوں آخری نظارے میں نے نہیں دیکھے۔ داخلہ اڑھائی فرانک تھا۔

کانگو فری سٹیٹ کانگو کی عمارت جو لکڑی اور لوہے کی تھی اور بعد میں ٹکڑے کرکے کانگو کو بھیجی گئی ہوگی کہ جہاں اس میں ڈاک خانہ بننے والا تھا اس علاقہ کی بیش قیمت لکڑی کے کندوں سے پر تھی۔ علاوہ اسکے اس میں ہاتھی دانت انڈیا ربڑ۔ معدنیات اور نباتات کے نمونے۔ دیسی

باشندوں کے برتن اسلحہ۔ کپڑے اور اس ملک کو بھیجے جانے کے لائق چیزیں جمع کی گئی تھیں۔ دو نقشوں میں ۱۸۸۵ء اور ۱۸۹۵ء میں کانگو کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔

نیو کیلیڈونیا نیو کیلیڈونیا کے خوشنما مکان میں قہوہ انناس تمباکو ونیلا اور مک اور گوندیں جو اس علاقہ کی پیداوار ہیں موجود تھے۔ معدنیات کے نمونے اور نکل تانبہ کوبالٹ کے نکال لینے کے طریقے دکھلائے گئے تھے۔ گورنمنٹ فرانس کو توقع ہے کہ اس سرزمین سے سونا جست۔ چاندی۔ پارہ۔ لوہا۔ سرمہ منگنیز اور سیسہ بھی ضرور برآمد ہونگے۔ پتھر کا کوئلہ ابھی سے نکلنے لگا ہے۔ صندل۔ شاہ بلوط اور روز ووڈ وغیرہ لکڑی کی قسمیں نہ صرف تعمیر کے کام آتی ہیں بلکہ ان سے ست نکالے جاتے ہیں جنکے نمونے یہاں رکھے ہوئے تھے اور یہ مکان بھی نیو کیلیڈونیا کی لکڑیوں سے ہی بنایا گیا تھا۔

فرانسیسی نو آبادیوں کے متعلق۔ فرانس کی نو آبادیوں کا دفتر بڑا عالیشان تھا۔ ہر نو آبادیوں کے پودوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ اور فرانسیسی نو آبادیوں کے متعلق تمام تحریری واقفیت کی کتابیں اور تصویریں یہاں موجود تھیں۔ غرض فرانس کی نو آبادیوں کی تاریخ کے متعلق ہر قسم کی کتابیں رسالے اور تحریریں یہاں جمع کی گئی تھیں۔ جغرافیہ کی سوسائٹی نے بھی اس خاص حصہ کے متعلق اپنی کتابیں یہاں دکھلائی تھیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ افریقہ میں خصوصاً نائیجر کے دہانہ پر شمالی سوڈان صحرائے اعظم نو گنی یا فرینچ کانگو میں فرانس نے نو آبادیاں بسانے میں کتنی ترقی کی ہے۔ ایشیا کے متعلق کولونیل آفس نے ٹونکن انڈو چائنا جزیرہ نما ملاکا۔ دریائے میکانگ اور یونن کی مہم ریلوے کی بابت کتابیں رکھی تھیں۔ اس مکان کے ایک کمرے میں آٹھ ہزار کتابوں کا کتبخانہ ہے۔ فرانس کی نو آبادیوں کے متعلق کوئی قابل ذکر رپورٹ یا کتاب سرکاری یا پرائیویٹ نہ ہوگی جو یہاں نہ ہوگی۔ غنیمت ہے کہ اب لارڈ کرزن بہادر نے

ممالک کے وکٹوریا ہال میں ہندوستان کے متعلق ہر قسم کی کتاب یہاں جمع کرنیکا قصد کیا ہے جس سے اہل ہند کو ہر قسم کی ہندوستانی واقفیت کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے بڑا آرام ملیگا۔ ایک دوسرے کمرے میں ایسے افسر ہر وقت حاضر رہتے تھے جو نوآبادیوں کے متعلق ہر قسم کی واقفیت تجارتی ہو یا کسی اور نوع کی ہر شخص کو بہم پہنچاتے تھے۔ کیا ہندوستان میں ایک ایسے سنٹرل آفس کی ضرورت نہیں ہے جو رعایا کی سہولیت کے لئے کسے کم از کم ہر قسم کے تجارتی اور تعلیمی معاملات پر داگر دیگر امور کو چھوڑ دیا جاوے) عام معلومات بہم پہنچایا کرے جو ہر شخص کے لئے معلوم کرنا ممکن نہیں۔ اگر سرکار ایسے کام کو اپنے ذمہ نہیں لے سکتی تو کسی تجارتی یا علمی مجلس کو یہ کام اپنے ذمے لینا چاہئے۔ پھر معلوم ہو جائیگا کہ کس قدر فائدہ ایسے دفتر سے لوگوں کو پہنچ سکتا ہے۔ علاوہ تاریخی مطلب کے مرکز کولونیل آفس ایک خاصا تجارتی عجائب خانہ جمع کر دیا تھا۔ ایک کمرہ میں اُن نامور فرانسیسیوں کے بُت تھے کہ جنہوں نے فرانسیسی نوآبادیوں کی توسیع میں مدد دی ہے۔

کانگو فرنچ کانگو کی چھوٹی سی عمارت میں یہاں کی معدنی اور جنگلی پیداوار کے نمونے ہیں۔ چوب مہاگنی یہاں کی مشہور پیداوار ہے اور اس مکان کا فرنیچر اسی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ زرد خاکی اور سبز آبنوس اور کئی دوسری لکڑیاں اسی ملک سے مخصوص ہیں۔ کئی قسم کی گوند کپڑے جاتی تیل اور رنگنے کے مصالحے وغیرہ تھے۔ اس ملک میں سونا بہت نکلتا ہے۔ اسلئے کچا سونا اور خاص سیف اور سونے کے پتھر ہر قسم کے اور خالص بنے ہوئے سونے کے نمونے سب پہلو بہ پہلو دکھلائے گئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا سونے کا مینار رکھا ہوا تھا۔ جسکے مختلف ٹکڑوں سے اس ملک کے ہر سال کے سونے کی پیداوار معلوم ہوتی تھی

ایک جگہ سوڈان کی ایک کان کا نمونہ رکھا تھا۔ چرند جانور اور کیڑے مکوڑے بھُس بھر کر رکھے ہوئے تھے اور مختلف غلے بھی دکھلائے گئے تھے۔ اور ایک خاص با تصویر جنتری تک اس عمارت کی اشیاء کے مفصل حالات کی چھاپی گئی تھی۔

سینی گال

سینی گال اور فرانسیسی سوڈان۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور سرسبز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے انواع و اقسام کے غلے اور دیگر نباتاتی پیداوار اسکے مکان میں دکھلائی گئی تھی۔ باجرا کی اور چاول لوگوں کی خوراک ہو۔ سن کی کے ریشے خوب مضبوط تھے۔ اس سے کپڑا عمدہ بُنا جاتا ہے۔ نیل اور کئی قسم کے درخت دکھلائے گئے تھے۔ اس علاقہ سے ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ سالانہ کا صرف گوند غیر ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ انڈیا ربڑ اور گراؤنڈ نٹ دوا اور غیر ممالک کو بھیجنے والی چیزیں ہیں۔ انڈیا ربڑ کے جمع کرنے اور بنانے کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ جو بہت دلچسپ تھے۔ دیسی باشندے ربڑ کے درختوں میں چاقو سے شگاف دیکر ان کے نیچے برتن رکھکر ان میں رس یا دودھ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس سے انڈیا ربڑ بنتی ہے۔ ان وحشی اور کم مہذب ملکوں کے اسلحہ زیورات کپڑے اور دیگر دستکاریاں دیکھکر بھی دنگ ہونا پڑتا ہے کہ محنت کی کوشش کے بعد یہ بھی بعض چیزیں کیسی صفائی سے بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے فیٹش اور دیوتا اتنے تھے کہ ان کا حصر کرنا مشکل ہے۔ ہر چیز لکڑی وغیرہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ انہیں کو فیٹش کہا جاتا ہے۔ اشانٹی کے باشندوں کو جوالاہے کا کام کرتے بھی دیکھا۔ کیسا ادنیٰ قسم کا کارگہ اور کپڑا تھا۔ ان لوگوں کی عورتیں بھی یہاں تھیں۔ جو بالکل بھاگی بھینسوں کی طرح بے پرواہ معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی بولی بھی جانوروں کے چیخنے کی طرح عجیب قسم کی تھی۔ اس مکان کی ایک طرف سینی گال کے نہایت سیاہ باشندے جھونپڑے مٹی اور پھوس کے مکانات میں کپڑا بنتے چاندی

کے چھلّے بناتے اور لوہا کا کام کرتے تماشائی دیکھتے تھے۔ بلکہ کئی لوگ اُن سے چھلّے خرید لیتے تھے۔ اور ان میں کا ایک حبشی فرانسیسی زبان میں دام وغیرہ لوگوں کو سمجھا سکتا تھا۔

فرانسیسی ہند فرنچ انڈیز کے نام سے جو تھوڑا سا فرانسیسی علاقہ ہندوستان میں ہے اس کی نمائش علیحدہ تھی۔ قدیم ہندو طرز تعمیر کا ایک مکان معلوم ہوتا تھا جس میں ہندوستان کی دستکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور ہندوستانی جواہرات بیچنے والے ریشم کے کپڑے اور جوتوں وغیرہ کے سوداگروں کی دوکانیں تھیں۔ اسی میں لاہور کے بابو محمد بخش صاحب نے اپنے جواہرات کا پورا بغرض فروخت رکھا تھا۔ ایک مندر خالص ہندو طرز تعمیر کا اسکے قریب تھا ایک ہندو تھیٹر بنایا گیا تھا جس کی پیشانی سے ہندو طرز تعمیر عیاں تھی۔ اور ایک تنگ کوچہ ہندوستان کی دکانوں کے لئے تعمیر کیا

ہندوستانی کمپنی کا تماشا گیا تھا۔ اسی ہندو تھیٹر میں الہ آباد کی ہندوستانی تھیٹریکل کمپنی کو تماشے کرنے کی اجازت ملی تھی۔ مگر تعجب ہے کہ اس تھیٹر کے ختم ہونے میں اتنی دیر لگی تھی کہ جب مجھے نمائش کا تین چوتھے ہفتہ عشرہ گذر چکا تھا تو اس مکان کی تعمیر ختم ہوئی اور اس میں جو پہلا تماشا ہندوستانیوں نے کیا اتفاقاً میں اس وقت میں موجود تھا۔ سورت کا ایک مسلمان جو پیرس میں دکان کرتا تھا اور فرانسیسی خوب بولتا تھا اس وقت مجھے یہاں لے آیا تھا۔ تھیٹر کے ایک ہندوستانی ملازم نے چاہا کہ ہمیں مفت تماشا دکھلائے لیکن ہم نے منظور نہ کیا۔ ایک ایک فرانک کا ٹکٹ تھا۔ گو مجمع ز‍یادہ تھا۔ لیکن حاضرین کی داد دینے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تماشا بخوبی پسند کیا گیا تھا۔ بنگالی میجک چند فقیر۔ دو ہندوستانی بھان متی۔ دو تین چھنا سنگ کے کرتب کرنے والے پہلوان تھے۔ لٹو گھمانے والا بنگالی جو تار پر لٹو چلاتا تھا۔ وہ لکھنؤ کے ستار بجانے والے۔ پانی کے جیسے

پہلوان سے لکڑی سے سریلی آواز پیدا کرنے والا۔ ایک شخص بھوسہ اور کپڑا کھانے والا۔ منہ میں تلوار گھونپنے والے۔ بار بچے جو تلواروں اور چھریوں کے تنگ چھروں سے کود جاتا تھا۔ اور بید کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں سر اور پیر داخل کر لیتا تھا۔ سات فیٹ کچھ انچ لمبا ہندوستانی اگر بہت دبلا نہ ہوتا تو خاصہ دیوزاد تھا۔ وہ بیحد کمزور معلوم ہوتا تھا کہ صاف بات اسکے منہ سے نہ نکلتی تھی جس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اتنا طویل القامت ہونا اس کا مرض ہوگا) اور اخیر میں ایک پنجابی اور دو ہندوستانی رنڈیاں ہیچ پرناچیں۔ مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ پنجاب اور ہندوستان کی رنڈیوں کے ناچنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک پہلوان ترک پہلوان نے غلام محمد مرحوم امرتسری سے لڑنا قبول کیا۔ کیونکہ ہندوستانی کمپنی نے اخبارات میں مشتہر کر دیا تھا کہ جیتنے والے پہلوان کو وہ معلوم انعام دے گی۔ لیکن کشتی جب ہوئی ہے میں اس وقت لنڈن کو چلا گیا تھا۔ پیرس میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ پنجابی پہلوان وطن کو واپس چلے گئے ہیں۔ اور غلام اور قادر علی کی کشتی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور دونوں برابر رہے تھے کہ پہلے روز انکی کشتی دوسرے روز کے وعدہ پر چھوڑ دی گئی۔ اور دوسرے روز ایک پہلوان کے میدان میں نکلنے سے انکار کرنے کے سبب کشتی نہ ہوئی۔

شب کی روشنی اور کرسیاں

میں ہمیشہ نمایش کا وسے سویرے ہی تھک کر مکان کو لوٹ جاتا تھا اور کبھی وہاں دیر تک ٹھیر کر نمایش کو شب کی روشنی میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ۲۹ جولائی کو جو بیٹھے ہندوستانی کمپنی کے کرتب دیکھے تو اس میں دیر ہوگئی تھی۔ باہر تمام نمایش بجلی روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ شاتو ڈو (قصر آب) پر قصر برق کی روشنی منعکس ہونے اور سامنے قصر ٹراکوڈیرو کی پانی کی روشنی عجیب دلچسپ تھی۔ ایفل ٹاور کی روشنی میں علحدہ ہی شان تھی۔ دریا کی دو رویہ تمام عالی شان عمارات

بجلی روشنی سے جگمگاتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باغات کے چراغان بوقلموں رنگوں کے جگنوؤں کی طرح کیسی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ نمائش گاہ کے اس تمام وسیع میدان میں جو شانڈمار اور ٹرکوڈیرو میں قصر برق کے مقابل مقام ہزارہا کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دن کو بھی کبھی تھکے ماندے لوگ ان پر بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن جس شب کو بڑی روشنی ہوا کرتی تھی اس شب کو تو یہ شام سے ہی پُر ہو جاتی تھیں۔ اور جوں جوں لوگ ان کرسیوں پر بیٹھتے جاتے ان کرسیوں کی محافظ عورتیں فوراً کرایہ کے پیسے لینے اور ٹکٹ دینے کو آموجود ہوتیں۔ یہ پیسے دے کر خواہ تم آدھی رات تک بیٹھے رہو اور خواہ فوراً اٹھ جاؤ۔ یہی حال پیرس کے بڑے بولوار شانز لیزی کی کرسیوں کا تھا۔

گواڈی لوپ گواڈے لوپ ایک پرانی فرانسیسی آبادی کے مکان میں شکر کی بہت عمدہ نمائش تھی جو اس علاقہ کی سب سے بڑی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ یہاں شکر بنانے کی بڑی بڑی کلیں نصب کی گئی ہیں۔ اسلئے شکر بہت عمدہ قسم کی سفید اور بھورلی تیار ہوتی تھی۔ کافی کوکو اور ونیلا گرم مصالحے وغیرہ اس نوآبادی کی دوسری پیداواریں دکھلائی گئی تھیں۔ اناناس۔ کیلا اور آم کی چند اقسام بھی اس مکان میں نمائش کی گئی تھیں جو اس نوآبادی میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور فرانس تک بذریعہ خاص میوہ جات کے جہازوں کے صحیح وسلامت پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان جہازوں میں اسی غرض کے لئے ریفریجریٹنگ چیمبرس (Refrigerating Chumbers) یعنے ٹھنڈا رکھنے والے کمرے ایزاد کئے گئے ہیں۔ کیا ہندوستان کے آم اور کیلے فرانس اور انگلستان وغیرہ ممالک میں اسی قسم کے جہازوں میں ولایت تک تازہ نہیں پہنچ سکتے؟ ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی اولوالعزم میوہ کا تاجر یا تاجروں کی جماعت ادھر متوجہ ہو اور کسی انگلستان

کی جہاز ران کمپنی کو ادھر متوجہ کرے۔ ہندوستان میں جتنے میوے اب پیدا ہوتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہو سکتے ہیں اور لاکھوں روپے کے یورپ میں بک سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ چند دستکاریاں اور شکار کے جانوروں وغیرہ کے نمونے دکھلانے گئے تھے۔ نمائش گاہ کی اکثر عمارات کی طرح یہاں سے منظروں کے فوٹوگرافوں کا ایک گھومنے والا اسٹینڈ یہاں بھی رکھا ہوا تھا۔

ایک اور فرانسیسی بستی

مارٹینیک کہ جسے ۱۹۰۲ء کے زلزلے سے سخت صدمہ پہنچا ہے بھی ایک قدیم فرانسیسی نوآبادی ہے جس پر بعض اوقات ۱۷۶۲ء اور ۱۸۰۹ء ۱۸۱۴ء کے مابین انگریزی قبضہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ سراسر سبز جزیرہ ہے اور یہاں بھی قہوہ نیشکر اور ونیلا کی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ اس مکان میں قہوہ کی تمام صورتیں خام بھنا ہوا اور پسا ہوا جا بجا دکھلائی گئی تھیں۔ جزیرہ کے پانچویں حصہ میں نیشکر بویا جاتا ہے۔ اسلئے نیشکر سے لے کر اسکے رس کی ہر صورت یعنے شیرہ شکر اور رم (شراب) وغیرہ علیحدہ علیحدہ نمایاں کی گئی تھیں۔ کوکو کے دانے اور مٹھائی بنانے کا طریق دکھلایا جاتا تھا۔ روئی بھی بادام کیلا اور دیگر نباتات کے نمونے بھی تھے۔ دیسی باشندوں کی عکسی تصاویر کے علاوہ اس ملک کا ایک خاص ناچ "بمبولا" موسیقی باجوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا۔ ایک فونوگراف میں یہاں کے باشندوں کے گیت بھی بند کئے گئے تھے۔

ری یونین

لاری یونین ایک اور فرانسیسی نوآبادی کا مکان وہاں کی زراعتی اور جنگلات کی پیداوار کے نمونوں سے پر تھا۔ یہاں بھی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ نیشکر و نیلا قہوہ کوکو۔ تمباکو۔ گرم مصالحے۔ کونین۔ ربڑ وغیرہ کے نمونے نمایاں کئے گئے تھے۔ اس جزیرہ میں بھی گیانا کی طرح ہندوستانی قلی بہت ہیں کہ جن میں سے بعض وہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ پہلے نیشکر کے کھیتوں

میں کام کرنیکے سے لئے گئے تھے۔ اب گورنمنٹ ہند نے سوائے انگریزی مقبوضات کے ہندوستانی قلیوں کا بھرتی ہو کر جانا بند کر دیا ہے۔

متفرق نوآبادیاں ایک اور مکان میں فرانس کی کئی ایک چھوٹی نوآبادیوں مثل سینٹ پیئر میکیلن۔ فرانسیسی سمالی لینڈ۔ مثوٹ اور پوسینیا وغیرہ کی پیداواریں اور دستکاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ یہی سینٹ پیئر ہے جو سنہ ۱۹۰۲ء کے زلزلہ کے صدمے سے برباد ہو گیا ہے۔ یہاں جزائر کمورو کے ایک کارخانہ شکر کا ڈایورا ما بہت دلچسپ تھا۔ ہر چند کہ ہندوستان میں کئی جگہ کھانڈ بنتی ہے۔ مگر سب جگہ وہی پرانا طریق چلا آتا ہے۔ جیسا کہ روہیلکھنڈ میں میں نے دیکھا ہے۔ لیکن اگر ایسی مشینری استعمال کی جاتی تو یقیناً کم خرچ سے عمدہ شکر تھوڑے عرصہ میں تیار ہو سکتی فرانسیسی سمالی لینڈ کے بندرگاہ جبوتی سے جو مال تجارت مثل سونے ہاتھی دانت قہوہ چمڑہ اور (Frankincense) ابی سینیا کے لئے اور اسلحہ روئی اور دیگر پارچے اور سوتی وغیرہ یورپ کے لئے گذرتا ہے۔ دکھلایا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی پتھر کی سیڑھی میں ہاتھی دانت کا کام سمالی لینڈ کا کیسا خوشنما تھا۔

کھوپریوں کا مینار ڈھومی بھی فرانسیسی مقبوضہ ہے۔ اسکے مکان کا دروازہ ایک بلند مینار کے بیچ میں سے نکالا گیا تھا جو یہاں کے بڑے شہر ابومی کی قربانی کے مینار کی صحیح نقل تھا۔ اور اسکے چھپر کی چھت پر جو سونٹیوں کے سروں پر انسانی کھوپریاں رکھی ہوئی تھیں یہ واقعی ڈھومی کے غلاموں کی تھیں کہ جنھیں بادشاہ نے ایک روز قتل کیا تھا۔ اندر سے بھی اس مکان کو آرائش کے انھیں نمونوں سے سجایا گیا تھا جو اہل ڈھومی میں مروج ہیں اور اسی لئے مکان کیسا بھدا معلوم ہوتا تھا۔ اس مکان میں اس ملک کی معلومات کے متعلق کئی کتابیں رپورٹیں اور نقشے اور فوٹو گراف رکھے ہوئے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں اس ملک کے لوگوں کے نشست برخاست کا اچھی خاصی عجائب گاہ تھی

یہ لوگ ہر ایک عجیب سی چیز کو قابل پرستش سمجھ کر پرستش کرنے لگتے ہیں - خواہ لکڑی کا ٹکڑا ہو یا پتھر کا کوئی نمونہ - ان چیزوں کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انسان کی عقل کہاں تک ادنیٰ ہو سکتی ہے - یہاں شاہ ابوبی کا تخت اور اسکے کپڑے اور سزا دینے کے اوزار بھی رکھے ہوئے تھے - کبھی کبھی اس ملک کا جادو کے زور سے علاج کرنے والا حکیم بھی آ کر اپنی بیہودہ رسمیں دکھلاتا تھا - مگر میں نے نہیں دیکھا - ان کی تین چار عورتیں اور مرد بھی یہاں موجود تھے -

آیوری کوسٹ آیوری کوسٹ کے لئے ایک علیحدہ عارضی مکان بارک کی طرح بنا ہوا تھا - جو نمائش کے بعد کھول کر اس علاقہ میں کام آنے کے لئے بھیجدیا گیا ہوگا - اس ملک میں مہاگنی کی نہایت مضبوط لکڑی - انڈیا ربڑ - کھوپرے کا تیل اور سونا ہی زیادہ پیدا ہوتا ہے - اور انہیں چیزوں کی نمائش کی گئی تھی - مہاگنی کی لکڑی کے طرح طرح کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے - دیسی باشندوں کے سونے کے بعد سے زیورات کا اچھا خاصہ مجموعہ تھا دیسی باشندوں کی شکلوں اور صورتوں سے تماشائیوں کو واقف کرنے کا بھی اچھا سامان کر دیا تھا - دیواروں پر چھت سے نقشے آویزاں تھے جن میں سے ایک میں مختلف رنگوں میں بتلایا گیا تھا کہ اس ملک کے کس کس حصہ میں کیا کیا پیداوار ہوتی ہے -

فرنچ گنی فرنچ گنی کا مکان اس ملک کے اصلی باشندوں کی گول جھونپڑوں کی طرح دو دو منزلہ گول جھونپڑے چھپر کے چھت کے تھے - جو چھپر سرے پر ایک نوک میں ختم ہوتا تھا - سپاریاں کولانٹ - مختلف قسم کی لکڑیاں Caoutchouc سونے کی ریت - ہاتھی دانت اور اسپارٹو گھاس کی چیزیں بطور پیداوار اور دستکاری کی دکھلائی گئی تھیں - اس مکان کے سامنے ایک مٹی کا بلند تودہ دیسیوں کے قلعہ کی طرح بنا کر اس میں دو منزل کے مختلف اور پشتہ پر چھپر ڈال کر کانٹا کی پولیس اور ملیشیا کا نمونہ دکھلایا تھا

سامنے ایک کھیتی میں وسیبوں کی کھیتی باڑی اور فصل کا نمونہ دکھلاتے کے لئے۔ باجرا۔ کیلے کے پودے۔ چاول۔ قہوہ۔ کوکو۔ انڈیا ربڑ اور کوچی کے پودے بو رکھے تھے۔

انڈو چائنا

فرانسیسی افریقن نوآبادیوں کے مکانات کی صورتیں ہر چند کہ متنوع بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن ان کے اندر بہت سا بعد اپن اور یکسانیت تھی۔ لیکن فرانسیسی انڈو چائنا کی عمارات کیا بلحاظ ظاہری صورت کے دلکش ہونے اور کیا اندر کی حالت کے بہت دلچسپ تھیں۔ فرانسیسی علاقہ انڈو چائنا جو ایک گورنر جنرل کے ماتحت ہے کسی ایک مقام کا نام نہیں۔ بلکہ اس میں کوچین چائنا۔ کمبوڈیا۔ لاؤس۔ انام اور ٹانکین شامل ہیں۔ اور فرانس نے انڈو چائنا کی نمائش کے لئے پانچ بڑی مکانات یہاں تعمیر کئے تھے (۱) انڈو چائنا کی پیداوار کا مکان چولون کے پگوڈا کی نقل تھا (۲) فنون دستکاری کا مکان کورلا (ٹانکین) کے محل کا نمونہ تھا (۳) جنگلات کی پیداوار کا مکان ایک انامی گھر کی صورت کا تھا۔ (۴) پنوم پینہ اس نام کے پہاڑی اور شاہی مندر کی نقل تھا۔ اور (۵) انڈو چائنا تھیٹر

(۱) انڈو چائنا کے بڑے آباد چینی شہر چولون میں یہ مندر عجائب گھر سمجھا جاتا ہے۔ اس میں تمام فرانسیسی علاقہ کی زراعتی پیداوار اور دستکاریوں کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ چاول۔ چائے۔ قہوہ کوکوا۔ موم۔ شہد۔ نیشکر۔ نیل۔ رنگدار لکڑیاں ربڑ۔ تیل۔ اخروٹ۔ مچھلی ہاتھی دانت۔ ہڈی۔ مختلف سوتی کپڑے۔ پودے۔ کچا ریشم۔ افیون تمباکو دیا سلائی۔ نمک۔ مچھلی۔ سیپ۔ چٹائیاں۔ اسلحہ۔ سونا چاندی۔ تانبا۔ مٹی۔ پتھر کا کوئلہ۔ گاڑیاں۔ پالکی۔ باجے۔ پردے وغیرہ۔ دیواروں پر کئی نقشے ان ممالک کے شہروں اور اس میں فرانسیسی ترقی کے تھے (۲) فنون اور دستکاری کی عمارت میں انڈو چائنا کے نئے آرٹ ٹیکنیک کے نمونے۔ مصورہ کتابیں اور تصویریں

چھاتے - پنکھے - چٹنیں - ریشم پر کام - زردوزی کام - کچھوے کے چھلکے
پر کام - فرنیچر - کھلونے - لیکر (ایک قسم کا جاپانی روغن) کے برتن - پروں
کی چیزیں - چینی اور مٹی کے نفیس برتن - ٹوکریاں - لباس اور ساز وغیرہ گلاس
کیسوں میں تھے (۳) جنگلات کے سامان کا انامی شکل کا مکان واقعی انام میں
بنایا گیا تھا جو یہاں ٹکڑے کر کے لایا گیا - ایسے مکانات دولتمند انامی سوداگروں
یا حکام کے ہوتے ہیں - انگریزی نوآبادی سنگاپور کی طرح یہاں کی سرکاری
آمدنی کا بھی بہت سا دار جنگلات کی پیداوار پر ہے - مگر لکڑیوں کے سب
نمونے ایسے تھے جو ہم لوگ نہیں جانتے - (۴) پنوم پینہ مینار کی عمارت
واقعی بڑی عجیب تھی - ایک دو منزلہ مکان کے برابر بلند پہاڑی پر ایک بہت
بلند گنبد بنایا گیا تھا جو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پتھر سے کھود کر بنایا گیا ہوگا
کونوں پر چار بڑے بڑے عفریت بنائے گئے تھے - دہلیز کے قریب
ایک چھ فیٹ بلند بودھ کا سنہری بت نروان کی حالت میں رکھا ہوا تھا - بہت
سی سیڑھیاں چڑھ کر اس دروازہ تک پہنچتے تھے - مکان کے اندر کی تعمیری
آرایش میں جنگلات کے پھل اور پھول اور پودوں کی صورتیں بنائی گئی تھیں -
اوسط میں ایک غار رکھا گیا تھا جس کے اندر کمبوڈیا کے کئی نظاروں کو ڈیوراما
اور ایک سینو سیٹوگراف رکھا گیا تھا - یہیں وہاں کے باشندوں کے چند
موم کے بت دیسی لباس میں رکھے گئے تھے - اور وہاں کے جانوروں کے
نمونے بھی تھے - کچھ مذہبی رسوم کی متعلقہ چیزیں - موم بتیاں اور کچھ اور موٹے
موٹے بت بدھ کے تھے - پجاریوں کے چھوٹے سے مکان کے پاس چند
بانس کے کھمبوں کے چھپر ایک کمبوڈیا کا موضع دکھلانے کے لئے بنائے
گئے تھے - لیکن ایک اور نہایت عجیب چیز دکھلائی گئی تھی - یہ ایک چھوٹا
سفید ہاتھی سا سفید ہاتھی تھا جو گورنر جنرل انڈو چائنا کی درخواست پر
ایک فرانسیسی سوداگر نے لوگوں کو دکھلانے کے لئے یہاں لا رکھا تھا - گو

سنگار تک سفید تو کسی طرح نہیں کہا سکتا تھا بلکہ زردی مائل میلا سا تھا۔ مگر کہتے ہیں کہ سچ کا سفید ہاتھی کہیں ہوتا بھی نہیں۔ جس سفید ہاتھی کی پوجا انام۔ کوچین چائنا اور کمبودیا کے بادشاہوں تک پرستش کرتے تھے اور اسے سونے کے برتنوں میں کھانا دیتے تھے۔ اور وہاں کے باشندے اب تک اسے بادشاہ سے بھی زیادہ بودھ کا مقرب سمجھتے ہیں وہ ایسا ہی ہوتا ہو چنانچہ اسکی زیارت سے نمائش پیرس کے دیکھنے والے بھی محروم نہ رہے انڈو چائنا سیکشن میں کمبودیا کے زن و مرد تماشے کرتے تھے جو میں نے نہ دیکھے لیکن اسکے قریب ہی ایک جگہ انام کے رہنے والوں کے آٹھ دس جھونپڑے تھے جن میں یہ مرد اور عورتیں چٹائیاں بنانے ریشم بُننے۔ زردوزی اور سیپ کھودنے کے کام میں مصروف پائے جاتے تھے۔ یہ انامی بہت چھوٹے قد کے اور دُبلے پتلے تھے مگر ان کے چہروں سے ذہانت نظر آتی تھی۔ ان کے مقابلہ میں کمبودیا کے لوگ قدآور تھے مگر غبی سے معلوم ہوتے تھے۔

انامیوں کا لکڑی میں سیپ آسودہ کرنے کا کام بہت عمدہ تھا۔

ہندوستان کا محل انگریزی مقبوضات اور آبادیوں میں ہندوستان کا محل بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت عربی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی تھی۔ اسکے داخلے کے دروازہ کے گرد دو گول گنبدوں والے مینار تھے۔ میں نے اس مکان کو دو تین دفعہ دیکھا۔ پہلی منزل میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی دستکاریوں کے نمونے سجائے ہوئے تھے۔ برہما کا بہت بڑا لکڑی کا کندہ جو اور دروازہ بہت دلچسپ تھا۔ سورت کا لکڑی کا کام بھی عمدہ تھا۔ پنجاب کا سیپ بیشی اور کشمیر کا چاندی اور تانبے اور مینا کاری کا کام آگرہ اور کشمیر وغیرہ جگہوں کے قالین۔ جودھپور کا ہاتھی دانت کا کام۔ میسور کی چوبی میزیں ہاتھی دانت کا باریک کام۔ بھاؤنگر احمد آباد اس کی چاندی کی چیزیں سب خوشنما تھیں۔ بنگال کی سوزن کاری۔ ملتان اور مراد آباد کے مٹی کے روغنی برتن کا چو

اور میرٹھ کا صابن ۔ اور سیلون کے موتی بھی منجملہ اور چیزوں کے موجود تھے ۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان کا لکڑی پر کھودنے کا کام کئی یورپین ممالک سے بھی اچھا تھا ۔ گو ڈیزائنیں اچھی نہ ہوں ۔ داخلے کے قریب ہی کئی قد آدم بت ہندوستان کے فوجی سپاہیوں کے کھڑے تھے ۔ جو بہت شاندار اور قد آور معلوم ہوتے تھے ۔ مکان کے بیچ کے حصہ میں ہندوستان کے جنگلی جانوروں کا ایک جنگل بنایا گیا تھا ۔ جس میں ہاتھی شیر چیتے ریچھ بھیڑیے لومڑی وغیرہ جانوروں کے بُت بھُس سے بھرے ہوئے قدرتی ہیئت میں کھڑے تھے ۔ چند ہندوستانیوں کی دکانیں بھی تھیں ۔ ایک پارسیوں کے کپڑے اور دھات کے برتنوں یعنی انڈین کیوریاسی ٹیز Indian Curiosities کی ۔ ایک اچار اور چٹنیوں کی تھی ۔ میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ پارسیوں کی دکانیں بیس بیس سال سے لنڈن میں ہیں ۔ مگر انہیں کامیابی نہیں ہوئی ۔ مسٹر ٹامس لپٹن اور انڈین ٹی ایسوسی ایشن کی چائے کی دکانیں تھیں ۔ اس ایسوسی ایشن نے جو ہندوستان کے یورپین باغات چائے کے مالکان کی قائم مقام ہے یہیں چائے پلانے کا ایک قہوہ خانہ کھول رکھا تھا ۔ جس میں یورپین عورتوں نے اپنے سروں پر چھوٹی چھوٹی پگڑیاں ہندوستان سے تعلق ظاہر کرنے کے لئے باندھ رکھی تھیں ۔ اگر ایسوسی ایشن کو سیانی ہندوستانی نوکر یا نوکرانیاں اس کام کے لئے ملتے تو وہ خوشی سے رکھتی ۔ چنانچہ انہیں میں ایک شخص گلاب شاہ نامی پنجابی چائے پلانے پر ملازم تھا ۔ وہ کہتا تھا میری ماہوار تنخواہ تقریباً سو روپیہ ہے اور جو لوگ چائے پیتے ہیں وہ بطور ٹپ کے اور بھی کچھ دے جاتے ہیں ۔ یہ لنگی اور کلاہ بڑے فخر سے باندھتا تھا ۔ اور زیادہ لوگ اُسی سے آکر چائے منگاتے تھے ۔ ایک کلکتہ کی رسوں کی دکان بھی تھی جس نے ہر قسم کے موٹے اور باریک رسوں سے ایک محراب بنا رکھا تھا ۔ ایک فرخ آباد کا چھیپا کپڑے چھاپنے کی دکان لگاتا تھا ۔ وہ چھاپ جما رہے تھے اور

ایک چھوٹے چھاپنے والا نوکر ساتھ تھا۔ چونکہ کوئی سامان اور مشین چھاپنے
چھاپنے کے لئے وہاں سے درکار نہ تھی اور نہ سوائے تین آدمیوں کی روٹی کے
اسے کچھ اور خرچ پڑتا تھا اسلئے یہ کہتا تھا کہ میرا کام اچھا چل رہا ہے۔ کچھ
اور وہاں سے بھیجی ہوئی پھلکاریاں اور موٹا پشمینہ کا سامان بھی ساتھ تھا۔ چونکہ
سیدھا بنا تھا اور سوائے پیرس سے آلو خریدنے اور وہاں کا پانی پینے کے باقی
کھانے کی چیز فرخ آباد سے منگواتا تھا اور خود کھانا پکاتا تھا اسلئے بھی اسکا
خرچ غیر معمولی طور پر کم ہوتا ہوگا۔ ہندوستانی تھیٹر کمپنی کا خرچ تو انہوں کا بہت
زیادہ تھا۔ مثلاً ایک پہلوان کو ہزار اور ایک اور کو سات سو روپیہ ماہوار اور
ایک ایکٹرنی کو آٹھ آٹھ دس دس سو روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ ایک ایکٹرس سی
کو سو روپیہ۔ ہاں یہ کمپنی کچھ کاریگر بھی ساتھ لے گئی تھی جو فرنچ انڈیا بازار میں
میں بیٹھے کام کرتے دیکھے تھے۔ ان میں سے ایک مٹھائی بناتا تھا۔ ایک
ہاتھی کے کھلونے۔ ایک میاں نذیر حسین دہلی کا مصور تھا جو ہاتھی دانت کی
پلیٹ پر بہت عمدہ منی ایچر (Miniature یعنی چھوٹی سی تصویر
بناتا تھا۔ اور کئی کے کام کرتے بھی اچھے یورپین مصور پسند کرتے تھے۔ اسکے
علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ بلکہ یہ کمپنی مراد آباد بنارس و کشمیر کے پیتل و دیگر
کے برتن خورجہ اور بلند شہر کا آبنوس و ہاتھی دانت کا کام اور کچھ اور ہندوستانی
سامان بھی لے گئی تھی۔ مگر میں نے اسکے ملازموں سے یہی شکایت سنی
تھی کہ کچھ بکری نہیں ہوئی۔ ہندوستان کے قصر نمائش کی دوسری منزل پر
ہندوستان کی زراعت معدنیات و جنگلات کی پیداوار کی نمائش تھی۔
ابرق کے بڑے بڑے ٹکڑے دو دو گز لمبے میں نے یہیں دیکھے
میں سیڑھیوں کے مقابل دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کا نظارہ
مع امام صاحب کی تصویر کے ایک اچھا مرقع تھا۔ اور چند ہندوؤں کے
دیوتاؤں کی بھی تصویریں تھیں۔ مگر نہیں تھی تو اس مکان میں ایک

بھی مشین کسی قسم کی نہ تھی ۔

سیلون ہندستان کے قریب سیلون کی علیحدہ عمارت میں بہت سی بیش قیمت اور خوبصورت چیزیں اس جزیرہ کی پیداوار سے تھیں۔ جواہرات اور زیورات خصوصاً سیلون کے موتیوں کا عمدہ مجموعہ تھا۔ قریب کے قہوہ خانے سے سیلون کی چاے کا پیالہ بھی مل سکتا تھا مگر بلا قیمت نہیں ۔

کینیڈا کینیڈا اور آسٹریلیا کی قابل نمائش چیزیں ایک ہی عمارت میں رکھی گئی تھیں جسے کولونیل بلڈنگ کہتے تھے۔ اور اسی میں جبرالٹر برٹش ہانڈوریس۔ ونڈورڈ آئیلینڈس۔ ٹرینیڈاڈ۔ ٹوباگو۔ فاکلینڈ آئیلینڈس سیرالیون۔ گولڈکوسٹ۔ لاگوس۔ سینٹ ہیلینا۔ ملاکا۔ ہانگ کانگ۔ نیوگنی۔ اور جزائر سینڈوچ وغیرہ کی کوئی کوئی چیز ہوگی۔ فرانس کی طرح انگلستان اگر ہر نوآبادی یا مقبوضہ علاقہ کے لئے الگ الگ مکان بناتا اور اسی کوشش سے انہیں وہاں کی چیزیں لاکر رکھتا تو نمائش میں اور کسی ملک کے لئے مکان ملنا مشکل ہوجاتا۔ کینیڈا میں بالکل یورپ کی طرح اشیاے صنعت وحرفت بنتی ہیں۔ بائیسکل۔ ٹائپ رائیٹر۔ باجے۔ ذخیرہ معدنی اور زراعتی پیداوار علیحدہ علیحدہ تھی۔ گیہوں کا بہت بڑا ڈھیر ایک شیشہ کے صندوق میں پڑا تھا۔ ایک میں آٹا بھی تھا۔ کیونکہ گذشتہ چند سال میں کینیڈا میں گیہوں کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے۔ اور کینیڈا بھی اضلاع متحدہ امریکہ کی طرح گیہوں غیر ممالک کو بہم پہنچاتا ہے۔ کینیڈا کے جنگلی جانور بھی بھس بھر کر دکھلائے گئے تھے سفید بھیڑیا۔ سفید ریچھ اور کئی قسم کی مچھلیاں تھیں۔ وھیل مچھلی یعنی دریائی بچھڑا اس سے پہلے سواے تصویر کے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا سر باقی جسم سے خاصا الگ اور اونچا اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ جنگلی جانوروں کے چمڑوں پوستینوں اور سموروں کی بھی کثرت تھی۔ چونکہ کینیڈا ابھی بہت سا غیر آباد

ملک ہے اور گورنمنٹ برطانیہ اور نیز گورنمنٹ کینیڈا چاہتی ہیں کہ نو آبادیاں
بسانے والے وہاں جا کر آباد ہوں۔ گورنمنٹ نو آباد کاروں کو طرح طرح کی ترغیبیں
زمین مفت دینے وغیرہ کی دیتی ہے۔ یہاں کینیڈا کے متعلق ایک خاصی
ریفرینس کی لائبریری جمع کی گئی تھی۔ جس سے خصوصاً کینیڈا میں جا کر آباد ہونے
والوں کو ہر قسم کی واقفیت حاصل ہو سکتی تھی۔ کینیڈا کی ریلیں اور جہازی
کمپنیوں کے راستے نقشوں پر دکھلائے تھے۔

آسٹریلیا

آسٹریلیا کی اشیاء سے نمائش میں معدنیات کے نمونے
بہت تھے۔ سونا۔ چاندی۔ جست۔ ٹین کے نمونے نمایاں کئے گئے تھے
گذشتہ پچاس سال میں اس نو آبادی سے کس قدر سونا برآمد ہوا ہے۔ تیل
اور چوب کے نمونے بھی تھے۔ خصوصاً پشم کے کہ جو گوشت کے علاوہ اس
ملک کی بڑی پیداوار ہے۔

جاوا اور سماٹرا

ڈچ انڈیا کا مکان جیسے موقع گزر قبہ میں تھا۔ اور ہالینڈ
نے اس سال میں اپنے مشرقی مقبوضات جاوا اور سماٹرا وغیرہ کی نمائش کے
لئے تین مکان بنا رکھے تھے۔ ان میں سے جاوا کے مندر چاندی ساری کی
نقل بودھ طرز تعمیر کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ جاوا میں اس مندر سے پلاسٹر کے
ٹھیک نمونے اتار کر یہ مکان بنایا گیا تھا۔ اور جاوا کے بودھ مذہب کے مشہور
مندر سے بودھ دیو کی زندگی کی مختلف حالتوں کی ساٹھ میٹر لمبی باس ریلیف
(فراز و نشیب) تصاویر کا مجموعہ نقل کیا گیا تھا۔ اسکے احاطہ کی دیوار پر بودھ
کی بہت سی بت بنا کر جا بجا رکھے ہوئے تھے جس سے دور سے دیکھنے والوں
کو اس مکان کے اندر داخل ہونے کی بڑی ترغیب ہوتی تھی۔ مکان کے اندر
نہ صرف روشن اور شو کے بہت سے اسباب رکھے ہوئے تھے بلکہ ہندوؤں کی
طرز تعمیر سے عمارت کو خوب سجا آراستہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے دونوں
پہلوؤں میں دو مکانات اہل سماٹرا کی وحشی مکانات کی طرز کے جنگی پیشانی

پر لکڑی کی کھدائی کے کام نمایاں ۔ چھپروں سے مسقف ہیں لیکن
یہ چھپر کسی باریک سی روئیدگی یا گھاس سے بنائے گئے تھے جسے میں شناخت
نہ کر سکا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ۔ کہ یہ گھوڑے کی دم یا لکڑی کے موٹے
موٹے بال ہیں۔ ان مکانات کے اندر کچھ نمونے ان ملکوں کے باشندوں
کے خس پوش مکانات کے تھے جو کھجور کے پتوں کے چھپر معلوم ہوتے
تھے۔ ان مکانات میں سے ایک میں ہالینڈ کے کرنیل قلعہ بندی
کے نقشے۔ جنگی ہسپتال۔ بحری اور فوجی سامان تھے۔ اور بہت سے
چارٹ اور فوٹوگراف آویزاں تھے۔ دوسرے میں مقبوضات ڈچ کی
زراعت معدنیات اور اشکال الاقوام کے نمونے اور ستر ہندو دیوتاؤں کے
مٹی کے بت تھے۔ پاس ہی جاوا کے ناچ لیلا کے شائقین کے بھیس
بدلنے کے بعد کے سامان۔ اور کاغذ اور سنہری پتر کے مکٹ جمع
کئے گئے تھے۔ اہل جاوا اور سماٹرا کی بھی تیسری چوتھی انگلی اور انگوٹھے
کے ناخن چھنیوں کی طرح بڑھے ہوئے دیکھے گئے۔

ٹرینسوال ٹرینسوال کا ابھی نزاع میں ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ جس پر
بوئروں کا جھنڈا اڑ رہا تھا۔ اور چونکہ وہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر
بنا ہوا تھا اسلئے علیحدہ مکان تھا ورنہ ضرور انگریزی نو آبادیوں اور مقبوضات
میں ہی ٹرینسوال کی اشیا بھی رکھدی جاتیں یہ دو منزلہ مکان دو سو مربع گز
پر تھا۔ لیکن اسکے علاوہ اور بہت سی جگہ پر ٹرینسوال کے متعلق مکانات تھے
ایک مکان بوئروں کے فارم کے نمونہ کا تھا کہ جن فارموں کا حال چند
سال سے ہر رنگ اخبارات میں بکثرت پڑھ چکے ہیں۔ بوئر فارم اور بڑے
مکان کے مابین بوئروں کے آلات کاشتکاری رکھے ہوئے تھے۔ اور سات
چالیس سال پہلے کے عمدہ آلات اور چھکڑے نمایاں کئے گئے تھے۔
مگر سب سے دلچسپ ٹرینسوال کا وہ مکان تھا جس میں سونا نکالنے کی

عجیب و کھلائی جاتی تھی۔ اسکا ذکر ذرا آگے چلکر آئیگا۔ ٹرنسوال کی نمائش کے مکان میں زیادہ تر اس ملک کے نمونہ نباتات و معدنیات کے نمونوں کا مجموعہ تھا۔ اور بعض تیر وغیرہ جنگلی جانوروں کی کھالوں کا۔ اس ملک کے اصلی باشندوں کی چیزیں مثل ڈھال اور تیر و کمان کے اور ان کے بُت تھے۔ ایک جگہ بوئروں کے سررشتہ تعلیم کے نقشے آویزاں تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ٹرنسوال میں تعلیم خاصی بڑھ رہی تھی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں کل اٹھارہ ہزار طلبا ٹرنسوال کے مدارس میں ہر قسم کے مضامین پڑھتے تھے۔ جن میں مُردہ زبانیں عبرانی اور یونانی بھی چند کس سیکھتے تھے۔ اور فزک کیمسٹری اور جیالوجی سیکھنے والے طلبا بھی تھے۔ لیکن سارے مکان میں دلچسپ بات یہ تھی کہ

کروگر کا بُت

بڑے کمرے کے عین وسط میں پریسیڈنٹ کروگر کا ایک بُت ایک پیڈسٹل پر رکھا ہوا تھا۔ اور بوجہ جنگ کے اسکے گرد پھول اور پتے بکثرت لٹکا دیے گئے تھے۔ لوگ اس پھول کے ہار بھی چڑھاتے تھے جیسے کہ مُردے کے عزیز مُردہ کی قبر پر چڑھاتے ہیں۔ اور سینکڑوں نام کے کارڈ ان چیزوں کے ساتھ یورپین تماشائیوں نے ٹانکے ہوئے تھے ان میں سے اکثر کارڈوں پر فرانسیسی اور ایک جگہ انگریزی میں بھی لکھا ہوا تھا "شاباش بہادر! تمہاری بہادر قوم زندہ رہے"۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ یورپ میں جنگ ٹرنسوال کی وجہ سے بوئروں سے بہت لوگوں کو اور خصوصاً فرانسیسیوں کو ہمدردی تھی اور انگریزوں سے اسی قدر بغض و حسد تھا۔ ہندوستان کی مکی ٹرنسوال میں چھوٹی مکی کہلاتی ہے۔ وہاں کی بڑی مکی کا دانہ بہت چوڑا اور بڑا تھا۔ میری نوٹ بک میں اسکا اتنا بڑا

خاکہ کھینچا ہوا ہے۔

سونے کی کان کی سیر

چونکہ ٹرنسوال کی تمام امیری اور دولت کا تمام مدار سونے کی برآمد پر ہے۔ اسلئے سونے کی ہر قسم تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی تھی اور سونا نکالنے

کی ہر منزل کو دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی - سونے کی کانوں کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے ایک زیر زمین لمبی چوڑی کان کھود کر اُس میں ٹرینسوال سے لائے ہوئے سونے والے پتھر کا چورہ جابجا پھیلا دیا گیا تھا ایک خوانک کا ٹکٹ لے کر میں بھی کان میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے چھاتا لیکر رکھ لیا اور مجھے ایک ایسی لکڑی پر بٹھلا کر

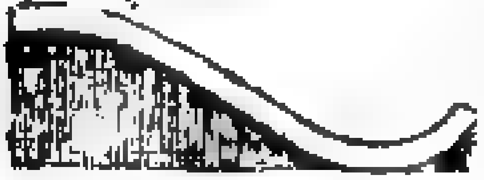

جس کی صورت کچھ اس طرح ڈھلوان تھی اور جسے سلائیڈ کہتے تھے - نیچے کو دھکیل دیا -

اس لکڑی کا ڈھلوان بارہ چودہ گز سے کم نہ ہوگا - اور بوجہ ڈھلوان اور پھسلنی ہونے کے جس شخص کو گھوڑے کی طرح دونوں ٹانگیں اس کی دونو طرف کر کے بٹھلا دیا جاتا وہ دم زدن میں کان کی سطح پر جا کر جہاں تک یہ لکڑی جاتی تھی رک جاتا - ونشاتو مجھے نیچے پھسلتے ہوئے خطرے کا خیال ہوا - لیکن ابھی یہ خیال ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نیچے پہنچ کر زمین پر کھڑا ہو گیا - جو کانیں زیادہ گہری نہ ہوں ان میں نیچے اترنے کا اس سے سہل طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے - مجھ ایک پارٹی پہلے ہی ایک گائیڈ کے ہمراہ جسکے سر پر ٹوپی میں چراغ جڑا ہوا تھا کان کو دیکھنے کو جا رہی تھی - میں بھی شریک ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پوری طور پر زبان نہ جاننے کی وجہ سے تھوڑا بہت مطلب سمجھا - گائیڈ آگے آگے کان میں مختلف طریقے کھودنے کے دکھلاتا جاتا تھا - جابجا کان کنوں کے بت بنا کر رکھے ہوئے تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کیسی کیسی مشکل جگہوں پر کس طرح کھودا جاتا ہے - قریب نصف میل کے پیچ در پیچ راستہ زیر زمین گھومے ہونگے - ایک جگہ کان کے بارود کے ساتھ اڑانے کے حادثہ سے کئی آدمی مرے پڑے تھے - جوہانسبرگ کی سونے کی ایک کان میں جو حبشی مزدوروں سے کام لے رہے تھے ہر راستہ میں ٹریموے کی سڑک تھی - جابجا چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیاں زر آلود پتھروں سے بھری ہوئی ملیں - ایک جگہ

ایک بجلی ہریلوے سے مع انجن اور چند گاڑیوں کے دور تک ایک حلقے کے گرد چلا کر دکھلائی گئی۔ راستہ میں کئی جگہ دونوں طرف لکڑیاں کھڑی کرکے اور بیچ میں لکڑیوں کا چھت ڈال کر بنایا تھا تاکہ کان کی اور خندق میں نہ گر جائیں۔ یا کان کا لمبا راستہ نہ روک دے۔ سب جگہ بجلی لیمپ روشن تھے۔ ایک جگہ اتنا تنگ راستہ تھا کہ کبڑے ہوکر مشکل گذر سکے۔ کان کے اندر داخل ہوتے ہی خاصی سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ کئی لیڈیوں نے اپنے گاؤن پچھلی طرف سے الٹ کر سر پر اوڑھ لئے۔ کئی جگہ کان کے پہلوں میں زر اندود Auriferous پتھر کی دھاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ اور انہیں جگہوں سے پتھر کھود کر گلایا جاتا ہے کہ جس سے سونے کی ریگ برآمد ہوتی ہے۔ ایک جگہ گندھک اور جست کی کان کا نمونہ بھی تھا۔ جہاں سے ہم کان میں داخل ہوئے تھے اُس سے بہت دور باہر جا نکلے۔ یہاں ایک بھاری مشین لگی ہوئی سونے والے پتھر کچل رہی تھی۔ خود بخود پانی اس کچلی اور سنگین مادہ کو دھوتا اور چھانتا جاتا تھا۔ اور جو اس میں سونا ہوتا تھا وہ علیحدہ ہو جاتا تھا۔ اسکے بعد ایک لیبوریٹری بنا کر دکھلائی گئی تھی کہ جس میں سونے کا میل صاف کیا جاتا۔ یہاں ایک مینار بنا کر اسپر نشان لگائے گئے تھے۔ جس سے ٹرنسوال کے سونے کی ماہانہ برآمد کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ٹرنسوال کی (۱۰۵) کانوں پر چھ کروڑ پونڈ سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ مگر اس سے چوگنا قیمت کا اس سال میں سونا برآمد ہوا۔ یہاں سے کسی قدر مشکل سے تلاش کرکے میں پھر اسی مقام پر پہنچا کہ جہاں سے کان کے اندر داخل ہوا تھا اور اپنا چھاتا حاصل کیا۔

قدیم غاریں — لیکن اس جگہ سے قریب ہی ایک مقام میں ایک اور غار تھی۔ جس میں قدیم تاریخی غاروں اور کانوں کے نمونے اور زیر زمین اشیا کی کیفیت دکھلائی گئی تھی۔ اسکا نام انڈر ورلڈ (تحتی دنیا) تھا۔ لوگ ایک خرچک

دیکر اندر داخل ہوتے تھے۔ اس میں زمین کی ساخت کے مختلف طبقات کی ماہیت دکھلائی جاتی تھی۔ بعض کانوں مثل بورہ وغیرہ کے نمونے بھی نیچے دکھلائے گئے تھے۔ ایک قدیم زمانہ کی کھودی ہوئی کان تھی۔ ایک مصری ممی (حنوط کی ہوئی لاش) کی خندق تھی جسکے محافظ ایک مصری دیوتا اور اسکی بیوی تھی ایک زمانہ جن مقبرہ میں انکی ممی اور کس نذرا کی قبریں تھیں۔ کئی اور قدرتی خندقوں اور غاروں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک میں فاسفورس کی روشنی نظر آتی تھی۔

روسی مقبوضات

ایشیائی روس کی کئی عالی شان اور خوشنما عمارتیں زائرکو دید کے خوردوں کے سامنے تھیں۔ ان کی تعمیر میں بانی زنقین طرز تعمیر کے بہترین نمونے صرف کئے گئے تھے۔ جس طرح روس کے گرجوں اور دربار روس کی عالیشان محلات کریملن وغیرہ کی تصاویر میں جو زرنگار اور رنگین مینار دیکھا کرتے ہیں ہیں نے روس میں گئے بغیر ہی یہاں ان خوبصورت میناروں کو دیکھ لیا۔ ان کی زرکار چھتیں زرد سبز اور نیلگوں جا بجا مطلا کی ہوئی بہت شاندار معلوم ہوتی تھیں روس کے پاس پاس چار پانچ مکان تھے۔ جن میں سے ایک جو بخارا کی اشیا سے نمائش کے لئے مخصوص تھا وہ دور سے سمرقند کی جامع مسجد کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ان مکانات میں سائبیریا وسط ایشیائی روس اور بخارا کی تمام پیداوار اور دستکاریاں جمع تھیں۔ آکثر نام روسی خط اور زبان میں

بخارا کی نمائش

تھے اسلئے سب چیزوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ وسط کے بڑے کمرے میں تمام سامان زیورات زینیں لگامیں۔ قالین۔ ریشم کے کپڑے اور کچھ درختوں اور جانوروں کے نمونے امیر صاحب بخارا کا ذاتی مجموعہ تھا بخارا کا ریشم مشہور ہے اور واقعی یہ نمونے اعلےٰ درجے کے تھے یہاں تین چار اہل بخارا محافظ تھے۔ ان میں سے دو سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں۔ تمہیں کہیں فارسی بھی کام آجاتی ہے۔ ایک دن شاہ کجکلاہ ایران کے

بعض ہمراہیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دوسرے کمرے میں روس کی پیداوار بہت سے قیمتی پتھروں اور جواہرات کے نمونے تھے۔ اس میں روس کے مختلف اقوام قلماق اور کیرگس وغیرہ کے دیوتا اور دیگر اشیا بھی تھیں۔ روسی ڈیول ڈانس (شیطانی ناچ) کے بُت بھی ایک جگہ تھے۔ روسی رعایا کی مختلف قوموں کے قدآدم بُت بھی کئی ایک تھے۔ ایک نہایت حسین جارجیائی عورت کا مومی بُت میں گویا باتیں کرنے کی کسر تھی۔ روس کے پشم اور پوستین والے جانوروں۔ ریچھ اور کئی قسم کی بلیوں اور لومڑیوں اور چوہوں اور چھپکلیوں اور بارہ سنگوں کی کھالیں اور بھس سے بھرے ہوئے نمونے ایک کمرہ میں تھے۔ یہ تو پوستین اور سمور روس کی سرکاری محاصل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کیسی کیسی خوبصورت پوستینیں روس میں پیدا ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ لیڈیاں تو ان پر فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ دو بہت بڑے سفید ریچھوں کے بُت دیکھے۔ ان میں سے ایک تو خاصا معمولی گائے کے قد کے برابر تھا۔ روس کے مختلف مقامات کی پیداواروں خصوصاً سائبیریا کی لکڑی کے کئی نمونے تھے۔ تاتاریوں کی خانگی زندگی کے سامان جابجا پڑے تھے۔ ان میں ایک جگہ ایک قرآن کی جلد بھی تھی۔ روس کے دونوں طویل ریلوے سلسلوں یعنی ٹرینس کاسپیا اور سائبیریا ریلوں اور کئی دوسرے انجنیری کاموں کے نقشے اور فوٹو گراف رکھے ہوئے تھے۔ اور بعض جہازوں کے ننھے ننھے ماڈل (نمونے) تھے۔ غرض روس کا بڑا معقول ذخیرہ اشیا نمائش کا تھا۔

سائبیریا کی ریل پچھلی طرف ان عمارات کی ایک جگہ سائبیرین ریلوے کا پینوراما تھا جس میں اس دنیا کے سب سے لمبے ریلوے سلسلہ کے راستہ کا متنوع نظارہ دکھلانے کے لئے لوگوں سے ایک یا دو فرانک فیس لیکر انہیں ریل کی سچ مچ کی گاڑیوں میں بٹھلا دیا جاتا۔ اور پھر اُن کی آنکھوں کے سامنے ان نظاروں کی تصاویر ایسی کل پُرزی سے پھرتے کہ لوگوں کو گمان

ہوتا کہ وہ سچ مچ سائبیریا کی ریل میں سوار ہو کر سفر کر رہے ہیں اور کہیں جنگل اور کہیں بیابان اور کہیں دریا اور کہیں کسی خانہ بدوش قوم کا قافلہ ان کے سامنے سے گذر جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ میں نے اس تماشا کو نہ دیکھا جس وقت میں اس جگہ کے اندر داخل ہونے کے لئے ٹکٹ لینے لگا تو ایک انگریز عورت ٹکٹ دینے والے سے جھگڑنے لگی کہ تم نے محض دھوکا کر رکھا ہے۔ کچھ بھی سائبیریا کے سفر کا مزہ نہیں آیا۔ اور ریل کی گاڑیاں ذرا نہیں چلتیں۔ مجھے بھی اس عورت نے اسباب کا یقین دلایا۔ اور میں نے اسکے دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ورنہ جس طرح اور بعض ملکوں کے پینوراموں کی خواب آنکھیں بند کر کے دیکھ لیا کرتا ہوں سائبیریا کے بھی دیکھ سکتا۔ سائبیریا کا علاقہ تمام یورپ کے برابر ہے۔ اور اب تو ویران اور غیر آباد ہے۔ لیکن اس ریلوے لائن سے اس علاقہ کی آبادی میں ضرور بڑا تغیر ہوگا۔ ساتھ ہی اہل یورپ چین اور جاپان کو جانے کے لئے اسی راستہ کو ترجیح دیا کرینگے۔ آجکل فرانس یا انگلستان سے جلدی سے جلدی اٹھائیس روز میں جاپان میں پہنچ سکتے ہیں اور تیس روز میں چین میں۔ لیکن اس لائن کی تکمیل کے بعد انگلستان یا فرانس سے لوگ سولہ روز میں جاپان میں اور سترہ روز میں چین میں پہنچ جایا کرینگے۔ کیونکہ ۱۱ روز میں موسکو سے ولیڈی وسٹاک تک اس لائن کی گاڑیاں پہنچیں گی۔ اور اڑھائی روز میں اب لنڈن سے ماسکو تک پہنچ جاتی ہیں۔

چین کے مکانات چین کی نمایش پانچ چھوٹے چھوٹے مکانات میں تھی جو ایک دوسرے کے متصل تھے۔ سنہ ۱۸۸۹ء کی پیرس کی نمایش میں چین نے روس کے قریب بعض پولیٹیکل وجوہات سے مکان بنانے سے انکار کیا تھا مگر اب کے اس نے روس کے قریب اپنے مکان تعمیر کر لئے۔ مگر گورنمنٹ چین نے معقول مقدار روپیہ کی اس کام پر خرچ نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ مکانات

چھوٹے چھوٹے بنائے گئے تھے۔ تاہم ان میں چین کی مشہور عمارات
کی نقلیں اتاری گئی تھیں۔ ایک میں پیکن کے نو دروازوں کی نقل تھی۔ ملا
چہ منزلہ مکان تھا۔ ایک جگہ چین کے مشہور دیوار کے پیکن سے ۴۳ میل کے
فاصلہ پر ایک دروازہ کی نقل کی گئی ہے۔ کہ جس پر چھ زبانوں میں کچھ کندہ ہے
لیکن ان میں سے اس وقت ایک کا بھی مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ چینی
مکانات کے چھتوں کے کونے اسی طرح مڑے ہوئے تھے جیسے کہ چینیوں
کے ہوتے ہیں۔ ایک مکان کے عین وسط میں ایک درخت اگا ہوا تھا
اور اس کی شاخیں چھت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک عمارت میں چین
کے کونفوشش کے مندر کے مشہور دروازہ کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ جس کی تہ
سفید سنگ مرمر کی تھی اور اوپر سے زرد اور سبز روغنوں کی چینی سے بنا ہوا
تھا۔ ایک مکان فغفور چین کے محل کے ایک حصہ کی نقل تھا۔ جس کے
چھت کی کھپریلیں سبز اور ستون نہایت چمکیلے تھے۔ یہ مکان ایک
چھوٹی سی جھیل کے کنارے پر ایک چینی پودوں کے باغ کے اندر بنایا
گیا تھا۔ چینی زراعتی پیداوار میں گیہوں اور چری بھی بوئی جاتی ہے اور
شہد بھی یہاں دکھلایا گیا تھا۔ لیکن چاول ہی دراصل ضروری چینی غلہ ہے
چاول کے سوا سے چینی ہیچ ہیں۔ اور اسکے کاغذ پر یہاں کے نقاش
اور مصور بیش قیمت تصاویر بنانے میں مشاق ہیں۔ اسکے علاوہ چاء چین
کی دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ گر پوست کی کاشت کا بھی شوق کیا جاتا ہے
اور اسی لئے ان سب فصلوں کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔
لیکن جس چیز پر چینی ناز کرتے ہیں وہ ان کے ملک کی پیداوار نہیں بلکہ
ان کے ہاتھوں کی پیداوار ہے۔ چینی دستکار یہاں بھی پتھر اور دانت کے
کھودتے عجیب تکلف عمریوں کی کاغذ پر تصویریں بنانے دیا اگر آپ
پسند کریں تو اسے نقاشی کریجیے) اور چاندی سونے پر مینا کاری کرتی ہے۔ جو کے

بنانے اور ریشم بننے میں وہ شائستہ معروف پائے جاتے تھے۔ یہاں ہر درجہ
کے چینیوں کے قد آدم مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے پہلی جس
چیز پر نظر پڑتی تھی۔ وہ یہاں کے لوگوں کے بڑے بڑے بڑھے ہوئے مکروہ
ناخن ہوتے تھے۔ خدا کی شان کہ ایسی مہذب قوم اور ایسے کریہہ ناخن آدھ آدھ
انچ سے زیادہ بڑھے ہوئے باعث فخر و ناز سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے بعض یورپین
ممالک مثلاً آسٹریا اور زیادہ جرمنی میں دیکھا ہے کہ لوگ یوں تو سب انگلیوں
کے ناخن ذرا بڑے رکھتے ہیں۔ مگر چھنگلیا (خنصر) کے تو بہت بڑھ جانے دیتے
ہیں۔ چینیوں کا لکڑی پر سیپ کا کام اور ریشم کے کپڑے اور ریشم پر کشیدہ
اور نقاشی دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں کیسی اعلیٰ درجہ کی صنعت موجود ہے
اور ان کی چابکدستی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن خود ایسے بے تمیز
ہیں کہ حالات زمانہ کی ہوا انہیں نہیں لگی۔ نمائشگاہ کے ایک کمرہ میں ایک چینی
عورت کی لاش کو سامان عروسی پہنا کر تابوت میں رکھا ہوا تھا۔ اور شوہر پاس بیٹھا
ہوا بین کر رہا تھا۔ عورت کے دونوں کانوں کے قریب اور سینہ پر سو سو روپے
یا ڈالر چینی ڈبوں میں بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جو مردہ کا زاد راہ
سمجھا گیا تھا۔ لحاظ مقدار اور نوعیت کے اس نمائش سے زیادہ چینی سامان
میں نے برلن کی عجائب گاہ میں دیکھا تھا۔

پرتگال پرتگالی نوآبادیوں کا بھی مکان علیحدہ تھا۔ اور اس پر پرتگالی
قومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ لیکن اسباب نمائش بہت کم تھا۔

کوئلہ کی کانیں فرانسیسی کوئلہ کی کانوں کی عالیشان عمارت میں پتھر کی کوئلہ
کی کان کنی کے متعلق تمام کوئلہ کی کانوں سے سامان نمائش جمع کیا تھا یہاں
بڑے بڑے گیس انجن برقی ڈائنمو چلانے اور نیز زیر زمین جگہوں میں ہوا پہنچانے
کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر علم طبقات الارض کے نمونے اور کان
کنی کے انجنوں کے ماڈل تھے۔ دوسرے چھت پر کانوں کے سچے سوتی نمونے

اور ہوا پہنچانے والے سامانوں کے نمونے تھے۔ عمارت کے پیچھے ایک کان کھدی ہوئی تھی جو ٹرینسوال کی سونے کی کان سے جا ملتی تھی۔ اس کان میں جانے کا اسی قسم کی لکڑی کا ڈھلوان راستہ بھی تھا۔ دستی ٹھیلوں پر بھی جا سکتے تھے اور جس طرح کان کن ایک ٹوکری کی طرح کے پنجرے میں بیٹھ جاتے تھے اس طرح بھی داخل ہو سکتے تھے۔ اندر کٹے ہوئے لوہے نمک جست اور سونے کی کانوں کی سیر کی جاتی تھی۔

لائٹ ہوسوں کی نمائش

لائٹ ہوسوں یعنی روشنی کے میناروں کی نمائش بھی ایک خاص مکان میں کی گئی تھی۔ فرانس کے ساحلوں پر ۱۴۴ روشنی کے مینار ہیں جو تاریکی کے وقت جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور اگر ہو سکے تو مصیبت کے وقت اُن کی تھوڑی بہت مدد بھی کرتے ہیں اسلئے فرانس لائٹ ہوسوں کی نمائش کس طرح فراموش کر سکتا تھا۔ یہاں قدیم سے لیکر اب تک کی میناروں کے نمونے جو دستیاب ہو سکتے تھے رکھے گئے تھے۔ سب سے قدیم لائٹ ہوس قبل مسیح آٹھ نو صدیوں سے بننے شروع ہوئے تھے پانیرنس کے مشہور لائٹ ہوس کا ماڈل بھی رکھا تھا کہ جو قدیم زمانہ میں بندر اسکندریہ کے داخلہ پر نصب تھا۔ یہ پانچ سو میٹر بلند ایک مخروطی مینار تھا کہ جس کی چوٹی پر ہر شب آگ روشن رہتی تھی۔ اسی طرح روڈس کا مشہور معدنی بت بھی صرف ایک لائٹ ہوس تھا کہ جس کی چوٹی پر رات کو آگ روشن رہتی تھی اور اسکے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جہاز گذرا جاتے تھے فرانس کا سب سے مشہور اور بلند (۲۰۰ فیٹ) اکمل کا مینار ہے جسپر تیس لاکھ بتیوں کی برقی روشنی جلتی ہے۔ جو ساٹھ پینسٹھ میل سے نظر آتی ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۳۳ میل کی مسافت سے بھی دیکھی گئی ہے۔

پادریوں کے کارنامے

مشنری بلیس فرانس کے عیسائی مشنوں کا مکان تھا جس میں تمام دنیا کی رومن کیتھالک مشنوں نے اپنی اشاعت دین اور اشاعت تہذیب

کے کام کو دکھلایا تھا۔ مشنوں کی تاریخ کی منزلوں کے نمونے دکھلائے تھے کہ کیسے انہیں غیر مہذب ممالک میں سابقہ پڑتا ہے۔ پادریوں نے جو علمی دریافتیں اور تحقیقاتیں غیر معلوم مقامات میں کی ہیں۔ جو انہوں نے کتابیں رپورٹیں اور رسالے لکھے ہیں ان سب کے نمونے یہاں رکھے گئے تھے انہیں میں امریکہ کے نہایت قدیم نقشے بھی تھے جو روم کے کتب خانوں سے منگوا کر رکھے گئے تھے۔ اس مکان کی پہلی منزل میں مشنریوں کے ذریعہ چین اور بعض جزائر میں لوگوں کو جا کر تعلیم دینے کی کیفیت مومی بت بنا کر دکھلائی گئی تھی۔ ان میں ایک نظارہ ایک مشنری لیڈی کا تھا۔ جو جزامیوں کو مرہم پٹی کر رہی تھی۔ واقعی ایسی قربانی کی نظیریں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ مذہب عیسوی خواہ کچھ ہو۔ لیکن ان لوگوں میں خدمت ضرور بہت ہوتا ہے۔ دوسری منزل میں مشنریوں کی دنیا میں کارگذاری اور رومن مشنوں کے کام کے نقشے اور جن قوموں کے اندر وہ کام کرتے ہیں ان کے بُت تھے۔ مشنریوں کی ہندوستان چین افریقہ وغیرہ مختلف ملکوں کی زبانوں اور مشنوں کے متعلق تصنیفات۔ اور مشنوں سے کام سیکھنے والوں کے کشیدے اور کام۔ بعض بڑے پادریوں کے بُت۔ پادریوں کے کھینچے ہوئے فوٹوگراف۔ پادریوں کے مرکزوں کی قابل نمائش چیزیں۔ ایک حصہ میں مشنوں کے متعلقہ کارخانوں اور صنعتکاری کے مدرسوں کے بنے ہوئے بوٹ۔ چھوٹی چھوٹی مشینیں۔ کپڑے خوراکی اشیا کی نمائش تھی۔ میں اس حصہ کو دیکھ کر عیسائی پادریوں کے ایثار نفس کشی اور مفید کام کا پہلے سے زیادہ قائل ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ پادریوں میں بعض مکار طالبان جاہ اور عیش ہوں۔ لیکن بہت سے ایسے روشن ضمیر لوگ ہیں کہ قطع نظر مذہب کے وہ دنیا میں شائستگی پھیلانے اور نوع انسان کی خدمت کرنے کا بہت نیک کام کرتے ہیں۔

مصر کا قومی مکان

مصر کے مکان کے تین حصے تھے۔ جدید مصری بازار۔ قدیم

مصر کے بت اور مقبرے اور مصر کا تھیٹر۔ وہیں بڑے چوڑے مکان کے باہر
اور اندر ہر جگہ مصری بتوں کی تصویریں۔ مصری ہائروگلیفک (تصویری حروف)
کی شکلیں اور نوبیا اور کلدانک کی قدیم تعمیرات کے نمونے نمودار تھے۔ دوسری
اس مکان کا دروازہ دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا تھا کہ یہ تو قدیم مصر کا کوئی مندر ہوگا۔ ایک
مکان میں مصر کی ساخت کے کپڑوں، مصری ململوں اور کپاس کے نمونے ہیں
واقعی مصر کی مشہور کپاس کے ریشے کتنے لمبے ہوتے ہیں۔ بڑے معمولی
اور سیاہ رنگ کے تھے مگر پودے میرے قد سے دو بالشت بلند تھے۔
کئی مصری ساخت کے نئے اور پرانے قالین بھی دیواروں پر آویزاں تھے
کئی کپڑوں پر جلی عربی حروف سفید کپڑے کی رنگین زمین پر ٹنکے ہوئے
بھلے معلوم ہوتے تھے جو دیواروں پر بطور قطعات کے لٹکائے گئے تھے
بیچ کے مکان میں مصری دوکاندار قریب قریب سب یہودی۔ ایک نے
کہا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور ہندوستان سے ہو گیا تھا اور کچھ اردو بول
سکتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے زیور رومال اور طلادار کپڑے صدریاں وغیرہ
بیچ رہے تھے۔ اسی مکان کے ساتھ ایک کھانا کھانے کا ریسٹورنٹ
ہے جس کی چھت پر چاندنیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور سب پر جا بجا خوشخط
عربی حروف کپڑے پر ٹانکے ہوئے تھے۔ اس کے اندر کے مکان

مصری تھیٹر

میں مصری تھیٹر تھا۔ درجہ دوم کے لئے رخصت فی ٹکٹ
دیکر میں بھی داخل ہوا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ آدمی ساٹھ ستر سے زیادہ نہ ہونگے
تماشا والے کسی قدر اور آدمیوں کا انتظار کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں نے زور
زور سے لکڑی کے فرش پر بوٹ مارنے شروع کئے۔ اسپر تماشا شروع ہوا
پہلے ایک مصری عورت نے ناچ دکھلایا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ٹرکی تھیٹر
میں اور پھر ٹیونس کے قہوہ خانہ میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ناچتے وقت یہ
عورتیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے دو برنجی ٹکڑے آرسی کی شکل کے بجاتی جاتی ہیں

اور ان کی سرتال کو ناچ کے مطابق رکھتی ہیں۔ ہر چند کہ ان کا ناچ جیسا بھی کا ہوتا ہے تاہم باریک نظر سے بھی قابل ہوتا ہے کہ انہوں نے اسی طریقہ کو اعلےٰ درجہ کی آرٹ تک پہنچا دیا ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ اسلئے کہ ان کی کمر کا صفائی سے معلوم ہوتا کہ ان کے گلے میں صرف ایک بنیان ہوتا ہے۔ اور صرف کندھوں پر تھوڑا سا ڈھیلا کپڑا اوڑھا ہوتا ہے۔ اس عورت نے دانتوں میں ایک ہلکی سی کرسی اٹھا کر بھی ناچ کیا۔ ایک دوسری عورت کچھ دیر اسی طرح ناچ دکھلا کر ایک کاؤچ پر لیٹ گئی۔ اور چار شیشہ کے گلاس اپنے سینے پر رکھ لئے۔ یہ سینہ ایسی صفائی سے ہلاتی تھی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ سینہ کے مختلف حصے باری باری سے ایسے طور پر ہلاتی تھی کہ چاروں گلاسوں کے آپس میں ٹکرانے سے بالکل موزوں اور ہم آہنگ سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ اس قدر کاریگری کا کام سمجھا گیا کہ لوگ دمبدم اسپر داد دیتے تھے۔ اسکے بعد حبشی زن و مرد کا بے تکا سا ناچ دکھلایا گیا۔ پھر ایک شادی کا سین دکھلایا گیا۔ جس میں عورتوں نے ملکر دردناک سریلی آواز میں عربی گیت گائے۔ پہلے دولہا کو جتلایا گیا۔ پھر زرق برق کے لباس میں دلہن لائی گئی۔ اور بہت سی عورتوں نے ایک دوسری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر حلقہ بنا کر گھومنا شروع کیا۔ سروں پر دو مرد تھے جو ساتھ تلواریں گھماتے جاتے تھے۔ اور حلقہ کے بیچ میں ایک شخص بانسری بجاتا جاتا تھا۔ اسکے بعد دو لڑکے بدوی لباس پہنکر آئے اور گدکا کھیل گئے۔ پھر بہت سی عورتیں دلہن کو ساتھ لیکر قطار بنا کر آئیں۔ یہ پہلو بہ پہلو دو عورتوں کی قطار تھی۔ اور کچھ عربی گیت گاتے ہوئے۔ پردوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اور تماشا ختم ہو گیا۔

ان مکانات کی پچھلی طرف قدیم بادشاہان مصر کی قبریں اور عتیق مصری چیزیں تھیں۔ لیکن ایک شخص نے مجھے صاف جواب دیدیا کہ اسوقت

نہیں دکھلا سکے شاید کچھ ناگفتہ ہوگا۔ بس مکان میں جاپانیت ہی جاپانیت معلوم ہوتی تھی۔

جاپان

جاپان کے چھوٹے چھوٹے مکانات مصر کے چھپر تھے جو ایک باغ کے درمیان بنائے گئے تھے۔ اس چھوٹے سے باغ میں ٹوکیو پایۂ تخت جاپان کے شاہی باغ سے بہت سے پودے اور پھول پھل درخت کا قد۔ شہتوت۔ موسا۔ بام کے اقسام اور دوارنشش کا درخت لا کر یہاں بوئے گئے تھے۔ گل داؤدی اور بعض دیگر مشہور جاپانی پھولوں کے بھی نمونے تھے۔ وسط میں ایک چھوٹی سی جھیل میں جاپانی مچھلیاں چھوڑی گئی تھیں۔ ان میں سے بڑا مکان مندر کوڈو کی نقل بنایا گیا تھا۔ جو جاپان کے بدھوں کا نہایت مقدس مندر سنہ ۶۰۷ء سے بنا ہوا ہے۔ جاپان نے گو بہت کم چیزیں نمائش کی تھیں لیکن اسکی صنعت کا ثبوت دینے کو بھی کافی تھیں۔ مارٹ کے چند نظارے پیتل پر کھودے ہوئے تھے۔ اور کچھ جاپانی بت تھے۔ جاپانی چائے کا ایک علیحدہ مکان تھا جہاں بکی ہوئی چائے بھی پلائی جاتی تھی اور دوسرے مکان میں ساکی (چاولوں سے بنی ہوئی ایک قسم کی ہلکی شراب) جاپانی چائے کا پودا بہت نازک ہوتا ہے۔ جسے دھوپ اور جاڑے دونوں سے ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے۔ اور جاپانی بچے ہاتھوں میں دستانے پہنکر اس نازک پودے سے پتے توڑتے ہیں۔ جاپان کے دستکاروں میں یورپین مرد جاپانی لباس پہنکر جاپانی سارنگیاں بجا رہے تھے اور یورپین عورتیں جاپانی لباس میں چائے پلا رہی تھیں۔ جاپانی بازار میں جاپانی ریشم کے نمونے بھی منجملہ اور چیزوں کے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جاپان نے گذشتہ پچیس تیس سال میں جو ترقی علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں کی ہے اس سے یہ قوم اہل یورپ کی نظروں میں قابل عزت قرار پا گئی ہے۔ جولائی سنہ ۱۸۵۳ء کو ابھی زیادہ مدت نہیں گذری جبکہ جاپان کی سرحد

ہندوستانیوں پر ۔ وہ کل یوروپ نے جاپان کو اپنے برابر شائستہ تسلیم کیا تھا۔ تب
سے پہلے یوروپ کے لوگوں کے مقدمات جاپانی مجسٹریٹوں کے سامنے پیش
نہیں ہو سکتے تھے اور نہ جاپانی پولیس اہل یوروپ مجرموں کو پکڑ سکتی تھی۔ لیکن
فروری سنہ ۱۹۰۲ء میں انگلستان ایسی سلطنت نے جاپان کو اپنا خاص دوست
اور قوت بازو تسلیم کر لیا۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ چند سال کی لگاتار کوشش
سے ایک قوم جو کہ سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہے اگر اُسے اسباب موافق پڑیں تو
کیا کچھ کر سکتی ہے۔ جاپان نے صنعت و حرفت میں بھی بہت ترقی کی ہے
لیکن کتنے دنوں میں۔ ذرا ان اعداد کو ملاحظہ کیجئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں جاپان نے
صرف (۳،۱۰۰۰۰۰) فرانک کا مال ملک غیر کو بھیجا تھا۔ اور سنہ ۱۸۹۰ء میں
(۹۰۰۰۰۰۰) فرانک کا۔ سنہ ۱۸۹۵ء تک کل سرمایہ جو حرفت میں مصروف
تھا (۱۲۵۰۰۰۰۰) فرانک سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۹ء میں (۲۷۵۰۰۰۰۰)
فرانک کو پہنچ گیا۔ پہلی سوت کاتنے کی مل سنہ ۱۸۶۲ء میں اوساکا میں قائم ہوئی
لیکن سنہ ۱۹۰۰ء میں جاپان میں ستر ملیں قائم تھیں۔ اور گذشتہ دس سال میں
سوت اور سوتی کپڑا ایک سے اسی ملین گنا بڑھ گیا ہے ؁

ناچ کا پیلیس پیرس نمائش گاہ میں ناچ اور تماشا دکھلانے کے کئی مکان
تھے۔ لیکن اس مکان میں ناچ کی فلاسفی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔
ایک تھیئٹر کی سٹیج پر مختلف زمانوں کے یوروپین ناچ کی تاریخ اور مختلف ممالک
اور اقوام کے عجیب و غریب ناچوں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ممالک
مشرق کے مذہبی ناچ بھی فراموش نہیں کئے گئے تھے۔ چینیوں کا چینی ورون ناچ
ہندوؤں کے فرقہ شوجی کا بیادری ناچ۔ مصریوں کا مکھی کا ناچ۔ قدیم یونان روم
کے مذہبی اور جنگی ناچوں میں آسس کا ناچ۔ بریک کا ناچ اور بیکا تیلیا کا ناچ
تھا۔ اسی سے قدیم زمانہ اور زمانہ موجودہ کے یوروپ کی بعض قوموں کے ناچ
(جو اشیائی قوموں کے لباس میں کئے جاتے تھے) بہت دلچسپ تھے۔ اور

معلوم ہوتا تھا کہ اس قوم نے بھی دنیا کی تاریخ میں خصوصاً ممالک یورپ میں بڑا حصہ لیا ہے ◆

نقل مطابق اصل اس مکان میں بیس بیس انچ کے بلند چند آٹومیٹن (خودبخود حرکت کرنے والے بت) بنائے گئے تھے۔ جنہیں بہت عمدہ لباس پہنایا گیا تھا اور دیکھنے میں ان میں اور اصلی آدمیوں میں مشکل تمیز ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ فونوگراف کے ذریعے سے یہ بول بھی سکتے تھے۔ ان کے ذریعے سے زمانہ حال کی یورپین زندگی کا خاکہ اڑایا جاتا تھا۔ بعض اوقات کسی فیشن ایبل ڈرائنگ روم میں چند لیڈیاں اور جنٹلمین بیٹھے ہوئے خوش گپی میں مصروف ہوتے اور ناچتے اور گاتے تھے۔ یا ایک رجمنٹ مع اپنے افسر کے کوچ کرتی نظر آتی تھی۔ فرانس کے پریسیڈنٹ کی سواری گذرتی اور ایک فوج کا دستہ سلامی اتارتا اور ہرّے کا نعرہ بلند کرتا۔ یہ دراصل سب ایسے ہی مصنوعی آدمی ہوتے لیکن برابر چلتے پھرتے اور بولتے چالتے تھے۔

قہقہہ خانہ میزوں ڈو ریر یعنی ہنسی کا گھر ایک علیحدہ خوشنما مکان تھا جس کی غرض ہر طرح ہنسانا تھا۔ اس کی عمارت کی قرینہ میں "کارنیوال" یعنی یورپ کی مضحکانہ ہولی کے نظارے تھے۔ اس مکان کے اندر ہر چیز ہنسی نظر آتی تھی۔ یہاں ہنسی مخول ہزل ٹھٹھا ظرافت حکومت کرتے تھے اور فرانسیسی مسخروں کی تصنیفات کا مجموعہ یہاں جمع کیا گیا تھا۔ اس کے اندر کے تھیٹر میں پیرس کے بہترین "کومیڈی" کا تماشا کرنے والے لوگوں کو ہنساتے تھے۔ چنانچہ ان کے گرد و پیش ہر ایک مرقع ہر ایک تحریر اور ہر ایک حرکت انہیں ہنسی کی ترغیب دیتی تھی ◆

ہنڈولا یہ بہت بڑا ہنڈولا کہ جسے "گریٹ وہیل" کہتے تھے شکاگو کی نمائش سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کا قطر (۱۰۷) میٹر تھا اور (۱۴۰۰) تماشائی ایک وقت اس کی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے بلندی کے سفر پر روانہ ہوتے تھے۔ گویا یہ غبارہ کے سفر کا کام دیتا تھا۔ اور بجلی سے چلتا تھا۔ یہی بڑا وہیل لنڈن میں بھی میں نے دیکھا تھا

قاہرہ کا بازار ایک جگہ قاہرہ کے ایک بازار کی نقل اتاری گئی تھی۔ جہاں کئی ایک مصری عورتیں اور مرد پھرتے تھے اور عمارتوں کی صورت بالکل مصری تھی۔ سنگا کا پریس۔ اپی سائیکل کا عجیب تماشا۔ سٹیڈیم۔ بحری جنگ۔ کوہ وسوویس کی آتش فشانی اور شہر پومپی اور ہرکولینیم کا آتشی مادہ کے نیچے دب جانے کا پینوراما۔ اور اور کئی پینوراما۔ تھیٹر۔ ڈرامے۔ تصویرخانے اور تماشے اس عظیم الشان نمائش گاہ کے متعلقات سے تھے کہ جنکے ذکر کی گنجایش نہیں ؏

شہر پیرس کی عمارت اگر نمایش میں نہ ہوتی تو نمایش نامکمل رہ جاتی۔ اس کی دونوں منزلوں اور زیر زمین تہ خانہ میں شہر پیرس کے خوشنما وجوہ کی بہت عمدہ تفصیل بیان کی گئی تھی۔ اسکے صحن میں ایک خوبصورت باغ میں پیرس کے تمام باغات سے پودے جمع کئے گئے تھے۔ وسط باغ میں ایک خوبصورت دائرہ کی ڈیزائن میں پیرس کی آبرسانی کے تمام نمونے دکھلائے گئے تھے۔ اور پیرس کی میونسپلٹی نے گذشتہ گیارہ سال میں جس قدر بت شہر میں نصب کرنے اور عجائب گاہوں کے لئے خریدے تھے۔ وہ سب اسی باغ میں جا بجا ڈالے گئے تھے۔ مکان کے اندر محکمہ پولیس نے اپنا عجائب گھر اور صیغہ شناخت لا رکھا تھا۔ جس میں انتھروپومیٹری (مجرموں کی شناخت کے طریقہ) کا سامان تھا۔ یہ طریقہ ایم برٹیلان ایک فرانسیسی نے ایجاد کیا ہے۔ مفلسوں کو روپیہ دینے کا صیغہ۔ چیزیں گرو رکھنے کا سرکاری صیغہ۔ اور سینیٹری مثل حفظان صحت وغیرہ مع ڈایا گراموں اور عکسی تصاویر کے۔ سیوشوگراف جس سے میونسپلٹی کے عملہ کی کارروائی دکھلائی جاتی تھی۔ بازاروں اور کوچوں کے صیغہ میں روشنی چھڑکاؤ اور دریوں وغیرہ کی صفائی کا سامان تھا۔ دوسری منزل پر پیرس نے گیارہ سال میں جو تصاویر خریدی ہیں آویزاں کی گئی تھیں۔ اور علاوہ اسکے پیرس کی تاریخ اور دیگر حالات کے متعلق قومی کتب خانہ اور عجائب گاہ سے بیشقیمت کاغذات لا کر رکھے گئے تھے۔ ایک طرف شہر پیرس کی پرائمری

اور ٹکنیکل تعلیم کے لئے مخصوص تھی۔ کہ جہاں فرنیچر اور آرائشی سامان کے ٹکنیکل سکولوں کا بنایا ہوا سامان جمع کیا گیا تھا۔ اور پیرس کی بڑی بڑی عمارات کے نقشے دیواروں پر آویزاں کئے گئے تھے۔

ضمیمہ نمائش

جس طرح کسی کتاب یا اخبار کے ساتھ ضمیمہ لگایا جاتا ہے ویسا ہی ۱۹۰۰ء کی نمائش پیرس کے ساتھ بھی ایک ضمیمہ لگایا گیا تھا۔ شہر کے اندر جن مقامات میں نمائش گاہ کے لئے عالیشان قصر اور وسیع مکانات تعمیر کئے گئے تھے وہاں بعض بڑی بڑی اشیاء سے نمائش کے لئے کافی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ جیسے کہ ریل کی گاڑیاں اور انجن۔ ٹریموے گاڑیاں۔ گھوڑے ٹٹو وغیرہ زندہ جانور اور گھوڑدوڑوں اور ورزشوں کے مقابلوں کے لئے نمائش کے اندر جگہ نکلنی نہایت مشکل تھی۔ اسلئے نواح پیرس میں ایک بڑے جنگل میں اس کام کے لئے جگہ نکالی گئی تھی جسکا نام ونسینیز تھا۔ بذریعہ ریل یا گھوڑے گاڑیوں کے لوگ وہاں تک پہنچتے تھے۔ اور نمائش کے ٹکٹ کے ذریعے اس کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ یہاں ایک

ریلوے گاڑیاں و انجن

بہت بڑے شیڈ کے نیچے جس میں ریلوے لائنیں بچھی تھیں کہ جن پر بیس قطاروں گاڑیوں اور انجنوں کی کھڑی کی گئی تھیں جیسے کہ بعض بڑے بڑے سٹیشنوں پر گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ روس کی ٹرین ڈی لکس و سونے اور آرام و آسائش کی گاڑیاں جن میں مختلف گدیلے وغیرہ سامان آرائش و آسائش ہوتا ہے، کی گاڑیاں سب ملکوں سے عمدہ تھیں۔ اس سے بعد امریکہ کی اضلاع متحدہ امریکہ کے بڑے بڑے ریلوے انجن تھے جن میں سے بعض کے پہیوں کے قطر تین تین گز تھے۔ یہ مٹی کے تیل سے

بچھے ہیں۔ اینٹوں سے تعمیر کرکے ایک بیالیس گز اونچا اور ساٹھ گز چوڑا اس ملک کی ریلوے لائنوں کا نہایت عمدہ نقشہ رلیف میں بنایا تھا۔ جس میں ہر لائن کو برقی روشنی کے سلسلے سے ظاہر کیا گیا تھا۔ اٹلی نے کچھ کوہستانی ریلوں کے انجن رکھے تھے انگلستان فرانس جرمنی آسٹریا کے بھی انجن تھے۔ ہسپانیہ اور انگلستان کی صناعتی مشینوں کی نمائش بھی یہیں تھی ◆

غبارے اور موٹر کار ایک جداگانہ مکان موٹر گاڑیوں کی نمائش کے لئے مخصوص تھا۔ موٹر گاڑیوں کی ایک دوڑ بھی ہونے والی تھی۔ مگر میرے سامنے نہ ہوئی۔ غبارے بھی یہاں نمایاں کئے گئے تھے اور بعض مقررہ ایام پر غبارے ہوا میں اُڑتے تھے۔ نمائش کے قریب شہر میں ایک قیدی غبارہ ہمیشہ ہوا میں لٹکا رہتا تھا۔ جو لوگ غبارے کے سفر اور خوف و خطر کا مزا چکھنا چاہتے تھے۔ وہ تھوڑی سی اُجرت دے کر اس غبارہ پر دس پانسو فٹ کی بلندی تک جا سکتے تھے ◆

خانگی حیوانات یہیں خانگی حیوانات مثل مویشی۔ گھوڑے۔ بلیاں۔ کتے۔ سور مرغ۔ اور کبوتر وغیرہ دکھائے گئے تھے۔ کچھ کاشت انگور کے اور امریکہ کی لکڑیوں اور جنگلی پیداوار کے نمونے بھی یہاں تھے۔ امریکہ کے جنگلات میں بڑی دولت بھری ہوئی ہے ◆

اطفائے آتش آگ بجھانا بڑے بڑے شہروں میں کس قدر ضروری کام ہے یہاں آگ بجھانے کے انجنوں۔ آگ بجھانے والوں کی گاڑیوں۔ سیڑھیوں۔ پائپوں پمپوں اور جلے ہوئے مکانات کا مصالحہ اُدھیڑنے وغیرہ کے سامان جمع کئے گئے تھے ◆

ورزشیں اور کھیلیں اگر جسمانی ورزشوں اور کھیلوں کا انتظام نمائش گاہ کو متعلق دیکھا جاتا تو کھیلوں کے شیدا بہت ناخوش ہوتے۔ گو ورزش کے سامان کے بڑے بڑے مجموعے اس شہر کے اندر کی نمائش میں تھے۔ لیکن ورزشوں کے مقابلے اس مقام میں ہوتے تھے کہ جن کے لئے مختلف تاریخیں

مقرر تھیں۔ پہلے وہ جو مختلف اقوام مثلاً انگریزوں اور جرمنوں یا انگریزوں اور فرانسیسیوں اور سوئٹزرلینڈ والوں میں ہوتے کشتی اور فٹ بال اور لان ٹینس کے مقابلوں میں سوا سوا ہزار فرانک اول رہنے والوں کو دیا جانا مقرر ہوا تھا۔ اسی طرح گھوڑا بازی جمناسٹک چھوٹے ڈھکا سکی نشانہ بازی۔ تیر اندازی کے لئے پانچ سو سے پندرہ ہزار فرانک تک مختلف انعام تھے۔ دیگر میں بوجہ قلت وقت پیرس میں زیادہ ٹھہر نہ سکتا تھا۔ پانی میں تیرنے میں اول رہنے والوں کے لئے دو سو سے دو ہزار تک انعام تھا۔ اور ڈوبتے ہوئے آدمیوں کی جان بچانے کے مقابلہ کے لئے بھی انعام مقرر کیا گیا تھا۔

خاتمہ غرض انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک کوئی دنیا کا خیال یا علم یا فن نہیں تھا کہ جس کا اظہار یا مقابلہ یہاں نہیں کیا گیا تھا۔ انسان نے اپنی طبعی لیاقت میں سے کر ہر صیغہ میں اس قدر چیزیں جمع کر دی تھیں کہ کوئی شخص بھی ان سب سے پورے طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکا ہوگا۔ تاہم دنیا نے یہاں سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا۔ اور یہ بہت سادہ فہرست جو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس عظیم الشان مجموعے کی جس کے ساتھ کا دنیا نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور شاید اس سے بعد بھی نہ دیکھے۔ کیونکہ بوجہ بہت بڑا ہونے کے نمائش کو مالی کامیابی نہیں ہوئی تھی، تیار کی ہے۔ اگر آپ نے بھی غور سے دیکھی ہوگی۔ تو آپ کا وقت بھی ضائع نہیں ہوا۔

شہر پیرس کے حالات

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمین است و ہمین است و ہمین است

میں ۱۵-جولائی کو جنیوا سے پیرس میں پہنچا تھا۔ اور ۱۰-اگست کو پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو گیا۔ اس چھبیس روز کے زمانہ میں میں نے بہت زیادہ وقت نمائش میں اور تھوڑا سا شہر پیرس کے قابل دید مکانات کے دیکھنے میں صرف کیا۔ اسلئے پیرس کے وہ حالات جو مجھے پیش آئے بیان لکھنے مناسب ہیں:-

چونکہ مجھے پیرس کے ایک واقف کار شخص نے مکان کرایہ پر لے دیا تھا۔ یہ باوجود نمائش گاہ سے قریب ہونے کے بہت نفاست خوبصورتی کی رہائش منظور کر لینے کے باعث نسبتاً بہت سستا تھا۔ نمائش سے دور اور نامور اور خصوصیت کے مکانات میں جگہ اس سے بھی نصف یا ثلث کرایہ پر مل سکتی تھی۔ تاہم میں نے اسکو منظور کیا۔ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میرے معزز دوست شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مجھے ایک نہایت دور اندیشی کی صلاح سفر کے متعلق دی تھی۔ جس کو میں نے اس تمام عرصے میں سفر یورپ میں پختہ تجربہ پر مبنی پایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل یا مکان میں رہو۔ خواہ کفایت شعاری کے خیال سے ذیل کا سب سے سستا کمرہ ہی لو۔ جو ہمیشہ اوپر کی منزلوں میں ملتا ہے۔ اول درجے کے ہوٹلوں کو اپنی عزت قائم رکھنی پڑتی ہے۔ اور یہاں مال یا جان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ورنہ یورپ میں بعض بدمعاشوں نے بھولے بھالے مسافروں کو لوٹنے کا یہی ڈھنگ نکال رکھا

سنے کہ سستی فرودگاہیں یا دوم درجے کے ہوٹل بنا لئے ہیں۔ جہاں مسافروں کے سامان چرائے جاتے ہیں •

خوب گت بنی جس روز میں نے نمائش کے قرب کے خیال سے پانچویں منزل پر مکان لیا تھا۔ اُس سے دوسرے روز ایک بڑا دلچسپ واقع پیش آیا۔ میں اپنے کمرہ سے نکل کر صبح پاخانہ میں گیا تو اپنے کمرہ کے کواڑ کو بھیڑ کر گیا۔ چابی مکان کے اندر تھی۔ اور مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دروازہ مقفل ہو جائیگا لیکن یہ تالے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر زور سے دروازہ بھیڑ دیا جاوے تو اندر سے خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ پھر جب تک باہر سے چابی سے نہ کھولا جاوے دروازہ نہیں کھلتا۔ جب میں فارغ ہو کر آیا تو دروازہ بند تھا۔ ہر چند کہ میں نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور اس حالت میں سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر جانا بہت ہی خلاف تہذیب تھا۔ مگر مجھے مجبوراً جانا پڑا۔ اور میں نے کوٹھی ورشر دو بان عورت سے اس کمرے کی دوسری چابی مانگی۔ لیکن جب میں اسکو لیکر دروازہ کھولنے کے لئے پانچویں منزل پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ چابی دروازہ نہیں کھول سکتی۔ اُس نے غلطی سے دیدی ہے۔ میں دوبارہ نیچے گیا۔ اور اب کے درست چابی لا کر دروازہ کھولا۔ اور اس ذرا سی غلطی سے مجھے چار مرتبہ پانچ پانچ سیڑھیوں پر اُترنا اور چڑھنا پڑا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ آج تو ورزش کی پہلوان کے لئے بھی تھوڑی نہیں۔ اس مکان کا کرایہ دو شلنگ یومیہ تھا البتہ جو نوکرانی میسر کرے کو صاف کرتی ہر روز بستر و بچھاتی اور منہ دھونے کا پانی بھر دیتی اُسے ایک فرانک روزانہ کے حساب سے اخیر میں دیا۔ اسی طرح

دودھ والا لڑکا ایک دودھ والے کارخانہ کا لڑکا جو ہر صبح ایک ہونی اور دودھ کا ایک لوٹا میرے دروازے کے باہر کھونٹی سے لٹکا جاتا تھا۔ وہ ہفتہ وار چھپا ہوا بل لاتا۔ اور حساب لیجاتا۔ دودھ کے خراب ہونے کی مجھے ایک روز بھی شکایت نہ کرنی پڑی۔ ایک روز ایک دودھ لانے والا لڑکا

نے دیکھا کہ مجھے ہندوستان سے بہت سے خطوط آتے ہیں تو اس نے درخواست کی کہ اسے ہندوستان کے کچھ مستعمل ٹکٹ دوں۔ کیونکہ اسے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ یورپ میں بچوں تک ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں بڈھوں تک نہیں جانتے کہ مستعمل ٹکٹ لوگ کیوں جمع کرتے ہیں۔

پیرس میں کھانا

مکان کی طرف سے بے فکر ہو کر میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ میری طبیعت کھانے کے معاملے میں دنیا بھر سے نرالی واقع ہوئی ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی سادہ ہو۔ مجھے پسند ہے۔ لیکن اسی طرز کا پکا ہوا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہمارے گھروں میں پکتا ہے۔ جس میں ہلدی اور گرم مصالحہ ہوتا ہے۔ اور جو میں نے بچپن سے آج تک کھایا ہے۔ اس کے علاوہ میری طبیعت میں نمک بہت ہے اور میں گوشت کھانے کا بڑا شائق بھی نہیں ہوں۔ اس لئے میں نے ہفتوں گوشت نہیں کھایا۔ جب تک کہ کوئی مناسب موقع نہیں ملا مگر پیرس میں قسمت نے ایسی یاوری کی کہ نمائش میں وارد ہونے کے پہلے ہی روز مجھے معلوم ہو گیا کہ وہاں ٹیونس کے عربوں نے ایک ریسٹورنٹ کھول رکھا ہے۔ وہاں کے کھانے ہندوستان کے کھانوں سے بہت ملتے تھے۔ ان میں کم و بیش نمک مرچ بھی ہوتا تھا۔ اور چونکہ یہ بہت سستے بھی بکتے تھے۔ اسلئے مراکو۔ ٹیونس۔ الجیریا۔ مصر اور ٹرکی کے معدودے چند مسلمان اور تمام یہودی یہیں آکر کھانا کھاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یوروپین لوگ بھی یہاں آتے تھے۔ یہ کھانے بالکل ہندوستانی طرز کے تو نہ تھے۔ تاہم ہندوستان کے طرز طبخ سے بہت ملتے تھے۔ زیتون کے تیل اور سرکے سے ایک سلاد بنایا جاتا ہے۔ جو مجھے بالکل مرغوب تھا۔ ایک نیا کھانا "کسکس" کے نام سے مشہور تھا۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ جوار یا باجرہ کا دلیا مل کر غریب لوگ کھاتے ہیں۔ اور یہ چاولوں کا قائم مقام تھا۔ مگر کبھی کبھی غریبانہ قسم کا

پلاؤ بھی مل جاتا تھا۔ لیکن میرے ایک خط سے میرے نمک مرچ کی شکایت دیکھ کر مجھے وہاں سے کچھ سرخ مرچ بھیجی گئی تھی۔ جس سے کبھی کبھی یورپ میں بھی ہندوستان بنا دیا تھا۔ ایک نجمہ سے غلام پہلوان مرحوم نے تقاضا کیا کہ اس کے مکان پر کھانا کھاؤں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک کھانا پکانے والا آدمی تھا اور وہاں بہت دنوں کے بعد چپاتیاں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک ہندوستانی نے مولیاں پکوا کر کھلائیں۔ جو پیرس کی تمام نعمتوں سے مزیدار معلوم ہوتی تھیں۔ کیونکہ ان میں نمک مرچ کافی تھا۔ پیرس کی کیا سرخ رنگ کی چھوٹے چھوٹے شلجموں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور اکثر لوگ کھانے کے ساتھ ایسی ایک دو کچی مولیاں مع پتوں کے کھاتے ہیں ۔

لیکن دو ہفتہ کی تعطیل کے بعد میرے دوست مسٹر حسین صاحب مضافات سے پیرس میں آ گئے تھے۔ وہ مجھے کرایہ کے مکان سے اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے۔ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کے گھر میں ایک ہفتہ عشرہ مجھے بڑا آرام ملا۔ مسز حسین خصوصیت سے میرے کھانے پینے کی بڑی توجہ سے خبر گیری کرتیں۔ اسی عرصہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ان کے یہاں میرے مہمان ہونے کی وجہ سے ان کی دعوتیں کیں۔ جن میں میں بھی شریک ہوا۔ یورپین لوگوں کے کھانے کے میز پر یہ معلوم کر کے عموماً تعجب سا پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کسی قسم کی ہلکی سے ہلکی شراب بھی نہیں پیتا اور علاوہ گوشت کی کئی قسمیں بھی نہ کھاتا ہو۔ اور پھر خاتمہ پر سگار یا چرٹ وغیرہ کو بھی نہ پیئے۔ تو اس نے حد ہی کر دی۔ میرے میزبانوں کا ایسا تعلق کی اس قسم کی حیرت دیکھنے کا مجھے بارہا موقع ملا ہے۔ مگر یہ لوگ بوجہ اپنی تعلیم اور تہذیب کے نہایت شریف ہوتے ہیں۔ اگر تم نے کہہ دیا ہے کہ فلاں کھانے سے تمہیں نفرت ہے یا رغبت نہیں تو پھر کیا مجال ہے تم سے اصرار یا حجت کریں یا غلطی سے بھی وہ چیز تمہاری طرف آنے دیں۔ بلکہ

میں نے دیکھا ہے کہ جتنے روز میں ان کے مکان پر رہا ہوں۔ یا ان کو دوستوں کی دعوتوں میں شریک ہوا ہوں۔ ایک روز بھی خنزیر کا گوشت ان کی میز پر نہیں آیا۔ اسکی وجہ انہوں نے یہ بتلائی کہ اسے غریب لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔ اور نیز یہ سردی کے موسم میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے نہایت متشرع اور پرہیزگار ہم مذہب اہل وطن سے معذرت کرلینی چاہئے کہ وہ مجھے یا میرے دوسرے بھائیوں کو جو میری طرح مجبوریوں میں مبتلا ہوں جب تک کہ اپنی طرف سے ہر طرح کا حفظ ما تقدم اور پرہیز کرتے دیکھیں۔ ہدف تیر ملامت نہ بنائیں۔ بلکہ ان کی مشکلات کو سہل کرنے کی صورتیں پیدا کریں۔ اسلام کی نہایت جیتی تعریف یہ ہے کہ یہ نہایت سہل مذہب ہے۔ اور اگر مجھ سے یہ صاحب اتفاق نہ کرسکتے ہوں تو خاموش رہیں۔ واذا مروا باللغو مروا کراما

حافظ بخود نپوشید این خرقہ مے آلود ۔ اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

[illegible] ایک موقع پر ایک میزبان کے لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ تم مچھلی تو کھا لیتے ہو میں نے کہا بیشک۔ اتنے میں ایک سرخ سی چیز رکابیوں میں تقسیم ہونے لگی۔ جو کہ بیف کینگرا تھا۔ میں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی۔ تو صاحب خانہ کی بیوی نے مجھے بتلایا کہ فرانس میں تو یہ نہایت لذیذ کھانا شمار ہوتا ہے۔ بلکہ صرف دعوتوں میں بطور پر تکلف کھانے کے لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ اور تم کو اس سے نفرت ہے۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ لیڈی صاحبہ تم کو کتے کی ران اور بلی کی زبان تو بہت لذیذ معلوم ہوتی ہوگی۔ اس نے نہایت نفرت ظاہر کرکے کہا کہ مجھے تو اس سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ تو میں نے کہا کہ جیسی تم نہایت رغبت سے ان کھانوں کو کھاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں جن کو آپ لوگ پسند کرتے ہیں۔ مجھے ان سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اس پر موثر ثابت

ہوئی۔ اتنے میں صاحب خانہ نے کہا کہ مجھے ہینڈل کی راگنیں بہت مرغوب ہیں۔ کیا تم بھی انہیں پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا اگر اب مجلس مانع نہ ہو۔ تو میں ان کا نام شکریہ کے کر دینے کو آمادہ ہوں۔ اس پر ایک فرمایشی قہقہہ بلند ہوا۔ جس میں سب لیڈیاں اور جنٹلمین شریک تھے۔ اہل یورپ میں دستور ہے کہ جب بیٹھنے کے کمرے سے کھانے کے کمرے کو جاتے ہیں تو آرائش شب کا مہمان سب سے پہلے میزبان کی بیوی کی بانہ میں بانہ ڈال کر اُسے کھانے پر لیجاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے جنٹلمین حسب مدارج دوسری لیڈیوں کو لاتے ہیں۔ اور میز پر بیٹھنے کے وقت بھی مہمان کو اچھی جگہ دی جاتی ہے۔ مگر یہ تو سب وہی رسمیں ہیں جو ہندوستان میں بھی انگریز برتتے ہیں۔ دراصل یورپ کی تمام عیسائی قومیں عام ظاہری باتوں میں اس قدر یکساں ہیں کہ ان کی طرز معاشرت اور پوشش وغیرہ سے اُن کی قوم معلوم ہونی مشکل ہے۔ جنٹلمین کی پوشاک کوٹ۔ پتلون اور ٹوپی یورپ بھر میں ایک ہی ہے۔ اسی طرح لیڈیوں کو فیشن جو پیرس ہر سال اختراع کرے۔ تمام یورپ کی لیڈیاں استعمال کرتی ہیں۔ لیکن جیکٹ۔ گاؤن (سایہ) اور ٹوپی قریب قریب سب یورپین قوموں کی عورتیں یکساں پہنتی ہیں۔

انگلیوں سے کھانا

ایک دفعہ لنچ سے پہلے ایک لیڈی کو معلوم کر کے بڑا تعجب ہوا کہ اہل ہندوستان ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور جبتک میرے منہ سے اس کی تصدیق نہ ہو چکی اُسکو باور کرنے میں تامل رہا کہ میں بھی انگلیوں سے کھانا کھایا کرتا ہوں۔ مگر انگلیوں سے کھانا کھانا اُن لوگوں کے خیال میں خواہ کیسا ہی مکروہ معلوم ہو جو لوگ انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ اور خصوصاً ناخن عموماً صاف رہتے ہیں۔ اور وہ ناخن کٹواتے بھی جلدی جلدی رہتے ہیں۔ لیکن بوجہ انگلیوں سے کھانا نہ کھانے کے یورپ کے مختلف ملکوں خصوصاً آسٹریا و جرمنی میں میں نے لوگوں

کے ناخن بہت ہی بڑے ہوئے دیکھے ہیں مگر ادھر ایک سا انگلیوں کے تر اشنا لوگ شمار کرتے ہیں ۔ عام جو غریب ہوتے ہیں چونکہ وہ ناخن صاف نہیں رکھ سکتے ہیں لئے اُن کے ناخن سخت کردہ معلوم ہوتے ہیں ۔ اگر یہ ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تو ہاتھ دھونے سے ناخن ضرور صاف رہتے ۔

ایک آزاد خیال جنٹلمین کیساتھ پیرس کی سیر

میرے پیرس کے دوست نے اپنے ایک نہایت آزاد خیال دوست سے میری ملاقات کرا دی اور اس جنٹلمین نے جو یورپ کی سات زبانوں سے واقف اور بڑا آزاد خیال آدمی تھا ۔ مجھے شہر کے بہت سے مقامات کی سیر کرائی ۔ ایک روز ہم یونیورسٹی کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے ۔ اسی دوست نے کھانے کی قیمت دس فرانک اور گاڑی کا کرایہ پانچ فرانک بھی اپنی گرہ سے دیا ۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ باوجود ہر قسم کی آزاد خیالی اور یورپین لوگوں کی خشک مزاجی کے بھی اتنی تواضع اور لحاظ اُن میں ہوتا ہے کہ باوجود میرے منع کرنے کے میرے رفیق نے ہی کرایہ اور کھانے کے دام دیئے ۔ اس ریسٹورنٹ میں بہت سے طالب علم کھانا کھا رہے تھے ۔ اور وہ ایسے ہی اچھے اور پُرتکلف لباس میں تھے ۔ جیسے کہ کوئی امیر دولتمند آدمی ہو گا ۔ کیونکہ یہاں غریب پڑھ ہی نہیں سکتے ۔

طالب علموں کی عورتیں

یہاں کئی خوبصورت عورتیں طالب علموں سے ناز و ادا میں مصروف تھیں ۔ میرے رفیق نے بتلایا ۔ یہ طالب علموں سے نخرے کرنے والی عورتیں یونیورسٹی کے قریب رہتی ہیں ۔ اور یونیورسٹی کے طالبعلموں سے مخصوص ہیں ۔ دوسرے لوگوں سے انہیں سروکار نہیں ہوتا ۔ اُس نے کہا کہ تمہارے ملک میں تو ایک آدمی کئی عورتیں رکھتا اور کر سکتا ہے ۔ لیکن یہاں کئی کئی مرد مل کر ایک عورت کو رکھ سکتے ہیں کیونکہ یہاں عورتوں پر بہت خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ بعض دفعہ ایک ایک پوشاک پر تین تین چار چار ہزار فرانک خرچ آجاتے ہیں ۔ صرف اِس لئے کہ عورتیں پہن کر لوگوں کو

دکھاتے ہیں کہ وہ کیسی خوبصورت ہیں ۔

معاشرت کی تنگی میرے رفیق نے کہا کہ زمانہ حال کی شائستگی ہمیں بجائے آرام کے بہت تکلیف پہنچا رہی ہے ۔ اور بجائے روشن ضمیری کے ہمیں جہالت کی طرف لیجا رہی ہے ۔ تمہارے ہندوستان میں ابھی تک اصلی شائستگی موجود ہے مگر شاید دن بدن وہ بھی خراب ہو رہی ہے ۔ فرانس میں جبتک کوئی شخص کم از کم چار پانچ فرانک روزانہ کما نہ لے ۔ وہ دو وقت کا کھانا اطمینان سے نہیں کھا سکتا گویا ہر شخص کو صبح سے شام تک پیٹ کی غلامی کرنی پڑتی ہے ۔ بخلاف اسکے ہندوستان میں پیٹ بھرنے کو دو آنے کافی ہیں ۔ برائے نام شائستگی کے آنے اور ریلوں وغیرہ کے جاری ہونے سے پہلے فرانس میں بھی اصلی شائستگی یعنی کمانے کی از حد محنت و مشقت اور مصیبت کی کمی تھی ۔ اور کھانا سستا مل سکتا تھا ۔ غریبوں کا یہاں بہت بُرا حال ہے ۔ فرانس کے بعض دیہات کی نسبت قصہ مشہور ہے کہ غریب لوگ گھر کے اندر دور سے ایک مصری کی ڈلی لٹکا رکھتے ہیں ۔ اور تلخ قہوہ پی کر گھر کا ہر شخص اس ڈلی کو باری باری منہ میں ڈال کر اس سے اپنا منہ میٹھا کر لیتا ہے ۔ مذہبی تعلیم کی نسبت بتلایا کہ یونیورسٹی میں کوئی مذہب شامل نہیں البتہ چونکہ رومن کیتھالک فریق کا زور ہے ۔ اس کے پادریوں نے یونیورسٹی سے علیحدہ ہفتہ میں بعض ایام طلبا کو اپنے عقاید سکھلانے کا بندوبست کر رکھا ہے ۔ کھانے پر یہاں بہت دیر تک باتیں کرتے ہیں ۔ اور بہت اطمینان سے کھانے کو ختم کرتے ہیں ۔ ہم نے کھانا خربوزہ کی ایک پھانک سے شروع کیا اور ختم چیریوں پر کیا ۔ یورپ کا عام دستور یہی ہے ۔ بعض لوگ یہاں شفتالو یا انگور پر کھانا ختم کرتے تھے مگر ایک اچھے اور بڑے شفتالو کی قیمت تین چار آنے تھی ۔ اس جگہ سے قریب ایک جگہ لکڑی کے بھدے بکتے تھے ۔ جو شکل میں ایک بھیس بدلے شخص کی طرح تھے اور دہشتناک حکایت

میں رہتے ہیں جنکو غریب لوگ کام کرتے ہیں ●

پیرس میں ایک شادی کی رسوم

میں پیرس میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک شادی کی محفل میں بھی شریک ہوا - خصوصاً جبکہ نکاح کا وقت آیا اور دولہا دلہن مع اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گرجا میں گئے - تو میں بھی ایک طرف جا ڈٹا - میری نرالی ٹوپی کو دیکھ کر بعض لیڈیاں دنگ تھیں کہ شادی کی محفل میں یہ غیر کون آگھسا ہے - چونکہ یہ شادی رومن کیتھلک طریق پر کی گئی تھی - جو زیادہ حصہ اہل فرانس کا مذہب ہے - اس کی رسوم نکاح بڑی عجیب تھیں - جب دولہا دلہن کہ جن کی عمر بترتیب ۳۵ و ۲۵ سال تھی - دونوں آلٹر (مذبح) کی طرف بڑھے تو پادری صاحب نے مذبح کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پڑھنا شروع کیا - پہلے دولہا دلہن کو شادی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر لکچر دیا پھر نکاح کا ایجاب وقبول شروع ہوا - لیکن اس رسم کی ابتدا اس طرح شروع ہوتی ہے کہ دولہا ایک انگشتری دلہن کی بنصر انگلی میں پہنانا چاہتا ہے - اب اس انگشتری کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ اگر دلہن بلا تامل انگلی میں داخل ہو جانے دے تو عمر بھر گھر میں مرد کا دباؤ رہے گا - لیکن اگر کسی قدر توقف اور کھینچ کھینچ کے بعد انگلی انگوٹھی میں داخل ہو تو عورت کا دباؤ رہے گا - لیکن چونکہ ہماری طرف ان کی پشت تھی ہم یہ بات دیکھ نہ سکے کہ دولہا یا دلہن میں سے کون جیتا ●

سینٹ گستا لک گرجا

مذبح رومن کیتھلک گرجوں میں ایک عجیب کیفیت رکھتا ہے - اس گرجا میں اس کی دو تین منزلیں تھیں - بیچ کی منزل میں حضرت مسیح کا بت اور اس کی دونوں طرف چھ چھ حواریوں کے بت تھے اسکے اوپر ایک اور قطار جانوروں اور کنگروں کی تھی - حضرت مریم کے بت کے سوا روح القدس کے کبوتر اور فرشتوں وغیرہ کے کئی بت اور بھی تھے - اور ان سب کے آگے بہت سی موم بتیاں جل رہی تھیں - ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ اصلی موم بتیاں نہیں تھیں - بلکہ سفید مٹی کی نلکیوں

سے گیس جل رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے اس کی یہ تاویل کی کہ لوگ خدا سے بھی فریب کرنے سے نہیں چوکتے۔ چونکہ قدیم الایام سے گرجوں میں موم بتیاں جلانے کی رسم چلی آتی ہے اسلئے اب گیس اور برقی روشنی کے زمانہ میں موم بتیاں تو استعمال سے چھوٹ گئیں مگر ان کی ظاہری شکل اب تک قائم ہے۔ یہ تو سامنے طرف کا حال تھا۔ گرجا کے دونوں اطراف اور کونوں میں بھی کئی بت نصب تھے۔ اور اطراف میں یعنی چپ و راست دونوں طرف تین تین چار چار چھوٹے چھوٹے مکان لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ سال تمام میں رومن کیتھولک عقیدہ کے ہر زن و مرد پر واجب ہے کہ پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں کا اقرار کرے۔ اور ان پر افسوس کرے۔ اسے اصطلاح میں کونفشن (اقرار) کہتے ہیں اور رومن کیتھولک عقیدہ کے مطابق جن گناہوں کا اقرار کر لیا جاوے وہ بخشے جاتے ہیں۔ ان لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں سے ایک میں پادری بیٹھ جاتا ہے۔ اور دروازہ بند کر لیتا ہے۔ لیکن ہوا کے لئے ایک روزن کھلی رہتی ہے۔ باہر ایک پہلو میں گنہگار کا سٹول ہوتا ہے۔ اور ایک چھوٹی سی موری کی راہ سے وہ پادری سے جو اس دربے کے اندر ہوتا ہے اپنے تمام گناہوں کا ذکر کرتا ہے۔ بعض نالائق پادریوں نے اس اقرار کو بعض گنہگاروں کے خلاف بھی استعمال کیا ہے مگر عموماً ایسے اقراروں کو محفوظ رکھنے کی سخت تاکید ہے۔ شاید کسی شخص نے اپنی زناکاری یا چوری یا خون کا افشا کر دیا ہے۔ گرجا کے ایک اور کونے میں دو ایک اور بتیاں بھی روشن تھیں۔ یہاں جو لوگ مراد مانگتے ہیں کچھ پیسے دیکر گرجا میں ایک بتی روشن کرا دیتے ہیں۔ اسکے مقابل میں ایک بت سینٹ انتھنی کا کھڑا تھا جس کے ہاتھ پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اصل میں مرادیں پوری کرنے کا عام اجارہ اسی ولی کو حاصل ہے۔ اس بت کے

دونوں طرف دو بکس کرسی کے موجود تھے۔ مثلاً جو لوگ کوئی مرادیں مانگتے ہیں مثلاً تجارت میں نفع یا تنخواہ کی ترقی ہو تو وہ اپنا مافی الضمیر لکھ کر اس بکس میں ڈال دیتے ہیں جس میں اپنا وعدہ بھی کرتے ہیں کہ اگر وہ کامیاب ہوئے تو فلاں رقم نذرانہ کی اس سینٹ کے پیش کریں گے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ سو مراد مانگنے والوں میں سے دو تین کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو وہ رقم موعودہ لاکر دوسرے بکس میں جو وہاں کی بائیں جانب ہے ڈال دیتے ہیں۔ غرض رومن کیتھولک پادریوں نے بھی کمانے کھانے کے عجیب ڈھنگ نکالے ہوتے ہیں۔ عموماً رومن کیتھولک لوگ حضرت مریم کے پاک دل سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ مریم عذرا کے دل کا ٹکڑا ان دعاؤں کو قبول کر سکتا ہے۔ ہر رومن کیتھولک گرجا میں ایک جگہ دروازہ کے قریب زمین سے ایک گز بلند پایہ پر ایک برتن میں پانی رکھا رہتا ہے۔ ہر شخص جو اندر جاتا ہے۔ اس مقدس پانی میں انگلی ڈبو کر اپنی پیشانی پر صلیب کی صورت بنا لیتا ہے۔ بلکہ پیرس کے سب سے بڑے گرجا میڈلین میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس نے اس پانی میں انگلی بھگو کر ایک اور عورت اور ایک مرد کی انگلیوں سے لگا دی۔ اور انہوں نے اس سے ماتھے پر صلیب کا نشان بنا لیا ◆

شادی کے باقی حالات یہ تو گرجا کی کیفیت تھی۔ اب شادی کی کیفیت اس سے بھی دلچسپ تھی۔ گرجا کے آلٹر کے سامنے جس قدر چوکیاں ہوتی ہیں۔ ان کا کرایہ ایک روز کا وہ لوگ دیتے ہیں کہ جن کے یہاں شادی ہوتی ہے۔ اور ان کے عزیز اور رفیق ان پر آکر بیٹھتے ہیں۔ پہلوؤں میں دوسرے لوگ بھی اگر چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ ہر شخص شادی کے وقت گرجا میں داخل ہو سکتا ہے بلکہ امریکہ میں تو دستور ہے کہ شادی کے بعد گرجے کے دروازے پر لکھ کر لگا دیا جاتا ہے کہ "مبارکباد آنے کے لئے مرحبا ہے" قریب گھنٹہ

سوا گھنٹے کے شادی کی رسم میں صرف ہوا ہوگا۔ پہلے پہل جب دولہا دلہن گرجا کے اندر داخل ہوئے تھے۔ تو گرجے کا بڑا باجہ بجا تھا۔ اور اسکے سوا جب کبھی پادری گھنٹی بجاتا تو باجا بجتا۔ پادری صاحب اس تمام عرصہ میں کبھی دولہا دلہن کی طرف پیٹھ کرکے مذبح پر دعا مانگتے روح القدس سے جو کبوتر کی صورت میں اس وقت واقعی اُن میں حلول کرکے شادی کو برکت دی۔ کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھتے۔ کبھی کھڑے ہوتے۔ کبھی پچھلی طرف منہ پھیر کر دونوں ہاتھ پھیلا کر ہلا دیتے۔ جیسے کہ افسوس یا حیرت کے وقت ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں۔ غرض ایسی عجیب حرکات اس بندہ خدا سے ہمیں کرتے دیکھ کر ہنسی اور تعجب معلوم ہوتا تھا کہ انیسویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر یورپ کی تہذیب کی روشنی میں ابھی تک ان ملکوں میں ویسی حرکات مذہب کے پیرایہ میں روا رکھی جاتی ہیں۔ اثنائے نکاح میں پانچ چھ دفعہ حاضرین کو کھڑا ہونا پڑا۔ پادری صاحب نے ایک ڈبی کے کپڑے کے ٹکڑے کو دولہا دلہن سے بوسہ دلایا اور نکاح ختم ہوا۔ ہر گرجا میں کئی ایسے تبرکات ولیوں اور حواریوں کے ہوتے ہیں۔ بلکہ بقول ایک آزاد خیال عیسائی دوست کے ان گرجاؤں میں حضرت مسیح کی صلیب کے اتنے ٹکڑے موجود ہیں کہ ان کے جمع کرنے سے ایک گاؤں کے مکانات تعمیر ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کے بعد حاضرین میں سے چار خوبصورت عورتیں مع چار مردوں کے اٹھیں۔ ان کے ہاتھوں میں خوبصورت تھیلیاں تھیں۔ یہ حاضرین میں پھر کر سب سے کچھ نہ کچھ نقدی ان تھیلیوں میں جمع کرنے لگیں۔ ہر ایک جو مناسب سمجھتا تھیلی میں ڈال دیتا اور کسی دوسرے کو پتہ نہ لگتا کہ اس نے پیسہ ڈالا ہے یا روپیہ۔ گرجا کا نقیب ان کے ہمراہ تھا۔ جب روپیہ جمع ہو چکا تو گرجا کا نقیب گرجا کے پہلو کی ایک کوٹھڑی میں جا کر حاصلات جمع کرا آیا۔ اس نقیب کی پوشاک بھی عجیب بےہنگم تھی جو تین

سو سال پہلے سے اختیار کی ہوئی چلی آتی ہے۔ دوران نکاح میں دس دس
سال کے دو لڑکے جنکے نیچے کرتوں پر سفید ململ کے کرتے تھے۔ پادری
صاحب کو ادھر ادھر سے چیزیں لا دینے میں مدد دیتے تھے۔ دلہن نے
ایسا باریک نقاب چہرہ پر ڈالا ہوا تھا کہ جس کے اندر سے اسکا چہرہ برابر
نظر آتا تھا۔ اور اسکا گون دو گز سے زیادہ پیچھے زمین پر گھسیٹتا جاتا تھا۔ دولہا
دلہن مع اپنے رشتہ داروں کے گرجا کی بائیں جانب کے ایک بڑے
کمرہ میں چلے گئے۔ اور ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ سب دوست زن و مرد ان
کے پاس ایک ایک کر کے جاتے تھے اور ان سے ہاتھ ملا کر انہیں مبارکباد
دیتے تھے۔ میرے دوست نے مجھے کہا کہ بہتر ہے ہمارے ساتھ چلو۔
تم بھی انہیں مبارکباد دو۔ یہاں سے فارغ ہو کر اکثر لوگ مع دولہا دلہن کے
دلہن کی والدہ کے مکان پر گئے جہاں ضیافت کا سامان مہیا تھا۔ مگر میں
اپنے دوست کے مکان پر چلا آیا۔ جس پر دلہن کی والدہ نے مجھے موجود
نہ پا کر میرے دوست کو ایک گاڑی پر سوار کر کے بھیجا کہ فوراً ہندوستانی
مہمان کو بھی اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے لاؤ۔ ہم اس
کی تواضع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک عالی شان کرایہ کا مکان تھا جو ایسی
ہی تقریبوں کے لئے بنا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک لمبی میز پر خورد و نوش
کا سامان رکھا ہوا تھا۔ دو تین شخص مہمانوں کو جو کھانا چاہتے وہ بانٹتے
دیتے جاتے تھے اور وہ میز پر چنے ہوئے۔ کھڑے کھڑے کھاتے جاتے تھے۔
مجھے انہوں نے جو چیز سب سے پہلے کھانے کو پیش کی اس میں ممنوع
چیز کی ملاوٹ تھی۔ میں نے اپنے دوست کو سمجھا دیا تھا۔ اس نے ایسے
روک کے مجھے تھوڑی سی روٹی اور چند سادہ میوے لے دیئے۔ یورپ
اور ولایت میں خنزیر کا گوشت زیادہ تر شادیوں اور جلسوں کے موقع پر کھائے
جاتے ہیں۔ اب مشکل یہ پیش آئی کہ سوائے شراب کے جہاں پانی

نہیں تھا۔ مگر ہر شخص سے بیونیٹ نکل آیا۔ میرے دوست نے یہاں
کئی اچھی اچھی لیڈیوں اور جنٹلمینوں سے مجھے انٹروڈیوس کرادیا منجملہ
اُن کے ایک اخبار نویس لیڈی بھی تھی۔ اور ایک سکول کے پروفیسر
سے بھی ملا جس کا نام اڈولف ڈوکرو (Adolphe Ducrot) تھا۔
دستور ہے کہ جب دو آدمی ملاقات کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کو
اپنے نام کا کارڈ نکال کر دیدیتا ہے۔ اس کارڈ بدلنے میں بڑا فائدہ یہ
ہے دونوں شخص اس ملاقاتی کا نام جب چاہیں کارڈ سے دیکھ سکتے ہیں
ہمارے یہاں کئی لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے کہ جنکے پورے نام اور پتے
اکثر فراموش ہوجاتے ہیں۔

ایک بیمار عورت

میں ایک روز پروفیسر اڈولف ڈوکرو کے ہے کہ جس سے
ایک شادی کی مجلس میں ملاقات ہوئی تھی ملنے گیا۔ اس بیچارے کی
بڑھیا بیوی بخار سے بیمار اور بہت کمزور تھی۔ اُس نے خاوند کے ہاتھ معذرت
کر بھیجی کہ تم سٹڈی روم میں بیٹھو میں چند منٹ میں آتی ہوں۔ چنانچہ مجھے اس
گھر کے ڈرائینگ روم میں نہیں پروفیسر صاحب کی سٹڈی میں بٹھلایا
گیا۔ یہ کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ سٹڈی کے کمرے میں علاوہ کتب بافراط
وغیرہ سامان کی چار پانچ تصویریں دیوار سے آویزاں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد
پروفیسر صاحب نے آکر کہا کہ اگر میری بیوی بیمار نہ ہوتی تو ہم تمہیں سیر کے
لیئے باہر ہمراہ لے جاتے۔ لیکن اب تک مجبور ہوں۔ میں نے افسوس
ظاہر کیا اور کہا ایسی حالت میں آپ کو زیادہ دیر مصروف نہیں کرونگا
مگر پروفیسر نے کہا میری بیوی تم سے مصافحہ کرنا چاہتی ہے۔ اور بیمار کی آرزو
پورا کرنا ضروری ہے۔ وہ انگلش رومن ہے۔ اور گو جسم اُسکا کمزور ہے۔
لیکن طاقت ارادی بہت زبردست ہے۔ میں نے جاکر دیکھا تو بیچاری
بہت بیمار اور فرش بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ ہمارے بیماروں کے کمرے

ان بیماروں کے کمرے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بستر بہت گدگدا اور ستھرا تھا۔ اسپر کئی ایک تکئے تھے۔ پاس ایک چھوٹی سی میز پر کئی ایک دوائی کی بوتلیں پڑی تھیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ میری لڑکی جو بہت خوبصورت اور جوان ہے ابھی اُس کی شادی کو تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ وہ بیوہ ہو گئی اسسے اُس کی والدہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اسکا سر پھر گیا۔ کہ جس سے بہکی باتیں کرتی ہے۔ تاہم پروفیسر کی بیوی نے میرے رخصت ہونے کیوقت شوہر کو تاکید کی کہ مہمان کو ضرور اپنے ہمراہ سیر کو لے جانے۔ گویا مہمانوں کی مدارات اور تفریح کا دستور ہے۔

سررشتہ تعلیم فرانس

پروفیسر صاحب سے میں نے فرانس کے سررشتہ تعلیم کے متعلق چند متفرق سوالات کئے۔ جنکے جوابات کا خلاصہ یہہ ہے کہ فرانس میں ایک پرائمری دابتدائی تعلیم ہے۔ جو زمانہ اصلاح سے پہلے رومن کیتھولک پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر سرکار نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر کئی مدرسے قائم کر دیئے ہیں۔ جن میں ہر شخص کے بچے کو بلافیس تعلیم دی جاتی ہے۔ جو قانونًا فرانس میں ہر بچے کے لئے حاصل کرنی لازمی ہے اس میں نوشت خواند۔ حساب اور تاریخ فرانس لازمی مضمون ہیں۔ اسکے بعد سیکنڈری تعلیم ہے جو مفت نہیں دی جاتی۔ کیونکہ اسکا حاصل کرنا ہر شخص پر لازمی نہیں ہے۔ صرف اہل مقدرت لوگوں کے بچے ہی اسے حاصل کرتے ہیں۔ جس سے اپنے ہر طالب علم کو بیس سے چالیس فرانک تک ماہوار فیس دینی پڑتی ہے۔ جو ہندوستان کے سکہ میں انیس سے پچیس روپیہ تک کے برابر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بھی مدرسہ کے تمام اخراجات نہیں چل سکتے۔ اسلئے گورنمنٹ کچھا اپنی گرہ سے بھی خرچ کرتی ہے۔ فیس کی کمی بیشی طالب علم کی عمر اور جماعت پر منحصر ہے۔ بعض اہل مقدرت لوگ بڑا اعلےٰ

سوسائٹی کے ارکان کہلاتے ہیں وہ پرائمری "انسٹرکشن" اور تعلیم کے لئے بھی اپنے بچوں کو سکنڈری سکولوں میں بھیجتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ابتدائی سکولوں میں غریب اور محنت پیشہ لوگوں کے بچوں کے ساتھ اُن کے بچے بھی تعلیم پائیں۔ اور قصابوں یا دیگر پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے ساتھ مل کر اُن کے نیچے بیٹھیں۔ غنیمت ہے کہ ہندوستان کے اس سرکاری میں اس قسم کی کوئی قید نہیں رہی۔ اور ہر ضلع و شریف کے بچے ایک ساتھ مل کر پڑھتے ہیں۔ اگر استاد بچوں کے اخلاق اور تربیت کا پورا خیال رکھیں تو دولتمندوں کے بچوں کو غریبوں کے ساتھ مل کر پڑھنے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوگا۔ انگلستان میں بھی امرا کے بچوں کے لئے ایٹن وغیرہ مدرسے علٰحدہ ہیں کہ جن میں غریبوں کے بچے تعلیم نہیں پا سکتے مگر امریکہ میں سب لوگوں کے بچے مل کر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی امیر یا غریب کی تمیز مدرسے میں نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس ملک کے تمام کروڑپتی اور فلوس لوگ قریب قریب مفلس اور محتاج والدین کی اولاد ہیں۔ پروفیسر ڈو کروے صاحب جس مدرسہ کا پروفیسر ہے وہ پیرس میں اپنی قسم کا اول درجہ کی سرکاری تعلیم گاہ ہے۔ یہ پہلے بطور ایک پرائیویٹ مدرسہ کے جاری تھا لیکن آخر گورنمنٹ نے ایک معقول قیمت دے کر اسے خرید لیا۔ اور اس میں اس وقت دو درجن سے زیادہ استاد ہیں۔ یہ پروفیسر صاحب زبان انگریزی کے استاد ہیں۔ دوران گفتگو میں انھوں نے کہا کہ انگریزی جو غیر ملک کی اور بہت مشکل زبان ہے تم کس طرح صحت اور روانی سے بول سکتے ہو۔ میں نے کہا ہندوستان میں ہزارہا لوگ مجھ سے اچھی طرح یہ زبان بول سکتے ہیں کیونکہ مدرسوں میں اسکی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر پروفیسر صاحب نے کہا کہ سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امیدوار کو کالج کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جس میں علاوہ مروجہ کلاسک زبانوں کے

زبانوں کے اول جرمن دوم انگلش اور سوم بعدہ بالعموم یورپ کی کسی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ جو لوگ یونیورسٹی کی ڈگری کے امتحانات کی تیاری کرتے ہیں انہیں ایک سال تک اعلیٰ درجے کے پروفیسروں کے لیکچر سننے پڑتے ہیں۔ یہ پروفیسر کسی مدرسہ یا کالج میں لیکچر نہیں دیتے۔ بلکہ یہ پبلک لیکچر شہر کے عام مقامات میں ہر کس و ناکس کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔

تعلیم صنعت

اس شاخ تعلیم کے مدرسے علیحدہ ہیں کہ جن میں گورنمنٹ فرانس معقول روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ان تمام مدارس کی ضرورت تعلیم جو ساٹھ ستر سے زیادہ تھے نمائش گاہ میں ایک جگہ ان کے خانوں میں رکھے ہوئے تھے۔ اور جو شخص چاہتا ان میں سے ہر ایک کو جمع کر کے لیجاتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ایک مجموعہ لے لیا۔ جس سے کسی ملک کی ٹکنیکل تعلیم کے لئے اعلیٰ درجہ کا نصاب مرتب ہو سکتا ہے۔

جیزوایٹ

مجھے کسی لایق اور واقف آدمی سے فرانس کے مشہور پولیٹکل اور مذہبی فرقہ جیزوایٹ کے حالات دریافت کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب سے جیزوایٹ فرقہ کی کچھ دریافت کی یہ دراصل رومن کیتھولک عیسائیوں کا ایک مذہبی فرقہ ہے۔ لیکن یہ لوگ سخت مکار اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی رکن اگر مکار اور بدطینت نہیں تو پورے طور پر جیزوایٹ نہیں ہو سکتا۔ بعد ابتدائی آزمائشی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بڑے بڑے ذی لوگ اس گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو یہ لوگ کم شریک کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ آزاد لوگ ہوتے ہیں۔ جیزوایٹ فرقہ کی بڑی غرض پولیٹکل طاقت حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان لوگوں کو فرانس میں اس قدر طاقت حاصل ہو گئی کہ انہوں نے بادشاہوں کو نامزد کیا ہے۔ لیکن کئی مرتبہ یہ لوگ فرانس سے جبراً نکالے بھی گئے۔ مگر ایسے طور پر کہ اگر گھر کے دروازہ سے

انہیں نکالا تو یہ کمزری کی راہ سے پھر فرانس آ گئے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نسبت کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ جیزوایٹ ہیں۔ لیکن درپردہ وہ جیزوایٹ ہوتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کی خوب خدمت کرتے ہیں۔ لیکن بعض دیگر برملا جیزوایٹ کہلاتے ہیں۔ پیرس کے سکنڈری تعلیم کے دو اعلیٰ مدارس جیزوایٹ لوگوں کے ہاتھ میں ہیں کہ جن میں اعلےٰ سوسائٹی کے لوگوں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ چونکہ ان مدارس میں مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے جو سرکاری مدارس میں نہیں ہوتی۔ اسلئے یہاں بہت لوگ اپنے بچے بھیجتے ہیں۔ جیزوایٹ ایسے ہوشیار ہیں کہ فوجی خدمت میں داخل ہونے والے تقریباً تمام لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں بچپن ہی میں اپنے فرقہ سے ہمدردی کا خیال پیدا کر دیتے ہیں۔ اسلئے فوج میں اکثر جنرلوں سے لے کر ادنےٰ افسروں تک ان کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک ایسی خفیہ جماعت پالیٹکل خیالات کے مذہبی لباس میں موجود ہے کہ جسکے ہاتھ میں عجیب طاقت ہے۔ اور جو فرانس کے لئے بڑے اندیشہ کی بات ہے۔

پیرس کتنا غدار شہر ہے

میں یوں تو اکیلا یا اور لوگوں کے ہمراہ کئی مرتبہ ادھر ادھر شہر میں گذرا تھا۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ جب تک میں گاڑیوں یا ٹرام پر سوار ہو کر یورپ کے شہروں میں پھرا ہوں۔ مجھے ان کی جہتوں اور رستوں کا کچھ پتہ نہیں لگا۔ اور جب پیدل چلا ہوں مجھے گلیوں اور بازاروں کی کیفیت برابر سمجھ میں آ گئی ہے۔ چنانچہ میں نے یورپ کے سب شہروں میں ایسا کیا ہے کہ گائیڈ بک ہاتھ میں لے کر کہ جس میں ہر گلی اور ہر کوچہ کا نقشہ ہوتا ہے ایک طرف چل پڑا۔ اور گائیڈ بک کی مدد سے جس طرف جاتا چاہتا ہوں وہاں پہنچ گیا۔ ۲۷ جولائی کو ۸ بجے سے ۷ بجے شام تک میں پیرس میں پیدل پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ بہت تھک گیا۔

مگر سوائے ایک کونے کے شہر کی ساخت کا پتہ نہ لگا جو میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور جس میں پچیس تیس ہزار باشندے آباد ہیں۔ جدھر چلے جاؤ عالی شان سر بفلک کشیدہ مکانات آتے جاتے ہیں۔ ہزاروں گلیاں اور بازار یکساں بارونق ہیں۔ سب میں عالی شان مکانات۔ سب مکانات پر یکساں مختلف حروف میں نوٹس بورڈ اور اشتہارات لگے ہوئے ہیں۔ اس قدر آمد و رفت پیدلوں اور گاڑیوں کی شہر میں ہوتی ہے کہ الامان۔ علاوہ ٹریم سے اور آمنی بس کے کئی لائینوں کے شہر میں کئی ہزار ٹیکسی گاڑیاں ہیں۔ بعض بڑے بڑے چوکوں میں پولیس مین کھڑے ہو کر باری باری سے دونوں طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں اور آدمیوں کو گذرنے کا اشارہ کرتا رہتا ہے۔ جب تھوڑی دیر میں ایک طرف کی گاڑیاں اور آدمی دوسری طرف کو گذر چکتے ہیں۔ تو پھر دوسری طرف سے کہ جو اس عرصہ میں ہجوم جمع ہو گیا تھا ادھر کو گذرتا ہے۔ دوکانوں میں سودا اس قدر قرینے سے ترتیب ہوتا ہے کہ ہر کوئی خریدتا ہوگا۔ ریسٹورنٹ۔ قہوہ خانے اور شراب خانے تو جگہ جگہ پر ہیں۔ یہ لوگ دن میں بار بار کھاتے پیتے ہیں۔ اس شہر میں دفاتر سرکاری خصوصاً مختلف وزارتوں کے دفاتر نہایت عالی شان اور وسیع اور پر تکلف ہیں مگر شاہی قصر سادہ ہوتے ہیں۔ درحقیقت پیرس میں تعمیر مکانات کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ بڑے بڑے مکانات کے آس پاس جنگلوں کے بعض حصوں کو شہری گلگشت کو بنا دیا ہے۔ عام کرایہ کے مکانات بھی نہایت عالی شان پانچ پانچ سات سات منزلوں کے ہوتے ہیں۔ ایک روز ایک صاحب کے ساتھ میں سائنس اینڈ آرٹس میوزیم کے پاس سے گذر رہا تھا جس میں بھی تمام نئی ایجادیں رکھی جاتی ہیں اور کیمسٹری اور سائنس کے آلات دکھلائے جاتے ہیں اور موسم سرما میں ان علوم پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ راستہ میں میرے رفیق نے بتلایا کہ ان کوچوں میں جو مکانات

ہیں ان میں دو ڈیڑھ سو سال پہلے تمام امرا رہتے تھے۔ مگر اب سب مفلس
لوگ کرایہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ اب امیروں کے مکانات اعلیٰ سٹائل پر
بنتے ہیں۔ روٹی اور شراب بیچنے کی دکانیں چپہ چپہ پر دیکھ کر کہا کہ چند ان
میں سے آدمی دکانیں ہمیشہ نقصان اٹھا کر بند ہوتی رہتی ہیں مگر پھر بھی لوگ
انہیں جاری کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بہت لوگ اور کوئی کام نہیں جانتے
ایک شخص سے راستہ میں ملاقات ہوئی جو بہت اچھا لکھا پڑھا اور لٹریری
آدمی تھا۔ مگر اسے کھانا پکانے میں اس قدر مہارت تھی اور اس کام
کا اتنا شوق رکھتا تھا۔ کہ تمام پیرس میں اس فن کا استاد سمجھا جاتا ہے
اور اخبارات اور رسالجات میں طباخی پر مضمون لکھ کر سات آٹھ سو پونڈ سالانہ
کما لیتا ہے۔ تمام بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر ہوٹلوں وغیرہ میں اُسی کو
بلایا جاتا ہے۔ یورپ کا دستور ہے کہ جب کسی کو کوئی دعوت دینی منظور
ہوتی ہے تو کسی ہوٹل والوں سے انتظام کر لیتا ہے۔ اور سوائے روپیہ دینے
کے اور اسے کوئی تکلیف یا کشمکش نہیں ہوتی •

پیرس کی ارزانی پیرس میں دو تین ہفتے رہنے کے بعد مجھے معلوم ہونے لگا
کہ یہاں کسی قدر کم خرچ سے بھی آدمی گذارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ یہاں کے
حالات سے واقف ہو جائے۔ بجائے کیب گاڑیوں پر سوار ہونے کے
آمنی بس گاڑیوں دریائے سین میں چلنے والے جہازوں پر لمبے فاصلے طے
کر سکتا ہے۔ ایک پینی (دانے کے پیسے) دیکر جہاز پر جتنی دور چاہیں چلے
جائیں جو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دریا میں دونوں
طرف چلتے ہیں۔ اور خواہ جسے بھی سٹیشن پر اتر پڑیں۔ بجائے گراں ریسٹورنٹوں
اور ہوٹلوں کے غریبانہ ریسٹورنٹوں میں کھانا کھا سکتا ہے۔ اور نان روٹی خرید
کر گذارہ کر سکتا ہے۔ دوکانداروں اور سستی گاڑی والی عورتوں سے
سستی ترکاریاں اور میوہ جات خرید سکتا ہے۔ فرانک ڈیڑھ فرانک روزانہ کے

اور اس مکان میں گزارہ کر سکتا ہے - آمنی بس گاڑی کے اوپر پندرہ سینٹیم بیٹھنے میں پیسے دے کر چڑھ بیٹھو اور جہاں تک گاڑی جاتی ہے چڑھے جاؤ یا جہاں جی چاہے اُتر پڑو - اگر گاڑی کے اندر بیٹھو تیس سینٹیم یعنی ڈیڑھ آنہ دو - یہاں آمنی بس یا ٹریم میں کنڈکٹر کو ٹپ دینے کا رواج نہیں - ایک روز میں نے جس فاصلہ کے تین فرانک بس گاڑی والے کو دیئے تھے دوسرے روز اس سے تگنے فاصلہ کے لئے ۱۵ سینٹیم یعنی تین پیسے دیئے ۔

مہمانی میں قریب دو ہفتہ کے کرایہ کے مکان میں رہ چکا تھا کہ مسٹر میسن جو پیرس کے مشہور دوا فروشان گریاٹ کمپنی کے ایجنٹ ہیں جب ساحل ہند سے شہر پیرس میں مع مسز میسن آ گئے تو انہوں نے مجھے تقاضا کیا کہ میں اس مکان سے اُٹھ کر ان کے مکان میں جا ٹھیروں - کیونکہ اس سے مجھے آرام ملیگا - اور جب میں نے ان کی اس مہربانی آمیز درخواست کے قبول کرنے میں تامل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس سے کچھ بھی نفع نہ حاصل ہو - چنانچہ میں نے اس مکان کا کرایہ نوکرانی کی تنخواہ اور دودھ وغیرہ لانے والوں کے حساب شام کو چکا دیئے اور گاڑی میں اسباب رکھ کر مسٹر میسن کے مکان پر گیا - اس مکان میں لفٹ لگا ہوا تھا - میں نے خود ہی اپنے دونوں ٹرنک لفٹ میں رکھ کر لفٹ کو اٹھا دیا - اور جب تیسری منزل پر پہنچا کہ جہاں ان کا مکان تھا تو ہمسایہ کی گھنٹی بجا دی - ہمسایہ کی نوکرانی نے نکلکر مجھے بتایا کہ ساتھ کی گھنٹی بجاؤ - غرض مسز میسن بہت مدارات سے پیش آئیں - اور مجھے میرے رہنے کا کمرہ دکھلا دیا - نوکرانی نے میرا اسباب اُٹھا کر اسکے اندر رکھ دیا - آج شام کو ایک لیڈی اخبار نویس جو بچوں اور خانہ داری کے مضمون کا رسالہ نکالتی ہے - ایک آرٹسٹ (مصور) اور ایک شخص پارشینس کالسو و گریان کے ہاں کھانے پر مدعو تھے - شام کو جب سب ملکر کھانے

پر پہنچے تو باتوں باتوں میں دو گھنٹوں میں کھانا ختم ہوا۔ اور مہمانوں کے
رخصت کرنے میں گیارہ بج گئے۔ میرے کمرے میں مسز میسن صاحبہ نے
سب ضروریات رکھدی تھیں۔ اور بار بار مجھے کہتی تھیں کہ گھر کی طرح بے
تکلف ہو کر رہو۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتلا دو۔ مجھے غسل خانہ پاخانہ
اور ہاتھ منہ دھونے کے مکان دکھلا دیئے۔ غسل خانہ میں گیس کے ذریعہ
سے ایک منٹ میں پانی گرم ہو جاتا ہے۔ مسز میسن صاحبہ نے آج شام
کو مجھے اپنا فوٹوگرافوں کا البم بھی دکھلایا تھا۔ یورپ میں فوٹوگرافوں کا
البم ہر کنبہ میں ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے کہ جس میں کنبہ کے ممبروں کے
مختلف عمروں و حالتوں کے فوٹوگراف اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں
کے فوٹوگراف بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بیشک ان کے دیکھنے سے بہت
دلچسپی اور لطف پیدا ہوتا ہے۔ ان کے دو خوبصورت بچے ہیں۔ ایک لڑکی
اور ایک لڑکا۔ جو دونوں اس وقت ساحل سمندر پر بغرض تفریح گئے ہوئے
تھے۔ میم صاحبہ اپنی لڑکی کی خوبصورتی کی تعریف کرتی رہیں۔ اور انہوں نے مجھے
بھی اپنے کنبے کے دو بچوں کے فوٹوگراف دیئے۔ اور مجھے کہا کہ تمہارے پاس
بھی اپنے بچوں کے فوٹوگراف ہیں۔ میرے انکار کرنے پر تعجب کیا اور
ہنسکر کہا کہ تم اچھے باپ نہیں ہو۔ مسٹر میسن نے بھی آج کھانے پر تعجب کیا کہ
میں کیوں اپنے بچوں کا ذکر نہیں کرتا۔ کیا وہ اچھے نہیں۔ میں نے کہا بیشک
وہ بہت اچھے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ تم نے انہیں لاہور میں بھی مجھے نہیں
دکھلایا۔ اور اب بھی ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ہم لیکن میں اپنے بچوں پر ناز
کرتا ہوں۔ اور اپنی لڑکی کا فوٹوگراف اپنے پاکٹ بک سے نکال کر اپنے
مہمانوں کو دکھلایا۔ اور کہا کیا یہ خوبصورت نہیں۔ سب نے اس نوجوان
لیڈی کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ کہ جس پر میاں بیوی بہت خوش ہوئے
مسز میسن صاحبہ بڑی معقول اور آزاد خیال عورت ہیں۔ جتنی مدت میں ان کے

گھر میں مہمان رہا مجھ سے بڑی مہربانی اور شفقت سے پیش آتی رہیں۔ اور ہمیشہ میرے تمام اور کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتیں۔ کہ جس کے لئے میں ان کا دل سے مشکور ہوں۔ ان کے گھر میں رہنے کے زمانہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ہماری دعوت بھی کی۔ اور ان کے ہمراہ بعض اوقات جا کر پیرس کے بعض مقامات دیکھے۔

ایک رسٹارنٹ میں کھانا ایک روز مسٹر میسن کے ساتھ ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے گیا۔ وہاں اُن کے تین اور دوست بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک فرنچ اور دو ڈچ تھے۔ اور اتفاق سے سب انگریزی بول سکتے تھے۔ انہیں سے ایک سے میری پہلے ملاقات تھی۔ اور باقی دونوں سے اس نے تعارف کرا دیا۔ اور ہم نے ایک دوسرے سے کارڈ بدل لئے۔ یہ دونوں ریشم کی تجارت میں تھے اور فرانس کا ریشم امریکہ کو روانہ کرتے تھے۔ کھانے پر حسب معمول بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات ہندوستان کی اور ہندوستان کے مذہب کی نسبت کرتے رہے۔ کبھی گورنمنٹ ہند کے انتظام کی نسبت بھی بات آ جاتی۔ یہ بات سن کر مسلمان ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں یہ حیران ہوتے تھے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ عملاً بہت ہی کم فائدہ اس اجازت سے اٹھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے بھی تعجب کرتے تھے۔ ان چار یورپینوں سے جو میرے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے سوائے مسٹر میسن کے کہ جن کے دو بچے ہیں۔ اور کسی کے بچے تو کہیں رہے ان کی بیویاں بھی نہیں تھیں۔ حالانکہ یہ معزز لوگ ہیں اور متوسط درجہ کی کلاس کہلاتے ہیں۔ مگر بوجہ خانہ داری کے اخراجات کی زیادتی کے بیوی رکھنے کا جھگڑا نہیں سہیڑتے۔ ہر روز کھانے کا اور انہیں اتنا دینا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ایک غریب آدمی اس پر مہینہ بھر گزارہ کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یہاں سوائے بوتلوں میں بھری ہوئی پینے کی

پانی کی اور پانی موجود ہی نہیں ہوتا - میں تو اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ باوجود مجبوری کے بھی یہاں زندگی کا معیار بہت اعلیٰ ہوتا ہے - آج کھانے پر مجھ سے ایک بڑی مضحکہ انگیز بات ہوئی - سبز بادام جو چھلکے سمیت میز پر لائے گئے تو میں

پولیٹیکل بحث

ایک بادام توڑ کر اسکا چھلکا کھانے لگا - کھانے پر منجملہ دیگر امور کے جنگ ٹرینسوال کے متعلق بھی باتیں ہونے لگیں - مسٹر مین جب انگریزوں کی طرفداری کی بات کرتے تو ان کا ڈچ دوست جو ہالینڈ کا رہنے والا ہے ان سے بہت بگڑتا - اور کہتا کہ ان لوگوں نے ٹرینسوال میں میری ہم قوموں کو بہت اذیت پہنچائی ہے - یہ بہت کمینے ہیں - مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں کیسا سلوک ہے - میں نے کہا کہ ہندوستان میں تو ہم لوگ کبھی انگریزوں کا احسان اتار نہیں سکتے - کیونکہ انہیں کی بدولت ہم تک مغربی علوم کی روشنی پہنچی ہے - اور یورپین انسٹی ٹیوشنوں کا حال معلوم ہوا ہے - ہالینڈ کے جنٹلمین نے جواب دیا کہ اگر روس بھی ہندوستان میں جاتا تو یہی نتیجہ نکلتا - پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستانی روس کی حکومت پر خوش ہونگے - میں نے کہا مجھے اسکا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے - البتہ ہم اپنی حالت میں بہت مطمئن ہیں - پھر کہا کیا روس کا قصد ہندوستان پر تاخت کرنے کا نہیں میں نے کہا نہیں تو صرف انگریزی گورنمنٹ کے روک تھام کے کاموں سے روس کے حملہ کا قصد معلوم ہوتا ہے - آج کل بوجہ جنگ ٹرینسوال کے تمام یورپ کے اور سب ملکوں میں بھی کہ جہاں مجھے جانیکا اتفاق ہوا ہے لوگ انگریزوں کو نظر حسد و عداوت سے دیکھتے ہیں ؛

پیرس کا صرافہ

پیرس کا بورس یعنی صرافہ راستہ میں آیا - یہ مشہور صرافہ کہ جو یورپ کے مالی معاملات کا قطب مینار ہے ایک بڑے ہال میں اس وقت وہ تین ہزار سے کم آدمی نہ ہونگے - یہ بعض کمپنیوں کے حصوں کے نرخ کی بولی دینے میں اس قدر شور مچا رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی - بعض

لوگ تو سخت جوش و خروش سے اپنی اپنی جانب توجہ دلانے کے لئے لاٹھیاں کھڑی کر رہے اور ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ اسی طرح صبح سے شام تک مصروف رہتے ہیں۔ اور کبھی ترتیب سے امیر اور کبھی مفلس قلاش ہو جاتے ہیں۔ مسٹر حسین نے بتلایا کہ یہاں جتنے لوگ جو بولی دیتے ہیں یا جو کچھ خریدتے ہیں وہ صرف ایک پرزہ کاغذ پنسل یادداشت کے لکھ دیتے ہیں۔ یا زبانی کہہ دیتے ہیں۔ اور جو وہ لاکھ روپے کے نقصان کا معاملہ ہو پھر سے نہیں پھرتے۔ اس مکان سے زیادہ شور میں نے یورپ و ایشیا میں کبھی نہیں سنا۔

مصطفیٰ خلیل آفندی سے ملاقات

یہ وہی شخص ہے جو کسی زمانہ میں اخبار کریسنٹ میں مسٹر ولیم کے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں فرانسیسی اور ترکی زبانوں کا پروفیسر مشتہر کیا جاتا تھا۔ میرے سفر یورپ پر روانہ ہونے سے پہلے یہ صاحب ہندوستان سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچ گئے تھے۔ اور اثنائے قیام لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے مکان میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں دنیا کے مسلمانوں کی حالت پر ایک لیکچر بھی دیا تھا۔ یہ لاہور میں ایک مدت تک میرے مہمان بھی رہے تھے۔ اور آجکل پیرس میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ گلاب شاہ افغان سے میرا ذکر سنکر مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ پچھلے روز مگر بغلگیر ہونے اور سینہ کی طرف بوسہ دیا۔ میرا نے آپ کو یاد کرتے ہیں۔ اور بتلایا کہ ان کی ٹانگ میں گولی لگنے کی وجہ سے جو لنگ ہو گیا اسلئے ترکی ملازمت کو ترک کر دیا۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتلایا تھا کہ میں دمشق کے خاندان عظم زادگان سے ہوں۔ لیکن دمشق میں جا کر معلوم ہوا کہ اس نام کا اس خاندان میں کوئی شخص نہیں۔ بہرحال پیرس میں خلیل آفندی مجھے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ایک روز نوجوان ترک طالب علم عبدالقادر نامی بھی جو ان کا بہت گہرا ایسے ہی محبت سے ملا۔ خلیل آفندی کا مکان عین وسط شہر میں ایک اچھے مرتبہ کے ریسٹورنٹ منزل میں تھا۔ اس نے افسوس کیا کہ اگر وہ میرے پیرس میں آنے کی خبر پہلے ہی ہندوستان کرا دیتا

لسو پیٹنے کے علاوہ اور ہر ایک کام میں مجھے مدد دیتا۔ چنانچہ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور میری بہت تواضع کی۔ اور میرے لئے تکلف کا کھانا گھر میں تیار کروایا۔ اسی کمرہ میں ایک اوشامی مسلمان کھانا پکا رہا تھا۔ پکانے کا چولہا گیس سے گرم ہوتا تھا اور دیگچیاں ایسی صاف کہ ان سے کمرہ کی آرایش میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ ایک قسم کے چاول "شعریہ" کی جو میرے لئے عجیب چیز تھے اور شکل میں جو دانے کے برابر تھے۔ بلکہ سیویوں اور چاولوں کے مابین ایک چیز معلوم ہوتے تھے اور قسطنطنیہ میں بہت ہوتے ہیں پکائے گئے ایک بکرے کی ران بھی مسلم بھونی گئی۔ اور جمیل آفندی نے مجھے بتلایا کہ یہ ایک مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے پیرس میں ایک تونسی مسلمان خاندان ہفتہ میں ایک دو مرتبہ اپنے لئے ایک بکرا ذبح کرتا ہے۔ اور میزبان ایک ڈبل روٹی پکانے کے تنور میں کچھ پیسے دے کر ثابت بھنوائی گئی ہے۔ کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی تھی جو کہتی تھی کہ گلستان کی رہنے والی ہے مگر اب فرانسیسی بھی خوب بولتی ہے اور آفندی کے ساتھ رہی رہتی ہے۔ کھانے کے بعد حسب معمول کچھ پھلیاں اور میوہ جات آئے اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اسکے بعد بھی جمیل آفندی نے ایک مرتبہ مجھے کھانے پر بلایا۔ اور بہت کچھ التفات کا اظہار کیا۔ پہلے روز مجھے اپنے نوجوان دوست عبدالقادر سے انٹروڈیوس کر کے کہا کہ یہ فرانسیسی خوب بولتا ہے۔ پہلے ایک پیرس کے ہوٹل کا ملازم (خدمتگار) تھا۔ مگر اب ایک فرانسیسی لیڈی سے شادی کرلی ہے اور کچھ اپنا کاروبار کرتا ہے۔ یہ پیرس کے چپہ چپہ سے واقف ہے اسلئے تمہیں خوب سیر کرا سکتا ہے۔ میں نے اسے غنیمت سمجھا اور ہم فوراً پیرس کا چکر لگانے اور بعض مقامات دیکھنے کو چلے گئے۔ میرا ہمنشین فرانسیسی و عربی دونوں مادری زبانوں کی طرح بے تکان بولتا تھا۔ مگر ناخواندہ تھا۔ پورا فرانسیسی جنٹلمین تھا۔ کہتا تھا فرانس بہت اچھا ملک ہے۔ اور فرانسیسی بہت اچھے

لوگ ہیں۔ اور کہتا تھا فرانسیسی عورتیں کیسی خوبصورت اور موٹی تازی ہوتی ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں انگریز عورتیں لکڑی کی طرح سوکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ فرانسیسیوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت کا عام خیال ہے۔ اور ایسے ہی جرمنی کی طرف سے۔

پیرس کا چڑیا گھر

پیرس کا چڑیا گھر جسے یہ ژردین دے پلانٹ کہتے ہیں دراصل صرف چڑیا گھر نہیں۔ بلکہ علاوہ زولاجیکل گارڈن یعنے چڑیا گھر کے اس وسیع مکان میں اناٹومی کا عجائب گھر۔ باٹنیکل گارڈن (نباتات کا باغ)۔ زوآلوجی (تاریخ الحیوان) جیالوجی (طبقات الارض، منرالوجی (معدنیات)، انتھروپولوجی (علم ترکیب انسان) کی گیلریاں۔ پودوں کے لئے ہاٹ ہوس۔ ان علوم کے متعلق ایک مکمل کتب خانہ اور ایک علوم حیوانات نباتات اور معدنیات کے متعلق لکچر دینے کے لئے اعلیٰ تھیٹر ہے۔ جس میں بڑے بڑے سائنس دان لکچر دیتے ہیں۔ بخلاف برلن کے چڑیا گھر کے یہاں داخلہ کا ٹکٹ مفت ملتا ہے۔ مختلف جانوروں کے عجیب اور مکان دیکھے۔ شیر کئی قسم کے تھے ہر شیر کو آٹھ دس پونڈ روزانہ گوشت ملتا تھا۔ بندر ایسے ایسے عجیب اور مختلف اقسام کے تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اسکے قریب دریائی گھوڑے گینڈے۔ ہاتھی اور اونٹوں کے مکان تھے۔ پرند آٹھ سو قسم کے اور سانپ اژدہا کئی سو قسم کے جمع تھے۔ ان میں بڑے بڑے اژدہے نہایت خوفناک معلوم ہوتے جو شیشے کے بکسوں میں بند تھے۔ ایک اژدہے کے دھڑ کا محیط ایک گز سے کم نہ ہوگا۔ سبز رنگ کی زہریلی چھپکلیاں۔ زہریلی مینڈکیں۔ اور پانی کے سانپ بھی موجود تھے۔ تماشائیوں کی نظر میں یہاں یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی تھی کہ جس طرح برلن کے زولاجیکل عجائب گاہ میں مختلف ممالک کی اشیاء سے نمائش کے ہمراہ ان ممالک کا نقشہ آویزاں ہوتا تھا کہ جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ ملک اور مقام دنیا کے نقشہ میں کس جگہ واقع ہے جہاں کی یہ اشیا ہیں ویسے ہی ان جانوروں کے پاس ان کی تفصیل دیتے

لیے آویزاں ہیں جس جس پہاڑی جانور کا وطن جس جس ملک میں دکھلایا گیا تھا اُن سے ہر ایک دیکھنے والے کے لیے یہ امر ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ یہ شیر وسط افریقہ کا ہے یہ ریچھ قطب شمالی کا اور یہ دو کوہان والا اونٹ ترکستان کا ہے یہاں لوگ بندروں ہاتھیوں اور گینڈوں کی بڑی عجیب چیزیں دیکھتے تھے ہاتھی پر بچے پیسے دیکر سوار ہوتے تھے سگ تازی کے یہاں بڑے نمونے تھے جنگلی گاؤ کے متعدد اقسام ہیں بارہ سنگا بہت بلند دیکھا کئی ایسے جانور تھے جن کے مجھے نام معلوم نہیں یہاں لوگوں میں جانوروں کو روٹیاں خرید کر پھینکنے کا بڑا رواج ہے بعض جانوروں کے کمروں کو سرد رکھنے کے لیے ان میں پانی کے حوض اور بعض کے کمروں کو گرم رکھنے کے لیے انگیٹھیاں ہیں جنھیں بجلی میں سے چڑیا گھر پہلے جیل میں قائم ہوا تھا اور یہ باغ وہاں واقع ہے پیرس میں ایک اور چڑیا گھر بھی ہے ۔

باغ ٹولیریز ٹولیریز سلاطین فرانس کا ایک قدیم محل تھا جس میں نپولین اول بھی اپنی بیوی جوسفین کے ساتھ رہتا تھا جسے ۱۸۷۱ء میں کمیونسٹوں نے لے کے جلادیا اب یہاں ایک نہایت خوشنما باغ ہے جس کے وسط میں ایک نہر سے گزرتی ہے جو چوک سے آتی ہے آج جمعہ کا دن تھا اور بہت بڑا ہجوم سننے والوں کا تھا جن میں جیسی باجا بجتا رہتا ہے جس کے وسط میں نہایت خوبصورت تالاب ہے اطراف میں روشیں ہیں اور ان پر بہت سے بُت بڑے بڑے سنگ مرمر کے بنائے ہوئے کھڑے ہیں یہ باغ خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے آئینہ کی طرح صاف اور ستھرا نظر آتا تھا اور ہزاروں آدمی گشت کر رہے تھے پبلک کے آرام کے لیے کرسیاں بچھی ہیں ۔

وینڈوم مینار وینڈوم میں ایک یہ ایک عالیشان مینار کھڑا ہے جو نپولین اعظم نے کی فتح یادگار میں روم سے

ٹراجن کے مینار کی نقل کے طور پر اسے تعمیر کرایا۔ اور دشمن سے جو توپیں جنگ میں چھینی تھیں پگھلا کر پتھر کے مینار کے گرد اُن کے پترے چڑھا دیئے۔ جنگ بولن سے لے کر آسٹرلٹز کے معرکہ تک کے تمام جنگی واقعات اور مشہور اشخاص کی ابھروان تصویریں اس مینار پر بنی ہوئی بطور ایک پیچ کے چوٹی تک چلی گئی ہیں۔ اور چوٹی پر نپولین کا بُت نصب ہے۔ اسے بھی کمیونسٹ باغیوں نے گرادیا تھا۔ مگر یہ سنہ ۱۸۷۵ عیسوی میں پھر وہیں کھڑا کر دیا گیا۔

بون مارشے
Bon Marche

اگر کسی شخص نے پیرس میں جا کر بون مارشے (Bon Marche) جیسے اچھا سودا یا اسی قسم کے دو دوسرے تجارتی مخزن دیکھے تو گویا اس نے پیرس کا ایک بہت ضروری جزو نہیں دیکھا۔ میں نے سنا ہے کہ اب سب سے بڑی دکانیں نیویارک اور شکاگو میں ہیں کہ جن میں ایک ایک وقت میں کئی کئی کروڑ روپیہ کا ہر قسم کا مال تجارت بکثرت جمع رہتا ہے اور جنہیں سٹور کہتے ہیں۔ لیکن پیرس کے مگاسین و مخزن، اور لنڈن ولیم وائٹلی کی دکان بھی امید ہے کہ امریکہ کے سٹوروں سے کسی طرح سے کم نہ ہونگی۔ البتہ برلن کی جس بڑی دکان کو میں نے اس سے پہلے دیکھا ہے وہ باوجود اپنی عظمت کے بون مارشے سے بڑی نہیں۔ بون مارشے ایک عظیم الشان دکان پیرس میں اس قسم کی ہے کہ جس میں انسانی ضرورت کی ہر چیز بکثرت مہیا رہتی ہے۔ ۱۸۵۲ء میں ایک غریب آدمی کے بیٹے ارسٹائیڈ بوسی کوٹ نے چالیس سال کی عمر میں اس دکان کو بلا کسی سرمایہ کے بہت حقیر پیمانہ پر جاری کیا۔ لیکن اس شخص کے پاس ہر چند کہ دولت نہ تھی مگر ایک ایسا دماغ ضرور تھا کہ جس میں عجب نہیں بھرا ہوا تھا۔ اس نے وہ تین ایسے اصول اپنی دکان کے لئے مقرر کئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گاہک اسکی دکان کی طرف جھک پڑے۔ اور

دکان دن بدن ترقی کرتے کرتے عظیم الشان مخزن بنگئی۔ اسکا پہلا اصول یہ تھا کہ نفع تھوڑا ہو اور سودا بہت بکے۔ اسباب سب اعلیٰ درجہ کا ہو۔ اور قیمتیں مقرر ہوں۔ تاکہ بغیر سردردی کے ہر شخص کو اچھی چیز مناسب قیمت پر مل جائے۔ اسکے علاوہ اُس نے یہ طریقہ بھی اختیار کر لیا کہ جس کسی کو سودا خریدنے کے بعد کوئی چیز پسند نہ آئے وہ واپس کر دے اور اپنے دام لیلے۔ ان باتوں کے ساتھ اُس نے اپنے مال کا اشتہار بھی بہت عمدہ پیرایہ میں دینا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۵۵ء سے سنہ ۱۸۶۳ء تک اُس کی بکری ساڑھے چار لاکھ فرانک سے ستر لاکھ فرانک تک بڑھ گئی۔ اس شخص کے مرنے پر اُس کی بیوی نے دکان کا کاروبار سنبھالا۔ اور ہر چند کہ وہ ایک عام تعلیم یافتہ عورت تھی مگر اُس کی نگرانی میں بھی کارخانہ نے بڑی ترقی کی۔ اس میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی نے اپنے مرنے کے وقت دکان کی ملکیت اُن ملازموں اور کلرکوں میں تقسیم کر دی جو اس وقت اس کارخانہ میں تھے۔ چنانچہ اس وقت اس دکان کے مالک پانچ سو حصہ دار ہیں جو سابق کلرک یا اُن کے وارث ہیں۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں اس دکان کے ہر حصہ کی قیمت پچاس ہزار فرانک قرار پائی تھی۔ لیکن دن بدن بڑتے اس قدر کامیابی ہو رہی ہے کہ اب ہر حصہ تین لاکھ بیس ہزار کا ہو گیا ہے۔ اور اٹھارہ ہزار فرانک سالانہ اسکا منافع ہے۔ پانچ سو بیچنے والی عورتیں اس دکان میں ملازم ہیں کہ جن میں سے چوتھا حصہ اسی مکان میں رہتی ہیں اور انہیں خوراک پوشاک سرما میں آگ اور تفریح کا سامان دکان کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دکان کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اگر ساڑھے تین بجے شام کے دکان کے متفرق ریڈنگ روم میں جہاں ہر قسم کے اخبار پڑے رہتے ہیں پہنچیں تو ایک ترجمان اُن کے ساتھ چلکر انہیں تمام دکان دکھلا دیتا ہے۔ ۲۰ نومبر کو ہر سال تمام مال کم قیمت پر نکال دیا جاتا ہے +

گراں مگازین دولوور | اسی پیمانہ کی اور اسی اصول کے ایک دوسری بڑی دکان دولوور ہے
اس نام کی ہے جو عجائب گھر لوور کے قریب واقع ہے۔ اس میں بہتر صیغے ہیں کہ جن
میں مختلف اقسام کا مال بکتا ہے اور اس قسم کی سوداگری والی تقریباً سب عمارتیں
بھی ہیں یہ ۱۸۵۵ء میں شرکت تین شخصوں کے قائم ہوا۔ پہلے سال کے آخیر میں نفع
صرف پانسو فرانک ہوا۔ ایک شریک چھوڑ گیا۔ باقی دو شخصوں نے پندرہ لاکھ کے سرمایہ
سے مشترکہ کمپنی بنائی جس کا ہر حصہ پانچ سو فرانک کا تھا ۱۸۸۲ء میں ایسے ہر
حصہ سے ۱۰ ہزار فرانک یعنی قریب چار سو فیصدی کے منافع ہوا۔ اور کل سالانہ بکری
بارہ کروڑ فرانک کی ہوتی تھی۔ یہاں بھی دوسری طرح علاوہ لندن کے دیکھی [illegible]
[illegible] کے لیے متفرق پلیٹ فارم [illegible] کا نمائش گاہ پیرس کے
متعلق ذکر ہو چکا ہے میں نے اس وقت اندازہ کیا تھا کہ تا پچاس ہزار کل
کا لباس اور [illegible] مرد و زن [illegible] سب [illegible] ہوں گے۔ شاید
تھا۔ چلتا تھا [illegible] گلیاں ہم سے تاکیں [illegible] چیز جو خیال میں
آتی ہے [illegible] کا تھا گو میں نے یہاں
سے [illegible] فرنگ [illegible] لیں
لوگ دکان [illegible] سے کسی [illegible] ہے [illegible] کم اتفاق ہوتا
ہے کہ جو لوگ [illegible] کے اندر گھستے ہیں کوئی نہ
کوئی چیز خرید لیں۔

بان مارشے | پیرس میں تو اور بھی کئی ایک بڑی بڑی دکانیں ہیں لیکن ان
میں سے بان مارشے [illegible] میں ایک خصوصیت ہے اور وہ ایک ظاہری
لحاظ سے بھی [illegible] دولوور کی طرح بہت بڑا ہی تجارت کا
مخزن ہے مگر اس میں اس خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ غریب
لوگوں کی ضرورت کی سب چیزیں یہاں مہیا کی گئی ہیں۔ گو وہاں کے غریب
لوگوں کی استعمال کے قابل چیزیں ہمارے یہاں کے امیر کے سامان

سے ابھی ہیں۔ یہ دکان بھی چار پانچ منزل ہے۔ اور اس میں ہر ایک چیز بہتات سے جمع کی گئی ہے۔ زیورات، برتن، کھلونے، کپڑے اور ہر ایک ضروری اور غیر ضروری چیز موجود ہے۔ لیکن سب سستی قیمت کی چیزیں ہیں۔ مگر بالکل خوشنما اور ستھری بنی ہوئی ہیں۔ یہاں میں نے ایک پرند شکار کرنے کی نرالی چیز دیکھی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے چمکدار شیشے جڑے ہوتے ہیں۔ اس کو دھوپ میں ہاتھ میں لے کر گھمانے سے کھیت کے جانوروں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ گرنے لگتے ہیں جبکہ آسانی سے انہیں شکار کر سکتے ہیں۔ اس دوکان کے مالک نے بھی میں نے سنا کہ بہت دولت کمائی تھی۔ ہوٹل ڈی ویل فرانسیسی زبان میں ٹاؤن ہال کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ دکان پیرس کے ٹاؤن ہال کے متصل واقع ہے اس لیے اس کا یہ نام مشہور ہے۔

پیرس کے زیر زمین ریلوے سٹیشن میرے دوست کے ایک دوست نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے کل شہر اور یورپ اور دوسرے مقامات کی سیر کرائیگا۔ تیسرے پہر دکھلانے کا مگر چونکہ میں وقت مقررہ پر اس کے پاس پہنچ نہ سکا۔ بعد وقت مقررہ کے ہوٹل میں پہنچا۔ تاہم وہ بشاشت میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوا۔ میں نے پیرس کے راستے کافی طور پر نہ جاننے کا عذر کیا۔ ٹاؤن ہال کے پاس پیرس کے نئی زیر زمین ریلوے میں سوار ہو کر میں پلاٹ فارم پر گیا تھا۔ یورپ میں یہ پہلی زیر زمین ریلوے تھی جس پر میں سوار ہوا تھا۔ اور پیرس میں یہ نئی تیار ہوئی ہے جو برقی طاقت سے چلتی ہے۔ زمین کے اندر جانے سے آگے ایک بہت بڑا سٹیشن ہے۔ ٹکٹ لے کر بیٹھ کر آتے ہیں۔ ہر وقت برقی روشنی سے دن چڑھا ہوا ہے۔ ہزاروں عورتیں مرد ٹکٹ خرید کر گاڑیوں پر سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ اور انسانی صنعت کی ترقی پر غش غش کرنے لگا۔ زمین کے اندر جو راستہ بنایا گیا ہے۔ اس میں چھت اور دیواروں پر سفید چینی سے

روغن کی ہوئی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اس سے پہلے انگلستان وغیرہ ممالک میں جہاں زیر زمین ریلیں چلتی تھیں بوجہ انجنوں کے دھوئیں کے اُن کے راستے ٹنل بہت میلے ہو گئے تھے۔ مگر برقی طاقت سے چلنے والی لائنوں کی سڑکیں ہمیشہ ستھری رہیں گی ۔

فلٹر

یہ صاحب خود ایک فلٹروں کا کارخانہ رکھتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے فلٹر بنانے کے علاوہ شہروں کی آبرسانیوں کے لئے بڑے فلٹر بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اسکا نام مسٹر بارروڈسن ہے۔ اس نے مجھے کئی طرح کے فلٹر دکھلائے۔ اور اُن کے پانی صاف کرنے کی قابلیت کا اس طرح امتحان کرایا کہ ایک ٹب میں کچھ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈالدیا۔ اور اس گدلے پانی میں ایک فلٹر مع پمپ کے لگادیا۔ پانی پمپ کے راستہ سے اوپر چڑھتا تھا اور فلٹر سے صاف اور پینے کے قابل بنکر نیچے گرتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو جوہڑوں اور تالابوں کا گدلا پانی پینا پڑتا ہے کہ جس سے رشتہ وغیرہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اگر سارے گاؤں میں ایک ایک ایسا فلٹر بھی رکھیں تو کافی ثابت ہو ایسے ایک فلٹر کی قیمت آٹھ دس روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ فلٹر دیکھنے کے بعد ہم بوآ ڈا بولون سے گذر کر ایک قریب کے گاؤں کو گئے ۔

ونشین اور سپ

بوآ ڈا بولون پیرس کا مشہور پارک ہے۔ اور ویانا اور برلن دونوں شہروں کی پارکوں سے بڑا اور بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ عالی شان درختوں کی قطاروں کے درمیان سے کیسی خوبصورتی سے سڑکیں نکالی ہیں اسی میں ایک طرف پیرس کی گھوڑ دوڑ کا میدان ہے۔ اور گرینڈ سینڈ کتنا بڑا ہے۔ دوسری طرف پانی کا ایک قطعہ ہے۔ آبشار کتنا بڑا ہے۔ باوجود موسم درست نہ ہونے کے کس قدر متمولین لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی گاڑیاں اوپر سے گذرتی ہیں۔ بیسیوں اسٹیشن اور بہت سے قہوہ خانے ہر طرف

ہیں۔ یہاں کے مزدوری پیشہ اور دستکاروں میں رسم ہے کہ شادی سے
پیشتر سب سے پہلے اس پارک میں میاں بیوی ضرور گلگشت کریں بعد میں یہاں کے
کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں اسلئے جمعہ ہفتہ اور اتوار کو یہاں بہت سے
نئے بیاہے ہوئے جوڑے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً ہفتہ کے انہیں
دنوں میں شادی کرتے ہیں۔ ہم نے منزل مقصود پر پہنچ کر ایک کارخانے
میں مختلف قسم کے واٹر پمپ دیکھے۔ ہمیں ایک ونڈمل (ہوا سے چلنے
والی کل) کام کرتی ہوئی دکھلائی گئی۔ جو زمین پر تیس گز کی گہرائی سے پمپ کے
ذریعے پانی کھینچ رہی تھی۔ ونڈمل کے صرف آہنی پنکھوں کی قیمت علاوہ
قیمت فریم کے سات سو فرانک اور پمپ کی قیمت دو سو فرانک تھی۔ پانی
ایک معمولی کوئیں سے نکال کر ایک زمین سے دس بارہ گز بلند حوض میں انچ
ڈیڑھ انچ کی نال کے ذریعے ڈالا جاتا تھا۔ ایک دوسرا ہاتھ سے گھمانے والا
پمپ میں نے پسند کیا جس کی قیمت پچھتر فرانک تھی۔ اور اس کی زنجیر اور
ربڑ کے لاٹوؤں کی قیمت دو فرانک فی گز۔ میرا اب تک یہ خیال ہے کہ ونڈمل
ہندوستان کے زمینداروں کو کنوؤں سے پانی نکالنے میں بڑی مدد دیگی۔
اور اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو قلیل مدت میں ہزاروں ونڈملیں لگ جائینگی۔ اس
وقت اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں ہوا بہت کم اور نہایت غیر
مقررہ طور پر چلتی ہے۔ کبھی تو آندھی آجاتی ہے۔ اور کبھی پتا تک نہیں ہلتا۔
پہلے تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے میدانوں میں بھی ونڈمل بہت
کام دے سکتی ہے۔ بالفرض اگر ہر روز ہوا موافق نہ ملے تو بھی دوسرے تیسرے
دن یا رات میں جب ہوا ذرا تیز ہوگی ونڈمل خود بخود پانی بلندی پر پہنچا دے
گی۔ لیکن اگر میدانوں میں کامیابی نہ ہوئی تو سمندر کے کنارے اور پہاڑوں کے
دامنوں میں جہاں پانی کی ضرورت ہوگی ونڈمل بے محنت کا خدمتگار کام دیگا۔
نہ اس میں بیل جوتنا پڑیگا نہ انجن کی طرح ایندھن ڈالنا پڑیگا سوائے ابتدائی

خرچ کے جو اس کی قیمت ہوگی بہت کم ہے۔ میرے خیال میں اگر کوئی ایک صاحب یا چند
صاحب مل کر چھ سات سو روپیہ چندہ جمع کر کے تجربہ کے لئے ایک ذخیرہ منگا لیں
تو وہ ملک کے زمینداروں اور کاشتکاروں پر بڑا احسان کریں گے۔

یورپ کے ملاقاتی

ٹیکنیکل تعلیم اور چھپائی کی کلیں اور اخباروں اور کتابوں کے
سامان دیکھنے میں مجھے خوش نصیبی سے پیرس کے ایک ایسے شخص سے مدد
ملی جو وہاں کے ایک مشہور اخبار نویس، لی سوسائٹی کا سیکرٹری اور ایک فیشن کے
تصاویر کے رسالہ کا ایڈیٹر تھا۔ مجھے تعارف سے اس کے نام ایک ایسی
معرفت کی چٹھی ملی تھی جس سے وہ میرا خاص دوست بن گیا۔ اور اس
نے نہایت [illegible] رنگین چھپائی کے کام دکھلائے میں
مجھے [illegible] تب ان کو بہت
[illegible] اصطلاحات اور باریک بھی اس وقت لوگوں
کے پاس ان کے دوستوں [illegible] کی انٹروڈکشن کے خطوط لکھ دیں
گیا۔ [illegible] بہت [illegible] سے پیش آتے۔ ایک آدھ دفعہ
کسی جلسے [illegible] کے لئے مناسب سمجھا جاتا
ہے اور اگر ان کی ملاقات [illegible] میں کھانا کھانا پڑے
تو قیمت [illegible] وغیرہ کا کرایہ بھی خود دیتے
ہیں لیکن زیادہ [illegible] مناسب ہوتا ہے جیسے یہ
مشغلہ [illegible] نستعلیق ٹائپ کی تلاش میں
مجھے فرانس کے [illegible] نمائش میں لے گیا۔ یہاں میں نے
کئی عربی فارسی نستعلیق ٹائپ میں چھپی ہوئی کتابیں دیکھیں جو فرانس کے
گورنمنٹ پریس میں چھپی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض بالکل
فروخت نہیں کی جاتیں [illegible] نستعلیق ٹائپ بھی فروخت کیا جاتا ہے جو
اب پریس میں بنتا ہے۔ اس [illegible] مجھے اس پریس کے دیکھنے کا شوق ہوا

اس کے دیکھنے کی اجازت کا ٹکٹ یہیں سے ملتا تھا ہم ٹکٹ لیکر پریس کے ایک دور دراز حصہ میں اس مطبع میں پہنچے ۔

پیرس میں مستعمل کتابوں کی منڈی

راستہ میں پیرس کا مشرقی زبانوں کا مدرسہ دیکھا اور نیز پیرس کی پرانی کتابیں بیچنے والوں کا بازار آیا۔ کہ جہاں اس کے بعد دو تین ترجمے پنجابی میں نے کتابیں تلاش کیں سیکرٹری نے جو بڑا علم دوست آدمی ہے یہاں دو جلدیں ہندوستان کی پرانی کتابوں کی دو فرانک میں خریدیں اور مجھے کہا کہ یہاں لوگوں کو پڑھنے کا اتنا شوق نہیں جتنا انگلستان میں ہے اور یہاں فرانس پڑھتے بھی ہیں ... کتابوں کا شوق ہے۔ کہتے ہیں پیرس کی مستعمل کتابوں کی ... علم دوست لوگوں کی نظر میں بڑے مشہور جگہ تھے۔ اس کا نام ... سینٹ مشیل ہے ... اسی طرف پیرس کے تمام کالج اور سکول اور یونیورسٹی ... کے سبب ... کی ... مستعمل کتابوں کی دکانیں دراصل وہاں ہی ہیں ... یہ بازار ... لگا ہے ۔ اس کے ایک کنارہ پر بازار کی حفاظت کے لئے جو دیوار ... جنگلہ ہے اس کے سرے پر دور تک سینکڑوں صندوق جڑے ہوئے ہیں ... مستعمل کتابوں کی دکانیں ہیں کئی بوڑھیاں عورتیں اور مرد ... سے ایک یا دو یا چار صندوقوں کے مالک ہوتے ہیں ... گویا کوڑے میں بعض جواہرات بھی پڑے رہتے ہیں ۔

پیرس کا سرکاری مطبع غرض سب سے پہلے ہم پیرس کے Impr emerr e Natronat سرکاری مطبع کے صحن میں پہنچے تو ہم سے پہلے ایک خاصا مجمع تماشائیوں کا یہاں موجود تھا۔ جو ہماری طرح نمائش گاہ سے اس مطبع کے دیکھنے کے لئے آئے تھے صحن میں گٹن برگ ... کے حروف کے موجد کا ... بت نصب تھا۔ یہ اتنا بڑا مطبع تھا کہ دو گھنٹہ میں بمشکل اس کی

سب شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر مشرقی اور مغربی زبان کے ٹائپ یہاں موجود تھے۔ بوجہ ضیق وقت ہم نے صرف عربی فارسی ٹائپوں اور کتابوں اور چھاپنے کی کلوں کا دیکھنا کافی سمجھا۔ یہاں ایک قرآن شریف خوشخط ٹائپ میں چھپ رہا تھا۔ جس کے گرد بہت بھاری مینا کاری اور سنہری بیل چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دو سال میں ختم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ جو کتابیں گورنمنٹ فرانس فروخت نہیں کرتی وہ اس کے مقبوضات اسلامی کے دفتر اور حکام کے استعمال کے لئے چھاپی جاتی ہیں۔ منجملہ قابل فروخت کتابوں کے یہ بھی تھیں:۔

پتھر کا مطبع یہاں سے ایک اور پتھر پر رنگین چھاپنے کا مطبع دیکھنے گئے۔ جہاں گیس انجن سے کئی پریس اور مشینیں چل رہی تھیں۔ اور کئی رنگین کام چھپ رہے تھے۔ ایک کاغذ پر کئی رنگ چھاپے گئے تھے۔ مہتمم نے کہا اس قسم کا چھپا کام ایک دن میں پانچ چھ سو سے زیادہ نہیں چھاپ سکتے۔ کتب، پوسٹروں اور تصویروں کے نمونے بجائے کاپی پر بنانے کے پتھروں پر ہی بناتے ہیں۔ اور بعض اوقات کاغذ پر بنا کر پتھر پر منعکس کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں ہند کے چھاپہ خانہ میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ کاتب خود کاپی کا کام ادا کر لیتا ہے۔ یہ ایسا نہیں کرتے۔ اس کام کا ایک علیحدہ کارخانہ ہے۔ کاپی لکھنے کی سیاہی کا بھی کارخانہ علیحدہ ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جس کام کی کسی کارخانہ کی تخصیص ہو جاتی ہے اس میں وہ خوب ترقی کرتا ہے۔ یورپ میں لوگ اس اصول کو خوب سمجھتے ہیں کہ کسی کام کا جتنا حصہ چھوٹے سے چھوٹا ہو سکے اسے علیحدہ کر کے اس میں اصلاح و ترقی کریں۔ میرے رفیق نے اہل کتب کے نفیس یورپ کے چھپے ہوئے نمونے دیکھ کر سمجھ لیا کہ بڑی محنت۔ توجہ اور زیادہ خرچ سے تیار کئے گئے ہیں۔ کچھ کاغذ عمدہ ہوگا۔ کچھ سیاہی اچھی ہوگی اور کچھ مسالہ اچھا ہوگا۔ یہ مطبع چھاپنے کی سیاہی کا وارنش بھی خود نہیں بناتا۔

بلکہ یہی بنائی سیاہی خریدتا ہے جو ہمارے اپنی بنائی سے اچھی ہوتی ہے۔ میں
نے منیجر سے درخواست کی کہ مجھے اپنی کاپی کے کاغذ پر اپنی سیاہی سے کچھ
لکھنے دو اور میرے سامنے اُسے پتھر پر چسپاں کرو۔ کیونکہ اُس نے کہا تھا
کہ ہم لوگ کاپی جمانے کے لئے پتھر گرم نہیں کرتے۔ اسنے کہا پرسوں تمہارے
سامنے ایسا تجربہ کی فرصت ہوگی۔ چنانچہ ۲۸ اگست کو ہم پھر وہیں پہنچے۔ منیجر
نے مجھے تھوڑا سا آراستہ کاغذ دیا۔ جو معمولی سریش اور ذرا سے میدہ کی لئی
سے رنگا ہوا تھا۔ کاپی کی سیاہی بھی میرے سامنے بلا گرم کرنے کے گھولی
گئی۔ میں نے ایک فارسی زبان کا شعر لکھا۔ اور اُسی وقت ایک مختصر سے
دستی پریس میں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھا اور جس کی داب صرف ایک شخص
دبا سکتا تھا بلا پتھر گرم کرنے کے اُسے پتھر پر جما دیا گیا۔ منیجر نے کہا پتھر گرم
کرنے سے نقش جاتے ہیں۔ بجائیکہ تمام ہندوستان کے پتھر کے چھاپہ
خانوں میں ہر روز پتھر گرم کئے جاتے ہیں۔ نرمی کے لئے بجائے [illegible]
کے پانی کے اندر تیزاب کا مناسب حصہ ملا ہوا تیزاب استعمال کیا گیا۔ جس سے
چھاپا بہت نفیس آتا ہے۔ پھر رنگین تصویروں کے مدھم ٹھیک نیچے اوپر
چھاپنے کی تدبیر بتائی۔

رنگ چھاپنے کے مزید حالات

رنگ چھاپنے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے
لئے مسٹر اپراس نے نمائش گاہ کی رنگین تصاویر کے سکشن
میں مجھے اپنے رسالے کے فیشن کی تصاویر بھی دکھلائیں۔ یوروپ کی کاریگروں
اور کارخانہ داروں نے جس کوشش سے یہ نئی نئی چیزیں دکھلائی ہیں انکا کسی قدر
اندازہ اسی سیکشن کے درست کئے کارخانہ کی نمائش سے کیا جاسکتا ہے۔ اسی
کارخانہ سے ایک ہفتہ وار لیڈیوں کے فیشنوں کا باتصویر رسالہ اور ایک اعلیٰ
درجہ کا ماہوار رسالہ دس رنگین تصاویر سمیت شائع ہوتا ہے۔ یہ آخری رسالہ
دنیا بھر کے فیشن کے رسالوں میں فرد ہے۔ اور یوروپ کی ملکہ اور شہزادیاں

اس کی سرپرستی میں۔ چونکہ پیرس فیشن کے معاملہ میں تمام یورپ اور امریکہ کا
لیڈر ہے اور فیشن کے ہر سال بدلنے اور ہر ماہ اس میں نئی ایجادیں اور اختراعیں
ہونے سے پیرس اور تمام یورپ کے لاکھوں درزیوں کے کارخانے مصروف
رہتے ہیں اور کروڑہا روپیہ یورپین عورتوں کے اس بے بہا سلسلہ میں خرچ ہو جاتے
ہیں۔ پہلے اس کارخانہ کی [illegible] کچھ ضرورت نہ تھی اور اس نے اسے اس طرح پورا
کیا [illegible] یہ [illegible] گذشتہ [illegible] سال کے پیرس کی عورتوں کی پوشش
کی عمدہ تصاویر [illegible] شیشوں میں رکھیں۔ اس ایک سو سال میں جس قدر
یورپ کی عورتوں کی [illegible] وضع میں فرق ہوا ہے اور کسی بات میں
نہیں آیا ہوگا۔ یہ فیشن کا نقشہ دیکھ کر ان معاملہ کے دیکھنے کا شوق ہوا
کہ جہاں ایسی خوبصورت تصویریں چھپی تھیں۔

رنگین تصویریں [illegible] ایک [illegible] کے دوست ملے وہ بھی چھپنے کی جگہ لے گیا
یہاں ایک تصویر [illegible] پلیٹ [illegible] ہی کی [illegible] ہزاروں اشرف
[illegible] پہلے ایک پلیٹ لیتے ہیں جس میں سب کچھ
آ جاتا ہے [illegible] پھر [illegible] تینوں شیشہ لگا کر ایک اور
پلیٹ لیتے ہیں [illegible] لیتے ہیں۔ ان تینوں پلیٹوں کو
[illegible] چھپتے ہیں۔ تو تصویر مکمل
ہو جاتی ہے [illegible] ان مشینوں پر کاغذ میں لگا کر
چھاپتے [illegible] گھنٹہ [illegible] سو کاغذ سے
زیادہ نہیں [illegible]

قیمت تصویر [illegible] کی جگہ [illegible] قیمتی لگی جاتی ہوئی نیشن کی
تصویر بھی [illegible] مجھے اس بات کا خیال تک نہیں گذر سکتا تھا کہ پیرس یا لنڈن
کے کسی [illegible] لگی ہوئی تصویر بھی چھپ سکتی ہیں لیکن
واقعی [illegible] پلیٹ میں تصویر کا اتنا حصہ کہ جس پر

کوئی خاص رنگ کرنا مطلوب ہو کاٹ دیا جاتا ہے جیسی کہ [illegible] پلیٹ جاتی ہے
اور پھر اس کے ساتھ عورتیں اور لڑکے اس پلیٹ کو جیسی ہوئی تصویر پر رکھ کر ایک
پٹے سے برش سے رنگ پھیری جاتی ہے اور اسی طرح ایک ایک تصویر پر
دس دس رنگ کر لئے جاتے ہیں یہ رنگ بہت عمدہ تھے اور بڑی جلدی
بھی ہو رہے تھے۔ ان رنگ کرنے والی عورتوں [illegible] کاغذ پر ایک
رنگ کا واش دینے کی اجرت صرف ایک پینی [illegible] یہاں کی یورپ
میں جہاں دولت اور شان و شوکت [illegible] قیمت کی بھی انتہا
نہیں۔ اسی مکان کے نچلی منزل میں ایک [illegible]
تھا کہ جیسے لاہور میں [illegible] کی شاخوں کی [illegible] مبارک
تھیں کبھی اس بات کا بھی خیال آیا تھا کہ [illegible] ایسے
ایسے غریب لوگ بھی بسر کرتے ہیں [illegible]

سب سے بڑا کتب فروش

[illegible] ایک [illegible] معلوم
ہوا کہ یہ کارخانہ پیرس میں سب سے بڑے کتب فروش [illegible] الماری
[illegible] اور اسے [illegible] کی
سجی تھی [illegible] خود [illegible]
ایک مربع مکان کے چاروں طرف [illegible]
ہیں اور مکان کے اندر تیسرے [illegible] دکان کا رہ
شاخیں ہیں یہاں سے [illegible] ایک جنتری
الیٹک [illegible] اور پیچ
تھے مرچنٹ انگلستان کی مشہور [illegible] کی کتاب
ہے اور الیٹک [illegible]
کی طرح ہر سال چھپتی ہے تمام [illegible] الیٹک
وسٹ ان سب سے کسی نہ کسی پہلو میں فائق ہے۔

فوٹو پراسس سے تصویروں کے بلاک

مجھے فوٹو پراسس کے معلوم کرنے کا بھی شوق تھا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سے یورپ کے اخبارات میں خوبصورت دلآویز تصاویر فوٹوگرافوں سے نقل کر کے چھاپی جاتی ہیں۔ برلن میں بھی میں نے اس بارہ میں استفسار کئے تھے۔ لیکن چارلس کے اخبار پیٹی بلو کے دفتر کے مصور نے مجھے پتہ دیا کہ میں پیرس یا لنڈن میں لے ڈلیو چیروزانیہ کمپنی کی دکانوں سے اس بارہ میں مدد طلب کروں۔ میں نے اپنے دوست مسٹر ایاس سے اس بارہ میں بھی مدد طلب کی۔ اور اُسکی معرفت چیروز کمپنی کے مینجر سے ملاقات کی۔ اس نے بتلایا کہ اگر میں ۱۰۔۹ انچ کی پلیٹ کے ہاف ٹون یعنی عکسی تصاویر کی نقل کرنا چاہتا ہوں۔ تو اسکے کل سامان پر چار پانچ ہزار فرانک سے کم خرچ نہ ہونگے۔ اور علاوہ اسکے چونکہ میں فوٹوگرافی بھی نہیں جانتا مجھے اس کام کے سیکھنے میں دو تین مہینے تک لگ جائیں گے۔ گو اس جواب سے میری ہمت ٹوٹ گئی تاہم میرے دوست نے بذریعہ ٹیلیفون ایک کاریگر کو مجھے کام سکھلانے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن جب پیرس کے پرلے سرے پر ہم اُن کے مکان پر پہنچے اور انہوں نے مجھے ہاف ٹون کا سامان دکھلایا اور بتلایا کہ اس کی قیمت آٹھ دس ہزار فرانک ہے اور طریق سمجھایا تو مجھے خیال ہوا کہ ایسی قیمت کے علاوہ اور کوئی مشکل اس کام کے ہندوستان میں جاری ہونے کے راستہ میں نہیں ہے۔ لیکن میرے حالات نے مجھے اس سفر میں ادھر توجہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور میرے دوست نے صلاح دی کہ بہتر ہے ہندوستان جا کر کسی دوسرے شخص کو اس کام کے سیکھنے کے لئے یورپ روانہ کر دیجیو۔ حال ہی میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان میں آٹھ دس انگریزی اور دیسی کارخانے ہاف ٹون تصاویر چھاپنے لگے ہیں۔

فرانس میں آرٹ کی ترقی

فرانس میں گورنمنٹ کو آرٹ (فنون) کی ترقی کی طرف بڑی توجہ ہے اور گورنمنٹ اس بارہ میں تین مختلف صورتوں میں اپنا

فرض ادا کرتی ہے۔ اوّل بحیثیت استاد کے گورنمنٹ بہت سے آرٹس کے مدارس چلاتی ہے۔ اور بعض جو پرائیویٹ کوشش سے چلتے ہیں انہیں مالی امداد دیتی ہے۔ پیرس کا مشہور نیشنل سکول آف فائن آرٹس جسے وانشکار لنگ یونیورسٹی سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۶۴۸ء سے جاری ہے۔ نقاشی سنگتراشی۔ بت سازی۔ انگریور (کندہ کرنے والے) اور معمار وہاں اپنی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جنکے ذریعے سے فرانسیسی آرٹ یورپ کے ممالک میں سربرآوردہ ہے۔ اس عظیم الشان مدرسے میں ایک بیش قیمت کتبخانہ خصوصاً فنون لطیفہ کے متعلق اور ایک بہت بڑا مجموعہ فنون لطیفہ کے نادر نمونوں کا جمع کیا گیا ہے۔ جو طالب علم نیشنل سکول آف فائن آرٹس میں نقاشی مصوری اور بت سازی وغیرہ سے فارغ ہو چکتے ہیں ان میں تکمیل تعلیم کے لئے روم (اٹلی) کے اکیڈیمی آف فرانس میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ اکیڈیمی گورنمنٹ فرانس کے خرچ سے اٹلی میں قائم ہے۔ کیونکہ اٹلی ابھی تک مصوری اور سنگتراشی وغیرہ میں یورپ کا استاد سمجھا جاتا ہے +

اسی طرح گورنمنٹ فرانس چینی کے کام کے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بنانے والے مشہور کارخانوں سیورس سے گوبلین۔ اور بووے کو مالی امداد دیتی ہے۔ کیونکہ ان کارخانوں سے صرف یہ مقصود نہیں ہے کہ یہاں سے بیش قیمت چینی برتن اور ٹیپسٹریاں یورپ کے سلاطین اور امراء کو تحفے دینے کے لئے بنتی ہیں۔ بلکہ یہ کارخانے چینی برتنوں اور ٹیپسٹری قالینوں کے مدرسے کا کام دیتے ہیں۔ اور ہر ایک سب شاخ کا معیار بلند رکھنا ان سے مقصود ہے۔

فرانس کے ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب سلطنت کے زمانہ سے کونسرویٹوار د میوزک اے د ڈیکلامیشن (زبانی اور مزامیر کی موسیقی کا مدرسہ) جاری ہے۔ کہ جہاں سرکاری طرف سے لوگوں کو زبانی اور مزامیر کے ذریعے سے علم موسیقی میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جو لڑکے یہاں تعلیم ختم کرتے ہیں یہ انعام

اکیڈیمی آف فرانس میں تکمیل تعلیم کو بھیجے جاتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد ان میں سے ان لوگوں کو کہ جنہوں نے اپنے فن میں امتیاز حاصل کئے ہیں فرانس کے ان تھیٹروں میں نوکر رکھنے میں ترجیح دیجاتی ہے کہ جنہیں سرکار امداد دیتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ پیرس کچھ بھی نہیں ہے اگر وہاں آرٹ نہیں۔ جب بازار یا گلیوں سے گذرتے ہوئے آپکی نظر جس دروازہ یا دیوار پر پڑیگی آپ کو وہیں فنون نفیسہ کے ہنر نظر آئینگے۔ ہر کیچہ و پوست آرٹ کے دلفریب نمونوں سے پُر ہے اور اگر تمہیں نقاشی اور مصوری کا ذرا بھی شوق ہے تو [illegible] اسمائیلی دوسرا سوربنی [illegible] آرٹس فرانس [illegible] سائنس نیشنل [illegible] جملہ و مصوری، نقاشی اور بت تراشی کے [illegible] نمونے [illegible] میں موجود ہیں گے۔

آرٹ کے علاوہ اور [illegible] مدارس کے [illegible] انکی [illegible] اکیڈمی [illegible] پولیٹیکنک [illegible] سے فراغت حاصل کرکے [illegible] فرانسیسی عالم کرانسٹیٹیوٹ آف فرانس [illegible] کا [illegible] کسی کی لیاقت کا [illegible] آرٹ [illegible] کے ماتحت پانچ اکیڈمیاں [illegible] (۳) اکیڈمی [illegible] سائنس [illegible] چالیس ممبر ہونے [illegible] سائنس اور ڈاکٹری کے [illegible] چالیس سے زیادہ [illegible] ایک ممبر اپنے [illegible] اکیڈمی [illegible] کے [illegible] کھانے [illegible] اکیڈمی [illegible] نے

[illegible]

[illegible] بھی خاص توجہ [illegible] آرٹ [illegible] خاص توجہ

نافذ ہے۔

اور سوم سلطنت نے خود بہت سی پبلک عمارات تعمیر کرائی ہیں۔ اور جو عمارات اس کی نگرانی اور انتظام میں ہیں ان کی مکمل آرائش تعمیر اسکا فرض ہے۔ اس سے مختلف معماروں اور کاریگروں کے مابین آپس میں مقابلہ کا خیال ترقی کرتا ہے جو آرٹ کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔

فرانسیسیوں اور جرمنوں کا مقابلہ

ایک روز اثنائے گفتگو میں ایک تجربہ کار انگریز سے کہ جس نے پیرس کی سکونت اختیار کی ہے۔ لیکن پہلے آپ کو اہل امریکہ کی نسبت زیادہ رعایا بنایا ہوتا ہے دیکھئے یورپ میں جو شخص جس ملک کی رعایا بننا چاہے بعض معمولی قواعد کی پابندی سے بن سکتا ہے، اہل جرمنی کا ذکر آیا۔ اور جو خیالات ایک ایسے تجربہ کار شخص نے اہل جرمن اور فرانس کی نسبت ظاہر کئے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی نوٹ کر لوں۔ متکلم کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اہل جرمن نہایت بد باطن بلکہ شیطان ہیں۔ گو آئندہ زمانہ میں محض محنت اور جفاکشی کی وجہ سے وہ ایک بڑی قوم ہو جانے والے ہیں۔ جرمن نہایت مکار اور غدار ہیں۔ ان میں دل ہی نہیں کہ ظلم کی تمیز کر سکیں اور اس بات کی تائید میں یہ مثال بیان کی۔ کہ مثلاً ایک فرانسیسی اور ایک جرمن جنرل لاکھ لاکھ آدمی کی فوج میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لاتے ہیں۔ فرانسیسی جنرل جب دیکھے گا کہ اس مقابلہ میں اسکے ایک ہزار آدمی تلف ہو جائینگے تو وہ ایسا نرم دل ہے کہ وہ مناسب سمجھے گا کہ بہتر ہے کہ میں شکست مان لوں بہ نسبت اسکے کہ ایسے ایک ہزار آدمی مارے جائیں کہ جنکے بال بچے اور بیویاں زندہ ہیں۔ لیکن جرمن جنرل اگر دیکھے گا کہ اسکے نوے ہزار آدمی ایسے جانے کے بعد ایک ہزار آدمی فتح حاصل کرینگے تو وہ اپنے نوے ہزار آدمیوں کے کٹوا دینے میں ذرا تامل نہیں کریگا۔ چونکہ ان لوگوں میں محنت کرنے آگے بڑھتے چلے جانے اور آئندہ نسل کی ترقی کی امید پر محنت شاقہ کرنے کی

کافی ثبوت موجود ہے۔ یقین ہے کہ یہ بیکار قوم ایک وقت صرف اپنے استقلال اور محنت کی وجہ سے دنیا کی سب قوموں سے آگے نکل جائیگی۔ ہر چند کہ اہل جرمن بڑے کوڑھ مغز اور بھدی طبیعت والے ہیں۔ اُنہوں نے دنیا کے سامنے بڑی ایجاد پیش نہیں کی۔ مگر لگاتار محنت اور معمولی لیاقت سے انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا ہے اور فرانسیسیوں کی نسبت کہ کہ ان کی قسمت میں تباہی لکھی جا چکی ہے۔ مگر یہ بڑے نیک طینت اور رحمدل لوگ ہیں۔

انگریزوں کی حالت

انگریزوں کی نسبت اثنائے گفتگو میں یہ ریمارک نہایت بیزاری سے کیا۔ کہ اس قوم کی اول درجہ کی سلطنت کی شہرت تو یقیناً آئندہ چند سال میں تباہ ہو جائیگی۔ کیونکہ ان کی تباہی شروع ہو چکی ہے۔ (یہ وسط ۱۹۰۰ء زمانہ جنگ ٹرانسوال کے دوران کے خیالات ہیں۔ ایڈیٹر)۔ اگر تیس سال اس سے پہلے انہیں ایک اچھی سی شکست مل جاتی تو وہ اسوقت دنیا میں بڑی زبردست قوم ہوتی۔ مگر بوجہ زیادہ دولتمند ہو جانے کے ان کے قومی دل پر چربی چڑھ گئی ہے۔ اور اب سوائے ان کے دنیا میں اسپانیہ کی طرح ذلیل ہو کر رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ ٹرانسوال میں اس قدر تکلیف اٹھانے پر بھی اکثر انگریز اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ہیں۔ میں پندرہ سال سے ان کے زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اور اس میں زیادہ قصور مسٹر گلیڈسٹون کا ہے جو بڑا ریاکار اور طالب شہرت تھا۔ میں باوجود انگریز ہونے کے اسی زمانہ سے انگلستان کی سکونت چھوڑ کر امریکہ کی بجائے لایزش رعایا بنگیا ہوں۔

ایک سوشلسٹ سے گفتگو

پیرس کے رہنے کے دنوں میں اتفاقاً ایک روز کھانے پر ایک سوشلسٹ خیالات کے شخص سے بہت لمبی چوڑی گفتگو چھڑ گئی۔ یورپ کی سوشلسٹوں کے جو نئے اخباروں اور کتابوں میں پڑھے تھے آج ان کی تصدیق کا موقع ملگیا۔ یہ شخص بڑا تعلیم یافتہ اور نیک محض

معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کی گفتگو کا خلاصہ اپنی یادداشت سے نقل کر دیتا ہوں۔ اسکا خیال تھا کہ دنیا میں کسی شخص کے پاس کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہونی چاہیئے اور نہ لوگ جائداد پیدا کرنے کے لئے محنت و مشقت کی تکلیف گوارا کیا کریں۔ ہر شخص اس قدر بیدار ہو جائے کہ اپنی روٹی کمانے کی ضرورت کے مطابق تین چار گھنٹے کام کرے۔ اور پھر فارغ ہے۔ سچی خوشی جس چیز کا نام ہے وہ اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ بہت سا روپیہ کما لینے سے جو دوسروں کا حق غصب کر کے جمع کیا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ ان خیالات سے متفق ہو جائیں تو نہ سوسائٹی کو کسی عدالت کی ضرورت رہیگی۔ نہ پولیس اور قید خانے کی اور سب آزاد آدمی رتبہ میں ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں گے۔ یہ سن کر میں نے اعتراض کیا کہ اگر عدالتیں نہ رہیں تو فرض کرو کہ ایک شخص کی خوبصورت لڑکی یا دلربا بیوی ہو۔ اس کی جائداد نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کو کوئی شخص چھین کر لیجائے۔ تو اسے کون سزا دیگا۔ اس نے کہا اگر عورت اس مرد سے محبت رکھتی ہے کہ جسکے ساتھ وہ بھاگ جاتی ہے تو دوسرے مرد کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ کہ جس سے اسے محبت نہیں اور جس سے کہ اس نے بے وفائی کی ہے۔ اور اگر وہ شخص جبراً اس عورت کو چھین کر لے گیا ہے تو وہ سوسائٹی کا ایک مریض ممبر ہے۔ اور اسکے دماغ کا علاج کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا یہ جیلخانے ایسے ہی مریض ممبروں کے دماغوں کے علاج کرنے تو ہیں کہ جن کی آپ ضرورت نہیں سمجھتے۔ ایک دوسرے سوشلسٹ صاحب نے جو پاس بیٹھے تھے کہا کہ ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہیئے تاکہ سوسائٹی اس سے نجات پا جائے۔ میں نے کہا تم لوگوں کا آپس میں بھی تو اتفاق نہیں ہے۔ اس پر پہلے سوشلسٹ صاحب نے کہا کہ ہاں ابھی کئی امور ایسے ہیں کہ جن پر ہم سب متفق نہیں۔ یہ شخص فلاسفی پڑھتا ہے اور خوب سوچتا ہے۔ کہتا ہے کہ امریکہ میں جا کر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انسان رہنے کے لئے ایسے

مکانات بھی بنا سکتا ہے کہ جن میں پاخانہ وغیرہ اٹھانے کے لئے نوکر کی ضرورت نہ رہے۔ جن میں واٹر ورکس کے پانی کی طرح آگ کی بھاپ بھی تقسیم ہوا کرے تاکہ لوگ اسپر کھانا پکا لیں۔ کوئی کسی کا نوکر نہ ہو۔ سب لوگ اپنا کام خود کر لیا کریں۔ میں نے کہا کہ دنیا تو ہر روز اسکے خلاف ترقی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں لوگ بھی خوشحالی کی حقیقت کو سوشلزم ہی تسلیم کرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا جمہوری سلطنتوں کا امپیریلسٹ ہو جانا تو اسکے خلاف دلیل ہے۔ انہوں نے کہا اصل میں سلطنتیں اور قومیں دو الگ چیزیں ہیں۔ قوموں کو بعض بے اصول اخبار نویس جو چاہتے ہیں سمجھا کر بہکا لیتے ہیں۔ مثلاً انگلستان میں چند آدمی جنوبی افریقہ کے جنگ کے خواہاں تھے۔ اخبارات نے حب الوطنی کا نام لے کر سب کو گرما دیا۔ قوم کو پہلے جنگ نہیں چاہتی تھی۔ مگر آخر جنگ پہ آمادہ ہوگئی ؛

انگریز کا ہندوستانیوں سے سلوک

پھر ذکر آگیا کہ انگریز ہندوستان میں دیسیوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص مسٹر جوسیا ٹ بی ہنٹ نے بتلایا کہ میں نے دلی کے ایک ہوٹل میں کھانے کی فہرست کے اخیر میں چھپا ہوا دیکھا ہے کہ دیسیوں کو چاہیے کہ زیادہ سختی نہ کیا کریں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تھوڑا بہت نوکروں کو بے شک دبایا کریں۔ یہ بات مسٹر سوشاسٹ صاحب نے کہی تمہیں چاہئے کہ ہندوستانیوں کو سمجھاؤ کہ اگر کوئی انگریز تم سے سختی سے پیش آئے اور مار پیٹ کرے تو تم بھی ترکی بترکی جواب دیا کرو۔ میں نے کہا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے زمانہ سب سے اچھا استاد ہے لیکن جب ہندوستان میں پہنچ کر میں نے ایک دوست سے دلی کے ہوٹل کا یہ قصہ سنایا کہ جسے بارہا دلی کے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی دلی کے کسی ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ بلکہ ہوٹلوں کے خدمتگار صاحب لوگوں کو

اس قدر دھوکے دیتے ہیں اور دق کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں انگریزوں کا تحمل قابل تعریف نظر آتا ہے۔ ایک اور قصہ انہیں بیان صاحب نے انگریزی افسروں کے معزز ہونے کی تصدیق کے طور پر سنایا کہ ایک مرتبہ میں جاپان کو گیا تو ہندوستانی فوج کا ایک انگریز لفٹنٹ بھی میرے ہمراہ تھا۔ سب سے پہلے جاپانی بندرگاہ میں پہنچکر جب ہم نے جن رکشا گاڑیاں کرایہ کیں۔ تو گاڑی میں بیٹھ کر انگریز نے قلی کو ٹھوکر ماری۔ غالباً اسکا مطلب یہ تھا کہ قلی جلدی نہیں چلتا تھا۔ اسپر جاپانی قلی نے گاڑی رکھ دی اور لفٹنٹ صاحب کو گاڑی سے باہر نکال کر ایسا مارا کہ دھنک کر رکھ دیا۔ اور پھر گاڑی میں بٹھا کر لے چلا۔ اس فوجی افسر کا ہندوستانی قلیوں کا تجربہ جاپانیوں پر قابل افسوس ۔ لائی ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانیوں کے ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی سلف ریسپکٹ کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں۔

خوبصورت پیرس اور با اخلاق اہل پیرس

شہر پیرس بجا ہے کہ دنیا کا بہشت ہے۔ یہ نہیں میں نے اسکے ساتھ ایک نئی تعریف تجویز کی ہے۔ قدیم زمانے میں رومۃ الکبرے کو دنیا کی حد کہا کرتے تھے۔ میں چاہتا ہوں پیرس کو دنیا کے شہروں کی دلہن کہا جائے۔ واقعی بلحاظ اپنے بازاروں کی آراستگی اور صفائی اور اپنی عمارتوں کی عظمت اور خوبصورتی کے یہ شہروں میں نئی نویلی دلہن کی طرح ممتاز ہے۔ لندن اس سے بہت بڑا شہر ہے۔ مگر ایسا خوبصورت۔ ایسا شستہ اور ایسا دلکش نہیں۔ پیرس کے چند بازار بہت کھلے ہیں۔ اور جن میں میلوں تک دو رویہ سبز شاندار درخت چلے گئے ہیں کہ جنہیں اوینیو **Avenue** کہتے ہیں۔ اس دلہن کے خوبصورت چہرے کی ناک ہیں۔ پیرس کی ہر بات میں سلیقہ اور نفاست ہے۔ لندن میں بڑائی اور عظمت ہے۔ ہر چند کہ بجائے خود پیرس ایسا دولتمند شہر نہیں جیسا کہ لندن ہے۔ لیکن تمام یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے دولتمند لوگ ہر سال لاکھوں اور کروڑوں روپیہ خوشنود ہو

پیرس کے لہو و لعب پر خرچ کر کے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ گویا پیرس ایک بازاری عورت ہے کہ جس کا حسن ہمیشہ نکھار رہتا ہے۔ اہل پیرس کیسے زندہ دل کیسے خوش طبع اور کیسے ملنسار اور مہربان ہیں۔ مجھ پر کیا حصر ہے۔ کوئی شخص جو پیرس میں چند روز رہ آیا ہو۔ اسے بھول نہیں سکتا کہ ہر ایک مرد یا عورت جس سے تمہاری ملاقات ہوچکی ہر ایک خدمتگار عورت یا راستہ چلتا بچہ تمہیں موسیو (صاحب) میاں صاحب کہ کر بات کریگا۔ اور اُن کے منہ سے یہ لفظ کیسا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ ایک روز ایک چھوٹے سے لڑکے سے میں نے راستہ پوچھا اور اُس نے ٹوپی اُتار کر جیسی متانت اور ادب سے مجھ سے باتیں کیں میں دنگ ہوگیا۔ مگر اس پر بھی عقلمندوں اور زمانہ کے تیور پہچاننے والے عاقبت اندیشوں کا خیال ہے کہ فرانسیسی قوم دُنیا میں اب زیادہ ترقی نہیں کرسکیگی۔ یہ لوگ زیادہ عیش میں ڈوب گئے ہیں۔ طبعاً فرانسیسی سہولیت اور آرام طلب ہیں۔ محنت کرنے کے لئے تو اینگلوسیکسن قومیں بنی ہیں۔ جفاکشی میں جرمن اور امریکن ممتاز ہیں۔ اور ایک انگریز جنٹلمین نے ایک روز اثنائے گفتگو میں نہایت مؤثر پیرایہ میں مجھے بتلایا تھا کہ آئندہ زمانے میں جرمن سب سے بڑی ہونے والی قوم نظر آتی ہے۔ گو وہ جرمنوں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ مگر ان میں مستقل مزاجی سے محنت کرنے کی صفت عجیب ہے۔ بقول اس انگریز کے جرمنوں میں رحمدلی تو کیا دل ہی نہیں ہے البتہ فرانسیسی نہایت نیکدل اور رحمدل لوگ ہیں۔

اولاد کی قلت

فرانس میں بڑی قباحت مجھے قومی نظر سے یہ معلوم ہوئی کہ بوجہ ترقی اسباب معاشرت کے لوگ زیادہ اولاد پیدا کرنا ناپسند نہیں کرتے اور مصنوعی وسائل سے صرف ایک یا دو بچوں سے زیادہ توالد روک دیتے ہیں ایک شخص نے ہنسکر اپنی بیوی کے سامنے مجھ سے کہا کہ اگر میں صاحب قدرت ہوتا۔ تو میری بیوی ہر سال ضرور ایک بچہ جنا کرتی۔ ہم ہندوستانی

لوگوں بلکہ تمام اہل مشرق کو اولاد اور ثروت دنیاوی کے درمیان کبھی کوئی تعلق معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو خدا منہ پیدا کرتا ہے وہ ان کے کھانے کو بھی دیتا ہے۔ مسٹر بی لیکہ ہندوستان کے تعدد کی نسبت ذکر کرتے ہوئے ایک یورپین نے مجھے کہا کہ اگر ہندوستانی ذرا سمجھ کر نسل بڑھائیں تو قحط سے نہ مرا کریں۔ اسکا خیال ہے کہ جو لوگ اپنی روٹی بھی نہیں کما سکتے۔ وہ شادی کر کے بچے پیدا کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ تو سوسائٹی (تمدن) پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ عیش پسند فرانسیسی ہندوستانیوں سے زیادہ ظلم تمدن پر کرتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۵ء کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک فرانس میں سال بھر میں کل (۸۳۴۱۷۳) بچے تولد ہوئے۔ جو پچھلے دس سالوں کی اوسط سے قریب دس ہزار کے کم ہیں۔ اور اسی سال میں (۸۱۹۲۲۳) فرانسیسی مرے۔ اور (۲۸۲۹۲۱) شادیاں ہوئیں۔ مگر سنہ ۱۸۶۲ء سے اب تک کسی سال میں اتنی نہیں ہوئی تھیں۔ گو فرانس کی تمام آبادی ۳۸ کروڑ لیٹین ہے۔ اور جرمنی کی چہرہ ملین۔ لیکن جرمنی میں ایک سال کے اندر (۱۹۵۲۴۴۱) بچے پیدا ہوئے۔ جس سے نہ ساف نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر اہل فرانس نے عقل سے کام نہ لیا اور بچے پیدا ہونے کے قدرتی طریقہ کی بدستور مخالفت کرتے رہے تو ایک روز ان کی قوم بہت گھٹ جائے گی۔ اور اہل جرمنی بڑھتے بڑھتے فرانس پر قابض ہو جائیں گے۔

عجائب گاہ لوور پیرس میں بہت سے عجائب خانے۔ بہت سی قابل دید تاریخی عمارات۔ بہت سے تھیٹر یا تماشے۔ روبیٹر یا گھر۔ پرنس نا پولین نامی بہت بڑا پارک۔ نپولین کی قبر اور اور بہت سی عجیب چیزیں ہیں۔ اور میں نے انکا بہت سا حصہ دیکھا ہے۔ لیکن ان سب کا مختصر ذکر کرنا بھی یہاں ممکن نہیں۔ میں دو تین چیدہ مقامات کا ذکر کرتا ہوں۔ لوور ایک عظیم الشان اور نہایت شاندار سلسلہ عمارات بلکہ محلات کا پیرس میں واقع ہے۔ جو متواتر کئی بادشاہان

پیرس نے تعمیر کرا کر ختم کیا۔ اور نپولین اعظم نے اس قصر میں مع اپنے
خدم و حشم کے سکونت اختیار کی۔ یہ محل تمام یورپ میں بلحاظ خوبی تعمیر ممتاز
مکان سمجھا جاتا ہے۔ دونوں پہلوؤں پر عالی شان و عظیم عمارات ہیں۔ اور بیچ
میں کھلا صحن اور باغ ہے۔ اب اسکے ایک حصہ میں تو عجائب گھر کی چیزیں
ہیں اور ایک حصہ میں تصویرخانہ یعنی پکچر گیلری ہے جو ۱۷۹۳ء میں یہاں کھولی
گئی ہے۔ اس ایک تصویرخانہ میں اتنی تصویریں ہیں کہ بقول بیڈیکر گائیڈ بک
کے مشہور بیان کے کہ اگر دو گھنٹے متواتر چلتے رہیں تو صرف اوپر کی تصویروں
کے سب کمروں سے سرسری نظر مار کر نکل سکتے ہیں۔ ہاشٹ کی انگلو امریکن
گائیڈ بک میں لکھا ہے کہ لوور کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے پورے آٹھ روز درکار ہیں
یورپ کے چوٹی کے مصوروں اور استادوں نے جو صدہا سال میں جگر کاوی
کی ہے۔ اور کلیجے نکال کر رکھ دیئے ہیں۔ کوئی کیسا ہی ناقدردان بھی کیوں ہو
ممکن نہیں کہ جا بجا کھڑا ہو کر کسی دردناک نظارہ۔ کسی منہ سے بولتے چہرے مرقع
کسی حسن و عشق کے واقعہ کسی رزمیہ یا بزم کے نقشے کو نہ دیکھے۔ اور کہیں کہیں
ذہن کی موٹی بے حس جلد کے نیچے اسکے دل کی حرکت تیز نہ ہو جائے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ نپولین اور اسکی سپاہ اپنے عروج کے زمانے میں تمام یورپ
کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً روم و اٹلی کے عجائب خانوں اور پرائیویٹ
مجموعوں سے تمام اعلے درجے کی تصویریں چھین چھین لاتے تھے۔ جو نپولین
کے تنزل کے بعد بھی تا حد امکان یورپ کو پیرس سے سب تصویریں چھیننے
کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر اسکے علاوہ جمہوریہ فرانس نے نہ صرف ورسائی کے
محلات سے یہاں تصویریں لا کر رکھیں بلکہ بہت سا روپیہ بھی اچھی تصویریں
خرید کرنے پر خرچ کیا۔ اور کئی محب الوطن فرانسیسیوں نے اپنے بیش قیمت مجموعے
اسکی نذر کر دیئے۔ لوور میں علاوہ تصویرخانہ کے بہت بڑا عجائب خانہ عجائبات
چین و مصر و یونان سے سامان بحری و نمونہ ہائے جہازات جنگ کا بھی موجود ہے پہلی

منزل میں سنگ تراشی کی صنعت کے اعلیٰ نمونے جمع ہیں۔ ایک جگہ سلاطین فرانس کے تمام شاہی زیورات اور نادر او رقیمتی سامان مع جواہرات رکھا ہوا ہے ایک تاج میں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہیں۔ ایک دستہ شمشیر بھی چھوٹے ہیروں سے مرصع تھا۔ برٹش میوزیم کا جس کا ذکر میں آگے کروں گا بہت بڑا عجائب گھر ہے لیکن ساخت کی خوبی کے لحاظ سے لوور کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کہ جس میں تمام یورپ کے استاد مصوروں کی کاریگری کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔

ورسیلز کے عجائبات

لوور تو بیشک پیرس کی ناک ہے۔ لیکن شہر پیرس سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر شہر ورسیلز ہیں (جس کو فرنچ ورسائی کہتے ہیں) اور جہاں فرانس کے بادشاہوں کے شہر سے باہر کے محلات کئی پشتوں تک رہے ہیں۔ تصویروں اور بتوں کا مجموعہ اور بھی بے نظیر ہے۔ یہ شاہی محلات بڑے پر فضا اور وسیع ہیں۔ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بادشاہان فرانس کیسے عیش اور آرام سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان کی ہستی بھی تباہ ہوتی ہے۔ ان عالی شان عمارتوں کے سینکڑوں کمرے بڑی بڑی قیمتی تصویروں سے سجے ہوئے ہیں۔ جو زیادہ تر فرانس کی تاریخ کے متعلق ہیں۔ جس طرح برلن کے زیوگ ہاؤس میں چند تصاویر میں جرمنوں کی فتوحات جنگ دکھلائی گئی ہیں۔ یہاں صدہا تصاویر میں فرانس کے میدان کارزار کی کامیابیاں دکھلائی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی تصاویر میں مسلمان صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ صلیبی جنگوں سے لے کر اہل فرانس نے جس جنگ میں شرکت اختیار کی ہے اس کی تصویر یہاں موجود ہے۔ نپولین کی مصر پر چڑھائی اور فرانسیسیوں کی مسلمانان الجیریا سے لڑائیاں سب آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ایک جگہ نپولین کی شاہ پرشیا کی بیوی سے ملاقات کی تصویر دکھلائی گئی ہے۔ جسے نپولین نے کہا تھا کہ میں تمہاری بیوی سے ہم بستری کروں گا۔ اور ایسا ہی کیا۔ مجھے میرے رفیق نے بتلایا کہ جرمن اس

کینہ کو اب تک فراموش نہیں کرسکتے ۔ علاوہ نپولین کے مصر اور شام کی
فوج کشی کے صلیبی جنگوں کی تصاویر بھی بہت ہیں ۔ جن میں عموماً عیسائیوں کو
مسلمانوں پر کامیاب دکھلایا گیا ہے ۔ ایسے کہتے ہیں ع ولیکن قلم در
کف دشمن است ۔ نپولین کی زندگی کے آخری سالوں میں سے تو سنہ ۱۸۱۰ء
سے لے کر ہر سال کے لئے ایک کمرہ تصاویر کا مخصوص ہے ۔ اور تاریخ
فرانس کے قریب قریب ہر نامور شخص ۔ بادشاہ ۔ وزیر یا سپہ سالار کے بُت
نچلی منزل کے برآمدوں میں رکھے ہیں ۔ لیکن مکان کے باہر وسیع حوض
اور فوارے کہ جنکا پانی برنجی مچھلیوں مینڈکوں ۔ کچھوؤں اور گھڑیالوں کے
منہ سے نکلتا ہے ۔ مع سبز روشوں اور سر بفلک درختوں کی قطاروں کے
عجیب بہار دکھلاتے ہیں ۔ جس نظارہ کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں بیاد ملاحظہ
بمشکل اُس کی ہیئت کا کچھ خیال پیدا کرسکتے ہیں ۔ جہاں تک نظر جاتی ہے
محل کے سامنے دونوں طرف درختوں کے گھنے جنگل کے درمیان ایک راستہ
سبزہ زار کا چلا گیا ہے ۔ جس کے دونوں طرف قدیم قوموں کے دیوتاؤں
اور ناموروں کے بُت نصب ہیں اور بیچ میں پانی کی جھیل
ہے ۔ ان بڑے محلات سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر جنگل میں دو چھوٹے
محلات موجود ہیں کہ جن میں سے ایک لوئیس چہاردہم شاہ فرانس نے اپنی
مسٹرس (داشتہ) میڈم ڈ مینٹی نان کے لئے تعمیر کرایا تھا ۔ یہ مکان اتنا
عالیشان نہیں جیسے بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا ہے ۔ اور جو اس کے زمانہ
سے لے کر اب تک اسی جگہ احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا ہے ۔ نپیر اعظم
سنہ ۱۸۱۵ء میں ۔ لوئیس پانزدہم اور نپیر سوم سنہ ۱۸۰۰ء میں اس محل میں فروکش
رہتے ۔ آج بوجہ اتوار کے ہجوم تماشائیوں کا بے حد تھا ۔ اور فوارے عجب لطف
پیدا کر رہے تھے ۔ پیرس سے یہاں جس ریل میں آئے تھے اُسی کی
گاڑیاں دو منزلہ تھیں ۔

پیرس کی گاڑیاں

اب ایک ذرا سی جھلک پیرس کی عام زندگی کی دکھلانا چاہتا ہوں۔ ان شہروں میں اس بات سے میری طبیعت بہت اکتاتی تھی۔ کہ یہ اتنے وسیع ہیں کہ دو مختلف مکانوں کے درمیان کئی کئی میل کی مسافت حائل ہے۔ تاہم یہاں کے طے مسافت کے سامان یعنی گھوڑوں سے چلنے والی سستی بسیں اور ٹریم وے گاڑیاں اور یہاں کی برقی اور دخانی ٹریم وے اور ریلوے گاڑیاں۔ جو زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے یکساں چلتی ہیں۔ فاصلہ کے قطع کرنے میں نہایت کارآمد چیزیں ہیں۔ اسی لئے ان بڑے بڑے شہروں خصوصاً لنڈن اور پیرس اور برلن کے بہت لوگ بوجہ سکنی مکانات کے کرایہ کی زیادتی کے شہروں سے باہر مضافات میں رہتے ہیں۔ دن کو شہر میں کام کاج کر کے شام کو سستی ریلوں پر سوار ہو کر پانچ پانچ۔ دس دس۔ پندرہ پندرہ میل شہر سے دور چلے جاتے ہیں اور رات کو گھر میں سو کر صبح پھر کام کاج یا ملازمت کے لئے شہر میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان شہروں کی دن کی آبادی اور رات کی آبادی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پیرس کے کھلے بازاروں میں گھوڑا گاڑیوں کا دستور عام ہے جو ہزارہا وکٹوریہ گاڑی کی قسم کی ہیں۔ تاہم شوقین اہل پیرس موٹر کار کے بڑے شیدائی ہیں۔ یہ گاڑی گیس کے انجن یا برقی طاقت سے چلتی ہے۔ اور ایک منٹ نہیں گذرتا کہ کسی مشہور سڑک پر تمہارے سامنے سے دو چار موٹر کار گاڑیاں فر فر کرتی ادھر ادھر گذر جائیں۔ لنڈن میں تو ان کا سواں حصہ بھی موٹر گاڑیاں نہیں دیکھیں عام گاڑیبانوں کی پوشاک ایسی ستھری اور رکھ رکھاؤ اور ٹک ٹاک ایسے صاف ہوتے ہیں کہ ان پر کبھی گاڑیبان ہونے کا ظن نہیں ہو سکتا۔ اگر گاڑی سے دور ہوں۔ یہ سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ تم نے جہاں جانا ہو انہیں کہہ دو یا اگر تم اجنبی ہو اور نام کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تو لکھ کر دیدو یہ تمہیں لیجائینگے بے زبانی نام بتلانے میں ایک دفعہ بڑا دھوکہ ہوا تھا۔ جرمنی سے مجھے ایک

صاحب نے اپنے پیرس کے ایجنٹ کے نام چٹھی دی کہ وہ مجھے کسی قسم

مزیدار غلطی

کی مدد دیگا۔ اُسکا مکان پیرس کے ایک بازار رو شاتوڈان میں بتایا۔ شاتوڈون لکھنے میں شاتوڈن Chateaudun ہے مگر پیرس میں ایک دوسرا بازار جو پہلے سے بہت دور ہے۔ رو شاتوڈو نامی ہے جو فرانسیسی زبان میں شاتوڈو ([illegible]) کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں۔ میں نے گاڑیبان کو بلا کر کہا کہ مجھے رو شاتوڈون میں لے چلو۔ اس کمبخت نے رو شاتوڈو سمجھا۔ اور وہ مجھے مکان کے سامنے اتار کر دو فرانک کرایہ لے کر چلا گیا۔ پیرس میں دستور ہے کہ کسی گاڑی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ خواہ کتنی دور یا قریب ہو جاؤ تو ڈیڑھ فرانک کرایہ اور نصف فرانک گاڑیبان کا ٹپ جو بمنزلہ انعام کے ہو گیا ہے۔ دے دو۔ لیکن اگر گھنٹہ بھر کے لئے گاڑی کرایہ کرو۔ تو دو فرانک کرایہ اور نصف فرانک ٹپ یعنی بخشش دو۔ جب میں مکان کے اندر گیا تو معلوم ہوا کہ یہ رو شاتوڈو ہے اور رو شاتوڈون وہاں سے بہت دور ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے گاڑیبان کو گھنٹہ کے حساب سے لے کر وہاں گیا۔ زمین کے نیچے چلنے والی برقی ریل سے بھی میں پہلے پہل پیرس میں سوار ہوا۔

آسمانی بس گاڑیاں

پیرس کی آسمانی بس گاڑیوں کے ذریعے لمبے لمبے فاصلوں کے لئے لندن سے بہت ارزاں ہیں۔ ایک شخص پندرہ سنتیم یعنی ڈیڑھ پینس دیکر گاڑی کی چھت پر سوار ہو سکتا ہے۔ تین پینس دے کر گاڑی کے اندر بیٹھ سکتا ہے۔ اور جہاں تک وہ گاڑی جاتی ہے چلا جاوے لندن وغیرہ شہروں کے اس سے زیادہ کرایہ نہیں مانگا جائیگا۔ جو لوگ گاڑی کے اندر بیٹھتے ہیں انکا یہ بھی حق ہوتا ہے کہ جہاں وہ گاڑی رکے اسی وقت اس سے آگے جانے والی دوسری گاڑی کے لئے انہیں ٹکٹ مفت دیا جاوے۔ اسے کارسپانڈنس کہتے ہیں۔ چنانچہ کنڈکٹر ٹکٹ پر سوراخ کر کے دیتا ہے۔ لندن اور پیرس دو ایسے قریب قریب شہر ہیں تاہم ان کی بعض باتوں میں عجیب اختلاف پایا

جاتا ہے۔ لنڈن کی آمنی بس گاڑیوں میں بخلاف پیرس کی گاڑیوں کے جو لوگ چھت کے اوپر بیٹھتے ہیں۔ اور جو اندر بیٹھتے ہیں ان سے ایک ہی کرایہ لیا جاتا ہے ایک اور نرالی رسم پیرس کی آمنی بس اور ریلوے گاڑیوں کے اڈوں پر یہ دیکھی گئی کہ گاڑی کے آنے سے پہلے جتنے لوگ جمع ہو جاتے وہ اس آمنی کے سٹیشن سے گاڑی میں سوار ہونے کا حق پیدا کرنے کے لئے ٹکٹ لے لیتے ہیں ٹکٹ سو تک نمبروار بستوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص آتا ہے وہ پہلے ایک ٹکٹ ان میں سے اٹھا لیتا ہے۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب گاڑی یہاں آکر کھڑی ہوتی تو جتنے ٹکٹوں کے کم نمبر ہونگے وہ پہلے سلسلہ وار اس میں سوار ہونگے۔ کنڈکٹر سلسلہ وار ٹکٹوں کے نمبر پکار کر اور ٹکٹ کو پیچھے لیکر لوگوں کو اندر داخل کرتا جاتا ہے۔ عموماً لوگ پہلے اوپر جا کر بیٹھتے ہیں سو اور جب وہ جگہ بھر جائے تو پھر دو چند کرایہ دیکر نیچے بیٹھتے ہیں۔ صرف مسافروں کی کثرت کی وجہ سے پیرس کی آمنی بسوں کو یہ طریق اختیار کرنا پڑا ہے۔ بعض انگریزوں نے خود میرے سامنے تسلیم کیا کہ پیرس کا یہ طریقہ لنڈن سے بہت اچھا ہے۔ آمنی بسوں کی کنڈکٹروں اور گھوڑا گاڑیوں کے کمپنیوں کے پاس تمام شہر کے گلی کوچوں کی فہرست ہوتی ہے۔ تاکہ وہ غیروں کو راستہ بتلا سکیں پیرس میں بعض ریلوے گاڑیوں کے پہلو بہ پہلو تین گھوڑے جوتے ہیں۔ اور کبھی حسب ضرورت اور دو گھوڑے ان کے آگے لگا لیتے ہیں۔ بار کشی کی بھاری گاڑیوں کے آگے کبھی تین تین گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے جوڑ دیتے ہیں ۔

مزدور

مزدور یا خدمتگار اپنے کپڑوں کے اوپر ایک نیلا یا میلا کرتہ پہنے رکھتے ہیں۔ جو ٹخنوں تک نیچا ہوتا ہے۔ ایسا ہی نیلا کرتہ کئی غریب مائیں اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر اوپر سے پہنا دیتی ہیں کہ کپڑے میلے نہ ہوں۔ یہاں صرف پھول بیچنے کی بہت سی دوکانیں اجنبی کو نرالی نظر آتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ

میں نے دیکھا ہے کہ پیرس میں لوگ اخبار پیٹی (ژرنل) کو جو زیادہ چھپتا
ہے۔ اور اخبار ماٹین (صبح) کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں نصف
پینی کے اخبار ہیں۔ مگر "فگارو" یا "گالوا" یا "تام" جو ڈیڑھ دو پینی کے پرچے
ہیں۔ یا جرنل ڈے ڈیبیٹ جو دو پینی یعنی بیس سنٹیم کا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے
اخبار شمار ہوتے ہیں۔ "آرور" "انٹرانسیژاں" "سیکل" "ریڈیکال" "ایکو ڈپاری"
وغیرہ بہت سے دوسرے مشہور اخبار ہیں۔ کیونکہ شہر پیرس میں ۲۴۴ پولیٹیکل
اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں سے ۱۹۷ روزانہ۔ ۳۰ ہفتہ وار۔ ۲ پندرہ روزہ اور ۳
ماہوار ہیں۔ ان کے علاوہ ۹۹۶ ریویو یعنی رسالے چھپتے ہیں۔ لیکن بخلاف لنڈن
کے پیرس کے دو اخبارات کے ہفتہ وار ایڈیشن یعنی پیرزرن اور لی پیٹی جرنل
رنگین تصاویر سے مزین چھپتے ہیں۔ اور وہ بھی دس سنٹیم یعنی نصف پینی یعنی ہندوستان
کے دو پیسے کو بکتے ہیں۔ ان کی ارزانی قابل تعریف ہے۔ پیرس کے اخبارات
میں یہ بڑا عیب ہے کہ بوجہ زیادہ آزادی کے بے لگام اور حد سے زیادہ ہیں۔
آپس میں بھی ایک دوسرے کے منہ آتے رہتے ہیں۔ اور پولیٹیکل پارٹیوں اور
دولتمند لیڈروں کے پولیٹیکل رسوخ بڑھانے کے لئے روپیہ کی مدد حاصل
کرتے ہیں۔ ورنہ مجھے ایک صاحب نے بتلایا تھا کہ یہ اتنا خرچ نہیں چلا سکتے۔
فرانسیسی زبان میں کتابیں ایسی ہی اچھی چھپتی ہیں۔ اور صدہا اور ہزارہا قسم
کی چھپتی ہیں۔ جیسی کہ انگریزی میں چھپتی ہیں۔ نمائشگاہ میں بہت سے پیرس
کے کتب فروشوں اور اہل مطابع نے اپنی کتابوں کے نمونوں کی نمائش کی ہوئی
تھی۔ کیا لاجواب چھپائی۔ جلد بندی اور آرٹ کے کام کا فن بہت بڑھا
ہوا ہے۔ اور کلوں اور دستکاری اور صنعت و حرفت میں تو اتنا بڑھا ہوا ہے
کہ مجھے اسکا کوئی علم نہ تھا۔

جرنل لی پٹی

پیرس میں جب میں نے دو تین اخبارات کے دیکھے جن
میں سے جرنل لی پٹی (Journal le Petit) کے کچھ حالات بیان کرتے

ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس مطبع میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی ایک گھنٹہ کے بعد یعنے پانچ بجے شام کے پیرس ایڈیشن چھاپنے کے لئے مشینیں چلیں گی۔ واضح رہے کہ دن میں اس عظیم الشان اخبار کے چھ ایڈیشن چھپتے ہیں۔ ان میں سے پہلے ایڈیشن تو بذریعہ ریل اور ڈاک کے فرانس کے دور دراز مقامات کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ مگر شام کا ایڈیشن جس میں خبریں زیادہ ہوتی ہیں۔ پیرس میں تقسیم ہوتا ہے۔ جرنل لی پیٹی کی روزانہ اشاعت ڈیڑھ ملین یعنے پندرہ لاکھ کاپی بتلائی جاتی ہے۔ اور یہ اشاعت تمام دنیا کے اخبارات سے زیادہ ہے۔ مگر اس اشاعت کو حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس کارخانہ میں تیس مختلف محکمے ہیں کہ جن کی مدد سے ہر کاپی جرنل کی مکمل ہوتی ہے۔ اور اس میں ہزار عورتیں مردان سب صیغوں میں کام کرتے ہیں۔ تین چیف ایڈیٹر ہیں جنہیں مختلف صیغے سپرد ہیں۔ کئی نائب ایڈیٹر اور کئی ہزار نامہ نگار فرانس اور دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ دفتر شب و روز کھلا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اتوار کو بھی بند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتوار کو بھی جرنل لی پیٹی برابر چھپتا ہے۔ بارہ مشینیں اسکو چھاپتی ہیں۔ ہر مشین چالیس ہزار کاپی فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی ہے۔ اور تین سو سٹیریو پلیٹیں بنانے پر بارہ ہنڈرڈ ویٹ سیسہ ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کاپی ہر روز مقررہ خریداروں کو جاتی ہیں جن پر چالیس ہزار پونڈ سالانہ یعنے قریب چھ لاکھ روپیہ کے محصول ڈاک دینا پڑتا ہے۔ اور باقی کاپیاں جو ریل کے ذریعہ سے ملک کے ہر حصہ میں بنڈل باندھ کر بھیجی جاتی ہیں۔ ان پر ساٹھ ہزار پونڈ یعنے نو لاکھ روپیہ صیغہ ریلوے کو دیا جاتا ہے۔ ۶۹۵ ریل کے لئے اخبار کے بنڈل بنتے ہیں۔ اور سو عورتیں ڈاک کے لئے اخبار بند کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی مشاق ہوتی ہیں کہ حساب فی منٹ ایک سو پرچے لپیٹ کر ان پر لئی سے چٹیں چسپاں کر دیتی ہیں۔ ہر روز ایک چھوٹی سی جھیل لئی کی خرچ ہو جاتی ہے۔ اتنی بڑی

اشاعت والے اخبار پر جسقدر کاغذ خرچ ہوتا ہے مندرجہ ذیل اعداد سے آپ اسکا اندازہ کر سکتے ہیں۔ سال تمام میں ست ون کروڑ کاپیاں جرنل کی چھپتی ہیں۔ اسکے علاوہ پانچ چھ اور ہفتہ وار اخبار بھی اس دفتر سے نکلتے ہیں۔ جن میں ایک ہفتہ وار جرنل لی پیٹی رنگین تصاویر کا پرچہ ہے۔ ایک زراعت کیلئے مخصوص ہے۔ ایک علمی مذاق کا پرچہ ہے۔ غرض ان سب کی مجموعی سالانہ اشاعت دس کروڑ تیس لاکھ ہے۔ تو کل سرشتہ کروڑ تیس [illegible] کاپیوں پر ۵ ہزار ٹن (اڑا دو لاکھ اٹھاون ہزار من) کاغذ سال تمام میں صرف اس ایک اخبار کے کارخانہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ کاغذ لکڑی سے بنتا ہے۔ اس لئے جنگلوں کے جنگل صرف ایک اخبار کے کاغذ کے لئے صاف ہو رہے ہیں۔ ریلوں کے مختلف سٹیشنوں پر اٹھارہ ہزار ایسے ایجنٹ موجود ہیں جو اخبار کے گٹھے پہنچنے کے بعد فوراً پیدل، گھوڑا گاڑی یا بائیسکل [illegible] اپنے علاقہ میں اخبار تقسیم کرنے کو دوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح فرانس کے ہر گوشہ [illegible] میں جرنل لی پیٹی ہر روز ہر امیر غریب تک کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ اسکے دفتر میں ایک نہایت مکلف کمرہ وسیل [illegible] بنا ہوا ہے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ آتا ہے تو بیت ایڈیٹر شہر کے بعض بارسوخ اشخاص کو بلا کر ان سے بحث کرکے فیصلہ کرتا ہے اور جب مضامین ایسی تحقیقات سے [illegible] تو پبلک ان پر کیوں عتبار نہ کرے گی۔ غرض اس کارخانہ سے مالکوں کو بھی خوب منافع حاصل ہوتا ہے:

پیرس کے تھیٹر اگر کسی چیز کو [illegible] نہیں ہے تو وہ تھیٹر ہیں پینے [illegible] مرتبہ پیرس کے [illegible] کسی خیال سے کہ پیرس میں کوئی ہر روز [illegible] پیرس کے مشہور تھیٹر لا [illegible] ہیں [illegible] کیلئے کھیل کئے جاتے ہیں اور فرانس کا [illegible] ہندوستان کے مشہور ایکٹر [illegible]

ہنری ونگ کے پایہ کا ہے اکثر یہاں اپنا پارٹ ادا کرتا رہتا ہے۔ یہ اعلےٰ پایہ کا تھیٹر ہے گو میں نے بوجہ زبان کی اجنبیت اور پلاٹ کی ناواقفیت کے بہت کم قصہ سمجھا۔ البتہ حرکات وسکنات اور سامان کی صفائی اور سادگی قابل تعریف تھی۔
ایک دوسری شام کو لنڈن سے واپس آنے کے بعد میں پھر ایک تھیٹر میں گیا اور سب سے پچھلی قطار میں چار فرانک کا ایک ٹکٹ خریدا۔ تھیٹر کی تمام نشستوں کی ایک چھوٹی سی نقل بنا کر رکھی ہوئی تھی۔ اور اس پر سب نشستوں کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ ہر شخص ان نشستوں کو دیکھ کر جسکو پسند کرتا اگر وہ خالی ہوتی تو اُسکا ٹکٹ خرید لیتا۔ بعض ٹکٹوں کی قیمت تو کھیل کے شروع ہونے تک ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی۔ لنڈن میں ایک شام کو میں ایک تھیٹر کے دروازہ پر بھیڑ دیکھ کر اندر گیا تھا تو دربان نے کہہ دیا تھا کہ اب جگہ خالی نہیں۔ مرسئے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مجھے لنڈن میں کہا تھا کہ یہاں کا تھیٹر بھی ضرور دیکھو تاکہ معلوم ہو کہ کیوں یہ لوگ یکسر ہی تماشا اتنی سی راتوں تک کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور لوگ ہر شب کو کثرت سے دیکھنے آتے ہیں۔ پیرس کے اس رات کے ناٹک میں ایک پارٹ میں انگریزوں کا خوب خاکہ اُڑایا گیا تھا۔ ایک انگریز کا سوانگ بھرا گیا تھا جو اپنی جوان بیٹی کی شادی کرنے کے لئے اسے پیرس میں لایا تھا۔ اور سب سوالوں میں [illegible] ہاں کے اور کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ جہاں ذرا [illegible] نہیں کی ضرورت ہوتی وہاں بھی وہ یس ہی کہتا اور اُس کی بیٹی بھی جو ابھی فرانسیسی زبان نہیں جانتی تھی ایک فرانسیسی بول چال کی کتاب کی مدد سے باتیں کرتی تھی۔ اور جب اُس کا فرانسیسی تلفظ انگریزوں کے فرانسیسی تلفظ کی طرح غلط ہوتا تھا اور سمجھا نہ جاتا تو وہ جھٹ اپنی کتاب کا وہ فقرہ پیش کر دیتی۔ میں نے فرانس میں یہ دو ہی تماشے دیکھے تو معلوم ہوا کہ انگریزی قوم کا یہ لوگ کتنا مضحکہ اُڑاتے ہیں +

ڈانسنگ بال ایک دوست کے ساتھ ایک شب کو بہ روان واپاری نامی ایک

ڈانسنگ ہال بھی دیکھا جو آجکل بوجہ نمائش کے جوبن پر تھا۔ اور اس میں علاوہ اہل فرانس و جرمنی کے انگلستان اور امریکہ کے تماشائی بھی بکثرت تھے تین فرانک داخلہ کا ٹکٹ تھا۔ نو دس بجے شب کو ہم لوگ اس احاطہ میں داخل ہوئے۔ تو دیکھا سینکڑوں مرد اور بہت سی عورتیں چھوٹی چھوٹی میزوں پر بیٹھے ہوئے کھانے پینے میں مصروف ہیں۔ ہم بھی ایک میز پر جا بیٹھے اتنے میں سامنے ایک مکان میں باجا بجنے لگا۔ اور کچھ عورتیں سٹیج پر جا کر ناچ کے کرتب دکھانے لگیں۔ تھوڑی دیر میں سٹیج کے مقابل ایک گول مکان میں کہ جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی گئے۔ اور لڑکیاں ناچنے لگیں۔ یورپ کے ناچ کی بڑی خوبصورتی اور بڑی کاریگری یہ ہے کہ ناچنے والی ایک ٹانگ کو بلند کرے کہ وہ سر تک پہنچ جائے۔ یا ٹانگ کو بڑی پھرتی سے ہلائے اور ایک پاؤں پر گھومتی پھرے۔ اسی طرح کے اصول سے ناچ کی بیسیوں قسمیں اختراع کی گئی ہیں۔ جب اس گول مکان میں ناچ شروع ہوتا تو سب لوگ اس کے گرد گھوم کر دیکھتے۔ کئی عورتیں جو لیڈیوں کی طرح ملبوس تھیں۔ میرے رفیق نے بتایا کہ صرف ایک اشارہ کی منتظر ہیں بلکہ کئی دوسری خود عشوہ گری سے تعاقب کر رہی اور بات کی دیر۔۔ وہ پاس آ گئیں۔ جوان میں سے اس حلقہ کے اندر پر خوب نہ جچتی۔ جب وہ باہر آتی تو بہت سے نوجوان امریکن اور انگریز ٹوپی اتار کر اس کی ملنے کی دعا دیتے۔ اور تھوڑی دیر میں وہ عورت ان میں سے کسی مرد کے ساتھ گم ہو جاتی۔ مجھے یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ پیرس کے بازاروں میں رنڈیاں دن بعد دریچوں میں نہیں بیٹھتیں۔ گو میں نے سنا ہے کہ گیارہ بارہ بجے شب کے بعد پیرس کے بعض بڑے بازاروں میں یہ بیٹھیاں اکثر راہ چلنے والوں کو جا بجا اشاروں کے ساتھ ملاقات کا شرف بخشنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اس تماشا گاہ میں بعض چالاک عورتیں ایسی بھی کرتی ہیں کہ جب کسی

اجنبی کو تنہا کسی میز پر بیٹھا ہوا دیکھتی ہیں تو اس کے پاس اُسی میز پر جا بیٹھتی ہیں۔ اور ویٹر سے کھانا یا شراب وغیرہ منگواتی ہیں۔ اور جب دیکھتی ہیں کہ ویٹر دام وصول کرنے کو قریب آ رہا ہے۔ تو چُپ چاپ اُس میز پر سے اُٹھ جاتی ہیں۔ اور اجنبی جنٹلمین سے جب ویٹر اس لیڈی کے کھانے کا بھی بل وصول کرتا ہے تو تب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اُسے احمق بنا گئی ہے۔ یہ تماشا صرف اسی ڈانسنگ ہال میں ہی بعجب بار بار نہیں کیا جاتا بلکہ پیرس کے اور کئی میوزک ہالوں اور اسی قسم کے مکانوں میں دوہرایا جاتا ہے۔

فرانس میں شادیاں

فرانس کی شادیوں کے متعلق امریکہ کی ایک میم صاحبہ نے جو مدت سے پیرس میں سکونت رکھتی ہیں ایک روز بسبیل تذکرہ بیان کیا تھا کہ پیرس میں شادیاں زیادہ تر سوسائٹی کی خاطر کی جاتی ہیں۔ تاکہ مرد کو جو رتبہ حاصل ہے اس سے عورت کو بھی حصہ ملے ورنہ دراصل فرانس میں جنٹلمین کی داشتہ اور چہیتی کا آشیانہ علیحدہ ہوتا ہے۔ فرانس میں بھی شادی کے وقت اہل بنگال کی طرح لڑکی والوں کو ایک معقول رقم بطور جہیز دینا پڑتی ہے۔ اس جہیز کے سوائے لڑکیوں کو اچھے شوہر مشکل مل سکتے ہیں۔ گو بعض صورتوں میں دولہا کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی لیکن عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ جس قدر رقم دُلہن اپنے والدین کے یہاں سے لائیگی اتنی ہی جائداد دولہا کے پاس بھی ہوگی۔ فرانس میں ہر چند کہ عام لوگ متوسط درجہ کا گذارہ رکھتے ہیں اور بمقابلہ دیگر ممالک یوروپ کے غریب ہیں تاہم اکثر مائیں اپنی لڑکیوں کو ایک ٹانکا تک لگانا نہیں سکھاتیں۔ جیسی کہ امریکہ میں دولتمند مائیں بھی اپنی لڑکیوں کو سب کام کاج سکھاتی ہیں۔

فرانس میں شادی کی اصلیت

پیرس کی عام عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب سے چند اقتباس یہاں جمع

نہ معلوم ہونگے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیرس میں شریف لوگ اپنی لڑکیوں کو اِسی طرح حفاظت اور نگرانی میں رکھتے ہیں جیسے کہ ممالک مشرق میں لڑکیوں کو پردہ میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ایک مذہبی کوئی ماں اپنی لڑکی کو کسی غیر آدمی کے ساتھ گھر سے جانے دے تو کہا جائیگا کہ اس نے اپنی بیٹی کو ذلیل کر دیا۔ اور اور پھر اُس لڑکی کی شریفانہ شادی ہو جانے کا اتفاق کم باقی رہ جائیگا۔ پیرس کی سوسائٹی میں شادی سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ دو آدمی آپس میں محبت کرنے میں تو اُن کا اتحاد ہو جائے۔ بلکہ وہاں دنیاوی اغراض کو زیادہ مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ایک دولتمند شخص نے ایک صراف کو جا کر کہا "میں تمہاری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری جائداد کے کاغذ ہیں" اور کسی بات کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ فوراً لڑکی اس شخص کے حوالے کر دی گئی۔ دوسری طرف لڑکیوں کے والدین کو اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز دینا پڑتا ہے۔ تب اُن کی بیٹیاں قبول کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرنے والا تھا کہ لڑکی کے باپ نے داماد سے کہا "میں تمہیں جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ: باغ میں وہ بڑا چیری کا درخت میرا رہیگا" داماد نے کہا نہیں یہ میرا ہوگا"۔ خسر نے کہا یہ ضرور میرا رہے گا"! اسپر داماد نے کہا تو میں تمہاری لڑکی سے شادی نہیں کرونگا"۔ پیرس میں عموماً شادی کا سودا محبت کے اصول پر مبنی نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے بہت سی عورتیں اور مرد ناپاک اور بدکار زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پیرس کے مشہور مصنف ڈوما کی نسبت یہ قصہ مشہور ہے کہ جس مینہ زل رس) آڈا سے ڈوما کی شادی ہوئی تھی۔ اُس کے باپ کا ڈوما بہت قرضدار تھا۔ مگر ڈوما کے پاس روپیہ ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ آخر قرضخواہ نے ڈوما کو قید کرانے کا ارادہ کیا۔ لیکن آخر وقت میں اسے ایک نرالا خیال پیدا ہوا۔ اس کی لڑکی مس آڈا نہ تو حسین تھی اور نہ نیک چلنی میں ہی شہرت رکھتی تھی۔ اُس نے ڈوما کو کہا

اگر تم میری لڑکی سے شادی کرو تو سب قرض معاف کردونگا۔ آخر ڈوما نے قید پر اس زندگی کو ترجیح دی۔ اور مس اُڈا سے شادی کرلی۔ لیکن وہ شادی کس قسم کی تھی۔ اس کا ذیل کے واقعے سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

ڈوما کی بی بی ایک شام کو ڈوما ذکملل اپنے گھر میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اسکے گول کمرہ میں ایک اجنبی شخص اُس کی بیوی کا منہ چوم رہا ہے۔ ڈوما نے کچھ دیر تک اجنبی کی طرف تعجب اور حیرت سے تاک کر کہا: "تعجب ہے اجنبی تمہیں کسی نے اس کام پر مجبور بھی نہیں کیا۔" یعنی مجھے تو اس کے باپ نے اسکا شوہر بننے پر مجبور کیا ہے۔ اور تمہیں اس نیک بخت کی ملاقات کے لئے کس نے مجبور کیا ہے۔

اپنی بیوی کے بچے لیڈی میڈم ڈراگو میرس میں ایک مصنف اور فیشن کی سرپرست لیڈی گذری ہے۔ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوگئی جو کتابوں کا کیڑا تھا۔ اور جسے سوائے اپنے کتب خانہ کے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر تک نہ تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے بچے کتنے ہیں۔ اور یہ بُڈھا فلاسوفر اس بارہ میں اس قدر بے پروا تھا کہ جب کوئی اجنبی اس کے گھر میں آتا تو وہ بے تکلفی اور بے ریائی سے اُسے ان لفظوں سے اپنے کنبہ سے ملاقات کراتا کہ میں بیوی کے بچے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔"

"فرانس کی عورتوں پر غیر مردوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ فرانس میں شادی دل سے نہیں بلکہ جیب سے تعلق رکھتی ہے تاہم فرانس کی عورتیں طبعاً ذہین اور حیا نی ہوتی ہیں۔ اور وہ تعلق بھی معقول پیدا کرنا پسند کرتی ہیں۔ انگلستان میں سُنا جاتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی اپنے باپ کے سائیس کے ساتھ روپوش ہوگئی۔ اور ایسی ہی باتیں امریکہ میں سُنی جاتی ہیں۔ مگر فرانس کی عورت اپنے سے کمتر درجہ کے آدمی سے کبھی سازش کرنا پسند نہیں کرتی۔"

عورتوں کے ہتھکنڈے

بقول پیرس ہینڈ بک کے تینتیس ہزار عورتیں جو پیرس میں ناجائز وسائل سے روزی کماتی ہیں انمیں صرف پانچ ہزار کا نام پولیس کی کتابوں میں درج ہے۔ اور ان پانچ ہزار میں سے بھی اٹھارہ سو باضابطہ لائسنس یافتہ مکانوں میں رہتی ہیں۔ اور باقی اپنے گھروں میں سکونت رکھتی ہیں۔ اب یہ عورتیں لوگوں کو اور خصوصاً اجنبیوں اور ناواقفوں کو کس طرح مونڈتی ہیں۔ ذیل کے حالات سے معلوم ہوگا جو متذکرہ بالا کتاب سے اخذ کئے جاتے ہیں +

بعض ریسٹورانٹوں میں کئی عورتیں نصف رات کے بعد تک کھانے کی منتظر رہتی ہیں۔ فرض کرو ایک شخص سے ایک خوبصورت عورت دوچار ہوتی ہے۔ اور جھٹ اُسے کھانے کی فرمائش کرتی ہے۔ کھانا دو کے لئے منگوایا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک گل فروش عورت ایک گلدستہ لاکر اس شخص کے پیش کرتی ہے اور اُس کی خوبصورت رفیق اُسے ترغیب دیتی ہے۔ کہ گلدستہ خرید لو۔ چنانچہ جب یہ گلدستہ خریدا جاتا ہے تو بہت دیر نہیں گذرتی۔ کہ فوراً یہ گلدستہ اسی گل فروش کے ہاتھ پھر بک جاتا ہے۔ اور اسی طرح کئی مرتبہ ایک ایک گلدستہ بکتا رہتا ہے۔ اور بشرطیکہ شکار کافی سادہ لوح ہو تو ایک گوچیں فوساژن بھر کی گاڑی کے کرایہ بالفرض بیس فرانک کا ایک بل لے آتا ہے۔ اور تقاضا کرتا ہے۔ تو عموماً یہ بھی سادہ لوح شکار ادا کر دیتا ہے۔ اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔

"فرض کرو کسی بال میں ایک خوبصورت عورت تم کو مفتون کرتی ہے تھوڑی دیر میں اس کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایسی جگہوں میں جانے کی عادت نہیں ہے۔ صرف آج رات کو پہلی دفعہ وہ تجسس کر یہاں آ پہنچی ہے۔ اس کا شوہر کسی ڈنر پارٹی میں گیا ہے۔ اور نصف شب کے بعد اس کا منتظر ہونے سے پہلے تم خوش نصیبی سے اسے قبول کرتے ہو کہ تم دوسرے روز اس کے مکان پر ایک بجے شب کو پہنچو گے۔ اس کا شوہر صرافہ میں جاتا ہے

اور بارہ بجے سے تین بجے شب تک وہیں رہتا ہے۔ تم قرارداد کے مطابق اس مکان پر پہنچتے ہو۔ تمہیں ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھلا دیا جاتا ہے اور ہر طرح کی ہنسی مذاق کی گفتگو ہونے لگتی ہے۔ شائد تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور وہ لپک کر سامنے کے آتش دان سے جا لگی ہے۔ یہاں ایک خوبصورت چینی کا برتن پڑا ہوا تھا جو اس ٹھوکر سے گرتے ہی ہزار ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

"یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے! اب کیا ہوگا۔ میرا شوہر اسے کل ہی خرید کر لایا تھا۔ وہ تو سخت ناراض ہوگا"

"کچھ پرواہ نہیں۔ اس کی قیمت کیا تھی؟" شائد تم بیساختہ کہہ دیتے ہو۔

"صرف پچاس فرانک! اگر تم جانتے کہ شوہر کیسے سخت گیر ہوتے ہیں"

ظاہر ہے کہ تمہیں خیال ہوگا کہ تمہاری بدولت تمہاری میزبان کیوں تکلیف سہے۔ اس لئے تم ذرا سے تامل کے بعد پچاس فرانک گن کر چینی ہستی پر رکھ دیتے ہو۔ اب معمولی پہلے کا سا ہنسی مذاق شروع ہونے والا تھا کہ گھڑی تین بجا دیتی ہے۔ ایک نوکرانی جلدی سے آ کر کہتی ہے کہ ایک دو منٹ کے اندر ہی میاں گھر میں پہنچ جائیگا۔ اور میز پر دسترخوان بچھایا جا رہا ہے۔

اور بلا ریب بلا ایک دم کے توقف کے تمہیں دروازے سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اس طرح اس ملاقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو ایک صراف کے شخص کی بیوی سے تم نے پیدا کی تھی۔ وہ چینی کا برتن جو کسی معمولی دکان سے دو فرانک کو خریدا گیا تھا دوسری صبح پھر لا کر وہیں رکھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ کسی اور شخص سے اسکے لئے پچاس فرانک وصول کئے جائیں۔

ایک اور مشہور ہتھکنڈا یہ ہے۔

"علی الصباح کوئی شخص زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو تم اپنی محبوبہ کے گھر سے خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ ایک نوکرانی ایک کاغذ کا پرزہ لے کر

اپنی مالکہ کو لا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ایک شخص دلکش کا جواب ابھی مانگتا ہے
صاحب خانہ کہتی ہے "کیسے افسوس کی بات ہے۔ وہ کیسے منحوس وقت میں آتا ہے۔
اس سے پوچھو کہ وہ ایک دن کے بعد نہیں آسکتا؟" نوکرانی لوٹ کر جاتی ہے
اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لاتی ہے کہ وہ کہتا ہے میں آج ہی حساب لے کر جاؤنگا
لیڈی بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔ اور تم باوجود اس امر کے اندیشہ کے کہ
تمہاری بات دخل در معقولات نہ سمجھی جائے۔ اسکی وجہ پوچھتے ہو۔ وہ کہتی ہے
سو یہ کچھ بڑی بات نہیں ہے تاہم کسقدر پریشانی ہوتی ہے۔ جب تم کسی کام
کے لئے آمادہ نہ ہو۔ اور جھجک کر سو فرانک کا چند نوشتہ اسکے ہاتھ میں دیدیتی ہے۔
جو اُس نے لکھا ہوا ہے۔ اور آج واجب الادا ہے۔ اتنے میں لیڈی کو کچھ خیال
آتا ہے اور وہ کہتی ہے۔ ٹھیرو میرے پاس صرف سو فرانک ہیں۔ اس شخص کو کہو کہ
یہ آدھے حساب لے جائے۔ اور باقی کے لئے کل صبح آجائے۔ نوکرانی اسی طرح جاتی
ہے اور واپس آکر کہتی ہے کہ کوئی نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے یا تو کل رقم لوں
ورنہ مجھے اچھا نہ ہوگا۔ شاید تم نہیں دیکھ سکتے کہ خوبصورت لیڈی اتنے
روپیہ کی خاطر کیوں رنج [illegible] تم فوراً اپنی گرہ سے [illegible] کی ضرورت پیش کرتے ہو۔ وہ
بڑے تامل اور انکار کے بعد اخلاص [illegible] شکریہ کے ساتھ تمہاری فیاضی کی
تعریف کرتے ہوئے قبول کرلیتی ہے۔

ایک اور عورت جب رستہ میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں کئی نوجوان بیٹھے ہوئے
ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسی [illegible] رہتی ہے [illegible] تاڑ جاتی ہے کہ مسافر اور سادہ
لوح ان میں سے کون شخص ہے۔ [illegible] پر خوبصورت کشمیری شال
ہوتی ہے [illegible] کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے "تم ذرا میری شال
اٹھانا [illegible] پیارے [illegible] لگے! دستور ہے کہ کلوک روم میں
[illegible] رخصت ہونے کے وقت [illegible]
[illegible] ایک خوبصورت

عورت کی ایسی درخواست کو یورپ میں نامنظور کرنا بدتہذیبی میں داخل ہے اس لئے نوجوان جھٹ وہ شال لے کر کلوک روم میں جمع کرا آتا ہے اور لیڈی کو ٹکٹ دینا چاہتا ہے۔ مگر وہ کہتی ہے کہ نہیں اسے اپنے پاس رکھو مجھ سے کھو جائیگا اور سوائے اسکے میرے پاس جیب بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب سب لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ لیڈی اپنی شال مانگتی ہے تو نوجوان کلوک روم سے ایک بہت پرانا سا ٹکڑا شال کا لے آتا ہے جسے دیکھ کر وہ شور مچانے لگتی ہے کہ یہ تو ہرگز میری شال نہیں ہے۔ سب لوگ بھی تعجب کرتے ہیں۔ اجنبی نوجوان اپنے آپ کو عجب حالت میں پاتا ہے۔ اور طوعاً و کرہاً وہ شال کی قیمت ادا کر دینا چاہتا ہے۔ جو دو سکنڈ کے تامل کے بعد منظور کر لی جاتی ہے۔ اصلی شال اس لیڈی کا کوئی سازدار کلوک روم کے ملازم سے سازباز کر کے بدل دیتا ہے۔

یہ اور اسی قسم کے کئی فریب پیرس اور یورپ کے اور کئی بڑے بڑے شہروں میں اکثر عورتوں کی چالاکی سے ہوتے رہتے ہیں۔

موت کا قہوہ باوجودیکہ اہل پیرس کی تفریح کے لئے بہت سے تھیٹر، میوزک ہال اور ڈانسنگ ہال علاوہ سینکڑوں کافی شاپوں کے موجود ہیں۔ لیکن اہل پیرس کی تفریح اور دلچسپی صرف عیش و عشرت کے سامانوں اور ناچ رنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ اُن میں عجائبات اور نرالی باتوں کے دیکھنے کا شوق اس حد تک ترقی کر گیا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اچنبے کی تلاش میں رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ایسے ڈراؤنے تماشے لوگوں کو کھینچنے کے واسطے اختراع کئے جاتے ہیں کہ جن سے بجائے تفریح کے غمگینی اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقامات کو کباریٹ کہتے ہیں۔ ان میں کباریٹ ڈو مانٹ یعنے موت کا قہوہ سب سے مشہور ہے۔ اس مکان کے دروازہ پر سیاہ پردہ لٹکا رہتا ہے جو ماتم کی علامت ہے۔ اور جب اندر داخل ہوتے ہیں تو تمام دیواریں

اور چھت سیاہ کپڑے سے منڈھا ہوا نظر آتا ہے۔ بیچ میں چند میزیں تابوتوں کی شکل کی رکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تابوتوں کے گرد بہت سی کرسیاں قرینے سے لگی ہوئی ہیں۔ کمرہ سبز لیمپ کی روشنی سے نہایت بھیانک صورت پیدا کر لیتا ہے۔ کمرے سے کافور کی بو آتی ہے۔ دماغ پراگندہ ہوتا ہے۔ دیواروں پر انسانی کھوپڑیاں لٹک رہی ہیں جو اس کمرہ کی آرائش ہے۔ سیاہ پوش ویٹر جو تمہارے لئے شربت وغیرہ لاتا ہے تو تمہارے کان میں آہستہ سے کہتا ہے کہ اس میں ہیضے کے جراثیم (جو بمنزلہ زہر ہلاہل ہیں) ملے ہوئے ہیں۔ ایک شخص پادریوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے آتا ہے۔ اور حاضرین میں سے گزرتا جاتا یہ دعا مانگتا جاتا ہے کہ خدایا یہ سب لوگ جہاں سے جتنا جلد چلے مر جائیں۔ جب یہ پہلا کمرہ تماشائیوں سے پُر ہو جاتا ہے تو حاضرین کو ایک دوسرے کمرے میں لے جاتے ہیں۔ سامنے سٹیج پر ایک تابوت پڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہر شخص سے درخواست کی جاتی ہے کہ اگر تم تابوت میں داخل ہو کر گوشت استخوان بننا چاہتے ہو تو آؤ۔ اگر حاضرین سے کوئی نہیں اٹھتا تو سرائے کے قہوہ والے کسی اپنے آدمی کو تابوت میں داخل کرکے رونجن صاحب کی کرنوں یا کسی اور روشنی کے ذریعہ سے آنکھ دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو گوشت استخوان بنا دیتے ہیں۔ پہلے اس کے کپڑے آہستہ آہستہ اس کے بدن سے غائب ہوتے ہیں۔ پھر گوشت پوست بوسیدہ ہو کر ہڈیوں سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور صرف ہڈیوں کا ڈھیر نظر آنے لگتا ہے کہ دیکھ کر حاضرین کو عجب عبرت ہوتی ہے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر میں ان ہی ہڈیوں پر گوشت پوست اور اس پر کپڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی ہنستا ہوا صندوق سے نکل آتا ہے۔

دوزخ کا قہوہ موت کے قہوہ کے ٹھیک مقابل دوزخ کا قہوہ (لا انفر) آسمانی عجائبات (لا سیل) اور دنیا کا قہوہ (لا جین دو مونڈ) ہیں۔ دوزخ کے قہوہ خانہ میں ویٹر شیطان کا لباس پہنتے ہیں۔ اور تمام مکان کو جہنم کے نمونہ پر سجایا

جاتا ہے۔ اور مجلس رقص و سرود جنتؔ کے پیرایہ میں برپا کی جاتی ہے۔ اسی طرح خیالی طور پر دنیا کے خاتمہ اور آسمانی عجائبات کے قہوہ خانوں کو آراستہ کیا گیا ہے کہ معمولی دل و گردہ کا آدمی تو پہلے پہل انہیں دیکھ کر سہم جائے۔

پیرس کے کوب شہر پیرس کا بہت بڑا حصہ نیچے سے کھوکھلا ہے۔ اور مردوں کی ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے قدیم اہل روما کے زمانہ میں یہاں سے پتھر کھودا گیا تھا اور سینکڑوں سال تک یہ لمبی چوڑی غار خالی پڑی رہی۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر میں جبکہ بعض جگہ مکانات کے بوجھ سے یہ غار گرنے لگی تو نیچے ستون کھڑے کئے گئے اور ۱۷۸۶ء میں اہل پیرس کو خیال آیا کہ بعض بڑے بڑے قبرستانوں کو جو شہر کے اندر ہیں حفظان صحت کے خیال سے اٹھا کر اُن کی ہڈیاں یہاں بھر دی جائیں۔ صرف ۱۷۸۶ء اور ۱۷۸۸ء کے بین سولہ قبرستانوں کی ہڈیاں یہاں لا ڈالی گئیں۔ اس کے بعد فرانس کے انقلاب عظیم میں جو بے شمار آدمی گلوٹین اور دوسرے طریقوں سے مارے گئے اُن کی ہڈیاں بھی یہیں پھینکی گئیں لیکن اس وقت تک یہ سب ہڈیاں بلا لحاظ کسی ترتیب اور قاعدہ کے بطور انباروں کے پڑی ہوئی تھیں۔ ۱۸۱۰ء میں انہیں ایک ترتیب سے رکھنے کا انتظام شروع ہوا۔ اس طور پر کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قبرستان سے یہ ہڈیاں لائی گئی ہیں یا کس جنگ یا فساد میں ان لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ اس لمبی چوڑی غار میں ہڈیوں سے مختلف گیلریاں اور قطاریں بنائی گئی ہیں۔ اور شہر کا جو کچھ اس مقام کے اوپر بسا ہوا ہے اُسی کے نام سے نیچے کے اس شہر خموشاں کے کوچے نامزد کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں فرانسیسی مزدوروں اور کاریگروں نے ان ہڈیوں کو ایسی ترتیب و سلیقہ سے سجایا ہے کہ ان سے مختلف ڈیزائنیں اور نقشے بنائے ہیں۔ کہیں صرف کھوپریاں چن دی ہیں صرف پنڈلیاں لگی ہیں آدمیوں کی ہڈیاں ہی ہڈیاں۔ دنیا کے کسی حصہ میں اور کوئی اتنی بڑی قبر نہ ہوگی۔ کہ جس میں اس سے زیادہ آدمیوں کی ہڈیاں آرام کرتی ہوں۔ اور اس لئے اس شہر خموشاں کے اندر گھسنے کے وقت

کس قدر خاموشی اور حزن و ملال دیکھنے والوں پر طاری نہ ہوتا ہوگا لیکن در اصل یہ بات درست نہیں۔ ہر مہینے کے پہلے اور تیسرے ہفتہ کو پیرس کے کیٹا کومب دیکھنے کی اجازت میونسپل کے پریفکٹو رسے ملتی ہے۔ اور جب سب لوگ اکٹھے ایک وقت اس قبر کے منہ میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں سے بعض اجنبیوں پر تو خاموشی طاری ہوتی ہے لیکن زیادہ تر فرانسیسی ہنستے کھیلتے ہوئے ان انسانی ہڈیوں کی چار سے چھ فیٹ تک بلند دیواروں میں سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا کسی میلے سے گزر رہے ہیں۔ داخلے کے دروازہ پر پیس یا دس پیس کی موم بتی ہر شخص کو خریدنی پڑتی ہے کہ جسے وہ اندر جاکر روشن کرتا ہے اور اپنے ہاتھ میں لئے پھرتا ہے۔ اس مجمع کے ہمراہ کچھ فرانسیسی سپاہی بھی ہوتے ہیں۔ اور کئی جگہ راستہ میں مزدور ہڈیوں کو چنتے اور بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مزدور بھی ان ہڈیوں کو ایسی بے پروائی سے چھوتے اور پھینکتے ہیں کہ گویا وہ لکڑیاں یا پتھر چن رہے ہیں۔ اس شہر خموشاں کی سیر کرکے دوسری طرف باہر نکلتے ہیں تو سامنے بہت سے لڑکے اور فقیر جمع ہوئے ہوتے ہیں۔ لڑکے تو پیسے مانگتے ہیں۔ مگر اپاہج اور بوڑھی عورتیں اپنے تھیلے ان موم بتیوں کے ٹکڑے مانگتے ہیں۔ جو باقی بچے ہیں۔ کیونکہ فرانس میں موم بتی بہت مہنگی چیز ہے۔ اور سلطنت فرانس کے اجارہ میں ہے۔ اور یہ لوگ اتنی بتیوں کے ٹکڑے روشنی کے لئے جمع کرلے جاتے ہیں جو انہیں کیٹا کومب کی سیر کے اگلے دن تک کافی ہوں۔

پیرس میں ٹپ جیسا کہ میں ویانا اور برلن کے بیان میں لکھ چکا ہوں ہوٹل کے خدمتگار، دکاندار وغیرہ کو ملازمت کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے مالکوں کو کچھ اپنی گرہ سے دینا پڑتا ہے۔ یہی حال پیرس کا ہے اور ہر قسم کے پیشہ وروں کو کام شروع کرنے سے پہلے مقررہ رقم ہوٹل یا ریسٹوران کے مالک کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ تب وہ ان کے یہاں ملازمت کی خدمت پر مامور ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں کافی والا ہے اسی آمدنی سے اپنے کرایہ کی مکان کا ادا کیا کرتا تھا۔ اس لئے ہر شخص جانتا ہے کہ پیرس کے ہر ریسٹوران اور ہوٹل میں

جو ویٹر تمہارے سامنے کھانا وغیرہ لاکر رکھتا ہے اُسے اُس کی خدمت کا معاوضہ تمہارے ہوٹل بِل سے نہیں ملیگا۔ گویا ٹِپ جسکا مطلب بخشیش کا ہے اُسے پیرس کے دستور اور ضابطہ اپنا حق سمجھنے لگے ہیں جیسے کہ تم کسی کیب گاڑی پر سوار ہوتے ہو تو گاڑیبان کو علاوہ مقررہ کرایہ کے جو گھنٹہ اور کورس کے لئے حسب ترتیب پانچ پنس و اڑھائی پنس ملنا چاہئے۔ اگر گاڑی والا تمہیں کسی وجہ سے دق کرے تو تم اُسے صرف یہی کہدو کہ قریب کی پولیس کی چوکی میں پہنچکر تمہیں کرایہ دیا جائیگا۔ اسے سنکر وہ بہت چلائیگا۔ کیونکہ قانونًا اُسے لازم تھا کہ تمہارے سوار ہوتے ہی تمہیں ایک چھپا ہوا ہدایت کا پرچہ دیتا۔ جو وہ عمومًا دینا بھول جاتا ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ تر اسکے حق میں نہیں ہوتا۔ اور اس پرچہ کے نہ دینے کی صورت میں پولیس اسے سخت جرمانہ کرتی ہے۔ ہر دفعہ کسی رستوران میں شربت کا گلاس پینے کے بعد قیمت کے علاوہ ایک پینی ویٹر کا حق ہوگیا۔ لیکن اگر چٹھی لکھنے کا کاغذ یا لفافہ تمہیں درکار ہو تو یہ مفت بہم پہنچانا اُس کا فرض ہے۔ بلکہ اگر کوئی شے تم مانگو اور وہ موجود نہ ہو تو خواہ اسے خریدنا بھی پڑے اُسے تمہیں لاکر دینا چاہئے۔ بعد شربت کی قیمت ادا کرنے کے بعد فورًا برتن اُٹھوا دو۔ ورنہ تمہیں دوبارہ قیمت دینی پڑ جائیگی۔ کھانے پر عمومًا دو پنس ہر شخص کو ویٹر کو دینے مناسب ہیں۔ اور جب دو فرانک سے کھانے کی قیمت زیادہ ہو۔ تو ایک پنس فی فرانک دینا مناسب ہے۔ اگر ویٹر کو یقین ہو جائے کہ تم ہر روز اُسے اسقدر ٹپ دیتے ہو تو وہ تمہارے لئے گوشت کا اچھا ٹکڑا لائیگا۔ اور تمہارے حکم کی ضرورت سے اچھی تعمیل کریگا۔

مشروبات کی قیمت پیرس کے بعض رستورانوں میں یہ بہت اچھا دستور ہے کہ وہاں سے جو پینے کی چیز مثل شربت یا بیئر وغیرہ کے طلب کی جائے۔ اسکی قیمت دریافت نہیں کرنی پڑتی ویٹر اس گلاس یا پیالہ کو ایک ایسی چینی کے ساسر (رکابی) میں رکھ کر لاتا ہے کہ جس میں بیس یا تیس یا پچیس یا پچاس کا ہندسہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور اسے دیکھکر پینے والا خود بخود ملتے ہی سنیٹیم قیمت ادا کر دیتا ہے۔ بعض اعلےٰ درجہ کے رستورانوں میں کھانے اور پینے کے برتنوں میں تکلف کو بہت بڑھا دیا گیا ہے

بجائے ٹھنڈے پانی کے برف کی بوتلیں دی جاتی ہیں جو میں نے اس جگہ کے سوائے کہیں نہیں دیکھیں۔

پیرس کی صفائی یورپ میں چونکہ لوگ عموماً رات کو دیر سے سوتے ہیں اس لئے صبح بھی دیر کرکے اٹھتے ہیں۔ لیکن یہاں کی ایک جماعت کہ جس کے ذمہ ان شہروں کی صفائی ہوتی ہے، وہ ضرور سویرے جاگ کر صفائی کے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ خصوصاً پیرس صفائی کے لحاظ سے سب شہروں میں ایک نمونہ ہے۔ پیرس کے سب مکانات کئی کئی منزل کے ہیں۔ اور عموماً یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چھوٹے بڑے گھر بنے ہیں جن میں کرایہ دار رہتے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کے پاس کئی کئی کمرے ہوتے ہیں۔ ان گھروں کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے اور اس کے چاروں طرف سربفلک مکان چلے جاتے ہیں۔ ساڑھے نو اور دس بجے شام کے درمیان ان سب مکانوں کا دن بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کرکے نیچے صحن میں ان آہنی ٹوکروں میں لاکر ڈالا جاتا ہے جو اسی غرض سے رکھے رہتے ہیں۔ چونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے پیرس کے سب لوگ دوپہر کا کھانا ایک بجے اور شام کا سات بجے کھاتے ہیں۔ اس لئے نو دس بجے کے درمیان سب گھروں سے کوڑہ جمع کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ ان سب گھروں میں ایک عورت یا مرد مثلاً کونسی ارژ کے نام سے نوکر ہوتا ہے۔ عموماً یہ کام عورتیں کرتی ہیں۔ جن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اس مکان کے مختلف کرایہ داروں کے لئے چٹھیاں اور پیغام لے رکھے۔ شاہ بلوط کی لکڑی کی سیڑھیوں کو زمین سے آخری منزل تک مل مل کر چمکاتے رکھے۔ اور ہر روز صحن کو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دھوئے اور جھاڑ کر صاف رکھے۔ کونسی ارژ عموماً سب سے پہلے صبح کے پانچ بجے اٹھ کر کوڑے کی گاڑی والوں کی کوڑا الٹ کر دیتے ہیں۔ ان گاڑی والوں کے پیچھے اس کو جھاڑنے اور دھونے والے لوگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو نہایت ہی گرمجوشی سے کام جلد ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ لوگوں کے بکثرت بازاروں

میں نکل آنے سے پہلے کام ختم ہو جائے جھاڑو کا طریقہ خصوصاً دلچسپ ہے واٹر ورکس کے نلکوں کا پانی ایک قسم کے ہاتھ کے نلکوں کے ذریعے سڑکوں پر دور دور تک چھڑکا جاتا ہے ۔۔ اس ہوس کے نلکے کے نیچے دیسے لوہے کے برش لگے ہوتے ہیں جو جھاڑو کا کام دیتے ہیں ۔ غرض سات بجے صبح تک سر تا پا پیرس کی گلیوں کی اہل پیرس کے محاورے میں کنگھی چوٹی ہو چکتی ہے ۔

ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں

بدست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بر سینہ پیش امیر　　(سعدی)

میں نے پیرس سے ایک خط میں اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ میں نمائش پیرس میں اور اس کے باہر دیکھ رہا ہوں کہ کون کون سی چیزیں اور پیشے کم استطاعت ہندوستانیوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں کہ جو پانچ پانچ روپے کی نوکری کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں اور کامیاب نہیں ہوتے چنانچہ میں نے بارہ ایک چند نوٹ کر لئے تھے۔ اور انہیں ان اوراق میں شائع کرنے کا ارادہ تھا کہ اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ مہاراجہ صاحب بڑودہ کے ٹکنیکل سکول کے پرنسپل صاحب صرف اس غرض سے سرکاری خرچ پر نمائش پیرس میں بھیجے گئے تھے کہ وہ اس نمائش کو دیکھ کر اپنی ریاست کو مشورہ دیں کہ کون کون سے ایسے پیشے عام لوگ اختیار کر سکتے ہیں کہ جن میں بہت سے ملک کا نام مصالح خرچ ہوتا ہے اور جن کے سیکھنے میں بہت دقت اور محنت صرف نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسٹر ایم بی دیسائی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ایس۔ سی نے جو رپورٹ نمائش پیرس سے واپس آکر اس غرض سے لکھی ہے۔ اس میں وہ مندرجہ ذیل پندرہ خانگی دستکاریوں اور آٹھ بڑی حرفتوں کے اپنی ریاست میں داخل کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ میں پہلے ان کی تشریح و تنقیح کو پیش کرتا ہوں۔

اوّل خانگی دستکاریاں کہ جنکو ہر شخص اپنے گھر میں سہولت سے بلا کسی بڑی

مشین یا سرمایہ کی مدد کے اپنی دستی محنت سے چلا سکتا ہے اور کنبہ کے دوسرے ممبروں سے مدد لے سکتا ہے یہ ہیں:-

(۱) سادہ کپڑا بننا (۲) قالین بننا (۳) ٹپسٹری بننا (۴) غالیچہ بننا (۵) بٹن بنانا (۶) لیس بنانا (۷) زردوزی (۸) ریشمی فیتے بننا (۹) کراچٹ ورک (کروشیا) (۱۰) برش بنانا (۱۱) بید اور بانس کا فینسی ورک (۱۲) چمڑے پر ٹھپا لگانا اور ابھارنا (۱۳) لکڑی کھودنا (۱۴) گلگری (۱۵) پائروگرافی یا لکڑی پر جلا کر نقش کرنا۔

دوسرا اور دوسری قسم کی بڑی بڑی حرفتیں کہ جنکے وسیع پیمانہ پر چلانے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور چھوٹے سرمایہ سے نقصان کا اندیشہ ہے یہ ہیں -

(۱) ٹب بنانا (۲) دیاسلائی کی ڈبیاں معمولی دیہ سلائیوں کے (۳) چمڑے کی بانت (۴) شکر بنانا (۵) کاغذ بنانا (۶) شیشہ بنانا (۷) موم بتی بنانا (۸) صابن بنانا۔

ولایتی صابن مندرجہ بالا رائے ایک پیشہ ور واقف کار اور عالم شخص کی ہے اسلیے میرا اس میں دخل دینا مناسب نہیں۔ البتہ میرے خیال میں دوسری قسم کی حرفتوں میں سے ٹب بنانا اور صابن بنانا بھی پہلی قسم کی دستکاریوں میں داخل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں تھوڑا سا سرمایہ لگا دیا جاوے ہر چند کہ ہندوستان کے کئی شہروں میں مثل لاہور۔ بمبئی۔ میرٹھ اور کانپور وغیرہ کے صابن بنتا ہے۔ لیکن ابھی اسکی بڑی ضرورت ہے۔ اور تھوڑا تھوڑا صابن بنانے والے بہت روپیہ نہ کما سکیں لیکن بڑے سرمایہ کے کارخانوں کے لیئے ابھی اس کام میں بڑی دولت ہے۔ اسکے اجزا تیل اور سجی یا سوڈا اور پوٹاش سب بکثرت ہندوستان میں ملتے ہیں پھر ولایتی صابنوں کے لیئے لاکھوں روپیہ سالانہ کیوں ہندوستان سے باہر جانے دیا جاتا ہے۔ یوروپ میں صابن سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے صابن سے زیادہ انگلستان اور امریکہ میں کسی چیز کا اشتہار نہیں دیا جاتا لیکن صابن بنانا یہ لوگ خوب جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ زیادہ مشق سے یہاں کے لوگوں کو بھی اچھے صابن بنانے کا ڈھنگ آجائیگا۔ اور دوسری قسم کی حرفتوں میں ٹب بنانا بڑھایا جاوے -

نب بنانا نب بنانے کی جو مشین میں نے نمائش میں دیکھی تھی۔ وہی مسٹر دیسائی نے دیکھ کر اس کی قیمت دریافت کی تو چھ سو روپیہ معلوم ہوا۔ یہ مشین بہت سہل قسم کی ہے۔ لیکن نب بنانے کے لئے پہلے لوہے کے پتروں میں خاص لچک پیدا کرنی چاہئے۔ مسٹر دیسائی کی رائے میں پیتل کے بھی ویسے ہی نب بن سکتے ہیں۔ یہ سب کام تجربہ اور مشق کے سامنے سیدھے ہو جائیں گے۔ باقی چھ حرفوں کی نسبت میں یہاں کچھ نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ بڑے سرمایہ سے جاری ہو سکتی ہیں۔ باقی رہیں سہل قسم کی پندرہ دستکاریاں۔ ان میں سے ۱۔۵۔۶۔۸۔۱۰ اور ۱۴ میری فہرست میں بھی داخل ہے۔ اور ان کے علاوہ جو دستکاریاں میں نے تجویز کی تھیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) موم بتیاں اور پنسلیں بنانا (۲) سگرٹ بنانا (۳) جرابیں بنانا (۴) بٹن بنانا (۵) گوٹہ بننا (۶) کارک نکالنے کے سکرو بنانا (۷) انگریزی سیاہی بنانا (۸) برقی کال بل اور باٹریاں بنانا (۹) جوتے سیاہ کرنے کی سیاہی بنانا (۱۰) ربر کی مہریں بنانا (۱۱) گلٹ کرنا (۱۲) تالے بنانا (۱۳) شیشوں (کانچ) پر نام کھودنا (۱۴) لکڑی کا ورنش (۱۵) چھاپنے کی سیاہی (۱۶) کنڈر گارٹن کا سامان (۱۷) آچار چٹنیاں بنانا (۱۸) میوے پر تر رکھنا (۱۹) شیشے قلعی کرنا و گلٹ کرنا (۲۰) دانت بنانا (۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا (۲۲) کھڈ بنانا (۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے پروں کے تکئے (۲۴) مرغیوں کے انڈے (۲۵) رسے بٹنے کی مشین۔ تانگے کی گدیاں (۲۶) پردے چھاپنا (۲۷) کپڑے کے پھول بنانا (۲۸) گیہوں کے ڈنٹھلوں سے فینسی ٹوکریاں (۲۹) سنگترے (۳۰) بغلئے بنانا (۳۱) کاپی لینے کی ربڑ پریس (۳۲) اشتہارات اور پوسٹ لگانا (۳۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا اور کتابیں سبسکرپشن کے طریقہ پر بیچنا (۳۴) عینکیں بیچنا۔ مصنوعی آنکھیں لگانا (۳۵) دیسی کپڑے کی دکانیں (۳۶) سنت خیرو (۳۷) سوت کی گولیاں (۳۸) کھلونے۔ (۳۹) لکڑی کے خلال بنانا (۴۰) بلا چمنی کا بے دود لیمپ (۴۱) سادہ کپڑا بننا۔

(۲۳) بٹن بنانا (۲۴) لیس بنانا (۲۵) فیتے بننا (۲۶) برش بنانا (۲۷) کنگھی۔

اب ان میں سے ہر ایک کے متعلق میں کچھ اشارات لکھتا ہوں جن سے غرض صرف اس طرف توجہ دلانے کی ہے نہ کوئی مکمل ہدایات دینا مقصود ہے۔

(۱) سوئیاں اور پنیں پیچھے نمائش میں ایک مشین سوئیاں بنانے کی دیکھی تھی اسکی قیمت بھی زیادہ نہ تھی۔ سوئیوں کی قیمت کی کچھ فکر نہیں۔ البتہ یہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سوئی کے لئے لوہے کی تار میں ایک خاص درجہ تک لچک ہونی چاہئے جو ناواقف نہیں جانتے۔ مگر تجربہ سے معلوم ہو سکیگا۔

(۲) سگرٹ بنانا سگرٹ بنانے کی چھوٹی چھوٹی مشینیں بھی میں نے دیکھی ہیں۔ جو دس بیس روپیہ کی ہونگی۔ ان کا کام صرف کٹے ہوئے تمباکو کے گرد باریک کاغذ لپیٹ دینا ہوتا ہے۔ یہ کام مصر میں بہت لڑکے ہاتھ سے کرتے دیکھے ہیں اس لئے بلا اس مشین کے بھی ہو سکتا ہے۔ مصری سگرٹ میں مصر میں بھی ٹرکی کا تمباکو استعمال ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سگرٹ مصر سے باہر بھیجنے میں ان پر چار شلنگ فی کیلو محصول لگتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کچھ روپیہ خرچ کرکے ٹرکی سے تمباکو منگوائے۔ اور ہندوستان میں اس سے سگرٹ بنوائے تو فائدہ میں رہیگا۔ اب بھی بمبئی میں بعض کارخانے ایسا کرتے ہیں۔

(۳) جورابیں بنانا اس وقت لاہور میں اور ہندوستان کے کئی دوسرے حصوں میں جورابوں کی مشینیں جورابیں بننے میں مصروف ہیں۔ لاہور میں بہت لوگ اب انہیں کی بنی ہوئی جورابیں پہنتے ہیں۔ کیونکہ ولایتی جورابوں سے بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ ایک صاحب جو اس کام سے خوب واقف ہیں دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک ہوشیار آدمی پانچ چھ روپیہ روزانہ اس کام سے کما سکتا ہے مشین کم و بیش سو روپیہ کی ہوتی ہے جورابیں کثرت سے ہندوستان میں آتی ہیں۔

(۴) بنیان بنانا بنیان بننے کی مشین میں نے قسطنطنیہ میں کام کرتے دیکھی ہے۔ جورابوں کی مشین کے اصول پر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بڑی۔ ابھی تک یہ مشین

ہندوستان میں منگوائی نہیں گئی۔ مگر میں نہیں جانتا اس میں کیوں کامیابی نہ ہوگی۔ بیشک خانہ ساز سستے بنیان نہیں بنا سکیں گی جو آسٹریا اور جرمنی سے آتے ہیں۔ لیکن اُن سے بہت مضبوط بھی تو بنائے گی۔

(۵) گلوبند بننا — سستے رنگین گلوبند جو عام لوگ پہنتے ہیں۔ لاکھوں روپے کے ہندوستان میں جرمنی سے آتے ہیں۔ اس مال کی مشین بھی میں نے دیکھی ہے چھوٹی سی ہے۔ گو میں نے اس کی قیمت نہیں دریافت کی تھی۔ مگر بہت گراں نہ ہوگی۔

(۶) کارک سکرو کی مشین — میں نمائش پیرس کے ذکر میں اس مشین کا قصہ بیان کر چکا ہوں شاید سات آٹھ سو روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مگر ایک منٹ میں پانچ چھ بوتل سے کارک نکالنے کے سکرو بنا دیتی ہے جنکے دستے لکڑی کے ملتحم بنے ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک روپے کی تار کو سو دو ہزار کے پیچ بنا دیتی ہے۔ اور ضرور فائدہ کی چیز ہے۔

(۷) انگریزی سیاہی بنانا — میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندوستان میں صرف سیاہی کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی خرچ ہوتی ہے۔ سرکاری دفاتر میں انگریزی ولایتی عموماً ولایت سے آئی ہوئی استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی سیاہی کے نسخے کئی کتابوں سے مل سکتے ہیں۔ بنانے سے تجربہ و ورزش کے ساتھ جو لوگ اچھی سیاہی بنانے لگیں گے انہیں کی سرکاری دفتروں اور نیز سکول کے طالب علموں وغیرہ کے کام آ جائیگی توجہ شرط ہے سیاہی کے مصالحے سب سستے ہیں۔ اور کثرت سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کاپی کرنے کی سیاہی اور رنگین روشنائیاں بھی ہوں۔ کارخانہ پیسہ اخبار میں مختلف روشنائیوں کے نسخوں کی ایک کتاب حال میں شائع ہوئی ہے۔

(۸) برقی کال بل — باٹری بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرہ سی توجہ سے ہر ایک ہوشیار خواندہ آدمی ایک معمولی خشک یا تر باٹری بنا سکتا ہے اور کال بل کا اگر لکڑی اور پیتل کا کام خود بنا لے یا بنوا لے اور ریشم لپٹی ہوئی تار ولایتی بنی ہوئی خریدے

تو ایک قیمتی آلہ بن سکتا ہے۔

(۹) جوتا سیاہ کرنے کی سیاہی ہزاروں روپے کی یہ سیاہی ولایت سے آتی ہے۔ اسکے بھی نسخے کتابوں میں بہت ملتے ہیں۔ یہ سب کام کچھ توجہ کچھ محنت کچھ تجربے کے محتاج ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ انگلستان کے ایک مشہور بوٹ کی سیاہی بنانے والا کارخانہ جو اب لاکھوں روپے سالانہ کی بوٹ کی سیاہی بیچتا ہے اِس کے مالک نے ایک پیاسے سپاہی کو ٹھنڈا پانی پلایا تھا جس کی شکرگذاری میں سپاہی نے وہ نسخہ سیاہی کا اُسے دیدیا جس سے وہ لاکھوں روپے کما رہا ہے یہ بھی اُن چیزوں میں سے ہے کہ جنپر خرچ بہت کم ہوتا ہے۔

(۱۰) ربر کی مہریں یہ بہت سہل کام ہے۔ ہندوستان میں پہلے بھی کئی لوگ بناتے ہیں۔ لیکن ابھی سیانے اور دیانت دار نوجوان کے لئے اس میں وقعت بہت ہے کسی قیمتی مشین کے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ مصالحہ ولایتی ملتا ہے اور کسی جاننے والے سے دو چار روز میں طریقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۱) ملمع سازی میں نے مدینہ کی ایک مشین ملمع کرتے دیکھی ہے جس میں چاندی سونا وغیرہ کی بجائے خاص خاص دھاتیں استعمال کی جاتی تھیں۔ بہت تھوڑے خرچ میں ہر شخص صرف ایک دفعہ دیکھکر ملمع کرنے لگے گا۔ مشین دو سو روپیہ کی ہوگی۔ اس مشین کے سوا بھی ملمع ہو سکتا ہے۔

(۱۲) تانبے کے تار جو لوہار یا کوئی دوسرا سمجھدار شخص تانبے میں بہت سے زیور ڈالنے میں اپنی طبیعت کو لڑا سکے۔ اُسکے لئے اس کام میں بہت روپیہ پڑا ہے۔ اور کوشش کے ساتھ ولایت جیسے اعلیٰ قسم کے تار بن سکتے ہیں۔

(۱۳) شیشوں پر نام کھودنا کانچ کے شیشوں پر بعض کھودنے والے تیزابوں سے لکھنے سے شیشے کی سطح کھد جاتی ہے۔ اور جب اس شیشے کے نیچے قلعی چڑھی ہوئی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کھودی ہوئی جگہ میں چاندی بھردی گئی ہے میں نے ایک دو شخصوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔ بہت منافع کا کام ہے۔

(۱۴۹) وارنش — اگر کوئی شخص مختلف قسم کی وارنشیں لکڑی اور لوہے وغیرہ پر لگانے کے لئے اچھی طرح بنا سکے تو یقیناً اُس کا تیار کیا ہوا مال بکتا رہے گا۔ ولایت میں مختلف قسم کے رنگ وارنشوں میں ملا کر لاکھوں روپیہ کے بکتے ہیں۔ اور لوگ انہیں فرنیچر وغیرہ رنگنے میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱۵۰) چھاپنے کی سیاہی — اگر کوئی شخص بڑی احتیاط سے پتھر پر چھاپنے کی سیاہی بنانے لگے تو سب مطابع والے اسی سے خریدیں۔ کیونکہ ولایت کی سیاہی گراں بہت ہوتی ہے۔ ہنگیا اس سے ارزاں اور ویسی ہی اچھی ہوگی۔ اصلی دودہ حاصل کرنے کا انتظام کرے جو باوجود تلاش کے بھی مشکل سے ملتا ہے۔

(۱۵۱) کنڈرگارٹن — گو کرکٹ بیٹ اور بیڈمنٹن وغیرہ انگریزی کھیلوں کا سامان اب سیالکوٹ وغیرہ مقامات میں بہت اچھا بنتا ہے۔ لیکن مدارس کے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے کنڈرگارٹن یعنی حدیقہ الصبیان اور آبجکٹ لیسن یعنی اسباق الاشیا کا سامان بنانے اور بہم پہنچانے میں بھی کئی شخص مصروف ہو سکتے ہیں۔ لکڑی اور کاغذ کے ٹکڑوں سے اس غرض کے لئے کئی چیزیں بن سکتی ہیں۔

(۱۵۲) اچار چٹنیاں وغیرہ — یورپ سے لاکھوں روپے کی چٹنی اور اچار مربے ہندوستان میں آتے ہیں۔ ہندوستانی چٹنی کے نام سے کئی چٹنیاں انگلستان اور دیگر ممالک میں بنتی ہیں۔ بعض چٹنی اور اچار مربے کے کارخانے والوں نے سیلون میں اپنے میوہ جات کے باغات لگا رکھے ہیں۔ ہندوستان میں بھی دہلی لکھنؤ وغیرہ مقامات میں بعض لوگ اچار چٹنیاں بناتے ہیں اور ہندوستانیوں اور انگریزوں میں کثرت فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ابھی اس کام میں بہت لوگوں کی شریفانہ روزی کمانے کی گنجائش ہے۔ البتہ ہندوستانی اور انگریز گاہکوں کے مذاقوں کا الگ الگ خیال رکھنا چاہیئے۔ اور سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری بوتلوں میں خوشنما لیبل لگا کر بیچنا چاہیئے۔

(۱۵۳) میوے محفوظ رکھنا — نیچے کی سرگذشت کے بیان میں میوے محفوظ کرنے کا ذکر

کیا ہے ہندوستان سے لاکھوں روپیہ سالانہ کے مختلف میوہ جات یورپ کو جا سکتے ہیں۔ جہاں ان سے بہت نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں ۲ آنہ کا ایک شفتالو اور چھ آنہ کا سنگترہ بکتا ہے۔ آم اگر بکثرت جا سکے تو بڑے نفع کی چیز ثابت ہو سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان سے یورپ تک پندرہ سولہ روز کے سمندر کے سفر میں میوہ جات سڑنے نہ پائیں۔ جس جہاز پر میں گیا تھا اس پر ایک پارسی پانچ چھ آموں کے صندوق یورپین دوستوں کو تحائف بھیجنے کے لئے لے گیا تھا۔ ہر چند کہ صندوقوں میں چاروں طرف ہوا کے لئے موریاں تھیں تاہم ٹریسٹ میں پہنچ کر چند ہی سڑنے سے بچے تھے۔ فرانس کی بعض نو آبادیوں کے خاص قسم کے میوہ جات ان کے جہازوں کے برفانی کمروں میں پیرس تک تمام وغیرہ میوہ جات سلامت پہنچتے ہیں۔ آسٹریلیا سے برف میں دبا ہوا گوشت یورپ میں سلامتی سے پہنچ جاتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کچھ اور تدبیر بھی بعض نازک میوہ جات کی سلامت پہنچنے کی کرنی چاہئے۔ کہتے ہیں کہ شہد یا شیرہ میں اگر آم ڈالا جاوے۔ ایسے طور پر کہ بالکل اس میں چھپ جاوے تو مدت تک تازہ رہتا ہے۔ نمائش پیرس میں مجھے کلکتہ کے انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے قائم مقام بابو سریندرو ناتھ رات نے یہ دو طریقے نمائش کے لئے میوے تازہ رکھنے اور کھانے کے لئے تازہ رکھنے کے بتلائے تھے۔ جو وہ کہتا تھا کہ اسے بڑی مشکل مگر اتفاق سے ایک امریکن میوہ جات کے سوداگر نے بتلائے تھے۔ (۱) کھانے کے لئے میوے پریزرو کرنے کا طریق یہ ہے جو اہل امریکہ استعمال کرتے ہیں۔ پھلوں کا چھلکا اتار کر اس کو رس اور پانی اور شکر مساوی لوزن کے شیرہ (قوام) میں ہر چھوٹے سے ٹین میں ایک ثابت پھل مثلاً آم رکھ دو۔ اسکے بعد ٹین کا ڈھکنا قلعی سے بند کیا جاوے۔ تب ایک پلیٹ پر کئی ایسے ڈبے پھلوں کے رکھ کر ایک کھولتے ہوئے پانی کے دیگ میں یہ پلیٹ دس منٹ کے لئے ڈالو اور نکال کر اندر کے سر پر سوئی کے برابر چھید کرو تو ہوا جس کے نکل جائیگی۔ یہ چھید پھر قلعی سے بند کردو

تو ایسے ڈبوں میں میوجات دو سال تک نہیں بگڑتے (۲) البتہ نمائش کے لئے
میوجات تازہ رکھنے ہوں تو پہلے سلفیورک ایسڈ ۔ پانی اور گلیسرین مساوی الوزن
میں ڈالدو ۔ چھ ماہ تک ٹھیک حالت میں رہیں گے ۔ نمک ملانے کے کام کے نہ ہونگے
سپرٹ میں بھی نمائش کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں ۔ بعض جگہ میں نے چھلکے
اور گٹھلیاں نکالکر پیرزو کئے ہوئے میوجات دیکھے ۔ ان طریقوں سے نہ صرف
غیر ممالک میں بھیجنے کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں ۔ بلکہ ہندوستان میں بھی
غیر موسم میں بہت فائدے اٹھا سکتے ہیں ۔ فروری گذشتہ میں ایک مریض
کے لئے طبیب نے انگور نہایت ضروری بتائے تھے ۔ مگر باوجود تلاش کے بھی
ہندوستان کے اکثر شہروں میں نہ ملے ۔ بے موسم چیزیں بہت بہت اچھا دام پاتی
ہیں ۔ اسی ضمن میں مجھے ایک اور بات کا ذکر یاد آگیا ہے ۔ جو لاہور کے کسی اخبار میں
کسی دانشمند شخص نے غریب لوگوں کو ایک پر نفع تجارت بتلانے کی غرض سے
لکھی تھی ۔ جس سے اُس کی مراد سرسوں کے ساگ سے تھی ۔ اور اس میں شک نہیں
اتنی کم پیداوار صرف اسی ذرا سی بات سے سودہ ہو سکتے ہیں ۔ سرسوں کے موسم
میں ساگ کی گٹھیاں بہت ارزاں بکتی ہیں ۔ جو شخص دس بیس روپے کا یہ ساگ
خشک کر کے رکھ لے اور موسم گذر جانے کے بعد یقیناً یہ خشک کیا ہوا ساگ کم از کم
پانچ چھ گنا قیمت پر بیچ سکتا ہے ۔ اسی طرح خشک کئے ہوئے شلجم اور گاجر بے موسم
بہت قیمت سے بک سکتے ہیں ۔ بلکہ چکنے کے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ بمبئی سے کسی اولوالعزم
پارسی نے یورپ کو آم وغیرہ میوجات ٹین میں قسم کے جہازوں میں بھیجنا شروع کر دئے ہیں

(۱۹) شیشے ملمع کرنا پرانے دستی طریقے پر تو اب بلکہ انگریزی گلاس سلورنگ
کے عمل سے بڑے بڑے شیشے ملمع بہت سے بہتر کئے جاتے ہیں ۔

(۲۰) دانت بنانا گو کسی فن میں پوری مہارت اور کاریگری حاصل کرنے کے لئے تو مدت
درکار ہوتی ہے ۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے چند روز میں ہی یہ
فن ایک دوسرے شخص کو سکھلا دیا تھا ۔ جو اب دانت لگاتا ہے ۔ اور اس پیشے سے

معقول آمدنی رکھتا ہے۔ امریکہ میں دانت بنانے کے کام میں بڑی ترقی ہو رہی ہے اور کئی رسالے اس فن کے نکلتے ہیں۔ اور باضابطہ مدرسے جاری ہیں۔

(۲۲) عمدہ تخم محفوظ رکھنا

کون تجربہ کار زمیندار اور باغبان ہے جو اس تجربے سے جلد کی قدر نہیں جانتا۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی اس پر بہت تھوڑوں کا عمل ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ عمدہ تخم سے عمدہ فصل پیدا ہوگی جیسے کہ اچھے سانڈ سے بچے اچھے ہونگے سرکار نے مہربانی کرکے اچھے سانڈ تو محکمہ افزائش نسل اسپاں کے متعلق بہت جلد بہ صرف خرچ کرکے جابجا ملک میں رکھوا دیئے ہیں کیونکہ سرکاری فوج کے لئے بہت گھوڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن ہندوستان کے اسی فی صدی زراعت پیشہ آبادی کی بہتری کے لئے ان کے ابھی ملک میں اچھے تخموں کے ڈپو بنانے کا خیال نہیں آیا۔ یورپ میں دستور ہے کہ بعض لوگ ہر قسم کی تخم ریزی کے غلوں اور ترکاریوں اور میوجات کے عمدہ تخم بہم پہنچانے کا پیشہ رکھتے ہیں۔ انگلستان میں ایک سٹن اینڈ سنز کا کارخانہ نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ نہ صرف دوسرے مقامات سے ہی اچھے تخم منگوا کر بیچتے ہیں کہ جن سے فصل بہت عمدہ پیدا ہو۔ بلکہ خود سینکڑوں ایکڑ اراضی پر مختلف غلوں اور ترکاریوں اور پھولوں کے عمدہ سے عمدہ تخم پیدا کرتے ہیں اور بڑے سے بڑے تخم بہم پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ لوگ ان سے گراں قیمت پر تخم لے کر کھیت میں بوتے ہیں تو اس سے فائدہ بھی بہت حاصل ہوتا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے آلو ایک لوٹے کے برابر ہوں۔ اس لئے وہ تخم فروش کارخانہ سے آلو کا بیج خریدتا ہے جس کا اتنے بڑے آلو پیدا کرنے والا تخم بیچنے کا دعویٰ ہوتا ہے۔ مجھے بارہا خیال ہوا ہے کہ ہندوستان میں بیسیوں ایسے کارخانوں کی ضرورت ہے جو غلوں ترکاریوں پھولوں اور میووں کے عمدہ تخم بہم پہنچائیں۔ جیسے کہ گھاٹ کی کپاس بیج سے دوگنی ڈیوڑھی پیدا ہوتی ہے۔ مصری کپاس ہندوستان کی کپاس سے بلحاظ ریشہ کے طوالت اور کیا بلحاظ پیداوار کی زیادتی کے عمدہ ثابت ہوئی ہے۔ بمبئی کے محب الوطن

مسٹر ٹاٹلٹ نے اس کپاس کے تجربات کرکے مفید نتائج شائع کئے ہیں۔ امریکہ کی مکی ہندوستان سے بہت اچھی ہوتی ہے بلحاظ مقدار پیداوار کے۔ ایک ایک پودے میں پانچ چھ بھٹے پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ٹرنیوال کی مکی کے دانہ کا حجم اسی کتاب میں میلے نمائش پیرس کی کیفیت میں بتلایا ہے۔ پکسن صاحب کی کتاب زراعت ہند میں فلسطین کے گیہوں کے تخم کی پیداوار کی بیحد تعریف کی گئی ہے۔ اور اور کئی عجائبات ہر شخص جو ذرا بھی شعور رکھتا ہو اس نمائش میں دکھلا سکتا ہے۔ بعض چارہ پیدا کرنے والے گھاس مثل گنی گھاس اور چرید [illegible] مثل سورگم کے تخم بھی رکھنے چاہئیں۔

(۲۲) کھاد بنانا — یہ بھی زراعت کے متعلق ایک ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی ہمارے ملک کے کسان کھاد کی بہت قدر نہیں جانتے۔ ورنہ وہ اُپلے نہ جلایا کریں۔ اور کروڑوں من مویشی کی ہڈیاں جو کھاد کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں مفت یورپ کو نہ جانے دیں۔ تاہم کئی معدنی اور نباتاتی ستھری کھادیں۔ اگر کوئی شخص تیار کرنے کا التزام کرے تو کئی سرکاری فارموں اور انگریزوں کے باغات اور کھیتوں میں اور کئی سمجھدار ہندوستانیوں کے کھیتوں اور باغوں میں بک سکتی ہیں۔ گو آج کل [illegible] ہمارے کی قدر نہیں۔ مگر ممکن نہیں کہ کچھ مدت کے بعد اسی غرض سے بہت سی دکانیں ہندوستان میں قائم نہ ہو جائیں۔

(۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے بچے — گو جلوس وغیرہ کے میلے میں تو اب بھی بہت قسم کے پرند کو بیچنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ لیکن ان لائق کہ عمدہ یورپ مرغیوں اور بطخوں کی نسلوں کی بہت قدر نہیں کی جاتی جو ہندوستان میں کھائی جاتی ہیں۔ کیوں نہ لوگ اب [illegible] کو تیار کرکے بھیجا کریں۔ اگر ہندوستانی اچھی قدر کریں گے تو انگریز جو [illegible] کے قدر [illegible] میں اچھی قیمت پر انہیں خرید لیں گے۔

(۲۴) مرغیوں کے انڈے اور بچے — مرغیاں پالنا بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے جس میں تھوڑا سرمایہ

[illegible] ہے۔

اور نہ کچھ لیاقت اور محنت درکار ہے۔ مگر اس میں ابھی نفع بہت ہے۔ ہندوستان میں انگریز رہتے ہیں جو مرغی اور انڈے کی اچھی قیمت دینے کو راضی ہیں۔ گو ہندوستانی بھی بہت سے اس نعمت کے قدردان ہیں۔ اگر کوئی شخص زیادہ مرغیاں بطور تجارت کے پالے تو اسے بہت منافع کی امید ہو سکتی ہے۔ یہاں بہت جلد بڑھتا ہے۔ عمدہ یورپین قسموں کی مرغوب کے انڈے انگریز بہت شوق سے بچے نکالنے کے لئے خریدتے ہیں۔ ایک ایک نر کی مرغ جنسے (نوں آرمس) میں دس بارہ روپیہ کو سہل سا بک جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے والے کو انڈوں سے بچے نکالنے والی مشینیں (انکوبیٹر) کو نہیں بھول جانا چاہئے۔

(۲۵) رسے بٹنے کی مشین — یہ بہت سی مشینیں بان اور رسے بٹنے کی بھی بہت مفید ثابت ہونگی۔ تمام ملک میں بان اور رسے ہر قسم کے استعمال ہوتے ہیں۔ پیکٹ باندھنے کے فیتوں سے لیکر بڑے بڑے رسوں تک بٹے جاتے ہیں۔

(۲۶) پردے چھاپنا — اضلاع مغربی و شمالی میں بہت اچھے پردے چھپتے ہیں۔ لکھنؤ کے لحاف اور توشکوں کے ابرے بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ فرخ آباد کی پردوں کی نمائش پیرس میں خاصی قدر ہوئی تھی۔ مگر چند ایک میلے پر جیسے چھپے ہوئے دسترخوان میں نے دیکھے تھے کہ ترجمہ کی یہ موزوں شعر چھپے ہوئے تھے ہر ایک شریف اور خواندہ ہندوستانی اسے ضرور ہی پسند کریگا۔ پھر ابروں اور چھینٹوں پر اچھے اچھے پر مطلب شعر چھپ جائیں تو یقیناً مذاق والے انگریزی چھینٹوں پر انہیں ترجیح دینے لگینگے۔

(۲۷) [illegible]
(۲۸) [illegible]

میں ان کی نسبت نمائش پیرس کے حالات میں کافی لکھ چکا ہوں۔ اس مصالحہ سے جو معمولی بھدی سی ٹوکریاں بنتی تھیں انگریزوں میں خاص قدر ہے۔ بعض میمیں انہیں ورک باسکٹ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں کئی قسم کے گھاس سے ایسی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں (سٹرا ہیٹ ٹوپی) ممتاز اور دیگر بلاد یورپ میں جس

ڈسٹل کی بنتی ہے وہ میں نے سُنا ہے کہ ہندوستان کے گیہوں کے ڈسٹل سے
نرم اور نازک ہوتا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اچھی دستکاری سے اس سے بھی
ویسا ہی کام بن سکتا ہے۔ اور ہر ایک دیہاتی غریب عورت اور لڑکی بھی ایسے
کر سکتی ہے۔ اسی طرح کاغذ کی کترن سے فینسی ٹوکریاں بن سکتی ہیں جسے یورپین
اور ہندوستانی یکساں پسند کرینگے۔

(۲۹) سٹیشنری — میں سیاہی کی کیفیت پہلے بیان کر چکا ہوں۔ سٹیشنری کے
باقی اجزا کے متعلق بڑا میدان خالی ہے۔ بلاٹنگ پیڈ۔ کاغذ فائل کرنے کی تاریں
گوندوانیاں پیکنگ ٹن فائل سہ دو تھیلیں کے ہولڈر۔ پیپرویٹ۔ ٹیگ وغیرہ وغیرہ
چیزیں کسی قدر ذہانت سے تمام ملک کے بہم پہنچانی چاہئیں۔ جو لوگ ادھر توجہ کریں گے
بشرطیکہ انکی طبیعت اس میں ترقی ہو گی چیزیں ایسی وضع کر سکیں گے کہ جنہیں
لوگ پسند کرینگے۔

(۳۰) لفافے بنانا — لفافے بنانا بھی سٹیشنری کا ایک جزو ہے۔ لفافے بنانے کی
مشین جو میں نے ویانا میں دیکھی ہے وہ دو حصوں پر مشتمل تھی جس پر چھ سات سو
روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر اسی اصول پر ہندوستان میں کوشش کی جائے تو دو سو روپیہ
لوہار ویسی مشین بنا سکینگے۔ اب جبکہ کاغذ چیرول کھینچنے۔ کاغذ پر فوریٹ کرنے اور
لیمنیٹ وغیرہ بنانے کی مشینیں لاہور اور امرتسر میں بننے لگی ہیں تو یہ سادہ سی مشین
بھی ضرور بن سکے گی جس میں ایک پریس مختلف نمونوں کے لفافوں کے لئے
کاغذ کاٹنے کا۔ اور ایک لفافے کو گوند لگنے کے بعد جوڑنے میں مدد دینے
کا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسیقدر کاٹنے والی چھریاں ہوتی ہیں جتنے نمونوں کے
لفافے بنانے مطلوب ہوں۔ کام بہت سہل ہے۔

(۳۱) ابالی لینے کو برتن — یورپ اور امریکہ میں تو کئی نمونوں کے بنتے رہتے ہیں لیکن
ایک قسم کی جو جیلاٹین یا آئزنگ گلاس کے بنتے ہیں۔ اور انکی مدد شانی تکثیرین
ملا کر بنائی جاتی ہے۔ بنانے بہت سہل ہیں۔ اور ابھی سستی قیمت پر بہت بک سکتے ہیں

(۲۲) اشتہار اور پوسٹر چپکانا یورپ اور خصوصاً امریکہ میں تو دیواروں پر پوسٹر چپکانا ایک بہت بڑا پیشہ بن گیا ہے کہ جس میں ہزاروں لوگ مصروف ہیں۔ انکا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ اجرت پر خاص خاص حلقوں میں اشتہار دینے والوں کے بڑے پوسٹر چپکاتے اور اشتہار تقسیم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام میں بڑا میدان خالی ہے۔ کوئی معمولی سمجھ کا شخص اس کام کو چلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اشتہار دینے والوں کو اطمینان دلا دے کہ انکے اشتہار اور پمفلٹ ضائع نہیں ہونگے۔ بلکہ مناسب مقامات پر دیانت داری سے پہنچ جائینگے اور پوسٹر واقعی چپکا دیئے جائینگے۔ اس کے ساتھ میں ایڈورٹائیزنگ ایجنٹوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ان لوگوں کے بڑے کارخانے ہوتے ہیں۔ جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اچھے اچھے پیرایہ میں اور خوبصورت سے خوبصورت اور دلکش ڈیزائن میں ان بڑے بڑے اشتہار دینے والوں کے اشتہار اپنی پسند کے اچھے اخبارات اور رسالجات میں چھپوائیں یا دیگر وسائل سے مشتہر کریں کہ جن سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کی امید ہو۔ اشتہار دینے والے انکے۔ عقب پر ایک مقررہ رقم پچاس ہزار یا لاکھ یا دو لاکھ پونڈ کی جیسی کہ کسی کی حیثیت یا کام کی حالت ہو۔ انکے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اور یہ اپنی نیک نامی اور شہرت کو قائم رکھنے کے لئے اس رقم سے بہتر سے بہتر کام لیتے ہیں۔ ایسے کارخانے ابھی ہمارے ملک میں مدت کے بعد پیدا ہونگے۔

(۲۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا ممالک یورپ و امریکہ میں کہ جہاں اخبارات عروج پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اخبارات بیچنے کا بڑا ذریعہ نیوز ایجنٹ اور نیوز بائز ہیں۔ لاکھوں کاپیاں اخبارات کی چھپ کر نیوز ایجنٹوں کے پاس بھیجی جاتی ہیں۔ انکے سینکڑوں بڑے اور چھوٹے دفتر اور دکانیں ہر شہر میں ہوتی ہیں۔ ٹھیک وقت پر دکانوں پر اخبارات اور رسالجات پہنچائے جاتے ہیں۔ اور یہیں سے یا اخبارات کے دفتروں سے نیوز بائز یعنی اخبار بیچنے والے لڑکے اخبار لیکے چیختا ہے پکڑ کر گلیوں اور بازاروں میں اخبار کا نام یا اسکے کسی بڑے مضمون کا

عنوان چلاتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس کام میں بھی ہر شہر میں کئی دوکاندار اور سینکڑوں لڑکے مصروف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اخباروں اور رسالوں کی قیمتوں پر انہیں معقول کمیشن ملتا ہے۔ لیکن جب تک یہ طریق ہمارے ملک میں جاری ہو خواندہ اور پڑھے لکھے شخص مختلف اخبارات کے لئے خریدار پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات میں سفر کر کے لوگوں کو اخبارات و رسالوں کی خریداری پر آمادہ کر سکتے ہیں سامنے جا کر کسی شخص کو چرب زبانی یا لسانی یا دب اور معقولیت سے کسی کام پر آمادہ کر لینا بھی ایک لیاقت ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ لیاقت موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ میں وہ بڑے کامیاب کنویسنگ ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ اس کام کے لئے ایک یا چند اخبارات کے معاوضہ میں ایک ہوشیار سرگرم نوجوان کافی پیدا کر سکتا ہے۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں اس طرح بڑی بڑی کتابیں فروخت کرنیکا بڑا رواج ہے مثلاً ایک دو چار یا دس جلد کی کتاب کی قیمت تیس یا چالیس یا پچاس روپے ہے۔ کنویسنگ ایجنٹ کا کام ہے۔ کہ وہ شخص لوگوں کے پاس جا کر کتاب کے خوبصورت نمونے دکھلائے اور اس کے مطالب کی عمدگی اور تصاویر اور جلد کی خوبی کی تعریف کے طومار باندھ دے۔ مگر کسی نوجوان کو یہ صلاح نہیں دونگا کہ کسی چیز کی نفس الامر تعریف سے زیادہ مبالغہ کرے۔ ایسی کتابوں کی فروخت پر ایجنٹ کو معقول کمیشن ملتی ہے۔ اور اس طریقہ کو کتابوں کا سیکرٹری بھی فروخت کرا سکتے ہیں۔

(۲۴۰) عینکیں بیچنا یہ بھی ایک ایسا کام ہے۔ جو تھوڑی سی کوشش سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سیکھ سکتا ہے۔ آنکھ کی ساخت اور اس کی ضروری امراض کا علم حاصل کر کے آنکھیں ٹسٹ کرنے اور حکمت مناسب اور موزون عینکیں لگانے کا طریقہ سیکھے۔ آجکل تو ٹسٹ کرنے کے بہت سہل طریق ایجاد ہوئے ہوئے ہیں۔

لنڈن

نشانۂ صاحب نام نکو شد رنج نادیدہ
نگیں ہرگز نگردید است سنگ ناتراشیدہ

پیرس سے لنڈن کو روانگی۔

۷۔ اگست ۱۹۰۰ء کی صبح کو میرا قصد پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو جانے کا تھا۔ صبح اٹھ کر ہم ناشتہ پر بیٹھے۔ اور میری مہربان میزبان بیگم نے مجھے تاکید کی کہ اس وقت اچھی طرح پیٹ بھر کر کھا لو کیونکہ پھر تین بجے تک کہ جب تک ریل سے اتر کر انگلش چینل کے جہاز میں سوار نہ ہو جاؤ کھانا نہیں ملے گا۔ اور پھر جہاز میں کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آج کا نیویارک ہیرلڈ پیرس ایڈیشن آ گیا۔ اور ہم نے اس میں دیکھا کہ رودبار انگلستان میں کل سخت طوفان رہا ہے۔ یہاں تک کہ فرانس اور انگلستان کے مابین ڈاک تک رکی رہی ہے۔ اور رودبار کے دونوں طرف کے ہوٹل مسافروں سے پُر ہو گئے ہیں۔ اس لئے میرے میزبانوں نے صلاح دی کہ آج کا دن یہیں ٹھیر جاؤ۔ شام نمائش گاہ میں اتفاقاً ایک ایرانی ہمکار سے ملاقات ہوئی۔ اور اس نے کہا کہ شاہ کجکلاہ سے اگرچہ تم نہ مل سکتے ہو۔ کل صدر اعظم سے آ کر ملو تو ملاقات ہو جائیگی۔ چنانچہ ۸۔ اگست کو علے الصباح یعنے ساڑھے سات بجے جبکہ پیرس میں بمشکل دس فیصدی آدمی بیدار ہوئے ہونگے۔ میں گاڑی کرایہ کر کے حضرت شاہ مظفرالدین کے فرودگاہ پر پہنچا۔ اس مکان کا نام پیلے ڈ اسووران (Pulais ae Soverezgins) یعنے بادشاہوں کا محل ہے اور اس میں فرانس کے شاہی مہمان ٹھیرا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ابھی بہت سویرا تھا۔ ڈیوڑھی کے فرانسیسی سپاہیوں اور مکان کے کونسیئرژ دربان نے کہا کہ شاہ کے

ملازم تو نو بجے اٹھتے ہیں اور [illegible] مکان کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے
میں ایک گھنٹہ [illegible] بس چلا آیا [illegible] مجھے اس بات کا بھی
سخت یقین نہیں تھا [illegible] وقت ضرور ہو جاتی [illegible] جب سے ایک خوش نصیبی
نے [illegible] دریافت [illegible] طاقت سے زیادہ خدمت کرنے لگے ہیں۔ غرض
میں مکان پر پہنچ کر [illegible] صاحب [illegible] لازار ریلوے سٹیشن کو
روانہ ہو [illegible] ٹکٹ [illegible] اور [illegible] میں
بڑی [illegible] درجہ
کا [illegible] اسباب [illegible]
علیحدہ تھا [illegible] ایک [illegible]
ہی [illegible] ابھی [illegible] کے
چلنے [illegible] ہیں۔
اسٹیشن [illegible] جائے گی۔
کیسی معقول [illegible] ہوٹل میں
[illegible]
[illegible] ہندوستان [illegible]
[illegible] مکانات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور [illegible]
میں بھی [illegible] گئے
[illegible] سٹیشن پر
پہنچتے ہی [illegible] فوراً [illegible] سفر

تھا سب لوگ جہاز کے برآمدہ میں تختوں پر بیٹھ گئے۔ صبح دس بجے سے چل کر گاڑی تین بجے یہاں پہنچی تھی۔ اس لئے اس وقت خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔

جہاز میں انگریزی کھانا

میں نے دیکھا کہ جہاز میں بعض آدمی کھانے کی طرف لپکے ہیں میں بھی وہاں جا بیٹھا۔ اور ویٹر سے کھانا منگایا اور اُسے تاکید کر دی کہ "پورک" مت لانا۔ وہ دو رکابیوں میں دو چیزیں لے آیا۔ ایک مٹن تھا۔ اور دوسرا کچھ اور جب میں گوشت سمجھ کر کھانے لگا تو میں نے غور سے دوسرے گوشت کو دیکھا اور چھری سے کاٹا تو معلوم ہوا کہ وہ قدرتی گوشت نہیں ہے۔ بلکہ ایک مصنوعی چیز ہے۔ مجھے کچھ شک ہوا تو میں نے ویٹر کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اُس نے کہا کچھ نہیں۔ جب وہ چلا گیا تو میرے پاس ایک انگریز لیڈی اور جنٹلمین بیٹھے تھے [illegible] میں نے اُن سے پوچھا۔ [illegible] اُن کی چیز ہے تو معلوم ہوا کہ [illegible] نہ تھے۔ پھر ویٹر سے پوچھا کہ یہ کس چیز کا گوشت ہے تو اُس نے کہا یہ رول ہے۔ رول بھیڑی کے گوشت کو کہتے ہیں، جس میں انڈے اور بیکن ملا ہوا ہے۔ اور بڑی نعمت شمار ہوتا ہے۔ مجھے بیکن کا نام سُن کر بڑا افسوس ہوا۔ میں نے ویٹر کو ملامت کی۔ اور کھانا لوٹا دیا مگر اس سے [illegible] زیادہ سخت [illegible] گئی تھی میں گھر میں بھی بہت کم گوشت کھاتا ہوں۔ [illegible] اس امر کا متحمل ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یورپ کے اکثر شہروں میں بعض ہفتہ بھر تک گوشت نہیں کھایا۔ اور یہودیوں کے قصابوں کی دکانوں کو تلاش کر کے وہاں سے لے بھی سکتا تھا۔ کیونکہ [illegible] یہودی بھی مسلمانوں کی طرح خنزیر کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور ذبیحہ بھی نہایت احتیاط سے کرتے ہیں کہ جسے کوشر کہتے ہیں۔

سرزمین انگلستان

انگلش چینل میں جہاز دور تک گیا تھا کہ موجوں کے تھپیڑوں

ڈگمگانے لگا۔ اور کئی مردوں اور خصوصاً عورتوں کی حالت بگڑنے لگی۔ انگلش چینل ہمیشہ کم و بیش متلاطم رہتی ہے۔ چنانچہ میری بھی طبیعت متلانے لگی۔ میں ایک بستر پر لیٹ گیا۔ اور بہت جلد سو گیا۔ جب جہاز انگلستان کے ساحل پر لگا تو میں بیدار ہوا۔ لیٹ جانے سے متلی کم ہوتی ہے۔ بہرحال میں نے خدا کا نام لیکر انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس عجیب سرزمین پر کہ جس کے سپوت ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ اور جو اپنی عقل اور دانش کے تاج فرزانہ روزگار شمار ہوتے ہیں۔ میں اس مردم خیز زمین کو دیکھنے کا مدت سے مشتاق تھا۔ اور انکو انکے گھروں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ان کی طرز معاشرت انکی انسٹی ٹیوشنوں اور انکے تجارتی کارخانوں کو بچشم خود دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا کہ جن کے حالات میں نے اور لوگوں سے دیکھے ہوئے اکثر شوق سے سنے تھے۔ ڈوور ہیون کے سٹیشن پر کسٹم کے افسروں نے ان لوگوں کے اسباب کا معائنہ کیا جو لنڈن کے ادھر ادھر جانے والے تھے۔ لیکن جو لنڈن کے وکٹوریا سٹیشن تک جانے والے تھے۔ ان کے اسباب وہیں پہنچکر دیکھے جاتے تھے۔ سب لوگوں نے یہاں سے اخبار خریدے اور میں نے لنڈن کی ایک گائیڈ بک خریدی۔ اور اس میں سے کوئی مناسب ہوٹل تلاش کرنے لگا۔ پیرس سے جب میں سوار ہوا تھا تو گاڑی کے جس کمرہ میں میں بیٹھا تھا اس میں سب مسافر فرنگ اخبار پڑھ رہے تھے۔ بعض فرانسیسی بعض جرمنی اور بعض انگریزی زبانوں کے میں نے بھی جرنل لی گٹی اور نیویارک ہیرلڈ خرید لئے۔ یہاں دستور ہے کہ جب لوگ اخبار پڑھ چکتے ہیں تو اسی گاڑی میں پھینک کر چلے جاتے ہیں چنانچہ جب ہم گاڑی سے لنڈن میں نکلے تو سب لوگوں نے اپنے اپنے اخبار وہیں پھینک دیئے۔

انگلستان کی شان میزبانی میں نے ایک قلی کو بلایا۔ اور اس نے میرے ٹرنک نکال کر پلیٹ فارم پر رکھ دیئے کہ جہاں چونگی کے افسر آکر دیکھنے والے تھے چونگی

کے افسر نے مجھے آتے ہی پوچھا کہ تمہارے پاس تمباکو شراب یا کوئی اور قابل محصول چیز تو نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو اس نے بلا ٹرنک کھلوائے کے مجھے رخصت کر دیا۔ میں اٹلی، آسٹریا، جرمنی، بلجیم اور فرانس کے علاقوں سے گذر کر انگلستان میں پہنچا تھا۔ اور سب ملکوں کی سرحدوں پر ریل کو روک کر سب لوگوں کے ساتھ میرے ٹرنک کھلوا کر دیکھے گئے تھے۔ لیکن انگلستان میں صرف میری بات پر اعتبار کیا گیا۔ انگلستان کی غیر معمولی آزاد خیالی اور شائستگی کا یہی ثبوت کافی ہے۔ جو مجھے یہاں ریل سے اترتے ہی مل گیا۔

لنڈن میں پہلی رات قلی جو میرے ہمراہ تھا اُس نے میرا اسباب ایک دستی گاڑی پر رکھ لیا۔ اور میری ہدایت کے مطابق وہ مجھے ایک بہت قریب کے ہوٹل میں لے گیا۔ یہاں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ خالی تھا۔ جو ساڑھے تین شلنگ (دو روپیہ) میں مجھے رات بھر ٹھہرنے کے لئے دیا گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی میز ایک غسل کے لئے حمام اور ایک الماری دیوار میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس عجیب الماری کے تختے کھولنے سے ایک چارپائی اس میں سے نکل آتی تھی جس کے دوسرے سرے پر دو پائے تھے جو زمین پر ٹک جاتے تھے۔ صبح اس چارپائی کو اٹھا کر الماری کے سرے سے اٹکا دیا جاتا اور اس کے پٹ بند کر دیئے جاتے تو چارپائی کا کہیں نشان باقی نہ رہ جاتا تھا۔ غالباً یہ چھوٹا سا کمرہ غسل خانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن پیچھے اس میں چارپائی کا کام لیا جانا تجویز ہو گا۔ سوائے چارپائی پر بیٹھنے کے کرسی رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اس لئے میں ہوٹل کے ریڈنگ روم میں جا کر ٹھہری رکھی۔ مجھے اس بات میں دلچسپی معلوم ہوئی کہ دنیا کے اس سب سے بڑے شہر میں مجھے پہلی رات گوشۂ شہر کے سب سے تنگ مکان میں گذارہ کرنا پڑا ہے۔ کھانے کے لئے میں نے قریب ہی ایک رستوران تلاش کر لیا۔

لنڈن میں پہلا دن

۹- اگست کو صبح ضروریات سے فارغ ہو کر میں بے صبری کے ساتھ لنڈن کو دیکھنے کے لئے پیدل نکل پڑا۔ میری عادت یہ ہے کہ جب تک میں کسی شہر میں پیدل پھر کر نہ دیکھوں مجھے اس کی سمتوں اور گلی کوچوں کی کچھ سمجھ نہیں آتی۔ بمدد ایک پاکٹ سائز نقشے کے جس میں لنڈن کے تمام بازاروں اور محلوں کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ بازاروں کو دیکھتا ہوا وکٹوریا سٹریٹ سے گزر کر ویسٹ منسٹر ایبی اور ہاؤس آف پارلیمنٹ کے پاس سے ہوتا ہوا وائٹ ہال سے ہو کر چیرنگ کراس میں جا پہنچا۔ وہاں سے سٹرینڈ اور فلیٹ سٹریٹ سے گزرتا ہوا لڈگیٹ سرکس سے ٹامس کک کے دفتر کے پاس سے ہوبرن ویاڈکٹ گزر کر برٹش میوزیم کے پاس پہنچ گیا۔ بخلاف یورپ کے دیگر شہروں کے لنڈن میں مجھے یہ بڑی [illegible] کے مشہور بازاروں اور عمارتوں کے نام [illegible] دیکھنے کی وجہ سے میں ایسا مانوس تھا کہ گویا پہلے ان مقامات کو دیکھا ہوا تھا۔ لنڈن کے اکثر بڑے بڑے اخبارات اور رسالہ جات کے دفتر اور کتب فروشوں کی دکانیں فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ میں ہی ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے بہت سے اخبارات کے لنڈن کے دفاتر بھی یہیں تھے [illegible] پیسے [illegible] کے لئے بھی کئی [illegible] یہاں تھیں۔ [illegible] کتابیں [illegible] ہے۔ جیسے [illegible] لائبریری میں میں گھنٹوں کھڑا ہوا الماریوں سے کتابیں نکال نکال دیکھا کرتا تھا۔ مجھے پیرس میں ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ برٹش میوزیم کے پاس واشنگٹن ہوٹل میں رہنا اچھا ہوگا۔ اور اگر اس ہوٹل میں جگہ نہ ملے تو اس کے گرد و پیش کئی لاجنگ ہوس ہیں۔ کرایہ بھی کم ہوتا ہے۔ لیکن مسافر فروکش ہوتے ہیں میں ان میں سے تین لاجنگ ہوسوں میں گیا۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ [illegible]

مسافر اس قدر وارد ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں۔ اتنے میں برٹش میوزیم سامنے آگیا۔ اب کوئی ترغیب ایسی نہ تھی جو مجھے برٹش میوزیم کے دیکھنے سے روک سکے۔ میں جھٹ دنیا کے سب سے بڑے عجائب خانہ میں داخل ہو گیا۔ برٹش میوزیم کے عجائبات اور خصوصاً یہاں کے عربی فارسی کے قلمی کتابوں کے کتب خانہ کی شہرت مدت سے سنی ہوئی تھی۔ دروازہ پر کئی قسم کے گائیڈ اس عجائب خانہ کے بک رہے تھے۔ میں ایک گائیڈ بک خرید کر اندر گھس گیا۔ اور لگاتار چار پانچ گھنٹے اس عظیم الشان عمارت کے چپہ چپہ میں پھرتا رہا۔ مجھے اس وقت یہ بات بالکل بھول گئی تھی کہ مجھے ابھی رات کے بسیرے کی فکر نہیں کی۔ اور اگر کوئی ورہوش تلاش نہ کیا تو شب گذشتہ دلی موراخ میں ہی رات کاٹنی پڑیگی۔ غرض جب عجائب خانہ بند ہوا تو میں بھی باہر نکلا۔

[illegible] کا ایک [illegible]

یہاں کے سب عجائب خانوں میں دستور ہے کہ یہاں بھی لوگوں کی چھڑیاں اور چھاتے دروازہ پر ایک شخص لیکر رکھتا جاتا ہے۔ اور ٹین کے پتروں پر چھپے ہوئے نمبر کہ جن میں ایک جوڑا پیدا ہوا ہوتا ہے۔ ایک تو چھتری یا لاٹھی سے لٹکا دیتا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ کا اس کے مالک کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جب میں نے اپنے چھاتے کا نمبر واپس دیکر چھاتا لینا چاہا تو یورپ کے دوسرے شہروں کے تجربہ کی بنا پر جیب سے ایک پینی نکال کر جیسا کہ توں کے محافظ کو دینی چاہئے بجائے اس کے کہ وہ بھوکے گدا کی طرح جھپٹ کر پینی لے لیتا۔ اس نے میرے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اتنے میں میری نظر سامنے ایک چٹھی کے تختہ پر جا پڑی جس پر موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا کہ ملازمان عجائب خانہ کو کچھ ٹپ وغیرہ نہ دیں۔ یہ بات میں نے یورپ میں پہلی دفعہ دیکھی۔ اور اس سے مجھے لنڈن میں آنے کے دوسرے ہی دن ایک دفعہ پھر یہ بات سوجھی کہ انگلستان

بلحاظ شائستگی لنڈن بھی لاتعداد یورپ سے کئی قدم آگے ہے۔ گو برلن کی بڑی کا ڈاک
بل پر بھی باریک حروف میں یہی بات چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ لیکن ان دونوں
چیزوں کی حیثیتوں اور حالتوں میں کئی کوس کا فرق تھا۔ عجائب گھر سے
نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹھیک برٹش میوزیم کے دروازے کے مقابل سڑک
کی دوسری طرف مانٹیگو ہوٹل کا دروازہ ہے۔ کہ جس کی میں تلاش کر رہا
تھا۔ میں نے بہت غنیمت سمجھا کہ برٹش میوزیم کے روبرو ہوٹل ملے۔ اور اندر
جا کر ایک کمرہ تیسری چھت پر لے لیا۔ گو یہ بہت پرانا تھا۔ مگر اس میں برقی
روشنی اور لفٹ وغیرہ کی آسائش سب مہیا تھی۔ اور غسل خانہ کا بھی بڑا
آرام تھا۔ یہاں بکثرت گرم پانی ملتا تھا۔ لیکن یہاں کے ٹھہرنے کے بعد بعض
بعض صاحبوں نے کہا کہ یہاں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی لاجنگ میں چلے
چلو۔ لیکن چونکہ یہ مقام لنڈن کا نہایت بارونق حصہ تھا۔ میں یہیں ٹھیرا
رہا۔ اسی وقت ایک کیب گاڑی کرایہ کر کے میں وکٹوریا سٹیشن کے قریب
ہوٹل سے اپنا اسباب اٹھا لایا۔

دنیا کا سب سے بڑا شہر ۔ واقعی یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر
نہ صرف براعظم ایشیا میں واقع نہیں کہ جو دنیا کی تمام گذشتہ تہذیب کا
گہوارہ رہا ہے۔ اور جہاں کہ دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے پیغمبر پیدا
ہوئے ہیں۔ بلکہ بر اعظم یورپ سے بھی پرے سمندر کے ایک جزیرہ میں
واقع ہے۔ خدا کی شان ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں سمندر کے ایک
جزیرہ میں ایک چھوٹی سی قوم آباد ہے۔ کیونکہ انگریز بلحاظ تعداد اور وسعت
ملک دنیا کی دوسری قوموں سے بہت چھوٹی قوم ہیں۔ اور پھر اس قوم کو
یہاں تک ترقی اور عظمت ہوتی کہ اس کا شہر دنیا بھر میں بڑا شہر بن گیا۔ جو
دنیا بھر کی تجارت کی منڈی علم و ہنر کا مرکز اور دولت کی کان ہے۔ اس کے
انسٹیٹیوشن دنیا کے دوسرے شہروں کے سٹیشنوں سے بہت بڑے

ہیں۔ اگر چین۔ امریکہ یا ہندوستان کا کوئی شہر دنیا میں بڑا ہوتا تو عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ یہ ملک بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا شہر انگلستان میں ہونا البتہ عجیب ہے۔ ہر چند کہ انگریزی قوم کئی باتوں پر ناز کر سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ اُن سب میں نمایاں درجہ نہیں ہے۔ کہ جتنا بڑا شہر اُسکا مرکز حکومت ہے اتنا بڑا دوسری کسی قوم کا [illegible] نہیں ہے۔ لندن کے بعد بلحاظ آبادی [illegible] وصلی ہے۔ اس وقت لنڈن کا کوئی حریف ہے تو وہ یہی شہر ہے کہ جسے لنڈن سے [illegible] اور جس میں اب تک لنڈن [illegible] باقی ہے۔ یورپ کے بعض [illegible] الحمد کے ہر چند کہ سب خوب بڑے بڑے ہیں۔ لیکن اُن کی لنڈن سے برابری کرنے کی کوئی امید نہیں۔

[illegible] [illegible] نے گذشتہ صدی میں آبادی [illegible] سے جو ترقی کی ہے [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مگر صدی [illegible] [illegible] پیرس [illegible] سے اور کسی شہر نے [illegible] سے ترقی نہیں کی۔

[illegible] لنڈن کی آبادی [illegible] تھی۔ پیرس کی [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] میں لنڈن کی آبادی [illegible] تھی۔ پیرس کی (۵۲۳۲۵۱) [illegible] [illegible] (۳۲۲۲۳۰)

اور سنہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن کی آبادی [illegible] پیرس کی (۲۵۱۰۵۵۲) [illegible] [illegible] ہو گئی۔

لنڈن کی آبادی اور رقبہ [illegible] کی تعداد [illegible] بڑا [illegible] مضمون سمجھا

جاتا ہے۔ مگر چونکہ واقعات کے بیان کرنے کا اور کوئی ذریعہ اس سے معتبر نہیں مجبوراً مجھے لنڈن کی عظمت بیان کرنے کے لئے بہت سے ہندسے درج کرنے پڑتے ہیں۔ شہر لنڈن شرقاً غرباً تخمیناً چودہ میل لمبا اور شمالاً جنوباً دس میل چوڑا ہے۔ جس کا کل رقبہ (۱۱۸) مربع میل ہے۔ اس میں (۴۵۳۶۰۶۳) آدمی ([illegible]۸۰۰۰۰) مکانات میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر [illegible] کے شہر کی آبادی گذشتہ مردم شماری کے مطابق (۷۷۶،۹۲۶) آدمی کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ [illegible] آبادی ملا کر شہر لنڈن میں سما سکتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے تین بڑے شہروں نیویارک۔ شکاگو اور فلاڈلفیا کی آبادی ملا کر لنڈن میں [illegible] سب بھی درج کر دی جاسکے تو بھی گنجائش باقی رہے گی۔ شہروں کو چھوڑ کر ملکوں کی طرف دیکھئے۔ شہر لنڈن جو انگلستان کی کل آبادی کے ساتویں حصہ کا [illegible] ہے۔ اس میں سے [illegible] ہالینڈ [illegible] یا [illegible] اور [illegible] دونوں کو ملا کر ان کے برابر آبادی ہے [illegible] [illegible] رقبہ (۷۵۳۳۲) ایکڑ ہے۔ مگر [illegible] [illegible] جو [illegible] اس کے اندر اندر [illegible] شامل [illegible] اور بھی [illegible] لنڈن [illegible] میل ہے۔ [illegible] لنڈن [illegible] شہر لنڈن میں [illegible] کے [illegible] ۲۰ گھنٹوں میں [illegible] ہوئی۔ [illegible] مختلف راستوں سے [illegible] آدمی [illegible] داخل ہوتے ہیں۔ علاوہ [illegible] سٹیشنوں [illegible] داخل ہوئے۔

تجارت و دولت لنڈن کا بندرگاہ تمام دنیا کے بندرگاہوں سے بڑا ہے۔ بعض [illegible] بھی خیال ہے۔ [illegible] کے سب سے بڑا ہے۔ باقی ہر طرح

لنڈن بڑا بندرگاہ ہے۔ ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے (۷۹۴۴۰۸۸۱) پونڈ کا مال باہر گیا۔ اور (۵۴۴۵،۴۴۰۵۲۱) پونڈ کا داخل ہوا۔ اسی سال میں (۵۳۹۱۷) جہاز بندرگاہ لنڈن میں داخل ہوئے۔ نوے لاکھ پونڈ سالانہ صرف لنڈن کا محاصل چونگی ہے۔ غرض انگلستان کے سب بندرگاہوں میں جس قدر مال داخل ہوتا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ دریائے ٹیمز کے کنارہ پر لنڈن میں اترتا ہے لنڈن میں تجارت ہی بیحد نہیں بلکہ شراب شکر صابن گھڑی سازی کپڑے بننے اور جوتے بنانے کے بڑے بڑے کارخانے بھی قائم ہیں۔ انجنیری اور کیمیکل اجزا کے کارخانے بھی یہاں کے مشہور ہیں۔ مگر چھاپہ خانے اور اخبارات کا مرکز ہونے کے سبب سے لنڈن دنیا بھر میں ممتاز ہے۔ دریائے ٹیمز نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے جنوبی نصف میں زیادہ تر صنعت و حرفت کے کارخانے گودام اور چھوٹے مکانات ہیں شمالی نصف میں ہاؤس آف پارلیمنٹ سرکاری عمارات و دفاتر بنک اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ لنڈن سے بیمہ کی ہوئی جائداد کی قیمت ۹۲۳۵۰۹۹۲ پونڈ ہے۔ اور بہت سی جائداد ایسی ہے جس کا بیمہ نہیں ہوا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہوس آف کامنس کے کل قریباً سات سو ممبران پارلیمنٹ نشست کرتے ہیں جن میں سے اٹھاون ممبر شہر لنڈن منتخب کرتا ہے۔ سنٹ پال کا گرجا تمام شہر میں بڑا مکان ہے۔ ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک بڑے رمنے اور نزہت گاہ ہیں۔ ٹیمز کے کنارہ کے سامنے نہایت سرسبز پیدار درخت لگے ہوئے ہیں۔ چلنے کے لئے نہایت خوبصورت روشیں ہیں۔ اور جب یہ مکمل ہو جائینگے تو یورپ بھر میں بے نظیر سڑکیں مانی جاویں گی۔

لنڈن کی ریلیں اتنے لمبے چوڑے سنگدر آباد شہر میں ہر چند کہ آمد و رفت کی سہولت ہمارے خیال سے مطابق ہے مگر بھی بہت زیادہ ہے جسکے تئیں ہمیشہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لنڈن شہر کے اندر جو دو ریلیں ہیں ان سے [illegible]

اطراف سے گذرتی ہیں۔ اور شہر کے اندر ۱۹۰۵ء میں کہ جبکہ میں وہاں تھا دو سو
سترہ ریلوے سٹیشن تھے۔ ان ریلوں میں سے بعض برقی طاقت سے بھی
چلتی ہیں۔ مگر زیادہ تر دخانی انجنوں سے چلتی ہیں۔ گو زیادہ تر زمین کے
اوپر چلتی ہیں لیکن کئی ایک زمین کے اندر سرنگوں کے بیچ سے بھی گذرتی
ہیں۔ اور بعض جگہوں میں زمین کے اوپر پلوں کے ذریعہ سے سڑکیں بلند
بھی بنائی گئی ہیں۔ غرض جس طرح رستہ ملا ہے سڑکیں نکالی گئی ہیں جب
سٹیشنوں پر پہنچتے ہیں۔ تو ان میں لوہے کی سڑکوں کا جنگل نظر آتا ہے۔ اور
تعجب ہوتا ہے کہ لنڈن کے بڑے بڑے سٹیشنوں پر ہر روز [illegible] کیوں
نہیں ٹکراتیں۔ کوئی شخص جیسا کہ [illegible] لنڈن میں رہے [illegible]
جانتا ہے۔ [illegible] سال [illegible] ہو سکتی کہ فلاں طرف [illegible] کس
ریلوے [illegible] کس سٹیشن سے [illegible] خاص [illegible] شہر
لنڈن میں ریلوے [illegible] عجیب [illegible] ہے۔

[illegible] لنڈن میں ابھی برقی طاقت [illegible] استعمال نہیں ہوتے [illegible]
کیونکہ [illegible] گھوڑوں سے [illegible] برقی [illegible]
[illegible] اور [illegible] برقی طاقت سے چلتی
ہے۔ [illegible] لنڈن کی [illegible] برقی طاقت سے
چلنے لگیں [illegible] چند [illegible] انہیں برقی طاقت سے
چلنے کی [illegible] کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ [illegible] میں لنڈن
میں [illegible] برقی [illegible] زیادہ [illegible]
[illegible] وائر [illegible] اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور پکا ڈلی سرکس ۴ میل (اجازت مل چکی تھی) ڈسٹرکٹ ریلوے ڈیپ لیول ۳۳ میل (اجازت مل چکی تھی) وائٹ چیپل اور بو ۲ میل (زیر تعمیر) بارو دانیہ [illegible] ۳ میل (زیر تعمیر)

ٹیوب ریلوے یہ نئے دو [illegible] ٹیوب [illegible] ٹیوب انگریزی میں نلکے کو کہتے ہیں۔ [illegible] یہ ایک خاص قسم زیر زمین ریلوے لائین کی ہے۔ جو اسی زمانہ میں جاری ہوئی تھی جب میں لنڈن میں پہنچا تھا۔ چونکہ اس تمام قریب چھ میل لمبی برقی [illegible] کا کرایہ صرف دو پنی مقرر کیا گیا تھا اس لئے [illegible] طور پر لوگ [illegible] تے تھے۔ لنڈن بینک سے [illegible] شیفرڈ بش تک اس میں تیرہ اسٹیشن [illegible] اسٹیشن [illegible] سے۔ اس کے اوپر [illegible] اس [illegible] لنڈن [illegible] ان [illegible] بری [illegible] زمین [illegible] زمین [illegible] کے لئے [illegible] خالی [illegible] زمین [illegible] کا [illegible] بھی نہ رہے کمپنی نے پارلیمنٹ سے [illegible] کی اجازت لی تھی اور ان کی زمین کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑی کیونکہ یہ لوگوں کے گھروں سے سو فٹ نیچی بنائی ہے۔ صرف اسٹیشنوں کے لئے بازار میں جگہ خریدی [illegible] کا خرچ [illegible] اسٹیشنوں کے [illegible] اسٹیشن بھی نیچے اوپر ہیں [illegible] خرچ ہو۔ مزین [illegible]

ٹرین چلتی ہے۔ اور ہر وقت مسافروں سے پٹی رہتی ہے۔ تخمیناً آٹھ لاکھ مسافر اس سے ہر روز گذرتے ہیں۔ میلوں وغیرہ کے تقریبوں پر دو لاکھ سے بھی زیادہ گذر جاتے ہیں۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ چودہ میل کے حساب سے رکھی گئی ہے جس میں سٹیشنوں کا وقفہ بھی شامل ہے۔ بیس سیکنڈ ہر سٹیشن پر ٹھیرتی ہے۔ اس لئے جو بیس سے ۲۴ میل کی رفتار قائم رکھتے ہیں۔ چونکہ انجن برقی ہیں کہ جن سے دھواں نہیں نکلتا۔ اس لئے بخلاف دوخانی ریلوں کے سیاہ سُرنگوں کے اس ریل کا راستہ بڑا صاف اور خوشنما ہے سفید چینی کے روغن کی اینٹوں سے سٹیشن بنائے گئے ہیں۔ جو بڑے وسیع اور پُرفضا معلوم ہوتے ہیں۔ اور برقی روشنی سے ہر وقت دن چڑھا رہتا ہے۔ [illegible] [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible] [illegible] سے ہر مسافر کو ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔ اور وہ ایک [illegible] [illegible] سونے [illegible] [illegible] نیچے [illegible] [illegible] اسی طرح نیچے سے اوپر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] زمین کے نیچے زمین ہوتی تھی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پر محرابی صورت [illegible] [illegible] تھے۔ [illegible] [illegible] کا [illegible] کی ہوتی تھی۔ [illegible] [illegible] [illegible] ہوتے تھے اور جاتے تھے۔ اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] زمین کے نیچے ایک اور سوراخ [illegible] ہوتی تھی۔ یہ [illegible] [illegible] تمام لنڈن اوپر آباد ہے دریا ٹیمز اوپر بہتا ہے۔ اور جس گاڑی میں جا رہے ہو وہ نیچے جا رہی ہے۔

زیر زمین لنڈن لنکن لنڈن میں [illegible] [illegible] [illegible] بیٹھے کے پانی میں اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور زیادہ سوراخ کرنے کی تجاویز [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] چلتی ان نئے

زمین میں گہرے سے گہرے سوراخ کھودے جاتے ہیں۔ اور بے انداز روپے کے خرچ سے حیرت ناک عجوبات دکھائی جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں بعض انجینیروں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ شہر لنڈن کا سب سے بڑا اور عظیم الشان گرجا سینٹ پال اس لئے معرض خطر میں ہے کہ [illegible] کے نیچے سے ریلوں اور پانی کی نالیوں کے لئے کئی سوراخ زمین میں کھودے جا چکے ہیں۔ جس سے گرجا کی بنیادوں کو نقصان پہنچا ہے جس سے تمام لنڈن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کیونکہ سینٹ پال دنیا کی ایک عمارت نہیں ہے جو پھر سہولیت سے بن سکے۔ اسی بارہ میں [illegible] نے سینٹ پال کے قریب لڈگیٹ ہل کے نیچے [illegible] نقشہ دکھلایا تھا۔ جس میں تین زیر زمین ریلیں ایک دوسرے کے اوپر نیچے سے گذرتی ہیں [illegible] لنڈن ریلوے سے وہ بازار کی سطح سے [illegible] اٹھارہ فیٹ اور [illegible] ایک دوسری ریلوے [illegible] تار برقی کی بڑی بڑی [illegible] کے گودام اور غریب لوگوں کے رہنے [illegible] روشنی نہیں پہنچتی [illegible] رہتی ہے [illegible] بڑھ جاتی ہے۔

شہر لنڈن میں جہاں [illegible] سوراخ بنے ہوئے ہیں۔ دریائے ٹیمز کے نیچے بھی کئی سرنگیں بنے ہوئے ہیں جن میں سے آدمی اور ریلیں گذرتی ہیں۔

بلیک وال ٹنل لنڈن کاؤنٹی کونسل نے بلیک وال ٹنل حال ہی میں پوپلر اور گرینچ کے درمیان دریائے ٹیمز کے نیچے کھودی ہے جو پانچ سال میں ختم ہوا

اور ۲۲ مئی ۱۸۹۷ء کو بادشاہ سلامت نے اس وقت بحیثیت پرنس آف ویلز ہونے کے اس کو کھولا تھا۔ یہ ٹنل سوا میل لمبا ہے۔ جس کے بیچ میں سے ۱۶ فٹ گاڑی کا راستہ اور کناروں پر تین تین فیٹ پیدلوں کے لئے راہ بنائے گئے ہیں۔ اس کے اندر بھی سفید روغن کی اینٹیں لگائی گئی ہیں اور تین قطاریں برقی لیمپوں کی لگائی گئی ہیں جن کا باہم دس دس فیٹ کا فاصلہ پر ہے۔ کونٹی [illegible] جو لندن کی مشہور [illegible] ہے اس نے محض شہر کے اس طرف کے [illegible] لوگوں کے اور گاڑیوں اور چھکڑوں کے سہولت کے لئے تیرہ لاکھ ساڑھے اسی ہزار پونڈ کے خرچ سے اس ٹنل کو تیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گرینچ سے بلیک وال پہنچنے میں بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ مگر اب یہ چند منٹ کی راہ رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ٹیمز اطراف میں دریا کے نیچے دو اور [illegible] ٹنل تیار رہی ہے۔ بعض لوگ [illegible] سہولت [illegible] ہو سکتے ہو اور کوئی مقصود [illegible] [illegible] کیا تھا وہ [illegible] [illegible] وقت سے کیا [illegible] [illegible] تھے۔ اور گاڑیاں وغیرہ [illegible] بہت مفید ثابت [illegible] جاتا تھا۔ مگر [illegible] [illegible] خوب کام [illegible] اس [illegible] میں [illegible] اور [illegible] کے نیچے سے بھی [illegible] نیچے سے بھی کئی سڑکیں [illegible] ہیں۔

دریائے ٹیمز کے نیچے برقی [illegible]
اور [illegible]

[illegible] کوئی [illegible] کا [illegible] سکے [illegible] کی بھی [illegible] کی تفصیل [illegible]

پہلے پہلے ۱۸۸۹ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے رو سے لنڈن کونٹی کونسل قائم ہوئی۔ اس کے (۱۳۷) ممبروں کو پبلک تین سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اور کونسل (۱۹، ۱) ایلڈرمین چھ سال کے واسطے منتخب کرتی ہے انہیں وزیر اعظم تک ممبر اور عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ اور کئی ممبران پارلیمنٹ ہمیشہ رہتے ہیں۔ کونسل کا سب سے اہم کام لنڈن جیسے بڑے شہر کے گندے پانی کی نالیوں کی صفائی ہے۔ سال ختمہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۰ء میں (۴۲،۲۵۶،۰۳۰) گیلن گندہ پانی شہر سے باہر نکالا گیا۔ مگر اتنا گندہ پانی کہ جس سے بہ حال ایک بڑی جھیل بن سکتی ہے کہاں پھینکا گیا۔ اس مسئلہ کو لنڈن کونٹی کونسل نے اس طرح حل کیا ہے کہ سب پانی کو ایک جگہ جمع کر کے چونے اور لوہے کے پروٹو سلفیٹ کی لاگ سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس کی تمام میل تہ نشین ہو جاتی ہے۔ جسے جمع کر کے سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔ اور صاف پانی شہر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر دریائے ٹیمز میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اچھے اچھے فن دانوں نے بخوبی آزمایا ہے کہ یہ صاف شدہ پانی بالکل بے ضرر ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے دریا میں گذشتہ چند سال سے مچھلی بہت زیادہ پیدا ہونے لگی ہے۔ میل جو اس سال ہیں پچیس لاکھ اٹھاسی ہزار ٹن نکلی تھی۔ اسے چھ خاص جہاز سال بھر سمندر میں لے کر پھینکنے میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سال تین ہزار ٹن وزن کے ۲۲۰۸ سفر ان جہازوں کو کرنے پڑے۔ پہلی نالیاں کافی نہ ہونے کی وجہ سے تیس لاکھ پونڈ کے صرف سے کچھ اور نالیاں تیار ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کمیٹی ایک ٹنل دریا کے نیچے چودہ لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا چکی ہے۔ اور دو دوسرے اکیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے بن رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے ٹیمز پر ووکسل برج نامی ایک عظیم الشان پل بنایا ہے۔ اور لیمبتھ برج عنقریب تعمیر کرنے والی ہے۔ مگر اس سے بھی بڑا اہتمام وہ ہے جو تخمینہ

چنتالیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے سٹرینڈ اور ہوبرن کے مابین ایک نیا اور خوبصورت بازار بنانے والی ہے کہ جس سے اس نواح میں شہر کی خوبصورتی بہت بڑھ جائیگی۔ ٹیمز کے کنارہ پر جو خوبصورت بند بنایا گیا ہے وہ بھی کونٹی کونسل کا کام ہے۔ سال گذشتہ میں اس کمیٹی نے شہر کے باسٹھ مقامات پر تیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے اصلاح کی ہے۔

پارک اور تفریح کے سامان

اور گذشتہ بارہ سال میں شہر کی پارکوں اور تفریح گاہوں کی تعداد چالیس سے سو تک بڑھا دی ہے۔ اور ابھی چند پارک ایسے ہیں کہ جنکا انتظام اس کمیٹی کے ہاتھ میں نہیں۔ ان نزہت گاہوں سے شہر کی خوبصورتی اور اہل شہر کی صحت اور دلچسپی پر کتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ بڑے بڑے پارکوں کے جو شہروں سے کسیقدر دور ہیں۔ اور جہاں لوگ زیادہ تر شام کے وقت کام سے فارغ ہوکر جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سبزہ زاروں میں دن بھر عورتیں اور بچے زندگی کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ کونٹی کونسل نے بعض رمنوں میں ہرن اور جنگلی پرند بھی جمع کر دیئے ہیں۔ اور لوگوں کی دلچسپی اور تعلیم کے لیے پرندوں کے چڑیا خانے بنوا دیئے ہیں۔ اہل شہر کے مزید دلچسپی کے لیے اس سال میں ۲۰۳۰۰ پونڈ کے خرچ سے (۹۵) میدان ٹینس کرکٹ اور گولف کے پندرہ ہزار ٹیم کھیلنے کو انہی رمنوں پر کرکٹ کھیلنے والوں کو منظم کر دیا۔ اور پارکوں کے بڑے بڑے حصوں میں ریت بچھوا دی ہے تاکہ غریب لوگوں کے بچے جنہیں کبھی سمندر کے کنارہ پر جاکر ریت میں کھیلنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا یہاں لطف حاصل کریں۔ موسم گرما میں کونسل کے تالاب اور حوضوں پر لوگوں کے نہانے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اور مختلف پارکوں میں جمنیزیم لوگوں کی ورزش کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ کونسل کے کل پارکوں اور نزہت گاہوں کا رقبہ اب چالیس ہزار ایکڑ کے قریب ہو گیا ہے۔ بحالیکہ اصل شہر لنڈن کا رقبہ

ساڑھے چھ سو ایکڑ ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ یوروپ کے شہروں میں باوجود زمین کے اس حد تک گراں ہونے کے پارکوں کے لئے جگہ خالی رکھنی کتنی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اور انہیں واقعی شہروں کی صحت کے لحاظ سے شہر کے جسم کے پھیپھڑے مانا جاتا ہے۔ برعکس اسکے ہمارے شہروں میں چپہ چپہ ترنول کی سفید زمین بذریعہ نیلام فروخت کرکے روپے سرکار کے خزانہ میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ کاش ہمارے شہروں کے اندر بھی خالی زمین سبزہ زار کے لئے چھوڑی جائے۔

غریب لوگوں کے مکانات

لنڈن جیسے درست صد ا ر بڑے شہر میں غریب لوگوں کے مکانات کیسے تنگ و تار اور مضر صحت ہونگے۔ شہر کی میونسپلٹی نے یہ بھی اپنا فرض سمجھا ہے کہ غریب لوگوں کو عمدہ عمدہ مکان بہم پہنچائے۔ جن میں انکی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ لنڈن میں آٹھ لاکھ آدمی نہایت گنجان مکانوں میں رہتے تھے۔ اور ہر مکان میں آٹھ آدمیوں سے کم کی اوسط نہ تھی۔ انکے لئے زمین خرید کر اب تک جیسیس بڑی بڑی لمبی عمارتیں اور سات کوٹھی نما مکانات تعمیر کی گئی ہیں جو ہمارے ملک کے امیروں کے مکانات سے بھی بلحاظ صفائی اور حفظان صحت کے اچھے ہیں۔ انپر کونسل کے (۲۵۳۰۸۰) پونڈ خرچ آئے ہیں۔ اور (۳۸۲۶۰) پونڈ سالانہ کرایہ ہے جو اس رقم کا کافی منافع ہے۔ اور بھی اسی طرح کئی عمدہ مکان بنے گئے ہیں جن میں اب تک (۲۱۲۰۵) آدمی سکونت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ہے شائستہ قوموں کے ارکان ہونے کا ایک ادنےٰ نمونہ۔ تیس ہزار آدمیوں کی رہائش کے لئے ایک نیا گاؤں پندرہ لاکھ پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوگا۔ جس کے گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغات اور چاروں طرف پر فضا سایہ دار سڑکیں ہونگی۔ لنڈن کاؤنٹی کونسل نے کچھ عرصے سے شہر لنڈن کی ٹریم کمپنی سے کل ٹریم کی لائنیں خرید لی ہیں۔ اور تب سے

ٹریم کا کرایہ کم اور آسائش پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔

فائر بریگیڈ لنڈن ایسے بڑے شہر میں آتش زدگیاں ہر سال بتیس سو تخمینہ کی گئی ہیں۔ جن میں سے دو سو بہت شدید ہوتی ہیں کہ جن میں لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اطفائے آتش کا محکمہ اس شہر میں خوب مستعد اور کیل کانٹے سے تیار رہتا ہے۔ جسپر کونٹی کونسل کو تین لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو اس کے ہر پونڈ میں سوا تین کا خرچ ہے۔ اس صیغہ میں ۶۳ خشکی پر فائر انجنوں کے سٹیشن (۱۰۴۱) چھوٹے سٹیشن (۶۰) سٹیم فائر انجن خشکی اور تری پر۔ ۳۱ دستی طاقت سے چلانے والے انجن۔ اکتالیس میل لمبے ہوس کے نلکے (۴۲۴) فائر الارم جس سے آگ لگنے کی خبر ملتی ہے (۳۰۶۵) پانی لینے کی جگہیں۔ ۲۵۰ گھوڑے۔ اور ۱۳۹۱ کل افسر اور آدمی

ایک روز پکاڈلی سرکس کے قریب ایک یہودی رستوران میں میں دوپہر کو کھانا کھا رہا تھا کہ یکایک سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی گئی۔ اور سب لوگ مکان کے اندر سے بھاگ کر سڑک پر چلے گئے۔ میں نے بھی جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قریب کے ایک ہوٹل میں آگ لگ گئی تھی جس کی خبر پہنچنے پر دم زدن میں فائر بریگیڈ کا ایک دستہ دو گاڑیوں پر سوار معہ فائر انجنوں کے پہنچ گیا تھا۔ ان گاڑیوں کے گھوڑے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ ہر گاڑی پر پانچ سوار ہوتے ہیں جن میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے۔ سواروں کی نشستیں گاڑیوں کے پہلوؤں کی طرف ہوتی ہیں۔ تاکہ انہیں چڑھنے اترنے میں دیر نہ لگے۔ اور وہ لٹکتے ہوئے رسے پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی وردی نہایت چست ہوتی ہے۔ اور ایسے کپڑے سے بنائی جاتی ہے کہ جسے یکایک آگ نہ لگے۔ ٹوپی خود کی قسم کی پیتل کی ہوتی ہے۔ جو بہت خوبصورت معلوم ہوتی بعض سٹیشنوں پر یہ گاڑیاں مع گھوڑے سوار ہر وقت تیار اور مسلح رہتے ہیں خبر آنے کی دیر لگتی ہے۔ اور انکی گاڑی دوڑتی ہوئی آتش زدگی کے مکان کو جا پہنچتی

ہوتی ہے۔ اس گاڑی کے بگل کی آواز سے سڑک صاف ہو جاتی ہے اور کوئی چیز اسے راستہ میں روک نہیں سکتی۔ برن میں تو حکم ہے کہ شاہی سواری بھی آگ کی گاڑی کا راستہ چھوڑ دے۔ ساتھ ہی مکانوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں۔ آتشزدہ مکانوں سے آدمی اور اسباب نیچے پھینکنے کے لئے ربر کی جالیاں اور زمین پر بچھانے کے موٹے گدیلے وغیرہ سامان رہتا ہے۔ یہ لوگ بے تکلف اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنی جان سے بے فکر ہو کر بے بس عورتوں مردوں اور بچوں کی جانیں شعلوں سے بچاتے ہیں۔ ان کی مستعدی و بہادری دیکھ کر خیال ہوتا ہے۔ کہ بیشک انہیں صفات سے قوموں کی عظمت کی عمارت چنی جاتی ہے۔ شہر لنڈن میں جا بجا لوہے کے چھوٹے چھوٹے ستون کھڑے ہیں۔ جنکے منہ میں شیشہ لگا ہوا ہے۔ جب کہیں آگ لگتی ہے تو قریب کے ستون کا شیشہ توڑ کر اس کے اندر کی گھنٹی بجا دی جاتی ہے۔ جو قریب کی پولیس یا فائر سٹیشن میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔

لنڈن کا کانسٹبل لنڈن کی پولیس کا انتظام گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری کے ہاتھ میں ہے۔ شہر لنڈن کی حفاظت اور انتظام کے لئے (۱۵۰۴۷) کانسٹبل موجود ہیں۔ جو فی سو ایکڑ کے لحاظ سے ۲ کانسٹبل کی آبادی کے ہر ہزار آدمی پیچھے تین اور ہر سو آباد گھروں کے پیچھے دو کانسٹبلوں کی اوسط پڑتی ہے۔ اہل لنڈن اپنی حفاظت پولیس کے لئے ۲ لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ گو لنڈن کی آبادی بہت ہے۔ لیکن پولیس کے عمدہ انتظام سے جرائم بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں (۱۰۰۲۴۷) آدمی مجرم قرار پائے اور ۴۰ ہزار سزایاب ہوئے۔ (۲۱۲۳۳۰) پونڈ کا مال چوری گیا تھا جس میں سے پولیس کی کوشش سے ۳۹ ہزار پونڈ کا مال سراغرسانی کے بدولت مالکوں کو مل گیا۔ ایک سال میں ستائیس ہزار رپوٹیں اس قسم کی

پولیس میں لکھوائی گئیں کہ فلاں شخص گم ہوگیا ہے۔ ان میں سے اٹھارہ ہزار آدمی پولیس نے تلاش کر دیئے۔ بجز ذیل سے ۴۱ ہزار چیزیں جمع کرکے گم شدہ مال میں داخل کیں۔ جن میں سے (۲۰۵۵۰) اصلی مالکوں کا پتہ لگا کر انہیں پہنچائی گئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے (۱۸۰) جیب گھڑیاں۔ ۳۲۹ بٹوے۔ اور (۱۹۰۷۷) چھتریاں۔ غرض لنڈن کا پولیس مین ایک نہایت مفید چیز ہے۔ خصوصاً اُن مسافروں کو جو لنڈن میں نووارد ہوتے ہیں اور راستہ نہیں جانتے۔ یہ کانسٹبل بہت اچھی طرح راستہ سمجھا کر بتلاتا ہے۔ بلکہ مجھے تو ایک دو مرتبہ چند قدم ساتھ بھی چل کر موڑ سے دوسری طرف کا راستہ دکھلا دیا۔ لنڈن کے لئے خصوصیت سے تمام ملک سے تنآور اور طویل القامت کانسٹیبل چنا جاتا ہے۔ اور تمام پولیس کی فوج میں ایک بھی چھوٹے قد کا آدمی نہیں۔ جب یہ ازسرتاپا سیاہ وردی پہنے ہوئے بھیڑ کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ تو تمام راہ گذروں سے ایک آدھ بالشت سر برآوردہ (بلند) نظر آتا ہے۔ یہ لنڈن کی گلیوں کا ایک خاصا زیور ہے۔ ہزاروں لوگ اس سے راستہ پوچھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں اکتاتا۔ یہ بالکل اکھڑ اور بدمزاج نہیں ہوتا۔ بلکہ تعلیم یافتہ اور معقول شخص ہوتا ہے۔ بدمعاش اس سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے اکثر جاہل اور نادان کانسٹبلوں کی طرح یہ کبھی بدمعاشوں سے ساز باز نہیں کر سکتا۔ اس کی تنخواہ پینتیس شلنگ یا دو پونڈ ہفتہ وار ہے جو ہندوستان کے چار کانسٹبلوں کی ماہوار تنخواہ کے برابر ہے۔ زیادہ بارونق بازاروں میں گاڑیوں کے ہجوم کا بھی کانسٹبل ہی انتظام کرتے ہیں کہ جس کا ذکر آگے آئیگا۔

لنڈن کونٹی کونسل کا تعلیم کا کام

لنڈن کونٹی کونسل سے ٹیکنیکل تعلیم کے بورڈ نے دراصل لنڈن یونیورسٹی کی طرز تعلیم کی اصلاح کر دی ہے۔ اور ایسا اچھا اثر اپنے تحت انگلستان کی تعلیم پر ڈالا ہے کہ ایک غریب سے غریب بورڈ سکول کا لڑکا سکالرشپوں اور مدد معاش کے ذریعہ سے یونیورسٹی کے اعلےٰ

ترین اعزاز تک حاصل کرسکتا ہے اور اپنے ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے
حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ کونسل کی زیر نگرانی کئی قسم کے انڈسٹریل
سکول جاری ہیں۔ جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ انکے ذریعہ سے ہر پیشہ میں جاکر
روٹی کمانا سیکھ جائیں۔ لنڈن کے سکولوں میں ساڑھے سات لاکھ طلبا درج
رجسٹر ہیں۔ اوسط روزانہ حاضری چھ لاکھ سے زائد ہے۔ بورڈ سکولوں کے طلبا کی
تعلیم پر پینتیس لاکھ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ سال گزشتہ میں (۳۰۵)
مدرسوں میں رات کو بھی تعلیم ہوتی رہی۔ جن میں اسی ہزار طلبا حاضر ہوتے
تھے۔ ساڑھے پندرہ لاکھ سالانہ تعلیم حرفت پر صرف ہوتا ہے۔ لنڈن میں ۵۹
کتب خانے ایسے ہیں۔ جن میں کتابیں پڑھنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا۔
اور ان میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ جن میں سے ساڑھے چالیس لاکھ
ایک سال کے اندر پڑھنے کے لئے طلب کی گئیں۔ ان کتب خانوں پر اکتیس
ہزار پونڈ سالانہ صرف ہوتے ہیں۔ جب نوح میں میں رہتا تھا وہاں آکسفورڈ سٹریٹ
کے ڈاک خانہ کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا۔ جہاں ہر قسم کے اخبارات
لنڈن ٹائمز سے لیکر چھوٹے چھوٹے ہفتہ وار پرچوں اور مختلف پیشوں کے
رسالوں تک رکھے تھے۔ اور ڈکشنریاں اور ہر قسم کی ڈائرکٹریاں اور کچھ منتخب
کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دن بھر یہ بند رہتا تھا۔ لیکن شام کو مزدور
وغیرہ لوگ جب اپنے کاروبار سے فارغ ہوکر آتے تو یہ کھل جاتا۔ اور
سینکڑوں لوگ آکر اخبارات پڑھنے لگتے۔ اخبارات کو بلند ڈسکوں پر
ایسے طور سے جڑا جاتا تھا کہ لوگ کھڑے کھڑے پڑھتے تھے۔ ایسے بارونق
رونق والے موقعوں پر اس نوع کے لوگوں میں علم اور سائنس کی پھیلانے
کے لئے ایسے ایسے مفید انتظام کئے گئے ہیں۔

لنڈن میونسپلٹی سے سبق

ان فرائض کے علاوہ کونٹی کونسل کے اور بھی کئی کام ہیں
مثلاً ماپ تول کی نگرانی۔ روٹی اور کوئلہ کی فروخت اور

لیس اور آبرسانی کی اجرا کی نگرانی معصوم بچوں کی حفاظت۔ چھوت کا انسداد وغیرہ مگر ان کے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہم نے جو کچھ تفصیل سے اس دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی کے حالات لکھے ہیں ہرچند کہ وہ بجائے خود نہایت مختصر ہیں، اس سے غرض یہ ہے کہ ہندوستان کی میونسپلٹیوں کو معلوم ہو کہ وہ رفاہ عام کے کاموں میں کہاں تک مدد کر سکتی ہیں۔ بدنصیبی سے ہمارے یہاں اکثر ممبران میونسپلٹی اپنی تمام گرمجوشی اور محنت اپنے انتخاب کے وقت ہی صرف کر چکتے ہیں۔ اس لئے انکا ذخیرہ کام کرنے کا ختم ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے لوکل سلف گورنمنٹ ایسی نعمت کی ہندوستان میں بالکل قدر نہیں کی۔ اور اس تجربہ میں بہت کچھ مایوسی ہوئی ہے۔ جس سے ہندوستانیوں نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ ابھی بہت مدت تک وہ اپنے گھروں کا انتظام کرنے کے لائق بھی نہیں۔

لندن کی دوسری انتظامی جماعتیں

گو کونٹی کونسل ہی شہر لندن کی میونسپلٹی کہلا سکتی ہے۔ تاہم شہر کے بعض انتظام بعض دوسری مجالس کے بھی سپرد ہیں۔ مثلاً محتاجوں اور مفلسوں اور بوڑھوں معذوروں وغیرہ کی دستگیری کے لئے جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے۔ غریب خانے بنانے کا انتظام پور لا گارڈینس کے سپرد ہے۔ جن کی لندن میں تیس یونین بنے ہوئے ہیں جو وقتاً فوقتاً ٹیکس پور ریٹ وصول کر کے محتاجوں کا انتظام کرتی ہیں۔ شہر کے مختلف حصوں کی مقامی سڑکوں کی درستی اور چھڑکاؤ۔ اُن حصوں کی حفظان صحت کا انتظام اور [illegible] کے لئے جا بجا غسل خانے اور حسب ضرورت کتب خانے قائم کرنے کا بندوبست سنہ ۱۸۹۵ء سے بورو کونسلوں کے سپرد ہے۔ جو لندن میں اٹھائیس ہیں۔ کیونکہ شہر اٹھائیس علاقوں پر منقسم ہے۔ اہل شہر کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ایک

دوسری جماعت کے سپرد ہے کہ جس کا نام لنڈن سکول بورڈ ہے۔ اور جو سنہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں پچپن ممبر ہیں۔ اور انہیں بھی بورڈ کونسلوں اور کونٹی کونسل کی طرح ریٹ پیئرس یعنی ٹکس دینے والے تین تین سال کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ واقعی تعلیم کا کام اتنا بڑا ہے۔ کہ یہ کسی دوسری مجلس کے سپرد رہنے کی حالت میں ایسی عمدگی سے نہ ہوسکتا۔ جیسا کہ اب لنڈن سکول بورڈ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

لنڈن کی رونق اور گاڑیاں

ہر چند کہ لنڈن و نواح میں دو سو سے زیادہ ریلوے سٹیشن ہیں تاہم یہاں کی آبادی کے لئے بہت سے گھوڑا گاڑیاں مطلوب ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی ایک گھوڑی والی دو پہیہ گاڑی کو جسے کیبریاٹ یا کیب کہتے ہیں۔ بہت رواج ہے۔ اسے ہینسم کیب بھی کہتے ہیں۔ چیرنگ کراس سے چار میل کے حلقہ کے اندر اندر اس کا کرایہ چھ پنس فی میل ہے۔ ور اس سے باہر ایک شلنگ فی میل ہے۔ لیکن مختلف مقامات کے لئے کرایہ کی شرح ایسی پیچیدہ ہے کہ اجنبی عموماً کوچبین کے رحم کا منتظر رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ ابتک انگلستان کی گاڑیوں کو ویانا اور برلن کی گاڑیوں کی طرح ٹکس میٹر نہیں لگائے گئے۔ نومبر ۱۸۹۹ء کے ایک نقشہ کے مطابق لنڈن میں سولہ ہزار سے زیادہ لائسنس دار گھوڑا گاڑیاں ہیں۔ جو چیرنگ کراس کے ہر طرف پندرہ پندرہ میل کے فاصلہ میں گشت کرتی ہیں ان میں (۷۹۹۵) ہینسم کیب (۳۵۰۳) چو پہیہ (۳۱۹۰) آمنی بسین اور (۱۳۷۸) ٹریمبے گاڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ چھ ہزار ریل کی گاڑیاں اور چھکڑے ہیں۔ جو شہر میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے سوا سے لاکھوں لوگ شہر میں پیدل چلتے ہیں۔ بازاروں کے بیچ میں گاڑیوں کیلئے سڑکیں چھوڑی ہوئی ہیں۔ اور دونوں طرف ذرہ بلند پٹریاں بنائی گئی ہیں کہ جن پر پیدل چلتے ہیں۔ یہ پیدل بھی اتنے ہوتے ہیں کہ کئی بازاروں میں یہ

پٹریاں لبالب بھری ہوتی ہیں۔ لوگ چھاتے یا لاٹھیاں ہاتھ میں لئے اتنی جلدی چلتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے شاید کہیں بھاگے جا رہے ہیں ہر صورت میں ان لوگوں کو وقت کی کفایت کرنا مدنظر ہے۔ کوئی ایک شخص کبھی آرام سے ٹہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بعض بڑے بڑے چوکوں میں دونوں طرف سے گزرنے والی گاڑیوں کے بعض اوقات اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ اگر انہیں گزارنے کا انتظام نہ کیا جائے۔ تو پیدل مسافروں کی سلامتی کا اندیشہ رہے۔ اور گاڑیاں بھی آپس میں ٹکرا کر ٹوٹتی رہیں۔ اس لئے ایک کانسٹبل جو ہر چوک میں کھڑا رہتا ہے ہاتھ سے بلند کر کے اشارہ سے ایک طرف کی گاڑیوں کو روک دیتا ہے۔ تو دوسری طرف کی گاڑیاں اور آدمی گزرنے لگتے ہیں۔ اور جب ادھر کی بھیڑ کم ہو جاتی ہے تو اتنے میں دوسری طرف بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور پھر اشارہ سے پولیس مین ان کو گزرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بعض بڑے بڑے چوکوں مثل چیرنگ کراس لڈگیٹ سرکس۔ بینک سرکس میں تو یہ نظارہ صبح سے لیکر شام تک ہر دم جاری رہتا ہے۔ اگر پولیس مین یہ کام نہ کریں تو ایک طرف کی گاڑیوں اور پیدلوں کے گزرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اب مینشن ہوس کے قریب ہی بنک کے سرکس میں بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے ایک زیر زمین راستہ بنا دیا گیا ہے جس کا منہ چار پانچ بازاروں کی طرف کھلتا ہے۔ چونکہ اس چوک میں ہر طرف سے بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔ اس لئے لوگ عموماً سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دوسری طرف بازار میں جا نکلتے ہیں۔ یہ دراصل نئی زیرزمین برقی ریلوے کا ایک سٹیشن ہے۔ صرف لنڈن کی جنرل آمنی بس کمپنی سال میں پانچ کروڑ مسافر لے جاتی ہے۔ ٹراموے کی سڑکیں شہر کے باہر کی طرف ہیں۔ وہ تنگ بازاروں میں نہیں گزرتیں۔ دریائے ٹیمز میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جہاز چلتے ہیں جو جا بجا ٹھہرتے ہیں۔ جیسا کہ

میں پیرس کے حالات میں بیان کر چکا ہوں کہ پیرس کے آمنی بس کی چھت پر بیٹھنے والے گاڑی کے اندر بیٹھنے والوں سے نصف کرایہ دیتے ہیں۔ اور گاڑی کے اندر بیٹھنا باہر کی نسبت معزز سمجھا جاتا ہے۔ لنڈن کی بسوں میں گاڑی کے اندر بیٹھنے یا چھت پر بیٹھنے کا ایک ہی کرایہ ہے۔ بلکہ اندر کی نسبت لنڈن کے لوگ چھت کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ اگر کسی گاڑی کی چھت پر جگہ رک گئی ہو مگر اندر جگہ کافی ہو تو بعض لوگ اس گاڑی پر بیٹھتے ہی نہیں۔ لنڈن اور پیرس جیسے دو نہایت قریب شہروں میں ایسا اختلاف واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو عجیب بنانے والے زیادہ تر اہل لنڈن ہیں جو بعض باتوں میں تمام یوروپ سے نئی چال چلتے ہیں۔ مثلاً تمام یوروپ میں گاڑی چلانے کا قاعدہ یہ ہے کہ گاڑیبان ہر دوسری گاڑی سے جو اُسے سامنے ملے اپنی گاڑی دائیں ہاتھ کو رکھے۔ پیرس برلن ویانا اور قسطنطنیہ غرض سارے یوروپ میں یہی قاعدہ ہے۔ مگر انگلستان میں ہر کوچمین اپنی گاڑی کو بائیں ہاتھ رکھے گا جب کہ ہندوستان میں بھی گاڑی کا قاعدہ ہے اور یہ انگریزوں کا ہی جاری کیا ہوا ہے۔

لنڈن کے بازار

لنڈن کے اکثر بڑے بڑے بازار بہت کشادہ اور خوشنما ہیں مگر بعض تنگ اور ٹیڑھی گلیاں بھی اُنکے پہلوؤں میں ہیں۔ مگر وہ دن بدن مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ اور اُنکے بجائے خوبصورت بازار بنتے جاتے ہیں۔ پہلے پہل جب کوئی اجنبی اس شہر میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے مکانات کی رفعت دوکانوں میں مال کی کثرت بازاروں کی صفائی اور آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھکر دنگ ہو جاتا ہے۔ جیسے ارڈ ٹیل نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خاموش کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ کہ بے انتہا مخلوق جو اُس کے چاروں طرف گزر رہی ہے۔ اس میں ایک فرد واحد بھی اُسے نہیں جانتا اور نہ اس کی پرواہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو کیسا تنہا پاتا

ہے۔ لیکن وہ ہزارہا لوگ جو اس کے پاس سے گذرتے ہیں۔ اُنکی نسبت وہ بھی کیا جانتا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے کوچے بھی ہیں کہ جہاں ایک آدمی گذرتا ہوا بھی نظر نہیں آتا۔ شہر لنڈن کو اینٹوں کا جنگل کہا گیا ہے۔ عمارات اینٹ پتھر ہی کی بنی ہوئی ہیں۔ لنڈن کے گھروں کے ساتھ ایسے برامدے نہیں ہوتے جیسے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی کوٹھیوں کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ البتہ وہ دلکش سب پر ہوتے ہیں۔ جس نے پیرس اور ویانا وغیرہ جیسے شہر دیکھے ہوئے ہوں۔ وہ لنڈن کے مکانات کی بیرونی حالت کو بہت دلچسپ نہیں پاتا۔ کیونکہ مکانات دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے ہیں البتہ اندر سے نہایت صفا اور آراستہ ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان مکانات پانچ پانچ سات سات منزلوں کے میلوں تک پھیلے گئے ہیں۔ دنیا میں صرف نیویارک ایک ایسا شہر ہے جس کے مکانات اس سے رفیع ہوتے ہیں۔ لنڈن میں موسم بھی اکثر دھندلا رہتا ہے۔ موسم گرما میں بھی سورج دیوتا کے درشن مغتنمات سے سمجھے جاتے ہیں۔ موسم سرما کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ کبھی کبھی یکایک ایسا کالا بادل گھر کر شہر کو گھیر لیتا ہے۔ کہ گھروں میں چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ مگر جلدی ہی گذر بھی جاتا ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز ملاقاتیوں سے پہلے یہی پوچھتے ہیں کہ موسم کیسا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ضیع الوقتی کرتے ہیں۔ میرے خیال میں شائد یہ انکی عادت ہو۔ لنڈن میں جب کبھی اچھا دن ہوتا تھا تو کئی لوگ مجھے یہی کہتے کہ آج دن تو خوب ہے۔ یورپ کے باقی شہروں کی طرح یہاں کی دوکانوں میں بھی ہر قسم کی اسباب تجارت بڑے بڑے شیشوں والے دروازوں کے پیچھے رکھے ایسے طور پر سجائے جاتے ہیں کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ دیکھ سکیں۔ ہر دوکان اپنی جگہ ایک چھوٹی سی نمائش گاہ ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ شام کو ان میں برق اور گیس

کی روشنی ہوتی ہے۔ لنڈن کے بہت سے بازاروں میں پتھر کے فرش ہیں یا پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض بڑے بڑے بازاروں میں لکڑی یا اسفالٹ کا فرش بھی ہے۔ کہ جس پر گاڑی کے پہیوں کی آواز نہیں ہوتی جیسا کہ میں پیرس یا برلن کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں۔ بازاروں میں گیس اور کہیں کہیں برقی روشنی بھی کی جاتی ہے۔ شہر لنڈن کو بلحاظ مختلف قسم کے ساکنین کے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ویسٹ انڈ میں شاہی محلات۔ امرا کے مکانات اور بڑے بڑے پارک ہیں۔ (۲) کاروباری حصہ میں راکویشن۔ سوداگروں کے دفاتر اور دوکانیں ہیں۔ (۳) ایسٹ انڈ میں ملاحوں۔ مزدوری پیشہ لوگوں اور بہت غریب لوگوں کے مکانات ہیں۔ (۴) نواح میں بیشمار مکانات کی قطاریں اور بازار اور مکانات متوسط الحال لوگوں کے ہیں۔

لنڈن کی کھپت — جس شہر میں نصف کروڑ سے زیادہ آدمی رہتے ہوں اُسکے کھانے کو کسقدر سامان درکار ہوگا۔ میں کارڈن صاحب کی کتاب "لنڈن لونز" سے چند اعداد کا اقتباس کرتا ہوں۔ یہ اعداد ۱۸۸۶ء کے ہیں۔ اور اس وقت سے اب تک لنڈن کی آبادی میں بحساب ۷ فیصدی سالانہ کی ترقی ہوئی ہے (بقول لنڈن اٹلس اینڈ گائیڈ) تاہم اگر وہی پچھلے سال کے کھانے پینے کا خرچ صحیح صحیح مان لیا جائے تو اس کی مقدار بھی حیرت انگیز ہے۔ تین لاکھ اسی ہزار ٹن (ایک کروڑ ساڑھے چھ لاکھ من) سالانہ ہر قسم کا حیوانات کا تازہ گوشت لنڈن میں کھپتا ہے۔ جو (۱۰۳۸) ٹن روزانہ یا نصف پونڈ سے کم فی کس گوشت اور ہڈیاں ہر شخص کے حصہ میں آتا ہے۔ اس کے سوا بہت سا خشک اور نمکین گوشت آسٹریلیا اور اضلاع متحدہ امریکہ سے ہر سال لنڈن میں آتا ہے۔ صرف امریکہ سے ایک سال میں ایک لاکھ بارہ ہزار ٹن ہر قسم کا گوشت آیا۔ ۱۸۸۶ء میں

بلجیم سے ساٹھ ہزار خرگوش جنکا وزن (۷۰۰) ٹن تھا آئے۔ اور (۲۵۵۰) ٹن
مرغیاں اور شکار وغیرہ۔ غرض علاوہ تازہ گوشت کے ہر قسم کا دوسرا گوشت
اور شکار ۳۲ ہزار ٹن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور ابھی انڈے اس میں شامل نہیں
جو عشانے کے اور آمد کا مشترکہ نقشہ کے مطابق غیر ممالک سے
انگلستان میں (۱۰۸۸۳۸۰۲۴۰) داخل ہوئے تھے۔ جن میں لنڈن کا ساتواں
حصہ یعنی پونے چودہ کروڑ ایک خاص مقدار ہے۔ اس میں سے جرمنی نے
تیسرے حصے سے زیادہ۔ فرانس نے تیسرا حصہ اور بلجیم نے چھٹا حصہ بہم پہنچائے
تھے۔ اضلاع متحدہ امریکہ تک سے انڈے لنڈن کے استعمال کے لئے
جہازوں میں لد کر آتے ہیں۔ میں یہاں صرف اتنی بات یاد دلانا چاہتا
ہوں کہ ہندوستان میں مرغیاں اور انڈے اتنے سستے اور اس قدر زیادہ پیدا
کئے جا سکتے ہیں کہ ان سے اہل ہند کو بہت سا روپیہ ہر سال وصول ہو سکتا
ہے مگر وہ ابھی تک کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ لنڈن کے شکار کی بڑی منڈی کی
لیڈن ہال کی ایک سال کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ اٹھارہ مختلف
قسم کی مرغابیاں، مچھلی، مرغیاں، تیتر، بٹیر، فاختائیں اور خرگوش وغیرہ
تعداد میں ایک کروڑ سے زیادہ اشخاص سے فروخت ہوئے۔ دس ہزار ٹن
مکھن انگلستان کا اور اسی قدر غیر ممالک سے آیا جو ایک سال میں اس شہر
میں کھپ۔ اور ابھی مارگرین اور جانوروں کی چربی جس کا زیادہ استعمال ہوتا ہے
اس کے علاوہ ہے۔ لنڈن میں ایک روزانہ چالیس ہزار گیلن دودھ کا روزانہ خرچ
جو کہ باہر والے شہروں سے ہوا ہر روز مختلف شہروں سے ایک خاص قسم کے آہنی مٹکوں
میں بھرا ہوا آتا ہے۔ اور ہر شخص جو لنڈن سے کسی سٹیشن سے ریل پر سوار
ہوتا ہے وہاں بھری ان خالی مٹکوں کو واپس جانے کے منتظر پڑے ہوئے
ضرور دیکھتا ہوگا۔ اس کے ۵۰۰ ایک لاکھ ڈبے خشک دودھ کے اور
(۱۰،۴۰۰) ٹن پنیر لنڈن ہر سال استعمال کرتا ہے۔ مچھلی کے مختلف اقسام کی

بابت کچھ نہ پوچھو کہ کسقدر اس شہر میں صرف ہوتی ہے۔ مچھلی کی مشہور منڈی بلنگز گیٹ میں جا کر دیکھو تو کر سینکڑوں قسم کی مچھلیوں کے ہر روز کتنے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک مصنف نے بڑی محنت سے حساب پھیلا کر ایک ارب اسی کروڑ مچھلیوں کا سالانہ خرچ لنڈن کے ذمہ لگایا ہے میووں کو جو علاوہ انگلستان کے دنیا کے ہر حصہ سے اس ملک میں آتے ہیں۔ اور ترکاریوں اور چائے اور شکر وغیرہ چیزوں کو چھوڑ کر غلہ کی طرف دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ (۸۲۷۵۰۰۰۰) سیر سیر بھر کی روٹیاں سال تمام میں لنڈن میں بڑی کفایت شعاری سے خرچ ہوتی ہیں۔ اس تمام آٹے میں سے تہائی سے بھی کم انگلستان میں پیدا ہوئی ہوئی گیہوں کا ہوتا ہے۔ اور دو تہائی سے زیادہ دنیا کے دور دست ممالک مثل ضلع متحدہ امریکہ کینیڈا۔ ہندوستان روس چلی۔ جرمنی۔ آسٹرل ایشیا۔ رومانیہ اور مصر وغیرہ ممالک سے لایا جاتا ہے۔ لنڈن کی طرح باقی تمام ملک بھی غیر ممالک سے آئے ہوئے غلہ پر گذارہ کرتا ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ جسپر انگلستان کے مدبر کبھی کبھی حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر خدانخواستہ کوئی دوسری قوم بحری طاقت میں انگلستان کو زک دے سکے اور انگلستان کا محاصرہ کر کے باہر سے غلہ نہ آنے دے تو چند روز میں اہل انگلستان بھوکے مرنے لگیں۔

لنڈن کا اتوار اجنبی کے لئے لنڈن کا اتوار بھی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ پہلے اتوار کو میں مکان سے دس بجے صبح کے باہر نکلا تو بازاروں کو سنسان پایا۔ سوائے کسی کسی آمنی بس گاڑی کے جو کبھی گذر جاتی تھی اور کوئی شخص نہیں ملتا تھا۔ دوکانیں سب بند کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے کے مشہور دلن اور میوہ کی دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ جو ایک بجے دوپہر کو (یعنی عبادت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد) کھلتی ہیں۔ عبادت کا وقت اتوار کے روز صبح سے ساڑھے بارہ بجے تک اور شام کے چھ بجے سے ۹ بجے تک مقرر ہے۔ اسکے

بعد کھانے کے بعض بعض مکانات کھلتے ہیں۔ مگر کھانے کے سوائے باقی سب دوکانیں اتوار کو قانوناً بند رہتی ہیں۔ بلکہ ڈاک کی تقسیم بھی اتوار کو بند رہتی ہے۔ اور ریلیں بھی ایک بجے تک نہیں چلتیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ لنڈن کے لوگ اس قدر پکے عیسائی اور دیندار ہیں کہ سب گرجوں میں عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ گرجوں میں بہت کم لوگ جاتے ہیں۔ ہر چند کہ پادری صاحبان عمدہ سے عمدہ باجے بجانے اور گانے والے گرجوں میں مہیا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض لوگ خصوصاً عورتیں بجائے شوق عبادت کے زیادہ تر اچھے کپڑے دکھلانے دوستوں اور ہمسائیوں سے ملاقات کرنے اور کسی اچھی تقریر کے سننے کے لئے جاتے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر لوگ شہر سے باہر مضافات میں بغرض تفریح چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اتوار کی شام کو میں کیو گارڈن کی طرف گیا تھا جو کئی میل لمبا چوڑا باغ ہے۔ اور علم نباتات کے نمونوں کے لحاظ سے دنیا میں اول درجے کا باغ شمار ہوتا ہے۔ وہاں ہزارہا زن و مرد تھے۔ اور یہی حال دیگر مضافات خصوصاً ہائیڈ پارک و ریجنٹ پارک وغیرہ کا اتوار کو اور ہر شام کو ہوتا ہے۔ وینا میں صرف سال کے چند ماہ ہیں اتوار کو دکانیں بند کرتے ہیں۔ لیکن کھانے پینے اور تمباکو وغیرہ کی دکانیں کھلی رہتی ہیں۔ مگر لنڈن کے لوگ ڈاک تک کی تقسیم بند کر دینے میں ساری دنیا میں بے نظیر ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں بعض بڑے بڑے اخبارات کے مالکوں نے امریکہ کی طرح لنڈن میں بھی اتوار کو اخبار نکالنا چاہا تھا۔ لیکن پادریوں کی مخالفت سے انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ انگریز لوگ خیالات میں زیادہ کنسرویٹو (قدیم باتوں کے پسند کرنے والے) ہیں۔ اس لئے پادریوں کے کہنے سے ایسی رسمیں چلی چلتی ہیں۔

لنڈن کے اخبارات لنڈن کے اخبارات کا مجھ سے کچھ حال نہ پوچھو۔

ایک شاعر اپنے معشوق کی نسبت لکھتا ہے ۔ ؎

گر کسے وصف او زمن پرسد
بیدل از بے نشاں چہ گوید باز

گو میرا معشوق تو بے نشان نہیں۔ لیکن اس کے متعلق میں ضرور بیدل ہوں۔ لنڈن میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز میرے لئے اخبارات تھے یہاں اخبار فروشوں کی دکانوں پر ہر قسم کے اخبار بکتے ہیں۔ دوکان کے ہر طرف دیواروں پر اخباروں اور خوبصورت رسالوں کے سرورق سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک اخبار خریدنے کا ارادہ ہو تو ایسا دلچسپ مجموعہ دیکھکر دو چار خریدنے کو دل چاہتا ہے۔ ان لوگوں کو نیوز ایجنٹ کہتے ہیں یہ خود بڑے نیوز ایجنٹوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں کہ جنکے پاس براہ راست اخباروں اور رسالوں کے دفتروں سے صدہا بلکہ ہزارہا اور لاکھا پرچے ایک ایک اخبار کے آتے ہیں۔ اور وہ اپنے یہاں سے چھوٹے ایجنٹوں کے پاس تقسیم کرتے ہیں۔ یا ڈاک میں مختلف ممالک کو روانہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انگلستان اور کیا یورپ کے دیگر ممالک میں اخبارات براہ راست بذریعہ ڈاک خریداروں کے نام بہت کم جاتے ہیں۔ زیادہ تر پرچے اسی طرح ایجنٹوں اور نیوز بائز (پیپر کا خبر بیچنے والے لڑکوں) کے ذریعے انہیں شہروں یا دوسرے شہروں میں نقد قیمت پر بکتے ہیں۔ اخبار چھپنے کے وقت اخباروں کے دفتروں سے گاڑیاں لدکر مختلف مقامات کے نیوز ایجنٹوں کے پاس اخبار لے جاتے ہیں۔ شہر سے باہر کے مقامات کو اخبار بھیجنے کے لئے لنڈن سے صبح اور شام کو بارہ بجے ٹرینیں چلتی ہیں۔ جن کا نام اخباروں کی ٹرین ہوتا ہے۔ ہر سٹیشن پر ایجنٹ یا انکے ملازم حاضر ہوتے ہیں جس اخبار یا رسالہ کے جتنے پرچوں کا انہوں نے آرڈر بھیجا ہوا ہوتا ہے اتنے پرچوں کا بنڈل وہ ٹرین پھینکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور یہ ٹرین

اپنے شہر اور نواح کے دیہات میں پرچے فروخت کر دیتے ہیں۔ جب تک ہندوستان میں بھی اخبارات کے بیچنے کا یہی سلسلہ قائم نہ ہوگا اخبارات کی اشاعتیں بہت زیادہ نہ ہو سکینگی۔ اس میں علاوہ اس بات کے کہ اخبار لوگوں کے دروازوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہر شخص کو اس کے خریدنے کی ترغیب بھی ہوتی ہے۔ اخبارات کو رخنہ کے لئے ایک یہ بڑی سہولت ہے کہ اس کے پاس ہر روز کی بکری پہنچ جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے خراب طریقہ کی طرح کئی کئی سال کی قیمتیں گاہکوں کے ذمہ نہیں رہ جاتیں۔ لنڈن میں اخبارین بیچنے کے لئے نیوز بائز بھی ایک بڑا انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اخبار شائع ہونے کے وقت یہ چند سیٹ اخبارات لیکر ہر طرف بھاگتے پھرتے ہیں۔ جتنی دفعہ کسی اخبار کے دن بھر میں تازہ ایڈیشن نکلتے ہیں اتنی ہی دفعہ اسے لوٹ کے بیچتے پھرتے ہیں۔ اور سینہ سے اخبار کا نام یا اس روز کا کوئی بڑا واقعہ جس کی نسبت اس اخبار میں تازہ خبر درج چھپی ہوتی ہے۔ چلاتے پھرتے ہیں۔ تمام روزانہ اخبارات جو ہر صبح کے تازہ خبروں اور ضروری مضامین کا خلاصہ مع عنوانات میں ایک بڑے پوسٹر پر چھپتے ہیں۔ بعض نیوز بائز کسی چوک چوراہے یا دوکان کے سامنے اپنے بستہ سے پرچوں کو بیچا کر مختلف اخبارات رکھکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر نیوز بائز نہ ہوں تو لنڈن کے اخبارات آدھے بھی نہ بک سکیں۔ کچھ عرصہ سے لنڈن میں نصف پنی کے اخبارات نکلے ہیں۔ جن میں ڈیلی میل اور ڈیلی ایکسپریس قابل ذکر ہیں۔ گو ڈیلی ہیرلڈ مارننگ بھی کچھ کم نہیں۔ سن اور سٹار اور ایوننگ نیوز اور ایکو بھی نصف پنی کے روزانہ ہیں۔ لیکن پہلے چار پرچوں سے حجم میں بہت کم ہیں۔ پہلے دو پرچوں یعنی ڈیلی ایکسپریس اور ڈیلی میل نے تو نصف پنی کی اخبار نویسی پر کمال کر دیا ہے۔ ان میں پڑھنے کا مصالح اور تار برقیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً ڈیلی میل اپنی قیمت نصف پنی۔ شاید صرف نصف پنی سن کر بڑے

ہموطن ہنسیں گے کیونکہ نصف پینی بھی تو نصف آنہ ہے۔ سچا لیکہ ہندوستان میں
پیسہ اخبار بھی چلتا ہے۔ جس کی ارزانی پر لنڈن اور برلن کے بعض ایڈیٹروں
نے بھی تعجب کیا ہے۔ لیکن یورپ اور خصوصاً لنڈن میں نصف پینی بہت
بے حقیقت چیز ہے۔ یہاں دولت اتنی زیادہ ہے کہ پینی جو ہندوستان کا
ایک آنہ ہے۔ یہاں تھوک کے برابر عزت نہیں رکھتی۔ ہم ہندوستان
میں ایک پیسہ ایسا بے محابا خرچ نہیں کر سکتے جس طرح لنڈن میں ۶ پینی
یا ۱۲ پینی کا سکہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بہرحال لنڈن کے اخبارات کے عجائبات
نے مجھے وہاں بہت خوش وقت رکھا۔ میں دن میں دس دس بارہ بارہ
اخبارات خریدتا تھا۔ جن کو پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن اُن کی شکل صورت
دیکھنے کے لئے لے لیتا۔ یہاں کا ہر شخص اخبار پڑھتا ہے۔ قلی اور سائیس
اور کوچوان اور خدمتگار ہر زن و مرد نصف پینی کا اخبار لے کر پڑھ لیتا ہے۔
ایک روز میں لنڈن کے ایک نواح کو جا رہا تھا۔ ٹریمو کے کنڈکٹر نے
ایک جگہ گاڑی ٹھہرائی۔ اور دوڑ کر اخبار فروش کی دوکان میں جا کر ڈیلی
ٹیلی کا ایک پرچہ پینی کو خرید لایا۔ اور پھر گاڑی چلنے لگی۔ جیسے کھانے کی
بھوک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو اخبار کی تمنا معلوم ہوتی
ہے۔ ان کے ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں بھی ہر قسم کے اخبار موجود ہوتے
ہیں۔ جو لوگ یہاں کھانا کھانے یا چاء پینے آتے ہیں وہ ساتھ ساتھ اخبار
بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں سب سے بڑھ کر برلن اور ویانا کے ریسٹورنٹ
لنڈن سے آگے نکلے ہوئے پائے گئے ہیں۔ جہاں نہ صرف جرمنی بلکہ نصف درجن
دوسری زبانوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ اخبارات موجود ہوتے ہیں۔ اور جس
قوم کا آدمی آئے اپنی زبان کا اخبار پڑھ سکتا ہے۔ لنڈن میں سستے اخبارات
کی فروخت کے متعلق جب [illegible] اخبار [illegible] بہت کم بکتے ہیں۔ یہاں تک
کہ لنڈن ٹائمز [illegible] جس کی قیمت [illegible] پینی کمیں دوکان پر رہا

لونڈوں کے ہاتھ میں بکتے نہیں دیکھا۔ البتہ پال مال گزٹ سینٹ جیمس گزٹ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی نیوز۔ سٹینڈرڈ گلوب وغیرہ ایک پنس کے پرچے بہت بکتے ہیں۔ تاہم اتنے نہیں بکتے جتنے کہ نصف پینی کے بکتے ہیں۔ ڈیلی ٹیلیگراف میں اگرچہ اشتہارات بہت ہوتے ہیں۔ تاہم یہ پینی کا سب سے بڑا پرچہ لنڈن کا ہے۔ اور اس کا دعوےٰ ہے کہ ہر ایک دوسری صبح کے چھپنے والے اخبار سے دنیا بھر میں اس کی اشاعت ۵ لاکھ کاپی زیادہ ہے اور اس مطلب کے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات لنڈن میں چسپان ہیں۔ لیکن ڈیلی نیوز کا دعوےٰ ہے کہ وہ سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے اب لنڈن کے نصف پینی کے اخبارات میں ڈیلی میل سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ اور اس کے ایک ہی وقت میں تین یکساں ایڈیشن لنڈن برمنگھم اور پیرس میں شائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ بذریعہ تار برقی تمام مضامین اور خبریں لنڈن سے دوسرے دو مقامات کو بھیجکر یکساں اخبار تیار کیا جاتا ہے۔ جو انتظام کی انتہا ہے۔ اور ہفتہ وار پینی کے اخبارات میں لائڈس ویکلی سب سے آگے ہے۔ گو رینلڈس ویکلی اور دی پیپل بھی اس کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ ڈیلی ایکسپرس جو سنہ ۱۹۰۰ء کے شروع ہی میں نکلا تھا اس کے پہلے پرچہ میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا ایک پیغام اہل انگلستان کے نام بذریعہ تار برقی چھپا تھا اس کے اولوالعزم مالک نے اس ایک تدبیر کے ذریعہ سے اپنے اخبار کو اسقدر مشہور کر دیا کہ تمام دنیا کے اخبارات میں اس روز یہ کیفیت چھپ گئی کہ ڈیلی ایکسپرس میں جو آج ہی جاری ہوا ہے۔ قیصر ولیم نے یہ محبت آمیز پیغام اہل انگلستان کو بھیجا ہے اور ڈیلی ایکسپرس کا پہلا پرچہ دس بارہ لاکھ چھپ گیا۔ کاش میں نیویارک میں جا کر وہاں کے اخبارات بھی دیکھ سکتا۔ کیونکہ وہ لنڈن سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ لیکن قطع نظر امریکہ کے یورپ میں سب سے آگے انگلستان

کے اخبارات ہیں۔ لنڈن کے علاوہ مانچسٹر وغیرہ مضافات کے مقامات کے روزانہ اخبارات کا مقابلہ دوسرے ممالک کے اخبارات نہیں کرسکتے۔ یہ تو روزانہ اخبارات کی حالت ہے۔ رسالجات میں فرانس کے رسالے انگلستان سے کم نہیں۔ گو روزانہ اخبارات میں سب سے زیادہ چھپنے والا اب تک پیرس کا اخبار جرنل رپائی (سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پیرس ایک بات میں لنڈن سے بہت آگے ہے۔ یعنی یہاں قریب ڈیڑھ دو درجن کے ایسے ہفتہ وار اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں رنگین تصاویر ہوتی ہیں جیسے کہ جرنل لا پائی کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ ڈالا مریزین کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ لا ایسنٹ نال اور لا ریز وغیرہ اور پھر یہ کثرت سے سنٹیم یعنی نصف پینی کے پرچے ہیں۔ جو بہت ہی ارزاں ہیں۔

لنڈن کی علمی زندگی

میں اس سے پہلے بیان کرچکا ہوں کہ سب سے پہلے روز حسن اتفاق سے میرا گذر جس بازار میں ہوا وہ فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ تھا جو لنڈن کے اخبارات کا معدن اور کتاب فروشی کا مرکز ہے جس کے ہر دیہہ پر کسی نہ کسی اخبار یا رسالہ کا نام موٹے حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اور جس کے ہر دروازے سے کسی سہ پہر کو ڈھیروں کے ڈھیر تازہ چھپے ہوئے اخبارات کے دنیا بھر میں تقسیم ہونے کے لئے بسرعت تمام نکل رہے ہیں۔ جلی حروف کے پوسٹروں میں حیرت انگیز خبریں درج ہیں اور اخبار بیچنے والے لڑکے سرپٹ دوڑتے ہوئے اخباروں کا گٹھا کندھے پر ڈالے کوئی ضروری خبر چلاتے جاتے ہیں۔ انگلستان کے مشہور لغات نویس ڈاکٹر جانسن نے اسی کے قریب ٹمپل بار کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے دس میل کے دائرہ کے اندر باقی تمام مملکت سے زیادہ علم و فن موجود ہے۔ اور واقعی ڈاکٹر موصوف نے درست کہا تھا۔ لنڈن کی

تمام اخبارات اور رسالجات ہر وقت کوشاں رہتے ہیں کہ عمدہ سے عمدہ مضمون اور تازہ سے تازہ خبر حاصل کریں۔ اور وہ اس کام کے لئے علمی خدمات کرنے والوں کو معقول اجرتیں بھی دیتے ہیں۔ لنڈن کے ایک نصف پینی کے روزانہ اخبار نے ایک روز پبلک کو اطلاع دی تھی کہ اس کے ہر روز کے پرچہ پر مالک کے اڑھائی سو پونڈ خرچ ہوتے ہیں۔ اور اس میں ذرہ بھی تعجب نہیں ہے۔ کہ علاوہ چھپائی اور کاغذ وغیرہ کے خرچ کے ایک بہت بڑی رقم مضمون نگاروں اور خبریں پہنچنے والوں کو دی جاتی ہیں۔ جو لوگ ہندوستان کے روزانہ انگریزی اخبارات میں ایک دو کالم تار کی خبریں دیکھنے کے عادی ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ لنڈن کے روزانہ اخبارات میں ان سے دس دس گنا زیادہ تار کی خبریں درج ہوتی ہیں جن کا بڑا حصہ انہیں اخبارات کے خاص نامہ نگار دنیا کے ہر حصے سے بھیجتے ہیں

مضمون نگاروں کا معاوضہ

جو اجرتیں مضمون نگاری کی لنڈن کے اخبارات و رسالے دیتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ڈیلی میل ڈیلی ایکسپریس اور دیگر نصف پنس قیمت کے صبح کے چھپنے والے اخبارات ڈیڑھ گنی (قریباً چوبیس روپے) فی کالم کے لئے مضمون کا معاوضہ دیتے ہیں۔ ڈیلی نیوز اور دوسرے ایک پینی قیمت کے اخبارات دو گنی فی کالم۔ مگر لنڈن ٹائمز جس کی قیمت فی پرچہ تین پنس ہے ایک آرٹیکل کے عوض میں دس گنی کا چیک بھیجتا ہے۔ مورننگ سٹینڈرڈ دو گنی۔ ویسٹ منسٹر گزٹ ڈیڑھ گنی فی کالم اور پال مال گزٹ دو گنی بالعموم چھوٹے چھوٹے پیراگرافوں کی اجرت بحساب ایک پنس۔ سوا پنس یا ڈیڑھ پنس فی سطر دیتی ہے۔ ہفتہ وار اخبار ورلڈ البتہ چھ پنس فی سطر دیتا ہے۔ اور اسپیکٹیٹر ٹروتھ بھی دیتے ہے۔ مگر ماہوار رسالوں مثل سٹرینڈ پیرسنز جنٹلمین اور پال مال میگزین کے بڑی معقول اجرتیں ملتی ہیں جن کا اندازہ کسی آرٹیکل کی خوبی اور مقدار سے کیا جاتا ہے۔ سٹرینڈ ایک چوٹی

کہانی کے لئے دس گنی تک دیدیتا ہے۔ نائنٹینتھ سنچری اور فورٹ نائٹلی ریویو بھی اسی نرخ سے دیتے ہیں۔ پیل مال ایک چھوٹے سے مضمون کے لئے پانچ پونڈ نذر کرتا ہے۔ رائل میگزین جو چار پنس فی پرچہ ہے اور پارسن ویکلی بھی اسی قیمت کا ہے۔ دو گنی فی سو کے حساب سے اجرت دیتے ہیں۔ ٹٹ بٹس اور آنسرز جو بہت بڑی اشاعت والے ہفتہ وار پرچے ہیں۔ ہر ہزار لفظوں کے کالم کا معاوضہ ایک گنی دیتے ہیں۔ گرافک السٹریٹڈ لنڈن نیوز اور دوسرے اسی قسم کے اعلےٰ درجہ کے باتصویر اخبارات اس سے زیادہ اجرت دیتے ہیں۔ کوئی ایک گنی فی کالم اور لیڈیز پکٹوریل نصف گنی۔ سپکٹیٹر یا سیٹرڈے ریویو میں جو مضمون قبول کیا جائے اسکا معاوضہ پانچ پونڈ ملتا ہے۔ اور جو خوش نصیب لوگ ان اخباروں اور رسالوں کے منظور شدہ نامہ نگار ہیں انہیں روپے پیسہ کی پرواہ نہیں ہوتی بڑے بڑے مشہور لوگوں سے یہ اخبارات اور رسالے التجائیں کرکے مضمون لکھواتے ہیں۔ مثلاً مسٹر رڈیرڈ کپلنگ یا کینن ڈائل وغیرہ سے مسٹر کپلنگ کو بعض اوقات اتنی اجرت دیجاتی ہے کہ اُسے ایک ایک لفظ کا ایک ایک شلنگ مل جاتا ہے۔ گو اسی انگلستان میں ایک زمانہ تھا کہ ملٹن جیسے مصنف کو اس کی کتاب پیراڈائز لاسٹ (رضوان باختہ) کی قیمت پانچ پونڈ پیش کی گئی تھی کہ جس پر اُس نے اپنی کتاب جلادی تھی۔ تاہم غیر مشہور یا مبتدی اہل قلم کو اپنے مضامین مشہور پرچوں میں درج کرانے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ انہیں بار بار مختلف ایڈیٹروں کے پاس بغرض منظوری بھیجتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک نوجوان مضمون نگار نے اپنی مضمون نگاری کی زندگی کے پہلے سال کے تجربات کو اخبار "ویکلی سن" میں اس طرح بیان کیا تھا۔ اپنی فہرست کے حوالہ سے میں بتلا سکتا ہوں کہ میں نے کل (۱۳۲) آرٹیکل لکھے تھے کہ جن میں سے

(۲۴۳) منظور ہوئے اور (۵۱) مسترد کئے گئے۔ منظور شدگان میں سے (۲۲۳) تو پہلی دفعہ جہاں بھیجے تھے وہاں رکھ لئے گئے (۱۸) دوسری دفعہ۔ اور (۱) ساتویں دفعہ بھیجنے پر منظور ہوا۔ اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ میری بہت عمری کو اس مشکلین سے کچھ نسبت نہیں ہے کہ جس نے حال ہی میں اخبار آتھر (مصنف) میں اپنے تجربات میں بیان کیا ہے۔ کہ اس کا ایک مضمون انچاسویں دفعہ بھیجنے پر منظور کیا گیا۔ بعض غریب عورتوں اور مردوں کو جنہیں سوائے علمی پیشہ قبول کرنے کے اور کوئی راستہ روٹی کمانے کا نظر نہیں آتا۔ خدا جانے اپنے مضامین کو ایڈیٹروں کی نظروں میں قبول کرانے کے لئے کیا کیا تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔

کتابوں کے مصنف

مگر یہ سب مصنف صرف اخبارات کے لئے مضمون لکھنے میں ہی مصروف نہیں رہتے بلکہ کتابیں لکھنے میں بھی ہمیشہ ایک بڑی جماعت مشغول رہتی ہے۔ ایک بڑی ڈکشنری اور سائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کے لئے جو سٹاف ایڈیٹروں کا مامور کیا جاتا ہے اس میں ہزار ہزار اور اس سے بھی زیادہ اہل قلم جمع کئے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی کتابوں پر اور ہزارہا لوگ مصروف رہتے ہیں۔ ہر پبلشر کے پاس ایک یا زیادہ مبصر صرف اس کام کے لئے ملازم ہوتے ہیں کہ وہ دیکھیں اور کہیں کہ فلاں کتاب کا مسودہ جو انکے پاس بھیجا گیا ہے وہ کس قابلیت کا ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد مبصر مسودہ کے متعلق ایک رپورٹ لکھتے ہیں۔ جو مالک کو اس سے اندازہ لگاتا ہے کہ وہ اس مسودہ کے متعلق کتنی رقم دے سکتا ہے انگلستان میں کتابیں چھاپنا یا صحافی ایک بہت بڑا دلچسپی کا کام ہے بعض بڑے پبلشر مثل کی کیسلز، ٹنلج، چیٹو اینڈ ونڈس، لونگمین اینڈ گرین، سمتھ اینڈ ایلڈر، جیمز برادران وغیرہ نے دولت اور ناموری کما چکے ہیں۔ لیکن وہ سب گراں قیمت پر بکتی ہیں۔ اخبارات اور رسالے بہت سستے۔ مگر اب سستے لٹریچر کا دور دورہ ہے۔

سستا اور دلچسپ لٹریچر

گو مسٹر نائیٹ اور مسٹر کیسل انگلستان کے دو مشہور پبلشر اپنے اپنے وقتوں میں کتابوں اور رسالوں کے ذریعے سے لٹریچر کو ارزاں کرنے میں بہت کوشش کر گئے ہیں۔ لیکن زمانہ حال میں ایک شخص مسٹر (حال سر) جارج نیونس کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ انگلستان بلکہ انگریزی زبان کے لٹریچر پر ارزانی کے مُہر لگ گئے۔ جارج نیونس نے مانچسٹر میں ایک چھوٹا سا ہفتہ وار رسالہ بنام ٹِٹ بٹس نکالا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ اسے لندن کی سرزمین میں لاکر بونا پڑا۔ اور جیسا کہ اُس کے بعد ساری دنیا نے دیکھا ہے۔ اس ننھے پودے کو یہ زمین نہایت موافق پڑی۔ گو اس سے پہلے انگریزی زبان میں ہر قسم کے اخبار اور رسالے نکلتے تھے۔ بلکہ "سپینگ" (متفرقات) "گلیننگس" (انتخاب) "ہاف آورس ود دی بسٹ آتھرس" (بہترین مصنفین کے ساتھ آدھ گھنٹے) وغیرہ متفرق مضامین کے انتخاب بھی چھپتے رہے۔ لیکن ایسے دلچسپ پیرایہ میں معلومات اور دلچسپی کے مضامین کسی نے جمع نہ کئے تھے جیسے کہ جارج نیونس نے اپنے ننھے رسالہ میں کئے۔ اس رسالہ کو اس قدر ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ اس کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور غالباً آجکل چودہ پندرہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور اس سے اس کے بانی کا حوصلہ اس قدر بڑھا اور اُس کے پاس دولت بھی اس قدر ہوگئی کہ اس نے سٹرینڈ میگزین ماہوار۔ سنڈے سٹرینڈ ماہوار۔ ویسٹ منسٹر گزٹ روزانہ۔ کنٹری لائف ہفتہ وار۔ لیڈیز فیلڈ ہفتہ وار۔ گرینڈ میگزین ماہوار۔ اور اور کئی اخبار اور رسالے جاری کر دیئے۔ اور کتب بھی چھاپیں۔ اور اب نہایت عزت اور حرمت سے جو دولت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ زندگی بسر کرتا ہے گورنمنٹ نے اسے بصلہ خدمات لٹریچر بیرونٹسی کا درجہ عطا کیا ہے۔ اور ممبر پارلیمنٹ بھی ہے۔ سر جارج نیونس کے ٹِٹ بٹس کے تقلید میں ہارورتھ

برادران نے ٹٹ بٹس کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری کیا۔ یہ دونوں بھائی جوان عمر تھے۔ اور ان میں سے بڑے نے السٹریٹیڈ لنڈن نیوز کے دفتر میں کچھ کام پریس کا سیکھا ہوا تھا۔ انہیں بھی اپنے رسالہ میں قابل حیرت کامیابی ہوئی۔ اس رسالہ کی اشاعت بھی اب ٹٹ بٹس کے قریب قریب ہے۔ اس کامیابی نے انہیں ترغیب دی کہ اپنے پیرو مرشد کی تقلید پر یہ بھی کئی اخبار نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے ایوننگ نیوز روزانہ خرید لیا۔ ڈیلی میل جاری کیا۔ ہارمسورتھس میگزین ماہوار۔ پینی پکٹوریل میگزین ہفتہ وار۔ اور کئی رسالے جاری کر دیئے۔ اسی زمانہ میں ایک اور نوجوان پادری کے بیٹے مسٹر پیرسن نے ٹٹ بٹس کی نائب ایڈیٹری شروع کی۔ اور بتدریج ترقی کر کے اس پرچہ کا منیجر ہو گیا۔ اور پھر اپنا اخبار پیرسنس ویکلی بالکل انہیں اصولوں پر جاری کر دیا کہ جن پر ٹٹ بٹس اور انسرز پہلے چل رہے تھے۔ اور انگلستان کے پبلک کو کچھ ایسا شوق پڑھنے کا ہے۔ اور انگریزی زبان انگلستان کے سوائے امریکہ کینڈا آسٹریلیا اور دیگر کئی مقامات میں اسقدر آدمی بولتے اور جانتے ہیں کہ ہر ایک انگریزی اخبار کی خریداری خوب بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر پیرسن کے رسالہ کی خریداری بھی کئی لاکھ تک پہنچ گئی۔ اور اس نے بھی اپنے سابقین کی طرح ڈیلی ایکسپرس روزانہ۔ پیرسنس میگزین ماہوار۔ ہوم نوٹس ہفتہ وار۔ ایم۔ اے۔ پی ہفتہ وار۔ ہسپیٹل رائل ماہوار وغیرہ کئی ہفتہ وار رسالے جاری کر دیئے۔ اور ان دونوں کو بھی گورنمنٹ نے بہت بڑے خطاب عطا کئے ہیں۔ ان تینوں اولوالعزم لوگوں کے اخباروں اور رسالوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف لکھے پرچے انوکھے ہیں بلکہ ان میں ایک زندہ روح نظر آتی ہے۔ اور مجھے ہمیشہ انہیں دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اب اس سے زیادہ عمدہ اور اس سے نئی بات کوئی کیا نکالے گا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی بات ان لوگوں کو

سو جھتی ہی رہتی ہے۔ جیسے آنٹ بٹس۔ انفسرز اور پیرسنس ویکلی کے اصول پر خاص دلچسپ اور پرمذاق لٹریچر کا ایک ہفتہ وار رسالہ انتخاب لاجواب کے نام سے اردو میں جاری کیا ہوا ہے مگر اُس کی اشاعت بمقابلہ یورپ کے رسالوں کے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کا ذکر بھی کیا جائے۔ گو مختلف ہندوستانی زبان کے اخبارات کی اچھی ہندوستان کے دیسی زبانوں خصوصاً اردو زبان کے اخبارات کی توسیع اشاعت کے متعلق اکثر غور کیا ہے۔ تو ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعلیم کی قلت اور دولت کی قلت دو بڑے باعث ہیں کہ جن کی وجہ سے نہ اچھے اخبار ابھی ہمارے ملک میں تیار ہوتے ہیں اور نہ پبلک اُن کی زیادہ قدر دانی کر سکتی ہے۔ پیسہ اخبار کو اسی لحاظ سے بہت کم قیمت رکھا اور ہمیشہ اُسے اچھا بنانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی اشاعت اس حد تک پہنچ گئی کہ کبھی کسی اردو اخبار کی اس سے پہلے نہیں پہنچی تھی۔

اشتہارات اخبارات کے ساتھ اشتہارات کا مضمون اس قدر ملصق اور ملحق ہے کہ اب اس کے متعلق چند سطور لکھی جانی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ جب کوئی اجنبی شہر لنڈن کے کسی سٹیشن پر جا کر اترتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اُسے سٹیشن کے تمام در و دیوار پر نمایاں نظر آتی ہے وہ مختلف کارخانوں کے اشتہارات کے تختے ہوتے ہیں۔ جس اخبار یا گائیڈ بک کو خریدو اس میں اشتہار ہیں۔ سٹیشن سے باہر نکل کر جس امنی بس یا ٹریم گاڑی کو دیکھو وہ اشتہارات میں ڈھنپی ہوئی ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف کس قدر پوسٹر اور اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ مکانات کی دیواروں ریل کی دیواروں اور پلوں پر ہر قسم کے بڑے سے بڑے حروف میں اشتہار لکھے ہوئے ہیں۔ ایک خاص صابن کے اشتہار کے حروف میں نے قد آدم سے بھی بڑے دیکھے۔ لنڈن کے اخبارات میل۔ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی میل

وغیرہ کے اشتہارات بھی شہر میں مختلف مقامات پر دیکھے۔ ایک جگہ ریلوے لائن کے کنارہ پر اخبار ٹٹ بٹس کے نام کے قد آدم کے برابر حروف پیتل کے رنگ کے لٹک رہے تھے۔ جو شخص ایسے نرالے اشتہار کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ اسے کبھی بھول نہیں سکتا۔ آکسفورڈ سٹریٹ میں ایک لکڑی کا بنا ہوا ہاتھ جو پانچ گز کے قریب لمبا ہوگا دیکھا۔ یوں تو ہر دوکان کا سائن بورڈ نئی سے نئی طرز اور نرالے حروف کا ہوتا ہے۔ مگر بعض لوگ ایک خاص بات پیدا کر لیتے ہیں۔ لنڈن میں تو سب سے زیادہ اشتہار پیرس سوپ رپیئر صاحب کے صابن کا نظر آتا ہے۔ بیچم پلس اور کوکو وغیرہ کے اشتہار سب اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایک کارخانہ کو کبیر دیکھے ۔ اور گلیسرین کا صابن بیچتا تھا۔ اس کے اشتہار کے لئے ایک گاڑی مشہور بازاروں میں چلتی دیکھی جاتی تھی۔ جس پر قد آدم سے ایک بڑی شکل مصنوعی کیمرے کی رکھی ہوئی تھی۔ بہت سے سینڈوچ والے آدمی بڑی اشتہاروں کے تختے آگے پیچھے لٹکائے پھرتے نظر آتے تھے۔ علاوہ صابن اور کوکو اور گولیوں کے اشتہارات کے سگرٹوں کے اشتہارات بھی بہت چھپتے ہیں۔

اشتہار کے متعلق ایک عجیب تجربہ

جن دنوں میں لنڈن میں تھا۔ اسی زمانہ میں ہندوستان سے کچھ فوج چین کو بھی بھیجی گئی تھی۔ موثر اشتہار دینے کے فن میں یہ بھی ایک قابل لحاظ امر ہے کہ زمانہ کی سمت کو دیکھ کر بھی موقعہ مناسب اشتہار دیا جاوے۔ ایک روز ایک سگرٹ والے کارخانہ کا ایک نیا با تصویر اشتہار کئی اخبارات میں میری نظر سے گذرا جس میں ایک گورکھے اور ایک سکھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اور دونوں کے منہ میں سگرٹ تھے جو ایک دوسرے کے سگرٹ سے سلگا رہے تھے جیسا کہ یورپ کے اکثر شہروں میں دستور ہے۔ یوں تو دو شخص جب تک انہیں کوئی انٹروڈیوس نہ کرائے ایک دوسرے سے بات کرنا خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن اگر

ایک شخص کے منہ میں سلگا ہوا سگرٹ ہو اور دوسرا اپنا سگرٹ سلگانا چاہتا ہو مگر اُس کے پاس دیا سلائی نہ ہو تو بے تکلف دوسرے شخص کو جو اُس سے بالکل اجنبی ہو کہے گا کہ مجھے سگرٹ سلگا لینے دو۔ اور پھر دونوں منہ ایک دوسرے کے قریب کرکے اس سگرٹ کو سلگا لیگے۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس طرح اس تصویر میں ایک سکھ اور ایک گورکھا سگرٹ سلگا رہے تھے اور اُن کے نیچے انگریزی زبان میں ایک شعر لکھا ہوا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ اور گورکھا دونوں لڑنے والے بہادر سوائے ...... قسم کے تمباکو کے گذارہ نہیں کرسکتے :۔ میں نے اُس سگرٹ والے کارخانہ کو خط لکھدیا کہ تمہارے اشتہار کی تصویر اور مطلب ہی سرے سے غلط ہیں۔ سکھ کبھی تمباکو کو چھوتے تک نہیں۔ میں ہندوستانی ہوں اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسپر انہوں نے مجھے جواب دیا کہ بیشک تم ہندوستانی ہو لیکن تمہاری بات کس طرح مانیں یہاں ایک انگریز ہے جو ہندوستان میں کئی سال رہ آیا ہے۔ اور وہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ سکھ برابر تمباکو پیتے ہیں۔ مجھے اسپر وہ قصہ یاد آگیا کہ جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

تم تو سچ کہتے ہو میرے بھائی　　　گھر سے آیا ہے معتبر نائی

لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ یہ اشتہار نہیں چھپے گا۔ اس لئے میں اس کارخانہ کا نام ظاہر کرنا بے سود سمجھتا ہوں۔

اشتہار تیار کرنا ایک بھاری پیشہ ہو گیا ہے

غرض اشتہارات کو دلکش اور ذہن نشین کرنے کے لئے بیحد دانش اور فرزانگی خرچ کی جاتی ہے۔ اشتہار لکھنا اور اُن کو دلکش بنانا ایک پیشہ ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ عمدہ اشتہار لکھتے ہیں معقول تنخواہیں پاتے ہیں۔ لنڈن میں کئی ایسے کارخانے ہیں جنکا یہی کام ہے کہ بڑے بڑے اشتہار دینے والے، انہیں اپنے سال بھر کے اشتہاروں کے کام سپرد کر دیتے ہیں۔ اور انہیں بتادیتے ہیں کہ ہم اتنا روپیہ امسال

اپنے اشتہار پر صرف کرینگے۔ اب ان کارخانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس روپیہ سے عمدہ سے عمدہ نتیجہ پیدا کریں۔ دلکش سے دلکش اشتہار بنا کر اچھے سے اچھے اخبارات میں چھپوائیں یا اشتہار دیگر وسائل سے تقسیم کریں۔ اس کام کی انہیں معقول اجرت ملتی ہے۔ اور جو کارخانے سب سے اچھا کام کرتے ہیں سب گاہک انہیں کی طرف اُمڈتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو لوگ کسی کام کے سپیشلسٹ ہوتے ہیں وہ اس کام کو دوسروں سے اچھا کر سکتے ہیں انگلستان میں نصف پینی کے اخبارات کا تو قریب قریب حصر ہی اشتہارات پر ہوتا ہے۔ اُن میں اس قدر کم منافع رہ گیا ہے کہ شاید بمشکل اخبار کے پرچے کے فروخت سے سب خرچ چلتا ہوگا۔ اگر کارخانہ کو کچھ نفع ہوتا ہوگا تو صرف اشتہارات کی مد سے۔ بعض دفعہ بعض ماہوار رسالوں نے خاص خاص نمبروں میں صرف نمود اور ناموری کے خیال سے اسقدر زیادہ اشتہار لیکر چھاپے ہیں کہ انہیں محصول بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا ہے۔ کہ جسپر اشتہارات کا تمام منافع خرچ کرنے کے علاوہ کچھ گرہ سے بھی دینا پڑا۔ جس طرح برلن میں دیکھا تھا۔ لنڈن میں بھی بازاروں میں کئی جگہ برقی لیمپوں سے طرح طرح کے رنگدار حروف کے اشتہارات بنائے جاتے ہیں یعنے سادہ یا رنگین برقی لیمپوں کے جلنے سے ایک اشتہار یا دوکان کا نام کے حروف پڑھے جاتے ہیں۔ جو کہ ایک شب تاب کی طرح کبھی جلتے کبھی بجھتے ہیں۔ لنڈن اور پیرس میں برلن کی نسبت اس ترکیب کی بڑی ترقی دیکھی۔

مطالعہ کا شوق

اہل انگلستان کے مطالعہ کا شوق اسی سے ظاہر ہے کہ ایک کتاب کا لاکھ یا دو لاکھ جلدوں کا ایڈیشن ابھی چھپتا ہے اور ابھی ختم ہو جاتا ہے۔ لارڈ رابرٹس کی مشہور کتاب بابت تجربات ہندوستان شائد ایک سال کے عرصہ میں پندرہ یا بیس مرتبہ چھپکر فروخت ہو گئی تھی حالانکہ

اُس کی قیمت بھی بیس پچیس روپیہ فی جلد کی تھی۔ لنڈن میں سٹرڈے ریویو لٹریچر اور اکیڈیمی وغیرہ کئی اخبار اس مطلب کے نکلتے ہیں جو ہر ہفتہ صرف نو طبع کتابوں پر ریویو اور نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ یا ریویو آف ریویوز کی طرح تمام ایسی کتابوں کی فہرست چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ اہل انگلستان بلا کے پڑھنے والے ہیں جو بیشمار کتابوں کو خریدتے ہیں۔ مگر چونکہ ہر شخص جتنی کتابیں پڑھنا چاہتا ہے۔ نہیں خرید نہیں سکتا۔ اس لئے سرکولیٹنگ لائبریریوں کی ضرورت لاحق ہوئی اور موڈی کے مشہور سرکولیٹنگ لائبریری سب سے بڑا کارخانہ اس قسم کا ہے[1] جہاں سے دن بھر میں ہزارہا مرد اور عورتیں پڑھنے کو کتابیں لے جاتے ہیں۔ اور پڑھ کر واپس دی جاتی ہیں۔ اور مقررہ شرائط کے مطابق لائبریری کا چندہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ شہر لنڈن میں ہزار سے بارہ سو پارسل جن میں پانچ چھ ہزار کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر روز موڈیز لائبریری تقسیم کرتی ہے۔ یہ لائبریری صرف لنڈن کے گاہکوں کو ہی کتابیں نہیں بہم پہنچاتی بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں اس کے گاہک ہیں۔ یہاں تک کہ روس ہندوستان۔ ممباسا۔ چین تک اس کی کتابوں کے پارسل جاتے ہیں۔ انگلستان کے مفصلات میں ہر ہفتہ نوسو پارسل بذریعہ ریل اور سوا سو پارسل بذریعہ ہرکاروں کے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جونہی کوئی نئی کتاب پریس سے نکلتی ہے اور ریویو کرنے والے اس کی کچھ بھی تعریف کر دیتے ہیں۔ تو موڈی صاحب کی لائبریری میں اس کی سینکڑوں جلدیں خرید لی جاتی ہیں۔ خواہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیسی نکمی نکل آئے۔ ایک دفعہ موڈی کی لائبریری میں ایک کتاب کی ۳۵ سو جلدیں ۲۲ شلنگ فی جلد کے حساب سے خرید لی گئیں اور پیچھے وہ کتاب ایسی نکمی نکلی کہ ۶ پنس کو بھی اُس کی ایک جلد نہ بکی۔ جب سب لوگ کتابیں پڑھ کر اس لائبریری

[1] میرے آنے کے بعد اخبار لنڈن ٹائمز نے بھی ایک ہی قسم کی لائبریری قائم کی ہے۔

میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اور وہ مستعمل ہو چکتے ہیں۔ تو موڈی والے انہیں بہت کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ کارخانہ میرے ہوٹل سے بہت قریب میرے راستہ میں تھا۔ اور میں اکثر دیکھتا تھا کہ کتنے لوگوں کو شوق مطالعہ ادھر کھینچ لاتا تھا۔

دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ

اسی کے قریب ایک دوسری جگہ ہے کہ جہاں مطالعہ کرنے والوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ اس سے میری مراد برٹش میوزیم کی لائبریری سے ہے۔ جو دنیا بھر میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے جب کبھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کرو تو کم وبیش چار سو مرد اور عورتیں اس کے ریڈنگ روم میں کتابوں میں مصروف پاؤ گے۔ ان میں سے کوئی تو پرانی کتابیں اس لئے پڑھتا ہے کہ کوئی نئی کتاب لکھے۔ کوئی اخباروں اور رسالوں میں لکھنے کے لئے مضمون تلاش کر رہا ہے۔ اور کوئی اپنے شوق کی آگ کو علم کے پانی سے بجھا رہا ہے۔ ان پڑھنے والوں میں دنیا کی ہر قوم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ کہیں تو ایک نوجوان پولیٹشن کسی فراموش شدہ تقریر سے فقرے نقل کر رہا ہے۔ کہیں نوجوان مصنف پرانے خیالات نئے لباس پہنانے کے لئے تلاش کر رہا ہے۔ کہیں جفاکش مؤرخ مختلف بیانات کو میزان عقل میں تول رہا ہے۔ کہیں اخباری مضمون نگار بڑی سرعت سے کسی آرٹیکل کا مصالح جمع کر رہا ہے۔ کہیں بوڑھا پروفیسر اپنے فلسفی شکوک کو دور کر رہا ہے۔ سائنس دان۔ ریاضی دان۔ شاعر جرمن امریکن اور ہندوستانی سب پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اپنے علمی ذوق کو پورا کر رہے ہیں۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ برٹش میوزیم کا کتب خانہ دنیا بھر میں بڑا کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ اور میں نے یہ بات بلا سوچے سمجھے نہیں کہی۔ اس وقت اس عظیم الشان کتب خانہ میں بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں اور ایک لاکھ نئی کتابیں بالاوسط ہر سال میں اور جمع ہو جاتی ہے جب سے

برٹش میوزیم کے ٹرسٹیوں کو فکر لاحق ہو رہی ہے۔ کہ ان کے رکھنے کے لئے کہاں سے جگہ نکالیں۔ اس وقت بھی اتنی الماریاں کتابوں کی موجود ہیں کہ انہیں پہلو بہ پہلو رکھا جائے۔ تو اٹھاون میل لمبی قطار ان سے بنتی ہے۔ ایک ناخن کے برابر چھوٹی سی کتاب سے لیکر ایک لمبے سے لمبے آدمی کے قد کے برابر کتابیں یہاں موجود ہیں۔ دوسری طرف ایک آنے قیمت کی کتاب سے لیکر چھ ہزار پونڈ یعنے نوے ہزار روپیہ کی ایک مزارن بائبل ہے۔ اور کل کی چھپی ہوئی کتابوں سے لیکر حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پہلے کی بنی ہوئی کتابیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں عربی۔ فارسی اور سنسکرت کے ہزارہا عدیم المثال قلمی کتابیں بھی جمع ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لئے لنڈن کے کسی معزز شخص کی معارفی چٹھی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ مجھے ایک "بوری ہیں" سے چٹھی حاصل کی تھی۔ منجملہ بہت سی دلچسپ کتابوں کے جو یہاں مجھے دیکھنے میں آئیں بعض یہ تھیں۔ ایک نہایت عمدہ قلمی قرآن مجید تھا۔ جو ابن الواحد نے بحکم رکن الدین (بعہد ملک المظفر بیکے) مملوک سلاطین مصر ۱۳۰۴ء عیسوی میں لکھا تھا جو اب چھ سو سال کا پرانا ہے۔ لیکن نہایت اچھی حالت میں ہے۔ بہت خوشخط اور تمام طلا سے لکھا ہوا ہے۔ ہر بڑی تقطیع کے صفحہ میں چھ سطریں ہیں۔ حروف کی حدود نہایت صاف باریک سیاہ خطوط سے بنا کر اندر زمین سنہری کر دی گئی ہے۔ جو بڑی صنعت کا کام ہے۔ ترکی کی ایک قلمی کتاب پاشا نامہ حالات جنگ ہائے کپتان پاشا پر مشتمل تھی۔ جو ۱۷۷۶-۷۹ء میں اس نے عیسائیوں سے کئے۔ اس میں ترکی جنگی بیڑے کی اس وقت کی تصویر بھی تھی جبکہ اس نے بحیرہ خضر میں کاسکون پر بحری فتح حاصل کی تھی۔ گو ترکوں کے بحری فتوحات اب زمانہ گذشتہ کے فسانے ہو گئے ہیں۔ ایک حکایات حکیم بیدپا (انوار سہیلی)

ساتھ کی ترجمہ شدہ ۱۵۰۰ کا تھا۔ اور ہزاروں دوسری کتابیں تھیں کہ جن کی فہرست دو بڑی بڑی جلدوں میں تھی۔ جو باوجود خواہش کے بھی میں نہ خرید سکا کیونکہ اُس کی قیمت سو روپیہ کے قریب مجھے بتلائی گئی تھی۔

کتابوں کی تجارت

میں نے دو چار طریقے کتابوں کے تجارت کے شہر لنڈن میں دیکھے۔ ان کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے تو کتاب کے چھپنے کے بعد اُسے ریویو کے لئے مختلف اخبارات کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ وہاں تنقید گو ٹک (نکتہ چین) ان کتابوں کا ریویو کرتے ہیں۔ اگر ریویو اچھے ہو گئے تو کتاب اتنی جلدی بکتی ہے کہ جتنی جلدی کسی نیستان میں آگ پہنچے۔ سرکولیٹنگ لائبریریاں بھی بہت سی کتابیں خرید لیتے ہیں لیکن جب کتاب کئی روز تک نہیں بکتی تو پبلشر بیچی سب کتابوں کو ردی کی طرح برائے نام قیمت کو بیچ دیتا ہے۔ اور بعض کتب فروش انہیں خرید کر [illegible] کی کتاب [illegible] بیچتے [illegible] کی فروخت اور نیلام الگ ہوتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی [illegible] نیو آکسفورڈ سٹریٹ [illegible] [illegible] ایک پوری گلی ہی ایسی دوکانوں سے بھری ہوئی ہے۔ مگر ان دوکانوں میں بھی نئی کئی ہزار روپیہ کی کتابیں موجود ہیں۔ میں نے لنڈن سے بہت سی نئی کتابیں بھی خریدیں لیکن ان دوکانوں سے بڑی بڑی انسائیکلوپیڈیا۔ پاپولر سائیکلوپیڈیا۔ جیمس ڈکشنری آف [illegible]۔ اور [illegible] [illegible] ڈکشنری آف [illegible]۔ [illegible] ڈکشنری وغیرہ خریدیں۔ سوائے ڈکشنری آف [illegible] کی یہ سب کتابیں [illegible] چند صندوقوں میں تھیں۔ اور دو بڑے صندوقوں میں بند کرکے جیسے ایجنٹ نے کہ جس کے سپرد میں یہ کام کر آیا تھا لنڈن سے میرے جدہ ہندوستان کو روانہ کیں۔ ایک تاجر [illegible] نے ایک اور طرح کی کتابیں بیچنے کا لنڈن کی ایک دوکان میں دیکھی

ایک کتب فروش کی دوکان میں بہت سے آدمی جمع تھے۔ اور وہ سامنے بلند چبوترہ پر کھڑا ہو کر ہاتھ میں کتابیں لے کر نیلام کر رہا تھا۔ اور لوگ سستی سمجھ کر دست بدست خرید رہے تھے۔ میں نے بھی ایک دو کتابیں لیں لیکن میں نے سمجھا کہ یہ شخص انہیں کتابوں کو اس قیمت پر جو پیش کی جاتی تھیں دینا تھا۔ کہ جن میں وہ سمجھتا تھا اُسے خسارہ نہیں۔ اور اس ڈھنگ سے بہت سی کتابیں تھوڑے وقت میں بیچ سکتا تھا۔ یہاں ایک انگریز نے ترکی ٹوپی سے مجھے ترک قیاس کر کے مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی آخر اپنی غلطی معلوم کر کے عربی بولنے لگا۔ اور پھر فارسی میں بلا تکلف گفتگو کرنے لگا۔ میں اُس سے کسی قدر دنگ ہو گیا۔ جب میں نے کہا میں ہندوستانی ہوں تو وہ کہنے لگا تب سنسکرت میں بات کروں۔ میں نے اس سے پناہ مانگی۔ معلوم ہوا کہ آپ قسطنطنیہ میں ڈپلومیٹک سروس کے متعلق کئی سال تک رہ چکے ہیں۔ سنسکرت کالج میں پڑھی تھی۔ بیرسٹری کی سند بھی رکھتے ہیں۔ مگر اب لنڈن میں اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں۔ واضح ہے کہ لنڈن میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے بیرسٹری کی سند لے رکھی ہے۔ مگر تجارت یا اخبار نویسی یا مدرسی میں مصروف ہیں۔ اور قانونی پریکٹس نہیں کرتے۔ اور اخبارات کے دفتروں میں مختلف زبانوں کے جاننے والے ضرور رکھے جاتے ہیں۔ کوئی زبان نہ ہوگی جس کے جاننے والے بیٹھے ہوئے اخبارات کے دفتر میں نہ ہوں۔

لنڈن کا ڈاکخانہ

لنڈن کا ڈاکخانہ جو سینٹ مارٹن ناگرن میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ہی تار گھر بھی ہے۔ دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے جس شہر میں اس کثرت سے تجارت ہو۔ تعلیم کا یہ چرچا ہو اخبارات کی یہ ترقی وہاں کے تار گھر اور ڈاکخانہ کی عظمت اور مصروفیت کا کیا حال ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تمام انگلینڈ میں کوئی لوگ اپنے کام میں نہایت

سرگرمی اور مستعدی سے مصروف ہیں تو وہ تار اور ڈاک کے ملازم ہیں۔ انگلستان کے ڈاکخانہ میں کم از کم دو ارب چٹھیاں اور پوسٹ کارڈ سال تمام میں آتے ہیں کہ جن میں سے ثلث حصہ لنڈن کا ہوتا ہے اور جس پھرتی اور تیزی سے انہیں جنرل پوسٹ آفس کے سارٹنگ کلرک تقسیم کرتے ہیں۔ وہ قابل دید ہوتی ہے بعض بعض کلرک پچاس چٹھیاں ایک منٹ میں تقسیم کرتے ہیں مگر تیس چالیس تو سب پھینکتے ہیں علاوہ چٹھیوں کے منی آرڈروں اور پارسلوں کی سالانہ تعداد کئی کروڑ تک ہوتی ہے۔ پچاس لاکھ پونڈ کے منی آرڈر سال تمام میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور سیونگ بینک میں جسے پہلے پہل انگلستان ہی کے ایک پادری صاحب نے ایجاد کیا تھا۔ اور اس کے بعد دنیا کے دیگر ممالک نے اسے اختیار کیا۔ اس وقت انگلستان کے غریب لوگوں کے تین کروڑ پونڈ جمع ہیں۔ انگلستان کے صیغہ ڈاکخانہ کی آمدنی نو ملین اور خالص سالانہ منافع تین ملین پونڈ ہے جو انگلستان جیسے چھوٹے ملک کے لئے بہت بڑا ہے۔

کنگال اور غریب لوگ

یہ بھی ایک خدا کی شان ہے کہ اس دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شہر میں بدرجہ کے کنگلے اور محتاج لوگ بھی بکثرت رہتے ہیں۔ ایسے محتاج کہ جن کے جسم پر ثابت کپڑا نہیں جوتا اور جو سردی اور بارش میں پیٹ سے بھوکے آسمان کے شامیانے کے نیچے زمین کے بستر پر سونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ان میں بعض ایسے سوتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں جاگتے۔ ان میں سے بعض کے کپڑے ایسے میلے کچیلے اور دریدہ ہوتے ہیں کہ ان کے پاس سے گذرتے ہوئے گھن معلوم ہوتی ہیں یہ لوگ گلیوں کے ناکوں پر بھیک کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ منہ سے کچھ نہیں بولتے۔ کیونکہ انگلستان کے قانون کے مطابق بھیک مانگنا جرم ہے۔ لیکن ان کی صورت ہی سوال معلوم دیتی ہے۔ ان میں سے سیکڑوں نادار عورتیں اور مرد سر راہ دیا سلائیاں۔ جوتوں یا بوٹوں کے تسمے وغیرہ بیچتے

سستی چیزیں لئے کھڑے رہتے ہیں یہ اگر اندھے ہوں تو یہ چیزیں ایک لکڑی میں ڈال کر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ ظاہراً وہ ان چیزوں کو بیچنے کے لئے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن مخیر لوگ انکا مطلب سمجھتے ہیں مثلاً ایک دیا سلائی کی ڈبیہ لیکر چار یا اس سے زیادہ دیا سلائی کی ڈبیوں کی قیمت دے جاتے ہیں۔ پیرس میں یہ دستور لنڈن سے زیادہ تھا۔ جنگ میں جن لوگوں کے ہاتھ پیر کٹ جاتے ہیں ایسے بھیک مانگنے والوں کو فرانسیسی خیرات دیتے ہیں۔ لنڈن میں بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ نصف پینی کا اخبار کسی پہننے ہوئے کپڑوں والے نیوز بائے سے خریدا اور اسے پینی دیکر باقی نصف پینی واپس نہیں لی۔ میرے خیال میں اس شہر میں پچاس ہزار اور لاکھ کے درمیان لڑکے اخبار بیچنے سے روٹی کماتے ہونگے۔ اور یہ ان دو تین لاکھ دوسرے کنگلوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کہ جن کا ایک بڑا مجمع اکثر اوقات چیرنگ کراس کے پاس دیکھا جاتا ہے یا شہر کے مختلف حصوں میں منتشر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کی صورتیں کیسی مسخ ہوگئی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور اور دستکار ہوتے ہیں مگر شرابخوری کی بدولت جب انکے کام کاج چھوٹ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ اس ذلت اور مصیبت کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان شرابخوری کے شکاروں میں بعض عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ معصوم بچے بھی اسی مصیبت کی حالت میں پلتے جاتے ہیں۔ قانون انگلستان نے جہاں ان لوگوں کے لئے گداگری کی ممانعت کردی ہے۔ ان کے پناہ لینے کے لئے ورک ہاوس قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں انہیں روٹی اور بستر دیا جاتا ہے مگر تھوڑا بہت کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے کئی "ہوم" اور پناہ کی جگہیں مخیر لوگوں نے بنائی ہوئی ہیں لیکن اسپر بھی بہت لوگ عمداً ان میں نہیں جاتے۔ بعض جگہ "رگڈ سکول" (چیتھڑے پوشوں کے مدرسے)

ایسے ہیں جہاں ان بچوں کو نیک ہدایت اور تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ان کی روٹی کپڑے کی بھی کفالت کی جاتی ہے۔ لنڈن کے نیک لوگ ایسے لاوارث اور مفلس بچوں کو نہ صرف کھانا کپڑا ہی دیتے ہیں بلکہ ان کی یہاں تک خبرگیری کرتے ہیں کہ سال میں ایک آدھ دن انہیں گاڑیوں پر سوار کر کے شہر سے باہر سبزہ زاروں میں بغرض تفریح لے جاتے ہیں۔ اور جب چھکڑوں کے چھکڑے ایسے بچوں کے نزہت گاہوں سے واپس آتے ہیں تو انہیں خوش دیکھ کر طبیعت کس قدر خوش ہوتی ہے۔ تیوہاروں اور خوشی کے موقعوں پر لارڈ میئر یا دیگر معتبر لوگ ان مفلس اور محتاج لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ جیسا کہ حال میں ملک معظم ایڈورڈ کی تاج پوشی کی تقریب پر کثیر التعداد کنگلوں کو کھانا دیا گیا تھا۔

غنڈے

ان کنگلوں میں ایک جماعت سرکش اور بدمعاش لوگوں کی بھی ہے۔ جو اندھیرے سویرے سنسان جیسے شہر کی گلیوں میں بھلے مانسوں سے چیزیں چھین جھپٹ لیتے ہیں۔ انہیں لنڈن کی اصطلاح میں ہولی گن (Hooligan) کہتے ہیں۔ اور آجکل لنڈن کے افسران پولیس اور بعض دیگر منتظم اس فکر میں ہیں کہ کس طرح لنڈن کو ان کمبختوں سے نجات دلائی جائے۔ لڈگیٹ سرکس کے پیچھے ایک کوچہ میں جہاں سے کم آدمی گذرتے ہیں۔ ایک روز ایک کنگلے نے ایک پینی مانگی۔ میرے پاس اتفاقاً ایک نصف پینی تھی جو میں نے اسے دی۔ یہ بظاہر بہت شریر معلوم ہوتا تھا کہ مجھے اس کی شکل سے ڈر آگیا کہ حملہ نہ کر بیٹھے۔ ایک روز ویسٹ منسٹر برج (پل) سے میں گذر رہا تھا۔ وہاں بنچ پر چھ نوجوان کنگلے نہایت میلے کچیلے بیٹھے کچھ پھل کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ہنسنے اور گھورنے لگے۔ ایک شام کو میں ہائیڈ پارک سے واپس آرہا تھا۔ ابھی بارش تھمی تھی کہ میں نے دیکھا ایک کنگلا ایک بنچ پر سویا ہوا ہے۔ ایک دوسرا ایک بنچ کے نیچے پڑا ہوا تھا

ایک روز سینٹ پال کے گرجا کے سامنے ایک ایسا ہی کنگلا ہاتھ میں شہر لنڈن کا ایک نقشہ لیکر کھڑا ہوا تھا۔ جو میرے قریب آکر کہنے لگا کہ اسے خرید لو۔ میں نے لینے سے انکار کیا تو اُس نے کچھ منت اور کچھ اصرار کیا کہ میں اسے خرید لوں۔ میں نے قیمت پوچھی تو اُس نے چھ پنس بتلائی۔ ہر چند کہ وہ اتنے کی چیز نہ تھی۔ مگر میں نے اُسے چار پنس دینے چاہے۔ اُس نے کہا اتنے میں تو مجھے ملا ہے۔ آخر اُس نے چار پنس مانگے۔ اور میں نے طوعاً وکرہاً اُسے دیئے۔ جب میں یہ نقشہ لیکر سینٹ پال کی پچھلی طرف ایک بنچ پر بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک کتاب لنڈن گائیڈ تین پنس کو ملتی ہے۔ جس میں یہ نقشہ مفت ملتا ہے۔ اور پھر بھی یہ اُس شخص کے ہاتھوں میں میلا ہو چکا تھا۔ ایک اور قسم کے کنگلے شہر کے بازاروں میں آرگن یا کوئی اور باجہ ہورس نگی وغیرہ کی قسم کے بجاتے پھرتے ہیں۔ یہ عورت مرد یا دو مرد ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ اندھے بھی ہوتے ہیں۔ جو بازار کی کسی کسی جگہ میں کھڑے ہو کر بجانے لگتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگ انہیں کچھ پیسے دے جاتے ہونگے۔ یہ تو انہیں بھی کنگلے ہی کہونگا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو آرٹسٹ پروفیسر موسیقی سمجھتے ہوں۔ لنڈن برج کے پاس ایک روز ایک اندھا دیکھا جس کے گلے میں ایک برتن لٹک رہا تھا جس میں لوگ پینی پھینک جاتے تھے۔ اور یہ ایک کا غذ کو نہایت سیدھی قطاروں سے چھید رہا تھا۔ یہ سب مانگ کھانے کے نئے نئے ڈھنگ ہیں۔

زمین کے نقاش

اب جس قسم کے کنگلوں کا میں ذکر کرنے لگا ہوں وہ خود ہی آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کہتے بھی پیومنٹ آرٹسٹ (فرش کا نقاش) ہیں۔ مگر یہ بھی صرف کنگلے اور بھیک منگنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کی شکل اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ ایسے شخصوں کو راستوں کے ایک طرف بلند یا نشیب سطح پر پتھر وغیرہ کے فرش پر اپنے

سامنے چاک وغیرہ رنگوں سے تصویریں بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک نے
اپنی تصویروں کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ "ان کو گجرات دلائیں"۔ ہر ایک جو ملے گی
ٹکٹ پر خرچ کی جائیگی وغیرہ۔ تصویریں متوسط درجہ کی خاصی بنی ہوئی تھیں
ایک سابق شاہ ایران کی ایک ملکہ قیصرہ مرحوم کی۔ ایک لارڈ رابرٹس کی۔
ایک دوسری جگہ آرٹسٹ کی اپنی تصویر بھی تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔
"آپکا عاجز خادم غریب آرٹسٹ" ایک نے ہی کی تصویر بنا کر اُس کے نیچے
لکھا ہوا تھا۔ "زمانہ بہت سخت آگیا ہے" ایک گھوڑے کی تصویر کے نیچے
لکھا تھا "دانہ مانگتا ہے" غرض ہر تصویر منہ سے سوال کر رہی ہوتی ہے۔
اور بعض لوگ پاس سے گذرتے ہوئے آرٹسٹ کو کوئی نہ کوئی پیسہ پھینک
جاتے ہیں۔ اکثر لونڈے ان تصویروں کے گرد کھڑے رہتے ہیں جس بعض
جھڑی یا بارش ہو ان بیچاروں کا کام نہیں چلتا۔ کیونکہ زمین نمناک
ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے رفع دفاع کی ذہانت نے یہ بندوبست کر دیا
ہے کہ بعض پیومنٹ آرٹسٹ بجائے زمین کے لکڑی کے سیاہ تختوں پر
اپنی تصویریں بناتے ہیں۔ میں نے ایک روز ایک ایسے آرٹسٹ سے پوچھا
کہ فلاں شخص کی تصویریں بہت اچھی تھیں جو تختوں پر کھینچی ہوئی تھیں۔
اُس نے ناک منہ چڑھا کر صاف جواب دیا کہ وہ اُس کا اپنا کام تھوڑا ہی
تھا۔ وہ تو ایک دوسرا شخص تختوں پر بنا دیتا ہے۔ اور اُس نے کئی
ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں۔ جو اُن تختوں کو زمین پر جاکر بچھاتے ہیں۔ اور
جو آمدنی ہوتی ہے بانٹ لیتے ہیں۔ اور یہ تو میرا تمام اپنے ہاتھ کا کام ہے میں
یہ سنکر حیران ہوگیا کہ دنیا کے ہر پیشہ میں کچھ نہ کچھ راز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم

لیکن جہاں لنڈن میں اسقدر ناقابل بیان مصیبت اور افلاس کا عذاب ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے کئی مخیر لوگ اس کی کم کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ وہ لاوارث

لڑکوں اور لڑکیوں کو گداگری اور مصیبت کی زندگی سے چھین کر انہیں یتیم خانوں میں جمع کرتے ہیں۔ وہاں انہیں صرف روٹی کپڑا ہی متوسط الحال لوگوں کے بچوں کی طرح نہیں دیتے بلکہ انہیں لکھنا پڑھنا بھی سکھلاتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی دستکاری اور ہنر بھی سکھلاتے ہیں۔ کہ جس کے ذریعہ سے وہ شریفانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ انگلستان میں اس قسم کے خیرات خانوں اور یتیم خانوں میں ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم سب سے بڑے ہیں۔ کہ جن کی لنڈن اور انگلستان کے بعض دوسرے شہروں میں کئی شاخیں ہیں۔ ان میں ہر وقت پانچ چھ ہزار لڑکوں لڑکیوں کا کنبہ جمع رہتا ہے۔ اس نیک مرد نے پینتالیس سال گذرے ہیں ایک روز راستہ میں ایک لاوارث بچے کو قابل رحم حالت میں پاکر اس کی پرورش کا ارادہ کیا۔ اور اس خیال کو ترقی ہوتے ہوتے کئی بچے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کا محتاج خانہ سلطنت میں اور شاید دنیا میں سب سے بڑا ہو گیا۔ اس محتاج خانہ نے آج تک چالیس ہزار بچے لنڈن وغیرہ شہروں کی گلیوں کی ذلت اور آوارگی کی زندگی سے بچا کر پرورش کئے ہیں اور انہیں کام کے آدمی اور عورتیں بنا دیا ہے۔ جو اس وقت یا تو شریف لوگوں کے گھروں میں خدمتگار اور محافظ ہیں۔ اور یا اپنے کاروبار تجارت ملازمت اور زراعت میں مصروف ہیں۔ ہر سال ایک بڑی کھیپ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی یہاں سے کینیڈا میں سکونت پذیر ہونے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ جب اب تک ساڑھے بارہ ہزار سے زیادہ زن و مرد پہنچ چکے ہیں۔ ڈاکٹر برنارڈو کا دعوےٰ ہے کہ تیس سال ہوئے جو انگلستان کے جیل خانوں میں ہر ایک لاکھ آبادی کے پیچھے چالیس قیدی ہوتے تھے۔ اور اب صرف ۲۶ قیدی رہ گئے ہیں۔ اس کمی میں ہمارے ہوم نے بھی مدد کی ہے۔ اس لمبے چوڑے کنبہ کا خرچ کہاں سے آتا ہے

اس راز کو ڈاکٹر برنارڈو اس طرح افشا کرتا ہے۔ یہ نیک شخص کہتا ہے کہ مجھے روپیہ کی قلت سے بارہا فکر لاحق ہوئی ہے۔ لیکن جب میں نے خدا سے دعا مانگی کہ تیرا یہ لمبا چوڑا کنبا بھوکا نہ رہے۔ تو کوئی نہ کوئی موری وقت پر پہنچ گیا۔ اور اس نے مدد دی۔ میں نے ہمیشہ اخبارات میں اپنی ضرورتیں بیان کیں اور خدا کے دستِ غیب نے لوگوں کے ہاتھ سے مجھے کافی روپیہ دلوایا۔ "نائٹ اینڈ ڈے" (شب و روز) کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اس ہوم کے حالات اور ضروریات کے متعلق چھپتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر برنارڈو کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر اس کا ہوم برابر جاری ہے۔

انگلستان میں شراب خواری

جتنی شراب پینے کی دوکانیں اور بار لندن میں نظر آتی ہیں۔ اتنی کسی شہر میں نہ ہونگی۔ اہل انگلستان بڑی شراب خور قوم ہیں۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں اہل انگلستان نے (۱۸۱۷۹۱۹۲۰) پونڈ میخواری میں صرف کئے۔ یہ رقم اس وقت تک جنگ ٹرنسوال کے اخراجات سے زیادہ تھی۔ تمام ملک کے کپڑوں کے سالانہ خرچ یا کھیتوں اور مکانات کے کل کرایہ اور محصول کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ ہر شخص اگر مذہبی امور میں ایک شلنگ خرچ کرتا ہے۔ تو شراب پر سات شلنگ خرچ کرتا ہے۔ ہرچند کہ دنیا جانتی ہے کہ اہل انگلستان اپنی مذہبی مشنوں اور گرجوں کی امداد میں کس قدر روپیہ دیتے ہیں۔ بجا لیکن وہ ان کی شراب خوری کے بل کا صرف آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ انگلستان کا افلاس۔ عدالتوں کے مقدمات۔ طلاقیں۔ ریلوں کے حادثات اور اکثر دیگر جرائم زیادہ تر اسی کثرت شراب خوری کی وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

لندن کی صبح

چونکہ یہاں لوگ رات کو دو دو تین تین بجے تک یا شاید اس سے بھی زیادہ جاگتے رہتے ہیں۔ اور تماشہ گاہوں یا سیر و تفریح میں

مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ صبح سویرے نہیں جاگتے۔ کہتے ہیں کہ لنڈن میں پانسو کے قریب ہر قسم کی تماشہ گاہیں ہیں جن میں پچاس تھیٹر اور باقی میوزک ہال وغیرہ ہیں۔ مگر میں نے وہاں ایک مرتبہ بھی تھیٹر نہیں دیکھا۔ ہرچند کہ رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر نے تاکید کی تھی کہ لنڈن کا تھیٹر ضرور دیکھنا تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ کیوں یہ لوگ اتنی اتنی راتوں تک ایک ہی تماشہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے ایک دن صبح کو بہت سویرے اٹھکر لنڈن کے بازاروں کی کیفیت دیکھی۔ ۲۳ اگست کو ۶ بجے صبح مکان سے نکلا۔ سوائے غریب آدمیوں۔ مزدوروں۔ اخباروں کی گاڑیوں۔ دودھ کی دستی گاڑیوں اور راجب ریچنے والے لونڈوں۔ اور ذخائر خورد و نوش اور اسباب کی گاڑیوں کے بازاروں میں اور کچھ نہ تھا اس اُجلے راہ روؤں کی بھیڑ یا دوکانوں کے خوبصورت مال و اسباب کا اس وقت کچھ پتہ نشان نہیں ملتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری کام گلیوں کی صفائی۔ اور سامان خورد و نوش اور اخبارات پہنچانے کے صبح ہی صبح ختم ہوجاتے ہیں۔ تب شہر کے چہل پہل اور بازاروں کی رونق شروع ہوتی ہے۔ اخبارات بھی نوشتہ کے ساتھ ہی ان لوگوں کی ضروریات ہونے ضروری ہیں۔ گویا کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے جبھی تو اخبارات کی اشاعت کی یہ کیفیت ہے۔

برٹش میوزیم لنڈن کے قابل دید مقامات میں برٹش میوزیم بلحاظ اپنے بیش قیمت خزانوں کے اول درجہ رکھتا ہے۔ اس میں زمانہ قدیم کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہ ہونگے۔ اور یہ سب مجموعہ ایک دن یا ایک سال میں جمع نہیں ہوگیا۔ بلکہ ڈیڑھ صدی کی ساری قوم کی لگاتار کوشش اور بے اندازہ روپیہ کے خرچ سے جو کچھ جمع ہوسکا وہ یہاں موجود ہے۔ سنہ ۱۷۵۹ء میں پہلے پہل یہ میوزیم کھولا گیا۔

پہلے صرف مطبوعہ کتابوں قلمی کتابوں و نیچرل ہسٹری (علم الحیوان) کے تین حصے دس میں کھولے گئے تھے۔ مگر ترقی کرتے کرتے اب اس میں نو حصے موجود ہیں۔ اور باوجودیکہ پہلے مکان میں اور بہت سے مکان اُدھر اِدھر اضافہ کئے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی نیچرل ہسٹری کا مجموعہ بوجہ عدم گنجائش ساؤتھ کنسنگٹن کو منتقل کر دیا گیا۔ اور اسی عجائب گاہ میں اب انڈین میوزیم بھی شامل ہے۔ پہلے پہل سر ہنس سلون کا عتیقہ اشیاء کا مجموعہ سنہ ۱۷۵۳ء میں بیس ہزار پونڈ کو گورنمنٹ نے خریدا۔ و ہارلین کے قلمی نسخوں اور کوٹن کتب خانہ کو اس میں شامل کر کے میوزیم کی بنیاد رکھی گئی۔ سنہ ۱۷۵۳ء میں پارلیمنٹ نے سر ولیم ہیملٹن کا رومن برتنوں وغیرہ کا مجموعہ خریدا۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں مصری عتیق اشیا حاصل کی گئیں۔ ٹونلی سنگ مرمر اور کرنل گریول کے معدنیات سنہ ۱۸۱۲ء میں خریدی گئیں۔ سنہ ۱۸۱۵ء کے سن کے بعد یونان کی عمارات سے بیش قیمت سنگ مرمر لارڈ الجن لے آیا۔ ساڑھے تیرہ ہزار پونڈ کو ۱۸۱۸ء میں ڈاکٹر برنی کا کتب خانہ خریدا گیا۔ سر جوزف بینکس کا کتب خانہ اور نباتات کے نمونے سنہ ۱۸۲۰ء میں وصیت کے ذریعے سے ملے۔ سنہ ۱۸۲۳ء میں شاہ جارج چہارم نے اپنے باپ جارج سوم کی منتخب لائبریری وقف کر دی جس میں ستر ہزار کتابیں تھیں۔ انگلستان کے کاپی رائٹ کے قانون کے مطابق ہر کتاب کی ایک جلد برٹش میوزیم میں رکھنے کے لئے لی جاتی ہے۔ اور نیز بہت سا روپیہ کتابوں پر خرچ کیا جاتا ہے جس سے اب بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں۔ ریڈنگ روم کا عالیشان کمرہ مع اپنے خوبصورت گنبد اور پڑھنے والوں کے دائرہ نما نشستوں کے بہت دلچسپ ہے۔ اس وقت یہ نو حصے اس بے سر و پا عمارت کے مختلف کمروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۱) ڈائرکٹر اور بڑے لائبریرین کا دفتر۔ (۲) یورپین مطبوعہ کتابیں (۳) یورپین قلمی نسخے۔ (۴) مشرقی مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے۔ (۵) تصاویر

اور نقشے چھپے ہوئے (۶) مصری اور اسوری عتیق چیزیں (۷) یونانی اور رومی عتیق چیزیں (۸) انگریزی اور قرون وسطی کی عتیق چیزیں اور علم اقوام انسان کے نمونے (۹) سکے اور تمغے۔ علاوہ کتب خانہ کے عام ریڈنگ روم کے بعض صیغوں مثل مشرقی قلمی نسخوں وغیرہ کے متعلق خاص طالب علموں کے ریڈنگ روم ہیں جو خاص خاص شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اخباروں کے ریڈنگ روم میں انگلستان کے تمام اور یورپ کے بڑے بڑے اخبار گزشتہ صدی کے موجود ہیں۔ یورپ کی عتیق چیزوں میں بہت پرانے زمانے کے پتھر اور دھاتوں کے اوزار اور کلہاڑے۔ اور تیروں کے پھل سٹون ایج (Stone age) یعنی (زمانہ سنگ) کے دلچسپ تھے بیکن کے کمرہ میں ایک عجیب وغریب مجموعہ ابتدائی زمانہ کی جیب گھڑیوں بطلایوں اور ڈائلوں کا تھا۔ ایک کمرہ میں سونے کے زیورات اور جواہرات نہایت قدیم اقوام کے جمع کئے گئے تھے۔ دو کمروں میں چینی اور جاپانی برتنوں اور چیزوں کے نمونے تھے۔ ایک جگہ قدیم رومن عہد کے شیشہ کے برتن اور کھلونے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ قدیم رومن لوگ شیشہ گری سے بخوبی واقف تھے۔ مگر ان کے شیشہ کا رنگ میلا ہوتا تھا۔ پھر وینس فرانس اور انگلستان کے قدیم شیشہ کے نمونے اور مختلف ملکوں کے چینی کے برتن دیکھے۔ یونانی اور مصری عتیقہ چیزوں سے ان ممالک کے رسوم ورواج کو کیسی عمدگی سے ظاہر کیا ہے۔ بابل اور نینوہ کی چیزوں کے لئے علیحدہ کمرے ہیں۔ مصری ممیوں (محفوظ شدہ لاشوں) کے لئے الگ کمرے ہیں۔ انہیں دیکھ کر تعجب پیدا ہوتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے مصر میں یہ کیسا عجیب وغریب ہنر معلوم تھا جو اب دنیا سے مفقود ہو گیا ہے۔ بلحاظ قدامت سائرس شاہ ایران اور بخت نصر بادشاہ یہود کی زمانوں کی یادگاریں تک اس عجیب وغریب مجموعہ میں موجود ہیں۔

ایک کمرہ عمر ودکے تمام پر نامزد ہے۔ مشرقی مذاہب خصوصاً بودھ اور برہمنی مذاہب اور کسی قدر مسلمانوں یہودیوں اور سکھوں اور چینی جاپانی مذاہب کی عبادت کے طریقے اور سامان مشدہ جمع تھے۔ یونانی اور رومن برتنوں کو دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ پچھلے زمانوں میں مٹی اور رنگ روغن کے کام میں کس قدر نادر مہارت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ یہ مختلف برتن مختلف ضرورتوں یعنے شراب پانی یا ان کے مرکبات وغیرہ کے لئے مخصوص تھے چھپی ہوئی کتابوں میں یوروپ کے بہت ابتدائی چھاپوں کے نمونے جمع کئے گئے تھے کہ جن کی اس وقت یوروپ میں ہزاروں پونڈ بوجہ اُن کی کمیابی کے قیمت پڑتی ہے۔ سنہ [illegible] کا ایک نمونہ ہندوستان میں سب سے پہلا چھپا ہوا رکھا تھا۔ جو کہا جاتا ہے کہ اہل پورتگال نے اسے اس سنہ میں چھاپا تھا قلمی کتابوں میں یونانی لاطینی اور انگریزی کے مسیحی زمانہ سے پہلے کے لکھے ہوئے نسخے اور بہت پرانی بائیبلوں کے نمونے تھے۔ مسیحی زمانہ کی یوروپین قلمی کتابوں کے جدول ویسے ہی مطلا اور پرتکلف بیل بوٹوں سے آراستہ تھے جیسے کہ قدیم عربی فارسی کتابوں کے ہوتے ہیں۔ ان کتابوں کے بڑے بڑے حاشئے چھوڑے گئے تھے اور ان کے کاغذ یا کوئی کاغذ زیادہ مضبوط تھے۔ مشرقی قلمی کتابوں میں عربی فارسی عبرانی۔ یونانی چینی جاپانی سنسکرت اور پالی سب زبانوں کی کتابیں تھیں۔ ایک تبت سے آئی ہوئی کتاب ہاتھی دانت کی باریک تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے تمام نامی شعراء اور مصنفین کی دستخطی تحریریں اور ان کی بعض تصنیفوں کے اصلی مسودے اور ایسی کتابیں کہ جن پر مصنفوں کے دستخط تھے۔ اور ہر قسم کے تاریخی وقعت کی تحریریں جمع کی گئی تھیں۔ ملٹن کی کتاب پیریڈائز لاسٹ کا اصلی معاہدہ جو ایک کتب فروش سے کیا گیا تھا۔ ڈکینس کا دستخطی مسودہ

جو بہت کٹا پھٹا تھا۔ مگنا کارٹا (یعنی انگلستان کی آزادی کے دستاویز) اور دیگر شاہان انگلستان کی فرمانوں کی صحیح نقلیں اور فوٹوگراف بھی تھے۔ انگلستان کے تمام اور بعض ممالک غیر کے سلاطین کے دستخط اور تحریریں الگ محفوظ تھیں۔ اور شاہان انگلستان کی گریٹ سیل اور دوسری مُہریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ برٹش میوزیم کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے کئی سال درکار ہیں۔ اور اس کے اکثر مطالب سمجھنے کے لئے عمر بھی کافی نہیں۔ ہمارے نزدیک تعجب اس امر کا ہوتا ہے کہ دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ ہزار سال کے سکے کتبے اور برتن اسنے کس طرح ایک جا جمع ہو گئے جب ان ذخیروں کا بعض قدیم زمانوں کی کتابوں سے اور بائیبل کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو تاریخ دان کو بہت مدد ملتی ہے۔

کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنا

میوزیم میں نقشوں کے کمرے میں کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنے کا عمل دکھلایا گیا تھا۔ اور اس کی کیفیت معہ نمونوں کے رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے میں نے یہ نوٹ لیا۔ پہلے کاپر پلیٹ (تانبے کی تختی) پر چربی پگھلا کر ایک کوٹ کیا جاتا ہے۔ پھر ایک سوزن سے اس پر وہ تصویر بنائی جاتی ہے۔ جس کا پنسل سے بنا ہوا خاکہ اس پر چھاپا گیا ہے۔ پھر پلیٹ کی پشت کی طرف سیاہ وارنش کا کوٹ کیا جاتا ہے۔ گویا سوائے تصویر کی کھودی ہوئی جگہ کے کوئی جگہ پلیٹ پر ننگی نہیں ہوتی اب مندرجہ ذیل نسخہ کو تیار کر کے اس میں تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ ڈال دیتے ہیں۔ تو تانبا وہاں سے کٹ جاتا ہے۔ نسخہ یہ ہے۔ جس کا نام ڈچ مورڈنٹ (Dech Mordunt) ہے:-

کلوریٹ آف پوٹاش Chlorete of Potash 2¼ oz
۲½ - اونس

ہائڈروکلورک ایسڈ ۹ اونس Hydrochloric acid 9¼ oz

ایک دوسرا نسخہ یہ ہے:۔

نٹرک ایسڈ (تیزاب گندھک) پچاس حصے　Nitroa acid ($H N.O_2$) 50 Parts

پانی پچاس حصے　Water (N_2 O.) 50 Parts

انگلستان کا سب سے بڑا گرجا

سینٹ پال کا گرجا لنڈن میں ایسی عمارت ہے کہ جس کی ظاہری شکل و صورت جیسی شاندار ہے ویسی ہی اندر سے بھی ہے۔ میں بار بار اس کے پاس سے گذرتا رہا۔ کیونکہ یہ شہر کے نہایت بارونق موقعہ پر واقع ہے لیکن اندر جا کر دیکھا تو اسے نہایت عالیشان عمارت پایا۔ چھت اور گنبد نہایت تکلف سے آراستہ کئے گئے ہیں۔ ایسے عالیشان گرجے دیکھنے سے پہلے مجھے کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ گرجوں پر عیسائیوں نے بھی اتنے روپے و کوشش خرچ کی ہوگی جتنی کہ مسلمانوں نے مسجدوں پر کی ہے۔ لیکن عمارت کی عمدگی اور روپیہ کی لاگت سے قطع نظر جو بات اس عمارت میں زیادہ دلچسپ تھی وہ یہ کہ دونوں پہلوؤں میں انگلستان کے جنگی اور قومی ناموروں کی یادگاریں تھیں کہ جنہوں نے ہر میدان یا دیوان میں ملک کی خاطر جان دی تھی یا ملک کی خدمت میں عزت حاصل کی تھی۔ لیکن زیادہ کتبے اور سنگ مرمر کے بت میدان جنگ کے بہادروں کے تھے جن میں لارڈ نلسن اور ڈیوک آف ونگٹن بھی شامل تھے۔ چند شہیدوں کے بت بھی تھے کہ جن میں ہندوستان کا مشہور بشپ ہیبر بھی تھا۔ جنرل گارڈن کا بت روشن تھا۔ سر مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن کا بت کھڑا تھا۔ ان مشاہیر کے بتوں کا اثر تمام قوم پر کس قدر اچھا پڑتا ہوگا۔ قوم کے نوجوان اور بچے جب ان بتوں کی عزت و تعظیم دیکھتے ہونگے۔ تو کون نہیں چاہتا ہوگا کہ میرے ملک کی ایسی ہی خدمت کر کے خود بھی ایسی عزت اور حیات دوام حاصل کرے۔ انہیں بعض بت اور کتبے ملک چندہ سے بنائے گئے ہیں بعض کو بعض خاندانوں نے بنوایا مگر بہت سے بتوں کے چندے واقعی یہ نہایت [illegible]

سینٹ پال کا گرجا لنڈن کے نہایت قدیم عمارت ہے جو چوتھی صدی مسیحی سے اسی جگہ پر بنتا چلا آیا ہے۔ موجودہ گرجا چوتھی مرتبہ ۱۶۷۴ء میں بننا شروع ہوا تھا۔ اور ۱۷۱۰ء میں ختم ہوا۔ سر کرسٹوفرن مشہور مہندس نے تعمیر کیا (۵۱۰) فٹ لمبا (۲۸۲) فٹ چوڑا ہے۔ گنبد کی چوٹی پر کی صلیب سطح زمین سے (۴۰۴) فٹ بلند ہے۔ اس کے جنوبی مینار پر ۱۷ ٹن (قریباً پانچ سو من) وزنی ایک گھنٹہ ہے جو انگلستان میں سب سے بڑا ہے۔

ویسٹ منسٹر ایبی لنڈن کی عمارات میں ویسٹ منسٹر ایبی کو ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اور شائد سینٹ پال ہوس آف پارلیمنٹ اور لنڈن ٹاور میں سے جو لنڈن کی چوٹی کی تاریخی اور نامور عمارات ہیں۔ یہ کسی سے دوم درجہ پر نہ ہوگی۔ سینٹ پال میں اگرچہ ناموروں کے بت اور یادگاری کتبے ہیں تو ویسٹ منسٹر ایبی میں سینکڑوں نامور مدفون ہیں۔ دراصل یہ ایبی سینٹ پیٹر کا گرجا تھا جو نہایت قدیم زمانہ سے لنڈن میں چلا آتا ہے۔ اسے نہ صرف عبادت کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس میں ابتدا سے بیشتر انگلستان کے سلاطین کی رسم تاج پوشی ادا ہوتی رہی ہے۔ اور ان کے وفات پر ان کی لاشوں کو بھی یہیں دفن کیا گیا ہے۔ جو ایبی کے لمبی لمبی محرابوں کے نیچے مدت سے آرام کر رہی ہیں۔ علاوہ بادشاہوں کے انگلستان کے مشہور مدبر شاعر مصنف فصیح البیان مقرر عالم و فاضل عابد و زاہد اور سائنس دان سبھی ایبی کے عالیشان مقبرہ کے اندر سوتے ہیں۔ ذرا ایک طرف سے دوسری طرف تک ان ناموروں کے کتبے تو پڑھتے چلے جاؤ۔ ولیم فاتح سے لیکر ملکہ ایلزبتھ دونوں شاہان ولیم ملکہ میری اور ملکہ این تک سلاطین برطانیہ کے نام موجود ہیں۔ اہل سیف و قلم اور اہل علم و اہل تقوے میں سے بھی چند نام سن لیجئے۔ لارڈ چیتھم

ولیم پٹ اور اُس کا حریف فاکس۔ پامرسٹن۔ بیکنسفیلڈ اور گلیڈسٹون۔ سر آیزک نیوٹن مشہور مہندس۔ ہرشل مشہور منجم۔ ڈاروِن نیچرلسٹ۔ لونگسٹون سیاح افریقہ۔ اور جان ویزلی بانی فرقہ ویزلین میتھوڈزم چیفری چاسر جسے انگریزی نظم کا باپ کہتے ہیں۔ خداوند سخن شیکسپیر۔ سپنسر۔ بن جانسن ملٹن۔ ڈرائیڈن گے۔ ایڈیسن ٹامسن۔ گولڈسمتھ۔ ڈاکٹر جانسن شیریڈن ساؤدی کیمبل۔ تھیکری۔ میکالے۔ ڈکنس۔ براؤننگ اور ٹینی سن وغیرہ جو اپنے زمانہ میں اقلیم سخن کے بادشاہ گذرے ہیں۔ سب یہیں خواب ناز میں سرشار پڑے ہیں۔ اسی کے سنگین اور حیرت افزا دیواروں کے اندر جاکر زائر پر ایک عجیب حالت طاری ہوتی ہے جو لفظوں میں بیان ہونی مشکل ہے۔ اور عمارت کی رفعت اور عظمت اس حالت کو اور بڑھا دیتی ہے۔ یہیں شاہ ایڈورڈ دی کانفیسر کے چیپل میں تاجپوشی کے مشہور کرسی رکھی ہے کہ جس پر تاجداران برطانیہ بوقت تاجپوشی بیٹھتے ہیں۔ اس کرسی کے نیچے ایک قیمت کا پتھر لگا ہوا ہے جس کی تاریخ بڑی عجیب ہے۔ جب قدیم سلاطین سکاٹلینڈ کی تاجپوشی ہوا کرتی تھی تو اس وقت ۱۲۹۶ء اس پتھر پر بیٹھتے تھے۔ جب ایڈورڈ اول نے سکاٹلینڈ کو فتح کیا تو وہ اس پتھر کو ساتھ لیتا آیا۔ جس سے اہل سکاٹلینڈ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ انکے یہاں ایک مثل رائج تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ اگر قسمت یاوری کرے تو جہاں یہ پتھر جائیگا شاہان سکاٹلینڈ اسی ملک کے بادشاہ ہو جاینگے۔ اسی طرح لنڈن میں ایک اور مشہور پتھر ہے جسے لنڈن سٹون کہتے ہیں۔ جو سینٹ سوتھن کے گرجا کے قریب ایک آہنی جنگلے میں محفوظ ہے۔ کسی زمانہ میں یہ پتھر بہت مشہور تھا۔ سنہ ۱۱۸۹ء میں اہل لنڈن نے جب اپنا پہلا میئر مقرر کیا تو اُسے لنڈن سٹون کے میئر کے نام سے پکارتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اہل روما نے اپنے عہد حکومت میں لنڈن میں اس پتھر کو

اس لئے نصب کیا تھا کہ اس مرکز سے وہ دوسرے مقامات تک مسافت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔

کرسٹل پیلس کرسٹل پیلس یا شیش محل کو لنڈن کا ہر روز کا میلہ کہنا چاہئے۔ یہ خوبصورت اور نرالی قسم کی عمارت صرف لوہے کے فریموں میں شیشہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ اور اس کے عظیم الشان چھت کے نیچے تمام گرم ممالک کے درخت لگائے گئے ہیں۔ جو انگلستان کی سرد آب و ہوا میں سرسبز نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ درختوں کے بہت سے بت بھی چھت کے نیچے سجائے گئے ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے فوارے لگائے گئے ہیں۔ یہ مکان لنڈن سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مگر چونکہ یہاں ہر روز نئے نئے کھیل اور طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہت سے شائقین سیزن ٹکٹ لے رکھتے ہیں۔ اور وہ ہر روز اس قدر دلچسپی کا سامان مکان کے اندر اور باہر کی گراؤنڈ پارک اور کھیل و باغات وغیرہ میں پاتے ہیں کہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ ہر جمعرات کو کرسٹل پیلس کی آتش بازی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ یہیں کے آتش باز ان مسٹر بروک کو لارڈ کرزن بہادر نے ۱۹۰۳ء کے دربار دہلی کے آتش بازی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ اور لوگوں نے آتش بازی کو نہایت پسند کیا تھا۔ ایکویریم میں ہندوستان کی مچھلیاں بھی ہیں۔ اور ایک بندروں کا گھر بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ کرسٹل پیلس کی تعمیر پر ڈیڑھ ملین پونڈ صرف ہوا تھا۔ اور سوائے دلچسپی اور دل بہلاؤ کے اور اس اپن میل کے سلسلہ عمارات اور وسیع باغات سے کچھ مقصود نہیں۔

کیو گارڈنس موضع کیو کے پاس جو لنڈن کے مضافات سے ہے۔ اور دراصل اس کی آبادی شہر سے ملی ہوئی ہے۔ یہ نہایت عظیم الشان باغ میلوں میں واقع ہے۔ یہ لنڈن کا بوٹینیکل گارڈن ہے جس میں دنیا کے ہر ملک اور ہر قسم کے درختوں کے نمونے موجود ہیں۔ پام ہوس میں جو (۳۴۰

فٹ لمبا اور (۱۰۹) فٹ چوڑا ہے۔ ہندوستان اور دیگر گرم ممالک کے پام نہایت شادابی کی حالت میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے بڑا ہاٹ ہوس دنیا میں کہیں موجود نہ ہوگا۔ پھولوں کی کیاریاں اور باغ کی صفائی قابل دید ہے نہ کہ شنید۔ ہرچند کہ لنڈن میں بکثرت تفریح اور سیر کے مقامات ہیں۔ لیکن یہاں بھی ہم نے اتنا بڑا مجمع لنڈن کے زن و مرد کا دیکھا خیال ہوتا تھا کہ آج بوجہ اتوار کے شاید سارا لنڈن ادھر ہی امڈ آیا ہے۔ یہاں سے رچمنڈ کو گئے جو نہایت دلکش مقام نواح لنڈن میں ہے۔ یہیں ٹیمز بہ رہا ہے جس میں سینکڑوں تفریحی کشتیاں کسی کمپنی کی کرایہ پر چلنے کے لئے پڑی ہیں۔

ہائڈ پارک

جس طرح خواجہ حافظ کے زمانہ میں شیراز میں۔ کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ پر وجد ہوتے تھے۔ اسی طرح لنڈن میں ہائڈ پارک کے نام پر لنڈن کے لوگ مسرور ہو جاتے ہیں۔ میں دو چار مرتبہ آکسفورڈ سٹریٹ کی طرف سے اس کے دیکھنے کو گیا کہ جہاں میں فروکش تھا۔ اور ماربل آرچ (محراب مرمری) کے پاس سے اس میں داخل ہوا۔ یہ سنگ مرمر کا دروازہ شاہ جارج چہارم نے نوے ہزار پونڈ کے صرف سے قصر بکنگھم کے سامنے بنوایا تھا جو بعدہ قصر کی توسیع کے وقت اٹھا کر یہاں لا رکھا گیا اور اب لنڈن کے نوادرات میں شمار ہوتا ہے۔

ہائڈ پارک جو قریب چار سو ایکڑ کے وسیع ہے۔ شہر لنڈن کا بہت بڑا تفریح گاہ ہے۔ اس کی تمام زمین پر گھاس اور درخت اگے ہوئے ہیں۔ بیچ میں سے کئی سڑکیں ادھر ادھر گذرتی ہیں۔ اور ایک پانی کا لہراتا ہوا لمبا نالا ہے کہ جسے اس کی شکل کے لحاظ سے سرپنٹائن (مثال مار) کہتے ہیں۔ یہ پانی ساکن اور صاف ہے۔ موسم گرما میں یہاں بہت لوگ نہاتے ہیں۔ اور سرما میں سکیٹین پہن کر اس کی یخ بستہ سطح پر پھسلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً برف ٹوٹ کر

کوئی شخص پانی میں جا پڑے تو اُس کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے رائل ہیومین سوسائٹی نے پاس ہی ایک مکان بنا رکھا ہے جس میں آرام اور علاج کا تمام ضروری سامان ہے۔ یہ رحمدل اور ہمدرد سوسائٹی اہل انگلستان کی جانیں بچانے کے لئے کئی پہلوؤں میں ابر رحمت کا کام کرتی ہے۔ شائد لوگ صبح کو بھی پارک میں جا کر لطف اُٹھاتے ہوں۔ لیکن دوپہر اور شام کو تو میں نے وہاں بڑے فیشن ایبل مجمع زن و مرد کے دیکھے ہیں۔ خواجہ حافظ کی طرح پوپ اور بعض دیگر انگریز مصنفوں نے اپنی کتابوں میں ہائڈپارک کو بھی ہمیشہ کی زندگی بخشدی ہے۔ لنڈن کی ۱۸۵۱ء کی سب سے بڑی نمائش اسی میدان میں ہوئی تھی جو گویا کہ یوروپ کے انٹرنیشنل نمائشگاہوں کے پیش رو تھی۔ پکاڈلی کی طرف کے داخلہ پارک کے سامنے ایک بہت بڑا بت اچیلیز کا ہے۔ جس پر کندہ ہوا ہے: "انگلستان کی عورتوں کی طرف سے نذر بحضور آرتھر ڈیوک آف ولنگٹن اور اس کے بہادر ہمراہیوں کے" جنگ بیتنبور کی یادگار میں جو توپیں اس جنگ میں پکڑی گئی تھیں انہیں ڈھال کر صرف انگلستان کی عورتوں کے چندہ سے جو دس ہزار پونڈ تھا۔ یہ بُت قائم کیا گیا تھا شاباش انگلستان کی مرد نہ عورتو۔ یہ یادگار دراصل جنگ بیتنبور کی نسبت زیادہ تر انگلستان کی عورتوں کی عالی حوصلگی اور محب الوطنی کے قائم رہے گی۔ پارک میں سڑکوں کے دونوں طرف جنگلا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنچیں پڑی ہیں۔ دو برقی روشنی کی لال ٹینیں لگی ہیں۔ جابجا سڑکوں پر درخت ہیں۔ جھیل کے قریب شام کے وقت ایک شخص جوش خروش سے یسوع مسیح کا وعظ کہہ رہا تھا۔ تین چار اور عورتیں مرد اُس کے ساتھ تھے۔ خوب فصاحت سے بولتا تھا اور بہت لوگ اسکو کھڑے سنتے تھے پاس ہی ایک شخص بیت پوشیدہ صف میں ایک بشکر لیٹا ہوا آگے ایک اور سکرپل رکھا تھا اور جب لوگ سن چکتے تو اُکو بڑی ترقی کے لئے کچھ دیتے یہاں راستہ چلتے پھر ایک لونڈے نے

مجھ سے پیسہ مانگتا۔ (اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ترکی ٹوپی کا قصور تھا جو مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ مانگ لیتے تھے۔ اور کئی لوگ مجھ سے زیادہ ستانے سے نہیں جھجکتے تھے) ایک دوسری جگہ ایک پادری نے دو بڑے بڑے سرخ کپڑوں پر سفید حروف میں چند مذہبی کلمات اور قیامت کی یاد کے کتبے لکھ رکھے تھے۔ اور گیت گا رہا تھا۔ یہاں کچھ ہزار پانسو عورتیں مرد اس کے شریک تھے غرض ہائیڈ پارک ایک مستقل جلسہ گاہ ہے۔

لنڈن میں مشرقی نوآبادی۔

لنڈن کے حصہ ایسٹ انڈ میں دراصل بہت سے کم درجہ کے مشرقی ملکوں کے لوگ بسر اوقات کرتے ہیں۔ چینی لوگ یہاں بہت سے بستے ہیں اور باقاعدہ دوکانیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے شادیاں بھی انگریز عورتوں سے کر لی ہیں۔ اور ان کے بال بچے بھی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ جاپانی۔ سیامی مصری یہودی برمی اور ہندوستانی بھی قوموں کے تھوڑے بہت لوگ رہتے ہیں۔ ہندوستانی زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو بمبئی سے جہازوں پر لشکر یعنی خلاصی بنکر آتے ہیں۔ اور جب ان کے جہاز چند روز اس بندرگاہ میں ٹھیرتے ہیں تو وہ یہاں کے ادنے درجہ کے لاجنگ ہوٹل میں گذارہ کر لیتے ہیں۔ طرفہ کی بات یہ ہے کہ یہاں جانڈو اور چرس خانے بھی ہیں۔ چینی مزے سے ان میں چرس کے دم لگاتے ہیں۔ اور بعض دوسری قومیں بھی منجوں کا دم لگاتی ہیں۔ لیکن مسلمان خلاصی جو عموماً نیک چلن اور نمازی ہوتے ہیں۔ اور ان کی عادات بھی بہت سادہ ہوتی ہیں۔ انہیں لاجنگ ہوس والے ایک اور دم میں لاتے ہیں۔ انہیں برکت دینے والے تعویذ دینے کے بہانے سے لوٹتے ہیں۔ اہلِ مشرق کو ان لوگوں کی دغابازیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اسی نوع میں ایک مکان مسٹر بنجرز جوم ڈ اجنبیوں کا گھر ا بعض فیض

لوگوں کے چندہ سے کھلا ہوا ہے۔ اس میں ہندوستانی برہمی عرب جاپانی چینی ملائی سنگھالی زنگباری سماٹری اور حبشی سب داخل ہوکر خوش ہوتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کے لئے جدا جدا سونے اور کھانے پکانے کے کمرے ہیں۔ جیسے کوئی ہندو یا مسلمان دوسروں سے بچاکر کھانا پکانا چاہے پکا سکتا ہے۔ اور ایک کمرہ بطور ڈرائینگ روم کے سب کے بیٹھنے اور شطرنج وغیرہ کھیلنے کا ہے۔ تعلیم یافتہ اور آسودہ ہندوستانی جو لنڈن میں جاتے ہیں وہ عموماً ویسٹ اینڈ کے اچھے اچھے ہوٹلوں اور لاجنگ ہوسوں میں رہتے ہیں۔ ہندوستانی طالب علم جو یہاں کے شریف کنبوں میں رہتے ہیں۔ انہیں یورپین ادب اور قواعد بہت اچھی طرح آجاتے ہیں۔

ہندوستانی نوجوان

ایک روز مجھے ایک ہندوستانی نوجوان امیدوار بیرسٹری بیرسٹروں کے ایک ان کے کامن روم میں لے گیا۔ لیکن یہاں پہنچکر مجھے بالکل مایوسی ہوئی۔ اکثر نوجوانوں کی حالت بہت ٹوٹی پھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ بعض اپنے والدین سے بہت سا روپیہ منگوا کر خرچ کرچکے تھے۔ اور اب انہیں اور روپیہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ایسی بےفکری سے گپیں ہانکتے تھے کہ گویا دنیا میں ان کے لئے کوئی کام نہیں تھا ممکن ہے کسی وقت یہ لوگ پڑھنے میں محنت بھی کرتے ہوں۔ مگر چونکہ ان کے امتحان عموماً سہل ہوتے ہیں مگر اب پہلے سے مشکل بھی ہوگئے ہیں) یہ اسی طرح ساعت تیری کرتے رہتے ہیں۔ یہاں خوش نصیبی سے مجھے ان نوجوانوں کے بعض خیالات سے استفادہ کرنے کا بھی موقع مل گیا۔

لنڈن کی ناپاک زندگی

اس مجلس میں جہاں سات آٹھ قریب قریب پنجابی نوجوان تھے۔ مختلف باتوں کے درمیان لنڈن کی ناپاک زندگی کا

بھی ذکر آگیا۔ اسیران میں سے دو تین کی رائے تھی کہ لنڈن میں اس بارہ میں ہندوستان سے بُری حالت نہیں۔ وہاں بھی فاحشہ عورتیں ہیں۔ یہ صرف بڑا شہر ہے۔ اس لیے یہاں زیادہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں سر بازار بیٹھکوں پر رنڈیاں بیٹھتی ہیں۔ یہاں بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں۔ کیا ہندوستان میں برقعوں کے اندر گرہستی عورتیں بدنام نہیں؟ کیا لاہور امرتسر میں کوٹھی خانے نہیں؟ تاہم اس جماعت میں دو ایسے شخص تھے جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ اس ملک میں فحش کی کثرت ہے۔ یہاں بوجہ بے پردگی اور کھلم کھلا نوجوانوں سے ملاقات کرنے کی آزادی کی خرابی کے بہت راستے کھلے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ ایک عورت سے شادی کرنے اور زیادہ عورتوں سے بلاشادی کے تعلق رکھنے میں فرق ہی کیا ہے۔ ایک دوسرے نے کہا مردوں اور عورتوں میں چونکہ مساوات حقوق کی ضرورت ہے۔ اس لئے جب مردوں کو آزادی ہے تو عورتوں کو اپنی پسند کے لئے آشنا تلاش کرنے میں کیوں آزادی نہ ہونی چاہئے۔ اسی کے ایک بے تکلف رفیق نے یہ جواب دیا کہ اگر کسی کی ہمشیرہ خود کوئی آشنا تلاش کرے تو اسے بُرا نہ معلوم ہوگا۔ پہلے صاحب نے بکل فلسفیانہ انداز سے کہا کہ اس میں بُرا معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر فرد بشر کو اپنے جسم پر کامل اختیار ہونا چاہئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہاں عورتیں بھی چونکہ نوکری اور محنت مزدوری کر کے روٹی کما لیتی ہیں اس لئے مردوں کی امداد سے مستغنی ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عورتوں کی حالت بہت قابل رحم ہے۔ مردان پر ناگفتہ بہ ظلم ڈھاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ درست ہے کہ ہمارے ملک میں بعض بعض عورتوں پر سختی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو عورتیں گھروں کا انتظام کرتی اور اپنے بال بچوں میں مردوں کی کمائی کھا کر بے فکری اور چین سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ خود کما کر کھانیوالی

عورتوں کو اُن کے آرام کا عشر عشیر بھی تو میسر نہیں۔ اسپر ایک صاحب بولے کہ اس میں آرام اور تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ یہ اصول کا معاملہ ہے۔ عورتیں غلامی اور گھر کی خدمت گاری کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ میں نے کہا کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ آئندہ بچے نہ جنا کریں۔ اُس نے کہا کیا ضرورت ہے۔ تو میں نے کہا ایسے ایسے عورتوں کے حقوق کے حامی پھر کہاں سے پیدا ہونگے۔ پھر میں نے کہا فرض کرو کچھ عورتوں کی ایک فوج ہے جسے کل غنیم پر حملہ کرنا ہے۔ اور اس فوج میں دس فیصدی ممکن ہے کہ بوجہ حاملہ ہونے مجبوری کے کام کرنے کے لائق نہ ہوں۔ اسپر نوجوان سوشل ریفارمر نے غضب کی حاضر جوابی کا ثبوت دیا۔ اور کہا کہ ساری فوج تو دشمن کے مقابلہ میں نہیں بھیجی جاتی۔ یہ دس فیصدی ریزرو میں رہینگی یہ بیہودہ اور اس قسم کی بعض باتیں سنکر خیال پیدا ہوا کہ ہمارے بعض نوجوان کہ جنسے ملک کی امیدیں وابستہ ہیں یہاں آکر کس قدر خیرہ چشم ہوجاتے ہیں۔ اور یہاں کے رسوم اور حالات کے مقابلہ میں اپنے ملک کے تمام انسٹی ٹیوشنوں کو ردی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہاں کی خوبیوں سے بھی کافی بہرہ حاصل نہیں کرلیتے۔ حاشا وکلا میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے ہندوستانی نوجوان یکساں ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض بہت کچھ سیکھکر آتے ہیں۔ مگر بہت سے ایسے ہی خیال لیکر وطن کو واپس آتے ہیں کہ ہندوستان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ورنہ اب تک جتنے بیرسٹر اور دیگر صاحبان یوروپ تعلیم لیکر ہندوستان میں آئے تھے۔ ہندوستان کی حالت کی اصلاح میں اس سے زیادہ کامیابی اور ناموری حاصل کرتے۔

حاجی محمد ذوقی صاحب سے لنڈن میں پہنچکر انہیں اپنے آنے سے اطلاع دی اور دوسرے ہی روز یہ مجھے ملنے ہوٹل میں تشریف لے آئے۔ حاجی صاحب کا

اصلی نام محمد دولہ یعنے دولت ہے۔ اور اصل وطن انکا کیپ کالونی دکھنی (جنوبی) افریقہ ہے۔ یہ آباواجداد سے مسلمان ہیں۔ صرف انگلستان میں رہنے کی وجہ سے لوگ دولہ کا ڈولی پڑھنے اور بولنے لگے۔ ان کے نانا پہلے پہل ہندوستان سے کیپ کو گئے تھے اور وہ عرب تھے۔ جو بصرہ سے گئے تھے ان کی ماں اردو بولتی تھیں۔ اور اب تک ان کی ایک ہمشیرہ بمبئی کے ایک شریف مسلمان کے گھر میں ہیں۔ یہ اردو تھوڑی سی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کیپ کالونی میں سب مسلمانوں کی بولی ہالینڈ ڈچ ہے جو بوئروں کی زبان ہے۔ چونکہ اس ملک میں بوئروں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے اجنبیوں کو بھی زبان سیکھنا پڑتی ہے۔ ان کے بال بچے اور عزیز سب یہی بولی گھروں میں بولتے ہیں۔ گو اب پانچ چھ سال سے انگلستان میں ہیں اور بال بچوں کو یہاں تعلیم دلا رہے ہیں۔ اس لئے ان کے کنبہ میں انگریزی بھی بے تکلفی سے بولی جاتی ہے۔ حاجی صاحب کا اپنا اور بال بچوں کا رنگ بالکل گورا ہے۔ اور یہ خود سوائے ترکی ٹوپی کے سب یورپین لباس پہنتے ہیں۔ انہوں نے اپنے انگلستان کی سکونت کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ کیپ میں تجارت کا کام کرتا تھا۔ اور پہلے پہل اپنے ایک بیٹے کو اسکاٹلینڈ کے میڈیکل کالج میں داخل کرا کے کیپ ٹاؤن سے تجارت جاری رکھا کاروبار۔ اس کے بعد میں اپنے بیٹے کو مسٹر کویلیم کے مدرسہ لیورپول میں داخل کرنے کو لایا۔ اور ایک سال کی تعلیم کے بعد اسے لندن لے آیا۔ ساتھ ہی ایک بیوی دو بیٹیاں اور دو بیٹے بھی لے آیا۔ اور دوسری بیوی مع بچوں کے کیپ ٹاؤن میں چھوڑ آیا۔ اصل غرض یہاں آنے کی بچوں کو تعلیم دلانا تھی۔ چنانچہ بڑا لڑکا اٹھارہ ماہ میں ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کریگا۔ لاطینی اور جرمنی زبانوں میں اس نے امتحان آنرز پاس کیا تھا دوسرا ابھی مدرسہ میں داخل ہے۔

لڑکیوں نے مدرسہ میں موسیقی کی خصوصی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب بڑی ہوگئی ہیں۔ اس لئے مدرسہ میں نہیں جاتیں۔

لنڈن میں مسجد

لنڈن میں رہنے کے دوران میں حاجی صاحب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ لنڈن ایسے مقام میں سب مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان اور ایک مسجد ضرورتاً بنائی جائے۔ چنانچہ حسب طلب چند پونڈ دیکر ایک عیسائی قبرستان میں تھوڑی سی جگہ قبروں کے لئے خریدی گئی۔ مسجد کا کمرہ عارضی طور پر آجتک حاجی صاحب نے اپنے مکان میں رکھا ہے اور عیدین اور دیگر تقریبوں پر جمع ہونے والے مسلمانوں کے ریفرشمنٹ وغیرہ سے ہمیشہ اپنی گرہ سے تواضع کی ہے جس میں انکا بہت سا روپیہ خرچ ہوچکا ہے۔ مگر سوائے ہندوستان کے ایک مسلمان کے تین شلنگ کے کہیں اور سے کچھ نہیں ملا۔ اگر مسلمانان ہندوستان وغیرہ نہیں بھیجے دس بیس پونڈ کے جو پیسے انہوں نے عطیہ کئے تھے۔ اقل درجہ ایک دو ہزار پونڈ بھی چندہ جمع کر دیتے تو یہ بزرگ میونسپلٹی کے پاس درخواست کرتے جن کا پہلے نقشہ مسجد تعمیر کرنے کا تھا بلکہ شہر سے کسی نواح میں کہ جہاں تھوڑے روپیہ میں کام چل جائے۔ مسجد تعمیر کرتے اور خود اس کی آبادی کیلئے بطور متولی رہتے۔ انہوں نے سترہ ہزار پونڈ چندہ جمع کر کے کیمبرج ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ شہر میں جس مکان میں انہوں نے عارضی مسجد بنائی ہوئی تھی۔ اب بخیال کفایت خرچ وتبدیل ہوا اسے چھوڑ کر شہر سے باہر چلے گئے ہیں۔ ایک خوبصورت اور پرفضا نواح میں آرہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جیسے مسلمانان ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع کرتے اور نواب امیر صاحب کابل کے عطیہ سے جو مکان خریدا اور مسجد بنائی ہے تو یہ تمام جائداد اپنے ذاتی نام پر درج کرائی ہوئی ہے۔ اگر وہ آج مر جائے تو اس کے بچے اس کی جائداد پر قابض ہو جائیں گے

اسی طرح ڈاکٹر لائٹنر نے لنڈن سے پچیس تیس میل کے فاصلہ پر ووکنگ میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کے روپیہ سے مسجد تعمیر کی تھی وہ بالکل نکمی ہے۔ کیونکہ لنڈن میں رہنے والے مسلمان کبھی وہاں نہیں جاتے۔ وہ گویا اُن کے کنبے کے پرائیویٹ استعمال کا مکان ہے۔ لیکن میں لنڈن میں مسجد تعمیر کرا کر اس کا متولی بننا چاہتا ہوں نہ مالک۔ مجھے حاجی صاحب کے اس خیال سے پوری ہمدردی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انگلستان ایسی سلطنت کے پایۂ تخت میں جو دنیا کے سب سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کر رہی ہے۔ ایک بہت عمدہ مسجد ہونی ضروری ہے۔ پیرس میں ایک عالیشان مسجد گورنمنٹ فرانس کی امداد سے تعمیر کی گئی ہے۔ حالانکہ فرانس کی زیر حکومت اُس سے آدھی تہائی بھی مسلمان آباد نہیں جتنے کہ انگلستان کے ہیں۔ لنڈن میں صدہا نوجوان مسلمان بغرض تعلیم و تجارت و سیاحت جاتے ہیں اور اُمید ہے کہ آئندہ ان کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔ میں نے بالکل موزوں بالکل ضروری ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کی عبادتگاہ رہے۔

حاجی صاحب کا گھر — اس کے بعد دوستہ حاجی محمد ڈولی صاحب نے مجھے اپنے گھر کھانے اور چائے پر طلب کیا۔ اور یہاں میں نے انکا کنبہ بھی دیکھا۔ حاجی صاحب نے پہلے روز کہا کہ کیپ کالونی میں ہم لوگوں میں پردہ کا دستور نہیں ہے۔ ہماری بہو بیٹیاں بازاروں میں بھی کھلے منہ پھرتی ہیں۔ اور یہ کہکر اپنی بیٹیوں اور بی بی کو بھی جس کمرہ میں ہم لوگ تھے طلب کر لیا۔ یہ بیٹیاں بالکل شائستہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا میں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو مدرسہ میں بھیجکر خوب باقاعدہ پیانو باجا بجانا سکھلایا ہے اور وہ اب تمہیں کچھ سنائینگے۔ یہ دونوں نوجوان خوبصورت لڑکیاں بالکل یورپین لباس میں ملبوس تھیں۔ بڑی کا نام عائشہ عمر اٹھارہ سال اور چھوٹی کا نام فاطمہ سولہ سال۔ باپ کے حکم پر دونوں نے باری باری سے اور ملکر بھی

خوب باجا بجایا۔ ترکوں کا حمیدیہ مارچ اور کئی یورپین مارچ اور گیت خوب گائے۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی فرمائش کی کہ وہ گا کر سنائیں۔ پھر تینوں لیڈیوں نے ڈچ زبان کا ایک گیت گا کر سنایا جس کا لہجہ بہت موثر معلوم ہوتا تھا۔ کھانا اور طریق معاشرت ان کے یہاں بالکل یورپین تھا۔ اور واقعی یہ ایک اچھے یورپین کنبے کی طرح تعلیم یافتہ اور شائستہ تھے۔ حاجی صاحب نے کہا چونکہ میں نے مسلمانوں کے واسطے مسجد وغیرہ کے لئے انجمن ور امت کا کام شروع کیا تھا جتنا کام میں نے کیا ہے۔ اگر میرا کنبہ نہ ہوتا تو میں اتنا کام نہ کر سکتا۔ یہ سب لوگ مجھے کام میں مدد دیتے رہے۔ لڑکیاں باجا بجاتی تھیں۔ اور لڑکے گاتے تھے۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے تھے۔ ہمارا تمام کنبہ اس قابل ہے کہ کسی یورپین کنبہ میں ملکر پسند کی نہیں رہے گا۔ کیا معلوم نہیں ہندوستان کے مسلمان کیوں باجا بجانے کو برا کام سمجھتے ہیں۔ برا تو وہ گانا بجانا ہے جو اجرت پر کیا جائے نہ کہ اپنے دل کی خوشی اور عبادت کے لئے گانا برا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کیپ کالونی کے مسلمان خاتون کے سروں پر باندھنے کا رومال دکھایا جو ایک گز مربع کا ریشمی ہوتا ہے۔ اس کے سوائے ان کا سب لباس یورپین ہوتا ہے۔ پھر کنبے کے فوٹوگراف کا البم دکھلایا۔ بوئروں کے ذکر کے متعلق حاجی صاحب نے کہا ڈچ لوگوں کی حکومت تو اچھی نہ تھی اور وہ مسلمانوں سے اچھا سلوک بھی نہیں کرتے تھے لیکن ابھی انہیں اس ملک کی حکومت کرتے بیس سال سے زیادہ مدت نہیں گذری تھی جس میں وہ خاص ترقی کر رہے تھے۔ اور وہاں کے قانون بھی ابھی بہت سخت نہیں تھے۔ اس لئے ان میں کچھ رعایت ہو سکتی تھی۔ علاوہ اس کے بوئر لوگ دل کے برے نہ تھے جنوبی افریقہ کی خشکی اور کالوں گوروں کے مابین تعلقات کی نسبت کہا کہ بیشک انگریزی علاقہ

شمال میں ہندوستانی انگریزوں والی ریل گاڑی پر سوار نہیں ہو سکتے۔ ایک وہاں کے کافر (حبشی باشندے) نے جو خوب انگریزی لکھا پڑھا ہے۔ اور ایک دیسی اخبار کا ایڈیٹر بھی ہے۔ حاجی صاحب سے شکایت کی تھی کہ جب میں ایک ریلوے سٹیشن پر کھانا کھانے لگا تو ہوٹل والوں نے کہا کہ سامنے کے دروازہ سے نہیں بلکہ تم باورچی خانہ کے دروازہ کی طرف سے آکر کھانا لو جو ایک نہایت حقارت کی علامت تھی۔ حاجی صاحب کے ایک بیٹے کو شمال کے ایک مدرسہ میں صرف اس لئے داخل نہیں کیا گیا کہ وہ کالا ہے۔ حالانکہ کئی یورپ سے اس کا رنگ گورا تھا۔ اور اس کی فیس ایک پونڈ دو سے روزانہ کر دی گئی۔ حاجی صاحب نے نقشے بھی دیکھے ہیں۔ اور ترکوں کی ترقی کی نسبت ان کی رائے عمدہ نہیں۔ انکا خیال ہے کہ سلطان المعظم کے روبرو جو مشیر رہتے ہیں وہ انہیں حقیقت حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ [illegible] سال پہلے الگ ہو گئے ہیں [illegible] چھوٹے قصبوں کی صفائی قسطنطنیہ سے اچھی ہو گئی ہے۔ [illegible] حاجی صاحب سے بہت مختلف [illegible] کی وجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے اس سے [illegible] تک پھنسے ہوئے ہیں [illegible] کی نسبت [illegible] نے کہا کہ تم نے اچھا کیا ہے [illegible] جیسے شامی۔ مصری وغیرہ جو قومیں [illegible] قائم رکھتی ہیں صرف مسلمان ہندوستانی [illegible] جاتے ہیں لیکن [illegible] نہیں ہو سکتے اور حبشیوں کی عزت سے محروم ہو جاتے ہیں [illegible] کے چھپنے سے پہلے مجھے یہ افسوسناک خبر معلوم ہوئی۔ کہ حاجی محمد [illegible] صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔

اور لندن میں بھی اسلامک ایسوسی ایشن کے سرگرم سکریٹری مسٹر عطیۃ اللہ المابون سہروردی ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سرمایہ بہم پہنچانے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔

ویجی ٹیرین کھانا لندن میں میں اکثر اوقات ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتا رہا جو میرے مکان کے گرد و پیش بہت سے تھے۔ اور یہاں اور بھی ہزارہا لوگ کھانا کھاتے تھے۔ ان میں سوائے گوشت کے اور ہر ایک چیز ملتی ہے۔ انڈا اور دودھ بھی ملتا ہے۔ اور غلے ترکاریاں اور میوجات طرح طرح سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان رسٹارنٹوں کے نرخ بھی دوسرے رسٹارنٹوں سے نسبتاً ارزاں معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی یہودی رسٹورانٹ میں بھی سبزی معلوم ہوتی ہے۔ بحث ناظرین کے لئے میں لندن کے ہائی ہوبرن کے ویجی ٹیرین رسٹورانٹ کے ایک روز کے کھانوں کی فہرست ذیل میں درج کر دیتا ہوں:

کھانے کا نام	قیمت	مطلب
پورج:		
اوٹ میل اینڈ ملک	۳ پنس	جئی کی سوجی
وہیٹ میل "	۳ "	گیہوں کی سوجی
سوپ: ملی گاٹانی سوپ	۴ "	بلا گوشت صرف بقولات کا شوربہ
سیوریز: سیوری پاٹ آف بینز	۴ "	مونگ کی قسم کی پھلی اور بانڈے
میکرونی اٹالین اسٹائل / سکارلٹ رنرز	۴ "	ایک قسم کی موٹی سویاں سے / ایک قسم کی پھلیوں سے
بیکڈ چیز اینڈ ٹوماٹوز	۴ "	پنیر اور ٹماٹر کی خشکین
ویجی ٹیبل میٹ اینڈ پوٹیٹوز	۴ "	بقولات اور آلو
فرائیڈ ایگ اینڈ میشڈ پوٹیٹو	۴ "	بھنے ہوئے انڈے اور آلو

کھانے کا نام	قیمت	
سیوری فرٹر اینڈ ٹرنس	۴ پنس	ایک قسم کی پھلیاں اور کیک کی قسم
بقولات۔ ٹماٹو	۲ "	ٹماٹر
کوکرموتا	۲ "	
رنز	۲ "	پھلیاں
چقندر	۲ "	
مٹر ڈنگ	۲ "	پوڈین
پٹیٹو میشٹ	۲ "	آلو
کیبی نٹ پڈنگ	۲ "	پوڈین
ٹاپی اوکا کسٹرڈ	۳ "	
ایپل ٹارٹ	۲ "	مربہ
کولڈ کسٹرڈ اینڈ ٹارٹ	۵ "	میوجات معہ کسٹرڈ
کولڈ سویٹس۔ ب آر فروٹ	۴ "	مربہ یا میوجات
فروٹ جیلی اینڈ میری کالس	۴ "	مربہ و میوہ
سٹو ایپلس	۲ "	پختہ سیب
گرین کاخز	۲ "	ترکاری
چیائے یا قہوہ	۲ "	
بالائی	۲	
پنیر	۲ "	
کیلے	۲ "	
بسکٹ	۲ "	
منرل واٹر	۲ "	معدنی پانی

کچھ اور ملاقاتیں مسٹر عین نے مجھے پیرس سے اپنے بھائی اور بہنوئی کی طرف انٹروڈکشن کے خط لکھ دیئے تھے۔ اس لئے جب میں لنڈن میں پہنچا تو بیٹھے بٹھائے ڈاک یہ خطوط اُن صاحبان کے پاس بھیجئے کہ جن کے نام کے تھے۔ ان میں سے بعض صاحبان مجھے ملنے کو خود آ گئے۔ اور بعض نے مجھے اپنے مکانوں پر طلب کیا۔ جو عموماً میرے ہوٹل سے پانچ سے پندرہ میل تک بعید تھے۔ میں ان میں سے دو تین ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک روز میں لڈگیٹ سرکس کے سٹیشن سے مسی ہل گیا۔ جو چھ سات میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ پانچ پینی کرایہ تھا۔ تھرڈ کلاس میں بیٹھ گیا تھا۔ مگر زیادہ اچھے لوگ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں تھے۔ تھرڈ کلاس میں زیادہ غریب لوگ تھے۔ فرق اتنا نہیں جتنا نام کا معلوم ہوتا ہے یہ مقام لنڈن کے جنوب کی طرف آباد ہے۔ تمام آراستہ آبادی ہے گلی گلی کی یہ مسٹر حسن نیست کی دوکان کرتے ہیں۔ انہوں نے میری بہت تواضع کی۔ اور مجھے از خود دو تین خطوط معززین لنڈن بعض مشہور اشخاص کے دیئے اور انکے نام لکھ دیئے۔ اور کہا کہ اگر ان سے بھی کامیابی نہ ہو تو پھر مجھ سے ملنا چونکہ آج کل لنڈن میں تعطیل کا زمانہ ہے۔ اور اکثر تفریح کیلئے لوگ لنڈن سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان سے کوئی جلد ملتے بھی نہیں۔ ملنے کی اگر کامیابی ہو گئی تو میں اسے غنیمت سمجھونگا ورنہ میں سیر و تفریح کے لئے شہر اور ہر وقت پھرتا رہتا ہوں۔ اتنے میں نوکرانی نے میز پر سفید چادر بچھادی اور سہ پہر کا کھانا لایا گیا۔ میاں بیوی مع اپنے ایک بچے اور دوکان کے ایک اسسٹنٹ کے کھانے پر بیٹھ گئے۔ نوکروں کو عموماً یہ لوگ ساتھ کھانا کھلاتے ہیں۔ نوکرانیاں پیچھے الگ کھاتی ہیں۔ کھانے کے وقت وہ کھانے کی چیز میز پر لاکر رکھ دیتی ہیں۔ اور پھر چلی جاتی ہیں۔ نوکرانیوں کی علامت یہ ہے کہ سر پر ذرا سی سفید ٹوپی ہوتی ہے جو سفید فیتوں سے بندھی ہوتی

اور سامنے سفید ایپرن لٹکتا رہتا ہے۔ مسٹر میس نے کہا ہمارا دادا بھی کیمسٹ تھا۔ باپ بھی کیمسٹ اور ہم دونوں بھائی بھی سند یافتہ کیمسٹ ہیں۔ ایک بہنوئی کیمسٹ ہے۔ میرا ایک سالا بھی کیمسٹ ہے۔ کیسی عجیب بات ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بعض پیشوں میں کیسے مطمئن ہیں۔

میں نے اپنے ہوٹل کے قریب ایک مطبع میں کچھ اپنے کارڈ چھپنے کو دیئے تھے۔ اینڈروز صاحب سابق پرنسپل میو سکول آف آرٹ لاہور کی وہاں آمدورفت تھی انہوں نے میرا حال معلوم کر کے مجھے ملاقات کے لئے چٹھی لکھی۔ اور ایک روز وہ آئے۔ دیر تک ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے انہوں نے لاہور کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اب لنڈن میں متفرق کام ڈرائنگ وغیرہ کا کرتے ہیں۔ اسی روز بازار میں گذرتے ہوئے مجھے ایک کالے رنگ کے صاحب کوٹ پتلون اور سلک ہیٹ پہنے ہوئے سامنے سے ملے اور میں نے انہیں جھٹ پہچان لیا۔ تو ہمارے ملتان کے دوست میر صفدر حسین صاحب تھے جو اپنے تعلقے کی ایک بھاری مقدمہ کی اپیل پریوی کونسل میں دائر کرنے آئے ہوئے تھے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ یہ کامیابی سے واپس گئے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ اس کی ٹوپی آپ نے بایں ریش وقت کیوں پہنی۔ کہنے لگے جبتک میں نے یہ ٹوپی نہیں پہنی تھی علیحدہ تب تک مجھے بلیکی بلیکی کہتے تھے۔ لاہور کے میرے عزیز بیرسٹر لالہ گنپت رائے صاحب کے بھائی ڈاکٹر جسونت رائے صاحب نے مہربانی کر کے مجھے دو تین دفعہ لنڈن کے مختلف قابل دید مقامات دکھلائے۔ جن کے سلسلے میں ان کا مشکور ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اب تعلیم ختم کر کے بالفعل وہیں پریکٹس کرتے ہیں (ان اوراق کے چھپنے کے وقت لاہور میں پریکٹس کر رہے ہیں) ہندوستان کے چند خاص عمائد کے سوائے جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتے رہے لاہور کے دو رؤسا سے بھی یہاں ملاقات ہوئی۔ رائے بہادر

لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر اور دیوان نریندر ناتھ صاحب ڈپٹی کمشنر بھی ان دنوں لنڈن میں وارد تھے۔ لالہ مدن گوپال صاحب نے جب میرے آنے کی کیفیت سُنی تو خود میرے ہوٹل پر مجھے ملنے گئے۔ لیکن میں اس وقت موجود نہ تھا۔ اور جب میں ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب کے ساتھ ان کے ہوٹل پر ان سے جاکر۔ تو بڑے تپاک سے ملے۔ واپسی پر مجھے الاچیاں دیں اور مکان کے نیچے تک چھوڑنے آئے۔ لیکن دیوان نریندر ناتھ صاحب مجھے راستہ میں یک روز لڈگیٹ سرکس کے سامنے مل گئے میں نے دیکھا ایک شخص سر پر پگڑی باندھے انڈیا آفس کا راستہ پوچھ رہا ہے میری ان سے پہلے ملاقات تھی۔ مگر میں نے انہیں پہچان لیا اور اپنا نام بتلایا۔ انہوں نے کہا میں نے تمہارے آنے کی خبر سنی تھی۔ اور پھر انڈیا آفس کو چلے گئے۔

مسٹر ضیاءالدین احمد بیرسٹر ایٹ لا بھی ایک دو دفعہ میرے ہوٹل میں ملنے آئے۔ اور پھر مجھے سیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ لنڈن میں رہ کر مسلمانان ہندوستان کے حقوق کی حفاظت کروں۔ اور پارلیمنٹ میں داخل ہو جاؤں۔ پچھلے انتخاب کے موقع پر بوجہ آرمینا کے قضیہ کے کسی مسلمان ممبر کے کامیاب ہونے کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ بھی کہا کہ بعض مسلمان امرا جو یہاں آئے ہیں۔ میں نے انہیں صلاح دی ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کا ہفتہ وار اخبار نکالنے کے لئے سرمایہ اکٹھا کریں مگر اب تک کسی نے توجہ نہیں کی۔ پھر کہا کہ لنڈن کے تمام بڑے بڑے اخبارات لنڈن ٹائمز پال مال گزٹ اور سینٹ جیمز گزٹ کے ایڈیٹروں کو جب ضرورت ہوتی ہے کہ کسی اسلامی معاملہ پر مضمون لکھیں تو وہ مجھ سے لکھواتے ہیں۔ (اس کے بعد مولوی صاحب ہندوستان میں آگئے ہیں۔ اور بمبئی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ اور قومی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں)

اپاتھے کیریز ہال

لنڈن میں اپاتھیکریز ہال جو اخبار لنڈن ٹائمز کے دفتر سے قریب ہی ہے ایک نہایت معتبر اور معزز سوسائٹی اپاتھے کریوں یعنی دوا سازوں کی ہے جو سنہ ۱۶۱۷ء سے قائم ہے۔ اس کے بعد بعض پارلیمنٹ کے ایکٹوں کے ذریعہ سے اس سوسائٹی کو اس قدر اعتبار اور اختیار حاصل ہوئے کہ اب انگلینڈ اور ویلز میں جو لوگ اپاتھے کری بننا چاہتے ہیں۔ وہ صرف اسی سوسائٹی کے امتحان دیکر یونیورسٹی کی سند حاصل کر سکتے ہیں۔ مسٹر [illegible] اس معزز سوسائٹی کے سیکرٹری اور مسٹر [illegible] افسر اس کارخانہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک شاگرد کے ساتھ مکان دکھانے بھیج دیا۔ [illegible] انہوں نے مجھے پہلے [illegible] ہال کے تین سو سال کے بنے ہوئے پرانے مکانات اور وہ کمرے دکھلائے جن میں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں۔ اور ڈگریاں ملتی ہیں۔ پھر اپنی میڈیکل [illegible] بڑی عجیب دکھائیں جو [illegible] سے [illegible] ہیں۔ [illegible] میں دوا سازی کا سب سے بڑا کارخانہ [illegible] جب میں نے ان [illegible] کو دیکھا تو [illegible] [illegible] ہاتھ جو [illegible] ہندوستان کو بھیجی جاتی ہے۔ [illegible] سے وہ [illegible] جاتی ہے۔ [illegible] ہندوستان کا [illegible] کہتے ہیں۔ پھر [illegible] کے [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] باوجودیکہ [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہوتی ہے۔ چنانچہ ہول اپنے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انہوں نے ایک [illegible] [illegible] اپنے [illegible] ہوا ہے [illegible] کے ذریعہ سے [illegible] [illegible] اور ان کی بیوی بھی [illegible] اور [illegible] ہیں۔ اس لئے [illegible] وہ [illegible] کر سکتی ہے۔ جب [illegible] [illegible] کتاب میں [illegible]

انجن چلا کر دکھلا رہے تھے تو میں نے کہا کہ میں اصول برق سے واقف نہیں ہوں اس پر میرے میزبان نے کہا کہ میں خود بھی ایسا ہی ناواقف تھا لیکن میں نے کتابوں کے ذریعہ سے اور ورکشاپ میں انگلیاں جلا کر ضرورت کے لائق یہ علم سیکھ لیا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو اور چلتے ہوئے مجھے دو کتابیں اس کی پڑھ دیں یہ انجن بجلی کے کارخانوں میں بیچ کر بہت سے برقی سامان کھلا رہے تھے۔ اور ایک برقی کارخانہ میں چند روز کام سیکھنے کے لئے سپرد کرنے پہ تیار تھے۔ مگر بدنصیبی سے میں زیادہ دیر لندن میں نہ ٹھہر سکا۔ اور ان کے ساتھ دریا پر شکار کے لئے جانے کے جو قرار داد تھے وہ بھی فسخ کرنی پڑی۔ جب شام کو میں ان کے مکان سے جب چلنے لگا تو واٹرلو سٹیشن سے ٹوکنہام تک دوم درجہ کا واپسی ٹکٹ دو شلنگ کو لیا۔ واٹرلو سٹیشن بہت بڑا ہے۔ چند منٹ میں گاڑی لب لب ہو گئی۔ یہاں گاڑیوں کے بیچ کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جب میں ٹوکنہام سٹیشن پر پہنچا رستہ میں ایک انگریز مسافر سے بات چیت ہوتی رہی تھی۔ اس نے کہا کہ ہم نے ایک دوسری ٹرین کا پانچ منٹ انتظار کرنا ہے۔ چونکہ میں مسافر ہوں جانتے ہیں میں نہیں اس سڑک پر اول آتا ہوں۔ وہ بھی وہیں اتر گئے اور مجھے اس مکان کے قریب چھوڑ گئے جس پر مجھے جانا تھا۔ میں نے چھوٹے چھوٹے مہربانی و رسم فروتنی کے بہت سی مثالیں یہاں دیکھی ہیں۔ انگریز بڑی خاموش رہنے والی قوم ہے تاہم اجنبیوں سے بہت خوش نیتی سے پیش آتے ہیں۔ جب میں اس گھر میں پہنچا تو صاحب خانہ بیگم پھولوں کے گلدستے بنا رہی تھیں۔ مجھے بہت تواضع سے بٹھایا۔ میز کے سامنے سے گلدستوں کو جا بجا سجا دیا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ ہندوستان میں پھول بہت ہوتے ہوں گے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ پھول تو بہت ہوتے ہیں۔ لیکن ہم لوگ انہیں اس شوق سے رکھتے اور ان سے کام لیتے ہیں۔ ایک روز اس سے پہلے بھی ایک لیڈی نے

مجھے کہا تھا کہ ہم لوگ ایک ایک چھوں کو احتیاط سے بدلتے اور اپنی میزوں پر سجاتے ہیں۔ غرض ہم کھانے پر بیٹھے۔ میں نے ابلی ہوئی مچھلی اور ابلا ہوا گوشت اور بقولات ترکھائیں۔ لیکن جب تلے ہوئے آلو آئے تو میں نے اپنا شبہ بیان کیا انہوں نے کہا ہم لوگ گرم موسم میں بالکل سور کے گوشت یا چربی کا استعمال نہیں کرتے۔ کھانے کے دوران میں مسز چیٹاوے زیادہ تر ہندوستان کی عورتوں کے پردہ اور ستی اور طلاق کے متعلق نہایت تعجب سے سوالات پوچھتی رہیں۔ مسٹر چیٹاوے نے مجھے کہا نہایت صاف اور صحیح انگریزی بولتے ہو اسی طرح تین چار مرتبہ پیشتر بھی مجھے انگلستان کے کنبوں میں لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان میں باضابطہ یہ زبان سکھلائی جاتی ہے۔ اور صرف نئی بات کہ کسی اجنبی سے ذرا روانی سنکر متعجب ہو جاتے ہیں۔

انگریزوں کی خود پرستی

مسٹر چیٹاوے ہر دلعزیز آدمی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اکثر انگریز وسیع خیالات اور روشن طبیعت رکھتے ہیں۔ مگر ان میں اپنی قوم کی عزت اور دوسری تمام قوموں کو اپنے سے کمتر سمجھنے کا خیال ایسا گہرے طور پر متمکن ہو چکا ہے کہ وہ نکلتا ہی نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے کہا کہ انگریزوں کو لائق ہندوستانیوں کی عزت کرنی چاہیئے۔ میرے میزبان نے کہا کہ پہلے میں بھی اسی بات کا قائل تھا کہ انگریزوں کی عزت کرنی چاہیئے۔ جنہوں کی عزت کی کوئی ضرورت نہیں مگر تجربہ نے بتلا دیا ہے ہماری ایک سوسائٹی میں کہ جس کا نام ایانسش ہے اور جو لندن کی ایک معزز مجلس ہے پریزیڈنٹ کے انتخاب کا معاملہ پیش ہوا۔ جو شخص عہدہ پریزیڈنٹ کے لئے منتخب کیا جانے کے لائق تھا۔ وہ انگریز نہیں تھا بلکہ یورپ کے کسی دوسرے ملک کا رہنے والا تھا۔ مگر انگلستان کا تجربہ لمبا عرصہ رہائش حاصل کر چکا تھا۔ تاہم اجنبی ہونے کی وجہ سے اسے بعض انگریز پسند نہ کرتے تھے۔ ممبر اس کے کھڑے ہو کر

دیک تقریر میں یہ فقرہ بیان کیا۔ صاحبان تم اتنے تو انگریز پیدا ہو جیسے اور میں نے انگریز بننا پسند کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر چٹاوے سے کہ کہ مجھ پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا اور میں نے اس وقت سے مان لیا کہ لیاقت کہیں بھی ہو اس کی عزت کرنی چاہئے افسوس ہے کہ میں بوجہ لنڈن سے جلدی چلے آنے اور وہاں ایسے زمانہ میں پہنچنے کے کہ جبکہ بہت لوگ بوجہ تعطیل شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں سے نہ مل سکا جن کے نام کے میرے پاس خطوط تھے۔ یا جنہے کہ مجھے وہاں کے ملاقاتی ملاقات کرنا چاہتے تھے۔

انگلستان کی بہادر مائیں

لاہور گورنمنٹ کالج کے پروفیسر آرنولڈ صاحب جیسے خود فرشتہ سیرت ہیں ویسے ہی ان کے ماں باپ بھی خوش اخلاق اور نیک ہیں۔ میں ایک روز جیرنگ کراس سٹیشن سے سوار ہو کر ان کے مکان لوئی شام جنکشن و ملاقات کے گئے ہیں۔ یہ چھ میل کا سفر تھا۔ گرچہ میل نہیں پندرہ میل تک لنڈن کے ہر طرف بڑی آبادی ہے کہیں سلسلہ مکانات کا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ بہر حال میں ان کے گھر پہنچا۔ پروفیسر صاحب کی والدہ صاحبہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ تم میرے ٹام کے دوست ہو اس لئے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ مجھے یہ تمہارے پروفیسر آرنولڈ کو ہمیشہ ٹام کہو۔ مجھے پچھلے دنوں اس کی سخت بیماری کی خبر آئی تھی۔ جس سے مجھے اس کی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اور میں اسی فکر سے بیمار پڑ گئی۔ اور تبدیل آب و ہوا کے لئے شہر سے باہر چلی گئی۔ ہر چند کہ میرے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہیں۔ مگر جیسا کہ ناز کرتی ہوں۔ ٹام ان سے مجھے بہت محبت ہے پھر مجھے پروفیسر صاحب کی وہ تصنیف کردہ کتابیں نکال کر دکھلائیں بلکہ کہ میرے اس بیٹے کے سوائے جو لاہور میں ہے میری ایک لڑکی انگلستان میں مائی سکول زنانہ کی انسپکٹرس ہے۔ دوسری دو لڑکیاں جزائر شرقی ہند میں سر رشتہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ ایک لڑکی پاس ہے جس کی گذشتہ جون میں شادی کی

ہے۔ اور داماد مسٹر رچرڈس بھی اسی گھر میں رہتا ہے۔ اور ایک لڑکا فوج میں افسر ہے جو جبرالٹر میں مقیم ہے۔ یہ سنکر پھر ایک مرتبہ انگلستان کی جوانمرد عورتوں اور بہادر ماؤں کو آفرین کہنے کو میرا دل چاہا۔ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے وطن سے نکل کر دنیا کے مشرق و مغارب میں پھیل جاتے ہیں جبھی تو انگلستان کی حکومت دنیا کے ہر حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ہمارے ہندوستان کی مائیں ہیں کہ کبھی گوارا نہیں کرتیں کہ اُن کے بیٹے بیٹیاں آنکھ سے اوجھل ہوں۔ اس کے بعد اس محترم سن خوردہ لیڈی نے مجھے ایک الماری سے کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں کھلونے اور چینی کے برتن دکھائے جو یا تو اُس کے بیٹے بیٹیوں نے بھیجے تھے یا بچپن کے زمانے سے اُس نے انہیں رکھا ہوا تھا۔ اور ہر چیز کے ساتھ ایک شان نزول تھی۔ یورپ کے سب ملکوں میں یہ دستور عام پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عورتوں کو سوائے زیورات یا اثاث البیت کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ آرائش کی چیزوں، چھوٹے موٹے تحفوں کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا بھی اس ملک میں خیال پیدا نہیں ہوا۔

گرینچ منظر گاہ اور بحری عجائب خانہ

کھانا کھانے کے بعد مسٹر اور مسز ارنولڈ مجھے گرینچ کو مشہور پارک و ہسپتال دکھانے کو لے گئے۔ گرینچ ہسپتال پہلے شاہی محل تھا۔ پھر بحری سپاہیوں کا ہسپتال اور اب بحری تعلیم کا کالج ہے۔ اس میں ایک ہال بحریت کے امیر البحروں کی تصاویر کا ہے۔ اور کئی بحری معرکوں کے مرقعے بنے ہیں۔ چند افسروں کے مومی و سنگ مرمر کے بت بھی ہیں۔ امیر البحر لارڈ نلسن کا وہ لباس بھی جو اس نے ایک گولی لگنے کے وقت پہنا ہوا تھا یہاں رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک سیاہ کوٹ ایک واسکٹ۔ ایک برجس اور جرابوں کا جوڑا ہے۔ آجکل کے کپڑوں کے مقابلہ میں یہ کیسے بھدے اور معمولی کپڑے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے

سن اس زمانہ سے آجتک کپڑے بننے میں دُنیا نے کتنی ترقی کی ہے۔ امیر البحر کے سر کے کچھ بال (چینیوں کی طرح انگریز بھی اس زمانہ میں بالوں کی چوٹیاں بناتے تھے) اس کی تحریر کے چند نمونے۔ اس کے کھانے پینے کے دو ایک برتن۔ اُس کی شمشیر معہ طلائی نیام۔ اور ایک ہاتھی دانت کے کام والی توڑے دار بندوق اور بارود دان کے جو سلطان ٹرکی نے جنگ نیل کی یادگار میں اُسے دی تھی۔ سب محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ نلسن اور اس کے جہاز "وکٹری" (فتح) کی چند تصویریں بھی یہاں تھیں جنہیں لوگ نہایت عقیدت سے دیکھتے تھے۔ اس مکان کے سقف پر ایک نہایت عمدہ تصویر بطور "یادگاری" کے ایک اُستاد نے بنائی ہے جو مدت تک پشت کے بل لیٹ کر اس تصویر کو بناتا رہا۔ مشہور ہے کہ ایک موقعہ پہ اُستاد مصور اس تصویر کے بنانے اور اپنی دستکاری کو دیکھکر پسند کرنے میں اسقدر محو تھا کہ اُس کا ایک قدم پیچھے پڑنے والا تھا۔ اور اس قدم کے پیچھے پڑتے ہی وہ اس نشست سے جو اس کام کے لئے بنائی ہوئی تھی گر کر مر جاتا۔ فی الفور اُس کے ایک شاگرد نے یہ خطرہ کی حالت دیکھکر تصویر کے منہ پر رنگ کا برش پھیر دیا۔ اور اُستاد بجائے پیچھے قدم رکھنے کے اپنی تصویر بچانے کو آگے کو بڑھا اور اُس کی جان بچ گئی۔ اس کے سامنے دوسرے مکان میں ایک بحری عجائب خانہ ہے۔ اس میں بہت سے لکڑی کے جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے اور جہاز سازی کے سمجھانے کے لئے جہاز کے پرزوں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ جنگ ٹریفالگر کی حالت۔ فرانس اور انگلستان کے جہازوں کے بیسیوں نمونے بنا کر انہیں اُسی پوزیشن میں رکھا گیا تھا کہ جس میں معرکہ جنگ کے وقت وہ تھے۔ غرض جہازرانی کے آلات اور تمام سامان متعلقہ یہاں دکھلایا جاتا ہے۔ یہاں دریائے ٹیمز شہر کے اندر کی نسبت بہت چوڑا تھا۔ لندن کے دھوئیں کی وجہ سے یہ شاہی محلات ایسے سیاہ ہو رہے تھے کہ سنا ہے ایک دفعہ انہیں دھونے کی بھی کوشش کی گئی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

یہاں سے ہم رصدگاہ گرینچ کو دیکھنے گئے جو گرینچ پارک میں ایک دوسرے شاہی محل کے پس پشت ہے کہ جس میں ملکہ الیزبیتھ رہتی تھی۔ گرینچ پارک بڑا وسیع اور بہت خوبصورت ہے۔ ہزاروں عورتیں بچے اور مرد یہاں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بعض کھانے پینے پھرنے کھیلنے اور تفریح میں مصروف تھے۔ اس قسم کی تفریح کا ہمارے ملک میں کوئی رواج نہیں۔ جس زمانہ میں کشمیری شالوں کی یوروپ میں قدر تھی۔ اس وقت امرتسر کے شالباف کشمیری کبھی کبھی اس قسم کی سیر و تفریح کے لئے کام سے تعطیل کر کے امرتسر کے باغات میں جاتے تھے۔ اور وہیں کھانے پکا کر دن بھر رہتے تھے۔ لاہور میں بھی بعض بعض محلوں کے لوگ اکٹھے ہو کر سال میں ایک آدھ دفعہ شالامار باغ یا شاہدرہ کے باغ میں سیر کو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے بہت کچھ بہتر طور پر انگلستان کے اکثر لوگ ہر اتوار کو بلکہ کئی لوگ ہفتہ کا ساتواں دن سیر و تفریح کے لئے فرصت نکال لیتے ہیں کیونکہ آج ہفتے کے روز سہ پہر کو میں نے ہزارہا تماشائی گرینچ پارک میں دیکھے تھے۔ افسوس ہے کہ رصدگاہ کو ہم لوگ اندر سے نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ اس کام کے لئے پہلے سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اور عورتوں کو قطعاً رصدگاہ کے اندر جانے کی ممانعت ہے۔ خاص اس لئے کہ اُن کے لباس میں معدنیات کی اجزا زیادہ ہوتے ہیں کہ جن سے رصدگاہ کے مقناطیس وغیرہ موثر ہوتے ہیں۔ رصدگاہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ اس کے باہر وقت کے نہایت چھوٹے حصے بتلانے والا ایک کلاک لگا ہوا ہے۔ پارک کی سڑک کے دونوں طرف غیر معمولی چیس نٹ کے سایہ دار درخت ہیں۔ اور جا بجا کرسیاں اور بنچیں لوگوں کے آرام کے لئے پڑی ہیں۔ سامنے بلیک ہیتھ کا خوبصورت قصبہ ہے۔ غرض شام کو پھر آ کر ہم مکان پر پہنچے۔ یہاں شام کے کھانے کا انتظار ہو رہا تھا۔ ولایت میں دوپہر کا کھانا ہی زیادہ کھاتے ہیں۔ شام کا بہت کم ہوتا ہے۔ کھانے پر ایک اور مہمان بھی تھا۔ اُسے یہ معلوم ہو کر بڑا تعجب ہوا کہ ہندوستان مفلس

ملک ہے اور وہاں اکثر قحط رہتا ہے۔ اُس کا اس وقت تک یہ خیال تھا کہ اہل ہند کے پاس بہت سے چاندی سونے کے ہورڈس (Hoards) انبار ہوتے ہیں۔

انگلستان میں مزدور کیا کماتا ہے

میں نے کہا ہندوستان میں ایک مزدور تین چار آنہ پیسہ کماتا ہے۔ اور قحط کے کاموں پر صرف آنہ ڈیڑھ آنہ پیسہ۔ مسٹر رچرڈسن نے کہا تو وہ اس حالت پر شاکی نہیں ہیں۔ میں نے کہا بلکہ بجے مطمئن ہیں۔ اُس نے کہا انگلستان میں ایک مزدور کی شرح اجرت فی گھنٹہ ایک شلنگ دو پنس مقرر ہے۔ یا ہفتہ وار ایک مزدور تیس شلنگ یا دو پونڈ کماتا ہے۔ لیکن اس پر وہ خوش نہیں۔ وہ کہتا ہے میرے بچوں کی خوراک ٹیکس دینے والے (یعنے جو لوگ اُن سے آسودہ ہیں) دیں۔ میرے کپڑے بھی ٹیکس پہ لادیں۔ اس قدر روپیہ جو مزدور کماتے ہیں زیادہ تر شراب خوری میں صرف کر دیتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ شہر لنڈن میں پورڈ کونسلیں ۸ پنس فی پونڈ کا ایک ٹیکس لیکر غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ غرض اس سے یہ ہے کہ امیر جو زیادہ خرچ کر سکتے ہیں شہر کے گلی کوچوں کی درستی کا بوجھ انہیں پر پڑتا ہے۔

کنبے کے متعلقات کی صفائی

جس طرح ہندوستان میں ایک کنبہ میں بیٹے پوتے سب ملکر رہتے ہیں۔ ایسے مشترک کنبے کے خیال سے اہل انگلستان ہاتھ اُٹھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اس طریقہ میں نقص یہ ہے کہ کئی نوجوانوں کو بجائے کمر پر بیکار پڑے رہنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور یہ خیال انکا بالکل غلط نہیں ہے۔ انگلستان میں غریب مزدوری پیشہ لوگوں کے بچے تو سات آٹھ سال کی عمر میں کسی نہ کسی طرح کمانے لگتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات والدین بارہ چودہ سال کے بچوں کو کہدیتے ہیں کہ جاؤ کماؤ اور کھاؤ۔ اس لئے کئی لوگ شادی سے پہلے ہی علٰحدہ کماتے کھاتے ہیں

اور اگر والدین کے گھروں میں کھانا کھاتے اور سوتے ہیں تو انہیں کھانے اور سونے کے دام دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں مسٹر گلیڈسٹن مشہور وزیر اعظم انگلستان کا داماد اور ان کی لڑکی انہیں کے گھر میں رہتے تھے اور انہیں مکان کا کرایہ اور کھانے کے دام برابر دیتے تھے۔ یہ بات ذرا بھی خلاف قیاس نہیں۔ خواہ صحیح ہو۔ یورپ میں رشتہ کا تعلق ہندوستان کی طرح زیادہ تر سنٹی منٹ (خیال اور وہم) پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں ہر بات کو عملی صورت دی جاتی ہے۔ یہ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک میاں بیوی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ بیوی کا باپ بھی مہمان تھا۔ ابھی اِن کی شادی کو چھ مہینے ہی گذرے تھے۔ اس لڑکی نے میز پر سب مہمانوں کے پیالیوں میں چائے ڈال دی۔ اور اپنے شوہر کی پیالی میں غلطی سے پہلے ڈالی باپ نے بیٹی کو کہا کہ آج سے چھ مہینے پہلے تم کبھی ایسا نہ کرتیں۔ مطلب یہ تھا کہ شادی سے پہلے تمہیں اپنے شوہر کا بہت زیادہ خیال تھا۔ بیٹی تو ہنس دی۔ لیکن داماد نے کہا کہ مجھے اپنی پیاری بیوی پر کوئی بدظنی نہیں۔ اور یہ ایک عام بات اہل یورپ کے خیال کے مطابق ہے۔ لیکن ہندوستان میں ایک نہایت عجیب اور اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھی جاتی ہے۔ میرے ایک دوست نے اتفاق سے تیسری شادی کی۔ ماشاء اللہ دولہا میاں کی عمر پینتالیس سال سے کم نہ تھی۔ لیکن ان کے خسر مارے حیا اور تہذیب کے اپنے داماد کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور داماد صاحب خسر صاحب کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور اس طرح سوائے ہاں یا نہ کے ان میں گفتگو کا سلسلہ بھی بہت کوتاہ تھا۔

لیڈیوں کا احترام ایک روز میں مسز بیک صاحبہ کے ملنے کو گیا۔ جو علیگڑھ کالج کے مرحوم پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک کی والدہ صاحبہ ہیں۔ ان کا مکان البیمرل اسٹریٹ میں بہت عمدہ ہے۔ اس وقت یہ اپنے باغیچہ میں بیٹھی ہو

رہی تھیں۔ جب میں گیا تو اُن کی دو بیٹیاں بھی پاس آ بیٹھیں۔ اُن میں سے بڑی بیٹی حال ہی میں نمائش پیرس دیکھ کر واپس آئی تھیں۔ اور خود نمائش سے بہت سے فوٹوگراف اُتار کر لائی تھیں۔ اور اِن تینوں بیبیات کو ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کی باتوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ چھوٹی بیٹی علیگڑھ میں ۲ سال تک رہ آئی ہیں۔ علیگڑھ کے بہت لوگوں کو جانتی ہیں۔ اور اب تک کالج میگزین کو شوق سے پڑھتی ہیں۔ مسز بیک صاحبہ نے کہا میرے بیٹے نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے واسطے وقف کر دیا تھا۔ اور بھی کئی باتیں مسز بیک اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ہوتی رہیں۔ بیک صاحب کی والدہ کے چہرے سے نہایت ذہانت اور اطمینان نمایاں تھا۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی ہندوستانی عورت اپنے متوفی بیٹے کا ذکر کر کے زار و قطار نہ روتی۔ لیکن میں نے ایک ثقہ سے سنا ہے کہ جب مسز بیک کو اپنے لائق اور جوان بیٹے کے مرنے کی خبر پہنچی تو اُس نے اتنی ہی بات مُنہ سے نکالی کہ افسوس میرا بیٹا مر گیا! اور اس کے بعد رضا بقضا ہو کر ذرا غم ظاہر نہ کیا۔ میں ایک روز پھر بھی چائے پینے کو یہاں آیا تھا۔ مسز بیک کے حالات کو دیکھ کر اور باتوں کو سُن کر میں انھیں شائستہ لیڈیوں کا آئیڈیل (نمونہ) سمجھتا ہوں۔ آج یہیں مسٹر احسان الحق خلف صوبہ دار میجر پنشنر خان بہادر غلام حسین صاحب رئیس جالندھر بھی آ گئے جو بیرسٹری کے لئے تعلیم پاتے ہیں۔ یہ یہاں والنٹیرز میں رائل آرٹلری میں بھرتی ہو گئے ہیں (غالباً اس سے پہلے کبھی کوئی ہندوستانی انگلستان میں والنٹیر نہیں ہوا) اور دو ہفتے کیمپ میں رہ کر ابھی آئے تھے۔ یہ کیمپ میں تمبوؤں کے نیچے سونے کے قصے سناتے رہے۔ آج اتوار کا دن تھا۔ جب ہم دونوں یہاں سے رخصت ہو کر بازار میں پہنچے تو میں نے دیکھا میرے پاس گاڑی کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ اور میرا خیال تھا کہ بوجہ اتوار کے آج پونڈ کا بدل کہیں نہیں ملیگا۔ مسٹر احسان نے کہا

کہ تمباکو کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہم ایک تمباکو کی دوکان میں گئے
اور دوکاندار عورت سے دریافت کیا کہ وہ ایک پونڈ کا بدل دے سکیگی۔ اس نے
بڑی خوشی سے بدل دینا منظور کیا۔ مسٹر احسان نے کہا یہاں کے لوگ بہت
اچھے ہیں۔ ہندوستان میں جاکر انگریز بالکل دوسری چیز بن جاتے ہیں
یہاں مجھے کرکٹ میں کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ اسپر لوگ مجھ سے ہاتھ ملاتے
ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ بالکل حسد نہیں کرتے۔

گلڈ ہال ہر چند کہ اب ۱۸۸۹ء سے لنڈن میں کونٹی کونسل بمنزلہ لنڈن کی
میونسپل کمیٹی کے کام کرتی ہے۔ لیکن لنڈن کی اصل میونسپل کمیٹی یہاں کا
گلڈ ہال ہے۔ گلڈ ہال در اصل لنڈن کے لئے میونسپل ٹاؤن ہال سے بہت
زیادہ ہے۔ اور قدیم الایام سے لنڈن کے انتظام کا مرکز رہا ہے بلکہ سلطنت
کے تمام انگلستان کی ترقی اور تنزل کی تاریخ اسی سے وابستہ ہے۔ ایک
مصنف نے لکھا ہے۔ "جن تمام معرکوں میں شہر لنڈن نے امور سلطنت میں
براہ راست دخل دیا ہے اسپر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور اس کی
مثال تاریخ انگلستان کو گلڈ ہال کی کھڑکیوں سے دیکھنے کی ہوگی۔" حقیقت میں
انگلستان کی تمام آزادی حقوق اور کامیابی شہر لنڈن کی کوشش سے حاصل
ہوئی ہے۔ اور اس تمام کوشش اور کشمکش کے لئے اہل لنڈن کا ماوا و
ملجا گلڈ ہال تھا۔ مسٹر والٹر بیسنٹ مشہور ناولسٹ اور مورخ نے لنڈن اور
اس کے مرکز گلڈ ہال کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے۔ "اصل اصول یعنی آزادی
کی ضرورت باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملتی رہی۔ اہل شہر نے اسے اپنا مذہب
بنا لیا۔ انہوں نے اس کا اعلان کیا اور وہ اس کے لئے لڑے۔ انہوں نے
اسے جیت لیا۔ اور پھر ہار دیا۔ اور پھر ایک حصہ جیتا اور پھر ہار گئے۔ آخر کار
انہوں نے اسے سالم و کامل جیت لیا۔ اور اس کے جیتنے میں انہیں ایسا عمدہ
فتح ہوا کہ جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ورثا کے لئے

اور نیز ان سب کے لئے کہ جہاں انگریزی بولی بولی جاتی ہے۔ آزاد شہروں میں آزاد آدمیوں کے حقوق اور افراد اور جائداد کے حقوق غرض سب کو جیت کر چھوڑا۔ اس جیتنے کے بڑے کام کے لئے تمام مشورے اور انتظام گلڈ ہال میں ہوتے تھے۔ گلڈ ہال کی حقیقت یہ ہے کہ تمام شہر لنڈن کے لوگ کہ جو قدیم الایام سے

لوری کمپنیاں

مختلف پیشوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے پیشوں کی جماعتیں (یعنی گلڈ) قائم کر لیں۔ مثلاً ٹالو شانڈلرس کمپنی (موم بتی بنانے والے) ہالاک سیکرس کمپنی (گھڑیاں بنانے والے) ڈریپرس کمپنی (بزاز) وہیل رائیٹس (گاڑیوں کے پہیے بنانے والے) وغیرہ۔ انہیں پیشہ وروں کی جماعتوں کو لوری کمپنیاں کہتے ہیں۔ لنڈن میں کل ایسی ۷۴ کمپنیاں یا گلڈ (جماعتیں) ہیں۔ اور ان سب کے ملا کر آٹھ ہزار آٹھ سو ممبر ہیں کہ جنہیں لوری مین یا فری مین کہا جاتا ہے۔ ان سب کمپنیوں کے عالیشان مکانات اور کورٹ آف آرمس قدیم زمانے سے علیحدہ علیحدہ چلے آتے ہیں۔ ان کے پریذیڈنٹ کو ماسٹر اور سکریٹریوں کو وارڈن کہتے ہیں۔ جو مالی اور انتظامی کام کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے ممبر یا تو پیدائش اور یا میعاد ملازمت کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کمپنی کا ممبر اب بھی وہی پیشہ رکھتا ہو۔ جو کمپنی کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ممبر کچھ سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ اور اگر ممبر کبھی ناکارہ اور مفلس ہو جائے تو سوسائٹی اس کی بیوی بچوں کی پرورش کے لئے کچھ مدد دیتی ہے۔ سال میں دو مرتبہ سب ممبروں کا جلسہ اور کھانا کمپنیوں کے مکانوں میں ہوتا ہے۔ پھر سب لوری کمپنیوں کے ممبر گلڈ ہال کے بڑے ہال میں جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر کمپنی کا محرر ہر ممبر کا نام پکارتا جاتا ہے۔ یہاں یہ شیرف کا انتخاب کرتے ہیں۔

لارڈ میئر کا انتخاب

انتظامی کونسل کے ممبروں یا شیرفوں یا پاسٹ ماسٹروں میں سے کسی شخص کو کثرت رائے سے ہر سال ۲۹ ستمبر کو لنڈن کا

لارڈ میئر منتخب کرتے ہیں۔ اس طرح شہر کی سول گورنمنٹ لارڈ میئر مع چیمبرلین الڈر
مینوں و دو شیرفوں اور ۲۳۰ کامن کونسل مینوں کے سپرد رہتی ہے۔ یہ گلڈ ہال
لارڈ میئر کا سرکاری مکان یا شہر کا ٹاؤن ہال ہے۔ لارڈ میئر گلڈ ہال میں سب
لوری کمپنیوں کی مجالس کونسل سمیت جلسہ کرتا ہے۔ اس جلسہ کا کمرہ ایک
گویا ہاؤس آف کامنز شہر لنڈن کہلاتا ہے۔ جس میں لارڈ میئر بحیثیت میر مجلس
ایک بہت بلند کرسی پر بیٹھتا ہے۔ ممبر اس کے گرد گیلریوں میں بیٹھتے ہیں
اس کمرہ میں شاہی خاندان کے موجودہ ممبروں کے سنگ مرمر کے بت رکھے
ہوئے ہیں۔ پہلو کے ایک چھوٹے کمرہ میں لارڈ میئر اہل شہر کے چھوٹے چھوٹے
ڈیپوٹیشن قبول کرتا ہے۔ یہ مکان تین سو سال سے بنا ہوا ہے۔ اور اس کی
چھت کی نقاشی مع منقش تصویریں اور اس کا چوبی فرش جو نہایت خوبصورت
ہیں سب اتنے ہی پرانے ہیں۔ لارڈ میئر لنڈن کا چیف مجسٹریٹ بھی ہوتا
ہے۔ اور پولیس کا اعلیٰ افسر بھی گنا جاتا ہے۔ اس کا چہارم خرچ گلڈ ہال کی جائیداد سے
ادا کیا جاتا ہے۔ لارڈ میئر کے اپنے مکان مینشن ہاؤس کی پہلی منزل سے حوالات
کا کام لیا جاتا ہے۔ جہاں زیر تجویز ملزم رکھے جاتے ہیں۔ جب کبھی اہل شہر
کسی مصیبت کی رفع داد یا کسی خوشی کے اظہار کا جلسہ کرنا چاہیں تو لارڈ میئر
اس کا سرپرست ہوتا ہے۔ ہندوستان کے قحط زدگان کے لئے چند سال
پہلے جو چندہ لنڈن میں جمع کیا گیا تھا۔ وہ لارڈ میئر ہی کی سرپرستی سے جمع
ہوا تھا۔ اور اسی طرح جنگ ٹرانسوال کی امداد میں لارڈ میئر نے فنڈ کھولا تھا
لارڈ میئر سال میں ایک دفعہ زمانہ کرسمس میں شہر کے بارہ سو سے زیادہ غریب
بچوں کو مفت دعوت کھلاتے ہیں جو رگڈ اسکول یونین منتخب کر کے بھیجتی ہے
اور پچھلے سال پانچ ہزار ایسے بچوں کو جو حاضر نہ ہو سکے تھے کھانا مکانوں پر
بھیجا گیا تھا۔ منتخب لارڈ میئر کے بعد ایک روز لارڈ میئرس شو یعنی شہر کے
مطلق سے اور طرح طرح کی قیمتی سواریوں پر لارڈ میئر کا جلوس نکلتا ہے جس کے

بعد لارڈ میئر کا مشہور ڈنر ہوتا ہے جس میں لنڈن کے تمام امرا اور ارکان سلطنت وزیر اعظم تک شریک ہوتے ہیں۔ اور دعوت کے بعد وزیر اعظم کے لئے مناسب ہوتا ہے کہ اپنی گورنمنٹ کی پالیسی کے متعلق تھوڑی سی تقریر کرے۔ گویا کہ وہ باشندوں کے منتخب اشخاص کو اپنی حکومت کی طرف سے اطمینان دلاتا ہے۔ اب تک یہ دستور قدیم زمانہ کا چلا آتا ہے کہ جب ملکہ یا بادشاہ انگلستان شہر لنڈن میں آئیں (کیونکہ شاہی محلات ہمیشہ شہر سے باہر رہے ہیں) تو لارڈ میئر شہر کی چابیاں ان کے پیش کرتا ہے۔ تب وہ شہر میں داخل ہوتے ہیں شہر کی حفظان صحت اور کئی ایک اوقاف کا انتظام بھی گلڈ ہال کی کمیٹیوں کے ماتحت میں زیر نگرانی لارڈ میئر رہتا ہے۔

گلڈ ہال کی تعمیر اور کتب خانہ وغیرہ

گلڈ ہال کی عمارت واقعی عالیشان ہے۔ اس کے بڑے کمرے کا مقابلہ یوروپ کی بڑی بڑی نامور عمارتوں کے ہالوں سے ہو سکتا ہے۔ جن کے عرض طول اور ارتفاع ذیل میں درج ہیں۔

نام عمارت	لمبا فیٹ	چوڑا فیٹ	بلند فیٹ
روم کے گرجا سینٹ پیٹر یا ڈکلی سنگینی کا ہال	۳۰۸	۷۴	۸۴
سلچسٹر میں رومن شہر کے باسلیکا کے کھنڈرات	۲۷۸	۹۰	—
ویسٹ منسٹر ہال لنڈن	۲۳۸	۶۷½	۹۰
پاڈوا میں پلازو ڈیلا ایجیون	۲۴۱	۸۴	۸۰
کرائسٹ ہاسپٹل لنڈن	۱۸۷	۵۱	۴۷
فلارنس میں پلازو ویچیو	۱۷۴	۷۴	۷۰
شیفیلڈ ہال ڈرہم	۱۸۰	۵۰	—
سینٹ جارج ہال لورپول	۱۷۰	۷۴	۸۴
لولو تا میں پلازو ڈل پوڈستا	۱۷۰	۴۹	—
ویسنزا میں پلازو ڈل ایجیون	۱۹۹	۹۹	—

گلڈ ہال لنڈن	۱۵۲	۴۹½	۸۹
ٹاؤن ہال برمنگھم	۱۳۰	۶۵	۶۵

اس ہال میں بہت سی رنگین شیشہ کے دریچے لگے ہوئے ہیں۔ ہر دریچہ میں شہر لنڈن کی تاریخ یا انگلستان کی کسی تاریخی واقعہ کی تصویریں رنگین شیشہ میں ایک ایک لوری کمپنی یا کسی دولتمند نے بڑی لاگت سے تیار کرائی ہیں۔ ایک سیڑھی کے دونوں طرف دو بت گاگ میگاگ (Gog Magay) یعنے یاجوج ماجوج کے بنا رکھے ہیں۔ جنہوں نے اہل لنڈن کی کسی روایت کے مطابق شہر کی طرف سے کسی غنیم کو پچھاڑا تھا۔ ہال میں انگلستان کے بعض ناموروں کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ ہال کے علاوہ اینٹی روبی سمان ہال۔ کونسل چیمبر۔ الڈرمینس کورٹ روم وغیرہ سب کمرے بڑے تکلف سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی فرنیچر چھتوں اور دیواروں کی آرائش پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہونگے۔ کونسل چیمبر میں انگلستان کے بڑے بڑے مصنفوں جرنیلوں اور مدبروں کے بسٹ (مجسمہ) رکھے ہوئے ہیں۔ گلڈ ہال کی لائبریری میں ایک لاکھ ۱۲ ہزار کتابیں اور بیس ہزار پمفلٹ رسالے ہیں۔ ایک ہزار پونڈ کی ہر سال نئی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ اور چار ہزار پونڈ اس کی نگہداشت کا خرچ سالانہ ہے۔ اس لائبریری کے ساتھ اخبارات کا ریڈنگ روم ہے جس میں ہر قسم کے اخبارات خصوصاً تجارتی رسالے اور اخبار جمع کئے جاتے ہیں۔ اور ڈائرکٹریاں بھی ہر قسم کی یہاں مہیا تھیں۔ یہیں میں نے سب سے زیادہ مقدار مختلف ڈائرکٹریوں کی دیکھی ہے۔ گو بعض ہوٹلوں میں بھی یوروپ کے مختلف ملکوں کی بڑی بڑی ڈائرکٹریاں دیکھی ہیں۔ میرے رفیق مسٹر جارج رچرڈسن جو خود لوری میں ہیں مجھے گلڈ ہال دکھلا رہے تھے اور تمام کیفیت بتلاتے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کا ملازم بھی ایک شخص ہمارے ساتھ تھا۔ مسٹر رچرڈسن نے شکریہ کے بعد چھ پنس اس کے ہاتھ میں رکھدیئے

تو وہ چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے مکان کے نیچے کا کرپٹ (تہ خانہ) دکھلایا۔ جو بجائے خود بڑا عظیم اور خوشنما ہال تھا۔ یہ بھی کئی سو سال کا ہے۔ آگے فرنچ ہیوج ناٹ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس شخص کو بھی چند قدم نیچے آکر دو باتیں کرنے کے لئے مسٹر رچرڈسن چھ پنس دینے لگے۔ لیکن میں نے اصرار کر کے خود دیئے۔ اُس نے کہا یہ یہاں بڑی رسم ہے۔ جب کوئی شخص اپنے فرض منصبی کے علاوہ ذرا بھی کام کرتا ہے تو وہ ٹپ کی امید رکھتا ہے۔ خصوصاً براعظم یورپ پر مشہور ہے کہ انگریز اپنا کرایہ نہیں گنتا ہوں سلئے اُسے وہ لوگ چند پیسے کم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی نمائش پیرس میں انگریز وہاں بکثرت شریک نہ ہونے کو محسوس کر رہے ہیں۔ گلڈ ہال کا عجائب خانہ بھی دیکھا۔ گلڈ ہال کے بڑے دروازہ کے سامنے پانی پینے کا چشمہ ہے۔ اسکے قریب صدہا دست آموز کبوتر گلڈ ہال سے ہیں۔ جنہیں قدیم الایام کے دستور کے مطابق یہاں کے افسر ہر روز دانہ ڈالتے ہیں۔ یہاں سے مل کر مسٹر رچرڈسن نے مجھے اپنی دوری کمپنی یعنے ٹیلوچ منڈرس کا مکان دکھلایا۔ جو عالیشان سہ منزلہ مکان تھا۔ جس میں کونسل درجہ دعوت اور انتظامی افسروں کے کمرے الگ الگ تھے۔

مچھلی کی منڈی اور گالی کی منڈی

یہاں سے ہم لندن کی مچھلی بیچنے کی منڈی بلنگس گیٹ نامی میں گئے۔ یہ منڈی ایک ہزار برس سے مچھلی کے لئے مخصوص ہے۔ اور چونکہ کسی زمانہ میں مچھلی بیچنے والی عورتیں یہاں جمع ہو کر بدزبانی میں مصروف ہوتی ہونگی۔ اس لئے انگریزی زبان کی اصطلاح میں بلنگس گیٹ کے معنے گالی دینا ہو گیا ہے۔ اس مکان کا گھاٹ دریا سے ملحق ہے صبح مچھلی کی کشتیاں سمندر کی طرف سے دریا میں آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اور جہاز صرف انگلستان کے سمندروں سے ہی نہیں آتے بلکہ سویڈن ناروے تک سے مچھلیاں بار کر کے آتے ہیں۔ منڈی میں جہاں تک نظر جاتی ہے

زندہ اور مردہ انواع واقسام کی مچھلیوں کے ڈھیر پڑے ہوتے ہیں
لوگ بولی دیکر اِن مچھلیوں کو آپس میں نیلام کر لیتے ہیں۔ اور پھر اور لوگوں کے
ہاتھ بیچتے ہیں۔ گو فرش پتھر کا تھا۔ اور بیچ میں آہنی راستے پانی چھننے کے تھے۔
تاہم مکان گندہ ہو رہا تھا۔ سامنے سینکڑوں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جن پر مچھلیوں اور
جھینگڑوں وغیرہ کی ٹوکریاں لدی تھیں جو جا بجا شہر میں تقسیم کرنے کو لے جانے والی
تھے۔ یہاں کے تمام مزدور بہت غلیظ کپڑوں والے تھے۔ اس کے قریب ہی
کوئلہ کا ایکسچینج تھا۔ ایک عالیشان مکان کے درمیان ایک گول حلقہ کے گرد
نچلے فرش کی میزوں پر کوئلہ کی قیمت کی بولیاں دینے والے لوگ کھڑے ہوتے
ہیں۔ اس کے اوپر تین منزلوں میں گیلریاں ہیں۔ جہاں سب کوئلہ کے سوداگروں
کے دفتر ہیں۔ اور وہ خریداری کی بولیاں دیتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ یہاں بڑا اہتمم
بالشان معاملہ ہے۔ اور اسی پر اِن ملک کا تمام دارومدار ہے۔ یہاں سے ہم

تاور آف لنڈن

تاور دیکھنے گئے۔ شنبہ و یکشنبہ کو یہ جگہ مفت دیکھنے کی اجازت
ہے۔ دوسرے دنوں میں چھ پنس ہر شخص سے داخلہ کے لئے لیا جاتا ہے
آج بوجہ ہفتہ کے کچھ دینا نہیں پڑا۔ لنڈن کا یہ بہت مشہور اور تاریخی مکان
قریب ایک ہزار سال پہلے قلعہ تھا۔ کبھی شاہی محل رہا۔ کبھی جیل خانہ اور کبھی
دیوان عدالت۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس کا وائٹ ہوس (سفید مکان) ہوس
قیصر جولئیس سیزر نے بنایا تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیم فاتح انگلستان کے
پہلے بادشاہ نے اسے بطور قلعہ کے تعمیر کیا تھا۔ زیادہ تر یہ بادشاہوں اور
امیروں کے قیدخانہ کے لئے مشہور ہے۔ ویل ٹاور میں ملکہ الزبتھ قید رہی
وائٹ ٹاور میں سر والٹر ریلی۔ بلڈی ٹاور میں شاہ ایڈورڈ چہارم کے دو بچے
مارے گئے۔ اسلحہ خانہ میں قدیم زمانہ کے انگلستان یورپ اور ہندوستان
کی اسلحہ تلواریں بندوقیں۔ پستول اور سنگینیں دیواروں پر آویزاں ہیں۔ کئی
پتلے قد کے زرہ پوش سوار گھوڑوں پر چڑھا کر دکھلائے ہیں۔ بعض نہیں

اکاسی پونڈ (ایک من) تک وزن کے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے سوار اور گھوڑے انہیں کیسے اُٹھاتے ہونگے۔ یہاں تلواروں اور کرچوں سے کئی جگہ دیواروں پر گل صد برگ بنائے گئے ہیں۔ جن میں سینکڑوں تاکا کرچیں توڑ کر اور ثابت لگادی ہیں۔ ایک جگہ تلواروں اور پستولوں کا جنگلا بنا دیا ہے۔ شاہ اودھ کے جلادگی بہت بڑی اور بھاری تلوار بھی رکھی ہوئی ہے۔ اس کے سوائے بھی اسلحہ خانہ کے کمرے ہیں۔ مگر وہ دکھلائے نہیں جاتے۔ اس مکان کے نیچے بہت سی پرانی توپیں اور گولے پڑے ہیں۔ ان میں یک توپ اٹھارہ فٹ لمبی ہے۔ جسے کہا جاتا ہے کہ سلطان سلیمان عالیشان نے ہندوستان کے فتح کرنے کے لئے ڈھلی تھی۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ توپ انگریزوں کے ہاتھ کہاں سے لگی۔ اسلحہ خانہ میں داخل ہونے کے لئے ایک گرجا میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک شخص صرف اسی لئے بیٹھا ہے کہ لوگوں کو کہے کہ گرجا کی تعظیم کے لئے ٹوپیاں اتاردو۔ چنانچہ اس نے مجھے بھی کہا اور میں نے بھی ٹوپی اُتار دی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے شاہی زیورات ہیں۔ ان میں کئی تاج اور کئی طلائی نمکدان مع دیگر زیورات شاہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ خصوصاً جو تاج ملکہ وکٹوریا نے ۱۸۳۸ء میں اپنی تاجپوشی پر پہنا تھا وہاں نمایاں تھا۔ کوہ نور ہیرے کی اس زمانہ کی نقل بھی ہے۔ جبکہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بازوبند میں تھا۔ انگلستان کے تمام آرڈر اور تمغے مع اصل فیتوں اور ہاروں اور ستاروں کے موجود تھے۔ ہندوستان کے خطاب کے تمغے بھی تھے۔ یہاں وکٹوریا کراس کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ایک چھوٹا سا پیتل کا ٹکڑا ہے۔ مگر اتنا موجب عزت سمجھا جاتا ہے کہ سپاہی اور افسر اس کی خاطر میدان میں جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاہی زیورات جن میں سے اکثر موقعہ تاجپوشی پر شاہ ایڈورڈ ہفتم نے بھی بعض استعمال

پھینکے۔ تیس لاکھ پونڈ کی مالیت کے بتلائے جاتے ہیں۔ اور ۱۸۶۲ء کی آتشزدگی سے یہ اتفاق سے ہی سلامت نکلے۔ ٹاور کے برقنداز جنہیں بیف ایٹرز (Beaf Eaters) کہتے ہیں عجیب قسم کا بھنگم لباس پہنتے ہیں کہ جسے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ قدیم زمانہ سے یہاں کے برقنداز یہی لباس پہنتے آئے ہیں۔ مجھے بیف ایٹرز کا نام سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ اس لفظ کے معنے ہیں گائے کا گوشت کھانے والا۔ میں نے کہا اس نام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ آخر ٹاور کے گائڈ بک سے معلوم ہوا صحیح لفظ (Boufetiers) تھا جسکے معنے (Buffet) یعنے شراب وغیرہ کی دکان کا خدمتگار ہے۔

ٹاور برج

یہ عظیم الشان پل لنڈن ٹاور سے قریب ہی ہے۔ اور چونکہ شہر لنڈن کی گاڑیوں اور پیدلوں کی بڑی تعداد یہاں سے گذرتی ہے۔ اس لئے ۱۸۹۴ء میں اسے بڑا مضبوط تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں بڑے موٹے لوہے کے گرڈر استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں طرف لوہے اور پتھر کے بہت مضبوط پایوں پر لوہے کے بہت بھاری گرڈروں کا چھت ہے۔ لیکن بیچ کے بڑے درہ کے دونوں طرف پتھر کی بہت بلند عمارت ہیں۔ اور ان کے درمیان جو پل کا حصہ ہے۔ وہ جبکہ جہاز یہاں سے گذرتے ہیں تو نیچے کی مشینوں کے ذریعہ سے بیچ سے دو ٹکڑے ہوکر دونوں طرف کی بلند عمارتوں سے بذریعہ زنجیروں کے جا لگتا ہے۔ اور جہاں سے ابھی ہزاروں پیدل اور سینکڑوں گاڑیاں گذر رہی تھیں۔ وہ دریا بن جاتا ہے۔ گاڑیاں تو کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہیں۔ لیکن پیدل اگر گذرنا چاہیں تو دونوں طرف کی بلند عمارات پر لفٹوں یا سیڑھیوں کے راستے سے چڑھکر بذریعہ ایک بلند پل کے دوسری طرف کو دوسری عمارت کی سیڑھیوں سے اتر سکتے ہیں۔ اس پل پر سے چار لاکھ سے زیادہ آدمی اور (۹۹۰۰) گاڑیاں ایک روز میں ۱۸۹۵ء میں گنی گئیں۔ اور اب اس سے بھی آمدورفت زیادہ ہوگی۔ اس پل کی تعمیر پر گلڈ ہال کے برج ہاؤس اسٹیٹ کمیٹی کے بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ کیونکہ پارلیمنٹ اور میونسپلٹی کے پلوں کا خرچ

ایک ایسی جائداد سے دیا جاتا ہے جو گلڈ ہال کے سپرد ہے۔ اور پل کی سالانہ مرمت پر پندرہ ہزار پونڈ علاوہ خرچ ہوتے ہیں۔ لنڈن کی عظیم الشان عمارات پر جو جو خطیر رقمیں خرچ ہوئی ہیں اُنکے مقابلہ میں ٹاور برج کی رقم زیادہ نہیں سینٹ پال کے گرجا پر ڈیڑھ ملین پونڈ یعنے ساڑھے بائیس کروڑ ہندوستانی روپیہ۔ ہاؤس آف پارلیمنٹ پر جس میں گیارہ سو کمرے ہیں۔ اور ۱/۲ ۸ ایکڑ اراضی پر واقع ہے تیس لاکھ پونڈ۔ انگلستان کے خلیج فورتھ کے ایک میل لمبے پل پر ساڑھے پچیس لاکھ پونڈ۔ اور بروکلن نیویارک کے (۵۲۳۰) فیٹ لمبے پل پر اکتیس لاکھ پونڈ۔ اتنے لمبے پلوں کے مقابلہ میں صرف نوسو فیٹ لمبے ٹاور برج پر بہت لاگت آئی ہے۔ اسی لئے یہ تعمیر عجائبات زمانہ میں شمار ہوتی ہے۔ اتفاق سے جب ہم اس پل پر پہنچے تو اسی وقت دو سٹیمروں کے گذرنے کے لئے اسے اٹھایا گیا۔ یہ تماشا واقعی حیرت انگیز تھا کہ پل کے دو اتنے لمبے چوڑے آہنی پٹ مشینری کے زور سے دو منٹ میں خود بخود آسمان کو اُٹھے ہوئے ہیں۔ اور جب جہاز نکل جاتا ہے تو دو منٹ میں پھر مضبوط پُل بن جاتا ہے۔ اور اُس پر سے سینکڑوں گاڑیاں گذرنے لگتی ہیں۔

بینک آف انگلینڈ مسٹر رچرڈسن نے مہربانی کرکے ایک دوست سے بینک آف انگلینڈ کے دیکھنے کے لئے بھی سفارشی چٹھی حاصل کی اور ہمیں بینک کے اسرار دکھلانے کے لئے ایک آدمی مل گیا۔ اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ تین چار گھنٹے اس پیچ در پیچ عمارت کی منزلوں میں کئی کمروں میں پھر کر نوٹوں اور سونے چاندی کی صورت میں اتنی دولت دیکھی ہے کہ بیچارے قارون کے چالیس خزانوں میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوگا۔ پہلے ہم ایک کمرہ میں داخل ہوئے جہاں پونڈ (اشرفیاں) کلوں کے ذریعہ سے وزن ہو رہی تھیں۔ جو پونڈ وزن میں پورے ہوتے انہیں یہ مشینیں اُسی جانب

ڈالتی جاتی ہیں اور جو ہلکے ہوتے انہیں بائیں طرف پھینک دیتیں چھتیس ہزار پونڈ یہ مشین دن بھر میں پرکھ لیتی ہے۔ جو افسر اس کام پر متعین تھا اُس نے ہمیں تولنے کا سب کام اچھی طرح دکھلایا۔ اور پھر لوہے کی بالٹی پونڈوں سے بھرا کر مجھے کہا ذرا اُٹھاؤ تو سہی میں نے بڑی مشکل سے اسے اُٹھایا۔ لیکن میرا رفیق نہ اُٹھا سکا۔ اسی کمرہ میں پونڈوں کے تولنے کی ایک مشین تھی جو دن میں لاکھوں پونڈ تول سکتی تھی۔ ایک کمرہ میں کئی الماریاں نوٹوں سے پُر تھیں جن میں سے ایک میں سے قریب آدھ سیر کے ہزار ہزار پونڈ کے نوٹوں کا گٹھا نکال کر ایک شخص نے میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ کہ یہ ایک ملین پونڈ (ڈیڑھ کروڑ ڈبل روپیہ) کے نوٹ ہیں۔ اور پھر جھٹ الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا اب میں ہمیشہ یاد رکھونگا۔ کہ ایک وقت میرے ہاتھ میں بھی ڈیڑھ کروڑ روپے کے نوٹ تھے"۔ ایک دوسرے کمرہ میں چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں دس دس سیر کی سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرہ کے اندر تو ہمیں نہ لے گئے۔ لیکن ایک آدمی ایک گاڑی باہر کھینچ لایا۔ اور اس میں سے ایک اینٹ میرے ہاتھ میں رکھ کر کہا۔ یہ خالص سونا ہے۔ اس میں سے سو دن ڈالر(؟) مضروب ہونگی۔ ایک اور کمرہ دکھلایا جس میں چند چھوٹے چھوٹے ڈبے تھے کہ جن میں آج ہی صبح امریکہ سے اسی طرح کی سونے کی اینٹیں بند ہو کر بینک میں آئی تھیں۔ پھر بینک کے ڈائرکٹروں کی کونسل کا کمرہ دیکھا۔ اور ایک کمرہ جس میں ڈائرکٹروں کی سب کمیٹیاں نشست کرتی ہیں۔ یہ دونوں بڑے مکلف اور عالیشان کمرے تھے۔ ایک اور کمرہ میں کہ جہیں پبلک داخل ہو سکتی ہے۔ تیس چالیس کلرک نوٹ کیش کر دینے کے لئے بیٹھے تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس صرف چاندی اور بعض کے پاس سونے کے سکے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو تین سو کلرک بنکنگ کے کام میں مصروف تھے۔ ایک عالیشان کمرہ میں صرف سٹاک (کمپنیوں کے حصص)

فروخت ہوتے تھے۔ اور لون یعنے جنگی یا ملکی قرضوں کے لوگ حصے خریدتے تھے۔ ایک کمرہ بینک کی شاخوں کے انتظام کا تھا۔ ایک میں ہمیں وہ تاریخی نوٹ دکھلائے جو آگ میں جل گئے یا پانی میں گل گئے تھے۔ مگر ان کے تھوڑے بہت نشان مل گئے اور ان کی قیمت ادا کی گئی۔ لیکن یہاں بہت سے ایسے نوٹ بھی موجود تھے جو جعلی تھے اور لوگوں نے ان کے بنانے میں بڑی بڑی لیاقتوں کو خرچ کیا تھا۔ بعض میں تو انتہا کی کاریگری صرف کی گئی تھی لیکن بینک کے ملازموں نے انہیں تاڑ لیا۔ بینک آف انگلینڈ سنہ ۱۶۹۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اور ایک نوٹ سنہ ۱۶۹۹ء کا اب تک بچا ہے۔ کہ جس سے پورا کا کوئی موجود نہیں۔

بیس پونڈ کا سود در سود
قریب نو ہزار پونڈ

ایک اور نوٹ دکھلایا گیا جو بیس پونڈ کا تھا سنہ ۱۷۵۲ء میں بینک نے اسے جاری کیا تھا۔ اور سنہ ۱۸۷۷ء تک بینک میں کیش ہونے کے لئے واپس نہ آیا۔ اس ایک سو پچیس سال کے عرصہ میں اگر یہ پانچ فیصدی سود پر سود در سود کے حساب سے لگایا جاتا تو (۸۹۰۵) پونڈ ۳ شلنگ ۷ پنس کی رقم بینک کو ادا کرنا پڑتی۔ جو شخص یہ نوٹوں کے عجائبات دکھ رہا تھا اس نے بہت اخلاق اور توجہ سے ہمیں میگنی فائینگ گلاس سے جعلی نوٹوں کے میلے اور خراب حروف دکھلائے ایک کمرہ میں لوہے کی الماریوں میں ہزار ہزار پونڈ کی سینکڑوں تھیلیاں تھیں ہر تھیلی ۱/۲ ۱۷ سیر بھاری تھی۔ اور الماری کے ہر خانہ میں ۸۰ ہزار پونڈ کی مالیت تھی۔ ایک کمرہ میں وہ تمام پورے نوٹ جمع تھے کہ جن کا روپیہ بینک ادا کر چکا ہے۔ یہ معمولی لکڑی کے صندوقوں میں کمرے کی چھت تک بھری ہوئے تھے۔ انہیں ہر پانچ سال کے بعد جلا دیا جاتا ہے۔ اس کمرہ کے محافظ نے کہا کہ کل ادا شدہ نوٹ پانچ سال کے عرصہ میں تعداد میں اٹھتر ملین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے (۱۳۴۰۰) صندوق بھرے جاتے ہیں جو

اگر پہلو بہ پہلو رکھے جائیں تو اڑھائی میل تک چلے جائیں۔ اگر ان نوٹوں کا
ڈھیر لگایا جائے تو ۵½ میل اونچا ہو۔ اگر ان کو سرے جوڑ کر پھیلایا جاوے
تو (۱۵۴۴۵) میل لمبے چلے جائیں گے۔ ان کی اصلی قیمت ۱۰۰۲۲۲۰۷۵
پونڈ اور ان کا وزن ۱۰ ٹن (۲۸۴ من) ہوگا۔ بینک کے کلرکوں نے ہمیں
ایسے عجیب حساب بتلائے اور ایسی توجہ سے سب چیزیں دکھلائیں کہ
مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ لندن کے اخباروں اور رسالوں میں جو ہر چیز کے
متعلق مفصل واقفیت اور دلچسپ اعداد چھپتے رہتے ہیں۔ یقیناً اس میں
ان کی واقفیت بہم پہنچانے والوں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ مشرق و مغرب کے
لکھوں میں بہت [illegible] مشنس تھیں۔ جس طرح
[illegible] چھپتے ہیں۔ [illegible] بینک
[illegible] کے
[illegible] سب
[illegible]
طرح [illegible]
بھی [illegible] پونڈ
کے بینک [illegible] نوٹ [illegible]
رنگ میں چھپتے [illegible]
بینک کی [illegible]
[illegible]
[illegible] کیا
[illegible] سب بینک کی [illegible] کے اندر
تھے۔ [illegible] بینک [illegible] اور یک ہزار
[illegible] شخص یہاں ملازم تھے۔ [illegible] پونڈ [illegible] کا سالانہ

خرچ ہے۔ انگلستان کے قومی قرضہ اسی کروڑ پونڈ کا حساب اور اس کے متعلق
انجم ٹکس جمع کرنا بینک کے سپرد ہے۔ جس کے عوض اسے دو لاکھ پونڈ سالانہ
ملتا ہے۔ بینک کے دروازوں پر سنتری رہتے اور برقندازوں کی وردیاں بھی ور
کے بیچ پیشروں کی طرح دو تین سو سال پہلے کی چلی آتی ہیں۔ جنہیں دیکھکر
ہنسی آتی ہے جس شخص نے ... سب سے ... نے تھے اسے
ایک شلنگ اور جن دوسرے لوگوں سے تھے اسے انجن یا مشین اپنے چیزیں دکھلائی
تھیں انہیں بھی دو دو تین تین پنس دیئے۔ لیکن برقی بائیسکل کے انجن کے
پیسے بنتے ہیں اور ایک تھا بسٹر رچرڈسن نے مجھے باہر کر بتلایا کہ وہ جنٹلمین
تھا۔ اسے یہ بات اگر معلوم ہوتی ہوں۔ بینک کا سرمایہ ایک کروڑ سولہ
پچاس لاکھ پونڈ ہے جتنا دنیا میں اور کسی بینک کا نہیں۔ ورثوں اسے
قائم رکھنے کو بینک ہمیشہ دو کروڑ پونڈ کا سونا ذخیرہ میں جمع رکھتا ہے۔

عمارت رائل ایکسچینج

رائل ایکسچینج بینک آف انگلینڈ سے دور نہیں۔ یہ ایک
بڑا عالیشان مکان ہے جس کی چھت شیشہ کی ہے۔ اندر
بیچ کا ... وسط میں ملکہ معظمہ ... پرنس کونسل مرحوم کا بت
کھڑا ہے۔ صحن میں ایک خوبصورت چشمہ پانی بہتا ہے۔ اور ایک عمارت
کی پشت کی طرف ... بت کا بت ہے جو دوسیے
انجن سے ... ہے۔ سامنے ... ڈیوک آف ولنگٹن کا برنجی سوار
بت ... کے بہت قریب ہی ... لندن کا
... یا ... ہے کہ ان کا حساب لکھنا مشکل ہے
رائل ایکسچینج میں ممالک کے ... خرید ... ہیں۔ اسی عمارت کے
دوسرے ... مشہور ... کا ... ہیں۔ ان کے دروازوں
پر بھی چوہدری ... بیٹھے تھے ... عجیب قسم ... زمانہ کی
یادگار ہیں۔ ... میں بھی ... تھے وہ

جہازوں میں بار ہونے والے مال تجارت یا مسافروں کی زندگیوں یا خود جہازوں کی سلامتی کے لئے بیمہ کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کمرہ میں ہر جہاز کی زندگی اور حالات کا رجسٹر تھا۔ جس میں اُس کے ہر سفر کے مال کا بھی حال درج ہوتا تھا۔ ایک پہلو کے کمرہ میں زرد کاغذ پر کئی تار لٹک رہے تھے جنمیں جہازوں کے متعلق آج ہی تازہ خبریں وصول ہوئی تھیں۔ کہ کوئی جہاز کہاں ہے۔ گویا کسی جہاز کے روانہ ہونے سے لیکر اُس کے کہیں جانے یا مقام کرنے یا واپس آنے یا ڈوب یا جنگ ضائع ہو جانے کی خبر لائڈ کے دفتر میں ہر گھڑی آتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک چھوٹے سے اخبار لائیڈس لسٹ میں چھپکر ہر روز مشتہر ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم وہاں تھے تو جو لوگ لائیڈ کے انڈر رائٹروں کو ملنا چاہتے تھے۔ اُن کے نام ایک صاحب بلند آواز سے پکارتا تھا۔ کیونکہ اتنی بھیڑ میں سے کسی آدمی کا مل جانا سہل کام نہیں تھا۔

اخبار لنڈن ٹائمز کی قدردانی

لائیڈس میں کپتان کے کمرہ کی اندر کی دیوار میں ایک سنگ مرمر پر ایک دلچسپ کتبہ کندہ ہے۔ جو اخبار لنڈن ٹائمز کی ایک بیش قدر خدمت کی یادگار ہے۔ ایک دھوکا بازوں کی جماعت جعلی ہنڈیاں لیکر براعظم یورپ پر گھوم رہی تھی۔ جس میں ایک شخص بوگل نامی صراف بھی تھا۔ اس بوگل نے ٹائمز کے مالکوں پر لائیبل کی نالش دائر کر دی۔ اور ٹائمز نے اسے تسیح قرار دیکر خوب ڈیفنس کیا۔ اور کو اس ٹائمز کے برمحل بھنڈا پھوڑ دینے سے دھوکا بازوں کی جماعت کا تو خاتمہ ہوگیا۔ لیکن بوگل کی دعوے میں عدالت سے فیصلہ ٹائمز کے خلاف صادر ہوا۔ اسپر لنڈن کے سوداگروں اور صرافوں نے ٹائمز کی اس خدمت کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور اس مقدمہ کے اخراجات ادا کر دینے کے لئے فوراً تجارت پیشہ لوگوں نے چندہ جمع کر دیا۔ مگر ٹائمز کے مالکوں نے اولوالعزمی کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو کچھ ہم نے

کیا ہے۔ صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس پر چندہ جمع کرنے والوں نے اس رقم سے "ٹائمز سکالرشپ" کے نام سے سٹی آف لنڈن سکول کو ایک معقول وظیفہ دے دیا۔ اور ایک کتبہ اس تمام کیفیت پر مشتمل ہاؤس کے دفتر میں اور ایک ٹائمز کے دفتر کے دروازہ پر نصب کرا دیا۔ آفرین ہے اخبار ٹائمز کی فرض شناسی اور بے نفسی پر۔ اور صد آفرین ہے لنڈن کے سوداگروں کی قدردانی اور دوراندیشی پر۔

اخبار لنڈن ٹائمز

ہر چند کہ لنڈن میں اب کئی سستے اخبار ٹائمز سے تعداد میں بہت زیادہ چھپتے ہیں۔ لیکن جو عزت ٹائمز کو بوجہ قدامت اور بوجہ زیادہ مالدار ہونے کے حاصل ہے۔ وہ دوسرے کسی اخبار کو حاصل نہیں گو مسٹر سٹیڈ کی رائے ہے کہ اب نئے اخبار ٹائمز کی ضرورت ہے۔ پورانا اخبار بہت زیادہ بوڑھے پڑھتا ہے۔ تاہم جو عزت اور اعتبار ایک اہل الرائے انگریز کی نظر میں اخبار لنڈن ٹائمز کا ہے۔ وہ کسی دوسرے اخبار کا نہیں۔ اُس کے نام کے گرد مرور مدت۔ ضمامت اور رسوخ نے ایک ایسا شاندار خیالی ہالہ پیدا کر دیا ہے جو کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لئے لنڈن ٹائمز کو "انگلستان کا براڈشیٹ" کہتے ہیں اور بوجہ اس کے بعض موقعوں پر زور شور اور وثوق سے اظہار رائے کر دینے کے اسے تھنڈرر آف دی پرنٹنگ سکوئر (پرنٹنگ سکوئر کو چہ کا گرجنے والا) بھی کہتے ہیں۔

لنڈن میں ایک روز کی سرگزشت

لنڈن کے لوگ اس قدر مستعد ہیں کہ جو لوگ باہر سے بھی وہاں جاتے ہیں بقول ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد ان پر بھی اس ملک کی آب وہوا یا اُس نواح کا ایسا برقی اثر پڑتا ہے کہ وہ بھی غیر معمولی طور پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یا شائد مسافروں کے پاس وقت تھوڑا اور شغل بہت ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بہت تنگ ہو

میں مصروف رہتے ہیں۔ میں یہاں اپنی ڈائری سے بطور نمونہ ایک روز کی کیفیت کسیقدر اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں جس سے میرے مندرجہ بالا بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے:

"صبح میں ڈیڑھ پینی دیکر میرے سٹیشن ونسٹن سٹریٹ میں جا اُترا یہاں مکانات کا پتہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ جب بڑی کوشش سے اس کوچہ میں اور اسی مکان پر پہنچ گیا جہاں پہنچنا تھا تو تب ہی مکان کا پتہ ملا۔ لنڈن عجیب شہر ہے۔ یہاں [illegible] دو کانیں اور مکان اسقدر زیادہ ہیں کہ پاس رہنے والوں کو بھی [illegible] مکان [illegible] کا پتہ نہیں ہوتا۔ جب اندر جا کر مالک مطبع کو اپنا کارڈ دیا تو [illegible] نے شعبے کے مختلف حصے دکھانے شروع کئے اس مطبع میں بلا کاپی راست [illegible] بچوں کے پڑھنے کی [illegible] اور [illegible] کی لکھی ہوئی کتابیں [illegible] اور [illegible] مجھے [illegible] جو [illegible] سکتے ہیں۔ کئی بڑی [illegible] چھپنے کے [illegible] میں ایک بڑی روٹری مشین بھی [illegible] جس کی قیمت [illegible] چار ہزار پونڈ یعنی [illegible] روپے [illegible] لینے کو [illegible] لیئے ہوئے [illegible] اور [illegible] کی تعلیم کی تمور [illegible] [illegible] جو [illegible] کی [illegible] سے [illegible] دو مشینیں کا [illegible] ہو [illegible] خود ہی [illegible] لیتی تھی۔ [illegible] ہاتھ [illegible] تھی ...

مکان کی چوتھی منزل [illegible] مشینیں [illegible] چونکہ [illegible] مشینیں [illegible] تھی [illegible] کام سمجھے اچھی طرح سمجھ ..... تصویروں کے [illegible] لیتا ہے۔ بعض کتابوں کے [illegible] ہالینڈ سے چھپواتا ہے۔ اور بعض کے

اوراق سنہری بھی باہر سے کرا [illegible] ہے۔ مسٹر نکس سے میری درخواست پر وعدہ
کیا کہ ہالینڈ کے رنگین چھاپنے والے کارخانہ کا نام مجھے بتا دیگا لیکن جب
اُس نے اپنے شریک سے پوچھا تو معلوم نہیں اُس نے کیا کہا۔ کہ اس نے
یہ بہانہ کرکے مجھے ٹال دیا کہ ہماری معرفت ہی تم نے رنگین کام چھپوا لینا۔
کیونکہ ہم [illegible] بہت سستا چھاپ دیتے ہیں۔ یہاں جتنے انگریزی کی
بڑی بڑی کتابیں دیکھیں [illegible] رنگین تھیں۔ علاوہ زری اور
مجلد تھیں۔ [illegible] ملتی [illegible] مشن [illegible] عمارت تھی جس میں انکا مطبع
دفتر اور صنعت وحرفت کے [illegible] ۔ ۔ ۔ پھر اسی سٹیشن پر سوار
ہو کر واپس [illegible] مزدور
بیٹھے [illegible] انگریزی [illegible] میرے سر پر ترکی ٹوپی
دیکھ کر [illegible] میں چھ سال
[illegible] کیونکہ [illegible] سے
ملک [illegible] روئی
[illegible] زنجیر [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] نہیں۔
اس میں ایسے [illegible] موجود تھے۔ [illegible]
ہندوستانی۔ بلکہ ہندوستان کے وضع [illegible] تھے۔ مثلاً سرزیوری قالین
[illegible] کام نہیں دیکھا۔ تعجب ہے۔
اس [illegible] بہت سستا اور سستا ہی بہت سستا
[illegible] لوگوں کو
[illegible] ایک پیتی
میں [illegible] سفر [illegible] ایک [illegible] سٹوران سے
[illegible] ایک [illegible] قیمت [illegible] مرغ

سے ایسے کئی ٹکڑے نکل سکتے ہیں۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر چیرنگ کراس کو گیا۔ راستہ پوچھکر انڈیا آفس میں پہنچا۔ ایک دربان نے مجھے دوسری منزل میں بھیجکر ایک شخص کو کہ جو لفٹ میں بٹھا کر مجھے چوتھی منزل پر لے گیا۔ مسٹر اینڈریوز نے جس مسٹر روز کے نام کارڈ دیا تھا۔ اُس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ پیرس میں ہے۔ اور اس کی جگہ مسٹر جارج برڈ وڈ کام کرتے ہیں انکا اردلی میرا کام پوچھکر مجھے انڈیا آفس کی لائبریری میں لے گیا۔ یہ آفس جو اہل ہندوستان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے بہت لمبا چوڑا ہے گورنمنٹ انگلستان کے تمام دوسرے آفس اور فارن آفس اسی سے ملے جلے ہیں۔ یہ بلاک عالیشان عمارات کا دور تک چلا جاتا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا مربع صحن ہے جس کی دوسری جانب فارن آفس تھا۔ اسکی دوسری یا تیسری منزل کی بلندی پر مختلف ممالک مقبوضہ انگلستان اور خصوصاً ہندوستان کے باشندوں کے بُت قد آدم یا اُس سے بھی بڑے بنے ہوئے دیواروں کے ساتھ کھڑے ہیں جو چاروں طرف پچاس ساٹھ سے کم نہ ہونگے۔ اب تو یہ بھی عمارت کی طرح سیاہ ہو گئے ہیں۔ لیکن جب بنے ہونگے بہت عجیب ہونگے۔ ان دفاتر کے جو سامنے کا منظر کے پہلو کی پیشانی پر بھی دیوار میں ریلیف کی قسم کے بہت سے الیگوریکل بت بنے ہوئے ہیں۔ غرض جب میں انڈیا آفس کی لائبریری میں پہنچا تو لائبریرین نے مجھے مطلوبہ رپورٹ نکال دی۔ اس وقت اتفاقاً لائبریرین ہندوستان کے دیسی اخبارات مدراس و بنگال کے بعض وار مضامین کے کانفیڈنشل رپورٹیں رکھ رہا تھا۔ جب میں فارغ ہو کر واپس آیا تو اُسی اردلی نے مجھے راستہ نیچے تک دکھلا دیا۔ میں نے اُس کے ہاتھ میں چھ پنس کا سکہ رکھا تو وہ جھک جھک کر لوٹ گیا۔ یہاں سے میں فارن آفس میں پہنچا۔ تاکہ ٹرکی جانے کے لئے پاسپورٹ لوں تو ایک اردلی نے ساتھ بھیجکر مجھے

پاسپورٹ لے دینے کا کمرہ دکھلایا - اِن بڑی عمارتوں یا دوسرے سرکاری یا
غیر سرکاری آفسوں کے اردلی نہیں بڑی خواہش سے اُٹھکر راستہ بتلاتے
ہیں - کیونکہ راستے اور کمرے عموماً پیچیدہ ہوتے ہیں - غالباً اس امید پر یہ مستعد
آمادگی ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ٹپ ملیگا - مہمان ٹپ دینا مناسب ہوتا اگر
تم نہ دو تو غالباً یہ منہ سے تو نہیں کہتے مگر سخت معیوب سمجھتے ہیں - اور تم
جنٹلمین نہیں سمجھے جاتے - کیونکہ ان مہذب ملکوں میں یہ انکا حق سمجھا گیا
ہے - فارن آفس کے پاسپورٹ والے افسر نے کہا کہ میرا لاہور سے لیا ہوا
پاسپورٹ صرف اس کام آسکتا ہے کہ کلکتہ یا بمبئی میں اس کی مدد سے مجھے
پاسپورٹ مل جاتا - جب میں نے اس کی پشت پر یہ لکھا ہوا دکھلا دیا کہ انڈیا آفس
مجھے یورپ کے کسی ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ دے سکتا ہے -
تو اُس نے کہا کہ تم انڈیا آفس میں جاؤ - مسٹر ولیم کو یہ دکھلا دو تاکہ وہ دو چار
لفظ لکھدیں کہ یہ شخص کسی نہر کا اس کا عندیہ درست ہے تو میں فوراً تمہیں
ایک پاسپورٹ بنا دونگا - میں نے کہا کہ اتنی دور جانا مشکل ہے - اُس نے
کہا اسی احاطہ میں سامنے چلے جاؤ - انڈیا آفس ساتھ ہی ملحق ہے (میں
پہلی دفعہ ایک دور کے راستہ سے اوپر سے چکر لگا کر آیا تھا) غرض میں چلا
گیا - معلوم ہوا کہ مسٹر ولیم اس وقت کمیٹی میں مصروف ہیں - اُن کے اردلی نے
کوشش کرکے وہیں پہنچکر مجھے ایک دو حرفی رقعہ لا دیا - کہ میں واقعی برٹش
انڈین رعایا ہوں - افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت دوسرا چھ پینی کا
سکہ نہ تھا اس لئے مجھے مجبوراً اس شخص کو ایک شلنگ دینا پڑا - جو
اُس نے تھینک یو کہکر لے لیا - چھ پینی میرے چھوٹے سکے نہ رکھنے کا جرمانہ تھی
اور اس شخص نے مجھے اور بھی قریب کے راستہ سے فارن آفس کی طرف
اُتار دیا کہ صرف صحن طے کرکے وہاں جا پہنچا - اور فارن آفس کے افسر نے
واقعی دو منٹ میں پاسپورٹ لکھدیا - اور دو شلنگ فیس مانگ لی - اور مجھے

نہایت اہلیت اور ہمدردی سے پتہ بتلایا کہ کس پتہ سے میں ترکی کانسل کے
پاس پہنچکر کس طرح اُس سے اس پاسپورٹ پر ویزا لیکے تصدیق کرالوں۔ یا
اگر روس یا رومانیا میں جانا ہو تو وہاں کے کانسلوں مقیم لنڈن سے تصدیق
کرالوں۔ اگر ہندوستان کے انگریز افسر بھی ہم لوگوں سے ایسی اہلیت
اور شرافت کا برتاؤ کریں تو کیسی اچھی بات ہو۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کرسی
دی۔ آتے جاتے ہاتھ ملایا۔ اور اٹھکر اُس سے میرا پیرس سے قسطنطنیہ تک
کا راستہ دیکھا کہ کن کن ممالک سے ہوکر گذرتا ہے۔ یہاں سے لوٹ کر
سٹرینڈ کے سرے پر پہنچا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کیا آپ
مسلمان ہوں۔ اور میرے ہاں کہنے پر السلام علیکم کہکر مصافحہ کیا۔ اُس نے
بتلایا کہ میرا نام آل محمد ہے۔ میں صوبجات متوسط (ہند) کے مقام منڈلا
میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ آگرہ کا باشندہ ہوں۔ شروع میں کیمبرج میں تعلیم پائی
تھی۔ اسلئے ہر پانچویں سال انگلستان کو جاتا ہوں۔ اب انتظام قحط کے
کام میں محنت بہت کی تھی اس لئے بیمار ہوگیا تھا۔ اور اب نوکری
سے قطع تعلق کرکے یہاں آیا ہوں۔ مسٹر آل محمد نے کہا اگر تمہیں عذر نہ ہو۔
تو پاس ہی میرا کلب ہے۔ وہاں تشریف لیں۔ میں ساتھ ہولیا۔ اتنے میں
ایک اور نوجوان ملا جسے مسٹر آل محمد نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے جو بار
میں تعلیم پاتا ہے۔ ہم سب جنٹل مین کلب میں پہنچے۔ کلب کی کتاب میں
نام لکھکر لفٹ کے ذریعہ دوسری منزل میں گئے۔ بڑے بڑے گدوں کی
آرام کرسیاں اور بہت سے کوچ پڑے تھے۔ جن پر کئی لوگ بیٹھے ہوئے چائے
پیتے یا اخبار پڑھنے یا اونگھنے میں مصروف تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہاں بھی
بعض لوگوں کو دن میں اونگھنے کی فرصت مل جاتی ہے۔ یہاں بیٹھے چائے بھی
پی۔۔۔ دوران گفتگو میں میرے میزبان نے کہا کہ یہ اخبار تو بہت مشہور
اخبار ہے۔ ایک دفعہ میرے برخلاف بھی اس میں چھپا تھا جبکہ میں ڈپٹی کمشنر

تھا۔ اور اُس کے چچیرے بھائی نے کہا کہ میں خود اِسے خرید اکرتا تھا۔ میں نے اجازت مانگی تو وہ خود نیچے تک ساتھ آکر چھوڑ گیا۔ یہاں سے میں پیدل فلیٹ سٹریٹ میں مسٹر جان ہگلین کے دفتر میں پہنچا۔ اور اُس کے منیجر مسٹر لیوی سے کاغذ کی قیمتیں دریافت کیں۔ اُس نے حساب کرکے بتلایا کہ انگلستان میں ۱۵½ پونڈ کے ریم سے باریک کاغذ تو بنتا ہی نہیں۔ اور جو بنتا ہے تو گراں بنتا ہے۔ کیونکہ اسپر زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے۔ اور اس کاغذ کی قیمت پونے دو پنس فی پونڈ نٹ بتلائی۔ اس کے علاوہ ۲۵ شلنگ فی ٹن پیکنگ اور لنڈن میں جہاز پر بار کرنے کا خرچ بتلایا۔ اور خود ہی کہدیا کہ میں جانتا ہوں کہ دو ہی برائی کمی انگلستان میں مال کی گرانی کی دہائی پڑے گی۔ مگر مال عمدہ ہوگا۔ بیچ والے مسٹر ٹمس نے اے نیومن سے پہلے ہی میری نسبت خبر کر دی تھی۔ نیومن کہتے آرام کی چیز ہے۔ خصوص تجارت کے لئے تو ایک برکت ہے۔ یہاں سے مسٹر ڈی جے کیمر اینڈ کمپنی کے پبلیشرز میں گیا۔ اور اُن سے لیتھو گراف چھپنے کی مشینوں وغیرہ کے متعلق بات چیت کی۔ . . یہاں سے مسٹر ناس کک اینڈ سنز ٹورسٹ ایجنٹس کے دفتر سے اپنے خطوط لیکر بعض کا وہیں جواب بھی لکھا۔ اور اپنے ہوٹل کو لوٹتے ہوئے راستہ میں ویجیٹیرین ریسٹوران سے کھانا کھایا۔ قریب سوا گھنٹہ کے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں بیٹھ کر لنڈن کے پوسٹ آفس ڈائرکٹری سے کچھ پتے تلاش کئے . . . تب نیو ماں بھی اسی کمرہ میں بیٹھی اخبارات پڑھ رہی تھیں۔ چونکہ سیاست کی ذرہ ذرہ بات سمجھتی ہیں۔ اور انٹرنیشنل لا پر خوب گفتگو کر لیتی ہیں۔ معلوم نہیں ہندوستان کے لوگ کب اخبارات اس دلچسپی سے پڑھنے لگیں گے۔ باہر سے واپس آنے پر اسی . . . . ایک ہندوستانی طالب علم کا مجھے ایک رقعہ ملا۔ کہ جس نے پہلی ملاقات پر مجھ سے کچھ شلنگ قرض لئے تھے۔ وہ مجھے صبح سے چار مرتبہ یہاں دیکھ گیا ہے۔

اُسے تنخواہ میں پھر آگیا۔ اور کہا کہ ابھی میرا خرچ گھر سے نہیں آیا۔ مجھے دو شلنگ اور دیدو۔ پھر بحث کے بعد مجھے ماننا پڑا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے مجھے کہا کہ ابھی شام سے کیوں مکان پر پڑے ہو۔ چلو لنڈن کی سیر دیکھو۔ مگر میں نہ جا سکا۔ جب دوپہر کو میں انڈیا آفس سے واپس آیا تو اُسی قطار دفاتر میں ایک سرکاری دفتر کے سامنے ایک دروازہ پر ایک اعلان حضور ملکہ معظمہ کی طرف سے چسپان تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ متحدہ اُن کی رعایا سے انگلستان کسی ایسے ملک کو اسلحہ جنگ نہ بھیجے جہاں وہی اسلحہ اُن کی رعایا یا فوج کے خلاف استعمال کئے جانے کا اندیشہ ہو۔ جیسے آج کل ہو رہا ہے۔ ورنہ جہاں گورنمنٹ ایسے اسلحہ کا بھیجنا مناسب نہ سمجھے گی۔ وہ روک دے گی۔ اس اعلان کے پاس دروازے کے قریب ہی ایک سپاہی پوری وردی پہنکر اور ہاتھ میں نیزہ تھامے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے دروازہ پر اعلان چسپاں تھا اور ایک سوار اُسی طرح کھڑا تھا۔ معلوم نہیں یہ سوار شاہی اصطبل کی عزت کے لئے یا اس دفتر کی خدمت کے لئے ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ راستہ میں ایک مکان تعمیر ہوتا دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان ہی کے مکانات کی طرح یہاں مزدوروں کو چار پانچ منزل تک تو اینٹ پتھر ہاتھ سے نہیں چڑھانے پڑتے۔ گو یہاں بھی ایک مستقل قسم کی پاڑ باندھی جاتی ہے۔ تو غالباً تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی بنائی جاتی ہے۔ لیکن پھر اس کے ذریعہ کل رکھکر ہر قسم کا مصالحہ اور اینٹیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ جو بڑے آرام کی بات ہے۔ معمار بازار میں پہلے لکڑی کا پردہ بازار کی طرف سے اوس کے اوپر کھڑا کر لیتے ہیں۔ پھر اُس کے پیچھے کام شروع کرتے ہیں تاکہ راہ رو انہیں نہ دیکھ سکیں۔ ٹکٹ صاحب کے دفتر سے نکلکر مجھے پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ سامنے زیر زمین یورینری ہے جہاں کئی بازاروں کے چوکوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ

زیر زمین ٹٹیاں یا پیشاب خانے ہیں۔ یہاں پیشاب کے لئے ایک ہی قطار ٹٹیوں کی تھی۔ صرف بیچ میں چھوٹے چھوٹے پردے تھے یعنے سترگاہ تک سے۔ کمر کے اوپر سے سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پہلے تو مجھے حجاب معلوم ہوا لیکن جب ہر شخص ایک ہی بات کرتا ہو تو کسی کی بات نرالی نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ پاخانہ کی ٹٹیاں بند دروازہ کے اندر ہیں۔ ان پیشاب کی ٹٹیوں پر ہر وقت پانی گرتا رہتا ہے۔ جس سے عفونت بالکل پیدا نہیں ہوتی۔ پیرس میں پیشاب کے لئے سر بازار چھوٹے چھوٹے خوبصورت آہنی پنجرے بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں وہاں کونسٹ کہتے ہیں۔ یہاں پردہ کا بہتر انتظام ہے۔ ایک ستون کے گرد پانچ چھ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ ہر دو شخصوں کے درمیان ایک آہنی پردہ حائل ہوتا ہے۔ جس سے کسی کو دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور نہ کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ ان میں بھی ہر وقت پانی جھرتا رہتا ہے۔ اور نیز اسکے اندر خفیہ امراض اور قوت وغیرہ کے اشتہار چسپاں رہتے ہیں۔ لنڈن کی ٹٹیوں میں ایسے اشتہار نہیں تھے۔

انگلستان میں تعلیم نمائش پیرس کے لئے انگلستان نے جو رائل کمشن مقرر کیا تھا۔ اور اس کے صیغہ تعلیم کی سب کمیٹی نے تعلیم انگلستان پر ایک جامع رپورٹ لکھی تھی۔ اس میں سے میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں انگلستان کے ادنےٰ اعلےٰ اور ٹکنیکل وغیرہ اقسام تعلیم کی کیفیت درج کرتا ہوں۔ گو یہاں یہ حالات طویل معلوم ہونگے لیکن فائدہ سے خالی نہیں۔ واضح رہے کہ انگلستان بھی یورپ کے اُن ممالک میں شامل ہے کہ جہاں بچوں کی جبری یا لازمی تعلیم کا قانون جاری ہے۔ اور واقعی آج جو ملک تہذیب اور شائستگی میں ترقی کرنا چاہے۔ اسے جبری تعلیم کے سوائے چارہ نہیں۔ چنانچہ لنڈن میں تعلیم کا انتظام جس سکول بورڈ کے

ہاتھ میں ہے۔ اسے اتنے بڑے شہر کے لاکھوں بچوں کی تعلیم کے لئے بہت بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سے بارہ سال تک یا بعض حالتوں میں چودہ سال کی عمر سے چھوٹا کوئی لڑکا یا لڑکی تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتی۔ قانوناً ان سے ابتدائی تعلیم کے لئے کوئی فیس بھی نہیں لیجاتی۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم ہر فرد رعایا کو مفت بہم پہنچانا گورنمنٹ کا فرض سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انگلستان میں تو یہ مسئلہ بھی آجکل در پیش ہے کہ غریب لوگوں کے بچوں کو کہ جنہیں پیٹ بھر کر کھانا والدین نہیں دے سکتے۔ سکول کے وقت میں کھانا بھی سرکار کی طرف سے ملنا چاہئے۔ حقیقت میں وہاں اس اصول پر حکومت کی جاتی ہے کہ رعایا خود اپنی بادشاہ ہے۔ اور ٹکس دینے والے اپنی آپ خود حکومت کرتی ہے۔ یعنے حکومت کے مختلف کاموں کے انتظام کے لئے وہ لوگ مختلف اوصاف کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ اور وہ ممبر اپنے منتخب کرنے والوں اور دوسرے اہل ملک کی سہولیت اور رفاہ کو مدنظر رکھکر انتظام حکومت کرتے ہیں۔ ورنہ مفلس بچوں کو سکول میں کھانا دینے یا ملک کے محتاجوں یا ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے ورک ہوس بنانے یا انہیں سرکاری خزانہ سے پنشن دینے کی تجویز کرنے کے اور کیا معنے ہو سکتے ہیں۔

ایلیمنٹری یا ابتدائی تعلیم بہرحال لنڈن سکول بورڈ کے ماتحت سکولوں میں ۱۹۰۵ء میں ساڑھے چار لاکھ کے قریب بچے پڑھتے تھے۔ اور قریب تین لاکھ کے بچے لنڈن کے دوسرے سکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ کیونکہ اب تک ان والنٹری یعنے پرائیویٹ سکولوں سے کچھ مدرسے چلے آتے ہیں جو سکول بورڈ قائم ہونے سے پہلے جاری تھے۔ اور اب تک سکول بورڈوں کے ایس کی طرح ان کے خرچ کا کچھ حصہ بھی شاہی خزانہ سے ملتا ہے۔ سکول بورڈ کو اہل شہر کی تعلیم کے لئے ایک قسم کا ریٹ یا ٹکس وصول کرنے کا اختیار

ہے۔ جو ۱۸۹۹ء میں شہر لنڈن سے ساڑھے بیس لاکھ پونڈ یا پونے چار کروڑ ہندوستانی روپیہ کے قریب وصول ہوا تھا۔ سکول بورڈ نے اپنے زمانہ قیام ۱۸۷۰ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک قریب پانسو کے نئے مدرسے لنڈن میں قائم کئے۔ اور ان مدرسوں میں صرف ساتویں سٹینڈرڈ و جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اور چودہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا جب تک کہ وہ ساتواں سٹینڈر پاس نہ کرے لنڈن میں فارغ نہیں رہ سکتا۔ انفنٹ کلاس میں تین سے سات سال تک کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ جنہیں کنڈر گارٹن کے اصولوں پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ اسباق الاشیا کے ساتھ گانا اور جسمانی ورزش بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کے سوائے چھوٹے لڑکوں کو بھی سوزن کاری کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ اور ورزش لازمی ہے۔ ان سے بڑے لڑکوں کو انگریزی زبان کا لکھنا پڑھنا۔ حساب نقشہ کشی لڑکوں کو اور سلائی لڑکیوں کو جغرافیہ (معہ اسباق الاشیا) تاریخ گانا جسمانی ورزش اور کوئی زائد مضمون مثل الجبرا لڑکوں کیلئے اور امور خانہ داری لڑکیوں کیلئے فرنچ جرمن ڈلیدھ شارٹ ہینڈ وغیرہ بھی بشرطیکہ مدرسہ میں سکھلانے کا انتظام ہو۔ انگلستان کے ان ابتدائی مدارس میں سن ۱۹۰۰ء میں (۳۲۳۷۲) مرد (۶۲۱۳۹) عورتیں نائب مدرس تھیں کہ جنہوں نے ایک آدھ امتحان پاس کیا تھا۔ ان کے علاوہ (۱۵۳۷۶) زائد اُستانیاں تھیں کہ جنہوں نے کوئی امتحان تو پاس نہیں کیا تھا مگر انسپکٹر نے انہیں منظور کیا ہوا ہے (۳۵۰۲) لڑکے اور (۲۲۵۷۸) لڑکیاں پیوپل ٹیچر۔ اور (۳۹۸) لڑکے اور (۱۸۷۹) لڑکیاں پروبیشنر تھیں۔ ان اعداد سے نمایاں ہے کہ انگلستان کی ابتدائی تعلیم میں بجائے اُستادوں کے اُستانیوں سے کس قدر کام لیا جاتا ہے۔ اور واضح رہے کہ دن بدن اُستانیوں کی تعداد اُستادوں کی نسبت بڑھ رہی ہے۔

سیکنڈری تعلیم

سکول بورڈ نے اپنی ایلیمنٹری سکولوں کے ساتھ ہائر گریڈ سکول بھی قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں لڑکے تھوڑی سی فیس دیکر وسطی درجہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جو ہندوستان کے ہائی سکولوں کے برابر مگر اُن سے اچھی ہوتی ہے۔ بورڈ سکولوں سے فارغ ہو کر ہزاروں لڑکے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اور اُن کے والدین کو روٹی کمانے کی فکر دامنگیر ہوتی ہے مگر چونکہ اِن لوگوں کی تعلیم بہت ادھوری ہوتی ہے۔ اس لئے اُن کی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے شہر لنڈن میں جابجا کونٹی نوایشن کلاسز دن کے مختلف اوقات میں یا شام کو کھلتی ہیں۔ لنڈن سکول بورڈ کی ایوننگ کونٹی نوایشن کلاسز کے علاوہ ٹکنیکل ایجوکیشن کمیٹی کی جماعتیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ جو کونٹی کونسل کی مدد سے چلتے ہیں۔ اِن کے علاوہ کئی ایک پالی ٹکنکس ہیں کہ جن میں نقشہ کشی کیمسٹری، دھاتوں کے کام، کئی ایک آرٹ اور سائنس اور غیر زبانیں سکھلائی جاتی ہیں۔ ان میں سے چند بڑے بڑے یہ ہیں۔ ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنکس۔ بارو روڈ پالی ٹکنک۔ ساؤتھ ویسٹرن پالی ٹکنک اور برک بک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اِن مدارس سے زیادہ تر غرض یہ ہے کہ جو لڑکے دن بھر باقاعدہ تعلیم نہیں پا سکتے۔ وہ یہاں کے تجربہ کار اُستادوں اور قیمتی آلات کی مدد سے آئندہ زندگی کے لئے بہت سے پہلوؤں میں اپنی علمی اور دستکاری کے استعداد بڑھا سکتے ہیں۔ سیکنڈری تعلیم کے متعلق اہل انگلستان کی بڑی خواہش خواہ مذہبی تعلیم کے خیال سے یا ذاتی آزادی کے لحاظ سے ہمیشہ یہ رہی ہے کہ یہ باب تعلیم کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ سیکنڈری سکول زیادہ تر اوقاف اور عطیات پر قائم ہیں۔ اِن میں سے بعض تو بہت قدیم اور بڑے بڑے دولت مند ہیں اور بعض کا گذارہ بمشکل چلتا ہے۔ خصوصاً جن بعض کے اخراجات کا بعض اراضیوں کی آمدنی پر گذارہ ہے۔ انہیں خشک سالی کے زمانوں میں بہت تکلیف

ہوتی ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ ان مدارس کو سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ مثلاً اگر یہ سائنس کی تعلیم کا سامان بہم پہنچائیں۔ اور لیبوریٹریاں قائم کرلیں تو گورنمنٹ کا سائنس اور آرٹس ڈیپارٹمنٹ انہیں مدد دیتا ہے۔ یا اگر یہ ٹکنیکل تعلیم کا انتظام کریں تو کونٹی کونسلیں ٹکنیکل تعلیم کے ماتحت مدد کر دیتی ہیں۔ انگلستان میں بڑے بڑے نامور پبلک سکول کہ جن میں سیکنڈری تعلیم دی جاتی ہے۔ ہیرو۔ ونچسٹر۔ ویسٹ منسٹر۔ چارٹر ہوس۔ رگبی۔ سٹی آف لنڈن سکول۔ کرائسٹ ہاسپٹل وغیرہ ہیں۔ جن میں ونچسٹر سنہ ۱۳۸۲ء سے جاری ہے۔ اور سینٹ پال سنہ ۱۵۰۹ء سے ہے۔ اور کون سا ملک ہے جو اتنی پرانی مگر اعلیٰ پایہ کی تعلیم گاہیں دکھلا سکتا ہے۔ کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹیاں تیرھویں صدی سے قائم ہیں۔

اعلیٰ تعلیم

انگلستان میں اعلیٰ ترین تعلیم کے دونوں مرکز آکسفورڈ اور کیمبرج ہیں۔ پہلے کے ساتھ ۲۲ کالج و ہال علاوہ ۴ پرائیویٹ ہالوں کے اور دوسرے کے ساتھ ۱۷ کالج اور ایک ہوسٹل متعلق ہے۔ یونیورسٹی آف ڈرہم سنہ ۱۸۳۱ء سے قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک کالج آف میڈیسن اور سنہ ۱۸۷۱ء سے نیوکاسل میں ایک کالج آف سائنس متعلق ہے۔ لنڈن یونیورسٹی گو سنہ ۱۸۳۶ء سے قائم ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۰ء سے اس نے علاوہ امتحان لینے کے تعلیم دینے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اور اس میں ۲۵ کالج یا سکول شامل ہو گئے ہیں جو کہ فیکلٹیوں میں تعلیم دیتی ہے۔ وکٹوریا یونیورسٹی سنہ ۱۸۸۰ء میں قائم ہوئی۔ برمنگھم یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۰ء میں لیورپول یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۳ء میں اور لیڈس میں یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۴ء میں شفیلڈ میں بھی ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تیاری ہے۔ یونیورسٹی آف ویلز جو سنہ ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ تین کالج ہیں۔ سکاٹلینڈ میں چار یونیورسٹیاں ہیں۔ گلاسگو میں سینٹ اینڈروز سنہ ۱۴۵۰ء میں قائم ہوئی۔ ایبرڈین میں

سنہ ۱۴۹۴ء میں۔ ایڈنبرگ میں سنہ ۱۵۸۲ء میں۔ کارنیگی ٹرسٹ سنہ ۱۹۰۱ء میں بیس لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوا جس کی غرض سکاٹلینڈ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو ترقی دینا ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ پونڈ ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۳ء کے سرما میں اس نے (۳۰۲۰) طلبا کی فیس (۳۰۵۱۱) پونڈ ادا کی۔ آئرلینڈ میں ڈبلن یونیورسٹی سنہ ۱۵۹۱ء میں قائم ہوئی۔ اور رائل یونیورسٹی آف آئرلینڈ سنہ ۱۸۸۰ء میں جس ملک کی کل آبادی چار کروڑ ہے۔ اس میں اعلےٰ تعلیم کا اس قدر انتظام ہے۔ تو کیا تیس کروڑ ہندوستانیوں کے لیئے یہی پانچ یونیورسٹیاں کافی ہیں۔ اور اگر ایک دو ڈی نامی نیشنل یونیورسٹیاں اور قائم ہو جائیں تو کونسی بات ہے۔

زنانہ تعلیم

سنہ ۱۸۶۹ء سے پہلے انگلستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بہت ناکافی تھا۔ اُس وقت سے لیکر سنہ ۱۹۰۱ء تک اسّی سکول چیریٹی کمشنروں نے تمام ملک میں قائم کئے۔ گرلس پبلک ڈے سکول کمپنی نے جو سنہ ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ وومنس ایجوکیشن یونین کی امداد سے سنہ ۱۹۰۰ء تک ۳۳ سکول قائم کرتے تھے۔ اور جب کہ آکسفورڈ میں سنہ ۱۸۸۴ء سے اور کیمبرج میں سنہ ۱۸۸۱ء سے اور نیز لنڈن اور وکٹوریا یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کو ڈگری کے امتحانات میں شامل کرنا منظور کیا گیا ہے۔ اعلےٰ تعلیم نسواں کو انگلستان میں بہت ترقی ہوئی ہے۔

ٹکنیکل تعلیم

سنہ ۱۸۸۹ء سے پہلے انگلستان میں ٹکنیکل تعلیم کی حالت نہایت پست تھی۔ اس وقت ملک کے دوراندیش لوگوں نے محسوس کیا۔ کہ دستکاری اور صنعت و حرفت میں غیر قوموں کا مقابلہ بہت سخت ہو گیا ہے۔ اور ٹکنیکل تعلیم کا ایکٹ پاس ہوا۔ اس میں ٹکنیکل تعلیم کی تعریف اس طرح کی گئی تھی۔ سائنس اینڈ آرٹ کے اصولوں کی تعلیم جو دستکاریوں کے حق میں مفید ہو۔ اور سائنس اینڈ آرٹ کی خاص شاخیں جو خاص

خاص دستکاریوں اور حرفتوں کے لئے مفید ہوں۔ چنانچہ گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس وآرٹ نے اس تعریف میں سوائے ملکی زبانوں کے اور تمام حرفتوں اور پیشوں کی تعلیم شامل کر لی ہے۔ غرض اس ایکٹ کے مطابق تمام انگلستان کی کونٹی اور بورو کونسلوں نے گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس وآرٹ کے ماتحت ٹکنیکل تعلیم کی کمیٹیاں قائم کر لیں ۱۸۹۸ء تک ۶۱ کونٹی بورڈوں میں سے ۴۶ نے اپنے یہاں ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کر لئے۔ ان میں سے تین کونسلوں نے (۱۵۰) ایسے سکول اپنے یہاں جاری کئے۔ صرف اس سال تک لنکے شائر میں (۱۹) اور یارک شائر میں (۱۷) قائم ہو گئے یا ہو چکے تھے۔ اس لئے اسی ایکٹ کے رو سے (۲۱۵) سیکنڈری سکولوں نے سائنس کی تعلیم کا انتظام کر لیا۔ اور اسی قدر فزیکل لیبوریٹریاں قائم کر لیں اور ۷۷ ورکشاپ دستکاری کی تعلیم کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ (۱۸) نئے سیکنڈری ہائے گریڈ سکول سائنس کی ضروری شاخوں کی تعلیم کے لئے قائم ہو گئے۔ جن پر (۶۴۳۴۳۹) پونڈ خرچ پڑا۔ جس میں سے اڑھائی لاکھ پونڈ صرف لنڈن نے خرچ کیا۔ لنڈن میں ٹکنیکل تعلیم صرف پالی ٹکنکس سکولوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ کہ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ حسب ذیل آٹھ سکول ہیں۔ بیٹرسی۔ بارو روڈ۔ سٹی (برک بیک انسٹی ٹیوشن اینڈ سٹی آف لنڈن کالج) ناردرن۔ ریجنٹ سٹریٹ۔ ساؤتھ ویسٹرن۔ وولیچ اور نارتھیمپٹن انسٹی ٹیوٹ۔ ان میں سے اکثروں میں ڈے سکول بھی جاری ہیں۔ لیکن عموماً شام کی کلاسیں زیادہ تر مختلف پیشے اور حرفے سکھلانے کا کام کرتی ہیں۔ بارو روڈ پالی ٹکنک میں ۱۸۹۸ء میں نیشنل سکول آف بیکری (طباخی) اور ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنک میں گاڑیاں بنانے کا ڈے سکول قائم ہوا۔ بیٹرسی میں ٹکنیکل ڈیپارٹمنٹس میں کیمیکل انجینئرنگ الکٹرو کمسٹری میٹلرجی۔ ڈومسٹک اکانومی وغیرہ کے کورس سکھلائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی چھوٹے

ہرٹ سکول اور ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ میں نہ تعمیرات کے پیشے کی مختلف شاخوں میں اسقدر ترقی ہو رہی ہے کہ صرف ۱۹۵۱ء میں گولڈ سمتھ انسٹی ٹیوٹ اور ایسٹ لنڈن ٹکنیکل کالج (پیپلس پیلیس) کے علاوہ صرف پالی ٹکنک سکولوں میں بائیس سو طلباء نے بحساب دو گھنٹے روزانہ کے یہ کام سیکھے۔ اور مندرجہ بالا دونوں مدرس میں اور پانچ سو طلباء نے بھی پیشے سیکھے۔ واضح رہے کہ تعمیرات میں بڑھئی۔ معماری۔ سنگتراشی۔ آہنی نلکے لگانا پلاسٹر کرنا۔ نقاشی رنگ سازی سب کام شامل ہیں۔ صرف ۱۹۵۱ء میں چالیس ہزار پونڈ وظائف صنعت و حرفت کی تعلیم کیلئے شوق دلانے کیواسطے بتفصیل ذیل خرچ کیے گئے:-

۶۰۰۔ ابتدائی اضلاع کے وظائف
۷۰۔ وسطی اضلاع کے وظائف
۵۔ سینئر اضلاع کے وظائف
۴۰۔ سکول آف آرٹس کے وظائف
۱۰۰۔ جونیئر دستکاروں کے شام کی جماعتوں کے وظیفے۔
۱۲۰۔ شام کے وظائف سائنس اور ٹکنالوجی میں۔
۲۔ باغبانی کے وظیفے
۳۔ ابتدائی عملی باغبانی کے وظائف
۹۔ ڈومسٹک اکانومی کی تربیت کے وظیفے
۵۵۴۔ جونیئر ڈومسٹک اکانومی کی تربیت کے وظیفے۔

کئی ایک کالجوں میں اعلیٰ ٹکنیکل تعلیم کے شعبے قائم ہیں۔ زراعت کی تعلیم کے لئے کالج اور جماعتیں مخصوص ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کی گنجائش میں علاوہ بہت سے ٹکنیکل مدارس کے لنڈن میں سب سے بڑا ٹکنیکل کالج سٹی اینڈ گلڈاس لنڈن انسٹی ٹیوٹ ہے اس کے سنٹرل ٹکنیکل کالج کے

علاوہ ایک ٹیکنیکل کالج میں ۲۵ پروفیسر اور (۹۳۹) طالب علموں کے گروہ صبح و شام سے ہیں اور سکول آف ٹیکنیکل آرٹس میں ۵ مدرس اور (۱۲۵) طلبا۔ لیبد (چھوٹے کے) ٹریڈس سکول میں ۱۶ مدرس اور (۱۳۰۰) طلبا ۱۹۰۸–۱۹۰۹ء میں ٹیکنیکل امتحانات کے نتائج پر اس کالج نے (۲۶۳) انعام تقسیم کئے تھے (۱۰۲) چاندی کے اور (۱۵۷) برنجی تمغے۔ (۳۸۶) پونڈ کے نقد انعام سے ظاہر ہے کہ کس کوشش اور جد و جہد سے انگلستان اپنی ٹیکنیکل تعلیم کی کمی پوری کر رہا ہے۔ اور ابھی لارڈ روزبری چاہتے ہیں کہ برلن کے عظیم الشان پالی ٹیکنیکم کے نمونہ پر انگلستان میں ایک کالج بنانا ضروری ہے۔

لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک

مقتضی سی ست کلیہ در روزی	خیر از کشش طفل دبستان بدمند
جہد کن تا نور رخشاں شود	تا سلوک و خدمت آسان کنی
بیچو آہن آرن بدرنگ شو	در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید	ہر کہ جہدے کرد در جہدے رسید

(حافظ)

سچ ہے العبد یدبر واللہ یقدر۔ ابھی لنڈن میں بعض مقامات مثل پارلیمنٹ وغیرہ کا دیکھنا اور بعض اشخاص سے ملاقات کرنا باقی تھا بلکہ بعض سے دعوتوں اور ملاقاتوں کی قرار دادیں ہو چکی تھیں کہ ناگہاں کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ مجھے لنڈن سے واپس چلے جانے کا ارادہ

کر لیا۔ کچھ دکانوں سے مینے دو تین بکس کتابوں کے خریدے تھے۔ یہ کام مینے اپنے ایجنٹ کو سپرد کر دیا کہ وہ کتابیں جمع کرکے لاہور کو روانہ کر دے اور میں ۲۷۔ اگست ۱۹۰۰؁ء کی شام کو ہوٹل کا بل ادا کرکے اور ہوٹل کے بعض ملازموں کو کچھ انعام دیکر وکٹوریہ سٹیشن سے ریل پر سوار ہو گیا بوجہ نمائش پیرس ہجوم بہت تھا۔ یہ لوگ کس قدر سفر کرتے ہیں عورتیں مردوں سے کم تفریحی سفر نہیں کرتیں۔ اور اس لئے سٹیشنوں اور بازاروں کے ہجوم میں مرد اور عورتیں بخلاف بلاد مشرق بالکل مخلوط ہوتی ہیں۔ میں ابھی گاڑی سے باہر کھڑا تھا کہ دو نوجوانوں نے مجھ سے پوچھا تم عربی بول سکتے ہو مینے کہا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا یہ بڑھیا لیڈی جو ہمارے ساتھ ہے سوائے عربی کے کوئی زبان بول نہیں سکتی۔ اور اب پیرس کو جا رہی ہے۔ ذرا اسے جہاز پر سوار کرا دینا اور ٹکٹ دلا لینا۔ مینے اقرار وعدہ کر لیا۔ جب انگلش چینل پر پہنچے تو میں اُسے ساتھ لے کر کشتی پر گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوجہ پیچھے رہ جانے کے مجھے جہاز پر کچھ جگہ نہ ملی۔

بحری بیماری کا عجیب نظارہ — [illegible] عجیب نظارہ

سمندر آج بہت متلاطم تھا۔ اور ایسی حالت میں جو جہاز میں لیٹ جاتے ہیں وہ قے کم کرتے ہیں۔ مگر اس وقت کم و بیش سب لوگ قے کر رہے تھے۔ مینے بھی دو تین مرتبہ قے کی۔ یہ عجیب وقت تھا۔ گرد و پیش ہر طرف سے قے کی صدا آ رہی تھی۔ جہاز کا سٹیورڈ ہر شخص کو قے کرنے کے برتن لا لا کر دیتا جاتا تھا۔ مینے تختہ جہاز پر قے کر دی۔ جس پر اُس نے تے پر تولیا ڈال دیا۔ اور پھر بڑا برا آنا ہوا میرے لئے بھی ایک برتن اُٹھا لایا۔ ۲۸ کی صبح کو تین بجے جہاز نے لنگر کیا۔ اور ہم فرانس کی سرزمین پر اُتر پڑے۔ ساڑھے سات بجے ریل پیرس پہنچی۔ کسٹم والوں نے اسباب کا معائنہ کیا۔ میرے ایک فولادی ٹرنک کا کہ جسے لنڈن سے بُک کرا دیا تھا۔ تالا ٹوٹا ہوا اور رسوں سے بندھا

ہوا ملا۔ لیکن اس میں سے کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ اسٹیشن سے گاڑی
لیکر سیدھا مصطفیٰ خلیل آفندی کے مکان واقعہ سینٹ مچل پر پہنچا
کیونکہ اُس نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ اگر تم میرے قریب کے کسی ہوٹل میں
ٹھیرتے تو تمہیں سہولیت ہوتی۔ پھر مسٹر مین سے ملاقات کی۔ اور اُسکے
بعد دن بھر ریلنے نمائش پیرس کے بعض حصوں کی سیر میں صرف کیا۔ چیز کے

نمائش پیرس پر ایک آخری نظر

لنڈن میں ایک ماہ کے قیام میں ہندوستان کی تماشہ
والی کمپنی پیرس سے کام بند کر کے چلی گئی تھی۔ سب
پہلوان اور تماشہ گر لوٹ گئے تھے۔ میں نے معدنیات کان کنی کی کلیں
جوتے بنانے۔ کپڑے سینے۔ کپڑے سے مصنوعی پھول بنانے والی اور انواع
اقسام کی مشینوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ ایسی ایسی عجیب محنت بچانے
والی کلیں تھیں کہ ایک جگہ صرف مشینوں کی مدد سے چند منٹ میں مکمل
بوٹ سی لیا جاتا تھا۔ آٹھ دس کلیں ایک حلقہ میں لگی تھیں۔ تماشائی بھی
اپنا نام دیتے تھے۔ اور کاریگر چند منٹ میں باری باری سے اُن کلوں پر
بوٹ مکمل کر کے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اور قیمت لے لیتے تھے۔
درزیوں کے ایک کارخانہ نے لیڈیوں کے مومی بتوں کو نہایت خوشنما پوشاکیں
پہنا کر برقی روشنی میں ایک بازار بنا دیا تھا کہ ہزاروں لوگ اس پر گرے
پڑتے تھے اور مومی بتوں پر جاندار ہونے کا یقین آجاتا تھا۔ ایک جگہ
ایک چاکولیٹ بنانے کے کارخانہ نے اپنے کام کرنے کا نمونہ دکھلایا جسکے
تمام عمل میں کہیں چاکولیٹ کو ہاتھ نہیں لگانا پڑتا تھا۔ سب کام مشین سے
خود بخود ہوتا جاتا تھا۔ شام کو مصطفیٰ خلیل آفندی کے ساتھ ملکر کھانا کھانے
کا وعدہ تھا سٹیمر پر بیٹھکر عین وقت پر جا پہنچا۔ سٹیمر پیرس میں سب سے
ارزاں سواری ہے۔ دس سنٹیم یعنے دو پیسے دیکر جتنی دور چاہو دریا کے
رخ چلے جاؤ۔ کھانا کھا کر گاڑی منگائی اور اپنا اسباب قریب لے آیا۔

ہوٹل میں لے گیا۔ دو فرانک گاڑی والے کو دیئے۔ شہر کے اندر خواہ پانچ میل گاڑی لے جاؤ اور خواہ دس قدم اتنا ہی کرایہ دینا پڑتا ہے۔

۲۹ اگست۔ آج پہلے مصطفیٰ خلیل آفندی کے ہمراہ ایک نوجوان ترک سے قسطنطنیہ کے لئے معرفت کے خطوط لینے گئے۔ راستہ میں ایک نیوز ایجنٹ کی دوکان سے قریب ایک درجن کے فرانسیسی زبان کے مختلف رنگین چھپنے والے مذاقی اخباروں کے پرچے خریدے۔ یہاں کارٹون والے رنگین اخباروں کی بڑی کثرت ہے۔ جس سے زندہ دل فرانسیسیوں کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ اور ٹامس کک کے دفتر سے آئندہ سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنے کو چلا گیا۔

راستے کا فیصلہ پہلے تو ارادہ تھا۔ پیرس سے براہ ریل مارسیلز تک جا کر براہ جہاز نیپلز اور وہاں سے یونان اور قسطنطنیہ کو جاؤں۔ لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ پیرس سے براہ ریل روم و نیپلز اور وہاں سے برنڈسی تک جا سکتے ہیں۔ مگر آگے ایسا جہاز ملیگا جو ہفتہ میں صرف دو مرتبہ ایتھنز تک جاتا ہے۔ وہاں سے پھر جہاز ملیگا۔ جو ہفتہ میں دو بار قسطنطنیہ کو جاتا ہے اس راستے کا کرایہ (۳۵۳) فرانک۔ اور تخمیناً دس گیارہ روز راستہ میں خرچ ہونگے۔ دوسرا راستہ براہ بٹ پیرس سے میونک وسٹراس برگ وویانا و بیوڈاپسٹ و بلگریڈ و صوفیہ و ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک ہے۔ اس میں صرف چار روز لگتے ہیں اور کرایہ بھی صرف (۱۹۷) فرانک دوم درجہ کا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ابھی پرسوں شب کا انگلش چینل میں بار بار جہاز میں قے کرنا بھی فراموش نہ ہوا تھا۔ قطع نظر اسکے یونان اور اٹلی کی زبانوں کی قطعی ناواقفیت نے بھی مجھے ادھر جانے روکا۔ جس قدر تجربہ آج تک غیر ممالک میں جانے کا مجھے ہوا ہے۔ اس سے اتنا تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جن ممالک کی زبانوں سے تم بالکل ناآشنا ہو۔ وہاں کی سیاحت سے

تم بہت کم نفع حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارا حصر دوسروں کے رحم اور مہربانی پر ہوتا ہے
اور ذرہ ذرہ سی بات دریافت کرنے کے تم محتاج ہوتے ہو۔ اسی سے مجھے
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ باوجود منہ میں زبان رکھنے کے تمہاری زبان تمہیں مدد
نہیں دے سکتی۔ اور تم اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی ضروری
سے ضروری بات بھی دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ وہ بھی بول سکتا ہے۔
لیکن تم دونوں ایک دوسرے کی زبان سے واقف نہیں۔ حال میں پیرس
سے لے کر ویانا تک ایک ہی کمرہ میں میرے ساتھ چار روسی نوجوان ہم
سفر کر رہے تھے۔ جو تعطیل میں پیرس سے واپس جا رہے تھے۔ ان میں سے
صرف ایک تھوڑی تھوڑی فرانسیسی بول سکتا تھا جس سے کبھی کوئی بات
ہو جاتی۔ مگر باقیوں سے ۳۲ گھنٹے کے سفر میں ایک بات نہ ہوئی۔ میں نے
قسطنطنیہ دیکھنے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا۔ اگر ہندوستان سے آتے ہوئے
قسطنطنیہ کی مصیبت نہ ہوتی۔ اور میں مصر اور قسطنطنیہ دیکھ کر یورپ کو آتا۔ تو
یقیناً براہ امریکہ و جاپان و چین ہندوستان کو واپس جاتا اور وہی خرچ
پڑتا۔ جو اب اس راستہ میں پڑے گا۔

غرض میں نے قسطنطنیہ تک سیدھے ریل کے راستہ کا اورینٹ ایکسپریس
کا ٹکٹ لیا اور پھر لائبریری سے ایڈن اے ویلانٹ سے مرتبہ کی
قسطنطنیہ کی ہینڈ بک ساڑھے سات شلنگ کو اور ایک فرانسیسی ڈکشنری
خریدی۔ سٹیمارین کی دوکان کتب بھی عجیب دوکان ہے۔ ایک چھوٹے
سے مثلث بلاک کے تینوں طرف یہ کتابوں کی دوکان ہے۔ اور جب
ارزاں فروشی کے واسطے ایسی جگہ پڑتی ہے۔ جیسے کہ ریل کے ٹکٹ
ہیں۔ یہاں سے پلاس ڈی ... سوال کے قریب ترکی سفارت خانہ میں
پاسپورٹ پر ویزا کرانے گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے ترکی قونصلیٹ
میں جانا چاہئے۔ جو پلاس ڈو لا ... میں ہے۔ برقی ریلوے میں وہاں پہنچا

اور پانچ فرانک (پانچ روپے) دیکر دستخط کر لئے۔ اور میٹر پیرس کے سینٹ مچل میں پہنچا۔ یہ جگہ پیرس میں سیکنڈ ہینڈ کتابیں بیچنے کے لئے مشہور ہے جیسے کہ لنڈن میں [illegible] ایک سیلر میں رو ہے۔ یہاں مستعمل کتابیں بیچنے والے

پیرس کی کتابوں کی کباڑی

دریا کے پشتہ پر جو کمر تک بلند ہے۔ اپنی کتابوں اور رسالوں کے گلاس کیس رکھ کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے یہاں سے پانچ روپیہ کی کتابیں خریدیں اور خلیل مصطفی صاحب کے حوالہ کر دیں کہ وہ میرے ایک ٹرنک میں بند کر کے ہندوستان کو جہاز میں روانہ کر دیں۔ مگر وہ مجھے نہیں بھیجی گئیں۔ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ ۳۰۔ اگست پیرس۔ مسٹر حسین سے ملاقات کی۔ اور ان سے ہندوستان کے خطوط لئے۔ میاں عبد العزیز نے سیالکوٹ کے گولی ورکس کے کچھ نمونے بھیجے تھے۔ نمونے میں نے پیرس کے بعض احباب کی لیڈیوں کی نذر کیا۔ جنہوں نے اس کام کو پسند کیا۔ ۶۵۰ فرانک جو پیرس کے ایک کوچہ کے بینک میں ایک دوست کی معرفت امانت رکھے ہوئے تھے وہ واپس لئے۔ اور ان دو ملاقاتوں کے بعد پھر پیرس کی زیر زمین ریلوے پر چڑھ کر بازار دو ہوٹل ڈی ویل اور [illegible] بہت بڑی فرنیچر کی دکان دیکھی۔ یہ بھی دوکان [illegible] ہر قسم کی دوکان ہے جیسے کہ [illegible] یا یوں ہے [illegible] ہمارے [illegible] یونیورسل سپلائر کی دوکان ہے جس سے ہر ضرورت کی چیز مل سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں نسبتاً ارزاں چیزیں جمع کی گئی ہیں۔ جو امراء کی ضرورت کے نہیں۔ بلکہ عوام الناس کی ضرورت کی ہیں۔ یہاں سے میں نے آج دو پونڈ کے تحائف اور یادگاریں خریدیں۔ اور پھر اپنے مکان [illegible] ہوٹل سینٹ [illegible] میں پہنچکر ہندوستان کے لئے چٹھیاں لکھیں۔ کیونکہ کل پیرس سے روانہ ہو جانے کا قصد ہے۔

[illegible]

۳۱۔ اگست پیرس۔ آج بھی صبح کچھ خطوط ہندوستان

انگلستان اور قسطنطنیہ کے ٹکٹ لئے اور اسباب باندھ کر تیار ہو گیا۔ اور مصطفیٰ خلیل آفندی کے ہمراہ گاڑی کرایہ کر کے سٹیشن کو روانہ ہوا۔ چونکہ سب ملکوں میں خاص خاص اشیا پر خاص خاص محصول ہیں۔ مثلاً فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ آسٹریا جرمنی۔ اور ترکی میں تمباکو کا۔ اس لیے چنگی کے افسر مسافروں کا اسباب دیکھتے ہیں۔ سرحدی سٹیشنوں پر تمہیں اپنا اسباب اُتار کر ایک کمرہ میں لانا پڑتا ہے۔ جو اسی غرض کے لئے بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہاں ایک میز بچھی ہوتی ہے یا اس سے بھی لمبے کونٹر پر سب لوگ اپنے اپنے پورٹ منٹو۔ بیگ اور ٹرنک وغیرہ کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ چنگی کے افسر جس بیگ یا صندوق کو چاہیں اس کا اسباب نیچے اوپر کر کے دیکھتے ہیں کہ کوئی قابل محصول چیز تو نہیں ہے۔ بعض وقت تم سے دریافت کرتے ہیں کہ تمباکو شراب یا کوئی ایسی چیز تو نہیں۔ اور تمہارے جواب پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ یورپ میں یہ دیکھا ہے کہ عموماً لوگوں کے بیان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور اگر متکلمین کے بیان کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو نہ صرف بیان کرنے والے کی خفت منصور ہے۔ بلکہ بیان سننے والی کی خفت بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ مان لے۔ عموماً یہاں سب لوگ چھوٹے یا بڑے بلحاظ درجے کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ سب ملکوں میں قومی حکومت ہے اور حکومتوں کا حصہ کم و بیش پارلیمنٹوں اور پبلک کے ہاتھ پر ہے۔ اور فوج بھی رعایا کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس لئے پولیس یا ریل یا فوج یا سول کے افسر لوگوں پر اس قسم کا رعب اور دباؤ نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ہندوستان میں میرا تجربہ ہے۔ بہرحال چونکہ چنگی کے افسر مختلف ممالک کی سرحدوں پر اسباب کا معائنہ کرتے ہیں۔ اور صندوق و بیگ ریلوں سے نیچے اُتروا کر پھر ریل پر رکھوانے کی مزدوری دینی پڑتی ہے۔ اس لئے میں نے اس مرتبہ اپنے دونوں ٹرنک پیرس سے قسطنطنیہ تک بک کرا دینے مناسب سمجھے۔ اور اپنے ساتھ صرف

سیتہ بیگ ایک کمبل ایک پشمینہ کی چادر بصورت بستر اور ایک چھاتا اور لاٹھی رکھی۔ ٹرنک وزن کرائے تو ۵ کیلوگرام (قریباً ۳۶-۳۷ سیر) نکلے فرانس کی ریلوں پر دوم درجہ کے مسافر کو ۵ کیلوگرام وزن مفت لے جانے کی اجازت ہے۔ یہ وضع کرنے کے بعد مجھ سے ۳۳½ فرانک کرایہ سب جرمن آسٹرین اور ٹرکش ریلوں کا لیا گیا۔ جو اتنے وزن کے لئے مجھے دینا بہت ناگوار ہوا۔ مسٹر مصطفیٰ خلیل سے بغلگیر ہو کر ریل پر سوار ہوا۔ اتنے میں اس کا پست قد شامی دوست بھی سٹیشن پر اس کے گھر سے پتہ دریافت کر کے پہنچ گیا۔ یہ شخص جاہل ہے مگر فرانسیسی صاف بولتا ہے۔ کیونکہ مدت سے یہاں رہتا ہے۔ عربی اس کی بولی ہے۔ اس نے ایک فرنچ عورت سے شادی کی ہوئی ہے۔ اور مصطفیٰ خلیل کے گھر میں ایک انگلش عورت ہوس کیپر ہے۔ یہاں سٹیشن پر دیکھا کہ بجائے انجن کی مدد کے گھوڑا جوت کر ریلوے گاڑیاں شنٹ کر رہی ہیں۔ اور ینٹ ایکسپریس پیرس سے ۱۲-۴۰ دوپہر کو روانہ ہوئی جس کمپارٹمنٹ میں میں بیٹھا تھا۔

ریل گاڑی میں گذارہ — اس میں ایک روسی جوان لڑکی اور اس کا پندرہ سولہ سالہ بھائی ایک میاں بیوی جرمن اور ایک فرانسیسی اور تھا یہی چھ آدمیوں کی جگہ ہر کمپارٹمنٹ میں ہوتی ہے۔ شام تک جرمن مسافر چلے گئے۔ روسی لڑکی کا ایک بوڑھا رفیق ہمارے کمرے میں آ گیا۔ اور وہ دوسرے کمرہ میں چلی گئی کہ جہاں سب عورتیں جمع ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ رات بھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے جانا تھا۔ اور لیٹنے کو کوئی جگہ نہ تھی سوائے اس کے کہ نیزہ سامنے کی سیٹ پر پاؤں رکھ لئے۔ . . . . .

. ایسی صورت میں لمبا سفر نہایت تکان دہ ہوتا ہے (کیم تمبر میونک (جرمنی) یورپ کے سفر اور ہندوستان کے سفر ریل میں بہت فرق ہے ہندوستان میں دوم درجہ کے مسافر اگر کسی نیچے یا اوپر کی نشست پر

بستر جالیں اور لیٹ جائیں تو ان کا حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس بستر پر سو جائیں۔ ہر چند کہ یہاں بھی یہ تحریری قانون نہیں۔ لیکن یورپ کی ریلوں میں اوپر کی آویزاں نشست تو ہوتی ہی نہیں۔ نیچے کی نشستوں پر چار چار مسافروں کے بیٹھنے کے لئے الگ الگ جگہیں بنی ہوتی ہیں۔ جن کے مخمل کے گدیلے اتنے موٹے ہوتے ہیں کہ انسان ان میں آرام کرسی کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن ان میں سونے کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔ اگر تم سفر میں سونا چاہتے ہو تو کچھ اور کرایہ اضافہ کرو۔ اور سونے کی گاڑی میں جو علیحدہ ہے جا کر سو رہو۔ اور اگر تکیہ چاہتے تو وہ بھی ایک شلنگ خرچنے پر رات بھر کے لئے مل جاتا ہے۔ غرض یہاں کی ریل ہو یا کوئی اور جگہ وہاں سوائے روپیہ پیسہ کھینچنے کے مختلف صورتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سینکڑوں بہانے تمہاری جیب خالی کرنے کے موجود ہیں۔ جب تک تمہاری جیب میں کافی دام ہیں۔ تم خان صاحب بنے ہوئے ہو۔ ہر جگہ کسی خاندانی لارڈ یا امیر الامرا کی برابری کر سکتے ہو۔ لیکن جب تمہارے دام ختم ہو گئے تو تم ایک ادنےٰ۔ ایک رذیل اور ایک ناکارہ شخص ہو گئے۔ بلکہ یوں کہنا نادرست نہیں کہ ممالک یورپ میں مفلس ہونا جرم ہے۔ علاوہ سو نہ سکنے کے ریل میں کھانے پینے کی بھی اجنبی اور ناواقف کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سٹیشنوں پر ریفرشمنٹ روم تو ہیں۔ جہاں روٹی۔ چاء اور میوہ جات ملتے ہیں۔ لیکن تیز ریلیں اُن پر بہت تھوڑا وقت ٹھہرتی ہیں۔ مثلاً زیادہ سے زیادہ تین منٹ۔ واقف لوگ تو بھاگ دوڑ کر کچھ کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن میری مشکل ایک اور قسم کی تھی۔ اکثر سٹیشنوں پہ پینے کو صرف بیئر شراب اور کھانے کو ڈبل روٹی کے سینڈوچ ملتے ہیں۔ روٹی کو بیچ میں دو ٹکڑوں میں کاٹ کر اس کے بیچ میں ایک گوشت کا پارچہ رکھ کر دوسری تہ اوپر جما دی جاتی ہے۔ اور تمام یورپ کے لوگ سفر میں یہی کھانا

کھاتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ گوشت کس قسم کا ہے۔ انگلستان میں تو عموماً خنزیر کے گوشت کے سینڈوچ لوگ کھاتے ہیں۔ جو شخص بیئر نہ پیئے یا ایسے سینڈوچ کھانے سے محترز ہو اُسے ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ۲۲ گھنٹے کے سفر میں بیچ آدری کوٹ (سرحد فرانس و جرمنی) اور میونک اور سنبراک (سرحد جرمنی و آسٹریا) پر صرف تین مرتبہ چاء پی اور روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑے سے انگور کھائے۔ جو ہرگز کافی خوراک نہ تھی۔ یہاں دستور ہے کہ لمبے سفر والے سب مسافر اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں رکھتے ہیں۔ مثلاً اکثروں کے پاس میوجات سیب۔ انگور۔ بہی اور شیریں آلوچے تھے۔ اور ڈبل روٹی کے سینڈوچ بھی بہت لوگ ساتھ لاتے ہیں۔ اگر میں بھی دو تین روٹیاں اور کچھ میوجات ساتھ لاتا تو آرام میں رہتا۔ ایک سٹیشن پر چائے کی پیالی اور ٹوسٹ کی قیمت ایک مارک (۱۳ آنے) اور ایک ڈیڑھ مارک (روپیہ) دیئے۔ جس ملک کی حدود میں سونے کا سکہ توڑوا کر چاندی کے سکے لئے جائیں وہی دوسرے ملک کی حدود میں بیکار ہو جاتے ہیں۔ یا بہت کم قیمت پر چل سکتے ہیں۔

آج دوپہر کو آسٹرین علاقہ سنباک سے شروع ہوا۔ آسٹرین کسٹم کے افسروں نے خود گاڑیوں میں آکر اسباب دیکھا۔ اور سبز ٹکٹ اسباب پر ظاہر کرنے کو چسپاں کر دیئے کہ محصول سے بری ہے۔ یہاں کسی کسی چھوٹے سٹیشن پر دیہات کی عورتیں پانی پلاتیں اور مسافر انہیں ایک آدھ پیسہ دیدیتے لیکن آج مجھے پیاس بھی نہ تھی کیونکہ کچھ کھایا نہ تھا۔ اور بھوک ایسی سخت تھی کہ ایک طرح کی بے چینی اور چندھیاہٹ سنسناہٹ معلوم ہوتی تھی۔ سو کبھی آٹھ پہر کا روزہ رکھنے سے بھی معلوم نہیں ہوتی۔ یورپ کی آب و ہوا میں بھوک زیادہ لگتی ہے۔ ایک سٹیشن سے دو چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں انگوروں کی اسی کروزر یعنی ایک پیسہ کو خریدیں۔ انگور نہایت بڑے زیادہ خوش تھے۔ یہ لوگ فی ونڈ تھا

کے لفافوں یا ایسی ٹوکریوں میں دیتے ہیں۔ یہ خوشنما ٹوکریاں مشین میں موٹا
سا کاغذ دبا کر بنائی جاتی ہیں۔ اور ایسے کام خوب دیتی ہیں۔ ویانا پہنچکر معلوم ہوا
کہ ٹرین میں ہی کھانے کی گاڑی بھی تھی۔ مگر مجھے معلوم نہ تھی۔ پیرس سے
جو روسی لڑکا میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُس نے جو موٹا سا ناول دوپہر کو پڑھنا
شروع کیا تھا۔ اُسے آدھی رات کو ختم کر دیا۔ اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں
کہ اُس نے اس عرصہ میں شائد ایک آدھ منٹ کے لئے کتاب سے سر اُٹھایا
ہوگا۔ اس گاڑی میں بہت سے ایسے لوگ سوار تھے جو نمائش پیرس سے
یوروپ کے ہر ملک کو واپس جا رہے تھے۔ اور بعض وہ لوگ تھے جو اوبر
اومیگو کا جشن پلے دیکھنے جا رہے تھے جو ہر دس سال کے بعد ایکٹ کیا جاتا
ہے۔ اور ایسی قابلیت سے پلے ہوتا ہے کہ امریکہ تک سے لوگ اسکے
دیکھنے کو جاتے ہیں۔ اور اس کے ٹکٹ پندرہ بیس روز یا مہینہ پہلے بکنے
بند ہو چکے تھے کیونکہ اور جگہ باقی نہ رہی تھی۔ شام کے پونے آٹھ بجے گاڑی

ویانا میں سفر توڑنا

ویانا میں پہنچی۔ ۳۰ گھنٹے لگاتار سفر کرنے کے بعد کہ جس
میں سونے کا موقع نہیں ملا تھا میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اس لئے
ویانا میں اُتر پڑا۔ سٹیشن پر پھر میرا منڈ بیگ دیکھا گیا۔ اور میں اُسی میٹرو
پول ہوٹل کو گیا کہ جہاں پہلے بھی ٹھہرا تھا۔ کیونکہ ہوٹل کی گاڑی مسافروں
کے لئے سٹیشن کے باہر کھڑی تھی۔ پیرس سے ویانا تک جس قدر علاقہ
میں سے ریل گذری ہے وہ نہایت سرسبز اور آباد تھا۔ اِن ملکوں میں چپہ
بھر زمین ویران یا نکما یا بنجر نظر نہیں آتی۔ گھاس سے میدان فرش کی
طرح آراستہ ہیں۔ درختوں کے ذخیروں اور گھنے جنگلوں سے جو جابجا
نظر آتے ہیں۔ ملک نہایت شاداب اور دلچسپ نظر آتا ہے۔ زمین یوروپ
بھر میں ناہموار نظر آتی ہے۔ میدان بہت کم ہیں۔ عموماً بلندی اور پستی پر
بستیاں کھیت۔ جنگل۔ سڑکیں اور مکانات واقع ہیں۔ سڑک ادھر اُدھر

چند مکانات پاس پاس اور کہیں یا شاں واقع ہیں۔ جو ایک گاؤں کہلاتے ہیں۔ ایک مکان کی نوکدار چوٹی بہت بلند اونچی چلی گئی ہے۔ یہ یہاں کا گرجا ہے۔ کوئی گاؤں ایک گرجے سے خالی نہ ہوگا۔ مکان عموماً کھپریل یا سلیٹ پوش ہوتے ہیں۔ کھیت کہیں بڑے نظر نہیں آئے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات پر ہی یہ لوگ ایسا اچھا تردد کرتے ہیں کہ ایک کنبہ اپنی پرورش کر سکتا ہے۔ گو عموماً گھوڑے ہلوں میں جوتے جاتے ہیں۔ لیکن آج آسٹریا میں کہیں کہیں بیل بھی ہلوں میں جتے ہوئے دیکھے ہیں۔ گھاس جیسے اس موسم میں سڑک کے دونوں طرف جا بجا زن و مرد کاٹنے اور خشک کرنے میں مصروف پائے گئے ہیں۔ شائد تخم سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ خودرو ہوتا ہے۔ عورتیں گھاس کاٹنے یا اپنی ترنگلوں سے خشک کرنے میں مردوں سے کم کام نہیں کرتیں۔ پھر خشک کرکے کبھی تو بارن میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اور کہیں براعظم یوروپ میں پنجاب کی توڑی (بھوسہ) کے دھڑوں کی طرح پرال وغیرہ سے باندھ کر ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ جب یہاں کی عورتوں کو کھیت کے ہر کام میں محنت کرتے دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں سوائے پنہاریوں کے ہرگز انکے برابر مشقت کا کام نہیں کرتیں۔ اور اسی طرح وہ عورتیں ہیں جو یوروپ کی فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور اپنے پسینہ سے روٹی کماتی ہیں۔ البتہ خوشحال لوگوں کی عورتیں عیش و آرام سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہا کہ مجھے کوئی سستا کمرہ دو۔ انہوں نے کہا کہ پانچ کراؤن روزانہ سے سستا ان کے یہاں کوئی کمرہ نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب میں کمرہ میں داخل ہوا اور کمرہ کی آسائش اور سامان کو دیکھا تو پھر مجھے خود جرأت نہ ہوئی کہ کرایہ کی تخفیف کا ذکر کروں۔

۴ ستمبر۔ ویانا۔ بوجہ اتوار کے سوائے تمباکو اور کھانے کی دوکانوں کے

اور سب دوکانیں شہر بھر میں بند تھیں - ایک قہوہ خانہ میں جاکر قہوہ پیا -

ویانا میں اتوار کی وجہ سے کاروبار بند

یہاں کا دودھ دار قہوہ - یہیں سے مخصوص ہے - دودھ کی جھاگ اٹھا کر گرم قہوہ کے شیشہ کے گلاس پر رکھدیتے ہیں جو بہت مزیدار معلوم ہوتا ہے - یہاں کثرت سے اخبارات موجود تھے - لنڈن کے دو تین بڑے بڑے اخبارات بھی ان میں مل گئے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ کل سلطان المعظم کی جوبلی کی رسم قسطنطنیہ میں ادا ہوگی - اگر دو تین روز پہلے معلوم ہوتا تو میں یہ عظیم الشان جلوس دیکھنے کے لئے وقت پر قسطنطنیہ پہنچ جاتا - میں یہاں دو تین واقفوں کو ملنا چاہتا تھا - مگر بوجہ سفر میرا کارمیڈ تھا - اور اسباب ساتھ نہ تھا شہر میں کوئی دوکان کھلی نہ تھی - اس لئے ملنا کل پر ملتوی رکھا - ویانا میں صرف جولائی سے اکتوبر تک اتوار کو دوکانیں بند رہتی ہیں -

قہوہ خانے

ویانا اور برلن میں قہوہ خانے جس کثرت سے ہیں اور جیسے پر رونق ہیں - پیرس میں نہیں - اور لنڈن میں سرے سے ہی نہیں یہاں قہوہ خانوں کے مکانات کیسے عالیشان اسباب کیسے قیمتی اور مکلف ہیں - ان میں سینکڑوں اخبار خریدے جاتے ہیں کہ جتنے اچھے اچھے ہوٹلوں اور ریڈنگ روموں میں بھی نہیں ہوتے - ایک دفعہ چائے کی پیالی پیکر دن بھر اخبار پڑھتے رہو - لنڈن میں رسٹوران بہت ہیں - مگر وہ بھی ایسے اعلےٰ درجہ کے مکانات میں نہیں ہوتے - ویانا کا سولجر

پولسمین

کیسا بنا ہوا ہے - اس کی وردی کیسی مکلف ہوتی ہے - فرانس کا سولجر اس کے روبرو ذلیل معلوم ہوتا ہے - کیونکہ علاوہ پست قد ہونے کے اس کی ڈھیلی وردی اور سرخ پتلون نے اسے بہت بھدا بنا رکھا ہے - ویانا اور برلن کی پولیس کانسٹبل بوجہ اپنی عمدہ وردیوں کے بڑے شاندار سپاہی معلوم ہوتے ہیں - ہندوستان میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کی وردی اِن سے اچھی نہ ہوگی۔ ہاتھوں میں دستانے۔ کمر میں تلوار لٹکتی ہے۔ سر پر ہلمٹ پیتل کی نوک سمیت ہے۔ لنڈن کا پولیس مین بلحاظ قد و قامت بہت ممتاز ہے۔ لیکن وردی کے لحاظ سے اِن کے روبرو وہ سولین معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان میں فوجی جھلک ہوتا ہے۔ ویانا اور برلن میں

قاصد کا رواج

یہ اچھی رسم ہے کہ بازاروں میں ایک خاص قسم کی وردی اور بلا یا نمبر اور نشان دار قاصد کھڑے رہتے ہیں۔ جنہیں کوئی پیغام یا چیز دیکر کہیں کا پتہ و نشان بتا دیجئے۔ لنڈن اور پیرس میں ایسا نہیں ہے۔ لنڈن میں یہ کام بھاگنے چلنے کی گاڑیوں اور مزدوروں کے سپرد مختلف کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں اطلاع دیدو تو شہر کے اندر جہاں چاہو پارسل پہنچا دینگے۔ آسٹریا میں تمباکو سرکار بیچتی ہے۔ تمام

تمباکو کا سرکاری اجارہ

تمباکو کی دوکانوں پر سرکاری نشان لگے ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سرکاری دوکانیں ہیں۔ ساتھ ہی اکثر تمباکو کی دوکانوں پر ایک ترک کی تصویر بھی لگی ہوتی ہے۔ جو لب قلیان پی رہا ہے۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ اس دوکان میں ترکی تمباکو بکتا ہے۔ فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر امیر صاحب کابل اپنے ملک کے بادام اور پستہ سفر کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھیں تو کیا حرج ہے۔

اتوار کی گھوڑدوڑی و شراب خوری

آج گھوڑ دوڑ ہونے والی تھی۔ وہاں پہنچا تو لاکھوں آدمی کا مجمع تھا۔ جہاں ہزاروں روپے گھوڑ دوڑ کی شرطوں و دھوکا بازی میں جا رہے تھے۔ سب کچھ جائز مگر اتوار کو دوکانیں کھلنے کی ممانعت۔ اتوار کی تعطیل ہوتی ہیں۔ شہر سے باہر قہوہ خانوں میں ہزاروں مرد و زن شراب پی کر ناچ رہے تھے۔ خصوصاً بوہیمین لوگ اِن کم بختوں کا عجب مذاق ہے۔ باجا بجتا رہتا ہے اور ایک ایک قہوہ خانہ

میں دو ہزار کا مجمع ہے۔ سب کے سامنے بیئر کے مگ لبریز رکھے ہوئے
ہیں۔ اِن میں سے بہت سے اُدھیڑ عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر
تھام کر ناچنے لگتے ہیں۔ مگر یہ سب وہ عورتیں ہیں جو سروں پر بجائے
ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں۔ اور خدمت گار یا مزدوری پیشہ ہیں۔ یہاں
مرد بھی دفتروں یا کارخانوں میں ایسی ہی ٹوپی (سکل کیپ) پہنتے ہیں۔
کہ جیسی ہندوستان میں بنگالی یا پارسی پہنتے ہیں۔ یہاں سے میں چڑیا
گھر میں گیا کہ جسے برلن کی طرح ٹیرگارٹن یعنی حیوانات کا باغ کہتے ہیں۔
(۳۔ ستمبر۔ ویانا) پیسہ اخبار کے لئے کچھ مضمون لکھا۔ ایک دوکان سے
کالر خرید کر لگایا۔ پھر دو کسپورٹ بخشوں تو ملا۔ ان میں سے ایک صاحب
سے سال بھر کے لئے پیسہ اخبار کے کاغذ کی بہم رسانی کا ٹھیکہ کیا۔ کیونکہ لڑائی
ہونے کی وجہ کاغذ گراں ہو رہا ہے۔ مسٹر شیفر کے ہمراہ آسٹریا کے
بعض مشرقی ایشیا کی دوکانیں دیکھیں۔ سوڈا یا سپارکلنس کہ جسے
فوراً سوڈا وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ پچھلے پہر دو بجے کھانا مسٹر اور مسز شیفر
کے ساتھ کھایا۔ صاحب خانہ نے کہا تم صرف بقولات کیوں کھاتے
ہو۔ میں نے کہا گوشت میں صرف یہودیوں کے یہاں سے کھاتا ہوں۔ تو
اُنہوں نے کہا کہ ہم تو یہودی ہی ہیں۔ یہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں
میں لباس رنگت اور بول چال میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ شاید ناک
سے پتہ لگتا ہوگا۔ مسز شیفر نے کہا کل ہماری شادی کو پورے سات ماہ
ہو جائیں گے۔ بیوی کی عمر ۱۹ سال اور شوہر کی ۲۲ سال تھی۔ کہا اتنی کم عمر میں
یہاں بہت کم لوگ شادی کرتے ہیں۔ شادی ہونے پر میاں بیوی
الگ گھر میں رہتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے دو تین دفعہ میاں نے اپنی بیوی کا
بوسہ لیا۔ غرض کھانے سے فارغ ہو کر مجھے مسز شیفر نے نئی قسم کی
مشینیں دکھلائیں۔ لفافے بنانے کے لئے

لفافے بنانے کی مشین

دو مشینیں درکار ہوتی ہیں - ایک فرمے کاٹتی ہے - دوسری لفافے موڑ کر گوند لگا کر مکمل کرتی جاتی ہیں - پہلی کی قیمت پانسو فلورن اور دوسری کی (۲۲۰) فلورن تھی - چھوٹے بڑے لفافوں کے لئے چند فرمے لینے پڑتے ہیں جن کی ہر ایک کی قیمت بالاوسط چالیس فلورن ہوگی - ایک گھنٹہ میں ہزار سوا ہزار لفافے بن رہے تھے - دو ایک مرد و عورتیں کام کر رہے تھے فرمہ کاٹنے کی مشین میں ایک شخص نے ایک ریم کاغذ کا رکھ دیا - اور سارے ریم کا فرمہ ایک دم میں کٹ گیا - ایک دوسرے کارخانہ میں آٹومیٹک مشین دیکھنے گئے جنہیں انگلستان میں پینی اِن دی سلاٹ مشین کہتے ہیں - یعنے جن میں پینی یا کوئی سکہ ڈالنے سے اُن میں سے مٹھائی وغیرہ کوئی چیز خود بخود نکل آتی ہے - جو اُس میں ڈالی گئی تھی - ایک جگہ مرغی کی شکل کی مشین میں ایک سکہ ڈالا تو مرغی نے انڈا نکال دیا - جس میں مٹھائی بند تھی - ایک حبشی کے اندر پیسہ ڈالا تو سگار نکل آیا - یورپ میں ایسی مشینیں کا بہت رواج ہے - معلوم ہوا کہ آسٹریا سے بوٹ - بینٹ وڈ کرسیاں - سیپ کے بٹن - دیا سلائیاں - چھوٹا مال وغیرہ بہت سستی چیزیں ہیں جو ہندوستان میں زیادہ آتی ہیں -

مومی بتوں کی نمائش

قریب شام ایک مومی بتوں کی نمائش دیکھنے گئے جسے یہاں پینوپٹکم کہتے ہیں - اور چونکہ مکانوں کی قلت سے ایک زیر زمین تہ خانہ میں تھی - اور شب و روز بجلی کی روشنی سے کام لیا جاتا تھا - اس نمائش میں بہت بہت عمدہ گروپ بتوں کے تھے - ایک جگہ تین مصری عرب مع ایک گھوڑے اور ایک اونٹ کے کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکایک مصر کے کسی بازار میں آ گئے ہیں - اس کے علاوہ بہت سے بادشاہوں - شاعروں - ناموروں - مجرموں وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ بت تھے - اور سنو مٹوگراف وغیرہ بھی دکھاتے تھے - یہاں سے جا کر مسٹر شنیلر

کے ساتھ ایک رسٹوران میں کھانا کھایا۔ اور شام کو ویانا سے روانہ ہو جانے کے لئے اُن سے رخصت ہوا۔ مگر ہوٹل میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ گاڑی چلی گئی ہے کہ جس میں جانا چاہئے تھا۔

۲۴۔ ستمبر۔ صبح ویانا۔ دوپہر بوڈاپیسٹ (ہنگری) صبح ضروریات سے فارغ ہوکر۔ اور نپولئن یعنے فرانسیسی پونڈ توڑ کر ہوٹل کا بل ادا کیا۔ ۲۰ فرانک کے نپولئن کے ۱۹۔ کرونا ملے۔ حالانکہ فرانک اور کرونا قیمت میں برابر ہوتے ہیں۔ لیکن شام کو بوڈ پسٹ میں پہنچکر جو فرانسیسی پونڈ تڑوایا تو ۱۸ ہی کرونا ملے۔ ہوٹل سے روانہ ہونے کے وقت پورٹیئر کو ایک کرونا اور ہوٹل کے مزدور کو ۳۰ گراؤزر دیئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اسی ہوٹل میں زیادہ ٹپ دیا تھا۔ سٹیشن پر سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں فرنیچر کس قدر مکلف تھا۔ کوچ کے گدے میں آدمی دھنس جاتا ہے۔ ہندوستان کے ویٹنگ روموں کو اس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہاں بھوکے بھاگے مسافر ضرور نہیں ریلوں پر سفر کرینگے آج راستہ میں زیادہ ہموار اور سطح زمین ملی۔ ہنگری کا علاقہ زیادہ دیہاتی ہے۔ کھیت بہت اچھے ہیں۔ لوگ غریب اور شکستہ حال معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی اور گاڑیوں میں بیل نظر آتے ہیں جنگل میں بعض کھیتوں میں صرف ٹھیلیں پڑی جاتی تھیں۔ جہاں انکے جھنڈ کے جھنڈ چرتے چگتے نظر آتے تھے۔ بمقابلہ ہندوستان میں مویشی کے لئے چارہ کی قلت کے یہاں چراگاہیں کتنی عام اور مویشی کتنے آسودہ ہیں ویانا سے پونے نو بجے چلکر پونے دو بجے بوڈاپسٹ پہنچے۔ میں گھوڑا گاڑی لیکر رویال ہوٹل کو گیا۔ ایک گلڈن (دو آنہ) گاڑی کا کرایہ دینا پڑا۔ یہ بڑا عالیشان ہوٹل ہے۔ پہلے مجھے تیسری چھت پر پانچ کراؤن روزانہ کرایہ کا کمرہ دینے لگے۔ میں نے کہا مجھے اس سے سستا کمرہ چاہئے۔

تو انہوں نے مجھے پانچویں چھت پر ساڑھے تین کراؤن کا کمرہ دیا۔ جس کا نمبر ۵۰۸
تھا۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا ہوٹل تھا۔ اور سامان بھی بہت
اچھا تھا۔ ایک برقی لیمپ کمرہ کی روشنی کے لئے اور ایک جدا میز پر
روشنی کے لئے تھا۔ جرمنی۔ فرانس۔ انگلستان سب جگہوں کی زبان
سے تھوڑی بہت آشنائی تھی۔ لیکن ہنگری کی زبان سے جسے یہ لوگ
مجار کہتے ہیں۔ میں ایک لفظ نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً ہوٹل کو سزالوڈ کہتے
ہیں۔ رویال ہوٹل کے علاوہ

شہر بوڈاپسٹ کی رونق

اس شہر میں اور بھی بہت سے بڑے بڑے ہوٹل ہیں
بباعث یہاں کے خوشنما منظر اور دریائے ڈینیوب کے
خوبصورت ساحل کے۔ جو اس شہر میں سے گزرتا ہے۔ اور اس نواح
کے قدرتی چشموں کے جن میں نہانے کے لئے بہت دور دور سے آتے
ہیں۔ اور مریض جیسے بوجہ [illegible] بہت سے سیاح آتے
رہتے ہیں۔ سکان شہر [illegible] میں (۲۲۳۰۰۲)
آدمی آباد تھی۔ تمام شہر بڑی صاف ستھری ہے۔ دریا میں سٹیمر
چلتے ہیں۔ یہاں سے ایشیا اور یورپ دونوں اقوام کے میل
ایشیائی باتوں کی جھلک کسی قدر اس شہر میں بھی نظر آتی ہے۔
اکثر عورتیں عیسائی یا یہودی۔ یہودی جب [illegible] سروں پر [illegible]
کے رومال باندھتی ہیں۔ یہ مقام ہنگری کا دارالخلافہ اور یورپ کے اس
حصہ میں بڑا مرکز تجارت علم اور ترقی کا ہے۔ دوکانیں بڑی عالیشان
ہیں اور وہاں سے [illegible] ہیں [illegible] چکر لگائے بغیر
تجارت کی عظمت اور بازاروں کی صفائی [illegible] مقام ذرا بھی
گمشدہ نہیں ہے۔ یہودیوں کے ایک قہوہ خانہ میں [illegible] سو یہودی
عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ اور دو تین نوجوان لڑکے انہیں سارنگی اور

طنبور بجا کر خوش کر رہے تھے۔ یہاں کئی عورتیں اور بچے ننگے پاؤں بھی پھرتے دیکھے۔ شہر میں جا بجا برقی ٹریموے چلتی ہے۔ کہیں بھی گھوڑے کی ٹریموے نہیں۔ بحالیکہ لنڈن پیرس اور برلن سب جگہوں میں اب تک گھوڑوں کی ٹریموے بھی ہے۔ شہر میں جا بجا بہت سے ناموروں کی رومین یادگاری بُت نصب ہیں۔ اور ایک عالیشان یونیورسٹی کی عمارت بھی ہے۔

۵ ستمبر بوڈاپسٹ۔ صبح انقلاب جیسے اخبار کے لئے ہفتہ وار چٹھی لکھی اور کچھ پرائیویٹ خط بھی لکھے۔ اور ہوٹل والوں کے حوالے کئے کہ انہیں رجسٹری کرا کر رسیدیں لا دیں۔

ایک نرالی بات

یہاں یہ بات نرالی دیکھی کہ ہر دوکان کی پیشانی پر لگے بورڈ پر مالک دوکان کا نام یا فروخت مال لکھنے کے بجائے مال کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً دھوبی کی دوکان پر سفید قمیصوں اور کپڑوں کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کہیں انگوروں کے خوشے کی۔ کہیں بیئر کے اُبلتے ہوئے گلاس کی۔ شہر میں کٹے ہوئے سرخ ہندوانے بہت بکتے تھے۔ اور چونکہ ہندوانوں کی پھانکیں بھی کٹی تھیں تاکہ ایک دو پیسہ والا بھی ہندوانہ خرید سکے۔ ہندوانے بیچنے والی دکانوں پر کٹے ہوئے ہندوانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پہلے تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہاں تعلیم کم ہے اور لوگ لکھے پڑھے نہیں۔ اس لئے دیہاتی لوگ بورڈ نہیں پڑھ سکتے ہونگے۔ لیکن یہ معلوم ہوا کہ ہنگری میں بھی تعلیم لازمی ہے۔ اور ہر گاؤں جہاں مدرسہ جانے کے قابل تیس بچے بھی ہوں وہ ایک ابتدائی مدرسہ بنانے پر مجبور ہے۔ بہرحال بوڈاپسٹ کی دوکانوں کے تصویر دار بورڈ مجھے بہت پسند آئے۔ مجھے ایک دانت میں دنداں ساز سے سٹفنگ

گونگے کس طرح باتیں کرتے ہیں۔

کرانے کی ضرورت تھی۔ بھلا دنداں ساز کا پتہ میں کہاں تلاش کرتا۔ بازار میں جاتے ہوئے ایک دوکان

کے تختہ پر دانتوں کی بتیسیوں کی تصویریں دیکھکر یقین ہوگیا کہ یہ دنداں ساز کی دوکان ہے۔ اوپر جاکر میں نے اشارہ سے دنداں ساز کو دانت دکھلایا۔ پہلے اُس نے سمجھا کہ دانت نکالنا ہے۔ اوزار سنبھالا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ اور میں نے اسے اندر سے خالی دانت دکھلایا۔ اُس نے میرا مطلب سمجھکر تھوڑی دیر میں دانت بھر دیا۔ اور چار کرونا اُجرت لی۔ یہاں گوشت کے قیمہ کو بکری کے رودہ میں بھر کر کباب بنانے کی عام رسم ہے۔ اور ایسے کبابوں کی لڑیاں اکثر دوکانوں پر لٹکتی نظر آتی ہیں۔ خربوزے اور ہندوانے خاصے سستے تھے۔ اور ہندوانے بہت خوش ذائقہ تھے۔ یہاں کئی لوگوں کے رنگ تو بالکل گندم گوں تھے اور بعض کے بالکل گورے چٹے۔ یہودیوں نے شراب کی دوکانوں پر بھی عبرانی خط میں "کوشر" یعنی حلال کی ڈاکی لکھ رکھا ہے۔ شائد یہ مطلب ہوگا کہ یہودیوں کی بنائی ہوئی شراب ہے۔

بوڈاپسٹ میں گل بابا کا مقبرہ

یہاں "گل بابا" کے مزار کے نام سے ایک مسلمان ولی کا مقبرہ "گلاب کی پہاڑی" پر واقع ہے۔ جہاں اب تک ترکی اور دیگر اسلامی ممالک سے سیاح، زائر اس مقبرہ کو دیکھنے آتے ہیں۔ گورنمنٹ آسٹریا ہنگری کے ذمہ اس کی نگہداشت اور نگرانی فرض ہے کیونکہ سنہ ۱۶۹۰ء میں جب بوڈاپسٹ کی حکومت ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں چلی آئی تو عہدنامہ میں ایک شرط یہ بھی لکھی گئی کہ عیسائی گورنمنٹ گل بابا کی خانقاہ کی نگرانی اور مرمت کراتی رہے۔ گل بابا ایک ترک بزرگ گزرے ہیں۔ جس کا یہ قلعہ نما مقبرہ سرخ اینٹ کا سنہ ۱۵۴۳ء میں محمد پاشا اس زمانے کے شہر بوڈا کے حاکم نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک مسلمان سے میں نے سنا کہ یہاں اب تک اُس ولی کے ایک کیتا کی نسل اس کی قبر کی محافظ چلی آتی ہے جو اُس کی کرامت شمار ہوتی ہے۔

میں ایک گائڈ بک کی مدد سے اکیلا دریائے ڈنیوب کے پل پر سے پیدل گذر کر اس مقبرہ کو دیکھنے گیا۔ گورنمنٹ ہنگری نے اس مقبرہ کے گرد ایک بہت بڑی عمارت بنا رکھی ہے۔ جس میں آج بھی مرمت لگی ہوئی تھی۔ عمارت کو سجانے کے لئے کئی یک مٹی کے بُت اس مقبرہ میں جا بجا رکھے ہوئے تھے۔ شائد دنیا بھر میں اکیلا یہی ایک مسلمان کا مقبرہ ہوگا جو بتوں سے سجایا گیا ہوگا۔ بیچ کے احاطے کے ایک حجرہ میں گل بابا کی قبر ہے۔ قبر جو خام ہے زمین کے برابر ہے۔ دیواروں پر دو تین عربی قطعے ایک مکہ و مدینہ کا چھپا ہوا معمولی نقشہ آویزاں ہے تین چار پیڑی کے چھوٹے پشم سمیت ایک دیوار سے آویزاں ہیں جو جائے نماز سمجھنی چاہئے۔ ایک چوبی لکڑی کی کھڑاؤں میں جن پر ایک نوٹ ایک بڑی سے جو شخص اس قبر کو دیکھنے کو آتا ہوگا وہ اس پر بطور یادگار اپنا نام پتہ لکھ جاتا ہوگا۔ میں نے بھی پنسل سے دستخط کر دیئے اس سے پہلے چند ایک ترکی دستخط تھے۔ اور ان سے کم عربی خط میں۔ لاطینی خط میں بہت تھے جن میں بعض عیسائیوں کے بھی تھے ہندوستان کے ایک شخص عبدالرحمن کا بھی دستخط تھا۔ اور بعض افغانوں کے بھی تھے دریائے ڈنیوب پر کہ جو اس شہر کے بیچ سے گذرتا ہے تین چار پل بنے ہوئے ہیں۔ اور سٹیمر بھی لوگوں کو ادھر ادھر لے جاتے ہیں۔ لنڈن پیرس برلن سب شہروں کے دریاؤں سے ڈنیوب بہت بڑا ہے۔ سٹیمر کے راستے واپس آکر امریکن کافی ہاؤس (Coffee House) میں قہوہ پیا۔ اور لنڈن ٹائمز پڑھتا رہا)

عجیب واقعہ ایک رستوران سے کھانا کھا کر دس بجے ہوٹل میں جا سویا۔ راستہ میں ایک بازار میں ایک عورت نے میرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مٹی کا بُت پیش کر دیا۔ گویا کہ سے نہیں مگر بشرمے میں

اس کا مطلب تاڑ گیا۔ ہوٹل میں آکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ادارہ مذکور نے یہ تعریب کا طریقہ بنایا ہوا ہے۔ اور یہ وینس کا بُت ہوتا ہے جو عشق کی دیوی تھی۔ یورپ کے کسی اور شہر میں مجھے ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

پروفیسر ویمبری

۷۔ ستمبر بڈاپسٹ۔ صبح کھانا کھا کر اس خیال سے واپس آیا کہ پروفیسر ویمبری مشہور مشرقی سیاح اور زباندان سے ملوں سچ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اپنے وطن میں کچھ قدر نہیں ہوتی۔ بڑی مشکل سے ہوٹل والوں نے اس کا پتہ ڈائرکٹری سے نکالا۔ اور ایک چٹھی دیکر قاصد اس کے پاس بھیجا گیا یہ سرخ ٹوپی والے مزدور جو بڈاپسٹ میں ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ قاصد کا کام کرتے ہیں۔ کیا تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ٹیلیفون نہیں ہے۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد قاصد نے کہا کہ پروفیسر صاحب کے گھر بہت انتظار کیا لیکن وہ باہر سے نہیں آئے۔ قاصد کو ساٹھ کراؤنز بیفائدہ دینے پڑے۔ اور چونکہ میں آج ہی یہاں سے رخصت ہو جانا تھا اس لئے پھر پروفیسر صاحب کی خبر نہ لے سکا۔ لاہور کے میرزا ضیاء الدین اکمل کی بھی یہیں مقیم ہونے کی خبر تھی مگر ان کا بھی پتہ نہ ملا۔ پھر میں یہاں کے کمرشل میوزیم کو دیکھنے کے لئے ٹرام پر سوار ہو کر گیا۔ لیکن گائیڈ بک کے پتہ کے مطابق جب اس مکان پر پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ اب وہ میوزیم وہاں سے منتقل ہو کر کسی اور جگہ چلا گیا ہے۔ کیونکہ میری گائیڈ بک سنہ ۱۹۰۸ء کی چھپی ہوئی تھی۔ پھر میں نے سرکاری ادارہ یہاں کے

ٹکنیکل ہائی سکول

ٹکنیکل ہائی سکول (پالی ٹیکنیکم) کو دیکھا کہ جس میں (۱۲۱) پروفیسر اور (۱۲۶۷) طالب علم ہیں۔ اور ان چار شعبوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ یونیورسل ٹکنکس اور کیمسٹری۔ آرکیٹیکچر۔ مشین سازی

وانجنیری۔ ملک ہنگری میں ۲۶۳ زراعتی ٹرننگ سکول ہیں۔ ۵۵۲ ہر قسم کی دستکاریوں کے۔ ۱۵۵ تجارت کے۔ ۴۰ آرٹ اور موسیقی۔ ۹ کان کنی۔ اور ۱۶ فوجی وغیرہ۔ ان سب میں ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم اور ساڑھے پانچہزار مدرس ہیں۔ گو میں ہوٹل کی پانچویں منزل میں رہا تھا لیکن ایک مرتبہ بھی مجھے سیڑھیوں کے راستے سے نہیں چڑھنا پڑا۔ بلکہ لفٹ کے ذریعے اوپر جاتا رہا۔ پورٹر اور ہوٹل کے مزدور کو ایک ایک کرونا ادا کیا اور گاڑی منگا کر سٹیشن کو روانہ ہوا۔ گاڑی والے کو دو کرونا یعنی ایک شلنگ دینا پڑا۔ ہرچند سٹیشن پر مجھے قلی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسباب بہت کم تھا مگر بوجہ سٹیشن پر کمروں اور پلیٹ فارموں کی کثرت اور زبان کی ناآشنائی کے ایک قلی ساتھ لیا۔ یہاں ریل کے قلیوں میں یہ دستور ہے کہ سب ملکر پہلے سب مسافروں کا اسباب ایک کمرہ میں قطار باندھ کر جمع کر دیتے ہیں۔ اور اسپر چٹ سے نمبر لگا کر مسافر کو اُس کا نمبر بتا دیتے ہیں۔ جب مسافر پلیٹ فارم پر پہنچ کر گاڑی میں سوار ہونے لگتا ہے تو سامنے پلیٹ فارم پر قلیوں کی ایک قطار دیکھتا ہے جس میں اس کا بھی اسباب ہوتا ہے۔ اب وہ اپنا نمبر پکارتا ہے تو قلی اُس کا اسباب اُسکی گاڑی میں لے آتا ہے۔ اور قلی علاوہ بوجھ اٹھانے کے گاڑیوں میں مسافروں کو جگہ بھی تلاش کر دیتے ہیں۔ میرے کمرہ میں جتنے مسافر تھے بلگراڈ تک جانے والے تھے۔ بلگراڈ سے ادھر مقام سمیدان میں سرویا کی سرحد پر کسٹم کے افسروں نے پہلے ریل میں ہی گھسکر اسباب کا معائنہ کیا پھر پاسپورٹ دیکھے۔ لیکن بلگراڈ میں پہنچکر ہم

اسباب اور پاسپورٹوں کا معائنہ

سٹیشن کے ایک کمرہ میں سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب لے جاکر کسٹم والوں کو دکھلایا۔ جہاں اسپر معائنہ کے ٹکٹ لگائے گئے۔ اور ایک فوجی افسر نے سب مسافروں کے پاسپورٹ جمع کر لئے جو گاڑی چلنے سے پہلے گاڑی تک...

آکر سب کو واپس تقسیم کئے۔ یہاں گاڑی بھی بدلی گئی۔ یہاں سے شام کے قریب گاڑی روانہ ہوئی۔ سڑک کے دونوں طرف سلسلہ کوہستان بلقان کی پہاڑیاں چلی گئی ہیں۔

بلغیریا اور اہل بلغیریا

بلگراڈ کے سٹیشن پر اس پادری کا نمونہ بھی دیکھ لیا جو اس ملک میں ترکوں کے خلاف فساد مچانے میں مشہور ہیں۔ اور جن کی لمبی ڈاڑھی لمبے سر کے بال اور لمبا سیاہ لبادہ تصویروں میں دیکھا جاتا ہے اور ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب لیکر مفسدہ پردازوں کے آگے چلتے ہیں۔ رات بھر ریل میں بیٹھا رہا اور اس شعر کو دوہراتا رہا۔ ؎

درازی شب از مژگان من پرس
کہ یک دم خواب در چشمم نگشت است

۷ ستمبر سرویا و بلغیریا کے مابین اخیر صبح گاڑی بلغیریا کے علاقہ میں پہنچ گئی۔ بلغیریا کے فوجی افسروں نے گاڑی میں گھس کر پاسپورٹ طلب کئے۔ اور دوسروں نے جب گاڑی میں اسباب دیکھ لیا جنہوں نے پاسپورٹ لئے تھے انہوں نے اگلے سٹیشن پر سب مسافروں کو واپس دیدیئے۔ میرا ارادہ صوفیہ میں تھوڑی دیر اترنے کا تھا۔ لیکن جب میں نے سٹیشن سے ہی دیکھا کہ شہر محض دامن کوہ میں سفالہ پوش یک منزلہ مکانوں کا ایک بے حیثیت سا مجموعہ ہے۔ اور نیز پیرس میں مجھے ایک ترک نے متنبہ کر دیا تھا کہ آجکل اب مسلمان محفوظ نہیں تو میں نے وہاں اترنا مناسب نہ سمجھا۔ سرویا اور بلغیریا کے سپاہیوں کی ٹوپیاں روسی سپاہیوں کی سی ہیں۔ جو بہت چست معلوم ہوتی ہیں۔ یورپ میں اگر جب تم ان ملٹری سلطنتوں میں سے کچھ عرصہ گذرتے رہو۔ تو تمہاری آنکھیں ایک نئی قسم کی سپاہیانہ زندگی دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جو تم نے پہلے نہیں دیکھی۔ جا بجا خوبصورت جوان خوشنما اور چست وردی پہنے شمشیر

پانوں تک لٹکتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جو مشرقی یورپ میں اور بھی کثرت سے ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ہزارہا شخص بازاروں میں طرح طرح کی سپاہیانہ وردیاں پہنے نظر آتے ہیں۔ جن میں سے بعض بہت خوشنما ہیں۔ البتہ عام بلغاروں کی پوشش دہلی یا لکھنؤ والوں سے بہت مشابہ ہے۔ یہ لوگ سب سے اوپر ایک صدری پہنتے ہیں جس کی آستینیں لمبی ہوتی ہیں اور پتلون تنگ پاجامہ کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک ریل بلغیریا میں سے گذرتی رہی دونوں طرف پہاڑیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور بیچ میں سے وادی میں ایک ندی گذرتی تھی کہ جس کے کنارے کنارے ریل چلی جاتی تھی۔ پانچ بجے شام کو ایک سٹیشن تتری بازار میں پہنچے۔ یہاں سے ریل گاڑیوں پر ہلال اور ستارہ نظر آنے لگا۔ اور سٹیشنوں کے نام بھی ترکی خط میں لکھے ہوئے دیکھے۔ بلغیریا کی ابجد یورپ کی دوسری زبانوں کے خلاف روس سے مشابہ ہے۔ اور اس ملک کے باشندوں کا لباس بھی الگ ہے۔ اس ملک میں کوئی حرفت سوائے کاشتکاری اور مویشی چرانے کے نہیں معلوم ہوتی۔ ریل کے دونوں طرف [illegible] کی اور [illegible] کے کھیت تھے۔ کئی کاشتکار سے پہلے یورپ میں اور [illegible] ہیں۔ درخت [illegible] کے ساتھ رہتے دیتے ہیں۔ [illegible] کے سر پوش جھونپڑے سے تھے۔ [illegible] کھیتی کا کام لیا جاتا ہے البتہ چھوٹے چھوٹے [illegible] دیکھے۔ اراضی بھی ویسی سرسبز نہیں جیسی کہ [illegible] کی تمازت بھی زیادہ ہے۔ لوگوں کے رنگ ویسے سرخ و سفید نہیں جیسے کہ یورپ کے بالائی حصہ میں تھے۔ اکثروں کے رنگ ہندوستانیوں کے صاف رنگ کے سے ہیں اور بعض کے معمولی گندمی رنگ ہیں۔ کہیں کہیں زیادہ گورے مرد اور عورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ علاوہ ان کے غریبی ہر بات سے نظر آتی

ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی تہذیب پوشش اور بود و باش ہندوستانیوں کے متوسط درجہ
کے لوگوں سے بھی ادنےٰ معلوم ہوتی ہے۔ خاص کا ذکر نہیں۔ شام کو ٹرکی
کا علاقہ مصطفیٰ پاشا سے شروع ہوا۔ جہاں ترکی
عثمانی علاقہ شروع ہوتا ہے
عسکری ریل میں گھس آئے۔ بعض نے پاسپورٹ دیکھے اور بعض نے
کسٹم کا اسباب۔ میرے پاس دو کتابیں تھیں ایک تحفہ عباسیہ جو مصر
کی چھپی ہوئی ترکی زبان سیکھنے کے لئے لی تھی۔ اور دوسری مرزا ہینڈ بک
آف کانسٹنٹی نوپل جو قسطنطنیہ کی ہینڈ بک تھی۔ یہ دونوں کتابیں کسٹم
کے افسروں نے ٹرکی کے متعلق سمجھ کر لے لیں۔ اور میرے نام کا کارڈ بھی
لے لیا تاکہ قسطنطنیہ پہنچ کر مجھے اس پتہ سے لوٹائی جائیں۔ اور اسی طرح کئی
مسافروں سے بھی معمولی کتابیں لے لی گئی تھیں۔ تمام علاقہ بلقان
میں ناواقف مسافر کو زبان کی بڑی دقت ہوتی ہے۔ سوائے فرانسیسی
کے کہ جس [illegible] کسی مسافر [illegible] بہت افہام تفہیم ہو جاتی تھی۔
اور کوئی زبان کام نہیں [illegible] انگریزی تو
ایک دمڑی کو کہیں نہیں [illegible]۔ بعض لوگوں سے میری ترکی ٹوپی دیکھ کر
مجھ سے ترکی بولنا چاہی [illegible] سرویا بلگیریا اور بوسنیا
کی زبان یعنی چیک جانتے ہیں۔ اور [illegible] نے آپ کو چیک ہی سمجھتے
ہیں۔ علاوہ زبان کے سکوں کے [illegible] مسافر کو پیش آتی
ہے۔ شام کو ایک شخص [illegible] سالہ لڑکی سے ملاقات
ہوئی جو انگریزی [illegible] کے دربی لوگوں میں کام کرتا ہے۔
اور [illegible] جا رہا ہے۔ [illegible]
سے سوار ہو کر سیدھے جا رہے تھے [illegible] کہیں نہیں ٹھہرے
تھے۔ اس لئے بدخوابی سے نہایت بیزار تھے۔ مگر چونکہ میرے ٹکٹ میں
جو برلن سے لیا تھا قسطنطنیہ تک پہنچنے میں دس روز کی گنجائش تھی۔

اس لئے میں راستہ میں ٹھہر سکتا تھا۔ چنانچہ شام کو سوا نو بجے ریل اڈریا نوپل میں پہنچی کہ جسے ترک ایدرنہ کہتے ہیں۔ اور ۳۱ گھنٹہ کے سفر کے بعد میں یہاں ٹھہر گیا۔ ایک پولیس افسر جو یہاں اترنے والے لوگوں کے

اڈریا نوپل میں قیام

پاسپورٹ دیکھ کر ان کے نام لکھ رہا تھا۔ اس نے میرا نام پتہ بھی لکھ لیا۔ اور ایک حمال مجھے سٹیشن کے پاس ہی ایک دو منزلہ مکان میں لے گیا کہ جسے جینیک ہوٹل کہتے تھے۔ اگر اسے ہوٹل تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بہت ادنیٰ درجہ کا ہوٹل تھا۔ تاہم اس کا مالک کہتا تھا کہ یہ سیرسٹرا یعنی اول درجہ کا ہوٹل ہے اور میرین ہوٹل ہے۔ حمال نے اس خدمت کا بشکل صرار سے ڈیڑھ غروش منظور کیا۔ ہوٹل سے کھانا بھی بہت معمولی ملا۔ لیکن خربوزہ بہت عمدہ تھا جو کھانے کے بعد ملا۔ میرے کمرہ کے اندر سے کنجی بھی درست نہ تھی۔ میں میز کو دروازہ کے سامنے سرکا کر سو گیا۔ ہرچند کہ بستر بہت سخت تھا۔ مگر نیند اس سے بھی سخت تھی کیونکہ کل رات بھر جاگتا ہوا تھا۔

• شہر اڈریا نوپل؛ صبح حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ہوٹل سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر اڈریا نوپل یہاں سے پانچ کیلومیٹر (قریباً تین میل) ہے۔ کل شام وہاں احتمال موجود تھا۔ اسے سب نے سیکر شہر کو پیدل روانہ ہوا۔ سڑک بہت خراب تھی۔ کبھی پتھر کی سڑک بنی ہوئی۔ لیکن اب بہت شکستہ تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی تیز محسوس ہونے لگی۔ معمولی گرم کپڑے جو اب تک ہنگری یوروپ میں پہن رکھے تھے۔ دشوار معلوم ہونے لگے۔ شہر کے سامنے ایک دریا بہتا ہے جو دو پہاڑی ندیوں کے ملنے سے بن گیا ہے۔ اور بہت بڑے پاٹ کا ہے۔ اس پر تھوڑی مدت سے ایک پل سلطان حال کی توجہ سے بنا ہے۔ لوگ بہت غریب معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بازار ان گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں گڑھے بھی پڑ گئے ہیں۔ جن میں پانی

اور کیچڑ جمع ہے۔ مکانات سب یک منزلہ لکڑی اور پتھر کے بہت معمولی اور
چھوٹے چھوٹے ہیں۔ دوکانوں میں اسباب تجارت بھی کم ہے بحالیکہ ایدرنہ
ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دیسی دستکاری کی چیزیں بھی
سی ہیں۔ البتہ جو بھی نوجوان اور عمر رسیدہ ترک فوجی وردی اور سول
ڈریس میں بہت چاق چوبند اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جنکے کالر ٹائی
بھی درست اور صاف ہیں۔ پولیس سٹیشن میں آگ بجھانے کا انجن اور
پانی کی بالٹیاں دیسی بنی ہوئی نظر آئیں جو نئی سی تھیں۔ شہر میں پہنچکر مسلمان
نان بائی کی دوکان کچھ ہندوستان کی شکل صورت کی دیکھکر دل بہت
خوش ہوا۔ ترکی قسم کے سالن اور دودھ بھی ملتے ہیں۔ ڈبل روٹی کا بھی رواج
عام ہے۔ میرے سب ساتھیوں نے بھی خود بخود روٹی لیکر کھانی شروع کی۔
اور اس کا بھی دام مجھے ہی دینا پڑا۔ گویا میں خود ہی میزبان بن بیٹھا تھا۔ چار
غروش ایک پارہ یعنی آٹھ آنے قیمت دیکر جو یورپ کے مقابلہ میں
نہایت ارزاں تھی۔ ترک لوگ مرچ بالکل نہیں کھاتے۔ اس لئے
ہم لوگوں کو ان کے سالن کسی قدر بے مزہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جلدی ہی
انسان ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شہر میں تین مسجد [illegible]
مساجد قابل دید ہیں۔ اول جامع سلطان سلیم جو بہت بڑی مسجد ہے۔
اس کے چار مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ صحن اور مسقف حصہ برابر برابر ہیں
صحن میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔ [illegible] صحن میں لوگ جوتا لیکر
چلے جاتے ہیں۔ وسط صحن میں وضو کے لئے فوارہ اور حوض ہے۔ جو سطح
مسجد سے بلند اور مسقف ہے۔ اور گرد وضو کے لئے ٹونٹیاں ہیں۔ اور
وضو کرنے والوں کے لئے سنگ مرمر کی بلند سلیں ہیں۔ مسجد کا اندرون
بہت عالیشان ہے۔ عین وسط میں مرمر کی ایک بارہ دری ہے جس پر بہت
بلند تک جانے کی سیڑھیاں [illegible] ہیں۔ کاشی کاری کے بہت خوشنما

آیات کلام مجید کے کتبے تعمیر میں نصب ہیں۔ مسجد کے خادم نے بتلایا کہ یہ کلمہ
طیب سلطان محمود کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ گیلری کی دائیں طرف
دوسری منزل پر ایک کتب خانہ ہے جس میں بارہ ہزار دینی کتب کا ذخیرہ ہے
بائیں طرف مستورات کے ادائے فریضہ نماز کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے چھت
سے لوہے کی تاریں لٹکا کر ان سے صدہا قنادیل روشنی کے لئے آویزاں ہیں
اور ایک اتنا بڑا جھاڑ فانوس کا آویزاں ہے کہ جس سے بڑا میں نے کمتر دیکھا ہے
چند بڑے بڑے شمعدان پیتل کے بھی ہیں جن میں تین فیٹ موٹی موم بتیاں
جلائی جانے کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد [illegible] دیکھی۔ ۳۵×۴۵ گز
مربع پر [illegible] ستونوں کا [illegible] جن کے [illegible] اور اطراف کی [illegible]
چڑھے ہوئے [illegible] خوشخط قطعے ستونوں سفیدی کے
اوپر لکھے گئے ہیں۔ بڑی مسجد کا [illegible] جس کا طول ۵۰ گز تھا
کسی زمانہ میں [illegible] قرآن رکھے ہوئے
تھے۔ لیکن [illegible] ایک گز لمبا اور [illegible] گز
چوڑا اور ڈیڑھ بالشت موٹا [illegible] ہوا تھا۔ [illegible] فرش فروش کے
لئے [illegible] ان [illegible] ایک مسقف بازار
بھی دیکھا [illegible] اس کے ایک حصہ میں صرف
ہندوستانیوں [illegible] کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ایک دوکان کتب
سے ترکی [illegible] قرآن [illegible] پونڈ یہاں ایک
صراف سے [illegible] قرش کے [illegible] یعنی
[illegible] قرش [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] صراف قرش
دینے چاہئے تھے۔ اور [illegible] ایک دس قرش کا
سکہ آج ہی ایک [illegible] دوسری جگہ [illegible] اس شخص نے نصف قرش کاٹ
لیا۔ بڑی دقت یہ ہے کہ سوائے صراف کے [illegible] کوئی اور دوکاندار [illegible] خوردہ

نہیں دیتا۔ دوکاندار اپنے سب چھوٹے سکے صرافوں کو دے آتے ہیں۔ جو انہیں معقول معاوضہ دیتے ہیں۔ اور [illegible] اور زیادہ لوٹتے ہیں۔ شہر میں قہوہ خانے بہت ہیں۔ ایک یونانی کی دوکان سے انگور اور خربوزہ لے کر کھایا جس نے صرف دس پارہ یعنے آدھ آنہ [illegible] پانچ آنہ کی چیز تھی۔ یہاں سے سٹیشن کو واپس جانے کے [illegible] گاڑی لی۔ رستہ میں گاڑی وال نے مجھے کہا کہ تمہاری ٹوپی ٹھیک نہیں [illegible] قالب کرو۔ ایک قالب والے کی دوکان [illegible]

[illegible]

ایسا ہے کہ [illegible] شہر بیچ میں آ گئے۔ یہ
یونانی ہے جو کہتا ہے کہ [illegible] سکتے ہوں۔ ہوٹل کے
چوبیس گھنٹہ کا [illegible] کے پورے فرانک دیئے۔ اور
شام کے نو بجے قسطنطنیہ [illegible] سوار ہوئے۔ گاڑی میں جگہ
بہت تنگ تھی [illegible] بیٹھے بیٹھے آنکھ لگی ہوگی۔
یورپ [illegible]

قسطنطنیہ ۹۔ [illegible] کے ساتھ ہی ایک شخص نے
چلتی ریل میں مجھے قسطنطنیہ [illegible] دکھلائے جیسا کہ ابھی
شہر [illegible] نظر آئیں اور قسطنطنیہ
[illegible] ریل میں [illegible] مجھ کو ترکی گاؤں
بھی نظر [illegible] مشرقی سعد [illegible]
گاؤں [illegible] ایک شخص کھیت
[illegible] ایک
[illegible] باجھوٹی
[illegible] پیلوں کا
[illegible] روشنی کا رخ ان کی چھپی
[illegible] دیتا۔ البتہ
بہت چوڑی [illegible] ہے جو
[illegible] شہر کے اس حصہ
میں [illegible] قسطنطنیہ کے
سٹیشن پر پہنچے [illegible] لوگوں کے پاسپورٹ معائنہ
کر رہی تھی [illegible] کرتے جاتے
تھے۔ اور ساتھ ہی مسافروں سے [illegible] ہوٹل میں بردہ

میں اس سوال کا جواب دینے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ابھی کسی ہوٹل کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اتنے میں میں نے ایک ہوٹل کے ایجنٹ کو دیکھا جو انگریزی بول رہا تھا۔ میں نے اس سے ہوٹل کا نام دریافت کر کے پولیس والوں کو بتلا دیا کہ میں لنڈن ہوٹل میں ٹھہرونگا۔ پھر چونگی والوں کو اپنا ہینڈ بیگ کھلایا۔ اور انگریز ہوٹل ایجنٹ کے ہمراہ پیدل غلطہ کے پل سے گذرتے ہوئے لنڈن ہوٹل کو چلا گیا جو پیرا [illegible] میں واقع ہے۔ یہ حصہ یورپین لوگوں کی آبادی کا ہے۔ یہیں ان کے متعدد ہوٹل اور تمام یورپین عمارت خانے ہیں۔ ہوٹل کی کتاب میں اپنا نام [illegible] درج کر کے ایک چار فرانک روزانہ کا کمرہ [illegible] اور [illegible] خوبصورت اور دلکش منظر کی سیر کرنے کو [illegible] جس کے دیکھنے کی [illegible] سے [illegible] تھی۔ [illegible] میں تھا۔ [illegible] معلوم [illegible] بالکل [illegible] ابھی [illegible] عالیشان [illegible] تھے۔ جو مجھے [illegible] معلوم ہوتے تھے۔ [illegible] مجھے یاد تھا جیسے [illegible] کہ [illegible] سکتے ہیں۔

ترس ابھی تک رہا تھا۔

اتنے دنوں یورپ میں رہنے سے [illegible] کا کھانا کھانے کو جی ترس رہا تھا۔ [illegible] کا [illegible] میں [illegible] کھانے کی دوکان کو دیکھ وہاں سے دریافت کرتا [illegible] اسلام [illegible] کہ یہ مسلمانوں [illegible] خیر [illegible] یعنی نہیں۔ عیسائی [illegible] ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ میں عیسائی اور خصوصاً یونانی کو روم یا رومی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ضرور نہیں بلکہ [illegible] روم ہے جیسے کہ شہر روم کبیر (Rome) کا [illegible] ہے۔ اور مسلمان کو ترک کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں جہاں [illegible] سے [illegible] کا [illegible] وہاں بجائے [illegible] کے

"خیر" سمجھتے ہیں۔ میں نے سیاحت ترکی کے شوق سے ہندوستان میں ہی تھوڑی سی ترکی زبان سیکھی تھی۔ اور دوران قیام [illegible] مہینوں میں بھی ترکی سیکھتا رہا۔ اس لئے تھوڑی بہت سمجھ لیتا اور بول سکتا تھا۔ غرض جب گئی تو قسطون یعنی رستورانٹوں سے بھی جواب ملا کہ ہم معذور ہیں۔ اتنے میں میں پھرتا ہوا ینی والدہ جامع کے پیچھے جو بڑی جگہ ہے وہاں گیا۔ یہاں حمال اور مزدور نان وکباب کھا رہے تھے۔ میں نے بھی ڈیڑھ قروش کے نان وکباب اور دس پارہ کے انگور خریدے جو دودھ پیڑے کے مزے کے تھے [illegible] حمالوں کی طرح کھاتا ہاتھ پیر [illegible] کے بعد خدا کا شکر [illegible] قسطنطنیہ میں بہت [illegible] مجھے اول درجہ کے قہوہ [illegible] تو مجھ پیر کی طرف سے [illegible] حکیم صاحب افغانی شیخ [illegible] ملا تھا [illegible] اور جنہوں نے مجھے [illegible] رکھنے میں بڑی مدد کی تھی [illegible] سے جلدی دلوا دیا تھا۔ مجھے [illegible] حضرت [illegible] طرح معلوم کرنا چاہتا ہوں [illegible] پیر کا ہوٹل فوا [illegible] اچھے [illegible] لنڈن ہوٹل سے [illegible] ہی رکھا۔ اور صرف ایک فرانک یعنی دس آنہ روزانہ کمرہ کا کرایہ مقرر کیا۔ مگر ۲۰ ستمبر سے سید عبد الغفار صاحب کشمیری بڑے اصرار اور بڑے تقاضے سے مجھے اپنے مکان پر ٹھہرانے کو لے گئے اور ۵ اکتوبر تک کہ جب تک میں قسطنطنیہ سے روانہ نہیں ہوا انہیں کا مہمان رہا۔ مگر قریب قریب ہر روز وہ اپنا کام

ہرج کر کے مجھے قسطنطنیہ کے قابل دید مقامات مساجد بازار کارخانے مثل توپ خانہ فیس خانہ اور ترسانہ کے اور سیرگاہیں مثل ہوٹل آدھ وہیے قبر وغیرہ کے دکھلاتے رہے اور بعض امور ہم سے ملاقاتیں کراتے رہے کہ جن کے لیے میں اُن کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ اب میں ایام اقامت قسطنطنیہ کی کیفیت بجائے روزانہ ڈائری کے صورت میں لکھنے کے کسیقدر اختصار سے لکھتا ہوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ پہلے ہی سے بہت طول ہو گیا ہے۔

قسطنطنیہ

"بلدۃ طیبۃ و رب غفور"

ر ۔ ۔ ۔ الفتح قوم ۔ ۔ ن

حاذہ با فتح قوم آخرون

بازگو ز سجدہ واز ۔ ۔ ۔ تحفہ ۔ ۔ ۔ تا ۔ ۔ و دیوار ۔ ۔ آری ۔ جسد

بنی حسن وہ سلطان محمد ۔ ۔ ۔ ختم جد ۔ ۔ ۔ و برور شمشیر

۲۵ مئی ۱۸۹۹ء ۔ ۔ ۔ چودہ ۔ ۔ ۔ ۱۸۹۹ء ۔ ۔ ۔ ۲۲۰ برس قبل عیسائی خدمت سے ۔ ۔ ۔ ۶۵۰ ۔ ۔ ۔ قسطنطنیہ ۔ ۔ ۔ سے بہت مدت پہلے یعنی ۔ ۔ ۔ ایک بستی ۔ ۔ ۔ آبادی ایک شخص بائی زنس کی سرپرستی میں آباد ہوئی تھی۔ اور اسی نے اس کا نام بائی زینٹیم (بائی زنطین) رکھا تھا لیکن اس کی عظمت اور شہرت کی بنیاد اسی وقت سے شروع ہوئی کہ جب قیصر قسطنطین نے روم کو ترک کر کے ۳۳۰ء میں اسے سلطنت روما کا پایہ تخت قرار دیا اور اسکی

آبادی اور ترقی پر بے انتہا کوشش کرتے۔ ۱۱ مئی ۳۳۰ء کو چالیس روز کے جشن کے ساتھ روم جدید کا افتتاح کیا گیا۔ اس وقت سے لیکر ایمپرر رومی لاطینی اور یونانی قیصر یکے بعد دیگرے حکمران رہے

رومی قسطنطنیہ اور انقلاب سلطنت

مگر یہ شہر کچھ ایسے ڈھنگ و وضع پر واقع ہوا ہے کہ جیسے ایشیا اور یورپ کے فاتحوں کی طرف [illegible] رہے۔ [illegible] فوج کشیاں ہوئیں اور [illegible] مرتبہ [illegible] جو اگر [illegible] محاصروں اور سلطنت گردیوں سے [illegible] ایک مشہور جرمن مورخ نہایت اعتدال کی طرح سے [illegible] مرتبہ اس شہر کا محاصرہ [illegible] شمشیر [illegible] کون بیان سکتا ہے کہ کتنے [illegible] سلطنت گردیوں کے موقعوں تلف ہوئے ہوں۔ صرف [illegible] کے موقع [illegible] کا [illegible] ۷۰۰ [illegible] مسلمانوں نے [illegible] کئے۔

مسلمانوں [illegible] اور قسطنطنیہ کی تسخیر [illegible] ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں چنانچہ [illegible] مسلمانوں نے [illegible] سپہ سالار خلیفہ ولید بن عبدالملک [illegible] قسطنطنیہ پر [illegible] حملے کئے لیکن [illegible] داستان بیان [illegible] خلیفہ ہارون الرشید نے [illegible] میں اس شہر پر حملہ کیا [illegible] قسطنطنیہ سے صلح کا عہد کر لیا۔ لیکن جبکہ سلطان مراد [illegible] کو ہنگری سرویا بوسنیا ولیشیا اور البانیہ میں کئی فتوحات حاصل ہو چکیں تو پھر انہیں قسطنطنیہ کی طرف

لے خلیفہ ہارون الرشید کے بعد سلطان اورخان نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا [illegible] قیصر روم کی لڑکی سے شادی کر کے صلح کر لی [illegible]

توجہ ہوئی۔ اور نوجوان سلطان محمد نے تخت پر بیٹھتے ہی فتح قسطنطنیہ کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اور اسی غرض سے سلطان نے دو لاکھ فوج جرار ایڈریا نوپل میں اور تین سو جنگی کشتیاں گلی پولی میں تیار کیں۔ اور علاوہ چودہ بیٹریاں توپ خانے کے ایک ایسی بڑی توپ ڈھلوائی کہ جسے چلانے اور تیار کرنے کو سات سو آدمی درکار ہوتے تھے۔ جس میں بارہ من کا پتھر کا گولہ چلکر ایک میل تک مار کرتا تھا۔ اور جب اس توپ کو پچاس جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر ایڈریا نوپل سے قسطنطنیہ تک لے گئیں۔

سلطان فاتح کا محاصرہ قسطنطنیہ

اس وقت کے رومی قیصر کا [illegible] قسطنطنیہ کا سوا [illegible] سلطنت انتزاع کی [illegible] تھی۔ [illegible] تاہم قسطنطنیہ کی فصیلیں جو خشکی کی [illegible] تھیں۔ اور سمندر کی طرف سے بھی [illegible] مستواتر گولہ باری جلدی کچھ نتیجہ [illegible] سمندر کی طرف [illegible] کا محفوظ تھا اور یہ بھی تھا کہ جو [illegible] اور رومی انجینیروں نے [illegible] محصور کرنے کی طرف توجہ نہ کی تھی کیونکہ انہوں نے [illegible] استنبول [illegible] جواب ٹوپ خانہ [illegible] زنجیر باندھ کر یہ راستہ [illegible] سلطان محمد نے [illegible] تا سفورس

خشکی پر سے دو سو کشتیاں لا ڈالیں

[illegible] محصور ہوئے تھے [illegible] ڈیڑھ سو یا دو سو جنگی کشتیاں [illegible] ایک [illegible] تختے [illegible] ہی تھی۔ ہر چند کہ سلطان نے [illegible] خشکی کی راہ سے بحری بیڑہ سمندر میں ڈالنے کا ایک عجیب دانشمندی اور ہوشیاری کا کام کیا تھا تاہم خدا نے کو منظور تھا

ترکوں کی بہادری کا سکہ یورپ میں بیٹھ جائے۔ اس لئے اُن کی دانشمندی کی تدبیر کے مقابلہ میں اُن کی بسالت اور شجاعت زیادہ کام آئی۔ چنانچہ شہر کی خشکی کی طرف جہاں تہری شہر پناہیں تھیں اور قیصر قسطنطین کا قیصر بلاچری واقع تھا وہیں ترکی منجنیقوں اور توپوں نے ادرنہ قپو (دروازہ) پاس فصیل میں رخنہ کیا اور ہر چند کہ یونانی محصورین کے تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے مطلع تاریک ہو رہا تھا۔ مگر ینی چری مسلمان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے نعروں سے آسمان کو پھاڑتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے۔ اور وہاں ترکی علم گاڑ کر پکار دیا کہ ہم نے شہر لے لیا۔ سلطان فاتح خود گھوڑے پر سوار اور

لشکر اسلام نے قسطنطنیہ فتح کر لیا

ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس نے مع دس ہزار ینی چری فوج کو شہر میں داخل کیا قسطنطین بھی آخری دم تک خدا اور کنواری کے واسطے کے نعرے مار کر اپنی فوج کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ اس کے جان نثار اس کے سامنے ایک ایک کر کے مر گئے ہیں تو اس نے اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو جائے پکار کر کہا کیا اس وقت کوئی عیسائی نہیں رہا جو میرا سر تن سے جدا کر دے۔ مگر آخر ایک مسلمان کے نیزہ سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ مورخ متفق ہیں کہ قیصر قسطنطین نے بھی داد شجاعت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس طرح قسطنطنیہ کی سلطنت قسطنطین سے شروع ہوئی تھی۔ ایسے ہی اس کا خاتمہ بھی قسطنطین پر ہوا۔ ہر چند کہ عجب کئی قومیں اور کئی خاندان حکمران رہے اس طرح سلطان محمد ثانی نے اس عظیم الشان شہر کو فتح کر لیا کہ جس پر اس سے پہلے ۲۹ حملے ہو چکے تھے مگر وجہ اپنی فصیلوں کے مضبوطی کے ہمیشہ سلامت رہا تھا اور جس کے مدعین دکھ باشتے رہے۔

مریم مقدس کا سراجن اور فرشتے کی لو۔

عیسائی پادریوں نے اہل شہر کو اعتقاد احمق

بنا رکھا تھا کہ اُن کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کبھی ترک قسطنطنیہ پر قبضہ کر سکتے ہیں جو مقدس مریم کا شہر ہے۔ کیونکہ قدیم الایام سے قسطنطنیہ میں نعوذباللہ خدا کی ماں کا ایک کرتہ رکھا ہوا تھا جس کی بڑی رسم و رسوم کے بعد سال میں تین مرتبہ رومی قیصر زیارت کیا کرتے تھے۔ اور پادریوں نے داستانیں بنا رکھی تھیں کہ ایک مرتبہ جب روسی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا تھا تو حضرت مریم خود نمودار ہو گئی تھیں۔ اور روسی اپنے جہازوں پر بیٹھ کر لوٹ گئے تھے۔ اسی خیال میں قسطنطین نے محاصرے کے آخری دنوں میں مقدس پیراہن کا جلوس بھی شہر میں نکلوایا تھا۔ جبکہ فتحمند ترک شہر کے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت تک یونانیوں کو یقین تھا کہ جب مسلمان آیا صوفیہ کے گرجے کے وسط میں داخل ہو جائیں گے ایک فرشتہ تلوار لئے ہوئے آسمان سے اُترے گا۔ اور ان سب کا قلع قمع کر دے گا۔

راہب کی مچھلیاں

چنانچہ بہت سی بیہودہ باتیں اِن لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں۔ دروازہ سوری قپوسی کے قریب ایک کنواں اب تک موجود ہے جسے عیسائی بلکلی کو مقدس کنواں کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ مشہور روایت وابستہ ہے جو برابر ایک سلسلے سے چلی جاتی ہے۔ جب ترک شہر میں داخل ہو گئے تو یہاں ایک راہب مچھلیاں بھون رہا تھا۔ کسی نے اسے آکر اس واقعہ کی خبر دی۔ اس نے اعتبار نہ کیا۔ کہا ممکن نہیں ہے۔ میں تب یہ بات مانوں جب یہ مچھلیاں تڑپ کر اس کڑاہی سے اچھل کر پانی میں جا گریں۔ چنانچہ مچھلیاں پانی میں جا گریں۔ اور اس وقت سے اب تک ان کی نسل اس کنوئیں میں چلی آتی ہے۔ اس سے ہم کو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ قسطنطنیہ ایک ایسا طلسم بنا ہوا تھا کہ ترکوں کا اس پر قابض ہونا ناممکنات سے سمجھا جاتا تھا۔ مگر سلطان محمد فاتح نے اس طلسم کو توڑ دیا۔ اور سارے یورپ کی آنکھیں ترکی جلال و ہیبت کے سامنے چوندھیا گئیں۔

خون آلود پنجہ کا نشان جواب تک باقی ہے

جس وقت فتح مند لشکر شہر میں داخل ہوا تو غازیوں کی تلواریں خون کے دریاؤں میں مچھلیاں بنکر تیر رہی تھیں۔ راستہ میں اٹ میدان سے گذرتے ہوئے سلطان نے تین سانپوں والی روئیں لاٹ کو دیکھ کر اپنی جنگی تبر سے اس کا سر اوڑا دیا۔ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے اس خیال سے اس کا سر اوڑا دیا تھا کہ اس میں کوئی طلسم نہ ہو۔ مگر اصل یہ ہے کہ سلطان اس شہر کو جو طرح طرح کے بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ بتوں سے پاک وصاف کرنا چاہتا تھا کہ جس کی اب بھی بہت نشانیاں موجود ہیں۔ اٹ میدان سے گذر کر سلطان گھوڑے پر چڑھا ہوا ہی سب سے بڑے گرجا سینٹ صوفیا میں داخل ہو گیا۔ جہاں اب تک ایک ستون پر سلطان فاتح کا خون آلود پنجہ لگا ہوا نظر آتا ہے جو فتح کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ اور اب مرور زمانہ کے بعد اس کا رنگ بہت مدہم پڑ گیا ہے۔ اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ خواہ سلطان نے گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہی وہاں پنجہ لگایا تھا تب بھی وہ بہت بڑا قد آور جوان ہوگا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ چونکہ اس وقت تمام ترکی سلطان بجائے دستخط کے رنگ میں ڈبو کر اپنا پنجہ ہی دستاویزات سلطانی پر لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ عثمان اول نے بوجہ ان پڑھ ہونے کے سب سے پہلے اسی رنگ کا پنجہ لگایا تھا۔ اس لئے سلطان فاتح نے گویا ایا صوفیہ کی دیوار پر اپنا دستخط کیا تھا۔

فاتحین کے شہر میں داخل ہو جانے پر عیسائی زن و مرد سینٹ صوفیہ کے گرجے میں جوق جوق پناہ لینے کو جمع ہو گئے تھے۔ پہلے فاتحین نے ان میں سے بعض کو مارا اور بعض کو لونڈی غلام بنالیا۔ لیکن ان میں سے جس قدر سلطان کے پہنچنے تک بچ رہے تھے۔ انہیں امان دی گئی۔ گرجا مذکور میں سونے کے بت سجے ہوئے تھے

گرجا کو مسجد بنا دیا گیا

وہ توڑ ڈالے گئے۔ صلیبیں دور کرا دی گئیں۔ اور چھت اور دیواروں پر جو اعلیٰ درجہ کی معمارانہ بنی ہوئی تصویریں تھیں۔ نہیں

پلستر وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا۔ چنانچہ یکم جون ۱۴۵۳ء کو بروز جمعہ سلطان نے معہ اپنے دربار اور لشکر کے پہلی نماز اس عظیم الشان مسجد میں ادا کی۔ اور اس وقت سے اب تک اور انشاء اللہ ابد الآباد تک یہ مسجد ایک خدا کی عبادت کے لئے قائم رہے گی۔ قسطنطنیہ کے یونانی عیسائیوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ ایا صوفیہ میں ایک پادری اپنی صبح کی (ماس) عبادت میں مصروف تھا۔ جب مسلمان سپاہی مسجد میں داخل ہو گئے تو وہ انہیں دیکھ کر مقدس برتن سمیت ایک سنگ خارا کی دیوار میں گھس گیا۔ جو اس وقت تک باہر نہیں نکلے گا کہ جب تک ترک قسطنطنیہ سے نہیں نکل جائیں گے۔ اور اس کے نکلنے کے بعض لوگ برابر منتظر ہیں۔

ترک قسطنطنیہ کبھی نہیں چھوڑیں گے

لیکن امید نہیں کہ وہ کبھی بھی نکلے اور کبھی بھی خدا اپنے بندوں کے گھر کو بت پرستوں کی عبادت کے لئے دیدے۔ اس کی ظاہر دلیل تو یہ ہے کہ قسطنطنیہ ہزار ہونے سات سو سال قبل مسیح سے لیکر ساڑھے چودہ سو سال بعد مسیح تک یعنی سوا اکیس سو برس میں کبھی کسی خاندان نے مسلسل دو سو برس تک حکومت نہیں کی ہوگی کہ اس کے بجائے کسی دوسرے خاندان یا دوسری قوم کو حکومت منتقل کی ہو۔ مگر سلاطین خاندان عثمان بفضل ساڑھے چار سو برس سے قسطنطنیہ پر برابر حکومت کر رہے ہیں وہذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس مختصر سے تاریخی دیباچہ کے بعد اب میں شہر کی کچھ کیفیت بیان کرتا ہوں۔

قسطنطنیہ کے مختلف نام

میں ایک روز چند اہل علم احباب کے ساتھ قسطنطنیہ کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ذکر آیا کہ قسطنطنیہ کس کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت یہ نام بتلائے گئے تھے۔ کانسٹنٹی نوپل۔ قسطنطنیہ۔ استانبول۔ اسلام بول۔ دار السعادت۔ در سعادت۔ آستانہ۔ آستانہ علیہ۔ دولت عالیہ۔ باب عالی۔ سبلائم پورٹ۔ پورٹ۔ پایہ تخت۔ مدینۃ الخلافہ

باب المراد اور بلدہ طیبہ اس کے علاوہ مثل بازنطیم کے دو تین قدیم نام بھی چلائے گئے۔ یقیناً دنیا میں کسی دوسرے شہر کو یہ امتیاز حاصل نہیں جو اس دو عظیم کے شہر کو حاصل ہے۔ یہاں تمام لوگ بول چال میں استانبول کہتے ہیں اور لکھنے میں درِ سعادت لکھتے ہیں۔

استانبول۔ غلاطہ پیرا اور توپخانہ

بحیرہ مورا کے شمال میں آبنائے باسفورس کے دونوں کنارے پر یہ شہر قسطنطنیہ سولہ میل تک پھیلا ہوا ہے لیکن اصل شہر استانبول و غلاطہ پیرا یورپین ساحل پر اور اسکدار یا سقوطری ایشیائی ساحل پر واقع ہیں۔ اور ان کے مضافات دور تک لب آب پر پھیلتے چلے گئے ہیں۔ استانبول اور غلاطہ پیرا کے مابین ایک سمندر کی چار میل سے زیادہ لمبی شاخ چلی گئی ہے جسے یورپین گولڈن ہارن اور ترک استانبول لیمانی (خلیج استانبول) کہتے ہیں۔ دو پلوں کے ذریعے شہر کے یہ دونوں ٹکڑے جڑے ملتے ہیں۔ [illegible] استانبول اصل قسطنطنیہ ہے کیونکہ رومیوں کے زمانہ میں غلاطہ پر بہت تھوڑی آبادی تھی۔ اور اسکدار جسے سقوطری ایک علیحدہ آبادی ساحل ایشیا پر سمجھی جاتی تھی۔ استانبول میں ہی شہر کے تمام عظیم الشان و قابل دید عمارت مثل مساجد و مقابر کے قائم ہیں۔ اور مسلمانوں کی بھی یہیں زیادہ آبادی ہے۔ اس کی شکل مثلث اور رقبہ تیرہ میل کا ہے۔ اور صرف اس کی خشکی کی طرف سے فصیلیں پانچ میل لمبی ہیں۔ استانبول کی اصل اسلام بول یعنی شہر اسلام معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یونانی زبان میں شہر کو پولس یا پرس کہتے ہیں۔ جیسے کہ وہ سینٹی نوپل یا ایڈریانوپل کے اخیر میں موجود ہے۔ بخلاف استانبول کے غلاطہ اور پیرا کی آبادی میں عیسائی زیادہ ہیں۔ غلاطہ میں تجارتی کوٹھیاں، بنک، جہازوں کی ایجنسیاں صرافہ اور یورپین کارخانوں کے ایجنٹ رہتے ہیں۔ مگر پیرا جو زیادہ بلندی پر واقع ہے صرف یورپین آبادی ہے جہاں ہوٹل پھولدار [illegible] یہاں کے دو نئے

لے ایک ترک مصنف کی رائے میں اسلامبول پہلا [illegible] نام تھا۔ بلحاظ ترکی مصدر کے معنی پاتے ہیں۔ یعنی اسلام کے معنی شہر کو پایا۔ مگر ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ لفظ یونانی ان الفاظ کا مجموعہ ہے Eis tan Polin جن کے معنی اصل شہر کے ہیں۔

یورپین یا لیونٹائن یونانی اور ارمنی رہتے ہیں اور تمام یورپین ہوٹل اور ممالک غیر کے سفارت خانے بھی یہیں ہیں۔ اور یورپ کی ہر ایک زبان اس کے کوچوں میں بولی جاتی ہے۔ غلطہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہاں گال (اہل فرانس) آ کر مقیم ہوئے تھے۔ پیرا چونکہ غلاطہ کے پرلی طرف واقع ہے۔ اس لئے اسے یہ نام ملا۔ توپخانہ بھی غلاطہ کا ایک حصہ ہے جو ساحل سمندر کے متوازی قصبہ دولمہ باغچہ تک چلا گیا ہے۔ جہاں توپ سازی کے کارخانے اور سرکاری عدالتیں ہیں۔

پل غلاطہ کی رونق

مسافر خواہ بذریعہ جہاز بحیرہ مارمورا کے راستے آئے یا یورپ سے ریل کے راستے پہنچے پہلے استنبول اور غلاطہ کے پل کے پاس اترتا ہے۔ اور قسطنطنیہ میں سب سے بارونق حصہ یہی پل غلاطہ ہے۔ صبح سے شام تک جس وقت بھی یہاں سے گذرو پل پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ پیدل سوار خوبصورت مرد بوڑھے جوان ترک عرب انگریز یہودی گورے کالے سپاہی خوجے سبھی غرض سبھی یہاں سے گذرتے ہیں۔ نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ دنیا کی ہر قوم کے آدمی ہر وقت اس پل پر موجود ہوتے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے ایک عرب جبہ پہنے عمامہ باندھے جا رہا ہے پیچھے سے ایک انگریز یا امریکن چھاتا لئے ہوئے گذر جاتا ہے۔ ایک حقیر کھردرا میلا کچیلا تھا اور ہاتھ میں کچکول ہے جو تم سے سوال کر رہا ہے۔ ایک ارمنی پھٹے پرانے چیتھڑوں سمیت ایک بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے جا رہا ہے۔ ایک نہایت سیاہ چہرہ حبشی عمدہ ترکی لباس پہنے گھڑی کی طلائی زنجیر لٹکائے ہوئے گذر رہا ہے۔ قریب سے دیکھنے سے اس کے چہرہ کی سیاہی چمکتی ہے۔ یہ ضرور بڑا دولت مند شخص ہوگا۔ تو حرم سلطانی یا کسی بڑے پاشا کے حرم میں بڑا معتبر خواجہ سرا ہے۔ ایک عورت سیاہ رنگ کے ریشمی فراجہ میں سر سے پاؤں تک چھپی ہوئی گذر رہی ہے۔ مگر آنکھیں اور ناک اس سفید

باریک یشماق سے بخوبی نظر آتے ہیں۔ جو اس نے منہ پر ڈالا ہوا ہے۔ پاؤں میں اونچی
ایڑی کا نازک بوٹ بھی ہے۔ اگر یہ نقاب ہوتی اور نیچے گھرانے کی جوتی تو اس کے ساتھ
کوئی خواجہ سرا یا نوکر ضرور ہوتا۔ ایک یونانی ایک نرالی وضع کی کلغی والی
سفید ٹوپی کو ٹیڑھی کیے ایک چھوٹی سی پیشواز سے مشابہ ہے۔ اور اس کے اوپر
طلائی کام کی واسکٹ سے تمکن جاتا ہے۔ ایک فرنگی میم ایک انداز سے
ٹھمکتی ٹھمکتی جاتی ہے۔ ایک فربہ اندام مخضب ریش پاشا کے سر پر ایک نوکر
نے چھاتا لگایا ہوا ہے۔ ذرا بچ کے پیچھے سے گاڑی آ رہی ہے۔ دائیں
کو جھکے تو ایک گدھے سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچے۔ ادھر سے ایک ایرانی
شخص داڑھی اور پاؤں تک لمبا چوغہ پہنے جا رہا ہے۔ ایک خونخوار ہیئت کا
بخارائی ترکمان بھیڑ کے چمڑے کی پوستین اور ٹوپی اور لمبے موزہ نما بوٹ پہنے
آہستہ آہستہ گذرتا ہے۔ ہر چند کہ موسم خاصا گرم ہے۔ ایک یونانی قلفی
اور مٹھائی بیچتا پھرتا ہے۔ سامنے سے ایک بلغار اور ایک یونانی میوہ کی
خوانچے لئے آتے ہیں۔ آہا کیسے مزہ دار انگور ہیں۔ بچے اخبار بیچتے پھر
رہے ہیں۔ تین چار لڑکے ہیں کہ ایک سرے پر کچھ کے لئے گھوڑے لئے
سواری کے واسطے کھڑے ہیں۔ وہ دیکھو ایک بوڑھا شیخ کہ جس کی
سرخ ٹوپی پر ایک سفید پگڑی لپٹی ہوئی ہے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا ہے
اور لڑکا گھوڑے کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا ساتھ نکلا ہے۔ ایک بوڑھے
ترک کے سر پر [illegible] ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مونڈھا ہے
کہ جہاں رکھے گا وہیں دوکان بنا لیگا۔ اس کے کپڑوں کی وضع ویسی نہیں
جیسے کہ باقی سب تعلیم یافتہ اور مہذب ترکوں کی ہے جو سوائے سرخ ٹوپی
کے باقی بالکل انگریزوں کے سے سیاہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تمہارے
دائیں بائیں گذر رہے ہیں۔ ایک سقہ کٹورے چھنکاتا ہوا پانی پلانے کو تیار
ہے۔ یہ سامنے سے لمبے لبادوں والے دو شخص سروں پر سفید عمامے کی

اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے ہوئے مولوی درویش گذر رہے ہیں۔ یہ ایشیائی یہودی
ہے کہ جس کی زلفیں بے ڈھنگم لمبی لٹک رہی ہیں۔ اور بہت بڑی ناک
ہے۔ کیونکہ یوروپ میں یہودیوں کے بعض شکل میں اہل یوروپ سے کچھ فرق
نہیں۔ اور خدا جانے اور کس کس وضع اور قطع کے لوگ اس پل پر سے
ہر وقت گذرتے رہتے ہیں۔ جب گاڑیاں اور چھکڑے اور آدمی گذرتے ہیں
یا گھوڑے اور گدھے چلتے ہیں تو نیچے سے پل کے پیپے تختے چیختے ہیں۔ فقیر
بھیک مانگتے ہیں۔ سودا بیچنے والے اپنی اپنی صدائیں نکالتے ہیں تو کان
پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس پر طرفہ یہ ہے کہ چاروں طرف سے سٹیمروں
کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ جو باسفورس کے دونوں کناروں کی آبادیوں
کو دن میں ہر وقت روانہ ہوتے اور وہاں آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جو دریا
میں پل کے دونوں طرف بنے ہوئے لکڑی کے مکانات ہیں۔ یہی دونوں
طرف جانے والے جہازوں کے سٹیشن ہیں۔ اور یہیں شہر کے بہترین قہوہ
خانے اور رسٹوران بھی ہیں کہ جہاں بہت عمدہ کھانا اور قہوہ وغیرہ سے
لوگ شاد کام ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے۔

دلکش منظر آبنائے باسفورس کی دونوں طرف ڈھلوان پہاڑیوں پر
سیڑھی کی طرح جو شہر کے مکانات شاہی محلات مساجد کے سفید گنبد مینار
اور آبادیاں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ انہوں نے منظر کو اس قدر دلکش
اور دلبر بنا دیا ہے کہ کوئی قلم یا شخص کہ مقدور اس کی کیفیت بیان نہیں
کر سکتی۔ اور نہ اس کے دیکھنے سے جمعیت میسر ہو سکتی ہے۔ کناروں کے
نشیب سے لیکر بلندی تک مکانوں کا نیچے اوپر سلسلہ ایک دن کو اور کیا رات
کو عجیب نظارہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً رات کو جبکہ تمام شہر میں چراغ روشن
ہوتے ہیں۔ اور ان کی روشنی پانی میں منعکس ہوتی ہے۔ نقاش قدرت نے
ایسا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ آدمی اسے دیکھکر دنگ ہو رہا ہے پل

غلاطہ پر استنبول اس کے تمام مینار گولڈن ہارن اور اس سے پرے حضرت ایوب
انصاری کی خانقاہ۔ غلاطہ۔ پیرا۔ بیرونی لنگر گاہ اس کے بے شمار جہاز اور
کشتیاں اور ایشیائی ساحل کا نہایت خوشنما منظر دیکھنے میں آتا ہے ایک
یورپین مصنف لکھتا ہے کہ شاعر مصنف اور مصور نے جدا جدا اور بار ہا
کوشش کی ہے کہ گلٹ بانٹر یا رنگ آمیزی کے ذریعہ سے اس شہر
کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچے۔ مگر کسی کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ
قسطنطنیہ کو کما حقہ بیان کر سکنا مشکل ہے۔ اور کوئی تراشا ہوا قلم یا موقلم پورے
طور پر اس کیفیت کو ظاہر نہیں کر سکے جو ایک اجنبی کی آنکھ جو جہاز مارمورا
کی طرف سے عمدہ موسم میں آتا ہو جبکہ آپ اس شہر کو دیکھ کر محسوس کرتی
ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی اور شہر کے جو پتھر یا چونے سے تعمیر ہوا ہو یا
تراشا گیا ہو کسی بادشاہ کے شہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسا اس کی
پہلی نگاہ صبح کی سہانی روشنی میں ... معلوم ... پہاڑوں پر پڑتی
ہے جو ہر طرح کی عمارات ... بعضی ہوئی ہیں۔ اور ان میں
قوس قزح کے سارے رنگ ... ہیں۔ ایک سفید مرمری کونگ
چند سرو کے درخت ایک مسجد کا سہ ... سفید ... مینار یا کئی مسجدوں
کے طلائی کلسوں ... کے گنبد ... میناروں کے اوپر سے نظر آتے
ہیں۔ کہ جبکہ آفتاب کی روشنی ... آسمان کے سامنے اور
آبنائے باسفورس کے شفاف پانی کے ... جس میں انکا عکس آئینہ
کی طرح پڑ رہا ہے عجیب ... منظر ... ہیں۔ تو اسے ایک ناقابل
بیان منظر نظر آتا ہے۔ اور یہی کانسٹنٹینوپل ہے۔

پروفیسر میکس مولر کا خیال ہے کہ مارمورا کی طرف سے دیکھنے والوں کو
قسطنطنیہ کا منظر ایسا خوبصورت نظر آتا ہے کہ سٹاک ہولم نیپلز اور وینس
تینوں کی خوبصورتی ملا کر اس کے برابر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ تینوں

شہر لب بحر واقع ہیں۔ بلکہ وینس تو بحر کے اندر آباد ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور نیپلز کی خوبصورتی کی بابت انگریزی زبان میں مثل مشہور ہے مرنے سے پہلے نیپلز کو دیکھ لو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تعریف قسطنطنیہ کے خوبصورت طبعی اور مصنوعی مناظر کی ہو سکتی ہے۔

پل غلاطہ کا محصول گزر

استنبول اور غلاطہ کے درمیان آمد و رفت کے لئے ایک یہی راستہ نہیں بلکہ سلطان ایوب کی طرف ایک اور بھی پل ہے کہ جسے اندرونی یا عذاب قپو پل کہتے ہیں۔ یہ دونوں پونٹوں برج ہیں کہ جن کے نیچے سے جہاز گزر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں لوگ شہر کے ایک طرف سے دوسری طرف چھوٹی کشتیوں میں بھی ہر وقت گزرتے رہتے ہیں جنہیں کیک یا کائک کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس پل کی رونق کا کچھ اندازہ نہیں [illegible] غلاطہ۔ یہ ابتی پل جسے ترک سلطان کوپری سی یا قرا کوئی کوپری سی بھی کہتے ہیں۔ (ترکی میں پل کو کوپری کہتے ہیں) اسے سلطان عبدالمجید خان کی والدہ نے قدیم کشتیوں کے پل کی جگہ تعمیر کرایا تھا۔ پل کے دونوں سروں کے قریب ۸ آدمی آدھی درجن سفید لمبے کرتے پہنے کھڑے ہیں۔ یہ لوگ محصول گزر وصول کرتے ہیں جو ہر شخص سے ایک متالک یعنی ۱۰ پیاس آتا ہے جو قسطنطنیہ کا ایک پیسہ ہے بلکہ قیمت میں ہندوستان کے دھیلے کے برابر ہے۔ گھوڑوں سواری ایک ترانی اور گاڑیوں کا محصول ۲ قرش مقرر ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ قریب ۵ ہزار پونڈ ہر روز یہ محصول گزر کے وصول ہوتے ہیں۔ جو سلطان المعظم کسی شفاخانہ اور غریب خانہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔

گولڈن ہارن

یہ دونوں پل اسی سمندر کی شاخ یا خلیج پر بنے ہوئے ہیں کہ جسے یورپین گولڈن ہارن کہتے ہیں۔ اور یہ نام آج سے نہیں بلکہ قدیم زمانوں سے چلا آتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تجارتی جہازوں کے لئے یہ نہایت عجیب بندرگاہ ہے کہ جس میں بارہ سو جہاز ایک وقت میں

سما سکتے ہیں۔ اور بوجہ بہت گہرا ہونے کے بڑے سے بڑے جہاز بھی اس میں
داخل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ دنیا بھر میں بڑا بندرگاہ ہے۔ اور ایسے موقع پر
واقع ہے کہ یورپ اور ایشیا کے تجارت کی منڈی ہے۔ اسے قدیم یونانیوں
نے یہ نام دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ بحیرہ مارمورا اور بحیرہ اسود دونوں طرف
سے یہاں مچھلیاں بکثرت جمع ہو جاتی تھیں۔ اس لئے قدیم ماہی گیروں نے
اسے یہ نام دیا۔ خواہ کوئی اور وجہ نہ ہو مگر اپنے خوبصورت منظر کی وجہ سے یہ طرح
ضرور اس کا مستحق ہے کہ زریں شاخ کہلائے جس کی شکل بارہ سنگھے کے سینگ سے بہت ملتی ہے۔
اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی دہانہ کے قریب ایک ہزار گز سے زیادہ نہیں۔

مخلوط آبادی ۔ چونگی ۔ ڈاکخانہ وغیرہ

آبادی مرے ہینڈ بک ٹو کانسٹنٹی نوپل سنہ ۱۹۰۵ء اور بلیکز گائیڈ ٹو کانسٹنٹی نوپل سنگہ
سنہ ۱۹۰۱ء میں قسطنطنیہ کی آبادی آٹھ لاکھ اسی ہزار درج ہے۔ مگر ساتھ ہی مؤلف
نے تسلیم کیا ہے کہ صحیح آبادی معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن سٹیٹسمین ایئر بک جو
بہت معتبر کتاب ہے۔ اور ہر سال شائع ہوتی ہے سنہ ۱۹۰۵ء کے ایڈیشن میں
اس شہر کی آبادی گیارہ لاکھ پچیس ہزار درج ہے۔ اور ولایت قسطنطنیہ کی آبادی بارہ
لاکھ تیس ہزار درج ہے۔[1]

مختلف اقوام کی آبادی مگر اس آبادی میں دنیا کی ہر قوم کے لوگ اور ہر قسم و نسل کے شامل ہیں۔
جیسا کہ میں پہلے مفصل بیان کر چکا ہوں۔ ایک یورپین مصنف
ہیرانس نے اس خیال کو بہت عمدگی سے ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے قسطنطنیہ
خاص کسی ایک قوم کا شہر نہیں۔ بلکہ اس میں مختلف قومیں آباد ہیں جن میں
سے نہ اس قوم کا شہر کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ اس کا۔ اہل لندن اور اہل پیرس
سے جو مفہوم ہوتا ہے۔ وہ اہل قسطنطنیہ کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس
شہر میں کوئی ایسی قوم آباد نہیں جو تعداد میں اوروں سے بہت ہی زیادہ اور زبان
عادات اور معاشرت میں یکساں ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ترک یہاں کے

[1] کتاب چھپ جانے کے بعد اخبار ... سرکاری ... میں جو قریب زمانہ میں ... ہے قسطنطنیہ کی
آبادی تیرہ لاکھ سے زیادہ بتائی ہے اور یہی تعداد صحت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی آبادی فرداً فرداً سب عیسائی اقوام سے زیادہ ہے۔ لیکن اُن کی مجموعی تعداد سے کم ہے۔ اور علاوہ اس کے مسلمانوں میں بھی ترک ہی نہیں۔ بلکہ ایرانی عرب شامی حبشی وغیرہ سب مسلمان اقوام شامل ہیں۔ ساڑھے نو لاکھ کی آبادی کی تقسیم بلحاظ مذہب و اقوام حسب ذیل کی گئی ہے۔ اسی نسبت سے بارہ یا تیرہ لاکھ کی آبادی کا تخمینہ لگا سکتے ہیں

مسلمان	۔ ۔ ۔	۳۸۴۹۱۰
یونانی (عیسائی)	۔۔ ۔۔	۱۵۲۷۴۱
یونانی لاطینی (〃)		۱۰۸۳
ارمنی (〃)	۔ ۔۔	۲۳۰۰۰۰
رومن کیتھالک (یعنی عیسائی)		۴۳۴۲
پروٹسٹنٹ	〃	۸۱۵
بلغار (اہل بلغیریا)	〃	۴۲۷۷
یہودی	۔۔ ۔۔ ۔۔	۴۴۳۹۰
غیر ممالک کے باشندے	۔	۱۲۴۲۴۳
	میزان	۹۴۳۵۷۵

زبانوں اور رسم ورواج کا اختلاف

یہی وجہ ہے کہ شہر میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کئی بولیوں میں اخبار چھپتے ہیں۔ مختلف دکانوں کے نوٹس بورڈوں پر پانچ پانچ سات سات زبانوں میں اور سڑکوں کے نام اتنی ہی خطوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی لحاظ سے مختلف تہذیب خیالات مذاہب اور رسم ورواج کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ترک جمعہ کو تعطیل کرتے ہیں۔ یہودی ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو۔ یہی اختلاف بدقسمتی سے حکومت عثمانیہ کی بہت بڑی مشکلات میں سے ایک ہے۔

تمدن اور عظمت

کرنل اسمٰعیل بک سرینک انسپکٹر مدارس جنگی مصر نے

اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ میں (۳۵۴) سرائیں (۱۰۰) حمام (۵۰) یا اس کے قریب شاہی محلات و مکانات (۱۹۰) سپاہیوں کی بارکیں اور پولیس کی چوکیاں ہیں۔ مسجدوں کی تعداد (۴۷۵) ہے (۵۲۰) اسلامی مدرسے (۱۴۸) مدارس عالیہ (۴۵) کتب خانے (۲۳۱) دیر (۱۸) شفاخانے اور (۱۷۰) گرجے ہیں جن میں سے (۹۰) رومیوں (۴۰) ارمنوں کے (۱۰) لاطینیوں اور باقی دوسرے عیسائی فرقوں کے۔ معلوم نہیں یہ اعداد کہاں تک قابل اعتبار ہیں۔ سالنامہ معارف میں جو ۱۳۱۹ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے اور سرکاری پبلیکیشن ہے۔ قسطنطنیہ کے دو تالیس قلمی کتب خانوں (۴۳) اخبارات شائع ہونے والے مطابع اور (۳۹) ہر قسم کے مکاتب کی فہرست لگی ہے۔ اور مرز عثمانیہ بک میں لکھا ہے کہ استنبول خاص میں جامع مسجدیں (۱۳۰) ہیں۔ اور قطع نظر دیگر مضافات و ملحقات کے (۵۰۰) معمولی مسجدیں اور (۲۳۰) جامع مسجدیں ہیں۔ بہرحال یہ قول جو ایک یورپین مصنف کا اوسن ترکوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ درست نہیں کہ قسطنطنیہ میں اتنی مسجدیں ہیں کہ سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دو سال تک برابر ہر روز ایک مسلمان ایک نئی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور پھر بھی بعض مساجد ایسی ہونگی کہ جن میں وہ نہ جا سکا ہوگا۔ کیونکہ قمری سال کے (۳۵۴) روز ہوتے ہیں۔ اور دو سالوں کے صرف (۷۰۸) دن ہوئے۔ بحالیکہ آخری بیان کے مطابق جامع و معمولی مساجد ملا کر کل (۷۳۰)[1] مساجد استانبول میں موجود ہیں۔ ترکوں کے قدیم پایۂ تخت بروصہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ وہاں کے مسلمان سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی وہاں اتنی مساجد ہیں تاہم مندرجہ بالا اعداد سے کم و بیش اندازہ لگ سکتا ہے کہ قسطنطنیہ کتنا بڑا شہر ہے اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لئے کیا کیا سامان موجود ہیں۔ بقول مرنر

[1] قاموس الاعلام ترکی مطبوعہ ۱۳۰۸ء میں ایک ترکی مصنف نے لکھا ہے کہ خاص شہر میں (۲۹۰) مسجدیں اور لاحق میں (۴۸۲) کل (۷۷۲) مساجد ہیں۔

پیشہ وروں کے رجسٹری شدہ مجالس اس شہر میں (۲۷۵) ہیں۔ جیسے قصابوں نان بائیوں مچھلیوں وغیرہ کی۔

قسطنطنیہ زمانہ عروج میں

مصر کے رسالہ الہلال میں چھپا تھا۔ کہ ایک معتبر شخص نے ۹۹۲ھ میں جبکہ سلطنت عثمانیہ اپنے پورے اوج ترقی وکمال پر تھی۔ شہر قسطنطنیہ کی آبادی کی بابت حسب ذیل فہرست مرتب کی تھی۔ یہ فہرست سلطان سلیمان قانونی متوفی ۹۷۴ھ کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

مسلمانوں کے محلے (۲۲۵) بڑی مسجدیں (۳۰۰) محلوں کی معمولی مسجدیں (۴۴۹) اعلےٰ درجہ کی عمارتیں (۵۰) مکتب خانے (۱۹۵۲) خانقاہیں (۱۷) فقیروں اور درویشوں کے تکئے (۳۰۵) دو والی چشمے (کنوئیں) (۱۳۴۰) خراسین (۵۰۵) بڑے میدان (۱۲) حمام (۲۷۰) عیسائیوں کے محلے (۳۰۵) یہودیوں کے محلے (۳۰۵) گرجے اور کنیسے (۳۴۷)

گمرک سے اسباب چھڑانا

قسطنطنیہ پہنچنے کے دوسرے روز میں شیخ ولی محمد صاحب افغانی کے ہمراہ چونگی خانہ سے اپنا اسباب چھڑوانے گیا جو پیرس سے قسطنطنیہ تو بک کرا دیا تھا۔ یہاں چار گھنٹہ کی متواتر محنت کے بعد اسباب ملا۔ البتہ جو دو تین معمولی کتابیں اور اخبارات تھے وہ نکال لئے گئے کہ محکمہ تفتیش کے اطمینان کے بعد بھیجے جائینگے۔ یہ بھی شیخ صاحب کی بیحد تگ و دو کا نتیجہ تھا کہ کوئی آٹھ سات محرروں کے ہاتھ سے کاغذ نکلے۔ تین چار جگہ اُن پر ٹکٹ لگائے گئے اور دستخط لئے گئے۔ میں اس تگ و دو اور انتظار میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ لیکن شیخ صاحب نے کہا کہ تمہارا کام تو بڑی جلدی ہوا ہے کہ کبھی ایسے کسی کا یہاں ہوتا دیکھا نہیں۔ لیکن جب ہندوستان پہنچکر بمبئی سے مجھے اپنا اسباب بحری کسٹم سے چھڑوانا پڑا تو مجھے قسطنطنیہ کی گمرک

کی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ کیونکہ ایک کرسے اہلکار نے مجھے بہت دق کیا۔ اور پانچ روپے پر فیصلہ ہوتا تھا۔ مگر میں نے گوارا نہ کیا۔ اور کسٹم سے گذرنے کی پوری تکلیف گوارا کی۔

رشوت خوری کا الزام انگریزی سفرناموں اور اخباروں میں میں نے اکثر شکایت پڑھی ہے کہ ترک افسر بڑے رشوت خور ہوتے ہیں۔ خصوصاً چونگی وغیرہ پر اگر وہ تمہیں دق کرلیں تو ایک دو فرانک اُن کے ہاتھ میں رکھدو تب وہ اسباب کھولینگے ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ آخر ترک اہلکار بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ زر دنیا میں سب جگہ اپنا کام کرتی ہے۔ جیسا کہ یورپ اور ہندوستان میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ترک افسر نے رشوت لی ہو۔ یا بوجہ کچھ نہ ملنے کے مسافر کو دق کیا ہو۔ بلکہ اس کے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ترک بہت خلیق اور مسافر نواز ہیں۔ البتہ رحمدلی اور مشرقی لحاظ و مروت یا جبال میں زیادہ ہے۔ اور جو کام اور ملکوں میں رشوت لیکر اہلکار کرتے ہیں یہ صرف لحاظ و مروت سے کردیتے ہیں۔ اس کی ایک دو مثالوں کا ان اوراق میں بھی ذکر کرونگا۔

مروت یا لحاظ کا اثر مجھے جو کتابیں مصطفیٰ پاشا کے سٹیشن ریلوے پر اور پھر میرے اسباب میں سے قسطنطنیہ میں لی گئی تھیں۔ وہ آٹھ دس روز تک اس دفتر میں جاکر لینے کا موقع نہ ملا۔ اس عرصہ میں مجھ سے ایک بارسوخ شخص سے ملاقات ہوچکی تھی۔ چنانچہ اُن کے ہمراہ میں اُس دفتر میں گیا۔ وہاں سے سوائے مرتزہ ہندبک آف کانسٹنٹی نوپل کے باقی سب کتابیں فوراً مل گئیں۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کتاب اسی دفتر کے کسی دوسرے افسر کے پاس ہے۔ میرے رفیق سے اور اس افسر سے ملاقات تھی۔ اس افسر نے پہلے ہمارے لئے قہوہ منگوایا۔ پھر کہا کہ یہ کتاب تو ممنوع ہوچکی ہے۔ تاہم میرے رفیق نے باوجود اُس افسر کے انکار کے بے تکلفی کی وجہ سے

وہ کتاب اُس سے چھڑا لی۔ اور اُس پر دونوں ہنستے رہے۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت کو جاتے ہوئے ایک سید صاحب ہمارے ہمراہ جہاز پر سوار ہوئے یہ نواح بصرہ و بغداد کے کسی با اثر عرب قبیلہ کے سردار کے بھائی تھے۔ جو مصلحتاً کئی سال استنبول میں نظر بند رکھے گئے تھے۔ مگر اب ان کو وطن جانے کی اجازت ملی تھی۔ یہ جہاز جدہ اور کئی مختلف بندرگاہوں میں کہ جہاں جہاز ٹھیرتا اور مسافر اترتے یہ سید صاحب ہر شخص سے نہایت بے تکلفی سے پیش آتے اور لوگوں کو دعوت دیتے [illegible] بیٹھا کر کھلاتے اور سب لوگ بھی ان کے سبز عمامہ اور جبہ کے جو سادات کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ بہت عزت کرتے۔ ایک شخص کی جہاز پر ان سے بہت ملاقات ہو گئی تھی۔ مگر اس کے پاس بہت سا اسباب تجارت بھی تھا۔ جب کہ جہاز سے اُترنے پر خاص محصول چنگی [illegible] ایک بندر پر جب جہاز ٹھہرا تو عرب سید صاحب نے چنگی کے [illegible] سکہ [illegible] بیٹا اس کے اسباب کا محصول معاف کر دو [illegible] چنگی کے [illegible] سے ایک پائی نہ لی۔ اور صرف [illegible] نقصان کر دیا۔ سمجھا کہ کسی دوسرے ملک میں [illegible] ورنہ کسی طرح [illegible] نہ چھوڑا جاتا۔

صیغۂ تفتیش کتب پہلے روز مجھے ترکوں کی یہ [illegible] بہت ناگوار گذری کہ اس طرح بے ضرر کتابیں بھی [illegible] سے چھین لیتے ہیں کہ جنہیں واپس لینے میں انہیں غیر ضروری حرج و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن بعد میں محمود بیگ صاحب محتسب [illegible] اور بعض [illegible] احباب سے اس بارہ میں گفتگو کرنے پر مجھے ترکوں کی مشکل اور معذوری کا کچھ صحیح طور پر اندازہ ہونے لگا۔ کیونکہ یہاں کے [illegible] کتابیں چھاپ کر حدود عثمانیہ کے اندر لانے کی ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو ایسی مفسدانہ کتابیں پڑھانی

چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ساٹھ فیصدی باشندے ضرور کوئی نہ کوئی یورپین زبان جانتے ہیں۔ اس لئے سلطنت کو مجبوراً ایسی کتابوں کے روکنے کا انتظام کرنا پڑا۔ جس کے لئے صیغۂ تعلیم کے ساتھ ہی صیغۂ تفتیش کتب و اخبارات کا ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جو کتابیں یا اخبارات کہیں سے بھی حدود ٹرکی کے اندر داخل ہوں وہ پہلے اس صیغہ کے ارکان کو رپورٹ کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ جنہیں یہ ملک میں داخل ہونے کے قابل سمجھتے ہیں۔ وہ تقسیم کر دیتے ہیں۔ باقی ضبط کر کے تلف کر دیتے ہیں۔ بیشک سلطنت کو ہر ایک حق اپنی قلمرو میں ایسا قانون نافذ کرنے کا ہے۔ لیکن اگر اسی قانون میں ذرا سی اصلاح کر دی جائے۔ تو بلا مطلب فوت ہونے کے لوگوں کی تکلیف کم ہو سکتی ہے۔ اوّل جن لوگوں سے ملک میں داخل ہونے کے وقت کتابیں لی جاتی ہیں۔ اُن کا پتہ لے لیا جائے۔ اور بہت جلد یعنی دو چار روز میں اگر اُن کی کتاب غیر مضر ثابت ہو تو سرکار کی طرف سے کتاب اُن کے مکان پر بھیج دی جائے اور بصورت اُن کے ملک سے باہر چلے جانے کے اُن کی سفارت کے سپرد کر دی جائے۔ کیونکہ اجنبی کو بہت سے محکموں میں پھر کر کتاب تلاش کرنے کی نسبت اُس کا چھوڑ دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کتاب خفیف سی مضر معلوم ہو۔ تو اُس اجنبی کی مرضی کے مطابق وہ جس غیر ملک میں چاہے اُسے لوٹا دیا جائے۔ بصورت کتاب کے قابل اتلاف ثابت ہونے کے اُس کے مالک کو اس مطلب کی اطلاع دے دی جائے کہ اُسے خطرہ ہے

ممنوع کتابیں

واضح رہے کہ اتنی قسم کی کتابوں کی درآمد ممنوع ہے۔ اوّل جن میں سلطنت کی توہین یا اُس کی نسبت غلط اور بدگمانی کے خیالات درج ہوں۔ دوم جس میں دینِ اسلام کی توہین مقصود ہو۔ سوم کسی غیر ملک کا چھپا ہوا قرآن یا علاوہ عثمانی کے کسی مطبع کا چھپا ہوا قرآن۔ کیونکہ سوائے مطبع عثمانی کے اور کسی مطبع کو قرآن مجید چھاپنے کی اجازت نہیں ہے۔ چہارم

کوئی کتاب جس میں حضرت سلطان کی تصویر ہو۔ چنانچہ میرے پاس ویانا کے ایک عجائب خانہ کی باتصویر فہرست تھی۔ جس میں سلطان المعظم کی تصویر تھی۔ وہ فہرست ضبط کی گئی۔

نہ صرف ملک کے اندر جانے والی کتابوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔ بلکہ ملک سے باہر جانے والی کتابوں کی سختی سے نگرانی کی جاتی ہے۔ اور اس منطق کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ بالفرض اگر کوئی شخص مضر کتابیں ملک سے باہر لیجانا چاہتا ہے تو اُسے ایسی کتابیں لے جانے دی جاویں۔ "خس کم جہاں پاک"

لیکن یہاں کتابوں کے سنسرشپ کے محکمہ نے ایک معائن کُتب چُنگی کے محکمہ میں مقرر کیا ہوا ہے جو ہر ایک کتاب کا سرورق دیکھتا ہے کہ اس پر مجلس معارف کی طرف سے "رخصت" یعنی اجازت درج ہے۔ وضع رہے کہ معارف یعنی سررشتہ تعلیم کے متعلق ایک شاخ اس مطلب کی شامل ہے کہ وہ ہر کسی تصنیفات کا چھپنے سے پہلے معائنہ کرے۔ اور جن کتابوں کا جن پر ... کے چھپنے کی رخصت ہے۔ وہی چھپ کر شائع ہو سکتے ہیں۔ یہ محکمہ ... کوئی کتاب بلا رخصت نہیں چھپی۔ اگر کوئی ایسی کتاب جو اس محکمہ کے جاری ہونے سے پہلے چھپی تھی انہیں ملی یا کوئی ایسی کتاب بھی کہ جسکی رخصت تو اس محکمہ نے دے دی تھی۔ لیکن وہ بھی مناسب نہ تھی۔ ایسی بھی ضبط کر لی جاتی ہیں۔ بلکہ بجائے مسافر سے ایسی کتاب لے لینے کے ان کتب فروشوں سے بازپرس کرنی چاہئے۔ جو ایسی کتابوں کو فروخت کرتے ہیں۔ ہاں کوئی ایسا قرآن بھی قلمرو سے باہر نہیں جانے دیا جاتا۔ جو مطبع عثمانیہ کا چھپا ہوا نہ ہو۔ بجا ہے کہ صرف ۱۰۰ سال سے اس مطبع کو قرآن شریف چھاپنے کی اجازت دی ہے۔ جس کی صحت میں کامل توجہ کی جاتی ہے۔ یعنی جب سے مشہور ہوا ہے کہ روس نے کلام مجید سے جہاد کی آیات نکال کر کوئی جلد چھاپی تھی۔ لیکن اس نے پہلے کے لکھے

مطبع عثمانیہ کے صحیح قرآن

قرآنوں کی فروخت ممنوع ہے۔ یہ بھی بیان کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ گو یہ قرآن گراں ملتے ہیں۔ لیکن اس مطبع کے قرآن مجید بہت خوشخط اور صحیح ہیں بعض قدیم خطاطوں کے قرآنوں کی عکسی نقلیں لے کر اُن کو بتصحیح محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور گویا کہ اُن کی صحت کا ایک سرکاری محکمہ ذمہ دار ہے۔

صیغہ تفتیش کتب

ہر چند کہ دولت عثمانیہ نے ان سب قسم کے قابل اعتراض کتابوں کی مداخلت روکنے کا بہت مستحکم بالشان انتظام کیا ہوا ہے۔ تاہم ایک رخنہ اُس میں باقی ہے اور وہ بڑا بھارا رخنہ ہے۔ اور محکام ترکی کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ جو لوگ ایسی قابل اعتراض کتابیں یا اخبار سفراء ممالک غیر کے ڈاک کے ساتھ قسطنطنیہ میں منگوا لیتے ہیں۔ یا غیر ممالک کے ڈاک خانوں کے ذریعہ سے پارسل و اخبارات وصول کرتے ہیں۔ ان کمبخت کتب کی بندش نہیں۔ اسلئے وہاں سے اُن سلسلوں سے مضر اور مضر ہی کتابیں اور اخبار روزمرہ حدود سلطانی میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ترکی حکام اُنکے تدارک سے بے بس ہیں۔

دول غیر کے ڈاک خانے

تمام مہذب دنیا کے خلاف قسطنطنیہ اور بعض دیگر مقامات و بندرگاہان دولت عثمانیہ میں یہ نئی بات دیکھی جاتی ہے کہ سوائے ترکی ڈاک خانوں کے پانچ دول یورپ کے اپنے اپنے ڈاکخانے علیحدہ قائم ہیں۔ مثلاً غلاطہ میں انگریزی فرانسیسی آسٹرین جرمنی اور روسی ڈاک خانے علیحدہ علیحدہ موجود ہیں جہاں جن لوگوں کے نام کے خط یا پارسل کہیں سے بھی آتے ہیں۔ وہاں سے وہ خود آ کر لے جاتے ہیں۔ کیونکہ ڈاکخانے خود خطوط تقسیم نہیں کرتے۔ مقصد ان متعدد ڈاک خانوں کے قیام کا یہی ہے کہ ان دولتوں کو ترکی ڈاک خانہ پر بلحاظ ڈاک پہنچا دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے یہ اپنے اہتمام سے ڈاک پہنچاتے ہیں۔ اور اس طرح جو قابل اعتراض کتاب یا اخبار کوئی شخص چاہے کسی دولت کے ڈاک خانہ

کی معرفت منگوا سکتا ہے۔ اور قسطنطنیہ سے باہر بھی بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ سے باہر لے جانے کے بھی بعض کتب تاریخ وغیرہ کی ممانعت ہے۔

ممالک غیر کے اکتشافات کی گتھی نہیں سلجھتی۔

مندرجہ ذیل اقتباس انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا ہے اس بارہ میں پڑھ کر سلطنت عثمانیہ کے مشکلات کا اندازہ کیجئے:۔ اپریل ۱۹۱۰ء میں سلطان المعظم کو ترکی سفیر متعینہ برلن نے اطلاع دی کہ ینگ ٹرکش پارٹی کی کمیٹیاں قسطنطنیہ میں اپنی طاقت کی انتہا کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ در غالباً جون میں کسی نہ کسی قسم کی شورش ہوگی۔ اسکا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر طاقتوں کے ڈاک خانوں میں جو ڈاک کے تھیلے سربمہر ترکی ڈاک خانہ سے گزرتے ہیں۔ انہیں کھول کر دیکھ لیا جائے مگر مابین الاقوام عہدناموں کے رُو سے یہ تھیلے کھولنے کی اجازت نہیں۔ یہ بجنسہ سربمہر غیر طاقتوں کے پوسٹ ماسٹروں کو ملنے چاہئے۔ اس قاعدہ کے خلاف ۹ مئی کو ترکی حکام ڈاک خانہ نے غیر طاقتوں کے ڈاک کے تھیلوں کو پھاڑ کر مشکوک خطوط ضبط کر لئے۔ اور باقی ماندہ ڈاک اُن کے حوالہ کر دی۔ آسٹریا فرانس برطانیہ اور جرمنی کے سفارتوں نے کہ جن کی ڈاک کے تھیلے پھاڑے گئے تھے۔ باب عالی کی اس کارروائی پر ایک مضمون کا اعتراضی نوٹ بھیجا۔ اور پھر اپنی گورنمنٹوں کو رپورٹ کر کے مشورہ طلب کیا دوسرے روز سفارتوں نے بحری سپاہیوں اور ملاحوں کی ایک جماعت کشتیوں پر ڈاک کے جہاز کی طرف روانہ کی تاکہ اپنے اپنے پوسٹ آفسوں کے خطوط کی تھیلیوں پر قبضہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ ترکی حکام ڈاک خانہ نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ البتہ یہ کہا کہ ترکی ڈاک خانہ بیرونی ڈاک کا انتظام نہ کرےگا۔ چنانچہ سفیروں نے بنی خاص قاصد کے ذریعہ روانہ کر دی۔ باب عالی نے سفیروں کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ڈاک کی تھیلیاں کھولنے میں ہم حق بجانب تھے۔ لیکن سفیروں نے باب عالی کے رقعہ کو تسلیم نہ کیا۔

بلکہ واپس کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد سلطان المعظم نے بحری نمائش کی خوف سے مجبور ہو کر اپنے وزیر خارجیہ کو دول یورپ کے سفارتوں میں بھیجکر اطلاع دی کہ جلالت مآب نے ڈاک کی تھیلیوں کے متعلق جو حکم دیا تھا اُسے منسوخ کر دیا ہے اور باقاعدہ وعدہ کیا گیا کہ ممالک غیر کے ڈاک خانوں میں پھر کبھی مداخلت نہ کی جائیگی۔ سفیروں نے ان شرائط کا ایک مستقل رقعے میں تسلیم کیا۔ اور ہر ایک نے اپنی گورنمنٹوں سے تصدیق کرالی۔"

ترکی ڈاک خانہ سنہ ۱۸۸۰ء میں تمام قلمرو میں (۱۲۹۷) ڈاک خانے تھے کہ جنہوں نے اندرون ملک میں پونے دو کروڑ کے قریب خطوط اور پوسٹکارڈ اور ساڑھے انتیس لاکھ سے زیادہ اخبارات تقسیم کئے۔ اور بین الاقوام ڈاک خانوں کی مدد سے سوا اسی لاکھ خطوط اور سوا پچیس لاکھ اخبارات تقسیم کئے۔ جن مقامات میں ڈاک خانے نہیں وہاں بھی محصول زائد دینے پر ڈاک خانہ خطوط پہنچا دیتا ہے۔ ابھی یہاں ڈاک خانہ ایسا مکمل نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہندوستان کا صیغہ ڈاک خانہ جات ہے۔ اول یہ کہ قسطنطنیہ میں کوئی لوکل ڈیلیوری کا انتظام نہیں اور شہر کے ایک حصہ کا خط دوسرے حصہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک دفعہ یہ انتظام کیا گیا تھا مگر جلدی ہی بند کر دیا گیا۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو غیر ملک کے خطوط ڈاک خانوں سے جا کر لانے پڑتے ہیں۔ تیسرے انہیں اہل شہر ترکی ڈاک خانہ سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے ایک ترک نے کہا تھا کہ ہر چند کہ ہم نہیں چاہتے کہ محصول خط کا ایک پیسہ بھی ہماری گورنمنٹ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو دیں لیکن پھر بھی کئی مرتبہ غیر ممالک کے ڈاک خانوں میں خط پوسٹ کرتے ہیں۔ اور جو غیر ممالک کے اخبار یہاں آتے ہیں۔ اُن کے بڑی گت بنتی ہے۔ ایک جرمن نے مجھے بتلایا تھا کہ وہ دو تین ہفتہ کے بعد ملتے ہیں جب محکمہ تفتیش سے فارغ ہونے کے بعد ملتے ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی ڈاک خانہ کی معرفت

اخبار چھپا کریں۔ تو جلدی مل جائیں گے۔ شرح محصول ممالک غیر کے لئے نصف اونس کی چٹھی کا ایک قرش ہے۔ مگر اندرون ملک کے لئے جہاں ریل اور سٹیمر کے ذریعہ چٹھی جلدی پہنچ سکتی ہے۔ ایک قرش اور اندرون کے ملک کے دور دراز مقامات کے لئے دو قرش فی خط مقرر ہے۔

ٹیلیگراف مگر ترکی ڈاکخانوں کی نسبت ترکی تار کا انتظام بہت عمدہ ہے۔ جو یورپ اور ہندوستان سے بھی سستا ہے۔ شہر و مضافات کے بعض حدود کے اندر ہر بیس لفظ کی تار کے لئے اڑھائی قرش یعنے پانچ آنے دینے پڑتے ہیں اور اس سے زائد ہر دس لفظ کے لئے نصف محصول ہے۔ اس لئے شہر کے اندر خطوط کا کام بھی ترک زیادہ تر تار برقی پیغامات سے لیا کرتے ہیں۔ اب جبکہ ہندوستان میں بیارنہ کا تار بھی جاری ہو گیا ہے۔ اب بھی ترکی تار کی ارزانی سے دوچند کے قریب گراں ہے۔ اور اس زمانہ میں چونکہ ترکی زبان کی ساخت نے اور اختصار کر دیا ہے مثلاً میں جاؤں گا کو ترکی زبان میں کہتے ہیں گدجکم اور انگریزی میں I will go یعنے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں یہ تین تین لفظ کا فقرہ ہے مگر ترکی میں صرف ایک لفظ کی شکل میں یہ فقرہ سما گیا ہے۔ ترکی میں تار برقی کا سلسلہ پچیس ہزار ایک سو میل پر پھیلا ہوا ہے اور کل تاروں کا طول (۳۹۸۰۰) میل ہے (۷۰۰) تار گھر ہیں۔ بیرونی ۵۰۰۰ سال کل (۲۰۰۷۰۳۹۶) تار برقی بھیجے گئے۔

لباس۔ خوراک۔ مکانات معاشرت اور اخلاق و آداب

لباس ترکوں نے یورپ کے فیشن کو ایسا پورے طور پر اختیار کر لیا ہے کہ اگر ان کی سرخ ٹوپی کو یورپین ٹوپی سے بدل دیں تو ان میں اور یورپین اقوام میں ذرا تفاوت نظر نہ آئے۔ یونانی ارمنی اور دیگر ترکی عیسائی جو یہیں صدیوں سے آباد ہیں۔ ان کے رنگ مقابلہ ترکوں کے میلے نظر آتے ہیں۔ ترک جنٹلمین سیاہ فراک کوٹ زیادہ پہنتے ہیں۔ جیسے کہ تمام یورپ اور خصوصاً انگلستان میں دستور ہے۔ جو گریبان سے اسی قسم کی ٹائی کے ساتھ کسا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ انگریزوں کا ہوتا ہے یا بند ہوتا ہے۔ ان کا پتلون کسی قدر اس قدر ڈھیلا ہوتا ہے کہ جس سے نماز

پڑھنے میں بھی دقت نہیں ہوتی۔ سوائے سرخ ٹوپی کے متوسط اور اعلےٰ درجہ کے ترکوں کا لباس بالکل اہل یورپ کا سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہودی اور عیسائی بھی ایسے ہی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور رنگ سب کے یکساں گورے ہوتے ہیں۔ اس لئے لباس سے مسلمان یا عیسائی کی شناخت نہیں ہو سکتی ہے۔ عیسائیوں نے نہ صرف ترکوں کی ٹوپی کی نقل اختیار کی ہے جو سرکاری ملازمت میں تو انہیں پہننی لازمی بھی ہے۔ بلکہ ترکوں کی طرح بعض عیسائی تسبیح پھیرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سر بازار پھیرتے ہوئے۔ اور جب بعض ایسے یورپین کو

عیسائی بھی تسبیح پھیرتے ہیں

جن کے سر پر ہیٹ ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں سر بازار تسبیح پھیرتے جاتے ہیں۔ تو دیکھ کر عجب لطف آتا ہے۔ بعض دوکاندار زردوز دستکار اور علما ابھی پرانی قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ علما تو واسکٹ کے اوپر

علما کا لباس

ایک لمبی سی جبہ جس کے تکمے نہیں لگاتے۔ اور سر پر ترکی ٹوپی کے اوپر ایک سفید کپڑا [illegible] باندھتے ہیں جسے لفہ کہتے ہیں۔ تمام مذہبی [illegible] جو مذہبی تعلیم پاتے ہیں۔ ایسے ہی سرخ ٹوپی پر لفہ باندھتے ہیں۔ اور یہی [illegible]۔ ان کے نامہ نگار سوفتہ اور مگر [illegible] متعصب [illegible] سمجھے جاتے ہیں۔ علما کے پاجامے بھی کسقدر کھلے ہوتے ہیں۔ اور [illegible] کی طرح تنگ لگائے جاتے ہیں۔ عام لوگ خصوصاً دیہات کے [illegible] ترکی [illegible] پہنتے ہیں۔ جو سلطان محمود ثانی مصلح کے یورپین لباس اور سرخ ٹوپی کو ترکوں میں رواج دینے سے پہلے مروج تھا۔ انکے پاجامے کسقدر بڑے ہوتے ہیں۔ اور کوٹ جن کی آستینیں تنگ ہوتی ہیں اور سینہ بند سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے پہنتے ہیں۔ اور سروں پر ٹوپی کے اوپر [illegible] یا صرف ترکی ٹوپی پہنتے ہیں حمال وغیرہ لوگوں کا یہی لباس ہے

ترکی بوٹ یا توڑہ

ترکی بوٹ ترکوں کی [illegible] بھی [illegible] ہے جو ظاہرا تو بالکل

یورپین بوٹ کی طرح معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل یہ دوہرا بوٹ ہے۔ ایک ہلکا مگر مکمل فل بوٹ لاسٹک والا ایک نیم بوٹ یا گورگابی کے اندر ہوتا ہے اور ایڑی کے پیچھے ایک لوہے کا چھوٹا سا کھٹکا ایسے طور پر لگا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے پاؤں کے بوٹ سے دبانے سے وہ کھل جاتا ہے۔ اور باہر کا حصہ اُتر جاتا ہے۔ اور باقی ہلکا سا فل بوٹ جو اندر ہوتا ہے وہ پہنے ترک برابر فرش بلکہ مسجدوں میں بھی چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاک صاف ہوتا ہے۔ اور اُس سے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اندرونی بوٹ کو بھی برابر ایڑی ہوتی ہے جو بیرونی پردہ کی ایڑی کے اندر کھب جاتی ہے۔ مجھے چند روز قسطنطنیہ میں رہنے کے بعد جبکہ ترکوں کی ملاقات کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا تو ایک قوندرہ خریدنے کی ضرورت پڑی جو میں نے چار مجیدی کو خریدا۔ اور باقی عرصہ قسطنطنیہ میں وہی پہنے رہا۔

گھروں کے اندر فرش ترکوں کے گھروں کے اندر ہر حصہ میں ہر غریب امیر کے یہاں حسب مقدور فرش ضرور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے ایک دوست نے بتلایا کہ حجاموں کے گھروں کے اندر بھی ایک آدھ قالین ضرور بچھا ہوا ہوگا۔ خواہ وہ کتنا ہی پرانا یا کم قیمت ہو۔ اور متوسط الحال اور امیروں کے یہاں تو کئی کئی ترکی قالین ہوتے ہیں۔ میرے میزبان سید عبدالغفار آفندی کے گھر کے اندر کہ جس میں قریب دو ہفتے کے مقیم رہا۔ کئی قالین بچھے تھے جن میں سے کوئی آٹھ دس پونڈ سے کم کا نہ تھا بحالیکہ وہ ایک معمولی دوکاندار ہیں۔ اور چونکہ آب و ہوا اس ملک کی سرد ہے۔ وہ لوگ بوٹ اُتار نہیں سکتے۔ اور نہ اہل یورپ کی طرح بوٹ فرش پر لا سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اسلامی طہارت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے جتنی دیر وہ گھر کے اندر رہتے ہیں۔ اگر وہ کپڑے نہ اتاریں تو ترکی بوٹ کا اندرونی حصہ پہنے رہتے ہیں۔ اور باہر جاتے ہوئے داخلہ کے دروازہ میں سے بیرونی حصہ یا گورگابی

اوپر چڑھا لیتے ہیں۔ جو ایک پورا بوٹ بن جاتا ہے۔ ورنہ ہرا بالکل دو بوٹ نظر نہیں آتے۔

داڑھی سوائے جماعت علما یا مشائخ یا بعض حمالوں کے شاید ہزار میں سے ایک آدھ کی داڑھی منڈی ہوئی نہ ہوگی۔ یہ شاید جتنے لوگ لنڈن یا پیرس میں داڑھی رکھتے ہوں اتنے ہی ترک داڑھی والے نظر آئینگے۔ کہتے ہیں کہ بوجہ یورپ میں واقع ہونے اور یورپین مذاق کا مقابلہ کرنے کے شیخ الاسلام کے فتوے کے مطابق ترکی لشکر میں مدت سے داڑھی منڈانا کا رواج ہے۔ مساجد میں جو لوگ نماز پڑھتے پائے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر قبا پوش اور داڑھی منڈے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس ملک میں داڑھی منڈوانا شرع اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا ہے تو گو وہ شہزادگی میں داڑھی منڈواتا تھا تو اب اس کے لئے داڑھی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

ترکی ٹوپی ترک اپنی ٹوپی کو عربی میں نہیں بلکہ فس (Fez) کہتے ہیں۔ اور سلطانی کارخانہ ٹوپی سازی کو فس خانہ ہمایوں کہتے ہیں چونکہ انگریزی میں فس فیض (Fez) لکھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ پہلے مراکش کے شہر فیض سے اس قسم کی ٹوپی کا رواج ہوا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں بھی لوگ اسے فیض کہتے ہیں۔ ترکی میں پہلے پہل سلطان محمود مصلح نے اس ٹوپی کو رواج دیا۔ اور خود بہت بڑا سلطانی عمامہ جیسا کہ تمام سلاطین آل عثمان مدتوں سے پہنتے آئے تھے اور جو کہ بجنسہ ان کے مرقدوں کے اوپر اس وقت تک جا بجا قسطنطنیہ میں رکھے ہوئے ہیں، ترک کر کے ٹوپی پہنی۔ چنانچہ سلطان محمود ثانی پہلا سلطان ہے کہ جس کی قبر پر بجائے عمامہ کے ایک سرخ ترکی ٹوپی رکھی ہوئی ہے۔ سلطان عبدالعزیز نے اس ٹوپی میں اصلاح کی اور اسے

نیچے سے چوڑا اور بلندی میں کم کر دیا۔ چنانچہ اب تک یہ فیشن انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ قسطنطنیہ میں فوجی سپاہی بہت بلند ٹوپی پہنتے ہیں۔ باقی لوگ چھوٹی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہاں ٹوپیاں صاف کرنے کی دوکانیں جگہ جگہ پر ہیں۔ اور دو پیسے دیکر جب چاہے ٹوپی صاف اور سخت بن سکتی ہے۔ اس لئے ٹوپیں بہت خوبصورت اور ستھری معلوم ہوتی ہیں۔

ترکی ٹوپیوں کا سلطانی کارخانہ

حضرت ایوب کو جاتے ہوئے سٹیمر کے گھاٹ سے فس خانہ بجا یوں بہت قریب ہے۔ ٹوپی بنانے کا صرف یہی ایک کارخانہ قسطنطنیہ میں ہے۔ اور یہ سرکاری ہے۔ اس میں علاوہ ٹوپیوں کے بقدر بانات اور تعمیرہ تیار ہوتا ہے۔ جو تمام عثمانی افواج کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور قالین بھی بنائے جاتے ہیں۔ فس خانہ عامرہ مدیر عالی بیکباشی عاصم بے نے ہمیں کارخانہ کے مختلف حصے دکھلائے۔ یہ کارخانہ صرف اون کے سامان کا ہے۔ سوت کے کپڑے کا ایک دوسرا سرکاری کارخانہ فری کوئی کے پاس واقع ہے۔ یہاں پہلے پشم سے سوت بنایا جاتا ہے پھر بُنا جاتا ہے۔ پھر کپڑے کو بانات و تعمیرہ بنانے کے لئے مشینوں سے کوٹا جاتا ہے۔ ایک مشین میں تانک خود بخود پودے کے ڈھنڈی لگا دیتے ہیں جو اونی کپڑے کی تہہ سے چھلکے وغیرہ دور کر کے صاف کر دیتے ہیں۔ پشم دھونے نچوڑنے اور خشک کرنے کی مشینیں بھی دیکھیں۔ ان میں سے ایک پشم دھونے کی مشین یہیں بنائی گئی ہے۔ کیونکہ اسی کارخانہ کے اندر ایک بڑا ورکشاپ بھی ہے کہ جہاں اس کی مشینوں کی شکست و ریخت کی مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔ گفت بنانے کے بعد ان کپڑوں کو رنگا جاتا ہے۔ ٹوپیاں اسی قسم کی گول مشینوں پر بنی جاتی ہیں کہ جن پر جرابیں بنی جاتی ہیں۔ البتہ وہ ان سے بڑی ہوتی ہیں۔ کیونکہ ٹوپی کا گھیر جراب سے بڑا ہوتا ہے۔ بعض جراب کی طرح گول بنتی ہیں۔ اور ان پر چند یا پیچھے لگائی جاتی ہے۔ اور بعض بنی

لے۔ یہ کارخانہ جاری ہے جس میں قالین ہر قسم کے کپڑے اور ترکی ٹوپیاں تیار ہوتی تھیں [illegible]
۱۹۰۱ء [illegible] ہے۔ مصطفیٰ کمال [illegible] ہمیں [illegible] جاتا ہے

مشینوں سے ایسی بنتی ہیں کہ صرف ایک طرف سے انہیں سلائی کرنی پڑتی ہے یہ پہلے سر سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ مگر گٹ کرنے کے عمل میں سکڑ کر موٹی ہو جاتی ہیں۔ پھر انہیں سرخ رنگا جاتا ہے۔ سلطان المعظم کے لئے بھی اس کارخانہ میں ٹوپیاں بنتی ہیں۔ مگر وہ ایک خاص طرز کی اور زیادہ دبیز ہوتی ہیں۔ جو یہاں کسی اور کو نہیں ملتیں مگر سلطانی نوشہ خانہ کا افسر یہاں سے ہر ہفتے لے جاتا ہے۔ یہاں جوراہیں اور فنیان بھی بنتی ہیں۔ اجکل کارخانہ میں مشینیں اضافہ کی گئی ہیں۔ اور تعمیر بھی بڑھ رہی ہے اس صورت میں کام بہت بڑھ جائیگا اب بھی یہاں کی ٹوپیاں اور کپڑہ جو فوج کے کام سے بچتا ہے اس کی بازار میں فروخت کے لئے دوکانیں موجود ہیں۔ یہاں کے ایک عام ترکی ٹوپی بازار میں ۱۲ غروش کو ملتی ہے۔

ستر ہزار ٹوپیاں روزانہ خرچ ہے

اسی اثنا میں ایک انگریز اسے سائکس نامی باشندہ مانچسٹر بھی کارخانہ میں آگیا جو ترکی بولتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلے اسی کارخانہ میں دس سال تک کمینک رہا ہے مگر اب بشکایت نا قدردانی کام چھوڑ بیٹھا ہے۔ اسنے بتلایا کہ یہاں سے ہزار سے دو ہزار تک ٹوپیاں روزانہ تیار ہوتی ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ کے کل خرچ کے لئے ستر ہزار روزانہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کارخانہ میں ڈیڑھ ملین کیلو دیسی اون سال تمام میں خرچ ہوتی ہے۔ اور کارخانہ کا کل خرچ سالانہ دو لاکھ پونڈ ہے۔ ماہوار تنخواہ صرف چار سو پونڈ ہے۔ بیکباشی عاصم نے بتلایا کہ سب سے باریک ریشہ والی آسٹریلیا کی اون ہے۔ اس میں سے دھونے کے بعد سو میں سے ۵۵ حصے باقی رہ جاتے ہیں۔ اس کی اون سے ۵۰ فیصدی اور دو بریچہ (عثمانی) اون سے بھی اسیقدر۔ عسکری ٹوپیوں میں آسٹریا کی اون میں چوتھا حصہ دو بریچہ اون ڈال لی جاتی ہے۔

کارخانہ کے مزدور اور دستکار

سوائے اس کارخانہ کے ایک حصہ کے کہ جہاں

پچاس راچھ بانات بنتے ہیں۔ اور وہاں مزدور کام کرتے ہیں۔ باقی ایک سو بیس راچھوں پر عسکری وسپاہی کام کرتے ہیں۔ کل پندرہ سو آدمی ہیں جو عسکری یہاں نوکر ہیں۔ انہیں جنگ پر نہیں بھیجا جاتا۔ اور علاوہ کھانے کپڑے کے ایک مجیدی (اڑھائی روپے) ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس ملک میں تمام سپاہیوں اور فوجی افسروں کو کھانا سرکار سے ملتا ہے۔ مثلاً ایک یوزباشی سو آدمیوں کے افسر کو بارہ اوقہ روٹی۔ جسقدر چاول اتنا ہی گوشت اور نمک مرچ مصالح ایندھن اور گھوڑے ہے تو گھاس بھی۔ صابن، روغن زیتون وغیرہ سب ضروریات بصورت جنس سرکار سے ملتی ہیں۔

یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں

اس کارخانہ میں مردہ مزدوروں اور عسکریوں کے یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں۔ یہاں ہی ایک مدرسہ ہے۔ یہ ایک روز پڑھتے اور ایک روز یہاں آکر کام کرتے ہیں۔ چونکہ بدنصیبی سے ترکوں کے یورپین ہمسائے اکثر انہیں جنگ میں مصروف رکھتے ہیں۔ اور یہ بیچارے شہید ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے سلطنت کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ اپنے اکثر کارخانوں کے ساتھ ایک ایک مدرسہ یتیم بچوں کا بنا دیا ہے۔ جہاں یہ یتیم بچے نوشت وخواند کے ساتھ دستکاریاں بھی سیکھتے رہتے ہیں۔

ترکوں کو انیسویں صدی میں کتنے جنگ کرنے پڑے

اپنے گذشتہ سال کی تحقیق میں میں ابو الضیا توفیق بک ناظر ترجمہ سلطنت کی جنتری سے جدول نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں کتنے سال ترکوں کو اپنے ہمسایہ دشمنوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ اور کتنے سال امن نصیب ہوا۔

(ایک صدی میں ترکی جنگوں کی جدول)

سنہ ۱۸۰۰ء	×	×	سنہ ۱۸۳۰ء	سنہ ۱۸۴۰ء	سنہ ۱۸۵۰ء	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۸۷۰ء	سنہ ۱۸۸۰ء	سنہ ۱۸۹۰ء
۱	×	×	۳۱	۴۱	۵۱	۶۱	۷۱	۸۱	۹۱
۲	×	×	۳۲	۴۲	×	×	۷۲	۸۲	۹۲
۳	×	×	۳۳	۴۳	×	×	۷۳	۸۳	۹۳
×	×	×	×	۴۴	×	۶۴	۷۴	۸۴	۹۴
×	×	×	×	۴۵	×	۶۵	×	۸۵	۹۵
×	۱۷	×	×	۴۶	×	×	×	۸۶	۹۶
×	۱۸	×	×	۴۷	۵۷	×	×	۸۷	×
×	۱۹	×	×	۴۸	۵۸	×	×	۸۸	۵۸
×	×	×	×	۴۹	۵۹	×	۷۹	۸۹	۹۹

اس نشان (×) سے مطلب ہے کہ جس سال میں جنگ رہی ہے اور جس خانہ میں سنہ کا عدد لکھا گیا ہے صدی کے اس سال میں امن رہا۔

ترکوں کی تعریف میں

ایک انگریز مسٹر ساکس نے مجھے بتلایا کہ ترک بہت اچھی قوم ہے۔ اور میں اپنے اس سال کے ان درمیان رہنے کے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ ترک دل کے بہت صاف اور بڑی اہلیت اور دانشمندی والی قوم ہے۔ مہمان نوازی ان کی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ خصوصاً دیہات کے لوگوں کی۔ کہا کہ ایک مرتبہ شہر سے دو روز کی مسافت پر دیہات میں گیا تھا۔ ایک خاندان نے میری دعوت کی۔ وہ ہر روز ایک دنبہ میرے لئے ذبح کرتے یا ترکی مرغ پکاتے۔ یہ بھی کہا کہ سلطان المعظم بڑے روشن ضمیر اور دانشمند ہیں۔ مگر ان کے مشیر اور اہلکار اچھے نہیں۔ رعایت اور سفارش بہت چلتی ہے۔

انگریزی کونسل کی رائے

برٹش فارن آفس کی ڈپلومیٹک و کانسلر رپورٹ بابت قسطنطنیہ سنہ ۱۸۹۵ء میں مندرجہ ذیل سطور ہیں۔ جن کا رخانہ سلطانی کی طرف

اشارہ کیا ہے۔ برٹش کانسل لکھتا ہے۔

پہلے جو اونی کپڑا انگلستان سے گورنمنٹ ترکی فوجی استعمال کے لئے خریدتی تھی اب وہ قریب قریب خریدنا بند کر دیا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اپنا کارخانہ کپڑے کا بنا لیا ہے۔ جو اُن کے تمام فوجی ضروریات چلا دیتا ہے۔ اس مل میں پندرہ سو آدمی ملازم ہیں۔ اور (۱۲۵) راچھ ہر قسم کے موٹے اور باریک فوجی کپڑوں کے لئے ہیں۔ اس سال (سنہ ۱۹۰۰ء میں) پچیس لاکھ کیلو دیسی اون اور ایک لاکھ کیلو آسٹریلیا کی اُون خرچ ہوئی۔ اس مل سے (۲۰۰۰) میٹر موٹا اور (۹۵۰) میٹر باریک فوجی کپڑا روزانہ اور ایک ہزار ٹوپیاں پانچ سو جوڑے موزے۔ اور ساڑھے سو فوجی کمبل تیار ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں دس لاکھ میٹر فوجی کپڑا تیار ہوا تھا۔ ٹوپیوں کی تیاری خاص دلچسپی کا کام ہے۔ اور انگریزی دستکاری کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ٹوپی یا تو سیلنڈر والی مشین پر یا شکنجے کی شکل والی پہنی جاتی ہے۔ اور پھر اسی پر سی کر گت کیا جاتا ہے۔ اور رنگ کر پریس میں دبایا جاتا ہے۔ اور پھندنا لگایا جاتا ہے اندازہ کیا گیا ہے کہ اسی ہزار پونڈ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ کی ٹوپیاں قلمروے ترکی میں داخل ہوتی ہیں کہ جنکا زیادہ حصہ آسٹریا سے آتا ہے۔

آسٹریا کی ٹوپیاں

جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہے زیادہ تر ٹوپی قلمرو عثمانی میں آسٹریا سے آتی ہے۔ اور وہاں کے ٹوپی کے کارخانے بھی میں نے دیکھے ہیں بلکہ ایک جگہ میں وہاں کے سب سے بڑے ترکی ٹوپیاں بنانے کے کارخانہ کے دفتر میں تھا تو ایک قسطنطنیہ کا سوداگر بھی اس وقت وہاں تھا۔ جس نے پچیس ہزار درجن ٹوپیاں خریدی تھیں۔ آسٹرین لوگ ان ٹوپیوں اور ان کے گھسوں پر جو ٹکٹ لگاتے ہیں انپر ترکی اور مصری تصویریں بناتے اور عبارتیں لکھتے ہیں۔ تاکہ پہننے والوں کو اجنبی نہ معلوم ہوں۔ قسطنطنیہ میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹوپیاں ترکی سے منگوائی ہیں۔ بجائے اسکے ترکی کی

بنی ہوئی ٹوپیاں قسطنطنیہ کے لوگوں کے لئے بھی کافی نہیں۔

گھر کے اندر کا لباس منشا ترک جب باہر کا کام کاج کر کے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور کئی مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی سکل کیپ اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں۔ گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ تو اپنے گدگدے اور نرم مندوں و تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں

منشی ہر گھر کے۔ تو جب حیثیت ایک یسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے۔ جو فرش فروش اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اس کی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدوں والے کوچ لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ جنہیں یہ مندر کہتے ہیں۔ گویا دیواروں کے ساتھ ایک بنچ سی لگا کر اُسے اور نیز اس کے سنس کی دیوار کو موٹے موٹے اور مختلف رنگ دار گدوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے ترکوں کے یہی مندر مصر اور شام و عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدیلے والی اور آرام کرسیوں کو بہت پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدوں سے آرام کرسیاں ہیں کہ دیکھ کر ان پر بیٹھنے کو جی للچا جاتا ہے۔

گھر کے اندر کا لباس ترک جب باہر کا کام کاج کر کے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور مختلف صوفیانہ رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی "سکل کیپ" اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ اور اپنے گدگدے اور نرم مندوں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔ ایک ایک کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے جو فرش فروش

اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اسکی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدّوں والے کوچ لگے ہوتے ہیں۔ کہ جنہیں یہ "مینڈر" کہتے ہیں۔ گویا دیوار کے ساتھ ایک بنچ سی لگا رکھی ہے اور نیز اسکی پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور ملائم سپرنگ والے گدّوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے۔ ترکوں کے ہی سند مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدے والی اور آرام کرسیوں کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدّوں کے آرام کرسیاں ہیں۔ کہ دیکھکر ان پر بیٹھنے کو جی للچا آتا ہے۔ لیکن بعض نئی روشنی کے دلدادوں نے اب اپنے دیوان خانوں کو یورپ طریقہ سے بھی سجانا شروع کردیا ہے۔

زنانہ لباس اور پردہ

ترک عورتوں کے لباس پر یورپین لباس نے اسقدر اثر کیا ہے کہ ان کا لباس بالکل یورپین ہوگیا ہے۔ خصوصاً اونچے گھرانوں کی تو بیبیاں اور لڑکیاں بالکل پیرس کے فیشنوں کے دلدادہ ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے روزانہ اخبارات میں "نئی پارس سودہ گری" "پارس کے نئے فیشنوں" کے اشتہارات بھرے ہیں۔ مگر گھر سے باہر نکلنے کے وقت وہ اس لباس کے اوپر ایک لمبا سیاہ گاؤن پہن لیتی ہیں جسے فرجہ کہتے ہیں۔ اور سامنے سے دامن تک اسکے بٹن بند کرلئے جاتے ہیں۔

فراجہ و یشماک

سر کے اوپر ایک چھوٹی سی چادر اوڑھی جاتی ہے کہ جسے چارشف کہتے ہیں۔ یہ پچھلی طرف کا دامن فراجہ سے ٹانک دیجاتی ہے اور سامنے سے آدھی پیشانی ڈھکی رہتی ہے۔ نصف پیشانی دونوں آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ برہنہ چھوڑ کر باقی چہرے کو گاز کے ایک بہت باریک رومال سے ڈھکا جاتا ہے۔ جو پچھلی طرف سے ٹانکا جاتا ہے۔ جو یشمک کہلاتا ہے۔ یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ قریب سے دیکھنے سے اسمیں سے چہرہ کا رنگ اور شباہت معلوم ہو سکتے ہیں۔

مگر ایسی بیہودہ حرکت وہاں کوئی نہیں کرتا۔ دیہات کی بعض عورتیں [illegible] کے بجائے ململ کا ایک سفید رومال سر سے نیچے چہرے پر لٹکا لیتی ہیں [illegible] صرف دو آنکھوں کے لیے سوراخ ہوتے ہیں۔ کسی عیسائی اور یہودی عورت بھی ستر دار سیاہ میں پہنکر باہر نکلتی ہیں [illegible] آپ نیچے [illegible] عورت ترکن یا مسلمان [illegible] کی لڑکیاں [illegible] کو بدل جاتی ہیں۔ [illegible] ہوتا ہے۔ اس سے بڑی عمر کی ان عورتوں کی [illegible] حیثیت کی ان کی شادی نہ ہو جب [illegible] پردہ [illegible] شادی ہو [illegible] بعد پردہ کی سخت [illegible] کی جاتی ہے۔

پردے کے ساتھ گھروں سے نکلنا

قسطنطنیہ کے [illegible] طرح سیاہ چہرہ ڈھانپ [illegible] ویسے ہی [illegible] بازاروں میں [illegible] تک اس [illegible] جاکر [illegible] لیتی ہیں [illegible] کرنا لی جا [illegible] اور گاڑی کی [illegible] کے ہمراہ [illegible] یا کوئی [illegible] نہیں ہوئی۔ والدہ [illegible] میں گذر گئی تھی ایک دفعہ واقعہ [illegible] کسی مرد کا اس سے عمداً یا سہواً کندھا تک لگ گیا۔ عورت کے ہاتھ میں چھاتا تھا۔

اس نے تیس دو چار پانچ چھانے جڑے تھے ۔ اور بازار کے سب دوکاندار آٹھ کر اسکی عزت کرتے تھے ۔ اس مزار کو سوئٹ زار سے شہر کے پوستہ قابل دیدنی [illegible]

علاوہ عیسائی عورتوں کے ترک عورتیں بھی آجکل عام طور پر لکھنے پڑھنے سے واقف ہیں
سلطنت کی طرف سے تعلیم نسواں ہائی سکول کے درجے تک دی جاتی ہے۔
اور لڑکیوں کو خصوصاً سینا پرونا اور کشیدہ کاڑھنا [illegible] سکھایا جاتا ہے
میرے ایک دوست کی لڑکی کے ہاتھ کا کاڑھا ہوا [illegible]
کیلئے زیور شمار ہوسکتا ہے [illegible]
مگر اکثر ترکوں نے یورپ [illegible]
ہی کم ترکوں کی [illegible]
انہیں پردہ میں [illegible] بیٹھتے تھے۔

پردہ کی [illegible] [illegible]
اور لوگوں [illegible]
تھیں۔ اب [illegible]
ترکوں [illegible]
جاتی ہیں کیوں [illegible]
وہ اسکے کو [illegible]

شرعی پردہ / آزادی [illegible] سخت پردہ بہت کم
[illegible] میں رواج ہے۔
یہانتک کہ [illegible] عورتوں کو [illegible]
میں بٹھا [illegible]
سواریوں [illegible] معلوم ہو جائے [illegible] گھروں سے کبھی
باہر نہیں نکلنے دیا [illegible]
شرعی پردہ کے ساتھ بازار سے سودا سلف خرید لاتی ہیں اور [illegible] اپنے اردگرد کے
حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ سیر و تفریح کے
لئے بھی شہر سے باہر تفریح گاہوں میں اپنے مردوں کے ساتھ جاتی ہیں۔ اور وہاں جنگل

ہیں سینکڑوں ایسی بیگمات کی پارٹیاں الگ الگ بیٹھی کھاتی پیتی اور تازہ ہوا۔ اور سبزہ زار کا لطف اٹھاتی رہتی ہیں۔ کہ جس کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائیگا۔ ایسے ہی ترکی بیگمات۔ بکثرت قبرستان میں جا کر بیٹھتی ہیں۔ قسطنطنیہ کے قبرستان سرو شمشاد کے سایہ دار نہایت خوش منظر جگہیں ہوتی ہیں۔ اور یہاں پاس ہی حال میں قہوہ پیتی ہوئی دیر تک بیٹھی رہتی ہیں۔ [illegible] مردوں کے تو سنے نہیں جاتے۔

یورپین [illegible] یہاں [illegible] چونکہ ترک یورپ میں رہتے ہیں اور بہت سی یورپین اقوام میں [illegible] ایسا بات نہیں۔ [illegible] حقیقت [illegible] ہوں [illegible] شادی کرتے ہیں۔ [illegible] ترک [illegible] عیسائی بیویاں [illegible] یورپین عورتوں [illegible]

[illegible]

[illegible] جانے کا ذکر [illegible] سنا ہے کہ وہ [illegible] مسلمان مذہب ہیں۔ [illegible] ترکی امراء کی [illegible] مگر وہ سوائے اپنے [illegible] کرتی ہیں۔ [illegible] جیسے وہ [illegible] نہیں [illegible] اپنے گھر کے کاروبار [illegible] نہایت مصروف اور نہایت مشغول بھی پایا ہے۔ جیسا کہ [illegible] خاتون کا ذکر آیا ہے۔ مگر یہ معمولی بات ہے۔ کیا یورپ کی آسودہ حال

ابتک زیادہ تر بناؤ سنگار اور ناول پڑھنے میں مصروف نہیں رہتیں؟ اور وہ کب اپنی حالت پر قانع ہیں۔ لنڈن میں حقوق مدنی حاصل کرنے پر ہر روز عورتوں کی پولیس سے مڈبھیڑ رہتی ہے۔

قومی آمیزش بعض یورپین مصنفوں کا ترکوں کی نسبت یہ بھی خیال ہے کہ سینکڑوں سالوں کے دوران میں خوب صورت سرکاشی جارجین یا بلگرین اور یونانی وغیرہ یوروپین اقوام اور حبشی عورتوں کو بھی [illegible] انہیں بیویاں بناتے رہے ہیں۔ اسلئے ان کی نسل میں ترکی خون بہت کم رہ گیا ہے۔ ساتھ ہی وہی مصنف [illegible] اور حبشیوں کی عادات موجود ہیں۔ [illegible] زیادہ گہرا اثر نہیں کیا حقیقت یہ ہے [illegible] ان میں بہت کم آمیزش ہوئی ہے۔ اور وہ بھی [illegible] تہذیب ہی کافی موجود

کھانے کا طریقہ [illegible] چھری کانٹے کے ذریعے کھانا کھاتے ہیں [illegible] کورس بار بار آنے سے کبھی کبھی [illegible] جاتے ہیں اور کھانے والے [illegible] چمچے میں [illegible] پلیٹوں میں نکال کر کھاتے ہیں۔ [illegible] کانٹے کی بجائے ہاتھ سے ہی کھانا کھاتے ہیں۔ مگر [illegible] بعض عوام بجائے میز کے ایک پست سے تخت [illegible] اسکے گرد بیٹھ جاتے ہیں زمین پر دستر خوان بچھا [illegible] کا طریق ہے۔ یہ لوگ صرف چمچے وہ بھی چوبی استعمال کرتے ہیں۔ [illegible] علاوہ ہی دوسرے لوگوں کے ساتھ میزوں پر بیٹھ [illegible] کئی قسم کی عمدہ روٹیاں اور شیرمال پکتے ہیں۔ مگر ڈبل روٹی کا ہی عام رواج ہے۔ [illegible] ہی استعمال ہوتے ہیں

شادی کا کھانا میرے اثنائے قیام میں نصرت علی آفندی کی صاحبزادی کی

شادی تھی - میں بھی وہاں مدعو تھا - مہمانوں کے لئے صبح سے سہ پہر تک کھانے
کا وقت مقرر تھا - جو دو چار آدمی آتے انہیں کھانا دیا جاتا - پہلے میز پر ایک قاب
شادی کے چوربا (شوربا) کا لایا جاتا - سب لوگ اپنے اپنے چمچوں سے اس قاب
سے شوربا لیتے اور ڈبل روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ کھاتے - پھر پلاؤ آیا - پھر
قورمہ اور زردہ - جس میں آدھا پانی اور آدھے چاول تھے - ترکوں کے کھانوں
میں پانی بہت ہوتا ہے) زردہ کے اوپر چند دانے [illegible] اور چند مغز پستہ رکھے تھے
دو ارمنی عورتیں میز پر خدمتگار کا کام کرتی تھیں - [illegible] نہیں -
دونوں گندمی رنگ کی [illegible] تھیں - نصرت علی صاحب سے [illegible]
دریافت کرنے پر [illegible] اس [illegible]
کیا - کھانے سے پہلے [illegible]
سے بھیجے ہوئے [illegible] کے اخیر
[illegible] وہ لایا جاتا - [illegible] کی کھانے کو
دکھائی - [illegible] سال [illegible] ہوئی [illegible]
[illegible] تھی - [illegible] ہی - وہ [illegible]
برس کا ہوگا - [illegible] اوا کی تھی - اور
[illegible] برسوں [illegible] کی ضیافت [illegible] تھی - کل اور
پرسوں عورتوں کی ضیافت [illegible] عبدالغفار
[illegible] سے [illegible] کی
سے دو مجیدی [illegible]
کی - [illegible]
بھی تمام [illegible] -

رسم بسم اللہ نصرت علی صاحب کے چھوٹی لڑکی کی رسم بسم اللہ بھی اسی تقریب کے ساتھ
ادا کی تھی - لڑکی کو جو پانچ یا چھ سال کی ہوگی نئے کپڑے اور سر پر خوبصورت تاج

بہت کر گاڑی میں بٹھا دیا گیا تھا۔ [illegible] کے گلے میں ایک سنہری کام والا جزدان ڈالا گیا تھا
جیسے کہ قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ [illegible] کے آگے یہ ترکی دعائیہ
گیت گائے جاتے تھے جیسے کہ ہمارے ہاں [illegible] رسم کے وقت کتب کے
آگے بچے [illegible] عجیب سماں پیدا ہو گیا تھا۔

ربنا انا اعطینا [illegible] ما تشا — [illegible] رحمت [illegible] بنا ما تشا
الصبا بشارت بالعد [illegible] — [illegible] جون شا
حق دن [illegible] — [illegible] دیدی [illegible]
حکم [illegible] — [illegible] شوکت الی یوم القیام

[illegible]

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

[illegible]

اچھا پانی [illegible]
[illegible] سے چھا پانی
[illegible] سے بھی
[illegible] لیکن
[illegible]
[illegible] دیا جاتا
[illegible]
اور اسے اچھا پانی [illegible] نے بھی
پانی کی عبادت [illegible] مکان کے پاس
[illegible] اور شہر میں ان کے اس پانی
کے بنے کی [illegible] ہیں۔

۱؎ [illegible] سلطان [illegible] کی تعریف [illegible] کے حق میں دعا ہے۔

میوجات میوجات کی یہاں افراط ہے۔ خصوصاً انگور اور خربزہ جو عموماً لوقنطوں میں بھی کھانے کے ساتھ ملتے ہیں۔ نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ اور نواح میں انواع و اقسام کے انگور پیدا ہوتے ہیں۔ ترکوں میں روٹی کے ساتھ بھی انگور اور دم کھانے کا رواج ہے۔ اور حقیقت میں یہ بہت مزہ دار کھانا ہوتا ہے۔ ترکوں میں یہ فارسی شعر اسکے متعلق مشہور ہے سے

خداوندے کہ ہست از خوب و خوذر ... اگر نوردے بخور دے نان و انگور

خربزے نہایت شیریں ہوتے ہیں اور ارزاں بھی بہت اچھے۔ ان کے علاوہ سیب امرود وغیرہ کئی قسم کے اور میوے بھی بہت عمدہ [illegible] ہے۔

قہوہ خانے اور قہوہ یہاں کے قہوہ خانے کو یا [illegible] کے [illegible] ہیں۔ تاہم ان کی نقل ضرور ہیں۔ [illegible] بہت ہیں۔ [illegible] بھی سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ بعض قہوہ خانوں میں لوگ صرف [illegible] یا آسمان کے سائبان کے نیچے ہی بیٹھتے ہیں اور کھلے [illegible] بیٹھے ہیں۔ [illegible] کنارہ پر بیٹھ قریب [illegible] کے قہوہ خانہ [illegible] قہوہ [illegible] کال ہے لیکن یہ پیرس کے [illegible] سے کوئی بھی تیار قہوہ نہیں۔ بلکہ وہ [illegible] رکابی کے بدلے کے برابر پیالی [illegible] پیتے ہیں [illegible] پر مہمان یا ملاقاتی بھی [illegible] دس منٹ کے یہاں جاؤ [illegible] کا رواج [illegible] پاس بیٹھے اور [illegible] دفتروں تک یا دفتروں کے [illegible] کی [illegible] اور دفتروں میں قہوہ تیار کرنے [illegible] لازم [illegible] ہیں۔ [illegible] رہتے ہیں۔ امرا کے گھروں میں قہوہ تیار کرنے والے ملازم خاص ہوتے ہیں۔ ان کا کام سوائے بڑی احتیاط و عمدگی سے قہوہ تیار کرکے اپنے مالکوں کو پلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

نہیں کہیں جو کسی صاحب کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کا موقع ہوا تو قہوہ نے دوسری دفعہ بلکہ تیسری دفعہ بھی اپنی سیاہ شکل آ دکھائی۔ مگر ننھی سی پیالی میں جسکو فنجان کہتے ہیں۔ یہ سیال یا مرکب چند قطرات سے زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ حصہ تلچھٹ سے بھرا ہوا ہوتا ہے جو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ شیرینی ڈالنے سے بھی یہ کمبخت خوش مزہ شربت نہیں بنتا۔ ترک کھانے کے بعد تلخ قہوہ پیتے ہیں۔ جو میرے نزدیک کریلا اور نیم چڑھا سے کم نہیں ہوتا۔ مگر یہاں یہ چیز شاہ پسند ہے۔ قدیم الایام سے بلکہ ترک سلاطین کے وظیفہ کے ساتھ ایک کئی لاکھ سالانہ کی رقم بطور خرچ قہوہ کے مقرر چلی آتی ہے۔ غرض ترکوں میں قہوہ سب سے بڑی تواضع ہے۔ جیسا کہ کسی ایرانی کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎ ۔

اہل ترکان آرہ شدہ بر تواضع بس قہون
ایکی فنجان قہوہ شدہ بر او تسکین تتون

اور خود ترکوں کے درمیان بھی تواضع کافی ہے۔ کہ قہوہ کے دو پیالیوں کے ساتھ ایک گولا تمباکو کا پیتے ہیں۔ اسکے جواب میں ترک ایرانیوں کو یہ شعر سناتے ہیں ؎ ۔

عطائے بزرگان ایران زمین ٭
دو فنجان چار سبت حصہ ترک ٭

قہوہ خانوں میں بیٹھنے کی جگہ اچھی ہوتی ہے۔ اور جو شخص ایک پیالی قہوہ پی لے وہ جتنی دیر چاہے بیٹھا رہے۔ میں نے ایک شخص کو کہا کہ اس قہوہ میں تمہیں کیا لطف آتا ہے۔ اس نے مجھے ایک عرب کا شعر اس کی مدح میں سنایا۔ جو میری طرح یہاں نووارد تھا۔ اور اس قہوہ سے بیزار تھا۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس قہوہ میں تین صفات ہیں جو تینوں عورت کی ہیں۔ یعنی جلا ہوا کڑوا اور سیاہ۔ ہر کسے دیر سے بہت درست ہے

اجنبی کے لئے اہل استنبول کے اوضاع و اطوار اور زبان سے واقف ہونے یا ملاقات پیدا کرنے کا یہ قہوہ خانے بہت عمدہ ذریعہ ہیں۔ ہر قسم کے لوگ فرصت کے وقت یہاں تھوڑی دیر بیٹھتے اور دل بہلاتے ہیں۔ یہاں روزانہ اخبار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اور لمبے لمبے نیچوں والے شیشہ کے حقے پینے کو۔ شطرنج اور بلیئرڈ کھیلنے کو۔ لیکن قسطنطنیہ میں دستور ہے کہ شام کے بعد جب تک عشا کی نماز نہ ہو جائے کوئی شطرنج وغیرہ کھیل نہیں کھیلا جاتا۔ جس سے اسلام کا اعزاز مدنظر ہے۔ کھانے کے بعد یہاں عموماً تلخ قہوہ پیتے ہیں۔ لیکن میں شکر ملا (شیریں) رنگ پیتا تھا۔

لوقنطے یہاں کے ریسٹوران یا لوقنطے بہت اچھے ہیں۔ گو غریب لوگ صرف روٹی اور انگور لے کر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یا صرف روٹی اور کباب سے بھی گذارہ کرتے ہیں۔ جس سے دو آنہ سے ایک جوان شکم سیر ہو سکتا ہے۔ لیکن عام لوگ جن ریسٹورانٹوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی طرح یہاں بھی ہزاروں مرد و عورت ہیں جو کھانا نہیں پکاتے اور ریسٹورانٹوں سے گذارہ کرتے ہیں۔ البتہ بہت عمدہ کھانے ملتے ہیں۔ ریسٹوران کے کھانوں کی ایک فہرست ہے جو آگے پیش کی جاتی ہے۔ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے یورپ اور ایشیا کے کھانوں کو مخلوط کر لیا ہے۔ گو اچھے سے اچھے کباب اور پلاؤ اور سالن مشرقی طریق کے یہاں ملتے ہیں۔ گرچہ آنے سے بارہ چودہ آنے تک ایک شخص کا ایک وقت کا خرچ ہوتا ہے۔ جو یورپ کے شہروں سے آدھا بھی نہیں۔ لیکن پل غلاطہ کے سامنے کے بہت عمدہ لوقنطے ہیں کہ جسے ختائی لوقنطہ کہتے ہیں۔ مگر دراصل عیسائیوں کا ریسٹوران ہے۔ اس سے دوگنا خرچ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں کھانا بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے معزز لوگ اور افسر یہاں کھانے کو آتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان ترک عہدہ جدید میں سیاحوں کا ترجمان ہے اور انگریزی فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی

بلغاری اور ترکی سات آٹھ زبانیں جانتا ہے۔ مجھے ملا اور قہوے سے میری تواضع کی۔ اور کہنے لگا کہ میں نے آجتک یہاں کبھی معزز ہندوستانی مسلمان نہیں دیکھا ان لوقنطوں میں یورپین طریقوں نے یہانتک نفوذ کیا ہے کہ مہمان جب میز پر بیٹھتا ہے یورپ کے رسٹارنٹوں کی طرح کھانوں کا کاغذ بھی اُسکے سامنے رکھدیا جاتا ہے۔ کہ جسے جرمن "سپائزہ کارٹ" کہتے ہیں۔ اس پر سب کھانوں اور میوجات وغیرہ کے نام چھپے ہوئے ہیں۔ اور کچھ جگہ خالی چھوڑی جاتی ہے۔ لیکن جو اس روز موجود نہیں ہوتے وہ نام کاٹ دیئے جاتے ہیں اور خالی جگہ نئے کھانوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ عربی بولنے والوں اور ترکی بولنے والوں کے لوقنطے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جہاں ویسے ہی گاہک بھی جاتے ہیں بہت سے لوقنطے عیسائیوں کے ہیں۔ لیکن وہاں مسلمان بلکہ علما بھی کھانا کھاتے ہیں۔

بعض ترکی کھانے

یہ بے انصافی کی بات ہوگی کہ میں ترکی کھانوں کے لطف میں ناظرین کو شریک نہ کروں۔ اس بہت طول طویل دلچسپ فہرست کے سرے پر ایک صاحب چوربا نامی متمکن ہیں۔ چوربا ہمارے شوربا کی دوسری شکل ہے۔ لیکن اسکے نام میں اتنا تغیر نہیں ہوا۔ جتنا کہ ترکوں نے اس کی شکل میں کر دیا ہے۔ خصوصاً شادی کا چوربا ایک عجیب چیز ہے۔ یہ بڑے تکلف کا کھانا ہوتا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستانی اسے پسند کرینگے۔ نمک اور مرچ سے ترک بھی زیادہ آشنا نہیں۔ ہلدی سے بھی زیادہ واقف نہیں۔ تاہم بعض کھانے بہت عمدہ ہیں۔ ایک کھانے کا نام "دولمہ" ہے جو ٹماٹر، ولایتی بینگن سے بنتا ہے جسکو عرب اور مصری "دیبی ڈولما" کہتے ہیں۔ غرض بینگن یا کدو یا کھیرا اندر سے خالی کر کے اسکے جوف میں قیمہ اور چاول پکا کر بھر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر انہیں پکایا جاتا ہے جو لذیذ بن جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب میں تمام ترکی کھانوں کی کیفیت سننے کی وجہ سے امید نہیں رکھیں گے۔ صرف مشہورات کے ذکر پر اسکو ختم کرتا ہوں

ہندوستان میں اسے یخنی کہتے ہیں۔ میں ایک روز ایک ترکی لوقنطہ در شوروان میں کھانا کھانے گیا۔ اور کھانوں کی فہرست کو دیکھ کر میں نے لوقنطہ کے ملازموں پر اپنی کھانوں کے ناموں کی ناواقفیت ظاہر کرنی مناسب نہ سمجھی۔ میں نے خشلاما کا نام معتبر سمجھ کر اسے طلب کیا۔ تو میرے سامنے یخنی رکھی گئی۔ میں نے سمجھا خدمتگار کو میری بات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں نے دوبارہ بطور تاکید اسے خشلاما کا نام دکھلایا۔ تو ثابت ہوا کہ میں نے اسی کی فرمائش کی تھی۔ مادر بے رنگ اور بے بو یخنی کا پیالہ بلا رغبت پینا پڑا۔ کیونکہ اس پر پیسے خرچ ہو چکے تھے۔

ایک اول درجہ کے لوقنطہ کے کھانوں کی فہرست

ذیل میں میں ایک ترکی لوقنطہ کے روزانہ کھانوں کی فہرست بعینہ مع بعض کھانوں کے ناموں کے ترجمہ کے درج کر دیتا ہوں تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ ترک کیا کیا کھاتے ہیں۔ بعض کھانوں کے نام اس فہرست پر چھپے ہوئے تھے۔ اور بعض قلمی اور سب کی قیمت قلمی لکھی جاتی ہے۔

لوقنطہ عثمانیہ عوجی حاجی ابراہیم

(استنبولدہ حمیدیہ جادہ سندہ نومرو ۳۴) ۱۵ اسمبر سنہ ۱۳۰

پارہ	نمبر تشتہ		پارہ	نمبر تشتہ	
	۱	ات صولی (شورپا)	۲۰	۲	ات خشلاسی (ات بھنے گوشت)
	۱	چوربا (شوربا)		۲	دانہ (بچھڑا)
	۱	شعریہ (سویاں)		۳	پیچ (مرغ بریان)
۲۰	۱	ستارہ ساچہ لی (مکرونی)		۳	" صندوق (سرد)
۲۰	۱	قیون پاچہ سی (بکری کا پاچہ)		۳	" بکنیدیلی
۲۰	۱	پیلاؤ (پلاؤ)		۳	" آکشیلی (لیمون ربیضہ)
	۳	" پیچیلی (چوزہ پلاؤ)	۲۰	۲	نان کباب
	۲	صوبورکی (گوشت)		۲	ازمیر کوفتہ سی (سمرنا کے کوفتے)

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
۲۰	۲	ات قرازتمہ ی (ات۔ گوشت)		۴	قیلہ صوتہ
۲۰	۲	بوط " (ران)		۴	" یمورطہلی
۲۰	۲	بوط قزوتی (قروتی : تند مسا)	۲۰	۴	" بزلیالی وشطارلی
۲۰	۳	بوط صغوق	۲۰	۲	قوتلت پانہ (کٹلٹ)
	۳	سبزہ لی کباب (کباب سبزک)	۲۰	۲	اوملت (آملیٹ)
	۳	یوغورت لی کباب (جیزات والے)	۲۰	۳	صحانہ یمورطہ (انڈہ)
	۲	طاس کباب		۳	" پنیرلی ایتمہ لی (مع پنیر و قیمہ)
	۲	دونار کباب (دوران چنگل)	۲۰	۲	بیبر صالچہ لی وطواسی (مرغ)
	۲	آدچی (شکار)			سبزوات (ترکاریاں)
۲۰	۲	بنجہ بان کباب		۲	بمیات لی (گوشت بھنڈی)
	۲	کوفتہ کیمیونی اسقرہ (قسم کباب)		۳	درلو گوہ جی (ایک قسم کی سلیم)
	۳	جگر طوا (صحو تالی)	۲۰	۲	طواس طولمہسی (شاش)
	۳۰	بیارک (گردہ)		۳	اسپناق کبابلی (پالک مع کباب)
	۲	شیش کباب (سیخ کباب)		۳	" یمورطہ لی (معہ بیضہ)
۲۰	۲	لوہ اسقرہ (دنبہ دم ران)		۳	بادنجان موسقہ (بینگن گوشت)
۲۰	۲	تیوق کلباستی (مرغی کے گوشت کا ...)		۳	بادنجان سلکہ (بینگن بعمل ...)
	۳	طاتہ (بچھڑا)		۳	" بورہ گی
	۳	بونتلک اسقرہ (بلا ہڈی گوشت کا ٹکڑا)	۲۰	۲	قباق طولمہسی (کدو کا دولمہ)
۳۰	۳	بونتلک یمورطہلی (معہ بیضہ مرغ)			زیتون یاغلی (روغن زیتون کا کھانا)
	۳	" بزلیالی وشطارلی (ایضاً معہ مشروم کھمب)		۲	بادنجان طولمہسی (بینگن روغن زیتون)
				۲	بامیہ (بھنڈی معہ زیتون)
۲۰	۳	قیلہ طو اسقرہ		۲	چاتی فصولیہسی (باقلہ معہ ایضاً)

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
		سلاطہ (سلاد کے اقسام)	۲۰	۱	مجلبی (فرنی)
	۱	سیاہ خاویار			میوہ لر (میوے)
	۱	یشیل " (سبز)		۲	اوزوم (انگور)
		بالقلر (مچھلی کے اقسام)		۲	قاویون (بطیخ)
	۲	قلیچ شیش (کباب ماہی)		۲	قارپوز (خربزہ)
		کمپوستو (حلویات ـ مربہ جات)			پنیرلر (اقسام پنیر)
	۲	المہ (سیب)		۱	بیض (سفید)
	۲	تغلو (قسم مٹھائی) ہر ایک پلیٹ		۱	قاشر (گول)
		سود شکر یا لیا شکر	۲۰	۱	فلمنگ (ہالینڈ)
	۲	صاتقصی ایم (قسم از حلوہ)	۲۰	۱	تخراویر
۲۰	۱	صوت لاج (کھیر)	۲۰		قہوہ
۲۰	۱	ارسیک حلوہ سی (سوجی کا حلوہ)			

مکانات کی وضع اور صفائی

ترکی مکانات میں بجہت ہندوستان کے مکانات کے صحن نہیں ہوتے کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔ اور مکان جز زیادہ تر لکڑی اور شیشہ کے ہوتے ہیں تین تین چار چار منزلوں کے بنائے جاتے ہیں۔ نچلی منزل میں عموماً باورچی خانہ اور گودام رکھا جاتا ہے۔ بعض مکانات کے پہلو میں یا احاطہ کے اندر خانہ باغ بھی ہوتا ہے۔ گیزک میں جہاں سید عبدالغفار صاحب کے مکان میں رہا تھا۔ ہرچند کہ مکان چھوٹا ہی تھا لیکن اسکے بھی ایک پہلو میں پشت چھوٹا سا گلبن تھا۔ اور نصرت علی صاحب کے مکان کے پیچھے بھی ایک باغ تھا جو محلہ بھر کا مشترکہ تھا۔ کئی محلوں میں ایسے مشترکہ باغ بھی ہیں۔ گھروں کے اندر کی صفائی نہایت مبالغہ سے کیجاتی ہے۔ ہاتھ منہ دھونے کا باسن جیسا کہ ریل کے پچھلے درجہ میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور پاخانہ کا مقام عموماً تنگ

نے بنے ہوئے ترکی گھروں میں ہوتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہیں ایک تنکا بھی پڑا ہو۔ اور گرد کا نام و نشان بھی پایا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پنجاب کی طرح آندھیاں تو آتی نہیں نہ اتنا گردہ ہی موجود ہے۔ امرا کے مکانات کے فرش جو سنگ مرمر وغیرہ پتھروں کے ہوتے ہیں ہفتہ وار دھوئے جاتے ہیں صاحب خانہ بیگم خود نوکرانیوں کو ساتھ لیکر صفائی کراتی ہیں۔ یہاں گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اور جب باہر سے کوئی آکر دروازہ کھٹکھٹائے تو صاحب خانہ یا اُن کی خادمہ اندر سے دروازہ کھولتی ہے اور اسے داخل کر کے پھر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ تمام یوروپ میں بھی دستور ہے۔ گھروں کے اندر فرش علیٰ قدر حیثیت ضرور ہوتا ہے امرا کے گھروں میں اعلیٰ درجہ کی ترکی قالین ہوتے ہیں۔ لیکن غربا کے گھروں میں بھی بوریا کے فرش پر ایک آدھ قالین ضرور ہوتا ہے۔ اور صفائی تو ایسی ہوتی ہے کہ ایک حمال کے گھر میں بھی دو تولہ گرد نہیں مل سکیگا۔ جن لوگوں کو سلاملق اور حرملق کے لئے علیحدہ علیحدہ مکانات رکھنے کا مقدور نہیں۔ وہ اپنے مرد دوستوں سے گھر کے اندر ہی پردہ کرا کر ایک کمرہ میں ملاقات کرتے ہیں بیٹھنے اور کھانے کے کمرے عموماً علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

زمین پر سونا

قسطنطنیہ میں ترک چارپائی یا کوچ پر نہیں سوتے بلکہ زمین پر بستر بچھا کر سوتے ہیں۔ زمین پر دو تین موٹے موٹے گدیلے بچھا دیتے ہیں۔ جنکی موٹائی بالشت بھر اونچی ہو جاتی ہے۔ اور صبح کو اٹھکر ان گدیلوں کو لپیٹ الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جو اسی غرض کیلئے دیواروں میں لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی کمرہ کو نشستگاہ وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں۔ اور بارہ مہینے مکانوں کے اندر سوتے ہیں کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔

چوبی مکانات

چونکہ قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں چنانچہ آخری بڑا زلزلہ

سنہ ۱۲۹۵ء میں آیا تھا۔ جس سے بڑی بڑی عالیشان مساجد اور قدیم زمانہ کی بہت مضبوط تعمیرات کو بھی بہت نقصان پہنچا تھا۔ اسلئے یہاں مکانات عموماً لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ مگر بعض امرا کے عالیشان مکانات کوشکیں[1] اور کنارہ بحر پر یالیاں[2] ہیں۔ اور کئی سلطانی سرائیں و محلات سنگ اور سنگ رخام کے بڑے بڑے شگیں بھی ہیں۔ مگر عام چوبی مکانات ہیں بوجہ چوبی مکانات کے شہر میں آتشزدگی کے وارداتیں بہت ہوتی ہیں۔ احمد مدحت صاحب افسر محکمہ صحت عامہ نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں آتشزدگی کی وارداتیں اتنی ہوتی ہیں۔ کہ بیمہ کمپنیوں نے اندازہ کیا ہے کہ ہر تیس سال کے اندر شہر بالکل نیا تعمیر ہو جاتا ہے۔

آگ بجھانے کا سامان

آگ بجھانے کے لئے گو اب کچھ عرصہ سے ایک فائر بریگیڈ بھی قائم ہوا ہے۔ لیکن ہنوز اسکی ایسی اچھی حالت نہیں ہوسکتی جیسی کہ لنڈن یا برلن میں ہے۔ برلن میں (انٹرڈن لنڈن) سب سے بڑے بازار کے ایک دروازہ میں تین راستے ہیں۔ دو راستوں سے عام لوگ گذرتے ہیں۔ لیکن بیچ کا راستہ صرف قیصر جرمنی کے استعمال کے لئے مخصوص ہے۔ مگر اسکے بعد آگ بجھانے کا انجن بھی اسمیں سے گذر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح برلن کے اس نہایت وسیع بازار کے مقابلہ میں قسطنطنیہ کے تنگ اور پیچیدہ کوچے کوئی نسبت نہیں رکھتے ویسے ہی یہاں کے فائر بریگیڈ کی حالت بھی سمجھنی چاہیئے۔ چونکہ قسطنطنیہ کے اکثر بازار اور کوچے بہت تنگ ہیں۔ اسلئے یہاں آگ بجھانے کے ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے انجن صندوقوں کی شکل کے مروج ہیں

[1] و [2] کوشک یا کشک محلات۔ یالی یا یالی مکان برلب بحر۔ قوناق مکان خصوصاً بزرگ امرا درون آبادی میں سرائے کا لفظ صرف سلطانی محلات کے مخصوص ہے ۱۲۔

کہ جو ہر محلہ میں ایک رکھا ہوا ہے آگ کے اطلاع ملنے پر انہیں آگ بجھانے والے فوراً اکٹھے ہوکر بہ اتفاق مقام آتش زدگی کو بھاگ جاتے ہیں۔ اگر رات ہو تو ایک شخص "یا نگہن دار" "یا نگہن دار" (یعنے آگ ہے آگ ہے) پکارتا ہوا کوچوں میں سے گذر جاتا ہے۔ محلہ کے چند بیکاروں اور آوارہ لوگوں کو سرکار کی طرف سے ہر روز روٹی درگذراشت ہے۔ اور اس کے عوض میں جب انہیں آگ کی خبر پہنچے تو وہ فوراً اکٹھے ہوکر بہ اتفاق آتش زدگی کے مقام کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ دس پانچ تو ان میں اہل خدمت بھی ہیں اور کئی اور بیکار سے ساتھ مل جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی شکایت ہے کہ بعض دفعہ جس گھر میں آگ لگتی ہے بدمعاش لوگ آگ بجھانے کے بہانہ سے کچھ اسباب بھی لوٹ لیتے ہیں۔ مسو... نا پانی اٹھانے کے مشکوں کی آگ بجھانے والی ایک تو مشک ہے ڈولوں اور آہنی لب والی بالٹیوں سے پانی ڈالتے ہیں۔ ... چوبی مکان ... گرتے اٹھا... دیتے ہیں۔

آگ کی اطلاع کے مینار آتش زدگی سے فوراً شہر کو اطلاع دینے کے لئے تین بلند مقامات پر دیدبان متعین ہیں۔ غلطہ مینار پر غلاطہ میں مینار سرعسکر پر استنبول میں اور نمل کے نیچے ایک بلند پہاڑی پر سقوطری میں۔ ان دیدبانوں کو جب کبھی آگ نظر آتی ہے تو یہ فوراً دن کے وقت ان میناروں سے ایک سرخ گولہ ... اعلان کرتے ہیں اور رات کے وقت ایک سرخ فانوس روشن کر کے بلند کرتے ہیں۔ تو اس سٹیشن کے قریب توپ چلائی جاتی ہے۔ مینار سرعسکری سے گولے چلائے جاتے ہیں۔ اور مینار غلطہ سے دن کو جھنڈیاں بلند کی جاتی ہیں۔ جنکی تعداد سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ کونسے حصہ شہر میں آگ لگی ہے۔ اور رات کو لالٹینیں دکھائی جاتی ہیں۔

حمّال یہاں کے حمال واقعی ایک خاص جماعت ہے۔ یہ بہت سا بوجھ پیٹھ پر اٹھا کر بڑے طمطراق سے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اور واقعی اتنا بوجھ اٹھاتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اسکے نیچے دب کر نہیں پچکتے ان کا بھی ایک میر یعنی افسر ہوتا ہے۔ جیسے کہ یہاں باقی تمام پیشہ وروں کے بھی ہیں۔ اور مختلف گروہوں نے آپس کے قرار داد سے شہر کے مختلف حصے آپس میں بانٹے ہوئے ہیں۔ ایک روز ایک نو وارد یورپین نے ایک ایسے حمال کو ایک بلند راستہ پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر عجیب پر مذاق ریمارک کیا۔ اُسنے کہا کہ یورپ کے انسداد ظلم حیوانات کی انجمنوں کو قسطنطنیہ کے حمال کی طرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گو یہ بڑے مضبوط اور تناور ارمنی ایشیا کوچک سے آتے ہیں اور انہیں اتنے بوجھ کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

بوٹ صاف کرنے والے قسطنطنیہ میں بوٹ روغن کرنے والے بہت کثرت سے ہیں اور ان کے اڈے ان کے پیرس اور لنڈن کے ہم پیشہ لوگوں سے زیادہ خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ اور بجائے ان کے یہ روغن کی شیشیوں کی ایک چھوٹی سی الماری اور بیٹھنے کو ایک چوکی گویا ایک خاصی چھوٹی سی دوکان ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بوٹ کو بھی بڑی محنت سے صاف کرکے شیشہ بنا دیتے ہیں۔

کتے یورپین سیاحوں کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ قسطنطنیہ کی گلی کوچوں میں کتے بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ ایسے خوبصورت اور پلے ہوئے بھی نہیں ہوتے جیسے کہ یورپ میں پالتو کتے ہوتے ہیں۔ مگر ایسے خارشتی اور اپاہج بھی نہیں جیسے کہ ہر ایک یورپین سیاح اپنے سفرنامہ میں انہیں ظاہر کرتا ہے ان کتوں کی کثرت کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ یورپ کے دوسرے شہروں میں چونکہ عیسائی لوگ کتوں کو گھروں میں پالتے ہیں۔ یہاں تک

کہ لیڈیاں ان کو بھی انہیں بغل میں دبائے جھولی میں یا مرد اپنے ہمراہ لئے پھرتے ہیں
اسکے کہ وہ ان کا سب سے بڑا دوست اور خادم سمجھتے ہیں۔ بخلاف اسکے ترک اپنے
مذہب کے روسے کتے کو نجس سمجھتے ہیں۔ اسلئے ایسے گھروں میں نہیں گھسنے
دیتے۔ اور سب کتے بازاروں اور کوچوں میں ہی جمع رہتے ہیں۔ تو ان کی کثرت
بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ اسلئے یہ ایسے طمطراق سے سڑکوں کے بیچ میں سو کر
بیٹھے ہیں کہ انہیں گاڑیوں کے گذرنے کا بھی کچھ خوف نہیں ہوتا۔ گاڑیبان
بھی جہانتک ہوسکتا ہے کتے کو گاڑی کے نیچے دبجانے سے بچاتے ہیں۔
خواہ انہیں چکر کاٹ کر گاڑی گذرانی پڑے۔ ان کتوں نے شہر کے مختلف
حلقے آپس میں تقسیم کر رکھے ہیں۔ لئے اگر کوئی اجنبی کتا کسی دوسرے علاقہ میں
چلا جائے یا کوئی کتا اپنے مالک کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اسپر سخت حملے
کرتے ہیں۔ اور اسکی گت بناتے ہیں۔ گو گلیوں کی غلاظت پر بھی ان کی گذر
اوقات ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر رحمدل ترک انہیں ارادتاً روٹی ٹکڑا گھروں سے
لاکر دیتے ہیں۔ میرے ہوٹل میں جب اوپر سے بچا ناشتہ کر اٹھتا میں ایک دو روٹیاں پکڑ
لاتا تھا اور گلی کے کتوں کو توڑ کر ڈال دیتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہت
لوگ ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ کتے لوگوں کے گھروں کے اندر تو بوجہ گھروں
کے دروازے ہمیشہ بند رہنے کے کبھی گھس ہی نہیں سکتے۔ ایک روز میں
ایک قبرستان ۲ سنگ مزار پڑھ رہا تھا تو وہاں دو شخصوں کے قبروں پر
ان کا عہدہ سگباشی پڑھکر مجھے حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا
کہ ینی چری فوج کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں سگ باں کا عہدہ بھی ہوتا تھا جو شہر
کے کتوں کو کھانا دینے کا ایک صیغہ تھا۔ مگر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ سلسلہ
بند ہوگیا۔ کتوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ سلطان عبدالعزیز نے
کتوں سے تنگ آکر اور انہیں جہاز میں بھر کر ایک غیر آباد جزیرے میں بھیجدیا
تھا۔ اسپر کسی شخص نے کتے کے زبانی ایک موثر اپیل کسی اخبار میں چھپوائی

اسے پڑھ کر سلطان نے پھر کتوں کو قسطنطنیہ میں بلا لیا۔ اسی طرح ایک قدیم روایت مشہور ہے کہ ترکوں کے سلطنت کے ابتدا میں ایک شب غنیم نے شہر پناہ کے نیچے سرنگ لگائی کہ جسکا پتہ کتوں نے بھونک بھونک کر لگایا۔ جس پر ترکوں نے غنیم کو بھگا دیا۔ اور کتوں کی زیادہ توجہ سے خدمت کرنے لگے۔ بہر حال کتے قسطنطنیہ کا ایک خاص انسٹی ٹیوشن ہیں جو ترکوں کے رحمدلی کی بنیاد پر قائم ہے۔

وجدان سخن جواب

انگریزی میں ڈائری آف این ہیڈل ورمن ان کانسٹنٹی نوپل ایک بہت اچھی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مصنفہ جو ایک انگریز عورت ہے بڑی عاقلہ اور سمجھدار معلوم ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اسے ترکوں میں کوئی بات پسند نہیں آتی۔ وہ ہمیں جاہل اور نیم وحشی کہتی ہے اور ان کی ہر بات میں نقص نکالتی ہے۔ قسطنطنیہ کے کتوں سے اس نیک صاحبہ نے بڑی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ کہتی ہیں۔ ترکوں کی رحمدلی نہیں ظلم ہے کہ وہ ان بے زبانوں کو ایسی بُری حالت میں رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں مار ڈالیں اور اس عذاب سے انہیں نجات دیں۔ یہ ترکوں کی وحشت کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ یورپ میں کتوں کی آنکھوں میں جو دوستی اور محبت کی چمک ہوتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کے کتوں کی آنکھوں میں نہیں پائی۔ ایک اور انگریز لیڈی جو پروفیسر سیس موصوفہ کی بی بی ہیں وہ اپنے سفرنامہ قسطنطنیہ میں لکھتی ہیں کہ جب تو یہاں کے کتے ذرا بڑے نہیں معلوم ہوتے۔ اور نہ ان سے ایسی زیادہ بدسلوکی ہوتی ہے۔ پھر وہ لکھتی ہیں۔ بیشک قسطنطنیہ کی گلیوں میں کتے ہی بہت ہیں۔ حمال بھی ہیں۔ گلیاں بھی تنگ ہیں مگر یورپ کی گلیوں اور بازاروں کی طرح ان میں شرابی زن و مرد گرتے پڑتے نظر نہیں آتے۔ کہ جہاں شراب کشوں کی ذمہ داری سے

فاحشہ عورتوں کا نام و نشان نہیں

اور نہ کھلے بندوں رنڈیاں پھرتی ہیں۔

واضح رہے کہ اسلامی قانون کی نظر میں نیز سلطنت عثمانیہ میں کوئی فاحشہ عورت تسلیم نہیں کیجاتی۔ گو ایک شامی نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں سترہ ہزار رنڈیاں ہیں۔ شاید ایسا ہو کیونکہ اتنا بڑا غدار شہر ہے۔ جس میں آدھے سے زیادہ آبادی عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی ہے۔ تاہم وہ سر بازار نمائش کے لئے نہیں بیٹھ سکتیں۔ جیسا کہ بعض یورپ میں دستور ہے کہ جہاں پادری صاحبان اتوار کو تعطیل کرانا مذہبًا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ کوئی مسلمان عورت رنڈی نہیں بن سکتی۔ ورنہ اسکی زناکاری ظاہر ہونے پر مرد اور عورت دونوں کو شرعی تعزیر دی جاتی ہے۔ اگر مسلمان مرد کسی عورت

مسلمانوں کو شرعی سزائیں

کے مکان میں پکڑا جائے تو اُسے تین روز تک محبوس کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی رمضان میں کوئی مسلمان بازار میں کھاتا ہوا پکڑا جائے تو اُسے سزا دیجاتی ہے۔ یا مسلمان بدمست بازار میں پایا جائے۔ تو اُسے تعزیر دی جاتی ہے۔ مگر کبھی کوئی مسلمان شاذ و نادر ہی اس حالت میں پایا جاتا ہوگا۔ تمام یورپ کے فوجی سپاہیوں کے لئے شراب کھانے پینے کا ایک ضروری جزو ہے۔ مگر ترک سپاہی اسکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی برکت ہے۔

ترکی حمام و حجام

اگر کسی ترکی چیز نے یورپ بھر میں غیر معمولی عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ تو وہ ترکی حمام اور ترکی تولئے ہیں۔ ٹرکش باتھ اور ٹرکش ٹاول عیش تفریح اور حفظ صحت کے عمدہ لطیف وسائل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی نقل کرنے کی ہر جگہ کوشش کیجاتی ہے۔ قسطنطنیہ میں پہنچکر طبعًا سیاح کو ترکی حمام کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے حمام اور حجام کا پہلا تجربہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ حجام بھی حمام کا ایک جزو سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو حمام کے اندر ہی حجامت کرا لیتے ہیں۔ مگر بعض حجاموں کی دوکانوں پر کرا لیتے ہیں۔ حجام کی دوکان بڑے بڑے شیشوں اور عطر و خوشبو کی شیشیوں

سے خوب سجی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک یا دو الماریاں ترکی تولیوں سے پُر ہوتی ہیں۔ مجھے حجام نے ایک خاص حجامت کی کرسی پر ایک بڑے شیشہ کے سامنے بٹھلا دیا۔ اور خوب طرح تولئے گردن کے گرد لپیٹ دیئے تاکہ ایک کٹا ہوا بال بھی کپڑوں پر نہ پڑے اور پھر قینچی اور مشین کے استرہ سے حجامت کر دی۔ حجامت کے بعد بال بہت احتیاط سے صاف کیے۔ غالباً حجامت کے اس طریقہ میں یورپین رواج بہت کچھ داخل ہوگیا ہے۔ تاہم قسطنطنیہ سے لیکر شام اور مصر تک حجام کی دوکانیں سب جگہ بہت نفیس اور دلکش دیکھی گئی ہیں۔ میں نے حجامت کی اجرت دریافت کی تو اُس نے کہا جو دو گے لے لونگا۔ اور جو نہ دو گے تو بھی پرواہ نہیں۔ اور اصلی غرض سے ہے۔

حمام کی کیفیت حمام کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی دونوں پہلوؤں میں دو کمرے ہیں۔ جنمیں سے ایک میں حمام کا خزانہ اور دفتر ہے اور دوسرے میں چار کاؤچ بڑے بڑے بھاری گدیلوں سے لدے ہوئے ہیں جنپر لوگ بیٹھکر کپڑے اتارتے ہیں۔ اور غسل سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کپڑے پہننے سے پہلے تولیوں کے لحافوں میں لپٹے ہوئے ستاتے ہیں تاکہ پسینہ خشک ہوجائے۔ یہاں ایک لونڈے میں ہر شخص کے کپڑے باندھکر الگ رکھے جاتے ہیں۔ کسی کے جیب میں جو نقدی یا گھڑی وغیرہ ہو اُسے ایک الماری کے خانہ میں جو دروازہ میں پڑی ہے مقفل کرکے چابی مالک کو دیجاتی ہے۔ اور نہا کر فارغ ہوکر وہ خود قفل کھولکر اپنا اسباب نکال لیتا ہے۔ کپڑے اتارنے کے بعد غسل کرنے والے کو لنگی کے کھڑاویں پہنائی جاتی ہیں۔ اور بازو سے پکڑکر ایک شخص اُسے حمام کے بڑے ہال میں لیجاتا ہے۔ یہ بہت بڑا مکان ہے جسکے چاروں طرف بلند گیلریاں ہیں۔ بعض لوگ انہی گیلریوں پر کپڑے اتارتے ہیں۔ اسکے آگے

ایک چھوٹا کمرہ ایک پہلو میں ہے۔ اگر کسی کو حمام میں داخل ہوتے ہی گرمی زیادہ محسوس ہو تو وہ یہاں سستانے کو بیٹھ جائے۔ ورنہ اندر داخل ہو جائے جو ایک بلند گنبد والا مکان ہے۔ اسکا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے۔ بیچ میں ایک مرتفع چبوترہ ہے۔ جس پر دو تولئے بچھا کر اور دو تکیے لگا کر مجھے لٹا دیا گیا۔ ایک اور شخص بھی آکر وہیں لیٹ گیا۔ جسے حمام کا ملازم دیر تک دباتا رہا۔ اس مکان کے پہلوؤں میں چار کمرے ہیں۔ جہاں مرمر کی دیوار میں چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر دو دو ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں۔ ایک میں سے گرم اور دوسری میں سے سرد پانی ان حوضوں میں پڑتا ہے۔ پاس کئی سی طشتریاں پڑی ہیں۔ لیکے جسقدر پانی کوئی چاہے۔ اپنے جسم پر ڈالا کرے۔ پندرہ منٹ یہاں ٹھہرنے کے بعد مجھے ایک خدمتگار ایک پہلو کے کمرہ میں لے گیا اور مجھے کیسہ کرنے لگا۔ اسکے بعد کسی ریشہ دار چیز میں صابن رکھکر خوب ملا کر جھاگ کی تہ چڑھا دی گئی۔ جسے بعد پانی سے دھو دیا۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد مجھے باہر کے کمرہ میں لایا گیا۔ جہاں دو تین تولیوں سے ایک شخص نے میرا بدن پونچھا۔ میں نے خود اپنا بدن پونچھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ حمام کے خدمتگار کا ہی کام ہے۔ تولئے بڑی کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں اور حمام کے داخلے کے کمرہ میں ایک خاص ڈھب سے ہوئے رنگ برنگ تولیوں کے الماریوں کی پڑی ہے۔ ہال میں سے نکلکر میں داخلے کے کمرہ میں ایک کاؤچ پر جا لیٹا۔ جہاں بہت پسینہ آیا۔ ایک شخص نے مجھپر اور دو تین تولئے ڈال دیئے۔ لوگ یہاں دیر تک لیٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ جو مجھ سے پہلے کے لیٹے ہوئے تھے۔ وہ ابھی وہیں پڑے تھے۔ کپڑے پہنے نقدی سنبھالی اور حمام کی اجرت دریافت کی۔ ایک شخص نے شیشہ سامنے رکھدیا مجھے بعد میں سنا کہ کیسہ کی اجرت اڑھائی تین غروش ہے۔ لیکن میں نے ایک مجیدک (پانچ غروش کا سکہ) دیا۔ اس پر انہوں نے اور تقاضا کیا تو پانچ

بتن فروش بخشیئے - یعنے ہندوستان کے تین روپیہ کے برابر - لیکن بعض امرا ایک مجیدی (چہرہ) یا ایک اشرفی بھی دیجاتے ہیں - میرے سامنے ایک ترک ایک مجیدی دے گیا تھا -

ترکوں کے اخلاق و آداب

کوئی اجنبی شخص جو قسطنطنیہ دیکھکر واپس جاتا ہے ضرور ہزار اچھے خیال اپنے ساتھ لے جاتا ہے - یقیناً ترکوں کے حسن اخلاق انکساری خاکساری تہذیب اور مہمان نوازی کا قائل ہوتا ہے - چھوٹے سے بڑے ترک عہدہ دار سے ملا ہوں یہی خیال پیدا ہوا ہے - بیشک ترک حسن خلق کے لحاظ سے دنیا بھر میں واحد ہیں - میں وزرائے سلطنت اور [illegible] کارخانہ توپ سازی یا جہاز سازی کے افسر جو ڈیوٹی پر تھے - یکساں حسن سلوک سے پیش آتے تھے - [illegible] ترک بھی [illegible] شائستگی اور مروت سے پیش آتے ہیں - کیسے ہی [illegible] اور شکستہ ہو گئے ہیں - اگر ان کا شکریہ ادا کیا جاوے تو [illegible] مستغنی اتنا کہتے ہیں گویا کہ وہ ہرگز اس شکریہ کے لائق نہیں - [illegible] ہوتا ہے جو اہل مشرق کی خاص صفت ہے - [illegible] بھی [illegible] اور [illegible] کوئی [illegible] کے خلاف [illegible] کو خوش اور مشکور کرتے ہیں - [illegible] خیال ہے [illegible] ترکوں کو بھی [illegible] ہوگا ان میں تواضع اور خلق [illegible] ہے - [illegible] بھی [illegible] کی دوسری قوموں کی طرح [illegible] ہوسکیں [illegible] تو عام اور [illegible] ملتے ہیں تو ان میں اہل لکھنؤ کی طرح بہت سے موقعوں پر [illegible] ہے - مثلاً ایک شخص [illegible] ہے - مزاج شریف [illegible] شریف تو اچھا ہے - دوسرا کہتا ہے " الحمدللہ [illegible] بہت اچھا ہے لیکن

[illegible] فارسی زبان کی طرح ترکی میں بھی [illegible]
سینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ صبح کا سلام ہے۔ قبول شریف کو خیر لیلین
کی جل شریف خدا کرے بخیریت رہے۔ دعائیہ کلمہ ہے۔ ایک شخص کسی
شفقت کے لئے ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے "چوق ممنون
اولدم"۔ نہایت ممنون ہوا۔ "پک چوق متشکر اولدم" نہایت ہی متشکر ہوا ہوں۔
شخص مقابل کے لئے لازم ہے کہ ازراہ کسر نفسی کہے "استغفر اللہ"۔ ایک شخص
دوسرے کو کہتا ہے کہ تم پہلے سیڑھیوں پر چڑھو۔ وہ ازراہ ادب کہتا ہے "املن
جیئن یہ دہ ہوگا۔ مجھے اس سے امان دیجئے۔ رخصت ہونے یا ملاقات کے وقت
بعض دعائیہ کلمات بھی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً "آللہ امانت اولسون" "اللہ عافیت
ویرسون"۔ ایک مصدر بیورن ہے۔ جس کے معنی فارسی میں فرمودن ہے۔ ترکی
زبان میں اس قدر تعلق اور نزاکت ہے کہ مخاطب ہر کلام کے شروع کرنے کے لئے
بیورن کہا جاتا ہے۔ مثلاً آگے چلئے۔ یا کھانا کھائیے یا آئیے۔ یا جائیے غرض
ہر کام کے لئے ہر وقت "بیورن آفندم"۔ "بیورن آفندم" کہتے رہتے ہیں۔ آفندم ترکی
میں مخاطب کرنے کا عام کلمہ ہے۔ اس کے معنے ہیں میرے صاحب۔ جیسے عرب
کہتے ہیں "یا سیدی!" لیکن ترکی میں درحقیقت سب ہی باتیں کرتے ہوئے ایک
دوسرے کو آفندم کہتے جاتے ہیں۔ ترکی لڑکا۔ باپ۔ استاد یا سب بڑوں کو
بیوی۔ شوہر کو۔ دوست اور ملاقاتی ایک دوسرے کو آفندم کہتا ہے۔ شروع میں
شہزادگان آل عثمان کا خطاب آفندی تھا۔ مگر اب ہر شخص کو بطور انگریزی
لفظ مسٹر یا فرانسیسی موسیو۔ جرمن ہر یا اطالین سینر کے آفندی کہا جاتا ہے
یعنی ہر شخص آفندی کہلانے کا مستحق ہوا۔ تو اب اچھے آدمیوں کو بے آفندی کہا
جاتا ہے اور بادشاؤں کو پاشا آفندی۔ حضرت سی "یعنی حضرت شاہ" عزت ماب
[illegible] دولت عالی شعار" مخاطب کے لئے گفتگو میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں

غرض ترکی زبان میں بہت سے تکلفات اور القاب و آداب کے کلمات موجود ہیں۔ اور ان سے اس زبان کے بولنے والی قوم کی خوش اخلاقی اور آداب شستگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رحمدلی اور خیرات ترک رحمدل اور خدا ترس بھی بہت ہیں۔ اور مفلسوں اور فقیروں کی فیاضی سے مدد کرتے ہیں۔ بلکہ بے زبان جانوروں پر بھی مہربانی کرتے ہیں قسطنطنیہ اور تمام ملک میں لاکھوں کروڑوں روپے کے وقف اوقاف ایسے ہیں کہ جنکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اگر شہر میں سینکڑوں لنگر خانے اور مہمان سرائیں اور تکیے وقف ہیں اور راستوں میں سینکڑوں چشمے اور سبیلیں ہیں۔ جو سب ان کی رحمدلی اور فیاضی کے ثبوت ہیں۔ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ خود کھائیں اور کوئی محتاج پاس بیٹھا دیکھتا رہے۔ ان کے یہاں یہ مثل مشہور ہے "بیزلی اوربز باقر قیامت اوڈنا کا پر" یعنی ایک کھائے اور ایک دیکھے تو قیامت مچی نہ آجائے اسلئے جب کوئی شخص کھانے لگتا ہے۔ تو پاس والے آدمی کو بھی ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ ان کی ایسی عادت کی وجہ سے اگر خود غرض اہل یورپ انہیں دیوالئے کہیں تو بجا ہے۔ غرض عام طور پر قوم کے بچے متوکل ہیں۔ اگر آج کے کھانے کے لائق ان کے پاس ہو تو کل کے لئے کہتے ہیں "بوگون بنی یم یارین اللہ کریم" (آج تو بتا دو کل اللہ کریم ہے۔ یعنی خدا رزاق ہے کچھ دیگا) ترکوں میں تماشے اور بچے کے تکلفات میں بہت خرچ کیا جاتا ہے۔

ترکی سلام ترک اور سب مجلس میں مہمان کی بہت عزت کرتے ہیں ملنے کے وقت انکے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد دایاں ہاتھ بہت نیچے لیجا کر اور جھک کر فرشی سلام کرتے ہیں۔ سلام کرنے میں جھک کر ہاتھ پہلے سینہ اور پھر پیشانی پر رکھتے ہیں۔ جب سب لوگ سلام کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ایک مرتبہ نیم ایستادہ ہو کر پھر دوبارہ ہاتھ

کے اشارہ سے اسی طرح سلام کرتے ہیں۔ جیسا کہ رخصت کے مصافحہ کے وقت کرتے ہیں۔ یہ دوہرا سلام ان کے تجدد تکلف اور اخلاق کا شاہد ہے۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کا طریقہ بہت عام نہیں۔ اور نہ عموماً السلام علیکم زبان سے کہا جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ ترض ہاتھ کے اشارات سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔

ترک بچوں کا سلام

ترکی بچوں کے سلام کرنے کا طریقہ تو مجھے نہایت پیارا معلوم ہوتا تھا۔ جب کوئی چھوٹی لڑکی یا لڑکا تمہیں ملیگا تو وہ یا تو تمہارے پاؤں تک ہاتھ لیجا کر اپنا ہاتھ چوم لیگا۔ گویا کہ اسنے قدمبوسی کی۔ اور یا اپنا دایاں ہاتھ تمہارے طرف بڑھا دیگا۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ تم اپنا ہاتھ لٹکے ہتھیے سے ہاتھ پر رکھدو۔ اور جب تم اسکے ہاتھ پر اپنا الٹا ہاتھ رکھتے ہو۔ تو وہ پہلے اسپر بوسہ دیتا ہے۔ اور پھر اسے پیشانی پر لگاتا ہے۔ گویا دست بوسی کرتا ہے۔ کبھی تمہارے دامن کو بھی بوسہ دیتے ہیں۔

ترک حبشیوں سے نفرت نہیں کرتے

ترک ہر چند کہ نہایت گوری قوم ہے۔ لیکن جس طرح کہ یورپ اور امریکہ کے دوسری عیسائی گوری قومیں کالے یا گندمی رنگ کے آدمیوں کو انسان نہیں سمجھتیں۔ یا کمتر درجہ کا انسان سمجھتی ہیں ترک ایسا نہیں سمجھتے۔ میں نے قسطنطنیہ میں بعض اوقات اس امر کو نوٹس کیا کہ ترک حبشیوں کو بالکل حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ قدیم زمانہ سے ترک سلاطین حرم سرا کا بڑا داروغہ یعنے "قزلر آغاسی" حبشی خواجہ سرا ہی رکھتے ہیں۔ کہ جسکا عہدہ پہلے زمانوں میں صدر اعظم سے بھی بلند سمجھا جاتا تھا۔ مگر خواجہ سراؤں کو رخصت کر دیا جاتا تھا۔ جس سے ان کی نسل آگے نہیں چلتی۔ ابتک بہت لوگوں کے پاس حبشی مرد اور عورتیں خدمتگار ہیں۔ اور ترک انہیں برابر کا انسان سمجھتے ہیں۔ حبشی خواجہ سرا اسوقت حرم سلطانی

کے اور بھی بہت سے اونچے گھرانوں میں ہیں۔ اور کیسی عزت اور آسائش
سے رہتے ہیں۔ بعض ترکوں نے حبشی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں
اور ان سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سوسائٹی اور قانون کی نظر میں
برابر سمجھے جاتے ہیں۔ بازاروں سے جو حبشی خادمہ عورتیں گذرتی ہیں۔
انکا بھی لباس کیسا پردہ دار ہوتا ہے۔ اور سوائے منہ کے جسم کا کوئی حصہ ننگا
نہیں ہوتا یہ پشم کا لباس انہیں کیسا سجتا ہے۔

عرب مصری اور ایرانی

قسطنطنیہ میں ہزارہا عرب شامی اور مصری رہتے ہیں جن میں
سے بہت سے مدرسہ سلطانیہ - مدرسہ حربیہ اور مدرسہ بحریہ
کے شاگرد اور کئی فوجی ملازم بھی ہوتے ہیں۔ بہت سے خواجہ یعنی معلم وغیرہ
بھی ہیں۔ چونکہ یہ مقام ان ممالک کا پایہ تخت ہے کہ جہاں عربی بولی جاتی
ہے۔ اسلئے بکثرت عربی بولنے والے لوگ یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور
ایک عربی دان شخص صرف ان لوگوں سے ملکر کام چلا سکتا ہے۔ بعض قہوہ
خانوں اور لوکنطوں میں اسی لئے عربی دان خادم رکھے جاتے ہیں۔ نوجوان
شامی اور مصری کہ جنکے رنگ بھی گورے ہوتے ہیں کوٹ پتلون میں ترکوں سے
کم نہیں سجتے۔ کالر اور کف بھی خوب ستھرے رکھتے ہیں۔ اور عربی بولتے
ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب یہ عرب فرفر فرنسیسی زبان
بولتے ہیں تو اور بھی عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایرانی بھی بہت سے
بغرض تجارت قسطنطنیہ میں سکونت رکھتے ہیں جو شہر کے ایک علیحدہ حصہ
میں رہتے ہیں۔ مگر ان کی دوکانیں جابجا پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ اپنا قومی
لباس ہمیشہ نہیں چھوڑتے۔ ایام محرم میں خان والدہ میں کہ جو ان کی آبادی
کا مرکز ہے۔ بڑے شور سے عزاداری کرتے ہیں۔ کہ جسے ترک اور خصوصاً
یورپین سیاح جو اس زمانہ میں استنبول میں موجود ہوتے ہیں۔ دیکھنے کے
لئے جمع ہوتے ہیں۔

راستہ میں سگریٹ سلگانا

یہاں بھی پیرس کیطرح راستہ چلتے ناواقفوں کی اشارہ کی سگار سلگا لینے کی رسم جاری ہے۔ اور سلگا چکنے کے بعد اس شخص کو سلام کیا جاتا ہے کہ جسکے سگار سے سگار سلگا لیا گیا ہے خلیق اور مہمان نواز ترک بھلا کس طرح کسی کی درخواست کو مسترد کر سکتا ہے

جیلخانوں میں بیکار قیدی

یہاں کے جیلخانوں میں قیدیوں سے کوئی سرکاری کام نہیں لیا جاتا۔ اور سرکار کیطرف سے قیدیوں کو اتنا ہی کھانا ملتا ہے۔ جتنا کہ فوجی سپاہیوں کو ملتا ہے۔ لیلۃ القدر، مولود النبی، سالگرہ سلطانی یا جشن تخت نشینی سلطان کی تقریب پر لمبی قید والے قیدیوں سے ایسے لوگ رہا بھی کر دئے جاتے ہیں۔ کہ جو اپنی اسیری کی تین چوتھائی مدت گزار چکے ہیں۔

باغ اور بوستان

یہاں نہ صرف شہر کے اطراف میں بلکہ شہر کے بیچ کے محلوں میں بھی باغات ہیں۔ بلکہ بہت سے گھروں کے اندر بھی حسب توفیق چھوٹے بڑے صحن ہیں۔ مگر حوالی شہر میں رومیلی اور اناطولی کے دونوں اطراف میں بہت سے بوستان میوہ دار ہیں۔ اسلئے بقولات اور میوہ جات خصوصاً انگوروں کی اس شہر میں کثرت ہے۔ محلوں کے باغات میں لوگ (زن و مرد) تفریحاً چہل قدمی کرتے ہیں۔ اور محلہ کے سب ساکنین اسے اپنا مشترکہ باغ سمجھتے ہیں۔ علاوہ اسکے قبرستان کے سرو بھی حوالی و اطراف شہر میں اسقدر پھیلے ہوئے ہیں کہ شہر میں ہر طرف سرسبزی کی کثرت نظر آتی ہے۔

مخبری

مشہور ہے کہ قسطنطنیہ میں مخبری کا انتظام بہت بڑھا ہوا ہے لیکن لوگوں کا تو خیال ہے کہ خدا جانے کتنے ہزار آدمی شہر میں اس کام پر متعین ہیں شاید جو فقیر تم سے خیرات مانگ رہا ہے یہی مخبر ہے۔ شاید جو لڑکا تمہارا بوٹ سیاہ کر رہا ہے یہی مخبر ہے۔ شاید جس ہوٹل میں تم کھانا کھا رہے ہو اسکا مالک مخبر ہے۔ جب مجھے شہر میں آئے تین چار روز گزر گئے تو ایک

صاحب جو مجھ سے راستہ میں ملے تھے۔ اور انہیں میرے فرودش ہونیکا مکان معلوم نہیں تھا مجھے ملنے کو آئے۔ اور انہوں نے بتلایا کہ میں نے پولیس سے دریافت کیا تھا۔ کہ تم کہاں ٹھیرے ہو۔ اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا تھا۔ کہ پہلے تم فلاں جگہ ٹھیرے تھے۔ پھر فلاں مکان کو چلے گئے اور وہاں فلاں فلاں شخص تم سے ملنے آئے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ دنیا کی ہر ایک سلطنت میں کم و بیش جاری ہے۔

پہرہ والے چوکیدار

شمالی حصہ غلاطہ کے جو یورپین آبادی ہے۔ قسطنطنیہ میں رات کے وقت بازار بہت سویرے بند ہو جاتے ہیں۔ اور بازاروں میں روشنی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ خصوصاً جو شخص یورپ کی طرف سے آئے اور وہاں ۲-۳ بجے صبح تک بازاروں میں رونق دیکھ کر آئے اُسے کیفیت بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔ عشا کے بعد پہرہ والے چوکیدار بازاروں کے فرش پر ڈنڈے مارتے ہوئے ادھر اُدھر گشت لگاتے جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ ڈنڈا فرش پر مار کر رات کے گھنٹے بتلاتے ہیں۔

مساجد تربے اور قبرستان

کیا یہ بات کم عجیب ہے۔ کہ اس شہر میں معبدوں کو پہلے اصنام کی پرستش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں بعدہ تثلیث اور آخر میں اب توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ یہ حال آیا   ۔ اور کئی ایک بڑی مساجد کا ہے جو عیسائی گرجوں سے کسیقدر ترمیم کے بعد مسجدیں بنائی گئیں۔ لیکن اسکے سوائے بہت سی ایسی مساجد ہیں کہ جو ویسی ہی عظیم الشان

ترک سلاطین کا تعمیر مساجد کا شوق

ہیں مگر سلاطین ترک نے خود تعمیر کی ہیں۔ قسطنطنیہ میں ترک سلاطین کا دستور ہو گیا تھا۔ کہ جو نیا سلطان تخت نشین ہوتا تھا وہ اپنے نام سے ایک اُس سے عظیم اور عجیب تر مسجد تعمیر

کرکے چھوڑنا چاہتا تھا کہ جو اس سے پہلے سلطان نے اسی خیال سے تعمیر کی تھی۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ سلطانوں کو تعمیر کا ایسا چسکا اسقدر پڑ گیا تھا۔ کہ یہ ضرب المثل ہو گئی "A Sultan always lives while he is building."

(یعنے ایک سلطان جبتک تعمیر کرتا رہتا ہے زندہ رہتا ہے)۔ ایسے ہی ایک مصنف ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی عالیشان اور خوبصورت عمارات کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ جنات کی طرح تعمیر کرتے تھے۔ اور مصوروں کی طرح آرائش کرتے تھے"۔ غرض اسطرح قسطنطنیہ میں بہت سی عالیشان مسجدیں جمع ہو گئیں

عظیم الشان مساجد پر ایک نظر

کہ جنکی نظیر روئے زمین پر کسی ملک میں ملنی مشکل ہے بعض مسجدیں تو ایسی عالیشان۔ ایسی خوبصورت اور پر شوکت ہیں کہ ان سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ جامع ینی والدہ۔ جامع سلطان بایزید۔ جامع سلطان احمد۔ جامع سلطان محمد فاتح۔ اور جامع سلطان سلیم وغیرہ ایسی عالیشان مساجد ہیں۔ کہ جن کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا لاہور کی مسجد شاہی یا دہلی کی مسجد شاہی کی طرح صرف ایک ایک گنبد کی سقف کے برابر ان کی پہنائی نہیں۔ اور نہ احمد آباد کی مشہور ستونوں والی مسجد کی طرح ان میں ستونوں کی بھرمار ہے۔ گو یہ تینوں مسجدیں بھی اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہیں لیکن یہاں کی مساجد میں دو یا چار ستون بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً جامع سلطان احمد میں چار ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک گرد میں پھرا تھا۔ جسکا دور ۳۳ قدم تھا۔ جو گز گز بھر چوڑی اور چار چار گز بلند مرمر کی سلوں سے بنا ہوا تھا۔ ان ستونوں کے بیچ میں بڑا گنبد اور گرد نصف گنبد بنے ہیں اور بہت چوڑی جگہ پر محیط ہو جاتے ہیں۔ کہ جن میں ہزارہا آدمی ایک وقت نماز

مقصورہ سلطانی

پڑھ سکتے ہیں۔ اس سقف جگہ کے گرد ایک گردش ہوتی ہے۔ عموماً محراب کی بائیں جانب بقدر ایک منزل کے بلند مکان ہوتا ہے جسکی

جالیاں جالیدار بنائی جاتی ہیں۔ اسمیں سلطان وقت نماز پڑھتا ہے اور اسے مقصورہ سلطانی کہتے ہیں۔ سلطان کو سطح دوسرے نمازیوں کی نظروں سے مستور کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی توجہ منتشر نہ ہو۔ یا سلطان کو یہ بات یاد دلانے کے لئے کہ وہ بھی دیگر بنی نوع انسان کی طرح فانی اور کمزور ہے۔ وہ مقصورہ بھی نماز کے وقت سلطان کے دائیں بائیں کھڑے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ جب سلطان وقت نماز جمعہ کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تو دو بچے اسکے سامنے آکر سلام کرتے اور چلاتے کہ خدا کی نظر میں سلطان اور پست قامت انسان برابر ہیں۔ محراب کی دائیں جانب منبر ایک منزل سے بھی بلند ہوتا ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں۔ ایک اور جگہ وسط کے قریب مرتفع بنائی جاتی ہے۔ جس پر مکبر بیٹھتا ہے۔ اور امام سے تکبیریں سنکر اسے دہراتا ہے۔ جس کی آواز مسجد میں ہر جگہ پہنچتی ہے۔ محراب کے دونوں طرف موم کی بہت موٹی موٹی بتیاں عموماً ایک گز محیط کی رکھی رہتی ہیں۔ لیکن جامع ایا صوفیہ میں تو دو گز کے قریب محیط کی موم بتیاں ہونگی۔ جو محراب کے گرد دو عالیشان سفید ستون معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ جامع ایا صوفیہ تمام مساجد میں زیادہ عالیشان ہے جسکی عظمت اور شوکت اور لاگت دیکھکر کوئی شخص تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا تاہم جب دوسری مساجد میں جائیں۔ تو ان کو ایا صوفیہ سے کم کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں کی پانچ چھ دوسری اول درجہ کی مسجدیں ایک نہ ایک پہلو میں جامع ایا صوفیہ سے فائق ہونگی۔ میں نے یورپ میں گرجوں میں دیکھا ہے کہ بہت قیمتی پتھر اور سونے کی گلکاری اور رنگین شیشوں کے دریچے لگانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر ان کے مقابلہ میں پایہ سلطنت عثمانیہ کی مساجد بھی کسی طرح کم نہیں۔ سلطان احمد کی مسجد کے اندر تمام چینی کا بینظیر کام ہے۔ اور گنبدوں اور محرابوں میں بہت سی خوشخط آیات کلام مجید لکھی ہیں۔ سلطان بایزید کی مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشے لگے ہیں۔ جن میں

مختلف رنگوں سے کلمۂ طیب بنایا گیا ہے۔ اور یہ رنگین شیشے بوجہ قدیم ہونے کے نہایت بیش قیمت چیز شمار ہوتے ہیں۔ جنکو مسجد سلطان احمد کے چینی کے کام کے بھی یورپین ماہر بیش قیمت سمجھتے ہیں۔ جامع سلطان مصطفےٰ جامع شہزادہ باشی اور مسجد ینی جامع میں علاوہ مسجد سلطان سلیم اور سلطان بایزید کے دیواروں پر چینی کا کام ایسا اعلےٰ نصب کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دیوار ایک ہی چینی کے ٹکڑے سے بنی ہوئی ہے۔ اور ان سب مساجد میں بھی محراب کی جانب کھڑکیوں میں رنگین شیشوں میں کلمۂ طیب اور اسمائے حسنےٰ لکھے ہوئے ہیں۔ عموماً قسطنطنیہ کی مساجد کی تعمیر قریب قریب ایک ہی اصول پر مبنی ہے یعنی ایک بڑا وسیع گنبد اور اس کے گرد چار نصف گنبد ہوتے ہیں۔ اور یہ سب سقف علاوہ دیواروں کے چار پیلپایوں پر قائم ہوتا ہے۔ میں نے جامع سلطان سلیمان قانونی کا اندازہ کیا تھا۔ طول و عرض ۲۰۰ ۔ ۲۲ قدم تھا۔ اس جامع کے اندر بھی دو پیلپایوں کے نیچے وضو کے لئے دو جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسے خوشخط جلی۔ نسخ اور نستعلیق خط کے کتبے ان مساجد کی دیواروں اور چھتوں پر چینی اور دوسرے رنگوں میں اور سنہری حروف کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ ایسے پہلے نہیں دیکھے۔ بعض قطعات خوشخط ان مسجدوں میں آویزاں ہیں جو مشہور ہے کہ سلطان سلیم اور سلطان محمود ثانی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ جو بڑے خوشخط گذرے ہیں۔ ہر مسجد میں کئی قرآن پڑے رہتے ہیں اور ایسے ہی سلاطین عثمانیہ کی تربتوں پر جو اس شہر میں کئی ایک ہیں۔ اچھے اچھے قلمی قرآن پڑے ہیں۔ ایا صوفیہ کے صحن میں گو کوئی ستون یا پیلپایہ نہیں۔ (جو ایک درمیانی گنبد اور دو نصف پہلوؤں کے بڑے بڑے گنبدوں سے مسقف ہے)۔ لیکن شمالی جنوبی نصف گنبدوں کو چار چار عالیشان سنگ خارا کے ستونوں نے الگ کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آج دنیا میں ان کے ساتھ کے ستون موجود نہیں۔ سنگ سماق

کے بڑے بڑے ستون یہاں کی کئی مساجد میں موجود ہیں۔ ایا صوفیہ کے بڑے
گنبد سے جو روشنی کے لئے آہنی جھاڑ لٹکا ہوا ہے۔ جس میں گلاس آویزاں
ہیں۔ اسکا قطر دس گیارہ قدم ہے۔ یعنی اس سے آدھی جگہ میں دنیا میں کئی
مسجدیں تعمیر ہوئی ہونگی۔ یہاں دستور ہے۔ کہ جس قدر زمین مسجد کے زیر سقف
ہوتی ہے اتنی پر ہی صحن ہوتا ہے۔ کہ جسکے وسط میں ایک پانی کا حوض یا چشمہ
بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس صحن میں لوگ جوتے سمیت آتے ہیں۔ مگر غالباً اس
ہندوستان کی مساجد میں صحن میں بھی جوتہ لے جانے کا رواج نہیں۔ یہ تمام بڑی
مسجدیں فرش فروش اور عظیم الشان آہنی جھاڑوں سے آراستہ ہیں۔ جامع ایا
عیدین کو سب میں قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ میں صرف جامع مسجد سلیمانیہ
(۲۲۰) شلائی جاتی ہیں۔ علاوہ مساجد کے یہاں اکثر سلاطین عثمانی کے تربے
بھی قابل دید ہیں۔ جو عموماً مساجد کے متصل تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے
بعض بوجہ عمارت کی خوبی کے بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ اور ان کی حفاظت اور نگرانی
بہت احتیاط سے کی جاتی ہے۔

جامع ایا صوفیہ

جامع ایا صوفیہ پہلے ایک رومی گرجا تھا۔ جسکی بنا پہلے
پہل قسطنطین اعظم بانی قسطنطنیہ نے ۳۲۵ء میں چوبی گرجا کی بنیاد ڈالی تھی اسکے
جل جانے کے بعد اسی جگہ پر ۲۳ فروری ۵۳۲ء کو قیصر جسٹینین نے ایک
عظیم الشان سنگین مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جو قریباً دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کروڑ روپیہ
کی صرف سے پانچ سال دس ماہ میں بنکر تیار ہوا۔ دس ہزار معمار اس پر
بڑی سرگرمی سے مصروف رہے۔ تعمیر نے قریبیا کا سپید سنگ مرمر لگایا

ا۔ جامع کے مصداق وہ مساجد ہیں جن میں منارہ حرم سجد کے اسکا باغ بانی مسجد کی قبر
ایک چاہ دیا اوریں موجود۔ اور اسکے متعلق کئی مکانات مثل کتب مدرسہ کتب خانہ مطبخ
اور طالب علموں کے رہنے کے حجرے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔　　　محبوب عالم

کا سبز مرمر۔ لبیا کا نیلا مرمر۔ سنگ سیاہ مرمر۔ باسفورس کا سیاہ دار رنگ
والا سفید مرمر۔ تسلی اور اپیرس کا سنگ مرمر۔ مصر کا سنگ ستارا۔ اور
سماق منگوا کر اسکی تعمیر میں لگایا۔ قدیم یونانی عمارات کا بہت سا مصالح اتھنز
وغیرہ مقامات سے منگوا کر اسمیں استعمال کیا۔ قدیم مذاہب کے بہت سے
معبدوں نے اسکے خاطر اپنا مصالح نذر کر دیا۔ ایفسس اور اسیرس کے ستون
اس میں لگائے گئے۔ ہیلیوپلس اور انیس کے سورج اور چاند کے مندروں
کے مینار اور اسی طرح پیلاس (واقعہ ایتھنز) انیبس (واقعہ ڈیلاس) اور سائیبل
(واقعہ سیزیکس) کے ستون اسکے کام آئے۔ اور منوں جواہرات سے اسکے
قربانگاہ وغیرہ مقامات کو آراستہ کیا گیا۔ جب عمارت ختم ہولی تو قیصر جسٹینین
اس میں داخل ہوا اور کہا: "بڑی شان ہے اس خداوند کی جسنے ایسی عظیم
الشان عمارت کی تکمیل کی مجھے توفیق دی۔ سلیمان میں تجھ پر سبقت لے گیا"۔
ایا صوفیہ قریبا ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔ غلام گردش اور محراب کو چھوڑ
کر جنوبا شمالا (۲۳۵) فیٹ اور شرقا غربا (۲۵۰) فیٹ وسیع ہے۔
بیچ کے گنبد کا قطر (۱۰۷) فیٹ اور چھت کا ارتفاع (۱۸۵) فیٹ ہے۔ باوجود
اس وسعت کے گنبد کا عمق (۴۶) فیٹ سے زیادہ نہیں۔ کل (۱۰۰) ستون
سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ ہر ایک کا قطر تین چار ہاتھ سے کم نہ ہوگا۔ قدیم
زمانہ کا تانبے کا دروازہ ابتک موجود ہے۔ جسپر تصویریں بنی ہیں۔ ہر چند کہ
گنبد کے اندرونی بت مٹا دیئے گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک گنبد کے نیچے
چاروں کونوں پر ملائکہ و فرشتوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں کہ جنکے چھ چھ پر
ہیں۔ اور اگرچہ سفیدی میں سے کہ جو ترکوں نے ان تصویروں پر پھیر دی ہے۔
ابھی تک ان کے دھندلی سی شکلیں نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی چاروں کونوں
پر مسلمانوں نے چار بڑی بڑی ڈھالوں میں خلفائے راشدین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ
کے نام تیس تیس فیٹ بلند سنہری حروف سے خوشخط جلی قلم چاک جی زادہ

لہ اس کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی ڈھالیں لٹکا دی گئی ہیں۔

مصطفیٰ چلبی مشہور خطاط کے لکھے ہوئے آویزاں ہیں۔ اور یہ خلفائے راشدین بلکہ اسم محمد (صلعم) کے نام آویزان کرنے کی رسم یہاں کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس گرجا کو مسجد بنانے میں سوائے اسکے اور کسی بڑی اندرونی تبدیلی کی ضرورت مسلمانوں کو پیش نہیں آئی۔ کہ اسکے سابقہ محراب کے اندر جو بیت المقدس کے رخ پر بنی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی محراب ذرا ترچھی کر کے کعبۃ اللہ کی جانب بنا دی گئی ہے۔ اور اسی لحاظ سے تمام مسجد کا فرش بھی ذرا ترچھا کر کے بچھا ہوا نظر آتا ہے البتہ بیرونی طرف سے سلاطین عثمانی نے وقتاً فوقتاً کچھ تغیرات اسکے دریچوں وغیرہ میں کئے ہیں۔ اور بجائے صلیب کے اسکے اوپر سلطان مراد ثانی نے پچاس ہزار ڈوکٹ کے خرچ سے چاند کا ہلال طلائی لگوایا جو اسقدر بلند ہے۔ کہ کہتے ہیں صاف موسم میں بروصہ سے بھی نظر آ سکتا ہے ✦

امام کا شمشیر برہنہ لیکر خطبہ پڑھنا

محراب کے قریب ایک منبر بنا دیا گیا ہے۔ جس پر کئی سیڑھیاں چڑھکر امام جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھتا ہے۔ صدہا سال سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ امام کے ہاتھ میں اسوقت ایک برہنہ شمشیر ہوتی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ اس مسجد پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا۔ اور ایسے ہی یہاں کے تین چار دیگر مساجد کے امام ہیں جو انہیں حالات میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی ہیں۔ شمشیر بکف ہوکر خطبہ پڑھتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اب کچھ عرصہ سے یہ رواج نہیں رہا۔ امام کے دائیں بائیں دو علم لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ سلطنت عیسائیوں اور یہودیوں دونوں قوموں سے چھینی ہوئی ہے۔ محراب کے قریب ایک مرتفع مکان بنام محفل ہمایوں بنا ہوا ہے کہ جسمیں سلاطین سابقہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہ محفل اور کئی مساجد میں بھی نظر آتی ہے۔ کہ جسے مقصورہ سلطانی بھی کہتے ہیں۔ امام جو لباس پہنکر امامت کراتے ہیں۔ اس سے ان کے مدارج کا پتہ ملتا ہے۔ غرض

سینٹ صوفیا جیسی کہ عیسائیوں کو فخر تھی۔ ویسی ہی آیا صوفیہ ان پانچ صدیوں میں مسلمانوں کو رہی ہے۔

جامع بایزید ترکیہ سلطان بایزید ثانی نے آٹھ سال میں اس عالیشان مسجد کو تعمیر کرایا تھا۔ اسکا حرم عثمانی طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ اور بڑا وسیع ہے۔ سنگ سماق وغیرہ کے ستونوں کے دالان ہیں۔ یہ ستون سب سرتاپا ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ حرم میں سرو اور بلوط کے درخت ہیں کہ جنپر اور نیز مسجد کے گنبدوں اور دوسرے حصوں میں ہزاروں کبوتر رہتے ہیں۔ اسی لئے اسے کبوتروں والی مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک غریب عورت نے سلطان بایزید کو عید میں ایک جوڑا کبوتروں کا نذر کیا تھا۔ سلطان نے مسجد کے نذر کر دیا۔ اسی جوڑے کی اولاد یہ ہزاروں کبوتر ہیں۔ کہ جنکی خوراک مسجد کے فنڈ سے مقرر ہے۔ اور لوگ انہیں قابل تعظیم سمجھکر نہیں مارتے۔ مسجد کے حرم میں ایک بازار لگا رہتا ہے۔ اور خطوط نویس اور تسبیح بیچنے والے بھی بہت ہوتے ہیں۔ مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشے سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ اور اندر سینکڑوں ہزاروں طالب علم استادوں سے سبق پڑھ رہے تھے۔ مسجد کے پچھلی طرف سلطان بایزید کا تربہ ہے۔ جسکے جنگلے پر صنعت کا عمدہ کام ہے۔ تعویذ پوش پر ایک اتنا بڑا عمامہ رکھا ہوا ہے۔ جو طول میں کئی تین تھان ململ کا باندھنے سے بنے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان موصوف کا اصلی عمامہ اسی طرح بندھا ہوا ہے۔ کہ جیسا اس کے عہد میں باندھا جاتا تھا۔ جو قبر پر آویزاں تھا۔ وہ خالص سونے کا بنایا گیا۔

جامع سلطان فاتح و تربہ یہ بڑی عظیم مسجد ہے۔ جو کلیسائے حواریوں کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہے کہ جہاں تیاسو ونگ سماق اور سنگ مرمر کے مقبروں میں مدفون تھے۔ لیکن لاطینیوں نے ۱۲۰۴ء میں ان قبروں کو برباد کر ڈالا۔ خصوصاً اس کا مدرسہ سب سے بڑا ہے۔ جہاں آٹھ ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ مسجد کے بڑے دروازہ پر یہ حدیث نبوی کندہ ہے۔ لتفتحن القسطنطنیہ فلنعم الامیر

امیرھا ولنعم الجیش ذالک الجیش (تم قسطنطنیہ کو فتح کرو گے مبارک ہوگا اسکا امیر اور مبارک ہوگا اسکا لشکر) مسجد کے قریب طلبا کے لئے صدہا حجروں کی قطاریں بنی ہوئی ہیں۔ ایک طرف علما اور مشاہیر کا قبرستان ہے چنانچہ غازی عثمان پاشا کی قبر بھی انہیں میں ابھی تازہ بنی تھی۔ ان میں نئی قبروں کے کتبے بہت خوبصورت ہیں۔ یہاں خاص اجازت سلطانی سے مشاہیر قوم دفن ہوسکتے ہیں۔ مسجد کی ایک طرف بہت کھلی جگہ مسافروں کے اترنے کے لئے پڑی ہے جیسے کہ سلطان فاتح کے عہد میں تھی۔ دوسری طرف خارج کی زینت ہے۔ جسکا جنگلا زرنگار ہے۔ اور اوپر بہت بڑا عمامہ رکھا ہے۔ مسجد کی ایک طرف ایک منڈی ازاں اشیا رکی تھی۔ جہاں عموماً سفید پگڑی والے طلبا نظر آتے تھے۔ یہاں دیکھکر مجھے باور آگیا۔ کہ انگریزی اخبارات جن طلبائے مساجد قسطنطنیہ کو سوفتہ کہکر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بڑے پرجوش اور خوفناک ہیں۔ وہ واقعی ایک بارعب جماعت ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لنگر ایک شفاخانہ ایک مہمان سرائے اور ایک حمام بھی ہے۔ ۱۷۶۶ء کے زلزلہ میں یہ مسجد بالکل برباد ہوگئی تھی۔ مگر سلطان مصطفےٰ ثالث نے اسے ازسرنو تعمیر کرایا۔

جامع مسجد سلطان احمد سلطان احمد اول نے ات میدان کے جنوب مشرق میں ۱۶۰۹ سے ۱۶۱۶ء تک تعمیر کرائی۔ سلطان کو اس کی تکمیل کا اسقدر شوق تھا۔ کہ ہر ہفتہ میں خود آکر ایک دفعہ اسکی تعمیر میں اپنے ہاتھ سے مدد دیتا حرم مسجد میں بہت سے درخت چھ مینار کئی مدرسے لنگر خانے اور مقبرے ہیں۔ جب یہ مسجد تیار ہوئی تو اسوقت صرف بیت اللہ کی مسجد ایسی تھی کہ جسکے چھ مینار تھے۔ سلطان نے جب اپنی مسجد میں چھ مینار بنوائے تو شریف مکہ نے سلطان سے شکایت کی۔ سلطان نے اسے خاموش کرنے کے لئے کعبہ شریف کا ایک ساتواں مینار تعمیر کرادیا۔ یہ مسجد ۲۳۵ فیٹ لمبی اور ۲۱۰ فیٹ چوڑی ہے

یہ مسجد انتہا سے زیادہ باقاعدہ بنائی گئی ہے۔ اس ہر جگہ دوسری جگہ کا جواب
ہے۔ اسلئے ایک یوروپین مبصر فرگوسن اسے اس مسجد کا عیب بتاتا ہے۔
وہ کہتا ہے۔ کہ اگر اس مسجد کو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو چاروں
حصے بعینہٖ ایک دوسرے پر مطابق النعل بالنعل ہوں گے۔ چاروں طرف
کی چیزیں یکساں ہیں۔ وہی ایک بات ہر طرف نظر آتی ہے۔ ہر دیوار کا
طرز عمارت یکساں ہے۔ ساتھ ہی کھڑکیاں ویسی قدر درمیانی فاصلہ مقبلہ
کی طرف جتنی آرائش و زیبائش ہے وہی اور اطراف میں بھی ہے۔ تاہم صحن
فیشن صحن کا ایک عالیشان ایوان جس کی سنگین سقف چار بڑے بڑے سنگین
جیلن اندر سے خالی ستونوں پر واقع ہو۔ دل پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا ہے۔
شاید یوروپین مبصر ایسا سمجھتے ہوں۔ مگر ہماری نظروں میں تو یہ مسجد غیر معمولی طور
پر خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ منبر مسجد جو سنگ مرمر کا ہے۔ مکہ معظمہ کے منبر کی
نقل ہے۔ اس پر سے وہ تاریخی فتویٰ پڑھا گیا تھا۔ جسنے خوفناک فوج
ینگ چری کی ہستی کا پاس کے اٹ میدان میں خاتمہ کرا دیا۔ مسجد احمدیہ کی سالانہ
آمدنی دو لاکھ قرش ہے۔ اور یہ مسجد بھی مثل جامع سلیمانیہ کے بطور قومی بینک
کے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں لوگ لاکھوں روپیہ کی اشیاء بطور امانت
رکھ جاتے ہیں۔ مسجد کے باغ میں سلطان احمد اول۔ عثمان ثانی اور مراد رابع
کے مقبرے ہیں۔ یہ مسجد ایک حد تک سرکاری مسجد کہلا سکتی ہے۔ کیونکہ سلطان
مع خدم و حشم جب جاتے ہیں۔ مولود شریف عیدین اور کاروان حجاج کی روانگی
کے موقعوں پر یہاں تشریف لاتے ہیں۔ مسجد میں روشنی کے لئے جیسے
رہنے کے خوبصورت قمقمے چاروں طرف لٹکتے ہیں۔ جیسے گلاس آویزاں
ہیں۔ اور خوبصورت ہانڈیاں اور شتر مرغ کے انڈے لٹکتے ہیں۔ قطعات
بھی بہت خوشخط ہیں جنمیں سے مجھے بتایا گیا تھا۔ کہ ایک قطعہ سلطان محمود
کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سلاطین عثمانیہ میں کئی سلطان خوش خط گذرے ہیں

جامع سلیمانیہ یہ سلطان سلیمان اعظم کی مسجد ہے جو مشہور ترک معمار سنان نے
آیا صوفیا کے نمونہ پر سنہ ۱۵۵۰ء سے لیکر چھ سال میں تعمیر
کی تھی۔ اور مثل دیگر سلطانی مساجد کے اسکے ساتھ بھی حرم روضہ اور کھلا صحن
موجود ہیں۔ حرم مسجد کے چاروں طرف دالان ہیں جنکے اوپر چھوٹے چھوٹے
گنبد سنگ یشب اور سنگ خارا کے ہیں۔ فرش بھی تمام سنگ مرمر کا
ہے۔ عین وسط میں وضو کے لئے ایک حوض ہے جس پر ایک گنبد ہے۔
حرم کے تینوں جانب دالانوں میں سنگ مرمر کی چوکیاں بنائی گئی ہیں۔ چوتھی
جانب مسجد ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ مسجد کی لمبائی چوڑائی بالترتیب
۲۰۰ اور ۲۲۵ فیٹ ہے۔ اور اندر سے مسقف حصہ یعنی ۲۰۰ قدم لمبا اور اتنا
ہی چوڑا احاطہ ہے۔ اندرونی عمارت چار خوشنما ستونوں پر قائم ہے۔ گنبد
کے بڑے محرابوں کے نیچے جالیدار کھڑکیاں سنگ خارا کے نہایت خوشنما
ستونوں پر بنائی گئی ہیں۔ جو از سرتا پا ایک پتھر کے ہیں۔ جو قاعدہ اور چوٹی سمیت
۳۰ فیٹ بلند ہیں۔ ستونوں کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جو مسجد کے چاروں
طرف ہے۔ بالاخانہ کے شمالی حصہ میں ایک بند احاطے میں بے شمار

قومی امانتی بینک

صندوق چاندی سونے اور بیش قیمت اشیاء سے بھرے ہوئے
امانت رکھے ہیں۔ گویا یہ مقام ایک بڑا قومی امانتی بینک ہے
جہاں ہر قیمتی چیز امانت رکھی جا سکتی ہے۔ سب اشیاء درج رجسٹر کرکے ایک رسید
دیجاتی ہے اور جبتک یہ رسید نہ دکھلائی جائے امانتی چیز مالک کو واپس
نہیں مل سکتی۔ گو اس مسجد کا گنبد بوجہ ایا صوفیہ سے چھوٹا ہونے کے
وجہ مقابلہ نہیں ہو سکتا تاہم بوجہ اپنی موزونیت اور حسن عمارات کے مسجد
کے اعتبار سے بہت فائق ہے۔ اندرون مسجد کے دیواروں اور ستونوں
کو طرح طرح کے سنگ مرمر کے بیلوں سے آراستہ کیا گیا ہے مسجد

مقصورہ (محفل سلطانی) پر سنگ مرمر کا نہایت عمدہ کام ہے۔ اسکی کھڑکیوں کے رنگین شیشوں پر اعلےٰ درجہ کی گلکاری موجود ہے۔ یہ کھڑکیاں مشہور ترک آئینہ ساز سرخوش ابراہیم نے بنائی تھیں۔ گنبد کے اوپر اور مسجد کی دیوار پر بہت سی آیات قرآنی نہایت خوشخط حروف میں کندہ ہیں۔ کہ جنہیں مشہور ترک خوشنما قارا حصار نے لکھا تھا۔ مسجد کی مغرب میں دو مقبرے ہیں ایک سلیمان اول اور اسکی بیوی خرم کا ہے۔ جو روس سے لڑائی میں پکڑی ہوئی آئی تھی اور اسکے سلطان کے مزاج پر اسقدر قابو ہو گیا تھا کہ گویا خود مختار سلطانہ تھی۔ دوسرے میں سلطان سلیمان اول سلیمان ثانی اور احمد ثانی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی عمارت نہایت خوشنما ہے اور سنگ مرمر اور سنگ یشب کے آٹھ ستونوں پر ایک گنبد گلکاری سے آراستہ بنا ہوا ہے۔ سلاطین کی قبروں پر تاج دھرے رکھے ہیں۔ اور بانی مقبرہ کی قبر کے گرد سنگ بیکر کا کٹہرا ہے۔ قبروں پر ایسے ہی حریر کے غلاف ہیں۔ جیسے کہ غلاف مکہ کے ٹکڑے حاجی ہندوستان میں لایا کرتے ہیں۔ اور کئی کئی قرآن ایک ایک قبر پر ہیں۔ دیوار پر چینی کے حروف میں نہایت خوشخط آیت الکرسی کندہ ہے۔ مسجد سلیمانیہ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ قرش ہے جو خصوصاً علمی اور خیراتی کاموں میں صرف کیجاتی ہے۔ حرم مسجد کے گرد تمام خیراتی کاموں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ سلطان سلیمان کے مقبرہ پر ایک دو گز مربع کا حرم بیت اللہ کا چینی کا بہت عمدہ ماڈل رکھا ہوا تھا

مسجد شہزادہ باشی

سلیمان عالیشان نے اپنے بیٹے محمد کے نام پر اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ جو اسکی چہیتی ملکہ سلطانہ خاصکی کے بطن سے تھا اور عین عالم شباب میں مر گیا تھا۔ یہ پہلی مسجد ہے جو مشہور ترکی معمار سنان نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کی تھی۔ اور بوجہ نفاست اور آبداری یہ عمارت شہر بھر میں سب سے زیادہ خوشنما ہے۔ چار ستونوں پر ایک بھاری گنبد بنا

ہے۔ جسکے چاروں طرف چار نصف گنبد ہیں۔ دو پتلے خوشنما مینار ہیں۔ مسجد
کے کتبے بہت نفیس ہیں۔ چینی کا کام اور رنگین شیشے ولایتی ہیں۔ پاس
ہی شہزادہ کا تربہ ایک ہشت پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ شہزادہ کے
کپڑے ایک پہلو کے کمرہ میں رکھے ہیں۔ جو لیلۃ القدر کو مقبرہ پر اوڑھائے
جاتے ہیں۔ مقبرہ کے اندر اعلیٰ درجہ کا چینی کا کام ہے۔ قبر کے اوپر
شہزادہ کا جلی تخت آویزان ہے۔ اور کئی خوشخط قرآن پڑے ہیں۔
جنمیں ایک کا بہت جلی خط ہے کہ تین بالشت لمبے صفحہ پر صرف پانچ
سطور ہیں۔

جامع و تربہ والدہ سلطان عبدالعزیز

یہ مسجد نئی ہے اور بہت بڑی بھی نہیں مگر بہت ستھری
سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مصنعت اور بنا
والدہ سلطان عبدالعزیز نے بنائی تھی۔ صرف ایک گنبد ہے سقف کے
بہت سے خوشنما خط نسخ و ثلث کے کتبوں سے مزین ہے۔ اسکی
آمدنی سے ایک محمودیہ نام مدرسہ چلتا ہے۔ مقابل میں بانیہ کی تربت
بہت اچھی حالت میں ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ وقف بہت کچھ ہے۔
اس تربت میں بہت سے تبرکات ہیں۔ اور گو دیگر سبھی تربوں میں
بیش قیمت تبرکات پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی ایک دیوار میں ایک
سیاہ پتھر نصب ہے۔ جو حضرت فخر کائنات کے ترب مبارک کا بتایا جاتا
ہے۔ ایک موئے مبارک۔ حضرت فاطمہ کا نقاب۔ اویس قرنی کا تاج
حضرت عائشہ صدیقہ کا برقعہ۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی چابیاں بطور تبرک
موجود ہیں جو مجاور سب دیکھنے والوں کو دکھاتے ہیں۔ اور یہاں کے قریب ہی

تربہ سلاطین و تبرکات

اسی بازار میں سلطان سلیم ثالث بن سلطان مصطفےٰ
ثالث سلطان مصطفےٰ خان بن سلطان احمد ثالث کے مقبرے ہیں۔ قبروں
پر ویسی ہی بڑے بڑے عمامے رکھے ہیں۔ آنحضرت کا ایک موئے مبارک

یہیں اس تربت میں محفوظ ہے مقبرہ کی جنگلہ پر نہایت خوشخط کل نفس ذائقۃ الموت۔ ثم الینا ترجعون۔ فاعتبروا یا اولی الابصار وغیرہ کلمات کندہ ہیں۔ حجروں کے کونوں پر بھاری شمعدان چاندی کے پڑے ہیں۔ اور رحلوں پر قرآن مجید ہیں۔ قریب ہی جامع لالی ہے۔ جسے سلطان مصطفےٰ

جامع لالی

ثالث نے ۱۱۷۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک بلند سطح پر واقع ہے۔ جہاں سے بحیرہ مارمورا اور یدی قلعہ کا بہت عمدہ منظر نظر آتا ہے۔ اندرون مسجد میں پانچ مینار سپید مرمر کے ہیں۔ جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ قیصر وبل کے کھنڈرات اور قصر تھیوڈوسیس (واقع مارس) سے لائے گئے تھے۔ مسجد کے نام کی یہ وجہ مشہور ہے کہ ایک فقیر اپنے سر میں ہمیشہ گل لالہ رکھا کرتا تھا۔ اور اس لئے لالی یعنے لالہ والا مشہور تھا۔ اسنے سلطان سے درخواست کی کہ یہ مسجد میرے نام پر مشہور کیجائے۔ اس عالیشان عمارت میں رنگین شیشوں کے کئی دریچے ہیں۔ اور محراب کیطرف کلمہ طیب اللہ جل جلالہٗ۔ محمد رسول اللہ کے نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں۔

مساجد میں گھڑیاں

یہاں سب مساجد میں ایک یا ایک سے زیادہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ جنمیں سے بعض صحیح وقت دینے میں شہر بھر میں مشہور ہیں۔

مسجدوں کی صفائی

خدام مسجدوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کیا مجال کہیں ایک تنکا یا گرد و غبار پڑا ہے۔ جاروب کش یہاں مسجد میں اسی طرح کھڑے ہو کر لمبا جھاڑو دیتے ہیں۔ جیسے یورپ میں دستور ہے۔ ہندوستان کی طرح جھک کر چھوٹا جھاڑو استعمال نہیں کرتے۔ جمعہ اور دوسرے مبارک ایام پر مساجد میں عمدہ قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے جو دیگر اوقات میں لپیٹ کر رکھے رہتے ہیں۔ اور روشنی سے مساجد کو دلہنوں کی طرح سجایا جاتا ہے۔

سلطان محمود و عبدالعزیز کے تربے

تربوں کے سر کی طرف ان سلاطین کے

زمانوں کے مختلف فیشنوں کی ترکی ٹوپیاں رکھی ہیں۔ سلطان عزیز کی ٹوپی بہت بڑی اور اونچی ہے۔ سلطان محمود جس طرح اپنی ٹوپی پر جواہرات کا ستارہ لگایا کرتے تھے۔ ویسا ہی لگا ہوا ہے۔ نہایت قیمتی مجرپوشوں پر کلمہ طیب اور آیات قرآنی کاڑھی ہوئی ہیں۔ پاس چند بڑی بڑی رحلوں پر اعلیٰ درجہ کے خوشخط قرآن پڑے ہیں۔ رحلوں پر صدف کا کام اسے چاندی کے خوشنما پترے لگے ہیں۔ اور بٹروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔ ان میں سے ایک کلام اللہ یاقوت نامی۔ غلام خلیفہ مستعصم باللہ مشہور خطاط کا لکھا ہوا ہے۔ کہ جس نے اپنی عمر میں ایک ہزار کلام اللہ لکھ دیئے تھے۔ اور ایک خلیفہ ہارون الرشید کے ایک غلام کا لکھا ہوا نہایت مطلا و مذہب ہے۔ اس مرقد میں ایک عظیم الشان جھاڑ آویزاں ہے جو ملکہ معظمہ انگلستان نے سلطان عبد العزیز کو بوقت سیاحت انگلستان تحفۃً دیا تھا۔ دو موئے مبارک صندوقوں میں محفوظ ہیں۔ جنہیں سے ایک سلطان محمود اور ایک سلطان عزیز کے قبضہ میں تھا۔ ایک قدم مبارک بھی ہے۔ قسطنطنیہ میں جس قدر موئے مبارک اور دیگر زیارات سلاطین بیگیا سعا وامرائے ترکی نے جمع کئے ہیں۔ ہرچند کہ انہوں نے ان کے حصول پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہوں گے۔ اور ان کی اصلیت کی نسبت بہت تحقیقات کی ہوگی۔ تاہم بوجہ اپنی کثرت کے کسی شخص کو شک پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

زیارات اور آثار متبرکہ کی کثرت

یعقوب خان سفیر کاشغر نے ایک طغرا وقف سلطان عبد العزیز کے نذر کیا تھا۔ جو یہاں آویزاں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روس کے ترکستان پر قابض ہونے سے پہلے ترکی سے اس ملک کے کیسے تعلقات تھے ؎

عبد العزیز خان کہ بچوگان عقل و رائے — گوئے شہنشہی ز شہان جہان ربود
شاہا ہمیں بس است کہ در ملک کاشغر — خطبہ بنام او سکہ بسیم و زر بسود

ایا صوفیا جامع مسجد

پیچھے زیر زمین مسجد۔ سلاطین کے ثنا رجب یہ عجیب اور وسیع زیر زمین

مسجد دیکھی - جو محرابوں کے ایک سلسلہ پر زمین دوز بنی ہوئی ہے - اور اوپر عام مکانات سکنی بنے ہوئے ہیں - صرف ایک کمرے میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا - اسلئے اندر تاریکی چھائی ہوئی تھی - یہ چراغ شب و روز ہمیشہ جلتا رہتا تھا - معلوم ہوا کہ اسکے اندر جو قبریں ہیں ان میں سے بعض صحابہ رسول اللہ کے ہیں - جو محاصرہ قسطنطنیہ کے وقت اسی مقام پر شہید ہوئے تھے - اس مسجد کے اندر بھی بہت سے لوٹے اور ایک منجنیق دفع کرنے والا کالک آویزاں ہیں -

سلطان ایوب انصاری

حضرت خالد ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جلیل القدر صحابی تھے - یہ آپ کا مزار پر انوار ہے - جو خلیج قسطنطنیہ کے سرے پر واقع ہے - ۵۲ھ ہجری میں امیر معاویہ نے جو لشکر رومیوں پر جہاد کرنے کے لئے روانہ کیا تھا - آپ اسمیں شریک تھے - اور دوران محاصرہ قسطنطنیہ میں بیمار ہو کر آپکا انتقال ہو گیا - اور یہیں دفن کئے گئے - جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو ایک ولی کامل کی نشاندہی سے آپ کی قبر کا پتہ چلا - چنانچہ یہ عالیشان عمارت تعمیر کرادی جو حضرت کا مقبرہ ہے - اسی مقبرہ کی وجہ سے قسطنطنیہ کے اس حصہ کا نام بھی سلطان ایوب مشہور ہے - ہزارہا زائرین کا ہر وقت یہاں مجمع رہتا ہے - مقبرہ کے اندر مُطلّا اور خوشخط قرآن مجید خوبصورت رحلوں پر ہر طرف رکھے ہوئے ہیں - اور آیات قرآنی و ادعیہ ماثورہ کے جلی خوشخط قطعات دیواروں پر آویزاں ہیں - مقبرہ کے بیرونی جانب بھی بہت سا چینی کا کام نہایت عمدہ نصب ہے - اور کئی کتبے کندہ ہیں - سامنے دو بہت بڑے درخت ایک بلند چبوترہ پر ہیں - کہ جنکا گھیر بیس بیس گز سے کم نہ ہوگا - مشہور ہے کہ اسی مقام پر آپ کو شہادت نصیب ہوئی تھی - صحن کے سامنے ایک عالیشان گنبد والی مسجد ہے - مسجد اور مقبرہ کے ایک پہلو میں ایک بہت بڑا صحن ہے - جسمیں وضو کرنے کا گول مسقف حوض ہے - اس جگہ

اور ان درختوں پر ہزاروں کبوتر بیٹھے ہیں جن کی خورش غلہ لئے موجود رہتا ہے اور زائرین انکے پیسے دیتے ہیں۔ تو وہ ان کا غلہ کبوتروں کو ڈال دیتا ہے اسی مسجد میں جو مقبرہ کے پاس ہے۔ سلطان محمد فاتح کے زمانہ سے لیکر اب تک سلاطین عثمانیہ کی کمر میں سلطان عثمان خان کی تلوار باندھی جاتی ہے۔ اور اسی طرح ان کی رسم تاجپوشی ادا ہوتی ہے۔ علاوہ انکے سترہ دیگر صحابہ رسول اللہ استنبول کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کی تربے بھی جابجا موجود ہیں۔ اور شہر ہر طرف زیارت گاہوں سے لبریز ہے۔

مزارستان یا قبرستان

یہاں کے قبرستان بھی اپنی وضع اور طرز کے لحاظ سے نرالے ہیں قسطنطنیہ میں عیسائیوں سے قطع نظر مسلمانوں کے بہت سے قبرستان ہیں۔ ترکوں کے قبرستان کی بڑی علامت سرو کا درخت ہے۔ قبر کا سفید سنگ مرمر کا تعویذ اور بالین کی طرف سنگ مرمر کا عمامہ یا سرخ ٹوپی تراش کر نصب کئے جاتے ہیں۔ جو علامت اس بات کی ہے کہ قبر کے اندر کوئی مرد دفن ہے۔ جو عمامہ یا ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ لیکن عورت کی قبر پر پاؤں کی طرف ایک پتھر پر کسی قسم کا زیور یا ایک درخت کی ٹہنی کھود کر نصب کر دیتے ہیں۔ اگر مرد صاحب اولاد بھی تو ٹہنی کے پھولوں اور پتوں کی تعداد سے اسکا پتہ مل جاتا ہے قدیم زمانہ کی قبروں کے عماموں کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ متوفی کا سوشل درجہ کیا تھا۔ اگر عمامہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہو تو اس سے مطلب ہوتا ہے کہ مدفون سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔ اور یہ طریقے قدیم سے چلے آتے ہیں۔ غریبوں کی قبر پر فقط ایک سرو کا درخت یا پاؤں کی طرف ایک ان گھڑا پتھر نصب ہوتا ہے۔ اوسط طبقہ کے لوگ قبر پر ایک چوڑا تعویذ بنوا لیتے ہیں

اور سر کی طرف تراشیدہ پتھر لگے ہیں۔ امرا کی قبریں تمام پتھر کے اور بعض اوقات انپر گنبد مع بیت سے نقش ونگار ہوتے ہیں۔ کسی کسی کتبوں کے اخیر میں یہ درخواست ہوتی ہے۔ کہ مردون کی روح کو فاتحہ پڑھکر بخشتے جاؤ۔ ان سنسان قبرستانوں میں بہت سے چھنڈ فاختاؤں کے رہتے ہیں۔ جو چند وجوہات کی حکومت میں شریک ہیں سرو صنوبر کی خوشبو سے خیال کیا جاتا ہے کہ وبائی مادوں کا اثر یہاں نہیں آتا۔ اُن کے پتھروں پر علاوہ نام ولدیت عمر وتاریخ وفات کی کوئی آیت قرآنی بھی لکھی ہوتی ہے۔ عورت کی صورت میں اسکے شوہر کا نام بھی درج ہوتا ہے۔ اور پتھروں کے حروف بجائے کھُدے ہوئے کے اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

بیوک مزارستان چونکہ مسلمانوں کی قبروں کے نیچے ہمیشہ جگہ تنگ رہتی ہے پھر بھی اپنا قبرستان کھودنا پسند نہیں کرتے اسلئے قسطنطنیہ کے گرد قبرستان میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ استنبول کا بیوک مزارستان یعنے بڑا قبرستان سلطان ایوب سے بیری تک چلا گیا ہے۔ لیکن سقوطری کا بڑا قبرستان ایکدرخت لمبے سرو کا تین مربع میل کا جنگل ہے۔ استانبول کے بہت سے نیک ترک اس بڑے قبرستان میں دفن ہونا پسند کرتے ہیں کیونکہ جسمیں اُن کے خیال میں لاکھوں نہایت نیک بخت مسلمان مدفون ہیں۔ اور نیز یہ ایشیا براعظم پر واقع ہے۔ کہ جسپر مکہ اور مدینہ ہیں۔

مقامات قابل دید وقابل سیر

تفریح گاہیں قسطنطنیہ میں دوقسم کے مقامات قابل دید ہیں ایک تو وہ قدیم عالیشان عمارات اور بوسیدہ کھنڈرات ہیں کہ جو بلحاظ تاریخی حیثیت کے سیاح کے لئے بیحد دلچسپی رکھتے ہیں۔ جیسے کہ عالیشان مساجد مدینہ کی

آتش میدان یا سرائے ہمایون وغیرہ اور دوسری دو نزہت گاہیں ہیں جو
اپنی خوب صورتی کے باسفورس کے کناروں یا متصل جزیروں میں بے مثال
عالم ہیں۔ اور یہاں کو تعطیل کے روز قسطنطنیہ کے ہزاروں لاکھوں زن و
مرد تفریح اور تفنن کے لئے جاتے اور سیر (افزا منظر اور جان بخش آب و ہوا کا
لطف حاصل کرتے اور کھا پی کر رات گذار دیتے ہیں۔ یہاں خوشنما چشمے جاری
ہیں ساتھ خوبصورت سبزہ زار اور لالہ زار سایہ دار درختوں کے ساتھ ملکر جنت
کا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ ان میں سے مشہور کاغذ خانہ۔ جا طبیہ سنتار۔ باغچہ سی
چیرچی ولی آفندی جایر لری۔ گوک صو۔ کوچک صو۔ کستانہ صوئی۔ قندیلی
صوئی اور چیر صوئی ہیں۔ اور علاوہ بغاز کے بار مدار بیوک آدہ (کہ جسکے
سیر کی کیفیت اپنے موقع پر درج ہے) حکبہ لی (جہاں بحری کالج ہے) اور
قینالی وغیرہ جزائر ہیں۔

حوالی شہر یوں تو استنبول کے تمام منظر ہی نہایت دلکش ہیں لیکن بغاز کے دونوں
جانب یورپ اور ایشیا کے ساحلوں پر نفس شہر سے لیکر سیلوں تک کنارے
پر خوبصورت بالیٹوں دلربا کوشکوں اور خوشنما موضعوں کی قطاریں چلی گئی ہیں
جو باسفورس کے نیلگوں پانی کے مقابلہ میں نہایت دلاویز معلوم ہوتی ہیں۔ یہ
موضعات مضافات شہر میں شامل ہیں اور یہاں تک جانے آنے والوں کیلئے
دونوں طرف سٹیمر صبح سے شام تک چلتے رہتے ہیں۔ روم ایلی یعنی یورپین
ساحل پر یہ مشہور قریے ہیں۔ اورتہ کوئی۔ ارناؤد کوئی۔ بیبک۔ روملی حصار
امیرگان۔ استینیہ کوئی۔ طرابیہ۔ بیوک درہ۔ صاری یر۔ اور روم ایلی قواقی
اور اناطولی یعنے ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ قوزغونجق۔ بلربکی۔ چنگل کوئی۔
وانی کوئی۔ قندیلی۔ اناطولی حصاری۔ قانلیجہ۔ چبوقلی۔ انجیر کوئی۔ بیکوز
اور اناطولی قواقی۔ مسافر ان میں سے چند ایک قریوں کا دیکھ لینا دلچسپی سے
خالی نہیں ہوتا۔

سرائے ہمایوں

اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے مساجد عظیم الشان کا ذکر ہو چکا ہے جو قسطنطنیہ کی ناک ہیں۔ اور انہیں ہر مسلم اور غیر مسلم سیاح بڑے شوق اور استعجاب سے دیکھتا ہے۔ اسکے بعد سرائے ہمایوں قابل دید ہے۔ جو قدیم رومی اور یونانی سلاطین اور اسکے بعد ترک سلاطین کے محلات شاہی رہے ہیں مگر اب اسمیں قصر ہمایوں، خزینہ ہمایوں (کہ جسکے عجائبات الف لیلہ کی کہانیوں کے ہم پلہ ہیں) ضرب خانہ اور عجائب خانہ وغیرہ ہیں۔ اسکے بعض حصے کہ جنمیں عجائب خانہ وغیرہ ہیں سب لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن خزینہ سلطانی کے دیکھنے کے لئے خاص سلطانی ارادہ صادر ہوتا ہے۔ اسلئے سب لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے یہاں بہت قدیم درخت اور وسیع باغات ہیں۔ اور ایک جگہ ایک پتھر پڑا ہے جو کہ رہنما نے بتلایا کہ قیصر قسطنطین اسپر سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا۔ یہ وسیع محلات قسطنطنیہ کی حیرت انگیز تاریخ کا خلاصہ ہیں۔ ان کے تاریک تہ خانوں میں بہت سے بدنصیب شہزادے شہزادیاں اور وزراء جانیں دے چکے ہیں اور کئی سلطان زبردست اور چیرہ دست ینی چری لیڈروں کے غصہ کا شکار ہو چکے ہیں۔ مگر بعد کے ترک سلاطین نے اپنے لئے مختلف مقامات پر عالیشان محلات تعمیر کرائے ہیں۔ جیسے دولما باغچہ۔ قصر چراغان۔ قصر یلدیز۔ اور بعض دیگر زبردست کاجوں میں بھی خوبصورت محلات ہیں۔ انمیں قصر یلدیز پر سلطان حال نے بنایا ہے کہ جسکے وسیع باغات رمنے۔ جانور خانے۔ جھیلیں اور مکانات میلوں تک ایک دیوار کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔

آثار عتیقہ

قدیم رومی اور یونانی قیصروں کے زمانہ کی اب بہت کم نشانات شہر میں باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم یورپ کے ہزارہا سیاح اور عالم کہ جنہوں نے رومی یونانی کتابوں میں اس زمانہ کے قسطنطنیہ کی بہت حالات پڑھے ہوئے ہیں گائیڈ اور گائیڈ بکوں کی مدد سے ان آثار قدیمہ کی بڑے شوق سے زیارت کرتے ہیں۔ اور ان کے تلاش میں شہر کے قدیم فصیلوں کو دیکھتے مارے مارے پھرتے ہیں

ان میں سب سے دلچسپ عمارت تو جامع ایاصوفیہ ہے۔ جو پہلے گرجا تھی۔ ساہیہ گو ایاصوفیہ۔ اور بعض دیگر مساجد جو گرجوں سے بدلی گئی ہیں۔ لیکن قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ اسلئے سینکڑوں سالوں میں یہ عمارات بار بار گریں اور اب ان میں سے اکثر میں سوائے چند ستونوں یا دیواروں کی کوئی قدامت باقی نہیں رہی۔ شہر کے اندر دو قدیم تحت الارض پانی جمع رکھنے کے مخزن ہیں جنہیں یریی باتاں اور بن بردرک ہیں۔ ات میدان میں ایک برنجی لاٹ۔ چنبلی طاش نامی لاٹ۔ اور قیز طاش کی علاوہ بعض قدیم فصیلیں ہیں۔ یہ فصیلیں قسطنطین اعظم بانی شہر نے تعمیر کی تھیں۔ مگر بعد کئی مرتبہ گریں اور دوسرے قیصر روم نے تعمیر کیں۔ اب خراب حالت میں باقی ہیں۔ کہ جنہیں خشکی کی طرف سات اور سمندر کی طرف چودہ دروازے ہیں جو اکثر ابتک موجود ہیں۔ اور یدی قلہ وغیرہ بعض اور متفرق آثار بھی ہیں کہ جنکی کسیقدر کیفیت یہاں درج کرنا بے موقع ہوگا۔

ات میدان یا ہپوڈروم

ات ترکی میں گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اور ہپوس بھی یونانی میں گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اور ڈروم دوڑنے کو۔ چونکہ اس میدان میں قدیم رومی و یونانی سلاطین گھوڑوں اور رتھوں کی دوڑیں کرایا کرتے تھے اسلئے اسکا یہ نام ہوا۔ اس میدان کی تاریخ بہت حیرت انگیز اور طویل ہے۔ قیصر قسطنطین سے بھی پہلے اس میدان اور اسکی متعلقہ عالیشان عمارات کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ جنمیں سے اب ایک بھی موجود نہیں۔ اور انکی بجائے مسجد سلطان احمد نے جنوب مشرق میں اور مدرسہ حربیہ نے جنوب مغرب میں بہت سی جگہ دبالی ہے۔ اور جن دنوں میں قسطنطنیہ میں تھا۔ اس میدان کے مشرقی سرے پر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا چشمہ تعمیر ہو رہا تھا۔ ہپوڈروم صرف گھوڑ دوڑ کا میدان ہی نہ تھا بلکہ یہاں ہر قسم کی پبلک کی دلچسپی کے کام ہوتے تھے۔ یہاں نئے بادشاہوں کی تاجپوشی کی منادی ہوتی تھی۔ فتحمند جرنیل فتح کے جشن مناتے تھے۔ مجرموں کو پھانسی دیجاتی تھی۔ اور بد اعتقادوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ وحشی جانوروں کی نمائش

اور یہاں دنگل کے تماشے ہوتے تھے۔ کہ جنہیں خود قیصر معہ اپنے درباریوں کے
اور امراء کی بیگمات معہ اپنی سہیلیوں کے بالاخانوں میں بیٹھکر دیکھا کرتے تھے
گویا ہپوڈروم کا مرکز ایک محور تھا۔ جسکے گرد پرستاریں دنیا گھومتی تھی۔ یہیں ۵۳۲ء
میں مشہور لڑائی قیصر جسٹینین اعظم اور سرکس کی باغی جماعتوں میں ہوئی تھی۔ کہ
جسکی وجہ سے جسٹینین کو تخت چھوڑنا پڑا۔ اور تیس ہزار اہل شہر کی خون کی ندیاں
بہ گئیں۔ گھوڑ دوڑوں کی رقابت کی وجہ سے یہاں دو فریق بن گئے تھے جنہیں
کئی مرتبہ تلوار چل جاتی تھی۔ غرض بارہا یہاں کے تماشائیوں نے کشت و خون
کے معرکے دیکھے۔ لیکن آخری خونریز معرکہ وہ تھا۔ جبکہ سلطان محمود ثانی نے
اسی اَت میدان میں ینی چری فوج کی سخت بغاوت کو ۱۸۲۶ء میں ایسی طرح
زیر کیا کہ اس زبردست فوج کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ غرض قسطنطنیہ کی قدیم تاریخ
اس میدان کے حالات سے لبریز ہے۔ اس تاریخی میدان میں کئی نہایت بیش قیمت
تاریخی یادگاریں تھیں۔ مگر اب اکثر ان میں سے تلف ہوگئیں

ستون اژدر و مسلّہ

اب صرف دو قدیم ستون اس میدان میں استادہ ہیں۔ ان میں سے
ایک کا نام سرپنٹ کا مینار یعنی ستون اژدر ہے۔ جو بیس فیٹ بلند ہے
یہ برنجی ستون جسکا نصف حصہ زمین میں گڑا ہوا ہے۔ جو تین سانپوں کے آپس میں لپٹنے
سے بن گیا ہے۔ جو مشہور ہے کہ ڈلفی کے معبد سے لایا گیا تھا۔ جب سلطان
محمد ثانی فتح قسطنطنیہ کے بعد ایا صوفیہ سے نکلکر یہاں آیا تو اُسنے سمجھا کہ یہ بھی کسی
کوئی طلسم ہے۔ اور اسنے اپنی بھاری جنگی تبر سے انکا سر اڑا دیا۔ دوسری ایک
پتھر کی لاٹ ہے۔ جو تھیوڈوسیس اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مصر کے سنگ
خارا سے تراشی گئی ہے۔ جہاں تھاتمس ثالث نے ہیلیوپلس کے مندر پر
اسے چڑھایا تھا۔ اور قیصر تھیوڈوسیس نے اسے وہاں سے لاکر اس میدان میں
نصب کیا۔ اس پر ہپوڈروم کے مختلف نقشے کندہ ہیں جو اسکی تاریخ پر
بہت روشنی ڈالتے ہیں۔ تیسرا چنبرلی جاش یعنے حلقہ دار پتھر کا ستون قریب کا

طاؤق ونج) بازار میں استادہ ہے - جسے قسطنطین اعظم روما سے اٹھا لایا تھا جو
اسپالو دیوتا کا جستی بت تھا - آتشزدگی سے یہ ستون جل گیا تھا - اسلئے اسے
ستون محروق بھی کہتے ہیں - ۱۸۰۰ء سے اسپر جستی حلقے چڑھے ہوئے ہیں -

بن بردرک یعنے ایک ہزار و ایک ستون کا حوض - یہ بھی ات میدان کے قریب
ہی ہے - قسطنطین کے عہد میں یہ زیر زمین حوض شہر کے لئے پانی کا مخزن تھا
مگر اب بالکل خشک پڑا ہے اور اسمیں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے - پہلے اس میں
ایک ریشم کا کارخانہ بھی جاری رہا ہے - شاید پہلے اسمیں ایک ہزار ایک ستون
ہوں مگر اب تو ۲۱۲ ستونوں کے تین قطاروں یعنے ۴۲۴ سنگین ستونوں سے
مرکب ہے جو ۱۶ قطاروں میں استادہ ہیں - واقعی یہ وسیع حوض عجائبات میں
شمار ہونے کے لائق ہے

یدی قلہ یا ہفت برج یہ ایک قدیم اور شکستہ قلعہ ہے جو سلطان محمد ثانی نے ایک اور قلعہ
کی بجائے ۱۴۵۸ء میں تعمیر کیا تھا - اور چونکہ اسمیں سات برج تھے
مگر اب صرف چار باقی ہیں اسلئے اس نام سے مشہور ہو گیا - یہ قسطنطنیہ کے جنوب
مغربی کناروں کے اس مقام پر واقع ہے جہاں شہر کی فصیلیں بحر مارمورا سے جا ملتی
ہیں - مثل لنڈن کے ٹاور اور پیرس کے بسٹیل کے پہلے پہل یہ قلعہ شاہی جیلخانہ
کے طور پر کام آتا تھا - جب سلاطین آل عثمان کا ستارہ اوج اقبال پر تھا -
تمام دول یورپ ان سے کانپتی تھیں - اسوقت جب کبھی کوئی سلطان کسی
یورپین سلطنت سے ناراض ہوتا اور اسے لڑائی کا اعلان دیتا تو اس سلطنت
کے سفیر کو اس قلعہ میں قید کر دیا جاتا تھا - آخری سفیر جو اس طرح قید ہوا وہ فرانسیسی
سفیر تھا جو ۱۷۹۸ء میں قید کیا گیا تھا - ایک مینار پر چند عبارات کندہ ہیں
جنمیں اہل وینس وغیرہ اشخاص کی قید کا ذکر ہے جو ۱۶۷۰ء اور ۱۶۸۰ء کے
مابین قید ہوئے تھے - غرض ترکوں کا ایک وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جس سلطنت
کے سفیر کو چاہتے تھے یدی قلہ میں قید کر دیتے یا مار ڈالتے تھے - اور ایک ایسا

زمانہ گذرتا ہے۔ اگر کسی سلطنت کی رعایا میں سے کسی شخص کا مطالبہ ارباب عالی ادا نہ کرے تو فوراً اس سلطنت کا جنگی بیڑہ ترکوں کے دھمکانے کے لئے آن موجود ہوتا ہے۔ یدی قلہ میں ایک زمانہ میں خود ترک سلاطین بھی قید اور مقتول ہوئے۔ جبکہ ینی چری فوج کا عروج تھا تو اسکے سرغنہ جیوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر بعض بدنصیب سلاطین عثمانیہ کو تخت سے اتار کر اسی قید خانہ میں قید کرتے یا مار ڈالتے تھے۔ علاوہ سلاطین کے کئی صدرائے عظام اور ان سے کم درجہ کے ارکان دولت کے سر تن سے جدا کر کے اس قلعہ کے مورچوں سے لٹکائے گئے۔ ایک چھوٹا سا احاطہ یہاں "سروں کا مکان" کہلاتا ہے کہ جسمیں مجرموں کو قتل کر کے ان کے سروں کے انبار لگائے جاتے تھے۔ اور ایک "خون کا کنواں" تھا۔ کہ جسمیں مقتولین کے سر ڈالے جاتے تھے۔ مگر اب وہ پاٹ دیا گیا ہے۔ آجکل یدی قلہ بالکل ویران اور منہدم ہو رہا ہے۔ میں ان برجوں میں سے ایک پر ایک ترک فوجی افسر کے ہمراہ چڑھا تھا۔ ڈیڑھ سو سیڑھیوں سے زیادہ ہونگی۔ چار پانچ منزل بلند مکان بڑے بڑے پتھروں کا معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب منزلوں کی چھتیں اس برج کے گر چکی تھیں اسلئے اوپر سے ایک بہت گہرا کنواں سا نظر آتا تھا۔ چاروں طرف سارے بلند مینار شکستہ اور خراب پڑے ہیں۔ بیچ میں میدان میں کھیتی کیجاتی ہے اور ایک ویران مسجد بھی قلعہ کی حالت پر آنسو بہا رہی ہے۔

عجائب خانے قسطنطنیہ میں صرف دو عجائب خانے ہیں جنمیں سے ایک عجائب خانہ آثار قدیمہ ہے کہ جسے "موزہ ہمایونی" یعنے "امپیریل میوزیم" کہتے ہیں۔ اور دوسرا ینی چری فوج کے لباس کا عجائب خانہ ات میدان میں ہے۔ موزہ ہمایونی سرائے ہمایوں کے اندر کچھ حصہ ایک مشہور قدیم خوبصورت عمارت چینلی کوشک یعنی چینی کی بارہ دری میں ہے اور کچھ حصہ ایک نئے دو منزلہ عالیشان مکان میں جو عجائب گاہ کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ رکھا گیا ہے

پانچ قرش فیس داخلہ ہے۔ اسے پانچ قرش کو ایک ترکی زبان کی فہرست عجائب خانہ ملتی ہے۔ جس میں آثار قدیمہ کی مفصل کیفیت درج ہے۔ کہ جو ملک عثمانیہ کے مختلف مقامات سے کھود کر یہاں جمع کئے گئے ہیں۔

آثار عتیقہ

پہلے پہل سنہ ۱۸۴۶ء میں باب عالی نے آثار عتیقہ کے عجائب خانہ کی طرف توجہ کی اور یہ اشیا سینٹ آئیرینی کے کلیسا میں جمع کی گئیں۔ جو ۱۸۷۶ء میں موجودہ مقام کو منتقل کی گئیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید خان ثانی کے عہد میں ادھر غیر معمولی توجہ کی گئی اور سلطنت کے مختلف مقامات میں جہاں قدیم خرابوں کے آثار تھے۔ وہاں کے حفریات سے بہت سی بیش قیمت چیزیں برآمد ہوئیں۔ یورپین ماہران علوم عتیقہ گورنمنٹ ہائے انگلستان جرمنی اور فرانس کی امداد سے آئے دن ملک عثمانی سے عجیب و غریب اشیائے عہد قدیم کھود کر لے جاتے تھے۔ کہ جس سے یورپ کے عجائب خانے بے حد دولتمند ہو گئے تھے۔ ترکوں کو بھی خیال آیا۔ کہ ایسی بیش قیمت اشیاء کو جو لاکھوں کروڑوں روپیہ کو بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں ملک سے باہر نہیں نکلنے دینا چاہئیے۔ اتفاق حسن سے عجائب خانہ کا انتظام سابق وزیر اعظم ادھم پاشا کے بیٹے حمدی بے صاحب کے سپرد ہوا۔ جو طبعاً آرٹسٹ اور اسی کو پیش پیدا ہوئے تھے۔ ہز اکسیلینسی حمدی بے نے نہ صرف ملک کے مختلف حصوں کے حفریات سے اپنے عجائب خانہ کو پر کیا۔ بلکہ خود صیدا میں جا کر جو ساحل بحر روم سے چند سو گز کے فاصلہ پر ہے اپنی نگرانی میں آثار عتیقہ کھدوانے شروع کئے۔ اس میں ۱۸۸۷ء میں اسقدر کامیابی ہوئی اور ایسے بیش قیمت قدیم

بے نظیر حجر ہائے صیدا

زمانہ کی لاشوں کے سنگ مرمر کے تابوت نکلے کہ جس سے تمام یورپ کے علماء آرکیالوجی وغیرہ میں شور مچ گیا اور بقول پروفیسر مکس مولر یورپ میں اخبارات میں واہی تباہی بیانات چھپنے لگے۔ کہ کیوں ترک ان بیش قیمت خزانوں کو ہمارے سپرد نہیں کر دیتے۔ جو ان کے کام کے

اخلاقی فرض ہے۔ کہ ایسی بیش قیمت چیزیں اپنے پاس رکھیں۔ غرضیکہ یورپ
سے اور کیا وجہ حیرانی ہے کہ وہ بے نظیر قدیم چیزیں جو وہ پہلے باتعرض لاکر
اپنے عجائب خانوں میں رکھا کرتے تھے۔ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں رکھی
گئی ہیں۔ مگر بہرحال وہ اسوقت قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔ کہ
جس پر ہر ایک ترک ناز کرسکتا ہے۔ کیونکہ اہل رائے متفق ہیں کہ یورپ کے
کسی بادشاہ سلطنت کے عجائب خانہ میں ایسا عمدہ مجموعہ سارکوفیگی (قدیم شاہ
کی لاشوں کے تابوتوں) کا نہیں ہے۔ جیسا کہ اب قسطنطنیہ کے اس عجائب خانہ
میں موجود ہے۔ خاص سکندر اعظم کا سفید سنگ مرمر کا عالیشان تابوت معہ
سرپوش یہاں رکھا ہے۔ جسے (فہرست عجائب گاہ میں) نمبر ۶۸ (۳۶۰)
پر مزار سکندر کے نام سے مشہور ہونے والی لحد کبیر لکھا ہے۔ اسکے اردگرد چاروں
طرف جو بت کھودے گئے ہیں۔ ان کی تاویل و تعبیر اس فہرست کے سات
صفحوں میں درج ہے۔ چنانچہ ایک پہلو میں ایرانیوں اور یونانیوں کے اس عظیم
محاربہ کا نقشہ کھودا گیا ہے۔ جو ایسوس یا آربل کے محاربے مشہور ہے۔ حمدی
بے صاحب نے جس قابلیت سے ان تابوتوں اور تعویذوں کی جزئی اور کُلّی
کی تعبیر کی ہے۔ اس پر یورپین مبصر عش عش کرتے ہیں اور جسکی تصدیق پروفیسر ریکس
سولیے بھی کی ہے۔ تابوت سکندری کے قریب چار اور سنگ مرمر کے تابوت
ہیں جو گو اتنے بڑے نہیں۔ لیکن بہت ہی اعلیٰ قسم کے ہیں۔ ایک مصر کے بادشاہ
کا سیاہ سنگ خارا کا تابوت معہ اسکی لاش کے پاس ہی ہے اور اور کتنے آثار
قدیم ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن مبصروں کی نظر میں تمام
زمانہ گزشتہ تاریخ کی یہ سب بیش قیمت اوراق ہیں۔ پاس ہی ایک الماری
میں ایک کھوپڑی معہ کچھ سیاہ بالوں کے رکھی ہے جو مجھے بتلایا گیا کہ سکندر اعظم
کی ہے۔ میں دیر تک اس کھوپڑی اور اسکے ساتھ کے بالوں کو نظر عبرت دیکھتا
رہا۔ اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا ؎

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری   کتنے دن آپ جیا جس نے کہ دارا مارا

اور کہ۔ ؎

عسکری کی قدر ہے اسکی نہیں   ٹوٹے جب کلہ سر مغرور کا

آثار عثمانی بالائی منزل میں بعض آثار سلاطین عثمانی موجود ہیں۔ جنمیں سلطان سلیم اور سلطان محمود فاتح کے تخت ہیں۔ بعض سلاطین کے قرآنوں کی جلدیں جو اعلےٰ درجہ کی صنعتکاری کی جمع کیگئی ہیں۔ کوتاہیہ کی ساختہ چینی کے بہترین نمونے ہیں جو یورپ میں ساختہ چینی سے ذرا بھی کم نہیں۔ ان میں ایک چار گز بلند انگیٹھی چینی کی بنی ہوئی ہے۔ اسکے گرد تمام آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ ایک جانماز پر لکھا ہوا تھا عجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت وبالتوبۃ قبل الموت۔ ایک صندوقچہ پر سلطان سلیم کے دستخطی عربی اشعار تھے۔ قلعہ دیار بکر کی ایک ڈیڑھ بالشت لمبی قدیم زمانہ کی چابی۔ ترک خطاطوں کے خوشخط عربی فارسی قطعات وغیرہ اشیا گلاس کیسوں میں سجائی ہوئی تھیں مگر اکثر حصہ میں ابھی بہت اشیا جمع نہیں ہوئیں۔

ینی چری فوج کا عجائب خانہ یہاں صرف پلاسٹر آف پیرس کے بت ینی چری فوج کے تمام عہدہ داروں اور افسروں کے معہ ان کی اصلی ہیئت کے پوشاک کے رکھے ہوئے ہیں جیسے کہ وہ لوگ اس زمانہ میں پہنا کرتے تھے۔ مثلاً اس فوج کے قاضیوں۔ جلادوں۔ افسروں۔ سپاہیوں۔ اردلیوں وغیرہ کے عجیب عجیب وضع کے لباس خصوصاً نرالے عمامے تھے۔ غالباً ایک سو کے قریب بت ہوں گے۔ مگر ایک کے سر کی پوشاک دوسرے سے نہیں ملتی تھی۔ اسقدر مختلف اور عجیب وغریب ہیئتوں کی ٹوپیاں اور پگڑیاں جمع کرنے سے واقعی ایک عجائب خانہ بن جاتا ہے۔ اور ینی چری فوج کا رعب خود بخود دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں کے دربانوں اور چھاتے رکھنے والوں کو بخلاف یورپ کے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ لیکن سرکاری

دفتروں اور نظارت خانوں میں بچھانے رکھنے والے ملازموں کو دس پارہ کا سکہ دینا پڑتا ہے۔

ینی چری فوج دولت عثمانی کی تاریخ کے صفحے ینی چری فوج کے بہادرانہ اور پہلو بہ پہلو جابرانہ اور سفاکانہ کارناموں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں ان کے حالات کی اندراج کی گنجائش نہیں۔ مگر اس عجیب فوج کے متعلق ایک دو تاریخی اسناد کا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے پہل سلسلہ آل عثمان کے دوسرے سلطان اورخان نے ۱۳۲۶ء کو تخت نشین ہو کر قاضی جندرہ لو قرہ خلیل اور دیگر اعیان دولت کے مشورہ سے اس سپاہ کی بنیاد ڈالی۔ ترکی افواج مہمات یوروپ میں جن عیسائی بچوں کو گرفتار کرتی تھی۔ انہیں اسلامی اصول پر تربیت دیکر بالغ ہونے پر اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور انہیں شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ۱۸۲۶ء تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اور ینی چری لوگوں کے بڑے بڑے نامور افراد وزارت اور سپہ سالاری کے درجوں تک پہنچے۔ مگر جب اس فوج کو بےحد طاقت حاصل ہوگئی تو اسنے بڑی بڑی بدعتیں کرنی شروع کیں۔ جس وزیر یا مدبر کو چاہتے قتل کرا دیتے۔ اور جس سلطان کو چاہتے تخت سے اتار دیتے۔ جب یہ ظالم ناراض ہوتے تو اپنی بارکوں میں اپنی ہانڈیاں الٹ دیتے تھے۔ کہ جنہیں دیکھ کر تمام شہر استانبول کے دل بلکہ تمام سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں لرز جاتی تھیں۔ آخر کار سلطان محمود مصلح نے ان کی تشدد اور ظلم سے تنگ آ کر سلطان احمد کی مسجد میں جھنڈا بیعت علم نبوی بلند کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ینی چری دشمنان دین ہیں۔ ان پر ہر مسلمان کو جہاد کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں توپ بندوق اور تلوار سے سات ہزار ینی چری ایک میدان میں مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے انکا خاتمہ ہوگیا۔ اب سوائے تاریخ کے اوراق اور قسطنطنیہ کے ینی چری عجائب گھر اور قبرستان کے اور کہیں انکا نشان باقی نہیں۔

بازاروں کا نقشہ بعض مسجدوں اور دوسرے کھلے مقامات پر ہفتہ وار بازار

"پازار" کہتے ہیں۔ اور جیسے ہندوستان میں جمعہ کے بازار لگتے ہیں وہاں "صالی بازار" (منگل کے بازار لگتے ہیں) ترکی زبان میں سودا کرنے کو پازارلک کہتے ہیں۔ بعض بازاروں میں سرراہ سڑکوں پر قصاب بانس کے تین پائے کھڑے کرکے سالم بکرے ٹانگ دیتے ہیں۔ اور خریداروں کو ساتھ ساتھ گوشت کاٹ کر دیتے جاتے ہیں۔ بازاروں میں سے نان بائی گدھوں پر روٹیوں کے ڈھیر لادے ہوئے لئے جاتے ہیں۔ سقے پانی پلانے کے لئے پانی کے برتن (بڑے ڈول کی شکل کے) پیٹھ پر باندھے ہاتھ میں کٹورے چھنکاتے جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہندوستان کے سقے یاد آجاتے ہیں۔ بعض خوانچے والے پیٹھ پر سودا لادے رہتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ترازو رکھتے ہیں جس سے سودا تول کر دیتے جاتے ہیں۔

خاص خاص مال کے بازار استانبول میں بھی دیگر ممالک مشرق کی طرح سوائے عام بازاروں کے بہت سے بازار ایسے ہیں کہ جنہیں ایک ہی قسم کے مال کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ جیسے پھول پھل اور ترکاریوں کا بازار گولڈن ہارن کے کنارہ پر۔ زین فروشوں کا بازار مسجد سلطان محمد ثانی کے پاس مصر چارشوسی والدہ جامع کے پاس جو مسقف بازار ہے۔ اور جس میں خصوصیت سے جڑی بوٹی کی دوائیں اور سامان خانہ داری اور مستورات کی آرائش کی چیزیں مثل کحل حنا وغیرہ کے بکتی ہیں۔ صحاف (کتب فروشوں) کا بازار، بازار چمڑے کے کام والوں اور اسپ فروشوں کا بازار۔ اور بیوک چارشو یعنے بڑا بازار وغیرہ۔ چارشو ترکی زبان میں بازار کو کہتے ہیں۔ جو غالباً فارسی "چارسو" (چاروں طرف) سے لیا گیا ہے۔

بیوک چارشو یہ بازار قسطنطنیہ کے سوائے اگر دنیا کے کسی اور شہر میں بھی ہوتا تو وہاں کے عجائبات میں شمار ہوتا۔ یہ اتنا وسیع بازار ہے کہ اس میں چودہ ہزار کمرے دوکانوں کے ہیں۔ ناظرین سمجھ لیں۔ کہ گویا ایک بازار ایک مختصر

طول کے پہلو بہ پہلو گنبدے رکھکر اوپر سے دباؤ کی چھت ڈال دی گئی ہے
اور طولاً و عرضاً سب طرف سے باقی اطراف کو راستے جاتے ہیں اسلئے وہ بازار
اور بازار جو اسکے اندر ہیں ناواقف کو اسقدر پیچ در پیچ معلوم ہوتے ہیں کہ میں
کوئی دس مرتبہ اسکے اندر گیا تھا۔ لیکن مجھے اسکے راستوں کی کوئی سمجھ نہ آئی۔
چھت کے چھوٹے گنبدوں سے جو دھیمی روشنی آتی ہے۔ اسی سے یہ بازار
روشن رہتا ہے۔ عین وسط میں جو احاطہ ہے اُسے ترک بزستان یا بزستان کہتے
ہیں۔ کہ جسکی اصل بزازستان ہے۔ اور یہاں ہتھیار ظروف چینی اور عجیب
وغریب اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ اور نیلام بھی ہوتے ہیں۔ اس بڑے
بازار میں بھی مختلف مال بیچنے والوں مثلاً جوہریوں اشیائے عتیقہ بیچنے
والوں بزازوں وغیرہ کی دوکانیں یکجا ہیں۔ سو کے قریب عتیقہ اشیاء
اور بندوقیں تلواریں بیچنے والوں کی دوکانیں ہوں گی۔ چاندی سونے
اور جواہرات کے زیورات یہاں ہر وقت تیار بکتے ہیں۔ گنبد کے رومال بیچنے
والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سوائے طغرائے سلطانی کے اور
کوئی اشعار یا آیات واقوال رومالوں پر کاڑھنے کی اجازت نہیں۔ بہرحال
بیوک چارشو ترکوں کے سب سے بڑی منڈی ہے۔ جسمیں ہر ایک چیز بکتی ہے
یوروپین فیشن داخل ہونے سے پہلے تمام امرا و غربا یہیں سے سب چیزیں
خریدتے تھے۔ لیکن اب امرا و روسا زیادہ تر پیرا کے بڑے بازار اور گران روپیرا
سے یوروپین سامان خریدتے ہیں۔ کہ جہاں کی بعض بڑی دوکانیں یوروپ
کی اچھی اچھی دوکانوں کے پایہ کی ہیں۔ اور یہاں گویا بالکل یوروپ کا نقشہ ہے

بیوک چارشو کی پہلی رونق

جنگ روم و روس سے قبل جبکہ ان بازاروں کی حالت
فروغ پر تھی۔ مسٹر البرٹ سمتھ نے اپنی کتاب "اے منتھ
ایٹ کانسٹنٹی نوپل" میں اسے اسطرح بیان کیا ہے۔ "یہ سننے سے کہ سقف
پوش بازاروں کی قطاریں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ حیرت زدہ سیاح کو کر

بعد دیگرے جیسیوں منظر نظر آتے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک متواتر سیر کرنے میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسی قسم کی زمین اور اشیاء پھر نظر آئیں۔ اور متواتر اس عرصہ میں چاروں طرف جواہرات سونا ہاتھی دانت۔ کشمیری شال چینی ریشم کا سامان۔ مثلاً ہتھیار۔ قیمتی عطریات۔ مثلاً صندلیاں۔ آئینے۔ سراغ کا چمڑا۔ عنبر کی منہال وغیرہ اشیاء دیکھنے میں آتی ہیں۔ چھوٹی سی چھوٹی گلی میں بھی نگاہ جا پڑتی ہو تو قسم قسم کے رنگ آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔ بعد عجیب وغریب حرکات اور بول چال سے عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے کا بہت کم اور کسی قدر اندازہ اس عظیم الشان منڈی کا ہو سکتا ہے۔ جو ان اشخاص کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ کہ جنکا تذکرہ جا بجا الف لیلہ میں موجود ہے۔

تعلیم قدیم وجدید اعلیٰ مکاتب اور تعلیم نسواں

تعلیم قدیم

اس وقت مملکت عثمانی میں دو قسم کی تعلیم کا رواج ہے۔ تعلیم قدیم و تعلیم جدید۔ تعلیم قدیم کی بنیاد تو اساس سلطنت کے ساتھ چھ سو سال اول سے پڑ چکی تھی۔ جبکہ اس سلسلہ کے دوسرے سلطان اورخان نے ازنیق میں پہلا مدرسہ قائم کیا تھا۔ اسکے بعد دیگر سلاطین نے سلطنت کی ترقی کے ساتھ ہی سینکڑوں مدرسے و دارالعلوم قائم کئے۔ لیکن جب یورپ کے علوم جدیدہ اور سائنس کی روشنی سے یکایک ترکوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں تو آج سے کم و بیش ایک سو سال پہلے ترکوں کو یورپین علوم کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ پہلے پہل سلطان سلیم خان ثالث[1] کے عہد و سنہ ۱۲۰۷ھ میں چند مکاتب عسکری قائم ہوئے۔ اور ملک میں ترقی صنائع کا لحاظ کرکے جدید علوم کی اشاعت کی ضرورت پر سنہ ۱۲۵۳ھ میں مجلس امور نافعہ کے سامنے ایک رپورٹ پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں ایک یہ فقرہ درج ہے۔ :

[1] سالنامہ معارف ۱۳۱۶ھ مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۱۴۔

جیسے کہ علوم دینی وسیلہ نجات آخرت ہیں ویسے ہی تمام فنون بھی معاشرت نوع بنی آدم کے کمال کا ذریعہ ہیں۔ ازانجملہ علم ہیئت پر تسہیل سیر سفائن کا مدار ہے کہ جس پر امور تجارت کا رواج اور ترقی منحصر ہے۔ اسی طرح علوم ریاضی امور حربیہ اور انتظام عسکر کے لئے لازمی ہیں۔ دیگر حکما نے سلف کو حیرت میں ڈالنے والی مفید ایجادیں (ریل وائر اور سٹیمر) کے میدان میں نکل آئی ہیں۔ علوم جدیدہ کی ترویج اور اشاعت اور نئے سرے سے فنون کثیرہ کے ظہور سے صنعت و حرفت کے پیشوں میں بہت سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ ایک سو آدمیوں کے ذریعہ سے جو کام ہو سکتا تھا اب علم کے زور سے ایسے آلات تیار ہو گئے ہیں کہ ان کی مدد سے ایک آدمی اس کام کو کر سکتا ہے۔ برعکس اس کے جاہل اور نادان لوگ پہلے سے بھی تنگدستی اور عسرت میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

اس اقتباس سے صاف روشن ہے۔ کہ جب ترکی مدبروں نے سٹیمر کو دیکھا۔ جو پہلے پہل ۱۸۰۷ء میں امریکہ اور انگلستان میں جاری ہو گیا تھا۔ اور یورپ کی دوسری ایجادوں کی طرف توجہ کی تو انہیں علوم جدیدہ کی ضرورت کا قائل ہونا پڑا۔ لیکن جب سلطان محمود خان نے قدیم سلطانی عمامہ اور قبا کو سرخ ٹوپی اور سیاہ کوٹ پتلون سے بدل کر یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپین طرز پر مرتب کیا۔ تو ترکی میں علوم جدیدہ کی بنیاد کو اور ترقی ہوئی۔ اور پھر سلطان عبدالمجید اور بالآخر ان کے بیٹے یعنی موجودہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں اس آخری تعلیم کو اور بھی رونق حاصل ہوئی

مکتب اور مدرسے

اسلئے ترکی میں قدیم اور جدید دونوں قسموں کی تعلیم کے مدرسے پہلو بہ پہلو اس وقت بھی موجود ہیں۔ مگر ان کے فاصلہ میں اتنی تمیز ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کہ جن مدرسوں میں قدیم طریقہ کے مطابق اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم ہے سب نوشت و خواند اور قدیم علوم پڑھا

جاتے ہیں انہیں مدرسہ کہتے ہیں - اور یہ اکثر مساجد کے متعلق ہیں - چنانچہ قسطنطنیہ کے بعض مساجد کے متعلق ایسے کئی کئی مدرسے جاری ہیں - اور جن میں علوم جدیدہ مثل ریاضی و سائنس وغیرہ کے سکھلائے جاتے ہیں - انہیں مکتب کہتے ہیں - مکتبوں سے تعلیم پا کر لوگ سرکاری ملکی اور جنگی ملازمتیں حاصل کرتے ہیں - اور مدرسوں سے تعلیم پا کر قاضی اور مفتی اور امام بنتے ہیں

تعلیم قدیم کی حالت

جس طرح تعلیم جدید روز افزوں ترقی کر رہی ہے - تعلیم قدیم متنزل معلوم ہوتی ہے - پانچ چھ سو سال پہلے کے لئے جو طریقہ تعلیم مدرسوں کے مقامات طالب علموں کے رہنے کے حجرے اور ان کی خوراک کا انتظام مناسب اور موزون تھا وہ اب بالکل بے ڈھنگا اور بے اثر معلوم ہوتا ہے - اسلئے ان کم و بیش بیس ہزار طالب علموں کی حالت جو استانبول میں سفید پگڑی والے مشہور ہیں - وہاں کے علماء اور خصوصاً شیخ الاسلام کی توجہ کی سخت محتاج ہے - یہ بیس ہزار طالبعلم علاوہ ترکی کے عرب مصر شام ترکستان روس اور خراسان تک سے علوم دین کے شوق میں کھینچے چلے آتے ہیں - علماء کی طرح ان دینی علوم کے طلباء کا لباس بھی لازمی ہو - یعنی ٹوپی پر سفید لفہ اور ایک لمبے سیاہ جبہ پر مشتمل ہونا لازمی ہے - اور اس لباس کی بہت عزت کی جاتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اس لباس والا شخص کسی رنڈی کے مکان یا شراب خانہ میں دیکھا جائے - تو پولیس کو اسے فوراً گرفتار کر لینے کا حق حاصل ہے - غرضیکہ جملہ معترضہ تھا - میں نے قسطنطنیہ کی مساجد کو دیکھتے ہوئے تعلیم قدیم کا طریقہ بہت اچھی طرح دیکھا - اور فاضل الشہیر السید الشیخ عبداللطیف افندی الباطومی مدرس جامع سلطان فاتح سے پوری کیفیت معلوم کی - یہ صاحب اصل متوطن باطوم کے ہیں کہ جہاں مٹی کا تیل بہت نکلتا ہے - اور جس پر کچھ مدت سے روس نے قبضہ کر لیا ہے افندی موصوف ہجرت کر آئے ہیں - ان کا بیان ہے - کہ سفید پگڑی والے طلباء زیادہ بیس ہزار ہوں گے - اور پانچ سو مدرس انہیں تعلیم دیتے

ہوں گے۔ کہ جنہیں سے قریب آٹھ ہزار طلبا اور آدھے مدرس صرف جامع
سلطان محمد الفاتح میں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ کہ جو یہاں کا سب سے قدیم مدرسہ
ہے۔ اسکے بعد بترتیب کم جامع سلطان بایزید۔ جامع سلیمانیہ۔ جامع سلطان
احمد۔ جامع ایا صوفیہ و جامع لبشکطاش اور مسجد حضرت ابوایوب انصاری
خالد ابن زید میں تعلیم پاتے ہیں۔ اور کل ۳۶۱۰۱ ایسے مدرسے اس
وقت شہر میں موجود ہیں۔

صورت معاش ان تمام طالب علموں کو روزانہ دو بڑی روٹیاں اور مدرسین کو
تنخواہ مد اوقاف سے ملتی ہے۔ اور ماہ رمضان میں ہر طالب علم کو پانچ مجیدی
سلطان المعظم جیب خاص سے عطا کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے ماہ رمضان میں جو
ان کی تعطیل کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ طلبا قسطنطنیہ سے باہر جاکر دیہات و قصبات کا
زکوۃ و خیرات وصول کرلاتے ہیں۔ اور اسطرح سال بھر کا خرچ فراہم کرلیتے ہیں۔

سررشتہ وقف ترکی میں وقف ایک بہت بڑا صیغہ سلطنت کا ہے۔ بعض
سلاطین سابقہ اور امرائے ترکی نے اسقدر جائدادیں مسجدوں تربوں اور مدرسوں
کے نام وقف کی ہیں۔ کہ ان کا انتظام بجائے خود ایک اہم کام ہوگیا ہے۔ ان
وقفوں سے ہر روز ہزار ہا مساکین کو کھانا دیا جاتا ہے۔ میں نے جامع لالی کے
احاطہ میں ایک مکان دیکھا جو مطبخ کا کام دیتا ہے اور اس میں اسقدر کھانا پکتا
ہے۔ جو ہر روز پانچ چھ سو مفلسوں اور محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ کہ جنہیں اکثر
طالب علم بھی ہوتے ہیں۔ انہیں مطبخوں سے بعض درگاہوں اور تکیوں کے
مجاوروں کو روز کی روٹیاں تقسیم کیجاتی ہیں۔ المختصر یہ کہ استنبول کی مسجدیں اور
سلاطین کی مقبروں سے اسقدر اوقاف متعلق ہیں کہ میرے ایک رفیق نے
جامع لالی کے مطبخ کے پاس مجھے بتلایا تھا کہ ان کی آمدنی سے سالتمام میں
۲ لاکھ عسکریوں کا خرچ چل سکتا ہے۔ بلکہ گذشتہ جنگ روس کے بعد کسی نے
سلطان عبد الحمید خان کو صلاح دی تھی۔ بلکہ فتوی بھی مل گیا تھا کہ بصورت

ضرورت مجاہدین کے لیئے مال وقف حلال ہے۔ مگر سلطان نے فرمایا کہ اپنے آباؤ اجداد کی خیرات جاری کو بند کر دینے کی نسبت سلطنت کو قربان کر دینا بہتر ہوگا۔

طرز تعلیم قدیم

اکثر عظیم الشان مساجد کے وسیع سقفوں اور گنبدوں کے نیچے ستونوں کے ساتھ اور جا بجا منتشر سو پچاس یا بیس پچیس استاد جسقدر کہ کسی مسجد کے وقف میں گنجائش ہو، طالب علموں کو تفسیر و حدیث فقہ اصول معانی وغیرہ کا سبق دیتے دیکھے جاتے ہیں۔ شاگردوں میں بڑی ریش و بروت والے بلکہ اُدھیر ہوتے ہیں۔ استاد اس بلند آواز سے ترکی زبان میں لکچر دیتے ہوتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ساتھ ایک بڑے تکیہ کی قسم کے بلند گدیلہ پر دو زانو یا آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز ہوتی ہے۔ جس پر بالعموم ان میزوں پر ہاتھی دانت کا بھاری کام ہوا ہوا تھا۔ اور بعض وستاروں کے درمیان کچھ حروف عربی کندہ تھے۔ طلبا استادوں کی چاروں طرف گھیرا ڈالے زمین پر بیٹھے تھے اور ان میں بعض اونگھ بھی رہے تھے۔

سفید پگڑی اور فوجی خدمت سے بریت

یہ بھی معلوم ہوا کہ فوجی خدمت[1] سے محفوظ رہنے کے لئے جو قلمرو عثمانیہ میں لازمی ہے۔ بعض لوگ سفید پگڑی اور دینی تعلیم اختیار کر لیتے ہیں۔ نہ قسطنطنیہ نہ فوجی خدمت سے محفوظ ہے۔ لیکن باقی تمام مملکت کے سترہ سال سے اوپر کی عمر کے جوان فوج میں بھرتی

---

[1] کتاب قوانین عثمانی مطبوعہ ... جو نہ صرف جناب ... سلطنت عثمانیہ کے جمیع قوانین اساسی و انتظامی پر مبنی ہے اور سلطنت ترکی کے تمام سرکاری محکمہ جات فوجی وغیرہ کے قوانین اور ضابطوں کے متعلق اس کو ... بات اس سے معلوم ہو سکتی ہے ... کون کون ... فوجی خدمت سے مستثنے ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۶ و ۲۰۷ میں درج ہے۔

کر لئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنہا یہی اپنی ماں یا بیوی یا بہن کے کفیل نہ ہوں۔ مذہبی طلبا اور علما بھی فوجی خدمت سے بری ہیں۔

ابتدائی تعلیم عام

ترکی میں ابتدائی تعلیم مکاتب میں ۷ سے ۱۱ سال کے لڑکوں اور ۷ سے ۱۰ سال کی لڑکیوں کے لئے قریب قریب لازمی ہے۔ تمام قلمرو سلطنت میں ہر قسم کے سکول (۳۴۲۳۰) ہیں کہ جن میں (۱۳۳۱۲۰۰) شاگرد تعلیم پاتے ہیں۔ جو کہ کل آبادی میں ۲۴ سے ایک کی نسبت[۱] سے ہیں۔

مکاتب کے تین درجے

مکتب تین درجوں کے ہوتے ہیں۔ (۱) ابتدائی (۲) رشدی (۳) اعدادی جو جب رہے یہاں (۱) پرائمری و مڈل (۲) ہائی (یا) ہائی سکول اور (۳) کالج الف اے کے درجہ تک کے مطابق کہے جا سکتے ہیں مگر ان میں علاوہ دنیاوی تعلیم کے دینی تعلیم اور قرآن مجید ضرور پڑھایا جاتا ہے۔ ابتدائی مکاتب سے قطع نظر باقیوں میں فرانسیسی زبان اور ریاضی اور علوم طبیعی بھی سکھلائے جاتے ہیں۔ غیر مسلم بچے مذہبی تعلیم کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ مگر کیا قسطنطنیہ اور کیا سلطنت کے دوسرے بلاد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے علیحدہ مدرسے بھی بنائے ہوئے ہیں کہ جن کی تفصیل سرہ ری "سالنامہ معارف" میں درج ہوئی ہے۔

ملکی اور حربی مکاتب

ہر ایک رشدی اور اعدادی مکتب یا ملکی ہوتا ہے یا حربی۔ اور جو طالب علم ابتدائی مدرسوں سے فارغ ہو کر ان میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ اسی وقت فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی عمر ملکی خدمت میں گذار دینگے یا جنگی میں۔ کیونکہ ان مکاتب کی تعلیم ختم کر کے پھر وہ اسی قسم کی ملکی یا حربی اعلیٰ مکتب میں داخل ہو سکتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے مکاتب ابتدائیہ

شہر قسطنطنیہ میں بقول قاموس الاعلام کل پانسو سے

[۱] ترکی میں ایک حد تک تعلیم جبری ہے۔ منتخب منتخب کیفیت کتاب قوانین عثمانی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

زائد ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور خاص خاص علوم وفنون کی تعلیم کے مکاتب ہیں۔ اور اسی طرح سلطنت کے تمام حصوں اور دیہات وقصبات میں ابتدائی اور رشدی مدرسے پھیلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی مکاتب کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے بارہ مرکز قرار دئیے گئے ہیں۔ اور ہر ایک مرکز میں حسب ذیل (۲۴۲) مکاتب ہیں۔ کہ جنمیں لڑکے اور لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ان میں سے بعض صرف لڑکوں اور بعض لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بعض میں ذکور واناث دونوں جدا جدا تعلیم پاتے ہیں۔ اور یورپ کی لڑکی لڑکیوں کے مکسڈ (مخلوط) مدرسوں کی طرح اکٹھے بیٹھکر نہیں پڑھتے۔

۱۔ اقسرائی مرکز میں	۲۸ مکتب	۷۔ چنگل کوئی مرکز میں	۱۹ مکتب
۲۔ سلطان احمد مرکز میں	۲۱ "	۸۔ اسکدار مرکز میں	۳۴ "
۳۔ طوپخانہ مرکز میں	۱۳ "	۹۔ قصکی مرکز میں	۲۱ "
۴۔ ایوب مرکز میں	۱۲ "	۱۰۔ بشکطاش مرکز میں	۳۳ "
۵۔ سلطان سلیم مرکز میں	۱۶ "	۱۱۔ امیر بخاری مرکز میں	۲۲ "
۶۔ قاسم پاشا مرکز میں	۱۶ "	۱۲۔ فاتح مرکز میں	۱۹ "

مکاتب خصوصیہ

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مکاتب خصوصیہ ہیں جنمیں سے بعض پرائیوٹ فیاضی سے چلتے ہیں اور بعض کے مدرسین محض حب ملی کے لئے اپنا وقت عزیز صرف کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نہاری یعنے دن میں کھلنے والے ہیں اور بعض لیلی ونہاری یعنے رات اور دن دونوں وقت لوگوں کی سہولیت کے لئے کھلتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ دن کو پڑھنے کی فراغت نہیں حاصل کرسکتے وہ رات کو پڑھ لیا کریں۔

مکتب حمیدی (بشکطاس) نہاری	خلیلیہ محمودیہ
" " برائے اناث	صائکو خاتون یا حدیقۃ المعارف
نخبۃ المعارف ومکتب شمسی (نہاری	(ذکور واناث)

دار التعلیم
دار الادب
مکتب عثمانی - (ذکور و اناث)
دار التعلیم
برہان ترقی (لیلی و نہاری)
شمس المکاتب (〃) (ذکور و اناث)
حدیقۂ معرفت
دار الفیض حمیدی
تشویقیہ
مشرقی فیوضات
میزان ترقی
روضۂ ترقی -

مکتب تفیض (لیلی و نہاری)
صرائے جدید
رہبر معرفت (لیلی و نہاری)
اثر ترقی
شعلۂ ترقی
دار التحصیل
آناتولی زادہ مکتبی (ذکور و اناث)
ہدایت تکمیل
دار العرفان مکتبی
جلال بک اناث مکتبی
مدرسہ ادبیہ
ترقی (ذکور و اناث)

مکاتب رشدیہ استنبول میں اس درجہ کے سترہ مدرسے لڑکوں کے لئے اور بارہ لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں - ان کے علاوہ سات عسکری رشدیہ مدرسے بھی ہیں جو محکمۂ جنگ کے ماتحت ہیں -

(مکاتب رشدیہ مرکزیہ)
(۱) خیرت مکتبی
(۲) بایزید مرکز رشدیسی
(۳) محمودیہ مرکز رشدیسی
(۴) لوندچفتلک مرکز رشدیسی
(۵) فاتح مرکز رشدیسی
(۶) داود پاشا مرکز رشدیسی
(۷) ایا صوفیہ مرکز رشدیسی
(۸) اسکدار مرکز رشدیسی

(مکاتب اناث)
(۱) لیلی و نہاری قز صنایع مکتبی
(۲) دار المعلمات نہاری قز صنایع مکتبی
(۳) اسکدار قز صنایع مکتبی
(۴) بیرکوس اناث رشدیسی
(۵) بشکطاش اناث رشدیسی
(۶) فندقلی اناث رشدیسی
(۷) اسکدار اناث رشدیسی
(۸) سلطان احمد اناث رشدیسی

(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
(۱) بیطر رشدی عسکریسی - بیطاری مکتب
(۲) ایوب رشدی عسکریسی
(۳) صنوق چشمہ رشدی عسکریسی
(۴) بشکطاش رشدی عسکریسی
(۵) فاتح رشدی عسکری

(مکاتب ذکور)	(مکاتب اناث)	(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
(۹) بکتاش رشدیسی	(۹) ادیبہ اناث رشدیسی	(۹) قوہ مصطفےٰ پاشا رشدیہ عسکریسی
(۱۰) غلطہ رشدیسی	(۱۰) ملا قرآنی اناث رشدیسی	(۱۰) طوپ طاشی رشدی عسکریسی
(۱۱) فیضیہ رشدیسی	(۱۱) وت مابزارہ اناث رشدیسی	
(۱۲) قاضی کوئی حمیدیہ رشدیسی	(۱۲) کوچک مصطفےٰ پاشا اناث رشدیسی	
(۱۳) میرگون رشدیسی		
(۱۴) بگلربگی رشدیسی		
(۱۵) طوپ قپو رشدیسی		
(۱۶) آری قپو کز رشدیسی		
(۱۷) جبل سنر کمیجی (دنگنگون کا مکتب)		

مکاتب اعدادیہ یا کالج

ان کے علاوہ کئی ایک اعلےٰ درجہ کے مکاتب پایۂ تخت میں موجود ہیں کہ جنہیں کالج کہہ سکتے ہیں۔ اور ان میں مختلف علوم و فنون سکھلائے جاتے ہیں۔ اور یہاں سے سند یافتہ نوجوان سلطنت کے اعلےٰ ملکی اور جنگی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مکتب ملکیہ شاہانہ
۲۔ مکتب حقوق شاہانہ (لا کالج)
۳۔ مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ (میڈیکل کالج)
۴۔ مکتب صنائع نفیسۂ شاہانہ (آرٹ سکول)
۵۔ مکتب سلطانی (آرٹس کالج)
۶۔ مکتب نواب رقاصیہ مہندسون کا کالج
۷۔ مکتب دار المعلمین (ٹریننگ کالج)
۸۔ حمیدیہ تجارت مکتب عالی (کمرشل کالج)
۹۔ مکتب حربیہ شاہانہ (ملٹری سکول)
۱۰۔ مکتب طبیہ عسکریہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل کالج)
۱۱۔ مہندس خانہ بری ہمایون (انجینیرنگ کالج)
۱۲۔ مکتب بحریہ شاہانہ (نیول کالج)

(۱) دار المعلمات (استانیوں کا نارمل سکول) (۲) دار الشفقت (یتیموں کا مکتب دیلی) (۳) درسعادت مکتب اعدادی (۴) اسکدار مکتب اعدادی ملکی (۵) متوسطہ زراعتی مکتبی (اعدادی رشدی ابتدائی) ادنےٰ درجہ کے مکاتب ہیں۔

بحری مکاتب مکتب بحریہ شاہانہ کے سوائے وزارت بحری کے متعلق مندرجہ ذیل چار بحری مدرسے بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی مجبور ہو رہی ہے کہ اپنی بحری حالت کو سنبھالے۔ کیونکہ اُسکے بحری تعلقات ایسے ہیں کہ سوائے بحری قوت کے استواری کے اسکی زندگی معرض خطر میں رہے گی۔ علاوہ اسکے اسکی بحری ضروریات اُسے بحری مستعدی کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ ٹرکی کی کوسٹ لائن (ساحل بحر) بہت طویل ہے۔ وہ بحری مدرسے یہ ہیں۔ (۱) مکتب بحریہ شاہانہ نہاری اور لیلی تجارتی جہازوں کے قپودان (کپتان) بنانے کا مکتب (۲) ترسانہ عامرہ (صیغہ تعمیر جہازات) کے اندر اکیڈ (انجینیری کے) عملیات کا مکتب (لیلی) (۳) غرب قپوکا تجارتی قپودان مکتبی (نہاری) (۴) کمکل شاگرد مکتبی (جسے بحری پولیس اور تاربرقی کا کام سکھلانے کا مکتب) (لیلی) (۵) ہرشندہ بحریہ وستشارے کشاب عسکری مکتبی (نہاری) (۶) ترسانہ عامرہ کے اندر بحری صنائع اور آلات کا تجیل کے برتگیشہ کا مکتب (لیلی) (۷) مرکز بحریہ کے ہسپتال کے اندر اجزاجی وتیمارجی مکتبی (کمپونڈروں اور خیموں کی تیمارداروں کا مکتب) (لیلی)

جنگلات اور معدنیات کے مدرسے تجارت (وزارت) جنگلات اور معدنیات وغیرہ کے متعلق بھی یہ دو تین خاص مکاتب قائم ہیں۔ (۱) مکتب صنائع (۲) حلقلی مکتب زراعت۔ (۳) ملکیہ مکتب بیطاری۔ واضح رہے کہ زراعت و معدنیات کی ترقی کی طرف آجکل سلطان المعظم کی بڑی توجہ ہے۔ اور ترکی مدبر سمجھتے ہیں۔ کہ اس صیغہ میں جسقدر ہم ترقی چاہیں کر سکتے ہیں صنعت و حرفت کی ترقی کی طرح اسکے راستہ میں کوئی روکاوٹ نہیں۔

مکاتب پایہ تخت کی اتنی لمبی فہرست سے اتنی بات تو ضرور پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ٹرکی میں تعلیم عامہ کا دور دورہ ہے۔ اور عثمانی رعایا میں دن بدن تعلیم اور ترقی پھیلتی جاتی ہے۔ گنجائش مانع ہے۔ کہ میں مجھ

بالا مکاتب میں سے بعض کے معائنہ کا تفصیلی ذکر کروں۔ تاہم دو ایک کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے میں ابتدائی رشدی اور اعدادی مکاتب کا نصاب تعلیم بتلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ اس ملک میں کس درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

ابتدائی مکاتب کا پروگرام

ابتدائی مکاتب کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ اور حسب ذیل مضامین کے لئے سبق ہفتہ وار شاگردوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔ کہ جنکی تعداد ہر سال کی جدول میں علیحدہ علیحدہ درج ہے:۔

مضامین	سال اول (ہفتہ وار سبق)	سال دوم ہفتہ وار سبق	سال سوم ہفتہ وار سبق
الف تے	۱۲	۰	۰
قرآن عظیم الشان	۱۲	۱	۵
تجوید	۰	۲	۲
علم حال (تعلیم دینیات)	۲	۳	۳
اخلاق	۰	۲	۲
صرف عثمانی	۰	۰	۲
املا	۳	۳	۲
قرائت	۳	۲	۱
مختصر تاریخ عثمانی	۰	۰	۲
مختصر جغرافیائے عثمانی	۰	۰	۲
حساب	۱	۲	۲
خوش خطی	۱	۲	۱

لیکن دیہاتی مدارس ابتدائی کے نصاب میں مضامین اخلاق۔ صرف و نحو عثمانی۔ ابتدا تاریخ و جغرافیہ عثمانی شامل نہیں۔ بلکہ ان کی جگہ کچھ دیہاتی امور سکھائے جاتے ہیں

علم حال اس بات کا اندازہ بتانے کے لئے کہ ان مضامین میں طلبہ کو کہاں تک مہارت پیدا کرائی پڑتی ہے۔ میں مضامین علم حال اور اخلاق کا مفصل بیان درج کر دیتا ہوں۔

سال اوّل میں ہفتہ میں دو سبق دینیات کے دیئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو علم حال کی پہلی کتاب اور لڑکیوں کو مختصر علم حال نامی رسالہ کے استفسار مفصلہ زبانی یاد کرائے جاتے ہیں کہ صرف فرائض حفظ ہو جائیں۔

سال دوم ہفتہ میں تین سبق۔ لڑکوں کو علم حال کے دوسری کتاب شروع کرائی جاتی ہے۔ پہلے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ذاتی اور صفات ثبوتی۔ دوم حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے درمیانی پیغمبران عظام کے قرآن کریم میں مذکور شدہ نام۔ سوم بنائے اسلام۔ صفات ایمان۔ افعال مکلفین۔ اعتقاد اور عمل میں چہار مذہب۔ چہارم نماز غسل آبدست تیمم روزہ اور زکوٰۃ کے فرض۔ پنجم نماز پنجگانہ۔ وتر۔ نماز عید۔ تراویح۔ اور نماز جنازہ۔ ششم آنحضرت صلعم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ۔ تاریخ تولد نبوی۔ نسب جلیل۔ واقعہ اصحاب الفیل۔ ہفتم پنج وقتہ نمازوں میں پڑھے جانے والے سبحانک اللھم التحیات للہ۔ اور صلوٰۃ اور وتر نماز کی دعائے قنوت ازبر کرانا۔ لڑکیوں کو بھی یہی مضمون پڑھائے خصوصاً قرہ خواجہ سی (لڑکیوں کا استاد) نامی رسالہ پڑھانا۔

سال سوم ہفتہ میں تین سبق۔ اور ان میں تمام ضروری دینی واقفیت شامل کر دیگئی ہے۔ مگر قلت گنجائش اس لمبی تفصیل کے اندراج کی مانع ہے

اخلاق اخلاق کی تعلیم دوسرے سال سے شروع ہوتی ہے اور دوسرے اور تیسرے سال میں دو دو سبق ہفتہ میں دیئے جاتے ہیں۔ سال اوّل میں آخلاق نامی رسالے سے یہ مضامین سکھائے اور ذہن نشین کئے جاتے

ہیں۔ خدائے تعالےٰ۔ اسکے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان۔ سنت کا اتباع
قدرت الٰہی۔ امیر المؤمنین حضرت بادشاہ کی تابعداری۔ عقل۔ زبان۔
اخلاق سیئہ۔ جھوٹ۔ دوزبانی۔ غیبت۔ انانیت۔ حسد۔ حیلہ بازی
بے شرمی۔ مسخراپن۔ غرض۔ بطالت۔ بیکاری۔ انتظام و سلیقہ۔ سفاکی
ابنائے جنس پر رحم۔ خیر و حسنات۔ کاروبار۔ حفظ صحت۔ دوسرے سال
میں رسالہ رہنمائے اخلاق کے ذیل کے مضامین بخوبی سکھلائے اور
سمجھائے جاتے ہیں۔ انسان کا تمام حیوانات سے فرق۔ جوانی۔ علم۔
عبادت۔ رعایت۔ زیانکاری۔ منہ کی بدلگامی۔ تحقیر۔ انسانیت۔
صداقت۔ نیک ساتھی۔ عظمت و وقار۔ عناد۔ پاکیزگی۔ سخاوت۔
بخل۔ مدد۔ الفت۔ ادب و حرمت۔ حقوق برادرانہ۔ عفت۔ حیثیت۔

رشدیہ اور اعدادیہ مدارس کا نصاب

ان مکاتب میں مندرجہ ذیل مضامین کے سبق ہر ہفتہ میں اس قدر پڑھائے جاتے ہیں۔ جو ذیل کے جدول میں ہر سال کے لئے علیحدہ علیحدہ درج ہیں۔ اور ان دونوں درجوں کی مدت تعلیم سات سال ہے۔

تعداد دروس

مضامین تعلیم	درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم	درجہ چہارم	درجہ پنجم	درجہ ششم	درجہ ہفتم
تجوید قرآن کریم و علوم دینیہ	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳
ترکی زبان	۶	۵	۳	۲	۱	۰	۰
اخلاق	۱	۱	۰	۱	۱	۱	۰
ادبیات اور قرائت رسمیہ	۰	۰	۰	۰	۰	۲	۲
عربی	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱
فارسی	۰	۲	۲	۲	۱	۰	۰
فرانسیسی	۰	۰	۳	۳	۴	۴	۵
خلاصہ قوانین۔	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰

(بقیہ) مضامین تعلیم	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم	سال ہفتم
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۰	۰
اصول دفتری (دفاتر کی کارروائی)	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۰
جبر مقابلہ و علم مثلثات	۰	۰	۰	۰	۳	۲	۰
ہندسہ (اقلیدس و پیمائش مساحت)	۰	۰	۱	۱	۲	۱	۰
قوزموغرافیا (علم ہیئت)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
میکینکس۔ فزکس۔ کیمسٹری	۰	۰	۰	۰	۰	۳	۳
موالید (حیوانات۔ نباتات و جمادات)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
جغرافیہ	۲	۲	۳	۲	۲	۲	۱
تاریخ	۰	۲	۲	۲	۲	۱	۱
علم ثروت (پولیٹیکل اکانومی و تجارت)	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۱
علم الاشیاء	۱	۱	۱	۱	۱	۰	۰
حفظ صحت	۰	۰	۱	۱	۰	۰	۱
خوش خطی	۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱
رسم (نقشہ کشی و مصوری)		۱	۱	۱	۱	۱	۰
یونانی (لاطینی یا جرمنی) زبان (بعض بعض مدارس میں)	۰	۰	۰	۲	۲	۲	۱

علم ثروت مضامین بالا میں سے علم ثروت کے نصاب کی کسیقدر تفصیل درج کیجاتی ہے جو اعلےٰ مدارس کے صرف آخری دو سالوں میں سکھلایا جاتا ہے۔ کاش یہ ضروری علم ہندوستان کے مدرسوں میں بھی سکھلایا جاتا تو ان بھوکے طالب علموں کی فوجوں کو جو روٹی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اس سے بہت مدد ملتی۔

چھٹے سال میں علم ثروت کی تعریف اور غایت۔ علم ثروت کی تقسیم۔ ثروت

کا حاصل کرنا۔ ثروت کا انقسام۔ اسکا تداول اور اسکا ہلاک کرنا۔ ثروت حاصل کرنے کے وسایل۔ زمین اور قوائے طبیعیہ۔ سعی و عمل۔ صنعت عمال اور صنائع کی آزادی (یعنی ان پر سے قید اٹھا دینا) صنائع کے اقسام۔ تجارت۔ سرمایہ کے اقسام۔ صنعت و حرفت کے فوائد۔ ثروت پر حق تملک۔ اور حق معاشت اراضی کی آمدنی۔ محصولات اراضی کے حاصل کرنے تقسیم کرنے اور تداول کرنے کے متعلق قواعد۔ حقیقی محصولات اراضی کی قیمت۔ اصول زراعت کی قسمیں۔ سرمایہ سے آمدنی۔ زیادتی سرمایہ۔ روزانہ مزدوری۔ مبادلہ کے اقسام۔ قیمت قیمتوں کے تقرر و تبدیل اور موازنہ کرنے سے متعلق قواعد۔ متداول قیمتیں۔ مصارف استحصالیہ۔ رقابت۔ انحصار۔ کفایت شعاری۔

ساتویں سال میں:۔ نقدی۔ نقدی کو جنس سے کس نظر سے ممتاز سمجھتے ہیں۔ چاندی اور سونے کے سکے۔ موافق سکے۔ سکوں میں خالص دھات اور کھوٹ۔ سکوں کا انتظام۔ بائی میٹلزم اور مانومیٹلزم۔ اعتبار مالی۔ بینکوں کی قسمیں۔ بینک نوٹ۔ سرکاری بینک۔ سلطنت کی مالی ضمانت سرکاری قرضوں کی بڑی بڑی قسمیں۔ کرنسی نوٹ۔ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ قرضوں کی تحویل۔ ایکسچینج یا صرافہ۔ تجارت خارجی اور داخلی۔ تنزل تجارت کے اسباب اور علاج۔ مانگ اور بہم رسانی۔ تجارت درآمد و برآمد۔ درآمد و برآمد کا مقابلہ۔ تجارت کی آزادی۔ حمایت تجارت کا اصول۔ معاہدات تجارتی۔ محصولات چونگی۔ بیمہ مال تجارت اور بیمہ کے اقسام۔ علم ثروت کے اصول مالی سے تطبیق۔ تکلیف متناسب۔ تکلیف مترقی وغیرہ۔

یونیورسٹی سلطان المعظم کے جلوس کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر جبکہ میں بھی قسطنطنیہ میں تھا۔ ایک مکمل یونیورسٹی قایم کی گئی تھی۔ مگر اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ گو یونیورسٹی کے لئے لایق پروفیسر ترکوں میں کافی موجود ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کہ فوجی تعلیم یا

کارخانہ جہاز سازی یا صیغہ طبابت وغیرہ اسمیں یورپین اُستادوں کی بھی ترقی کو تامل نہیں ہوتا امید ہے کہ اب تک یہ یونیورسٹی بخوبی کام کرتی ہوگی۔

مکتب عشائر جو چند مکتب میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کا حال یہاں درج کرتا ہوں مکتب عشیرت دیکھنے کے لیئے میں نے ہز اکسیلنسی احمد رحت صاحب رئیس دوم محکمہ صحیہ سے لیٹر آف انٹروڈکشن لی تھی۔ سلطان المعظم نے جیب خاص سے (۱۷۰۵۵۳۳) غرش کی لاگت سے اس مدرسہ کو قبائل عرب کے سرداروں کے بچوں کی تعلیم کے لیئے ۱۳۰۸ھ میں قائم کیا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو پچاس لڑکے یہاں سے تعلیم پاکر نکل چکے تھے۔ اور قریب تین سو کے زیر تعلیم تھے۔ جو یمن حجاز نجد۔ شام۔ طرابلس۔ صنعا۔ بنغازی۔ طنجہ جاوا اور سماٹرا کے مسلمانوں کے بچے تھے۔ یہ طالب علم عموماً عرب اور شام کے خیمہ نشین شیوخ کے بچے ہیں۔ جو یہاں سے تعلیم حاصل کرکے اپنے اپنے قبیلوں میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بطور مدرسوں کے استادوں یا ملازمان سرکاری کے مدنیت اور شائستگی پھیلاتے ہیں۔ بالفعل اس مدرسہ میں شام عرب یمن طرابلس بصرہ حجاز بغداد بنغازی (افریقہ) درنہ (افریقہ) کردستان۔ ٹریپولین (صرف ایک لڑکا) اور سماٹرا وجاوا (۲ لڑکے) کے طلبا تعلیم پاتے ہیں مدت تعلیم پانچ سال ہے۔ یہاں سے طلبا فارغ ہوکر مدرسہ حربیہ کو جاتے ہیں۔ جہاں مکتب عشیرت والوں کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ کلاس ہے ان سب لڑکوں کا خرچ حضور سلطان المعظم جیب خاص سے ادا کرتے ہیں

اس مدرسہ کا بورڈنگ ہاؤس یہ سب لڑکے بورڈر ہیں۔ جیسے کہ یہاں کے اکثر بڑے بڑے تعلیم گاہوں میں ریزیڈنشل طریقہ جاری ہے۔ میں نے ان کے کھانے اور سونے کے کمرے دیکھے۔ سب کے آہنی کاٹ اور عمدہ بستر اور کوٹھڑیں یہاں کے باقی تمام مدارس سے اعلےٰ تھی کیونکہ

آخر یہ ترک مہماناں سلطانی ہیں۔ باقی تمام مکاتب کی طرح یہاں کے طالب علموں کی بھی سکول کی وردیاں ہیں۔ مدرسہ کیطرف سے علاوہ وردی کے ہر طالب علم کو حسب ذیل کپڑے ملتے ہیں۔ ۱ جوڑہ جوراب۔ ۲ قمیص (ڈل) ۳۔ قوندرہ (دوہرا بوٹ) ۱ جوڑہ البسہ۔ ۲ شندیل (رومال) ۴ چاشیر (اندر پہننے کے کپڑے) ۴۔ تولیا۔ اسکے سوائے ٹیرہ مجیدی ماہوار جیب خرچ۔ دوپہر اور شام کے کھانے کے سوائے صبح کا ناشتہ بھی ملتا ہے۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کے کھانے کا خرچ مینے رجسٹر سے دیکھا تو ۱۷۴۸ قرش ۱۷ پارہ تھا۔ عبدالمحسن حسینی ساکن بیت المقدس اسکے منیجر ہیں میرے سوال پر بتلایا گیا کہ اگر کوئی ہندوستانی شریف زادہ بھی یہاں پڑھنا چاہے۔ اور پہلے سلطان المعظم سے درخواست کرکے اسکے لئے اجازت لیجائے تو اجازت ملنی قرین قیاس ہے۔ یہ مدرسہ براہ راست زیرنگرانی سلطانی ہے۔

مکتب سلطانی قسطنطنیہ کے کالجوں میں بطور آرٹس کالج کے یہ سب سے ممتاز مکتب ہے۔ میں سید عبدالغفار صاحب کے ہمراہ اسے دیکھنے گیا۔ عبدالرحمن شرف آفندی جو مدرسہ کے ڈائرکٹر یا مدیر ہیں نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ اور انہوں نے قہوہ سے ہماری تواضع کی۔ آپ قسطنطنیہ کے معلمین اور ایجوکیشنسٹ لوگوں میں سے ہیں۔ اور تاریخ وجغرافیہ پر کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپنے سلاطین ہند کے کچھ حالات ترکی میں تلمبند کئے تھے جو مجھے سناتے رہے اور ہندوستان کی کچھ اچھی تاریخوں کے نام دریافت کئے۔ گو یہ فارسی جانتے تھے۔ لیکن بول نہیں سکتے تھے اردو کی اصل کی نسبت کہا کہ قپچاق کے لشکر کا نام پہلے اردو تھا۔ آپنے نہ صرف اپنے مدرسہ کا پروگرام دیا بلکہ دولت عثمانیہ کے سررشتہ تعلیم کا ایک مفصل سالنامہ بھی عنایت کیا جو سترہ سو صفحہ حجم کی ایک ضخیم کتاب ہے

سالنامہ معارف

میں نے اسکے سوائے بھی ایک رپورٹ سررشتۂ تعلیم کی حاصل کی تھی جسمیں تمام مملکت کے مدارس کے نام درجے اور تعداد طلبہ وغیرہ درج تھی۔ لیکن اس سالنامہ کے سامنے اسکی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ سالنامہ یونیورسٹی کے کیلنڈر کی طرح ہے جسمیں عثمانی سررشتۂ تعلیم کی تاریخ۔ تمام وزرائے تعلیم کے حالات زندگی۔ تمام مکاتب اعلیٰ کے نصاب تعلیم اور دستور العمل بلکہ شروع سے لیکر سال حال تک ان میں سے کل کامیاب ہونے والے طلبا کے نام مع ان کے موجودہ رتبوں اور ملازمتوں کے درج ہیں۔ کتب خانوں مطبعوں اخبارات وغیرہ کی فہرستوں کے علاوہ تمام مملکت کے مکاتب و مدرسین کی مطول فہرستیں بھی اس میں موجود ہیں۔ اور حقیقت میں ترکوں کی تعلیمی بیداری اور کارگذاری کا یہ ایک نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ دولت عثمانیہ کی سرکاری رپورٹیں کہ جنمیں ایک یہ سالنامہ بھی ہے۔ نہایت تکلف اور اہتمام سے عمدہ کاغذ پر مکلف چھپائی اور جلد بندی کے شائع کیجاتی ہیں۔ مدیر صاحب نے اپنے ایک نائب کو جو انگریزی جانتا تھا۔ مجھے مدرسہ اور بورڈنگ ہوس دکھلانے کا حکم دیا۔ یہ عمارت کئی منزلوں کی ہے۔ اور اسمیں پڑھنے کے کمرے شفاخانہ باورچی خانہ سائنٹفک آلات کا کمرہ۔ عجائب خانہ۔ اور ڈارمی ٹوریز یعنے طلبا کے سونے کے کمرے بھی ہیں۔ سونے کے تین بڑے بڑے کمروں میں آٹھ سو بستر موجود تھے۔ کیونکہ اس مدرسہ میں ان دنوں آٹھ سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔

طلبہ عموماً کے اقسام

مگر ان میں سے بعض بورڈنگ ہوس میں نہیں رہتے علاوہ مسلمانوں کے بہت سے عیسائی اور یہودی بچے بھی یہاں رہتے ہیں۔ اور علاوہ فیس دینے والوں کے کئی ایک مفت بھی تعلیم پاتے ہیں۔ کیونکہ اس مکتب کے دستور العمل کے مطابق بعض لڑکوں کو بالکل مفت بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور دن کے علاوہ رات کو بھی تعلیم دیجاتی ہے۔

چنانچہ ان کی تفصیل اس طرح ہے :-

لیلی				بہاری				میزان	
مسلم		غیر مسلم		مسلم		غیر مسلم			
مفت	فیس والے	مفت	فیس	مفت	فیس والے	مفت	فیس والے	مسلم	غیر مسلم
۲۱۰	۲۲۳	۱۱۲	۹۹	۱۸	۵۷	۲۲	۷۱	۵۰۸	۳۶۴

مدرسہ کا اسٹاف فیس اور بورڈنگ

اس قدر شاگردوں کو اکاسی استاد بہت سے علوم و فنون کی تعلیم دیتے ہیں۔ بارہ افسر انتظام کا کام کرتے ہیں اور (۳۸) خدمتگار ملازم ہیں۔ استادوں میں سے قریب ایک تہائی کے فرانسیسی اور جرمن اور باقی ترک ہیں۔ کل سالانہ خرچ پچیس ہزار پونڈ ہوتا ہے جس میں سے سات آٹھ ہزار پونڈ لڑکوں کی فیس سے وصول ہو جاتا ہے۔ فیس کے لحاظ سے تین قسم کے طالبعلم ہوتے ہیں۔

(۱) اول وہ کہ جو داخلی کہلاتے ہیں۔ اور چالیس پونڈ سالانہ سال میں دو مرتبہ کر کے فیس ادا کرتے ہیں۔ خوراک۔ لباس۔ بچھونے۔ صفائی۔ مرمت۔ روشنی۔ کاغذ۔ قلم۔ دوات وغیرہ اخراجات سب اسی میں شامل ہیں بلکہ ڈاکٹر کا معالجہ اور مصوری۔ موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم بھی اسی میں شامل ہے۔

(۲) دوم جو نصف داخلی کہلاتے ہیں۔ ان کی فیس بیس پونڈ ہے۔ سوائے طعام شب اور رات کے قیام کے باقی سب حقوق ان کے داخلی طلبہ کے برابر ہیں۔

(۳) خارجی جنکی فیس دس پونڈ سالانہ ہے سوائے مصوری خط عثمانی اور جمناسٹک کے باقی سب تعلیم انہیں بھی دیجاتی ہے۔ اور ان مضامین میں سے ہر ایک کے لئے بھی باجازت ڈیڑھ سو غرش داخل کر کے استفادہ کر سکتے ہیں اس کے علاوہ۔ ان سب طلبہ کو پندرہ پونڈ بغرض پوشاک داخلہ کے وقت دینے پڑتے ہیں۔

رعایائے عثمانی سے جو کم استطاعت لوگ سالانہ فیس نہیں ادا کر سکتے وہ سلطنت سے استمداد کی درخواست کرتے ہیں کہ ان سے نصف یا دو تہائی فیس لی جائے اور بعض سالانہ فیس سے معافی کی بھی درخواست کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ایسی درخواستیں قبول ہو جاتی ہیں۔ تو باقی فیس جیب سلطانی اور وزراء و امرائے استنبول کی جیبوں سے ادا کی جاتی ہے۔ اور اس کالج میں سب طلباء فیس دینے والے یا فری یکساں حیثیت اور حالت میں پڑھتے اور رہتے سہتے ہیں۔

بورڈنگ میں نگرانی

بورڈنگ میں طلباء کی نگرانی بہت احتیاط اور تاکید سے کی جاتی ہے۔ سوائے تعطیل کے وقت کے طلباء کے عزیز اور ملاقاتی بھی ایسے بات چیت نہیں کر سکتے۔ اور نہ کمرہ ملاقات سے خارج ان سے مل سکتے ہیں۔ کوئی بیرونی شخص طالب علم کے کنبہ اور ڈائریکٹر کی اجازت کے سوائے اس سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ شاگردوں کو زیادہ پیسہ ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں۔ طلباء جو بیمار ہو جاتے ہیں۔ اُن کے گھر والوں کو ان کی کیفیت سے وقتاً فوقتاً خبر دی جاتی ہے۔ تندرستوں سے جدا بیماروں کے بستر ایک کمرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ڈاکٹر اُن کا علاج اچھی طرح کر سکے۔

مذہبی تعلیم اور تربیت کا اس قدر سختی سے لحاظ ہوتا ہے کہ مسلمان طلباء کو امام بالالتزام مسجد میں باجماعت نماز پڑھاتا ہے۔ اور غیر مسلم طلباء کو بھی ان کے مذاہب کے معبدوں میں بالالتزام احتیاط کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے کیونکہ سلطنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب کی پابندی سے زیادہ نیک اور سلطنت کا وفادار ہو سکتا ہے۔

نصاب تعلیم

مدت تعلیم اس کالج میں چھ سال ہے۔ البتہ تین سال سکول کے شامل کر لینے سے نو سال ہو سکتی ہے۔ تعلیم دو طرح کی دی جاتی ہے ایک تو ترکی زبان کے ذریعہ اور دوسری اس کے پہلو بہ پہلو فرانسیسی زبان کے ذریعہ اور ظاہر ہے کہ چھٹے سال سے طلباء کیا ترکی اور کیا فرانسیسی کے ذریعہ سے انگلش

دونوں زبانوں کے ذریعے تمام علوم متداولہ میں اعلےٰ درجہ کی مہارت پیدا
کر لیتے ہیں۔ اسی لئے دولت عثمانیہ یہاں کے سند یافتگان کو اپنے تمام
دفاتر اور محکموں میں عہدے دینے کا اقرار کرتی ہے تاکہ اس بات کا
اندازہ ہو سکے کہ چھ سال میں یہاں کس درجہ تک تعلیم دیجاتی ہے میں
دونوں ترکی اور فرانسیسی نصاب آخری سال کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔
چھٹے سال میں ترکی زبان کے ذریعہ ان مضامین میں تعلیم دیجاتی ہے
(۱) کتابت رسمیہ اور بلاغت میں تکمیل کی جاتی ہے (۲) عربی زبان
کے ترجمہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ اور ترکی سے مطابقت (۳) فارسی
علم ادب کے تدریس (۴) دول اسلامیہ کی تاریخ ختم کیجاتی ہے (۵)
ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کرنے کے اصول اور
تمرین کئے جاتے ہیں (۶) حسن خط میں سابقہ کیطرح مستعد طلبا کو
خط ثلث میں بھی عبارت کرائی جاتی ہے (۷) نقد میں مجموعہ زہیر نامی کتاب
اور فرانسیسی زبان کے ذریعہ اس سال میں یہ تعلیم ملتی ہے (۱) فرانسیسی
زبان میں مضمون نگاری۔ (ترجمہ) فرانسیسی لٹریچر۔ اور اسکی تاریخ (۲) حکمت
نظری میں معرفت نفس۔ ما بعد الطبیعیات اور علم اخلاق۔ (۳) علوم ریاضی میں ہندسہ
ہیئت۔ مثلثات مستویہ۔ مبادی فن میکانکس۔ اور کاسموگرافی (۴) علم
طبعی اور علم کیمیا میں۔ طبیعیات میں۔ علم برق۔ علم صدا اور روشنی کی تکمیل
تک۔ اور کیمیا میں آرگینک کیمسٹری تمام (۵) علم موالید میں علم نباتات
اور علم طبقات الارض۔ (۶) تاریخ عمومی یعنے یونیورسل ہسٹری کا بقیہ (۷)
جغرافیہ عالم کی تکمیل و تکرار (۸) حفظ صحت (۹) ترجمات ریاضیہ۔ وغیرہ۔
مدرسہ کی عالیشان عمارت گرد و شہر کے نہایت بارونق اور ایک
بلند حصہ پر واقع ہے باغات اور ورزش کے لئے وسیع گراؤنڈ ہے۔ اور
داخلے کے قریب پولیس کا پہرہ ہے جو یہاں کی ہر سرکاری عمارت کا لازمی

جزو ہے۔ دبعدمیں میں نے ترکی اخبارات میں پڑھا کہ آتشزدگی سے اس مدرسہ کی عمارت کو سخت صدمہ پہنچا۔

طالبعلموں کی وردی

یہاں سب کاتب کے طالبعلم اپنے اپنے سکول کی وردی پہننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور وہ وردی صرف مدرسہ کیوقت ہی نہیں پہنی جاتی۔ بلکہ شہر میں بھی صبح شام طالبعلم اس وردی میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ فوجی اور دیگر سکولوں کے شاگرد گورے گورے ترک بچے اور عرب زادے ان سیاہ وردی کے کوٹوں اور سرخ ٹوپیوں میں کیسے سجتے ہیں۔ ان کے کوٹوں کے کالروں پر مدرسہ کا نام اور رجسٹر نمبر خوشخط نسخ میں کاڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خوبصورت خط نسخ کو جو عروج یہاں حاصل ہے اُسے دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ جو چیز ہمارے یہاں کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ یہاں اسکے قدردان موجود ہیں۔

مکتب صناعت و علوم عالیہ

یہاں کا مکتب صنائع نفیسہ ہندوستان کے مختلف آرٹ سکولوں کے درجہ کا ہے اور سلطان عجائب گاہ کے سابق وزیراعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے کی کوشش سے ۱۸۸۱ء میں کھولا گیا اور اب انہیں کے زیرنگرانی ایک خاص مجلس صنائع نفیسہ کی حمایت میں جاری ہے۔ اسمیں دو سو یتیم بچے آہنگری اور نجاری کی ہر شاخ اور چھاپہ خانہ اور بعض دیگر شعبہائے فنون کا کام سیکھتے ہیں۔ یہ لوگ رہتے اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں۔ علاوہ روٹی کپڑے کے ہر لڑکے کو کچھ نقد ماہوار ملتا ہے جو مستقل اس کے لئے جمع رہتے ہیں۔ جب یہ لڑکا تین چار سال کی میعاد تعلیم کے بعد کام سیکھکر نکلیگا تو اُسے یہ نقدی جو جمع کی گئی ہے دیجائیگی تاکہ وہ اس کے ذریعے جسمیں سے تیس لیرا ترکی ہوسکتی ہیں۔ اپنی دکان جاری کرسکے۔ یہ بہت بڑا فیض عام کا کام ہے۔ مدرسہ کے منیجر رفعت عبداللطیف آفندی (داخلیہ مدیر معاون) اور دوسرے استادوں رستم محمد مسلم بڑا اور محمد سعید

طرز معماری عرب و روم سے بنے کا بغداد مدرسہ کے سب پیشے دکھلانے
لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت مرصع کرنے اور لکڑی میں بیل بوٹے بنانے کا
کام سیکھنے کے لئے دو معلم قسطنطنیہ سے مصر میں بھیجے گئے تھے۔ جو وہاں سے
یہ قدیم عربی صنعت سیکھ کر آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لٹو خراد کر کے ان سے
روشن اور جھروکے پردہ دار بناتے ہیں۔ جو بہت خوشنما کام ہے۔ لکڑی
کے انواع و اقسام کے کام کے علاوہ لوہے کے جنگلے۔ زراعت کے آلات
مثل ہلوں۔ بیج بونے کی کلوں۔ آٹا پیسنے کی چکیوں اور چھوٹی مشینوں اور
کاریگروں کے اوزاروں کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا انجن
بھی مجھے دکھلایا گیا۔ جو یہاں کے طالبعلموں نے بنایا ہے۔ اور
چلتا ہے۔ ایک گیس انجن کی طاقت سے مشینیں چلتی ہیں۔ کئی ایک خراد
کام کرتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت بڑی عالیشان ہے۔ اور ابھی عمارت
اضافہ ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ بغداد میں بھی ایک صنعت و حرفت کا
مدرسہ ہے۔ اور مملکت کے بعض دیگر مقامات میں چھوٹے چھوٹے مدرسے
ہیں۔ جب میں یہ مدرسہ دیکھنے گیا۔ تو دربان نے اندر جانے سے روکا۔ اسی
حیص بیص میں ایک نوجوان مدرسہ سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے شیخ علی محمد
صاحب افغانی شیخ تکیہ قادریہ جیکلر بیگی سے جو میرے ہمراہ تھے۔ میرا پتہ

ترکی اخبارات کا اثر

معلوم کیا۔ تو وہ بڑے شوق سے ملا اور خوشی سے اندر لے
گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز پہلے یہاں کے چند اخبارات
میں میری نسبت کچھ تعریفی جملے چھپ چکے تھے۔ جو اس نے پڑھے تھے
جب اخبارات میں کچھ میری کیفیت چھپی تو کئی شخص مجھے پوچھنے لگے کہ
تمہیں فلاں شخص ہو۔ منجملہ دوسرے اصحاب کے اسی شام کو بیروت کے
ایک اخبار ثمرة المعارف کے ایڈیٹر صاحب جو یہاں کسی کام پر آئے
ہوئے ہیں۔ مجھے ملنے آئے۔ اور دوسرے روز سید عبدالغفار صاحب کشمیری

بھی کہ جن کا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اور بعض دیگر صاحبان بھی تشریف لائے۔

نصاب تعلیم صنائع نفیسہ یعنے مصوری کے اقسام۔ روغنی اور آب رنگوں کی نقاشی۔ معماری۔ بیل (بُت) تراشی۔ حکاکی۔ لکڑی پر کام کھُدنا۔ دھاتوں کا کام کرنا عملی طور پر ورکشاپ میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور علمی طور پر آثار عتیقہ کی تاریخ۔ اور تشریح۔ اصول ونتری حساب اور ریاضی تاریخ صنائع۔ فن تزئینات وغیرہ اس مدرسہ میں سکھلایا جاتا ہے۔ چھ سے پچیس سال کی عمر کے لڑکے اس مدرسہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے امتحانات سہ ماہی وار لئے جاتے ہیں۔ اور سال میں دو مرتبہ یہاں کی اشیا کی نمائش کیجاتی ہے۔

تعلیم نسوان

تعلیم نسوان لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے۔ ربّی (پرائیویٹ) اور حکومتی دونوں قسم کے کئی مدارس پایہ تخت میں اور نیز مملکت کے اکثر بلاد میں جاری ہیں۔ ذیل میں میں ابتدائیہ یعنے پرائمری اور رشدیہ یعنے مڈل و ہائی سکولوں کا نصاب تعلیم درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہوجائے کہ چھ سال کے عرصہ میں جو ان دونوں درجوں کے لئے مدت تعلیم مقرر ہے۔ کیا کیا مضمون کتنے گھنٹے روزانہ کے حساب سے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ جدول اگلے صفحہ پر درج کیا جاتا ہے:-

اوقات ابتدائیہ و رشدیہ مکاتب

مضمون تعلیم	ہر جماعت میں ہر ہفتہ میں ہر مضمون کے لئے گھنٹے تعلیم کے					
	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم
الف با و شفاہی معلومات	۸	۰	۰	۰	۰	۰
قرآن کریم مع تجوید	۴	۹	۵	۳	۲	۱
علوم دینیہ	۰	۲	۲	۲	۲	۲
قرأت	۴	۴	۴	۲	۱	۱
املا	۳	۴	۳	۲	۱	۱
کتابت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
قواعد لسان عثمانی	۰	۰	۲	۲	۱	۲
عربی	۰	۰	۰	۰	۲	۲
فارسی	۰	۰	۰	-	۱	۱
حسن خط	۰	۲	۲	۱	۱	۱
دروس اشیا و معلومات نافعہ	۲	۲	۲	۱	۱	۱
ادارہ (یعنی انتظام خانہ داری)	۰	۰	۰	۲	۲	۲
اخلاق	۰	۰	۰	۱	۱	۲
حفظ الصحت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۱
جغرافیہ	۰	۰	۰	۲	۲	۲
تاریخ	۰	۰	۰	۲	۲	۱
دستکاری	۲	۲	۲	۲	۲	۲
میزان	۱۸	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴

نصاب کی تفصیل

یعنے سال اول میں تین گھنٹے روزانہ اور پھر پانچ سال تک چار گھنٹے روزانہ لڑکیوں کو تعلیم دینی کافی سمجھی جاتی ہے۔ منجملہ معلومات میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی واقفیت کی باتیں درج ہیں۔ مثلاً آدمی کے بڑے بڑے اعضاء۔ ملک کے مشہور حیوان۔ باغ کے درختوں کے نام۔ حفظ صحت کی موٹی موٹی ہدایات۔ سامنے نظر آنے والی چیزوں کے نام اور محل استعمال۔ رنگ۔ اوقات۔ گرما سرما۔ حواس خمسہ اور استانیوں کی طرف سے حسن تربیت و آداب و نصیحت کی کہانیاں۔ وغیرہ۔ علم مذہب کی جو کتابیں چھ سال کے لئے مقرر ہیں ان میں علاوہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی ضروری واقفیت کے عقائد اور مسائل فقہ بکثرت بتلائے جاتے ہیں۔ اور چھٹے سال میں تو اسقدر مذہبی واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے کہ کئی چھوٹے موٹے مولوی کہ جنکی واقفیت کنز اور قدوری سے باہر نہیں ہوتی دنگ رہ جائیں۔ مضمون قرأت میں کچھ موسیقی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسباق الاشیا میں اسقدر چیزیں دیہات اور گھر سے باہر کے شامل ہیں کہ ترک لڑکیاں باوجود پردہ کے سب باہر کی چیزوں کی ماہیت سے واقف کہی جا سکتی ہیں۔ مگر ادارہ بیتیہ یعنے انتظام خانہ داری کا مضمون جو لڑکیوں کے لئے سیکھنا سب سے ضروری ہے۔

انتظام خانہ داری

چوتھے سال ہفتہ میں دو سبق دیکر سکھلایا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے زنانہ مدارس میں بھی یہ مضمون داخل کیا جائے اسلئے اسکے موٹے موٹے عنوان درج کر دیتا ہوں۔

حصہ اول

مسکن۔ گھر کی مرمتیں۔ مسکن کی حفاظت اور مرمتیں۔ اصول حرارت و روشنی۔ (۱) مسکن کا انتخاب۔ (۲) گھر کی چیزوں کا موقع سے رکھنا۔ صحت کی ضروری شرائط۔ تقسیمات داخلی۔ ہوا کی تجدید و تصفیہ رہنے کے مکانات کا درجہ حرارت۔ (۳) گھر کی چیزیں اور آلات ضروری

سامان مطبخ - کوچ - کرسی اور میز - پردے - قالین - لحاف (۳) پلنگوں
کی عمدہ محافظت - گھر کی عورتوں کی اچھی حفاظت - سفر خرچ اور مفرح کے
سامان کی صفائی - چاندی کی اشیا اور مطبخ کے سامان کی صفائی اور
ستھراپن (۴) تانبے - پیتل - جواہرات - چاندی کے گلٹ اور دیگر
اشیا اور آلات اور تصویروں کے چوکھٹوں اور کتابوں کی صفائی -
کمروں کی کھٹملوں مچھروں وغیرہ کا دور اور ضائع کرنا (۵) اصول حرارت:
ایندھن - پتھر کا کوئلہ - کوک - لکڑی کا کوئلہ - جلنے والی چیزوں کے خواص
گھر کے آتشدان کے شرائط - انگیٹھیاں مختلف قسم کے چولھوں اور
انگیٹھیوں کے لئے مقررہ احتیاطیں وغیرہ (۶) روشنی کے امور
مثل تیل موم بتی - چراغ - روغن زیتون - گاس - مٹی کا تیل - لیمپ -
شمعدان - روشنی خانہ -

قسم ثانی لباس کپڑوں کی حفاظت - انہیں پاک صاف کرنا -
داغ دھبے پڑنا - سلائی اور سلائی کا سامان - (۷) لباس - کپڑوں کی
درست - نیچے کے کپڑے بنیان کی قسم کے - جرابیں وغیرہ - بستر پوش
دسترخوان - میز کے دستمال - سوتی کپڑے وغیرہ - (۸) کپڑے پاک
صاف کرنا - کپڑے کے صندوقوں میں کیڑوں وغیرہ سے حفاظت
بھی اور سوڈے والا پانی - صابن کا پانی - کپڑوں کو دھونے کے بعد
محفوظ رکھنا - استری کرنا - اور استعمال کرنا - (۹) داغ دھبے پڑنا - دھبے
دور کرنے کا صابن اور پانی - قہوہ - سیاہی - تیل اور ہر چیز کے داغ دھبے
دور کرنا (۱۰) سلائی کا کام - سلائی اور کشیدہ کی سوئیاں - نقاشی و کشیدہ
جرابیں بننا - موٹی و باریک سوئیاں - اسکے بعد پانچویں سال پھر ہفتہ
میں دو سبق دیئے جاتے ہیں -

قسم ثالث ذخائر اور لوازم سامان غذا کی حفاظت - گوشت

مچھلی۔ سبزی۔ کھیر۔ ناشتہ۔ شکر۔ قہوہ۔ چائے۔ اور شربت۔ (۱۱) روٹی۔ پنیر یا دہی یا روٹی کے خمیر کرنے کی مایہ۔ سرو ٹی پکانا۔ سامان خوراک کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے طریقے۔ نمکین مچھلی۔ انڈے گندہ ہونے سے محفوظ رکھنا۔ مکھن اور زیتوں کے تیلوں کی حفاظت (۱۲) تازہ اور خشک ترکاریاں۔ ٹماٹو (بینگن) اور تازہ پھلیوں اور پتوں والی سبزیوں کی حفاظت۔ ترشیوں کی اقسام۔ خشک میوہ جات تازہ اور خشک انگور۔ اخروٹ۔ شکر۔ قہوہ۔ چائے (۱۳) انواع و اقسام کے اچار مربے اور شربت۔

قسم رابع گھر کا دوائی خانہ (۱۴) ہاتھوں اور ہونٹوں کے ملنے کے خانے۔ دانتوں کے منجن۔ مسواک اور دانتوں کے خلال اکسیر ہونے کے ضروری علاج۔ جوشاندے۔ منیاندے۔ دودھ اور یخنی کے عمدہ اور مقوی استعمال۔ (دو سال گذشتہ میں سیکھے ہوئے سبق کا تکرار)

چھٹے سال پھر ہفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں

قسم خامس۔ خانگی طبابت اور حفظ صحت۔ (۱۵) غذا کا انتخاب اور بہم رسانی۔ اصول غذا۔ کھانے کے وقتوں کا تعین اور انتظام بچوں اور بوڑھوں کے غذا کا اصول۔ بچوں کی پرورش۔ قواعد حفظ صحت۔ نیند۔ حمام کرنا۔ تعفن دفع کرنے والی ادویات۔ بخور اور غسل (۱۶) طبابت بیتیہ۔ زخم خراب قسم کے۔ چیر پھاڑ اجانا۔ کٹ جانا یا چڑا اتر جانا۔ جلنا وغیرہ (۱۷) پاؤں کو پانی میں رکھنا اور بیماری سے شفا بخشنے والے اصول۔ گھر کے لئے ایک طبیب کا انتخاب۔

قسم سادس بیگم خانہ کے وظائف اخلاقی (۱۸) آداب اور مراسم معاشرت۔ نوکرانیوں کا انتخاب۔ نوکرانیوں کیلئے کام کاج کے قواعد

اور ان کی خوراک۔ (۱۹) گھر کا حساب کتاب رکھنا۔ (۲۰) متفرق علم خانہ داری۔ انگیٹھیوں اور آتشدانوں کی صفائی۔ کوڑا کرکٹ۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے مابین شرائط و تعلقات۔ (تینوں سالوں کے سبق دوہرانا)

یقیناً جن خوش نصیب لڑکیوں کو مندرجہ بالا نصاب کے مطابق امور خانہ داری میں تعلیم ملے۔ ان کی اور ان کے متعلقین کی زندگی نہ صرف آرام و آسایش سے گذرے گی۔ بلکہ ان کی اولاد جاہل ماؤں کی اولاد سے مزید زیادہ لائق اور روشن ضمیر تیار ہو گی۔

ان تفصیلی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی تعلیم بھی پورے طور پر دیجاتی ہے۔ جغرافیہ اور تاریخ میں ضروری اور ملکی اور اسلامی تاریخ اور معلومات کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ اور دستکاری میں ہر قسم کے کشیدے جالیاں اور لیسیں بنانا شامل ہے۔

لڑکیوں کے صنائع مکاتب

"قرصنائع کبتی" وہ مدرسے ہیں کہ جنہیں بجائے چھ سال کے سات سال میں اسیقدر تعلیم دیجاتی ہے جتنی کہ لڑکیوں کے رشدیہ مدارس کے نصاب میں درج ہے۔ مگر اسمیں سینے پرونے کی دستکاریاں سکھلانے پر بہت وقت خرچ کیا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے عمدہ سے عمدہ کپڑے کاٹنے اور سینے اور انپر ریشم اور طلا کے کشیدے کاڑھنے کپڑے کے پھول بنانے۔ جرابیں۔ لیسیں بنانے۔ گھر کے تمام انتظام کرنے۔ اور طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے کے طریقے بڑے اہتمام سے سکھلائے جاتے ہیں۔ سلائی کی مشینوں کا سمجھانا بیل بوٹوں کے نقشے اور کپڑوں کے فرمے وغیرہ سب نصاب میں شامل ہیں۔ اور یہاں عملی کام بہت ہوتا ہے اسکے علاوہ لڑکیوں کی رات کے مدرسے الگ ہیں۔ تاکہ جو لڑکیاں کسی وجہ سے دن کے مدرسہ میں تعلیم

نہ پا سکیں وہ رات کے مدرسوں میں داخل ہوجائیں۔ واضح رہے کہ دس سال تک کی لڑکیوں کو قانوناً پردہ کی پابندی نہیں ہے اسلئے مدرسوں کو ایسی لڑکیاں کھلے منہ جاتی ہیں۔ اسکے بعد البتہ مروجہ پردہ کے ساتھ جاتی ہیں۔

دار المعلمات

ان کے علاوہ ایک دار المعلمات ہے کہ جہاں لڑکیاں کے مدرسوں کے لئے استانیاں تیار کرنے کے واسطے تین سال کا کورس تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں باقی تو وہی سب مضامین سکھلائے جاتے ہیں جو مدارس ابتدائی اور رشدی کے نصاب میں داخل ہیں۔ لیکن طریقہ تعلیم اور موسیقی دو علیحدہ مضمون ہیں۔ موسیقی کے متعلق اسقدر بتلا دینا مناسب ہے۔ کہ اسکا تینوں سال ہفتہ میں صرف ایک سبق ہوتا ہے اور اسمیں بھی بالفعل صرف پیانو باجا بجانا سکھلایا جاتا ہے۔ سلطانی گیت نوٹوں اور اصول کو یاد کرایا جاتا ہے۔ مگر یہ مضمون ابھی تک اختیاری ہے سنہ ۱۸۹۹ء میں اس مدرسہ میں (۵۶) لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اور ابتداء قیام سنہ ۱۲۸۹ سے لیکر سنہ ۱۳۱۵ تک (۳۴۴) استانیاں سند حاصل کر چکی تھیں۔ مہتمم مدرسہ حاجی حافظ خلوصی آفندی ہیں جو بڑے فاضل اور نامی مدرس ہیں۔ ان کے علاوہ حساب ہندسہ۔ عربی۔ فارسی۔ قرآن۔ علوم دینی اور تعلیم خط کے چھ اور مدرس مرد ہیں۔ اور باقی انیس سند یافتہ استانیاں ہیں۔ علوم متنوعہ اور دستکاری کے اول معلمہ صدیقہ خانم ہیں۔ مہتمم کو دوم درجہ کا تمغہ شفقت سلطان المعظم کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ انہیں اور استانیوں کو سوم درجہ کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف تین عیسائی عورتیں ہیں۔ اور باقی سب مسلمان ہیں۔

شاعرہ مصنفہ و اخبار نویس ترک خاتونیں

جبکہ ایسی اچھی تعلیم ترک خاتونوں کو مل رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ بہت جلد ترک خاتونیں بھی

اپنی یورپین بہنوں کی طرح زیور تعلیم سے پورے طور پر متحلی نہ ہو جائیں۔ نپولین نے ایک وقت کہا تھا کہ فرانس کی ماؤں کو لائق بناؤ تاکہ فرانسیسی قوم سب کی سب لائق ہو جائے۔ سلطان عبدالحمید خان نے اسکی بہت عمدہ تعمیل کی ہے۔ اور ترکوں میں اب لائق تعلیم یافتہ مصنف اور اخبار نویس عورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ احمد مدحت صاحب نے مجھے بتلایا تھا کہ اسوقت قسطنطنیہ میں کم از کم ۵۰ عورتیں شاعرہ، مصنف، اخبار نویس اور مضمون نگار اور فرانسیسی زبان میں ماہر ہیں۔ جنمیں چوٹی پر فاطمہ علیہ خانم بنت جودت پاشا مرحوم عالم، مصنف، شاعرہ، فلسفی ہے۔ ایک اور لیلیٰ نگار خانم نام شاعرہ اور مصنف بحیثیت مشہور ہے۔ فاطمہ نعمت اللہ جو ابھی بیس اکیس سال سے بڑی نہیں ہے۔ مگر بڑی ہوشیار لکھنے والی ہے۔ مقبولہ لمعان ایک مشہور و شیدا صوفیہ اور شیخ تھی۔ جسکا انتقال ہو گیا ہے۔ شادیہ خانم یہاں نسوان کے اخبار قادنلرہ مخصوص غزتہ کی ڈائرکٹرس ہے۔ یہ اخبار عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی قابلیت سے نکالا جاتا ہے جو یورپ کے دیگر بلاد کے اسی مطلب کے اخبارات سے بہتر ہے۔ ان میں سے بعض کو حضرت سلطان کی جانب سے چاندی سونے کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔

ترک خاتونوں کے مخصوص نام

ترکی بی بیوں کے بہت سے نام تو عرب، مصر، ہندوستان اور افغانستان وغیرہ بلاد اسلامی کی عورتوں کے ناموں سے مشترک ہیں۔ لیکن بعض نام صرف ترکی سے مخصوص بھی ہیں۔ ترکی مدارس زنانہ کی طلبۃ العلم کے ایک دو سو ناموں کی فہرست سے ذیل کی فہرست زنانہ ناموں کی مرتب کی گئی ہے۔ اس میں شروع کے ناموں کے ساتھ جو عدد لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسبت سے یہ نام زیادہ ہر دلعزیز اور مستعمل ہیں اور باقی کمتر۔ مثلاً فاطمہ

سب سے زیادہ مستعمل نام ہے۔ اسکے بعد امینہ اور خیریہ وغیرہ۔ فہرست تیار ہے۔
فاطمہ (۱۰) امینہ (۷) خیریہ (۷) خدیجہ (۹) عائشہ (۹) زہرا (۴) عزیزہ (۳)
لطیفہ (۳) منیرہ (۳) سکینہ (۳) حسینہ (۲) نجیبہ (۲) سحر (۲) حمیدہ (۲)
ظریفہ (۲) عادلہ (۲) فطنت (۲) علیّہ (۲) نعیمہ (۲) ثروت (۲) بیگم خانم
(۲) فتوح خانم۔ روبیہ۔ فاطمہ نگار۔ منیرہ۔ فروانہ۔ جمیلہ۔ الفت۔ نازک
امثال۔ زعفر۔ فاطمہ زہرا۔ نزہیہ۔ مائدہ۔ شاہندہ۔ انافت۔ عدویہ۔ مزنج
نائلہ۔ سعدیہ۔ گل زمین۔ نازنینہ۔ جیلہ مز۔ حفیظہ۔ حسیبہ۔ امثال فوزیہ۔ صبیحہ
حسن ملک۔ لبابہ۔ عفت۔ رفیقہ۔ عائشہ نظیرہ۔ موہبہ۔ کاملہ۔ قدریہ
نائیہ۔ محبہ۔ منیب۔ سلیمہ۔ لبیبہ۔ فاکہہ۔ عطیہ۔ صالحہ۔ شوکت۔ زریق
مقبول۔ فتحیہ۔ ماجدہ۔ سحر۔ احسان۔ عنایت۔ ملک خانم۔ سامیہ۔ جلال
فوزیہ۔ فکریہ۔ ہرفر۔ معادل۔ کلثوم۔ جمالیہ۔ زینیہ۔ ناجیہ۔ خالدہ۔ صفیہ
عائشہ۔ سعیدہ۔ زمیتہ۔ مقدس۔ صابرہ۔ مہیارہ۔ سمیرہ۔ زبیدہ۔ ستارہ
نادرہ۔ عفیفہ۔ نسیمہ۔ فائزہ۔ فخریہ۔ نائیہ۔ سعادت۔ پاکیزہ۔ شاذیہ
صدقیہ۔ مروانہ۔ فہیمہ۔

اخبار رسالے مطبعے کتابیں۔ زندہ مصنف اور کتب خانے

سب سے پہلے اقدام۔ صباح۔ معلومات۔ ثروت۔ ترجمان حقیقت وغیرہ یہاں کے تمام بڑے بڑے روزانہ اخبارات کے دفاتر دیکھے۔ یہاں سب اخبارات کے دفاتر میں ساتھ ساتھ اشاعت و فروخت کتب کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اخبار کا کام ہندوستان کی نسبت بڑے سرمایہ سے کیا جاتا ہے۔ کاغذ کے گودام چھاپنے کی مشینیں ثابت۔ اور ملازموں کی تعداد سب اس امر کی شاہد ہیں۔ اخبارات کی شکل و صورت بھی بہت عمدہ ہے۔ عموماً انگ

اخبارات اور پبلشنگ

دفتروں میں ایڈیٹر اس طرح کام کرتے دیکھے گئے کہ چھ چار ایڈیٹر سب ایک بڑے کمرہ میں ایک بڑی میز کے گرد کام کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اخبار ختم کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا اس وقت اقدام سب سے زیادہ چھپنے والا ترکی اخبار ہے۔ اس سے پہلے صباح کی اشاعت زیادہ تھی۔ لیکن چونکہ اسکا مالک ارمنی ہے تو ارمنی فساد کے بعد اسکی وہ بات نہیں رہی۔ ترکی کا مشہور قاموس الاعلام چھ جلدوں میں صباح ہی کے مطبع میں چھپا ہے۔ جو میں نے (۲۱۰) قرش کو خریدا۔ ترکی زبان میں غالبًا یہی ایک سائیکلوپیڈیا جغرافیہ اور تذکرہ اور تاریخ کا ہے۔ دفتر اقدام سے دو بیش عمدہ کتابیں اصطلاحات العلوم عربی اور موضوعات العلوم دو دو جلد ترکی خریدیں۔ جب میں اول کتاب کی قیمت دے چکا تو احمد جودت صاحب مالک اقدام سے ملا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے قیمتًا کتاب خریدی تھی۔ تو انہوں نے افسوس کیا اور دوسری کتاب کی قیمت نہیں ادا کرنے دی۔ ترجمان حقیقت کے دفتر سے ایک بہت عمدہ کتاب بطور ہدیہ ملی جو اس اخبار نے ثروت فنون کے ساتھ ملکر بغرض امداد مصیبت زدگان کریٹ چھاپی تھی۔ اور جسمیں ٹرکی کے تمام نامور اہل قلم نے ایک ایک مضمون لکھا تھا۔ معلومات کے مالک طاہر بک صاحب کا مطبع سب سے بڑا تھا۔ اور

طاہر بک صاحب کا مطبع

یہاں سے علاوہ ترکی معلومات روزانہ۔ ترکی ثروت روزانہ۔ ترکی معلومات ہفتہ وار۔ عربی معلومات ہفتہ میں دو بار اور ثروت فرانسیسی روزانہ وسب معاً یہاں شائع ہوتے تھے۔ ثروت فرانسیسی کا ایڈیٹر جو ترک تھا۔ بالکل یوروپین معلوم ہوتا تھا۔ اور جب میں اس سے ملا تو اسکی میز کے پاس کھڑکی میں ایک کتا پڑا سوتا تھا۔ مالک مطبع طاہر بک صاحب مجھے پہلے مرتبہ بے اعتنائی سے ملے۔ جسکا ذکر پیشتر اپنے ایک میزبان

سے کیا - اس پر وہ مجھے پھر ایک روز طاہر بک صاحب کے مطبع میں لیگیا - معلوم نہیں طاہر بک کو کیا سمجھایا کہ اس روز تو بہت خاطر مدارات سے پیش آیا - اور خواہش سے کہا کہ میرے ترکی - فرانسیسی اور عربی اخبارات کے محرر (ایڈیٹر) ساتھ کے کمرہ میں جمع ہیں - وہ تم سے معاملات ہندوستان کی بابت کچھ انٹرویو کریں گے - انہیں جو ہو سکے بتاؤ - چنانچہ ان لوگوں نے بعض سوالات نسبت تعلیم مسلمانان ہند و تجارت و زراعت و حرفت و باعث قحط و نسبت مصنفان زمانہ حال دریافت کئے - میں فارسی میں جلال بک مترجم جرائد روسی اور انگریزی میں خالد ایوب کو بتاتا جاتا تھا - رخصت ہونے کے وقت طاہر بک نے اپنے یہاں کے کئی مطبوعہ ترکی ناول مجھے ہدیۃً دیئے - میں نے سنا تھا کہ سلطان المعظم کی طاہر بک پر بڑی نظر لطف ہے - اور اُسے کئی تمغے بھی ملے ہوئے ہیں - لیکن ہندوستان پہنچنے سے تھوڑا عرصہ بعد مصری اخبارات سے معلوم ہوا کہ کسی تصویر پر اُسکا مطبع ضبط کر لیا گیا - تمام اخبارات بند ہو گئے - اور خود بیچارہ طاہر بھی نظر بند کر دیا گیا - طاہر بک کے مطبع کی باتصویر کتاب بہتر کتابت کی ایسی خوبصورت اور خوشنما چھپی ہوئی ہے کہ یورپ کی بہترین کتابوں کے مقابلہ میں پیش کی جا سکتی ہے -

ترکی اخبارات کے ماخذ

میں نے دیکھا کہ یہاں کے اخبارات زیادہ تر فرانسیسی اور جرمنی زبانوں کے اخبارات کے ترجمے چھاپا کرتے ہیں اور روسی بلغیرین اور یونانی زبانوں کے اخبارات سے بھی اقتباس کرتے ہیں - اور اخبارات کے ایڈیٹر اور مترجم یہ سب زبانیں جانتے ہیں لیکن ان کے درمیان میں نے کوئی انگریزی جاننے والا شخص نہ دیکھا - آخر ترجمان حقیقت کے سٹاف میں مجھے ایک ترک ایڈیٹر ملا جو انگریزی بھی خوب بولتا تھا - میں نے پوچھا کہ تم نے انگریزی کس طرح سیکھی - تو اُس نے بتایا کہ میں

میں میری بکر لنس ایک انگریز عورت تھی - اور اسکے بعد بھی میں نے اس زبان کو سیکھا ہے - میں نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے - میں نے کسی ترکی اخبار کے دفتر میں کوئی انگریزی اخبار نہیں دیکھا - حالانکہ انگریزی اخبارات مثل لنڈن ٹائمز - ڈیلی میل اور ٹیلیگراف وغیرہ کے فرانسیسی اخبارات تان اور فگارو وغیرہ سے زیادہ صرف اور محنت سے تیار کئے جاتے ہیں اور ان سے اعلےٰ پایہ رکھتے ہیں - ترک ایڈیٹر نے جواب دیا کہ ہم انگریزی اخبارات کو پسند نہیں کرتے - ان میں بڑا ٹیکنیک (دفضول) درج ہوتا ہے - میں نے اُسے قایل کرنا چاہا - مگر اُس نے ایک نہ سنی - بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو فرانسیسی زبان کا وہاں زیادہ دخل ہے اور دوسرا چونکہ انگریزی پالیسی کچھ مدت سے ترکی کے مخالف ہے اسلئے انگریزی اخبارات کو وہاں ناپسند کیا جاتا ہے -

بعض پابندیاں جہاں ترک اخبار نویسوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اخبار کے ایڈیٹر سرکار کے ہر قسم کے ملازمتوں پر بھی ممتاز ہیں - اور بطور اوڈیٹر کے اخبارات کے دفاتر میں بھی کام کرتے ہیں - وہاں ان کے لئے یہ پابندی سخت ہے - کہ کوئی اخبار نویس کسی غیر سلطنت میں نہیں جا سکتا ورنہ اس سے سخت بازپرس کیجاتی ہے - حالانکہ اخبار نویسوں کو ہی سب لوگوں سے زیادہ ممالک غیر کی سیاحت کی ضرورت ہوتی ہے - اسکے سوائے ترکی اخبارات کے سنسر کے فرائض کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسری سلطنت کے بادشاہ یا حکومت کی تعریف یہاں کے اخبارات میں درج کرنے کی اجازت نہیں - غیروں کی نکتہ چینی سے بھی یہاں تک احتراز کیا جاتا ہے - کہ ان کی بات کا ذکر تک نہیں کیا جاتا - مثلاً جب قیصر جرمنی نے اپنی افواج چین کو بھیجتے ہوئے چینیوں کی ہجو میں متعلق تقریر کی تھی تو تمام یورپ کے اخبارات نے اسپر لے دے کی

ترکی اخبارات نے بالکل اس قضیہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیونکہ یہ تحریر یعنی ناپسند کی گئی تھی۔ ہمبرٹ شاہ اٹلی جب قاتل کے ہاتھ سے مارا گیا تو ترکی اخبارات صرف اس قدر لکھ سکے کہ شاہ اٹلی نے انتقال کیا۔ وقس علی ہذا۔

ہفتہ وار و ماہوار پرچے

علاوہ اخبارات روزانہ کے قسطنطنیہ میں کئی ایک ہفتہ وار اور ماہوار رسالے بھی طبع ہوتے ہیں۔ مسجد بایزید کے متصل جا بجا کتب فروشان سے ایک روز میں نے ترقی۔ ارتقا۔ ثروت فنون۔ معلومات ادب۔ خانلرہ مخصوص عزتہ اور چوجک لرہ مخصوص عزتہ کے پرچے خریدے ان رسالوں میں اچھے اچھے لکھنے والے مضامین نظم و نثر لکھا کرتے ہیں جو ترکی لٹریچر کے عمدہ نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں شہر قسطنطنیہ میں کل (۳۶) اخبار اور رسالے شائع ہوتے تھے

سرکاری اخبارات

علاوہ پایۂ تخت کے اخبارات کے جنہیں جنگی گزٹ کی طرح بعض رسمی یعنی سرکاری پرچے بھی ہیں۔ متعلقات کے ہر ضلع سے ایک رسمی اخبار شائع ہوتا ہے۔ مثلاً بیروت کے اخبار کا نام بیروت ہے اور دمشق کے اخبار کا نام شام ہے۔ ان کا ایڈیٹر سرکاری ملازم ہوتا ہے ان میں علاوہ بعض سرکاری اعلانات اور نرخ اجناس وغیرہ سرکاری خبروں کے عام خبریں بھی چھپتی ہیں۔ ان اضلاع کی رعایا انہیں بطور اخبارات خریدتی اور پڑھتی ہے

ترکی ٹائپ

ترکی اخبارات کا ٹائپ بہت خوبصورت خط نسخ کا ہوتا ہے جو استانبولی ٹائپ کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم ہوا کہ اس ٹائپ کے خرید کر ملک سے باہر لیجانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس شک کی وجہ سے کہ ترکی رعایا ممالک غیر میں جا کر حکومت عثمانی کے خلاف اخبارات نہ شائع کریں۔ ترکی ٹائپ کے کیس میں حروف کے (۳۰۵) خانے ہیں اور ایک طرح

میں شمار کئے جاسکتے ہیں ٹائپ کا موجد ایک مطبع ترکی پبلشر ضیا بک ہے جس کو پہلے سلطنت کے کسی ناراضگی کی وجہ سے مطبع ضبط ہو جانے کے بعد قید و جزیرہ میں بٹھلا دیا گیا تھا مطبع ضیا بک جنتریاں یورپ کی بہترین جنتریوں کے مقابلہ کی ہیں۔

غیر ملکوں کے اخبارات کا معاملہ

چونکہ یہاں کے اخبارات آزاد نہیں ہیں اسلئے قدرتاً جو لوگ کوئی غیر زبان سوائے ترکی کے جانتے ہیں وہ غیر زبانوں کے اخبارات پڑھنے کے شوق رکھتے ہیں اسلئے بہت سے فرانسیسی، اٹالی۔ انگریزی۔ جرمنی اور یونانی وغیرہ زبانوں کے اخبارات غیر ممالک سے آکر شہر میں بکتے ہیں۔ اور شاید ترکی حکام ان اخبارات کی درآمد بند کردیتے لیکن غیر ممالک کے ڈاکخانوں اور قنصلخانوں کے ذریعہ سے یہ اخبارات ہر وقت ملک کے اندر آتے رہتے ہیں۔ حدود مملکت کے اندر بھی سوائے ترکی کے فرانسیسی یونانی آرمنی بلغاری وغیرہ کئی زبانوں کے اخبارات چھپتے ہیں۔ مگر ان کے کافی نگرانی ہو جاتی ہے۔

پریس پر چنگی ٹکس

سلطان المعظم کے جشن حکومت بست و پنجسالہ کی تقریب پر ترکی زبان کے اخبارات تو دوبارہ کا ٹکٹ ہر پرچہ پر لگا کر چھاپنے سے معاف کئے گئے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کے اخبارات پر ابھی یہ ٹکٹ لگتا ہے۔ مگر یہ اخبارات تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر اشتہار اور ہر کاغذ کے پرزہ پر جو شائع کیا جاوے یا کہیں آویزاں یا چسپاں کیا جاوے یہ ٹکٹ لگانا ضروری ہے۔ مثلاً کسی دوکان پر صرف اسقدر لکھ کر کاغذ چسپاں کیا جائے کہ "دوکان خالی ہے"۔ تو اس پر بھی یہ ٹکٹ ہوگا۔ یا ریل کا ٹائم ٹیبل ہو یا کسی حکیم کا الاشتہار ہو۔ غرض ہر پرچہ پر ٹکٹ لگانا لازمی ہے۔ ایک زمانہ میں انگلستان کے اخبارات پر بھی ایسا ہی ٹکس قائم تھا مگر جب وہ معاف کیا گیا تو اخباروں کو بڑی ترقی ہوئی۔ اسلئے آج اس

قسم کا کمٹس انگلستان کے اخبارات پر ہوتا - تو حالت موجودہ سے نصف یا
چہارم لٹریچر بھی وہاں سے شائع نہ ہوتا - مگر میں پھر لکھنے پر مجبور ہوں کہ ٹرکی
کو جو اپنی مختلف الاقسام رعایا کے لئے ایسی پابندیوں کے لئے مجبور اور ایک حد
تک حق بجانب ہے -

شاہ ایران کی سیاحت استنبول

جب میں پیرس میں تھا تو شاہ مظفر الدین
قاچار مرحوم بھی پیرس آئے ہوئے تھے - لیکن جب میں انگلستان کو گیا تو شاہ بھی
ایکس ایلا شاپل کے چشموں پر پانی کا علاج کرتے رہے - وہیں سے قسطنطنیہ
کے دوران قیام میں وہ بطور سلطان المعظم کے محترم مہمان کے یہاں تشریف لائے
لیکن بخلاف پیرس کے یہاں ان کی خاطر و مدارات کی کوئی انتہا نہ تھی - اور
قطع نظر سلطنت کی طرف سے پُر تکلف میزبانی ہونے کے اہل شہر شاہ کے
کی زیارت کے بیحد مشتاق تھے - شنبہ کی صبح کو ہم لوگ سویرے ہی گاڑی
لیکر سٹیشن پہنچے "وصغورہ" جو اکثر مقری کوئی کے سٹیشن پر اترنے کے
جو حوالی شہر میں ایک موضع در سعید سے سٹیشن ہے - ہزاروں تماشائی مقری
سٹیشن کو جا رہے تھے - ہم نے بھی ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہو گئے
ہر چند کہ گاڑی میں جگہ کی تنگی تھی - اور ہمارے کمپارٹمنٹ میں بھی کئی لوگ
آ گئے - لیکن وہ کی مقررہ تعداد سے ایک شخص بھی زیادہ گاڑی میں نہ بیٹھا
اس وقت بھی بہت سے نوجوان ترکوں نے یورپین ٹوپی پہنی ہوئی تھی - جب وہ
گھسنے کی کوشش کرتے تو ان کے برابر کو بے تمیزی سے نہیں البتہ ان کے
چلے جانے کے بعد ان پر ایک قہقہہ لگایا جاتا - جس سے میں سمجھا تھا کہ ترکوں
میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق اس قدر ابھی موجود ہے - غرض سٹیشن پہنچے تو وہاں
جب جا پہنچے تو تماشائیوں کا ٹھٹ - تھوڑی دیر بعد حضرت شاہ کی گاڑی بھی
آئی - فوج اور پولیس کا انتظام غضب کا مبالغہ سے کیا گیا تھا - ریل کی لکیر
پر میلوں تک دونوں طرف کچھ کچھ فاصلہ پر سوار تعینات کئے گئے تھے - بجائے

شاہ گاڑی میں بیٹھکر سٹیشن کو روانہ ہوئے کہ جسکے ذریعہ سے وہ قصر یلدز کو جانیوالے تھے۔ سٹیشنوں کی ایک قطار بیرقوں اور جھنڈوں سے آراستہ کھڑی تھی۔ اور ان میں فوجی باجہ بج رہا تھا۔ اسوقت سینکڑوں ایرانی جو استقبال کے لئے یہاں آئے تھے۔ بیحد خوش نظر آتے تھے۔ شہر میں بھی ایرانیوں نے اپنی دوکانوں اور مکانوں کو خوب سجا رکھا تھا۔ دوسرے روز شہر کے بازاروں میں سے جس جسطرح سے شاہ مظفر الدین گذرے ان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ جا بجا فوج متعین تھی۔ میں اسوقت معلومات کے دفتر میں تھا۔ کہ حضرت شاہ کی سواری سفارت ایران کو جاتی ہوئی درمیان سے گذری۔ شاہ کا رنگ صاف اور موجبین ہنس مکھ ہیں۔ تین ترک افسر آپ کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اور ساتھ بہت سی گاڑیوں میں ایرانی اور ترک افسر جلوس میں تھے۔

شاہ اور ترکی اخبارات

ترکی اخبارات اس روز اور اس سے پہلے روز شاہ مظفر الدین کے حالات اور تصویر اور ان کی تاریخ وجغرافیہ اور فارسی اشعار تبریک سے لبریز تھے۔ میں نے ناظم صاحب معلومات کو کہا کہ میری طرف سے بھی یہ دعائیہ شعر چھپوا دیجئے۔ ؎

اقلیم پارس را غم از آسیب دہر نیست
تا بر سرش بود چو توئی سایہ خدا

انہوں نے مجھے کہا کہ اسکے ساتھ چند سطر فارسی میں لکھ دو۔ جب میں لکھنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں انگلستان یا ہندوستان کے کسی اخبار میں اسوقت شاہ کجکلاہ کے متعلق لکھتا تو ضرور یہ صلاح دیتا کہ سیاحت یورپ سے علمی فائدہ اپنے ملک کو پہنچائیں۔ نیز اپنے پدر بزرگوار کی طرح اپنی ذات تک ہی اسکے فوائد محدود نہ رکھیں۔ لیکن چونکہ شاہ سلطان المعظم کے مہمان خاص ہیں تو ترکی اخبارات ان کی نسبت کوئی ایسی بات چھاپ نہیں سکتے بلکہ دنیا کے کسی بادشاہ کی نسبت کوئی ایسی تحریر چھاپنا سوء ادب سمجھتے ہیں۔ جو ان کے

قانون پریس کی نظر میں گستاخی پر محمول ہوتی ہے۔

کتابوں کی اشاعت

گو دولت عثمانیہ میں پریس کو آزادی حاصل نہیں۔ لیکن پریس کو خاصی ترقی حاصل ہے۔ پایۂ تخت میں علاوہ اخبارات کے (۸۹) مطابع جاری ہے۔ جنہیں علاوہ ترکی زبان کی بہت سی یوروپین اور خصوصاً یونانی۔ عبرانی۔ آرمنی اور بلگیرین زبانوں کی کتابیں چھپتی اور چھپکر بکتی ہیں۔ مگر کتابوں کے چھپنے سے پہلے صیغہ تعمیر کے محکمہ تفتیش رسائل و کتب سے ان کے چھاپنے کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس محکمہ میں کتاب کے تمام مضامین کے مطالعہ کے بعد جو مضامین یا الفاظ چھاپنے کے لائق نہیں سمجھے جاتے وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور باقی کتاب چھاپنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اس محکمہ کے نظام نامہ میں درج ہے۔ کہ ممالک محروسہ شاہانہ میں طبع ہونے والے تمام کتب دینی اور رسائل اخلاق متنوعہ فنیہ ادبیہ اور سیاسیہ اور رسائل موقتہ مثلاً جرائد والواح و مستدل۔ و اسکے اور ممالک محروسہ میں داخل ہونے والی مطبوعات اجنبیہ کے خونک اندر آجات کی نگرانی کے لئے یہ محکمہ ذمہ دار ہے۔

علوم مفیدہ کی کتابیں

ترکی علوم مفیدہ اور یورپین سائنس و لٹریچر کے ترجمے یوروپ کی مختلف زبانوں سے بکثرت ترکی میں چھاپ رہے ہیں۔ فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی اور انگریزی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے بہت ہو چکے ہیں۔ مگر ان میں سے پہلی دو زبانوں کی کتابیں زیادہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ خصوصاً جنگی اور فوجی علوم کی کتابیں نسبتاً بہت زیادہ چھاپی گئی ہیں۔ احمد مدحت صاحب نے مجھے عزت آفندی مہتمم کتب خانہ کے نام ایک رقعہ اس مطلب کا دیا تھا۔ کہ دار الشفقہ عسکری اور دیگر مدرسہ کی کس قدر کتابیں عثمانی زبان میں چھپی ہیں افسوس ہے۔ کہ میں ان سے دریافت نہ کر سکا۔ مگر عام خیال یہ تھا کہ پانچ ہزار سے زیادہ ایسی جدید کتابیں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسوقت کوئی علم اور فن ایسا نہیں ہے کہ جسکی کتابیں یوروپ کے کسی زبان میں ہوں اور ترکوں نے

ان کا ترجمہ یا خلاصہ نہ چھاپ لیا ہو۔ اسکے ساتھ ہی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے اور خلاصے بھی شائع ہوتے جاتے ہیں۔ اور دن بدن لوگوں کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ۱۳۱۸ ہجری کے سررشتۂ تعلیم کی رپورٹ میں قریب دو ہزار کے ایک سال میں شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست اعلام درج ہے۔

واضح رہے۔ کہ یہاں کی کتابیں ہندوستان کی کتابوں سے اچھے کاغذ چھپائی اور جلد بندی کی ہوتی ہیں۔

زمانہ حال کے ترک مصنف اور اہل قلم

عربی اور فارسی کی طرح ترکی نظم کا ذخیرہ بھی کم دلچسپ نہیں۔ جیسا کہ ایک ترک پاشا کی مرتب کردہ کتاب **"خرابات"** سے ظاہر ہے کہ جس میں عربی اور فارسی شعرا کے پہلو بہ پہلو سینکڑوں ترکی شعرا کے کلام کا بھی انتخاب درج کیا ہے۔ ایسے ہی ترکی نثر کا بھی بہت بڑا ذخیرہ زمانہ قدیم اور وسط کا موجود ہے۔ لیکن یہاں میری توجہ صرف زمانہ حال کے زندہ ترک مصنفین اور اہل قلم کی طرف ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں میں نے ایک فہرست زندہ ترک مصنفین کی احمد مدحت آفندی صاحب اور بعض دیگر مصنفین کی مدد سے تیار کی جس میں سے نوجوان مصنف واخبار نویس ایگل شہ بلی زادہ خلیل ادیب نے سب سے زیادہ مدد دی تھی۔ چنانچہ اس فہرست میں مصنفین کے نام معہ ان کے مختصر کیفیت اور ان کی یورپین زبانوں کی واقفیت کی کیفیت لکھے درج ہیں۔ جس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسوقت بھی بہت سے مستعد ترک اہل علم تصنیف و تالیف کے میدان میں تگ و دو میں مصروف ہیں۔

احمد مدحت آفندی - سرآمد ترک مصنفین زمانہ حال نے تاریخ، فلسفہ، دینیات اور خصوصاً عیسائیوں کے رد میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ غیر زبانوں میں فارسی اور فرانسیسی بول سکتے ہیں۔ عربی میں

بھی بات چیت کر سکتے ہیں۔ دیگر عربی کو غیر زبان نہ سمجھ کر یہاں شمار نہیں کیا گیا) مشفق حفظان صحت کے افسر اعلیٰ ہیں۔ عمر ۵۰ سال۔ چونکہ یہ فہرست ۱۸۹۱ء میں مرتب کی گئی تھی۔ اسلئے تعداد تصانیف اور عمر سب اسی زمانہ تک اندازہ کیگئی ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات سے مجھے یہ کتب مرحمت فرمائی ہیں۔ جولان۔ مدافعہ ۳ جلد۔ نزاع علم و دین ۱۰ جلد۔ بشارت ۲ جلد۔ بشیر فواد۔ استبشار۔ جن تم ناطر علیہ فخر۔ [1]

محمود اسعد آفندی:- تاریخ اسلام۔ قوانین ملکی۔ علوم طبعی۔ فقہ۔ علم کلام میں بیس سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی اور اطالی زبانوں میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ وزارت مالیات میں حقوق مشاور۔ دستیر قونی۔ اور دارالفنون اور ملکیہ اور حقوق مکتبوں میں پروفیسر ہیں۔ عمر ۴۰ سال۔ انہوں نے بھی اپنی متعدد تصنیفات مجھے دیں۔

صالح زکی بک:- ریاضی۔ علوم طبعیات پر کتب ہیں اور قاموس ریاضیات قلمبند کی ہیں۔ رصدخانہ میں مدیر۔ دارالعلمین کتب اور دارالفنون میں معلم۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر چالیس سال۔

شمس الدین سامی بک:- قاموس اور لغت کی قسم کی کئی ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔ جنمیں قاموس الاعلام چھ جلد بہت عمدہ سائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کی وسعت معلومات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابراہیم کے نام کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر زمانہ حال کے ابراہیم پاشا تک قریباً پانچ سو آدمیوں کے حالات درج کئے ہیں۔ ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں علیحدہ لغات لکھی ہیں۔ اور عربی سے ترکی میں۔ اور ایک "خرد موس ترکی" مکمل لکھی ہے۔ تفتیش عسکری کمیشن میں باشی کاتب۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر ۵۰ سال۔

---

[1] چنانچہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کارخانہ پیسہ اخبار میں طبع ہو گیا ہے۔ جس میں زمانہ حال کی سب نامور ترک خاتون کے حالات درج ہیں۔ اور فاطمہ علیہ احمد جودت آفندی کی شاگرد بھی ہیں۔

خالد ضیا بک (ادباے ہیں۔ اسعد افندی نے تصنیف اور ترجمے کئے۔ ادارہ رڑی ہیں ستر ہزار ات ترکی کے مدیر ہیں۔ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی جانتے ہیں۔ عمر پچیس سال۔

موسیٰ کاظم آفندی:۔ علم کلام پر مضامین لکھے ہیں۔ مدرس ہیں۔ عمر ۴۵ سال۔ ان کے علاوہ اکرم بک (استاد) احمد حلمی بک (شاعر) مختلی زادہ طاہر بک مصطفیٰ رشید بک اور خلیل ادیب بک مشہور ادباء میں شمار ہوتے ہیں۔

شعراء **توفیق فکرت بک**۔ ثروت فنون کے ایڈیٹر۔ ہر ہفتہ اخبار میں ایک نظم لکھتے ہیں۔ ان کے رباب شکستہ نامی اور بچوں کی منظومات مشہور ہیں۔

عصمت بے:۔ بہت سی نظمیں اور غزل کے دیوان میں نظمیں لکھیں۔ بالفعل ہفتہ وار رسالہ عثمانی ترقی کے ایڈیٹر ہیں۔ جنگ روس پر دیوان اور نامہ ظفر نامی کتاب تصنیف کی۔

فائق اسعد۔ غزل اور ہر قسم کی نظم بھی لکھتے ہیں۔

مختار بک:۔ عسکریہ کے حقوق کے سرگرمی ہیں۔ مدائح خوب لکھتے ہیں۔

جناب شہاب الدین:۔ ثروت فنون کے لیے نظم لکھتے ہیں۔

شیخ وصفی آفندی:۔ تصوف کے متعلق شعر لکھتے ہیں۔ ترکی تصانیف میں ایک خدمات تصوف اور تصوف مشہور ہیں۔

نادر بے ابن کمال (اصل نام آرم ہے)۔ ان کا باپ ترکی لٹریچر کا ریفارمر اور مشہور ترکی مصنف تھا۔ خود بھی اہل کمال ہیں۔

ایڈیٹران اخبارات

توفیق بے سالونیک لی۔ ترجمان حقیقت کے چیف ایڈیٹر اور جنگی سرکاری گزٹ کے ایڈیٹر بڑے لائق شخص ہیں۔ اور پچیس سال سے اس خدمت پر مامور ہیں۔ عمر ساٹھ سال ہے۔ سات تین ترجمہ اور تالیف کیں۔ جنہیں سے ایک سرسری یہودی مشہور ہے۔ اور بارہ جلدیں

تاریخ پر ہیں۔
حسین جاہد بے:۔ ایڈیٹر ثروت فنون۔ خوب لکھتے ہیں۔ نوجوان عمر میں۔ لٹریچر پر بعض کتب کے مصنف ہیں۔
خالد ایوب بے:۔ نوجوان آدمی ہیں۔ دس رسالوں کے مصنف جنہیں ایک اسلام عنوان ہے۔ اور گورنیلا ہیجو مدہ دینے راہبوں کے ماہیں) جیالوجی پر ایک کتاب تماشا کے نام سے لکھی ہے۔ اخبار ثروت کے ایڈیٹر۔ اور حقوق مشاورے کے دفتر میں اہلکار ہیں۔
عبداللہ زہدی بک۔ سب کے جنب ایڈیٹر ثروت سے لکھتے ہیں۔
شناسی:۔ ایڈیٹر اقدام مشہور شناسی کے صاحبزادہ ہیں جو کمال بے کی طرح ترکی لٹریچر کے ریفارمر سمجھے گئے ہیں۔
مصطفےٰ رفیق بے۔ ترجمان حقیقت کے ایڈیٹر احمد مدحت آفندی کے بھتیجے ہیں۔ انگریزی فرانسیسی اور جرمنی خوب جانتے ہیں۔
محمد خالد بک۔ ایڈیٹر صباح۔ فرانسیسی جانتے ہیں۔
احمد راسم بک۔ نہایت مشہور ایڈیٹر معلومات و ثروت۔
لطیف سروری بے۔ ایڈیٹر صدات و ثروت۔ فرانسیسی بھی جانتے ہیں قابل آدمی ہیں۔
علی کمال بے:۔ بہت اچھا لکھنے والے ہیں (انہوں نے بغرض تعلیم قانون پیرس میں گئے)
احمد جودت بک۔ مالک اخبار اقدام۔ فرنچ و جرمن جانتے ہیں۔ خوب لکھتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے عہدہ دار بھی ہیں۔
محمد جودت بک:۔ مالک و ایڈیٹر ترجمان حقیقت۔ سوسائٹی کے ایک حصہ کے مدیر بھی ہیں۔

متفرق اہل علم	**ولد چلبی**۔ مولوی (متقدمین مولانا روم سے) ہیں۔ ترکی۔

لکھے ہیں۔
نجیب عاصم مشہور مستشرق ہیں۔ ترکی زبان کی فلالوجی کے ماہر ہیں۔ مدرسۃ السنیہ کے مہتمم
عبدالرحمن بے شرف۔ مدرس مکتب سلطانی۔ تاریخ وجغرافیہ پر کتابیں لکھی ہیں۔
ابوضیا توفیق۔ مصنف ہیں۔
علی نظیم بک۔ یہ فن تعلیم کے ماہر ہیں۔ کئی کتابیں لکھیں اور ترجمے کی ہیں
خواجہ اسمعیل آفندی۔ مترجم وشارح رسالہ حمیدیہ۔
ذہنی آفندی۔ حکایات نویس اور معلم۔

مصنفہ بیگمات فاطمہ علیہ خانم۔ زمانہ حال میں سب سے عالم ترک خاتون ہیں ان کے استاد رحمت آفندی صاحب نے ان کے حالات تعلیم و زندگی پر ایک رسالہ قلمبند کیا تھا۔ جو کہ زنانہ اخبار میں ترکی سے اردو میں ترجمہ ہو کر چھپ چکا ہے۔ یہ فرانسیسی زبان اور علوم جدیدہ میں بخوبی ماہر ہیں۔ اور ترکی بیگمات پر جو اعتراض یورپ اور انگریزوں سے کئے گئے ہیں۔ ان کے انہوں نے خوب تردید کی ہے۔ باقی مصنفات اور اہل علم بیگمات کے نام کسی دوسری جگہ درج ہیں۔

مطبع عثمانیہ۔ باب عالی کی طرف سے صرف ایک مطبع عثمانیہ کو اجازت ہے کہ وہ قرآن مجید صحت سے چھاپے اور بیع کرے۔ قلمرو سلطنت عثمانی کے اندر اور کسی مطبع کو قرآن چھاپنے کی اجازت نہیں۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ روس نے ایک دفعہ ایسا قرآن چھپوایا تھا کہ جس میں سے جہاد کے متعلق تمام آیات خارج کر دی گئی تھیں۔ علاوہ اس کے کئی عیسائی مشنوں کے مطابع سے قرآن مجید چھپتے ہیں جن میں بہت خیانت کا اندیشہ ہے۔ اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اگر یہ حق صرف ایک مطبع کو بہ اجارہ دیا جائے جیسا کہ مشہور ہے۔ سلطنت برطانیہ کے اندر انجیل اور بائیبل چھاپنے کا حق صرف آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کو حاصل ہے۔ غرض آگر استدون

سلطنت کوئی قرآن ایسا مل جائے کہ جس پر مطبع عثمانیہ کی مہر نہ ہو تو اسے پولیس ضبط کر لیتی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس مطبع سے قرآن مجید بہت صحت اور خوبصورتی سے شائع ہوتے ہیں۔ میں نے بھی روانگی کے وقت یہاں سے تین کلام اللہ خرید کئے تھے۔ ایک سبز جلدی مطلا مصحف ۸۰ غرش (۱۰ روپیہ) کو۔ دوسرا آئینہ بر کنار مشہور خطاط عثمان کے قرآن کی نقل بدیع عمل کلس ۱۴۰ غرش۔ اور تیسرا لشکر زادہ مشہور کاتب کا ۱۵ غرش کو۔

شرکت صحافیہ ایک اور نامور مطبع شرکت صحافیہ ایرانیہ کے نام سے والدہ خان کے اندر واقع ہے۔ اسمیں شرائع اسلامیہ پر اور خصوصاً عربی فارسی کی ٹھیٹھ بڑی کتابیں طبع ہوتی ہیں۔ یہ مطبع ایرانیوں کے مشترکہ سرمایہ سے معقول پیمانہ پر جاری ہے۔

کتب فروش گوشۂ زبانوں کی کتابیں شہر استنبول میں کئی جگہ بکتی ہیں۔ گر دو بازاران کے لئے مخصوص ہیں۔ چارشو کبیر سے قریب جو بازار صحاف ہے وہاں ایک تاجر کتب امین ہاشم الکتبی بجوار جامع بایزید سے میں نے کچھ کتابیں لیں۔ اُس نے حافظ عبد الرحمن صاحب سیالکوٹی امرتسری اور شیخ نور الدین صاحب کے کتب مصریہ کا نمبر کے خطوط مجھے دکھلائے۔ کہ وہ بھی اس سے کتابیں خریدتے ہیں۔ اور بتلایا کہ میرے ایک بھائی محمد ہاشم الکتبی کی دوکان کتب مصر میں جامع ازہر کے جوار میں ہے۔ اور دوسرے محمد ہاشم الکتبی کی شام میں بجوار جامع اموی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ جو کتابیں مصر و ہند سے استنبول میں آتی ہیں ان پر آٹھ فیصدی محصول چنگی لی جاتا ہے۔ اور جو یہاں سے مصر یا ہند کو جاتی ہیں۔ ان پر بھی ایک فیصدی محصول لیا جاتا ہے۔

غلاطہ و پیرا کی طرف جو یورپین حصہ شہر کا ہے۔ اسمیں ہر قسم کی یورپین کتابیں بکتی ہیں۔ چنانچہ ایک دوکان کا پتہ یہ ہے Lorentz & Keil
457, Grand Rue Pera, Constantinople,

اسی طرح زود گراف ایک کارخانہ Abdullah Freres, 452 Grund Rue Peru. Constantinople. سے ملتے ہیں۔

قلمی کتب خانے

دنیا کے اسلامی شہروں میں شاید قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شہر ہے کہ جس میں سنتالیس کتب خانے قلمی کتابوں کے اسوقت موجود ہیں۔ ان میں سے بعض ہر چند کہ بلحاظ تعداد کتب کے بہت ہی چھوٹے ہیں۔ جیسے کہ کتب خانہ امیر خواجہ کمانکش (۱۴ کتب) کتب خانہ حکیم اوغلی جامع شریف (۱۹ کتب) الحاج مصطفی آفندی (۲۷۰ کتب) بشیر آغا (۲۰۰ کتب) لیکن بعض میں بڑے بڑے ذخیرے بھی ہیں مثل کتب خانہ جامع آیا صوفیہ (۵۳۰۰ کتب) لالہ لی (۳۸۶۴) عاطف آفندی (۳۸۵۷) کتب خانہ عمومی بجوار جامع بایزید (۳۸۰۵) ولی الدین آفندی (۳۸۴۴) عاشر آفندی (۳۲۶۴) کوپریلی زادہ محمد پاشا (۱۳۰۹) اسعد آفندی نقیب الاشراف (۳۴۹۳) کتب خانہ حمیدیہ (۲۲۵۲) نور عثمانیہ (۵۰۰۳ کتب) کتب خانہ فاتح (۳۳۰۰ کتب) وغیرہ وغیرہ آٹھ ہزار یا پانچ ہزار یا تین یا دو ہزار کتابیں جو ان میں بڑے سے بڑے کتب خانوں میں ہیں وہ بمقابلہ یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں کے بہت حقیر معلوم ہوتے ہیں کہ جنہیں لاکھوں جلدوں کی تعداد موجود ہے۔ لیکن یورپ کے کتب خانوں میں بھی ایسی قلمی خوشخط قدیم نایاب کتابیں اسقدر نہیں ملتی کہ جتنی قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں باوجود زمانہ حال کے بے اعتنائی اور بے سروسامانی کے موجود ہیں۔ گو کہ ان کل کتب خانوں کی مجموعی تعداد اسّی ہزار سے متجاوز ہے۔ لیکن ان کتابوں کی قدامت کمیابی خوشخطی اور صحت کے مقابلہ میں ان کے یہ تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں بہت سی بے نظیر عدیم المثال نسخے قدیم عربی کتب تاریخ فلسفہ ادب ریاضی طب حکمت تصوف تفسیر وحدیث اور فقہ وعلوم وفنون کے ایسے ہیں۔ کہ جنکے دوسرے نسخے نہیں موجود ہیں اس سے قدیم ترکوں کے علم دوستی اور کتابوں کی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل ایسے بے بہا جواہر کی طرف لوگوں کو کچھ توجہ نہیں۔ یہ بڑے بہت

لوگ جو ان کتب خانوں میں مطالعہ کے لئے آتے ہیں وہ معمولی معتدل مذہبی کتابیں پڑھکر چلے جاتے ہیں۔ مگر ان کتب خانوں کے واقفوں نے ان کے اخراجات کا انتظام کر دیا ہوا ہے۔ مگر بعض کے ساتھ ایسے مختصر وقف ہیں جیسے کہ تعداد ان کی کتابوں کی ہے۔ ان کے لئے الماریاں تک میسر نہیں ہو سکتیں۔ چبوتروں پر کتابیں پڑی ہیں۔ بہتر ہے کہ سلطان المعظم جنہوں نے خود کتب خانہ حمیدیہ کے وقف سے کتب خانوں سے ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا ہے۔ مصر کے خدیوی کتب خانہ کی طرح ان سب کتب خانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ اس سے وقف کی غرض میں کوئی نقص نہیں آسکتا۔ بلکہ ایک شخص جو ایک کتب خانہ کی کتابیں پڑھنے کو جائیگا وہ سب کی کتابوں کے دیکھنے کے قابل ہوسکیگا اور سب کی فہرست یکجائی بہی مصر کے کتب خانہ خدیوی کی طرح بہت عمدہ بطور مثل کی کتاب بنجائے گی۔

ان کتب خانوں کی تاریخ تاسیس

گو ان میں سے بعض کتب خانوں کی تاریخ تاسیس معلوم نہیں ہوسکتی۔ تاہم جن کی تاریخیں معلوم ہیں ان میں سے کوئی ۹۰۰ ہجری سے پہلے قائم نہیں ہوا۔ جیسے کتب خانہ اسی خان سلطان سنہ ۹۰۱ھ میں۔ امیر خواجہ کمانکش سنہ ۱۰۱۹ھ میں۔ حمیدیہ ۱۰۹۳ھ میں۔ ینی جامع ۱۱۳۳ھ میں۔ نور عثمانیہ سنہ ۱۱۷۱ھ میں۔ مہر شاہ سلطان ۱۲۱۱ھ میں۔ جورلیلی علی پاشا ۱۱۲۲ھ میں۔ سلطان فاتح سنہ ۱۱۵۵ھ۔ بلکہ زیادہ تعداد ان کتب خانوں کی ہے۔ جو تیرہویں صدی کے وسط میں قائم ہوئے ہیں۔ اس سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ زمانہ ترکوں کی شان و شوکت یا علمی ترقی کا عہد نہیں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جن کے یہاں بیش قیمت مجموعے ہوں گے۔ انھوں نے ان کی سلامتی اسی میں بھی ہوگی کہ بجائے ذاتی حفاظت کے انہیں قومی حفاظت میں سونپ دیا جائے۔ کاش ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ خیال سرایت کر جائے۔ اور وہ اپنی قلمی کتابوں کو ملک کے دو چار بڑے بڑے مرکزوں میں جمع کر کے قوم کے سپرد کر دیں تو ایک لاثانی قلمی کتب خانہ

کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ گو جو دوسری صورت میں یا کیڑے کھا جاتے یا ردی بنانا غلط انہیں ردی میں بیچ ڈالتے۔ یہاں بعض کتب خانوں کے دروازوں پر "قیقا الکتب قیق" لکھا ہوا نظر پڑتا ہے۔

ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور ان کی رائیں

سید عبدالغفار صاحب

سید عبدالغفار صاحب کہ جن کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ دراصل ہندوستانی نہیں بلکہ حضرات خطۂ کشمیر سے ایک بے نظیر شخص ہیں۔ جب ہمارا میں انہوں نے میرے یہاں پہنچنے کی خبر سنی تو ہوٹل میں آ کر مجھ سے ملے اور چند روز بعد تقاضا کرنے لگے کہ مجھے ہوٹل میں رہنے کے بجائے ان کے مکان پر چل کر رہوں۔ باوجود کئی روز تک انکار کرنے کے ان کا اصرار غالب آیا۔ نتیجہ میں ہوٹل سے اٹھ کر ان کے مکان میں دو ہفتہ تک مہمان رہا۔ اور مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میرے ہموطن کیسے با اخلاق اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ سید عبدالغفار صاحب جنہیں ان کے دوست عبدالغفار آفندی کہتے ہیں۔ اور جو کہ یہاں دوستوں کا ایک بڑا وسیع حلقہ اور اکثر عمدہ اور با رسوخ لوگوں تک رسائی اور دوستی رکھتے ہیں پچیس سال سے انہوں نے یہاں کا توطن اختیار کیا ہوا ہے۔ اور یہیں شادی بھی کی ہے۔ انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر میری ملاقات کا رخصت دور دفاتر سرکاری واقع ہے میں اور ملاقات کے ذیل آدمیوں سے ملایا۔ جن میں شیخ سید ابوالہدیٰ کے صاحبزادے شیخ احمد عزت آفندی نامور ترک مصنف و شعرا حضرات تھے۔

شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب

شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب حضرت سلطان عبدالحمید کے بہت بڑے معتمد علیہ اور یہاں کے دربار کے خلفاء میں سے ہیں۔ بلکہ بعض دیگر حضرات سلطنت کے لحاظ رسوخ اور منزلت کے یہ دوسرے شخص ہیں۔ میرے رفیق جب ان سے ملاقات کا وقت مقرر کر چکے

نہیں یکشنبہ کے روز ان سے ملنے گیا۔ قصر یلدز کے متصل بکتاسی کی حدود کے اندر شیخ ظافر شاذلی کے تکیے کے پاس سے گذر کر ہم ان کے مکانات پر پہنچے جو عین کنارہ دریا پر واقع ہیں۔ چنانچہ ان کے مکان کی ایک سمت سے کہ جہاں انہوں نے مجھ سے ملاقات کی باسفورس کے نیلگوں پانی اور اس میں سٹیمروں کے چلنے کا دلفریب نظارہ کبھی بھولنے کے قابل نہیں۔ کہ جو قصر یلدز کی حفاظت کیلئے یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مکان کے اندر مہمانوں اور مسافروں کے قیام اور آرام کے لئے کئی مکانات ہیں۔ علاوہ درویشوں کے لئے تکیہ اور مسجد اور صحن میں ایک خوشنما باغ ہے۔ شیخ ابو الہدیٰ صاحب کا وطن شام ہے بیس سال کے قریب عمر میں علوم دینی کی تعلیم سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ میں پہنچے اور اسی زمانے میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جو سلطان عبد العزیز مرحوم نے نہایت پسند کی اور انہیں حلب کا قاضی مقرر کر کے بھیج دیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہر علم (جس سے شاید علوم اسلامیہ سے ہے) کی شاخ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور میری تصنیفات پورے دو سو کے قریب عربی زبان میں ہیں جن میں اکثر طبع اور نشر ہو چکی ہیں۔ لیکن سلطان عبد الحمید خان ثانی نے تخت پر متمکن ہونے کے بعد انہیں اپنے پاس بلا کر مشیران خاص میں شامل کر لیا۔ اور تب یہ نہایت معتمد الیہ ہیں۔ شیخ صاحب بڑے قوی ہیکل۔ دراز قامت اور وجیہ آدمی ہیں۔ بال زیادہ سفید ہیں۔ طلاع دینے کے بعد آدھ گھنٹہ انتظار کرنے پر ایک خادم خبر لایا کہ شیخ صاحب حرم سرا سے صرف ہماری ملاقات کے لئے برآمد ہوئے ہیں۔ اور ہمیں ان کے پاس لے گئے۔ شیخ صاحب کھڑے ہو گئے میرے رفیق نے مصافحہ کر کے ان کے ہاتھ چومے پھر میں نے مصافحہ کیا۔ شیخ صاحب نے ہمیں ایک ایک سبز پتہ ایک پودے کا جو پاس ہی گملے میں لگا ہوا تھا اور ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ دیا۔ جب میرے رفیق نے رسمی طور پر میری ان کی خدمت میں شناسائی کرا دی تو شیخ صاحب نے عربی زبان میں مجھ سے خطاب کرنا شروع کیا

دو اعلیٰ درجہ کے شیخ اور مقربین سلطانی میں نقیض

ہرچند کہ شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب بڑے فاضل جید بڑے معتمد الیہ مشیر سلطانی اور بڑے شیخ طریقت ہیں۔ لیکن بدنصیبی سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام کی بدنصیبی ہے ان کے اور ایک دوسرے پیر طریقت کے مابین کہ جنکا نام شیخ ظافر ہے اور وہ بھی حضرت سلطان کے مرشد ہیں۔ کچھ نقیض ہے۔ جسکی وجہ سوائے اسکے مجھے معلوم نہیں ہوئی کہ متقدم المذکر شیخ صاحب کو ذات شاہانہ کے حضور میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہے یہاں بطور جملہ معترضہ شیخ ظافر صاحب کی مختصر کیفیت بھی درج کرنے کے لائق ہے مشہور ہے کہ جبکہ ابھی سلطان المعظم عالم شہزادگی میں تھے۔ اور سلطان عبدالعزیز سلطان وقت تھے۔ تو شیخ ظافر نے جو کہ مکہ میں اپنے مرشد کے پاس رہتے تھے قسطنطنیہ میں آکر شہزادہ عبدالحمید خان کے پاس پہنچکر انہیں کہا کہ مجھے رسول اللہ نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ آپ کی سلطنت میں بڑے انقلابات ہونیوالے ہیں۔ اور آخر آپ سلطان بن جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں اسوقت اپنے وظیفہ میں سے ایکہزار قرش ماہوار تمہارا وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ اگر تمہاری بات صدق نکلی تو دیکھا جائیگا۔ چنانچہ جب اس خواب کا ایک حصہ درست نکلا تو سلطان نے شیخ ظافر سے بیعت کرلی اور اب چند سال سے قریب انہیں ایک تکیہ دیا ہوا ہے اور وہ بیس ہزار قرش وظیفہ پاتے ہیں۔ اور شاذلی گروہ کے شیخ ہیں۔ سال گذشتہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں شیخ ظافر صاحب کی تحریک سے ایک شخص نے ایک رسالہ بنام السامیر بطور ایک ڈرامہ کے لکھکر مصر کے اخبار المؤید کے مطبع میں چھپوایا تھا جسمیں شیخ ابوالہدیٰ صاحب کی بہت توہین کیگئی تھی۔ اور سفیہانہ ذاتی حملے ایسے عالیجاہ اور فاضل شخص پر کئے گئے تھے۔ چنانچہ اخبارات میں اور اس ملک میں بھی اسکا چرچا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے مجھے اخبار نویس سمجھکر پہلے اسی واقعہ کے متعلق گفتگو شروع کی۔ پہلے فرمایا کہ دنیا میں جہالت اور بدعت زندقہ اور الحاد اور کفر کی تاریکی کا زور ہے۔ اور چند علماء ہی ہادی خلق اور شکر و احسان کی کساد بازاری ہے

شیخ صاحب عربی کیسی فصاحت اور روانی سے بولتے تھے۔ اور بات بات پر قرآن و حدیث سے استناد کرتے جاتے تھے۔ اور گفتگو کے درمیانی وقفوں میں ہر وقت درود اور تسبیح و تہلیل پڑھتے جاتے تھے۔ آپ نے اس رسالہ کی تصنیف کے متعلق کہا کہ شیخ ظافر کا دادا یہودی تھا۔ تاریخ کریب جو حلب میں طبع ہوئی ہے اسکا ذکر درج ہے۔ پھر کہا کہ وہ جاہل اور بے تمیز ہے جو مجھ سے حسد کرتا ہے۔ سلطان المعظم نے جو تکیہ اسکے ذکر حق کے لئے بنا دیا ہے اسمیں اسنے میرے خلاف ایک شخص کو چند روپے دیکر ایک رسالہ لکھوا دیا۔ اور یہ ایک معجزہ ہے کہ کاتب تھوڑے پہلے جلد ہی مر گیا۔ اس رسالہ کی پانچ ہزار جلدیں تقسیم کرنے کے لئے ایک شخص اونٹ پر بار کرکے طرابلس میں لیجا رہا تھا۔ اسے ایک شخص نے راستہ میں مار ڈالا اور تمام جلدوں کو آگ لگا دی۔ ایک اور شخص جمال الدین افغانی جو دہریہ اور بے دین تھا اور اس مشورہ میں شریک تھا۔ اسکی زبان پر سرطان ہوا۔ اسکا جبڑا چیر گیا۔ اور اسکا کلا بھی نکال ڈالا گیا۔ اور وہ اس عذاب سے مرا۔ ایک اور شخص محمد فاضل پاشا ساکن مالابار (ہندوستان) کہ جسپر میں نے بہت احسان کئے۔ اور اسکی سفارش کی اور اسے عزت دلوائی۔ مگر وہ بھی میرے خلاف مشوروں میں شریک ہوتا ہے۔ سب لوگ اسکی مخالفت پر ہنستے ہیں اور اسکا اثر صرف بازاری لوگوں پر ہوتا ہے۔ میرا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ مجھے یہ قصہ سنکر صدمہ ہوا کہ مسلمان کہیں بھی مسلمان نہیں رہے۔ ؎ بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست

شیخ صاحب کی تصانیف

پھر شیخ صاحب نے اپنی نسبت فرمایا کہ تیس سال کی بات ہے کہ جبکہ میں نوجوان تھا۔ اور ابھی ریش و بروت کا آغاز تھا۔ تو میں نے ایک کتاب عربی میں تصنیف کی۔ اور وہ جب سلطان عبدالعزیز مرحوم کی خدمت میں پیش ہوئی تو انہوں نے میری عمر کے لحاظ سے میری کتاب کو نہایت پسند کیا۔ اور مجھے علما میں ایک بڑا ممتاز عہدہ دیا۔ اب پچیس سال سے حضرت سلطان ایدہ اللہ سلطانہ نے مجھے اپنی خدمت میں بلوایا ہوا ہے۔ سینے ہر علم و فن

میں ایک سو سے کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جنہیں سے آٹھ دس عربی کتابیں رخصت ہونے کے وقت مجھے بھی عطا کیں۔ جو زیادہ تر تصوف اور طریقہ شاذلیہ کے متعلق ہیں کیونکہ شیخ صاحب فی زمانہ شیخ الکل ہیں۔ ان میں ایک دیوان نعت اور ایک شرح حزب البحر بھی تھی۔ ہندوستان کے ذکر پر پھر کہا کہ ہندوستان کے ایک اخبار نے مجھے بڑا بھاری عالم لکھا ہے حالانکہ میں جوان ہوں اور وہ ہند میں ہے۔ نہ اس نے مجھے دیکھا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی شہادت ہے جیسی کہ شریعت یا قانون طلب کرتا ہے۔ اور وہ بہتان باندھنے سے نہیں ڈرا۔

مسلمانوں کی حالت پر تمثیل ٭

فرمایا کہ مسلمانوں کی حالت اس وقت بہت زار ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں رہے۔ ایک قصہ سنایا کہ ایک دولتمند شخص عنین تھا۔ اس کے یہاں ایک لونڈی تھی۔ لونڈی نے اس شخص کو کہا کہ تمکو خدا نے دولت اور حشمت دی ہے اور اولاد نہیں دی۔ تم مجھے صحبت کرو کہ تمہیں اولاد مل جائے۔ اس نے کل کا وعدہ کیا۔ اور پھر کل کو کل کا وعدہ کیا۔ اسی طرح بار بار کرتا رہا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ دنیا میں یہ بڑی کثرت سے ہیں اور دیکھنے والے ان کی تعداد سے گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ عنین کے مانند ہیں کہ ان میں کوئی صلاحیت نہیں۔ اور دیگر امور پر ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ان کے صاحبزادہ حسن بے بھی آگئے۔ جنہوں نے تین مرتبہ اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور پھر اسی ہاتھ کو سر اور آنکھوں پر لگایا اور بیٹھ گئے۔ یہ صاحب سلطنت میں کسی اعلیٰ عہدہ پر مامور ہیں۔ جو صرف درجہ وزارت سے نیچے ہے۔ فرنچ جانتے ہیں اور بڑے بااخلاق و مروت ہیں۔ رخصت کے وقت شیخ ابو الہدیٰ صاحب نے فرمایا کہ جزیرہ آدعہ (جزیرہ) بہت پر فضا جگہ ہے۔ وہاں ایک دن میرے مخدوم[1] (بیٹے کو کہتے ہیں) اس کے گھر میں جا کر سیر و۔ ہم نے منظور کیا۔ اور ایک روز مقرر کر کے رخصت ہوئے۔

---

[1] ترک مخدوم بیٹے کو اور کریمہ بیٹی کو کہتے ہیں۔

شیخ ابوالہدیٰ صاحب سے ایک دوسری ملاقات

ایک روز پھر آپ کی خدمت میں ملاقات کیلئے گئے۔ ہمارے ساتھ دوسرے اخبار نویس بھی چلے گئے۔ جو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ انہیں شیخ صاحب پون گھنٹہ تک زمانہ موجودہ کے انصاف کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے انصاف اور عدالت کے قصے بتلاتے رہے۔ جب یہ شخص جانے لگے تو انہوں نے تین تین مرتبہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور آنے کے وقت بھی تین تین مرتبہ ان کے دامن عبا کو چوما تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ مسلمان تھے یا عیسائی۔ تو شیخ صاحب نے جواب دیا کہ یہ سب تھے تو انہوں نے کلمہ پڑھا اور مجھے بتلایا کہ مسلمان ہیں اور میں نے ان کی بات پر اعتبار کیا اور اسکی تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ ورنہ یہ مسلمان نہیں معلوم ہوتے اتنے میں ایک نوکر ان کی چٹھی کا لفافہ لایا تو کہنے لگے کہ جس کے ماں اور باپ دونوں خالص سید ہیں نجیب الطرفین سید ہیں۔ میرے رفیق نے چاہا کہ والی بیروت کے نام مجھے ایک سفارش کا خط لکھدیں تو کہا کہ اگر ایسا کروں تو مجھ پر اور بادشاہ کو میرے سر پر سوار ہو جائیگا۔ البتہ کسی اور شخص کے نام چٹھی لکھ رکھونگا۔ چنانچہ ایک خط بیروت اور ایک دمشق کے لئے لکھکر بھیجدیئے۔

چونکہ شیخ صاحب موصوف سلطنت عثمانیہ کے ایک نہایت ممتاز شخص ہیں اور بعض اوقات یورپین اخبارات میں بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سلطان المعظم ان کے مشوروں پر کاربند ہوتے ہیں اسلئے میں نے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اسے مختصراً درج کرنا مناسب سمجھا۔

عجیب داستان

شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب کو حضور سلطان پر کس طرح اسقدر رسوخ حاصل ہوا۔ انکی نسبت جو داستان قسطنطنیہ میں مشہور ہے وہ ان کے ایک مرید نے مجھے اس طرح بتلائی۔ کہ شروع میں جبکہ سلطان عالی تخت خلافت پر متمکن ہوئے شیخ ابوالہدیٰ کو حلب کا شیخ السادات منتخب کیا گیا۔ لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ سلطان ایک کشتی میں سوار ہیں اور کشتی طوفان میں پھنس گئی ہے۔ اور یہ

کہ غرق ہو جائے۔ کہ غیب سے ایک ہاتھ نے آکر کشتی کو تھام کر کنارہ پر لگا دیا ہے
اور دیکھا تو وہ شیخ ابو الہدیٰ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ سلطان المعظم نے اسی وقت
انہیں بلا کر اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

بیوک آدہ کی سیر بیوک آدہ دیسے جزیرہ کلان ایک جزیرہ بحیرہ مارمورا میں قسطنطنیہ
سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جس کا یورپین نام پرِن کیپو ہے۔ اور پرنسیز
آئلینڈس (جزائر شہزادگان) میں یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ترکی زبان میں بڑے
جزیرہ کو بیوک آدہ کہتے ہیں۔ پرنسیز آئلینڈس نو جزائر کا مجموعہ ہے کہ جنمیں بعض
بالکل غیر آباد ہیں۔ بعض [illegible] ان میں سے جزیرہ [illegible] پر [illegible] آبادی
کے علاوہ سلطانی مسجد [illegible] واقع ہے۔ بیوک آدہ نہایت پر فضا نزہت گاہ
ہے۔ قدیم زمانہ میں معزول بادشاہوں یا شہزادوں کو ان جزائر میں
جلا وطن کر دیتے تھے۔ اسلئے ان کا [illegible] ہو گیا [illegible] بالکل [illegible] اور
قسطنطنیہ کے آسودہ حال لوگ [illegible] یہاں آتے ہیں [illegible] سے اکثر
منظر اور صحت بخش آب و ہوا سے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] معزول اور
شطرنج کا بھول کے بڑے [illegible] ہیں اور [illegible] سے [illegible] جنت سے دلکش
سبزہ زار مثل کا [illegible] کے لئے
مخصوص ہیں۔ سید ابو الہدیٰ صاحب کی دعوت کے [illegible] چہارشنبہ کو پل غلطہ
سے سٹیمر پر سوار ہو کر بیوک آدہ [illegible] سمندر کا نظارہ
نہایت دلفریب تھا۔ [illegible] ایک [illegible] رہتی
ہے۔ راستہ میں [illegible] بیوک آدہ [illegible] پہنچے
[illegible] ایک مسجد بھی تھی۔ [illegible] مصروف
تھے۔ مگر افسوس کہ جہاں [illegible] دیکھ نہ سکے۔ [illegible] صاحب کے مکان
[illegible] پہنچے جو بالکل [illegible] پر [illegible] تو وہ بھی [illegible]
[illegible] پر تھا۔ [illegible] سمندر [illegible] لطف

پر بعض تصاویر تھیں اور دیواروں پر صاحب خانہ اور ان کے بعض اعزا کی تصاویر تھیں۔ عموماً بجائے تصاویر کے یہاں مقامات خوشخط قطعات سے سجائے جاتے ہیں

زمین پر سونا مگر سونے کے وقت زمین پر بجائے چارپائیوں کے ہر شخص کے لئے دبیز ہوتے سونے گدیلے بچھ گئے۔ رات دن کے ساتھ مہمانوں کو ایک اندری اور ایک ... ساتھ ہی ... رات کو کھٹملوں نے بہت ستایا جو ایسی بعض جگہوں پر بھی ہوتے ہیں۔ صبح گاڑی لیکر ہم نے جزیرہ کی گرد چکر لگایا۔ ... دلکش ... ۔ ... سے بچنے کو ہمیں جانا پہلے یہاں سب عیسائی یونانی ... ۔ اب عرصہ دس سال سے ترکوں کی انگریز عمل میں۔ کہ یہاں کی زندگی پر لطف ہے۔ اور وہ مکان خرید کر یہاں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ دن بھر شہر میں رہتے ہیں اور شام کو یہاں چلے آتے ہیں۔ ایک ریسٹوران میں قسطنطنیہ کی بہت سی یونانی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ صبح کا وقت۔ سمندر کا کنارہ۔ ایک عیسائی عورت اور مرد ناچ رہے تھے۔ ایک شخص باجا بجا رہا تھا جس سے نہایت دلکش سین پیدا ہو گیا تھا۔ ع

دی خبیث کہ عاشق ہو فصل بہار
ہو گیا ہے کہ نوروز [illegible] جیب سخت

میرے دونوں دوست ... صاحب ... صاحب حاکم خلافت ... تلخ مزہ سے شاد کام ہوئے۔ مگر میں محروم رہا۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے سٹیمر کا کرایہ پانچ عروش رہا تھا۔ مگر جاتے ہوئے دس بارہ لگ گئے جس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ حکومت کی طرف سے شہر سے باہر جانے کے لئے ہر جانیوالوں پر دو پیسے اسلئے زیادہ لئے جاتے ہیں کہ ان سے ایک خستہ خانہ (ہسپتال) کے فنڈ میں مدد ملتی ہے۔ اسطرح ... ترک اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔

حسین پاشا زندہ ترک مصنف ... پہلا ترک اہل ... ہے۔ جن سے میں یہاں ملا ہوں ترکی کا سلیم ... احمد حکمت صاحب ... بزرگ ہیں۔ یہ بہت ...

مصنف فسانہ نگار - اخبار نویس اور مذہبی مباحثہ کی کتابیں لکھنے والے ہیں - اس ملک میں سرکاری ملازمت کے لئے اخبار نویسی مانع نہیں ہے - اسوقت بھی احمد جودت صاحب چیف ایڈیٹر و مالک اخبار اقدام پولیس میں افسر ہیں - اسی طرح احمد مدحت صاحب باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اخبار نویس بھی تھے - چنانچہ یہاں کے سب سے پرانے اخبار ترجمان حقیقت کے یہ مالک وایڈیٹر تھے - جو اب ان کے چھوٹے بھائی محمد جودت صاحب کی ایڈیٹری میں نکلتا ہے - احمد مدحت صاحب کو تیس سال پہلے عیسائی مذہب کی تردید میں کتابیں لکھنے کی ضرورت معلوم ہوئی - ان کے مذہبی خیالات بالکل ہندوستان کے سرسید احمد خان مرحوم کے خیالات کی طرح آزاد ہیں - خصوصاً معجزات اور خرق العادت باتوں کی نسبت کے متعلق - اسلئے انہیں یہاں کا نیچری کہنا چاہیے اور انکا خیال ہے کہ [illegible] قرآن مجید کی بہت اچھی تفسیر ہے لیکن جب میں نے سر سید مرحوم کا ان سے ذکر کیا - تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بزرگ کا آجتک نام بھی نہیں سنا - ان کی تصنیفات دیکھنے کا شوق ظاہر کیا مگر بوجہ اردو زبان سے ناواقف ہونے کے افسوس کیا - یہ فارسی - عربی اور فرانسیسی بہت عمدہ جانتے ہیں - چنانچہ اپنی آخری تصنیف کا مسودہ مجھے دکھلایا - جو ترکی زبان میں زیر طبع ہے - لیکن یہ اس کو فرانسیسی میں بھی ترجمہ کر رہے ہیں ان کے بھاری جثہ پر ان کا لمبا کوٹ اور داڑھی بہت اچھا معلوم ہوتا ہے - ان سے ملاقات کے وقت میرے ایک رفیق نے مجھ سے کہا کہ جسقدر فرانسیسی لوگوں میں ڈاکٹر ہیوگو مشہور مصنف گزرا ہے - اسی طرح ترکوں میں احمد مدحت مشہور مصنف ہے - اور یورپ میں بھی بہت شہرت رکھتا ہے - بہر حال تین چار ملاقاتوں کے دوران میں - میں نے ان صاحب سے بہت سی ایسی باتیں دیار عثمانی کے متعلق معلوم ہوئیں - جنہیں ہر شخص معلوم کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا -

ترکی میں اردو تعلیم میں نے ایک روز انہیں کہا کہ جسقدر روس نے اپنی فوج سرحد

میں اردو سیکھنے کا ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے اور جرمنی اور دیگر ممالک یورپ میں سنسکرت و عربی کے مدارس قائم ہیں تو ہر مسلمانان ہند کے ہم مذہب ہونے کے ترکوں کو بھی اردو کا نصاب اپنے بعض مدارس میں داخل کرنا چاہئیے جو ترکی کی طرح عربی فارسی سے مرکب ہونے کی وجہ سے بہت سہل ہے۔ انہوں نے کہا تمہاری تجویز تو بہت عمدہ ہے۔ لیکن ابھی ہمیں کئی اس سے زیادہ ضروری کام درپیش ہیں۔ درحقیقت میں انکا خیال بالکل صحیح تھا۔

عثمانی تاریخ کے تین دور

ایک روز انہوں نے تفصیل کے ساتھ ترکوں کی تاریخ کے دور ابتدائی زمانہ وسطی اور عہد جدید کا ذکر کرکے بتلایا کہ ہمارا دور ابتدائی بخلاف دیگر اقوام کی تاریخ کے نہایت روشن تھا۔ زمانہ وسطی نہایت تاریک اور عہد جدید میں پھر کسیقدر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ جب چھ سو سال پہلے ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو ان کی شائستگی کی حالت ایسی اچھی تھی۔ کہ ان میں جلاد تک موجود نہ تھا۔ پھر کسی کی ضرورت کبھی پڑتی تھی۔ اور نہ ان میں خواجہ سرا بنانے کا دستور تھا۔ مگر ختنہ کی رسم ترکمانیوں میں جاری تھی

ترکوں میں جلاد اور خواجہ سرا تک نہ تھے

جو اول تو اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے اور دوم انڈوں کو بے ریش دبرودت رکھنے کے واسطے انہیں اختہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں میں اغلام کی بری عادت جاری تھی۔ واضح رہے کہ مردوں کو ختنہ نہ دینے سے انہیں ریش دبرودت پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ جیسے کہ خواجہ سراؤں کی حالت ہوتی ہے۔ غرض ترکی سوسائٹی کی حالت اس زمانہ میں بہت اچھی تھی۔ دو سو سال بعد زوال آنے لگا یہانتک کہ تاریکی کی حد پیدا ہو گئی۔ آخر جب ترکوں نے روس سے کریمیا میں جنگ کی اور یورپین سلطنتوں نے انہیں دخل دیا اور یورپین فوجیں قسطنطنیہ میں گیا تو ترکوں نے پہلے پہل (کہ جسے چالیس پنتالیس سال گذرے ہوں گے) ان کی فوجیں جہاز اور سامان جنگ دیکھے تو دنگ رہ گئے۔ سلطان محمود ثانی نے

ینی چری فوج کو غارت کیا۔ اس کے بعد منتظم فوج کی اصلاح شروع ہوئی۔ لیکن ترکوں کی اصل بیداری کو تیس سال سے زیادہ نہیں گذرے۔ اور گذشتہ پچیس سال میں موجودہ سلطان کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے یہی دراصل نئی ترکی کی زندگی کی عمر ہے۔ بتایا گیا [illegible] سلطان المعظم کو کس قدر خیرات کی اور رفاہ عام کے کاموں پر اس عہد سلطنت میں توجہ ہے۔ کتنے نئے مدارس اور پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوشن قائم کئے ہیں [illegible] مدرسہ العشیرت ہے جس میں خانہ بدوش عربوں کے بچوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور اس [illegible] ان عربوں کی فوج بنائی گئی ہے۔ دولت کے [illegible] کے صحیح شایع کرنے کی وجہ کیا ہے [illegible] دارالشفقہ، مدرسہ یتیماں، اور کئی دوسرے مدرسوں اور ہسپتالوں پر کس قدر خرچ ہوتا ہے۔

مدارس بنات اس وقت شہر میں [illegible] ہیں جن میں ترکوں کی عورتیں [illegible] لیکن ان [illegible] زنانہ [illegible] ہیں۔ اور پرائیویٹ [illegible] اور بھی ہیں۔ یہ مدارس [illegible] ہیں۔ [illegible] مدرسہ میں جانے کے عمر کے لحاظ سے اچھی ابتدائی تعلیم پاتے ہیں۔ اور [illegible] اخبار نسواں میں ایک کالم [illegible] تھی۔ مجھے [illegible] دیکھا کہ عورتوں کی تعلیم [illegible] بڑی ترقی [illegible] ہے۔ [illegible] تعلیم یافتہ عورتیں اس وقت شہر میں موجود ہیں [illegible] کچھ کرنا باقی ہے۔ [illegible] عوام الناس ابھی [illegible] نہیں [illegible] صرف خواب و خور اور مجامعت کی فکر رکھتے ہیں۔

علمائے ہند کی شہرت احمد مدحت صاحب نے اپنے [illegible] مذہبی خیالات کی نسبت [illegible] کی نسبت مجھے [illegible] اطمینان نہیں ہوا تھا۔ [illegible] کوشش کا نتیجہ تھا کہ [illegible] سے ترکوں کو گمراہ [illegible] سمجھتے [illegible] علمائے ہند [illegible] دل سے مشکور [illegible] لیکن

کے وقت میں ہمیں اُن کی طرف سے مدد ملی اور خدا کے ایک نیک بندے مولوی رحمت اللہ صاحب ہندی مہاجر مکی مرحوم نے مذہب نصاریٰ کی جو رد لکھی تھی اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ چنانچہ ہم نے ان کی کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ اور اسکے بعد رد نصاریٰ میں خود متعدد کتابیں لکھیں۔ اور ان سے ہم لوگوں پر نصاریٰ کے مذہب کا بطلان ظاہر ہوا۔ اب تو میری رائے میں یہود و نصاریٰ کے مذاہب ایسے پوچ ہیں کہ مذہب کہلانے کے لائق نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر ایک دمشقی عالم نے مجھے کہا تھا کہ عرب شام اور ترکی میں جو سب علماء سرکاری عہدوں کے لئے علم دین سیکھتے ہیں۔ آزادی سے علماء نے بند ہے جو محض دین کی خاطر دین کا علم حاصل کرتے ہیں

ایک ترک کی ایجاد

ترکوں کی ذہانت کے متعلق ذکر کیا کہ ہمارے عجائب گھر میں نوسٹیکس دستوں کے مجموعہ کو دیکھو۔ وہ لندن کے برٹش میوزیم کے مجموعہ سے زیادہ مکمل ہے۔ اس میں ہمارے میوزیم کے چھوٹے جماعت بندی سے جواب رکھا ہے۔ ایک نئی کلاسیفکیشن داخل کی ہے۔ آج تک صرف تاریخی حالات نوسٹیکس کے کلاسیفکیشن و جماعت بندی کی جاتی تھی۔ اُسنے جغرافیہ کے ساتھ تعلق بھی شامل کیا ہے اور یہی جماعت بندی تمام یورپ نے اب تسلیم کی ہے۔ یہ بھی کہا کہ نوسٹیکس صرف اس نقشہ دنیا کے تمام متمدن ممالک روم سے ترکی وسط ایشیا ہندوستان ایران افغانستان وغیرہ ممالک پر شامل ہے۔

بیکیقوز کا مقام اور دلکش نظارہ

قسطنطنیہ سے رخصت ہونے سے پہلے میں محمد حسن افندی سے اُن کے مکان پر ملنے کا وعدہ کر چکا تھا جو شہر سے دس بارہ میل دور آبنائے باسفورس کے ایشیائی کنارہ پر ایک نہایت پرفضا اور دلکش موضع بیکیقوز میں واقع ہے۔ سٹیمر دن بھر باسفورس میں چلتے رہتے ہیں اور دونوں کناروں کے بیسیوں مقامات میں لوگوں کو لاتے لیجاتے

رہتے ہیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور ہزاروں تماشائی تفریح کے لئے ان مضافات اور محلات تفریح گاہوں کو جاتے آتے تھے۔ میرے رفیق نے سٹیمر پر سوئم (درجہ) کا ٹکٹ لیا۔ جسکے لئے دو کس کے واسطے نو غروش دیئے گئے۔ سٹیمر آہستہ ہر اس طرف کے ہر چھوٹے بڑے بندر پر ٹھہرتا جاتا تھا۔ آج جو خوبصورت سینری اور دلکش منظر بغاز کا دیکھا۔ وہ مدت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔ دونوں طرف خوبصورت نیلگوں پانی کے ڈھلوان کناروں پر چوبی مکانات تعمیر ہوئے ہوئے تھے۔ جنکے دریچوں سے خوبصورت پردے لٹکتے تھے اور دریچوں میں پھولوں کے گملے پڑے ہوئے تھے۔ اکثر مکانات کی بنیادیں سطح آب سے اٹھتی تھیں۔ اور اسوجہ سے منظر وینس جیسا بنجاتا تھا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں تک منزل بمنزل مکانات اور باغات کا چبوترا نہایت دلاویز تھا اور یہ منظر وینس سے بہت فائق تھا۔ سابق خدیو اسمٰعیل کے محلات بھی اسی طرف ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہیں۔ مرصع بادشاہ [illegible] کے پاس ایک یہودی کا چینی اور شیشہ کا بہت بڑا [illegible] تھا واقع ہے جہاں [illegible] سلطان کے بیاہ [illegible] قلعات [illegible] سے بنائے گئے تھے۔ قلعوں کے برج [illegible] ترتیب پڑی ہوئی ہیں کہ [illegible] نظر آتا ہے۔

زمین کی سرسبزی اور زراعت کا فقدان (?)

[illegible] ساحل بحر پر [illegible] سٹیمر [illegible] کتنے جو ان کے چشموں سے [illegible] جاتے تھے۔ آج بھی جسقدر باغ بزرگوں کی موجود [illegible] سے متعلق لئے ہوئے ہیں [illegible] انہوں نے بیان کیا کہ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے ترکی [illegible] زیادہ [illegible] ایک [illegible] ترک اسکے بعد ہیں

صرف سات ٹکس بچتے ہیں - ٹرکی میں ایک مربع میٹر زمین کی قیمت صرف آدھا غروش ہے - یا ایک ڈنم (۱۲۰۰ مربع میٹر) اسی پانچ پونڈ کو بھی نہیں بکتی - زمین کی استعداد ارزانی ترکوں کو کاشتکاری کی ترغیب دیتی ہے - کیونکہ ۲ کیلوگرام غلہ گندم (فی کیلوگرام = ۲ ۱/۲ پونڈ یا رطل) کی تیاری پر صرف تین فرانک (عہ) خرچ ہوتے ہیں - مگر زمیندار کو اسکی بابت ۶ فرانک (عہ) ملتی ہے - زمین ایسی اچھی ہے کہ اسمیں بالکل کھاد ڈالنے کی ضرورت نہیں - اور نہ رواج ہے - (ادھر) میں نے خود دیکھا ہے کہ کھاد کشتیوں میں بھر کر باسفورس میں ڈالی جاتی ہے - جس سے مجھے بڑا تعجب ہوا - عام جگہوں میں ایک دانہ سے پچاس دانے اور عاقرہ زمینوں میں ایک دانہ سے سو سوا سو دانہ پیدا ہوتا ہے - زمین کی برکت اور [illegible] کے فقدان یعنی باشندوں کے سادہ عادات کیوجہ سے ترک اسی میں آسودہ ہے -

آبادی - ٹیکس - قومی قرضہ وغیرہ

کل ملک کی آبادی بائیس ملین (دو کروڑ بیس لاکھ) ہے - جسمیں نصف عورتیں ہونگی - باقی گیارہ ملین میں سے عرب کرد اور کئی دوسری قومیں جو دو تین ملین سے زیادہ ہونگی ترکی ٹوپی نہیں پہنتیں - اور سب پہنتے ہیں - سرکار ترکی کی سالانہ آمدنی سولہ ملین لیرہ (ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ) ہے - اور سلطان عبدالحمید خان ثانی نے اسی آمدنی میں سے گذشتہ پچیس سال میں بہت سا قومی قرضہ اتار دیا ہے - جو لیکر ایک پیسہ قرضہ نہیں لیا - مگر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم و مغفور نے اپنی سولہ سالہ حکومت میں ڈیڑھ سو ملین (پندرہ کروڑ) پونڈ قرضہ لیا تھا - یعنی سوا [illegible] لاکھ پونڈ قرضہ جنگ کریمیا کے باقی تمام ترکی فوجی قرضہ سلطان عزیز کے وقت کا ہے - ہر ترک کو نصف پونڈ سے زیادہ ہر قسم کے سرکاری ٹکس سالانہ نہیں دینے پڑتے - دو گھنٹہ تک ہر قسم کی گفتگو کے بعد مجھے احمد مدحت صاحب

انکا کتب خانہ

نے اپنا کتب خانہ دکھایا جسمیں عربی فارسی ترکی کی حدیث فقہ

اور تصوف کی کتابوں کے علاوہ زیادہ تر فرانسیسی زبان کی کتابیں تھیں۔ جنمیں سے میں نے چند فرانسیسی زبان کی بڑی بڑی کتابوں کے نام نوٹ کر لئے جو حسب ذیل تھیں۔

یونانی مصنفین کے کلام کا مجموعہ (لائبریری اشٹے) پچاس جلدیں۔

لاطینی مصنفین کے کلام کا مجموعہ مرتبہ ایم نیسارڈ۔ چوبیس جلدیں۔

پیٹیورس پیٹیورسک۔ ساٹھ جلدیں۔

تاریخ عمری فیلسوفی (از کونٹ ڈے سیگور) بہت سی جلدیں۔

تاریخ کلیسیا (از ایبے فلورے) چونسٹھ جلدیں۔

لاآران سائیکلوپیڈی (فرانسیسی) تیس جلدیں۔

سائیکلوپیڈیا پاڈ الاردز۔ متعدد جلدیں۔

آخر میں انہوں نے مجھے فرانسیسی ہماد لاروز سائیکلوپیڈک ریویو دکھلایا جسمیں ترکی اور مصر کی حالت پر ایک مضمون ہے۔ احمد حمدی آفندی کو ترکی انشا نویسوں کا استاد بتلایا گیا تھا۔ غرضکہ ان کی شہرت نہ صرف ترکوں میں ہے بلکہ یورپ کے علمی حلقوں میں مسلم ہے۔ یورپ کے اورینٹل کانفرنس میں یہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے کئی مرتبہ ڈیلیگیٹ ہو کر گئے ہیں۔ اور سٹاک ہالم کے کانفرنس میں عربی زبان کے صیغہ کے میر مجلس تھے۔

دستکاری کی سرد بازاری

سلطنت عثمانیہ کی تجارت صنعت و حرفت کی حالت بہت ردی ہے۔ میں نے یہاں کے کئی اہل الرائے حضرات سے دریافت کیا کہ آپ کے بازار یورپ کی اشیا سے پر ہیں۔ اور ترکی میں کوئی ایسی چیز بنتی ہے اور سے عام طور پر نہیں بنتی۔ جو غیر ممالک کو بھیجی جائے۔ یا اسکے ملک میں ہی عام طور پر صرف ہو۔ وہ مستثنیٰ چیز سمرنا کے قالین ہیں۔ جو دنیا بھر میں مشہور رہیں۔ اور جنکی نقل آج تک اہل یورپ امریکہ نہیں کر سکے۔ یہ دو لاکھ لیرہ (پونڈ) عثمانی کی تجارت ہے۔ کسی قدر ریشم اور پارچہ بافت کی صنعت باقی ہے۔ لیکن ردی اور

اور دوسری خام پیداوار کی اشیاء کی طرح بہت سا ریشم خام بھی یورپ کے کارخانوں میں جاتا ہے اور وہاں سے تیار ہو کر آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بہے بٹ جنکو توغندہ کہتے ہیں۔ اور جو خاص ترکی کی ایجاد ہے۔ اور یہاں کی ضرورت کی چیز ہے۔ وہ بھی اکثر روس سے بنکر آتے ہیں۔ جو یہاں ہی کی ساخت سے سستے بکتے ہیں۔

احمد جودت صاحب

احمد جودت صاحب ایڈیٹر اخبار اقدام نے مجھے بتلایا کہ یہاں کی صنعت و حرفت کا یورپ کی صنعت و حرفت کے کارخانوں نے ستیاناس کر دیا ہے۔ کوئی دو سو سال پہلے سلاطین عثمانیہ نے اول یورپ کو بطور رعایت اجازت دی تھی کہ وہ اپنی اشیائے تجارت یہاں لاکر فروخت کریں۔ اور اس مطلب کے عہدنامے لکھے گئے تھے۔ اس وقت ترکی نے مال کی قیمت پر صرف آٹھ فیصدی شرح محصول درآمد یعنی ڈیوٹی مقرر کی۔ اس وقت کے بعد دنیا کی صنعت و حرفت

یورپین مال درآمد پر صرف آٹھ فیصدی ڈیوٹی

کے کارخانوں میں بڑا انقلاب ہوا ہے۔ اہل یورپ اب بہت ارزاں اسباب تیار کر سکتے ہیں مجھے ایک قہوہ پینے کی چھوٹی سی پیچ دار پیالی دکھلا کر کہا کہ یہ دونوں اب قسطنطنیہ کے بازاروں میں نصف دمڑی یعنی ایک آنہ کو بکتی ہیں۔ جو یورپ سے بن کر آتی ہیں۔ حالانکہ خود سلطنت ترکی میں چینی کے برتن بنانے کے کئی کارخانے تھے مگر وہ اتنا ارزاں مال نہیں تیار کر سکتے۔ کیونکہ ان کے یہاں زمانہ حال کی ترقی

کرتاہیہ میں چینی برتنوں کی صنعت کا خاتمہ

سائنس و مشینیں استعمال نہیں ہوتیں۔ اسلئے وہ سب بند ہو گئے ہیں۔ اور اب یورپین کارخانے آگے اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ جبتک غیر معمولی کوشش نہ کی جائے اور بہت سا سرمایہ نہ لگایا جائے ان کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔ چنانچہ ایک قصبہ کرتاہیہ تمام و کمال چینی برتن بنانے میں مشہور تھا۔ مگر اب وہاں ایک بھی کارخانہ اس صنعت کا نہیں رہا۔ تو آپ سمجھ سکتے ہیں [illegible]

اس سے کم نقصان پہنچا ہے۔ جتنا کہ چینی برتنوں کے کام کو ٹرکی میں پہنچا ہے۔
سنیے یہاں کے عجائب خانہ میں۔ جسکو [illegible] خانہ کہتے ہیں کوتاہیہ کی چینی کی بنی
ہوئی چیزوں کے بہت سے دیکھے جو یورپ کی ساختہ اشیا سے عمدہ ہیں۔ مگر چونکہ آج
ارزاں نہیں اسلئے ان کا بازار سرد ہوگیا ہے۔ میں نے اس اخبار نویس دوست سے
دریافت کیا کہ اسکا تو یہی نتیجہ ہے کہ ٹرکی میں صنعت وحرفت کو کبھی ترقی نہ ہوگی۔
انہوں نے کہا جب تک ممالک غیر کی اشیا کی درآمد بھاری ڈیوٹی لگا کر بند نہ کیجائے
گی۔ ٹرکی کی ساختہ اشیا کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ مگر دول یورپ ڈیوٹی بڑھانے
نہیں دیتیں۔ جیسا کہ حال میں صرف ۳ فیصدی اضافہ کرنے کی صلاح دی گئی
تھی۔ مگر بوجہ ان کی مخالفت کے تجویز رہ گئی۔ حالانکہ روس بعض اشیا پر چالیس
پچاس فیصدی قیمت کے برابر بھی محصول درآمد لیتا ہے۔ اسلئے کہا کہ ٹرکی
نے دستکاریوں میں فوقیت حاصل کرنے سے بالفعل امید منقطع کر لی ہے
البتہ زراعت کی طرف توجہ زیادہ مبذول کی ہے۔ جسمیں بہت کچھ بہتری
کی امید ہے۔ میں نے کہا کہ جس طرح گورنمنٹ جرمنی اپنی بیٹ شوگر تیار کرنے
والی رعایا کو [illegible] دیتی ہے تاکہ [illegible] کے مقابلہ میں وہ سستی شکر بنا سکیں
ویسا گورنمنٹ [illegible] انہوں نے کہا کہ اسمیں بھی کامیابی کی امید
نہیں۔ ٹرکی کے [illegible] یورپ نے مینوفیکچرز چیزوں کی آدھی
قیمتیں لینے پر آمادہ ہو جائینگے۔

محمود اسعد آفندی جبکہ میں نے لاہور سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار
ڈی سن جاری کیا تھا اسوقت سمرنا کے ایک ترک افسر محمود آفندی بھی اس
اخبار کے خریدار تھے۔ جو اسوقت اپنے آپ کو سمرنا کی عدالت عالیہ کے
چیف جج لکھا کرتے تھے۔ اور انگریزی میں خط وکتابت کرتے تھے۔ اب جو قسطنطنیہ
میں پہنچا تو احمد مدحت صاحب اور بعض دیگر اصحاب نے مجھے ان سے
ملنے کی صلاح دی۔ مگر مجھے خیال نہیں آیا کہ ان سے روحانی ملاقات

پہلے سے حاصل ہے۔ آخر خالد ایوب نوجوان مصنف سے کہ جنسے معلومات کے اڈیٹوریل سٹاف میں ملاقات ہوچکی تھی۔ میرا ذکر محمود اسعد افندی سے لیا وہ مجھے پہچان گئے اور ان کے واقف تھے۔ ملاقات کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ میں ان کے دفتر میں فینانس میں ان سے ملا۔ یہاں آپ نائب وزیر مال ہیں۔ مملکت عثمانیہ میں قانون حقوق وراثت میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دارالخلافہ کے یونیورسٹی کالج میں قانون کے لیکچرار ہیں۔ اور کثیر تصانیف کے مصنف ہیں۔ محمود اسعد صاحب مجھے مل کر بہت خوش ہوئے اور شکایت کی کہ مجھے قسطنطنیہ پہنچ کر انہیں کے یہاں قیام کرنا چاہئے تھا۔ چونکہ میں بالکل واقف نہیں۔ اصرار کیا کہ اب انہیں کے مکان پر ٹھیروں۔ آج پہلی دفعہ انہوں نے شربت منگوا کر پلایا۔ حالانکہ یہاں سوائے قہوہ کے کسی اور نے مجھے کچھ نہیں پلایا تھا۔

پانچ سال کے خط۔

دوسری شام کو حسب وعدہ سید عبدالغفار اور میں ان کے مکان پر کھانا کھانے کے لئے پہنچے۔ لیکن چونکہ شہر کے ایک بہت دور کے حصہ میں تھے۔ اسلئے بجائے ۱۰ بجے آلا ترکا کے ۱۲ بجے شام کو پہنچ سکے۔ اور اس زحمت کے لئے معذرت کی۔ انہوں نے میرے دو خطوط الگ بر دو نمبر شدہ کے جو میں نے انہیں لکھے تھے۔ مجھے نکالکر دکھائے جنہیں دیکھکر میں دنگ رہ گیا کہ انہوں نے اتنی مدت سے ان خطوط کو محفوظ رکھا ہوا تھا ان میں میں نے انہیں لکھا تھا کہ انشاء اللہ سفر قسطنطنیہ کے دوران میں سمرنا میں آپ سے ضرور ملونگا۔ اسعد آفندی صاحب نے کہا کہ گو مجھے سینکڑوں خطوط آتے ہیں اور گو میں نے بیسیوں اخبارات خریدے لیکن تمہارے اخبار اور تمہارے خطوط سے نہ جانے مجھے شروع ہی میں کیوں ایسی الفت ہوگئی تھی کہ میں تمہیں فراموش نہیں کرسکا۔

ترکی کھانا

اتنے میں میز پر کھانا لایا گیا۔ اور ہم کھانے کے کمرہ میں گئے۔ سوائے میزبان کے ان کے تین چار بھائی بھتیجے بھی مع ان کے شاگرد خالد ایوب کے کھانے

میں شامل تھے۔ پہلے چوربا آیا۔ جیسے کہ انگریزی کھانوں میں پہلے شورپ آتا ہے۔ ایک ہی برتن میز کے وسط میں رکھا گیا۔ جس میں سے ہر شخص اپنا اپنا چمچہ بھر لیتا تھا۔ اسکے بعد گوشت سادہ اور دو تین قسم کا ترکاریوں میں پکا ہوا گوشت آیا۔ پھر ایک شیریں کھانا فرنی فالودہ کی قسم کا شکر سے کیا ہوا آیا۔ پھر بورک نامی کھانا آیا جو ایک موٹے پراٹھے کی طرح تھا۔ اور اسکی تہوں میں برشتہ انڈے تھے۔ اخیر میں پلاؤ آیا۔ لیکن اسے بہت کم ہاتھ لگایا گیا کیونکہ سب سیر ہو چکے تھے۔ اور سب سے آخر تازہ فروٹ آیا۔ جس میں انگور۔ اور خربوزہ اور تربوز کے چھیلے ہوئے [illegible] تھیں۔ کھانے سے فارغ ہوکر ہاتھ دھوئے۔ یہاں سیلابچی کے بیچ میں ایک جگہ صابن رکھنے کی ہوتی ہے۔ سادہ اسی کے اوپر سب ہاتھ دھوتے ہیں۔ جس سے صابن گیلا ہونے کی وجہ سے تھوڑا ہاتھوں میں لگ جاتا ہے۔ کھانے کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر انہوں نے اپنا فوٹوگراف مجھ کو [illegible] اور کہا کہ حضرت سلطان کے جشن بست و پنج سالہ کی تقریب میں جو یہاں کی یونیورسٹی میں سائنس اور قانون کے صیغے کھولے گئے ہیں۔ ان میں سے میں ایک کا لیکچرار مقرر ہوا ہوں۔ پھر روزانہ تین گھنٹہ دفتر حقوق [illegible] اور دو گھنٹہ یونیورسٹی میں۔ پھر مجھے اپنا کتب خانہ دکھایا۔ جس میں زیادہ فرانسیسی عربی اور چند انگریزی کتابیں تھیں۔ قانون فلسفہ اور [illegible] سائنس کی کتابیں بہت تھیں۔ مجھے اپنی تصنیف سے ایک تاریخ طبعی [illegible] دو جلد اور ایک اصول حقوق دی۔ اس سے پہلے انہوں نے لاہور میں ہی مجھے دو تین کتابیں اپنی تصنیفات سے بھیجی تھیں۔ رخصت کے وقت انہوں نے مجھے [illegible] دو فوٹوگراف دیئے۔ اور میرا فوٹوگراف طلب کیا۔

محمد سلیم آلسی اور تونس کا ذکر

بیروت کے اخبار [illegible] کے ایڈیٹر محمد سلیم الآلسی جو چند بار مجھے ملنے آئے مجھے ایک روز کہنے لگے کہ تمہارے

نشان مجیدی ثالث کی سفارش ہو چکی ہے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ نہ میں نے کبھی سے اسکی آرزو کی ہے۔ نہ کسی ایسے افسر سے ملا ہوں کہ جسکے متعلق یہ کام ہو۔ اسلئے یہ گپ ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نسبت اخبارات میں کیفیت دیکھکر خود بخود تمہاری سفارش کر دی گئی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ذات علی نے کہا کہ اخبار میں تمہاری کیفیت پڑھکر سید سیف الدین صاحب نے جو شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب کے داماد ہیں مجھے کہا تھا کہ اسے ضرور نشان ملنا چاہئیے آخری روز جب میں ہز ایکسیلنسی محمود اسعد آفندی صاحب سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ ہز ایکسیلنسی محمد عزت صاحب نے تمہارا ذکر بادشاہ کا تب اول سے کیا تھا۔ اور وہ سنکر بہت خوش ہوئے تھے۔ بہتر ہے کہ تاہین ہمایوں میں جا کر انہیں مل آؤ۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ میں قسطنطنیہ سے روانگی کی تیاری کر چکا تھا۔ اسلئے انہیں مل نہ سکا۔ بادشاہ کا تب ہمایونی سلطان المعظم کے سب سے بڑے سکرٹری ہوتے ہیں۔

ایک اردو دان شامی

ایک روز میں جناب معلومات کے دفتر میں گیا تو ایک صاحب مجھے بڑے تپاک سے [illegible] اردو بولنے لگے۔ معلوم ہوا کہ انکا نام محمد سعید طرابلسی ہے۔ چودہ سال تک ہندوستان کے مختلف اسلامی مدارس حیدر آباد وغیرہ میں مدرس عربی رہے ہیں۔ بالیر کوٹلہ میں ہندوستانی بی بی سے شادی کی اور اب اُسے قسطنطنیہ میں اپنے ہمراہ لائے ہوئے ہیں اور آجکل عربی معلومات کے ایڈیٹر یا مترجم اڑہائی سو قرش ماہوار پر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پیسہ اخبار اور بعض دیگر اردو اخبارات نکلالے کہ جنکے ترجمے انہوں نے ابھی عربی میں معلومات کے لئے کئے تھے۔ شامی صاحب نے بھی مجھے قسطنطنیہ کے بعض مقامات دیکھنے اور لوگوں سے ملنے میں مدد دی۔ اور جب میں ہندوستان میں واپس آیا تو کچھ عرصہ بعد لاہور میں بھی مجھے ملے اور میرے پاس ٹھہرے۔ غالباً اپنی ہندوستانی بی بی کو یہاں چھوڑنے کے لئے آئے تھے

عظیم زادہ جمیل بک صاحب

شامی صاحب نے عظیم زادہ جمیل بک صاحب سے ملاقات کرائی۔ جو معلومات عربی کے چیف ایڈیٹر اور عربی زبان کے ایک سربرآوردہ مضمون نگار اور اعلیٰ پایہ کے خط ثلث کے خوشنویس ہیں۔ اصل ملازمت ان کی محکمہ سنسر (محتسب اخبارات) کے دفتر کی رکنیت ہے یہ دراصل دمشق کے ایک نامور خاندان روسا کے ممبر ہیں۔ مجھے بڑی مہربانی سے ملتے تھے۔ اور قسطنطنیہ سے روانہ ہونے سے پیشتر مجھے بطور تذکار دیا اور کاغذ کے چند اوراق میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اقوال نہایت اعلےٰ درجہ کی عربی خوشخطی کا نمونہ لکھکر دیئے۔ علاوہ اسکے دمشق میں اپنے چچیرے بھائی کے نام ایک معرفت کا خط بھی دیا۔ جس سے مجھے دمشق میں بہت مدد ملی۔ اور میں نے ان کا عظیم الشان خاندانی مکان دیکھا کہ جسے قیصر جرمنی نے بھی دمشق میں پہنچکر دیکھا تھا۔

عربی خوش خطی

قسطنطنیہ اور دیگر مقامات میں ابتک خط نسخ کی خوشنویسی کی بہت قدر کیجاتی ہے۔ اور اچھے اچھے خطاط اسوقت تک موجود ہیں۔ کہ جنکی تحریرات کے نمونے فوٹو گرافوں یا کتبوں اور کتابوں میں وہاں جابجا نظر آتے رہتے ہیں۔

آمد و رفت کے ذریعے اور وسائل

سڑکیں

قسطنطنیہ کی سڑکیں بیشک اچھی نہیں۔ جو سب ان گھڑے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ سوائے بعض کے جو گھڑے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہیں یا جنپر کنکریٹ کوٹا گیا ہے۔ جو مسافر یورپ کی طرف سے یورپ کی عجیب و غریب سڑکیں دیکھتا ہوا آئیگا۔ وہ سب سے پہلے قسطنطنیہ کی سڑکیں دیکھکر ضرور حیران ہوگا۔ علاوہ اسکے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں اس قدر فراز و نشیب ہیں کہ بعض مقامات میں بازاروں میں بجائے ہموار منزل کے برابر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں

جیسے کہ پہاڑی مقامات میں ہوتی ہیں کیونکہ یہ شہر بھی سات پہاڑیوں پر
واقع ہے۔ جب میں احمد حمدی افندی صاحب سے پہلی مرتبہ ملا۔ اور انہیں
معلوم ہوا کہ میں یورپ کی سیاحت سے واپس جا رہا ہوں۔ تو انہوں نے
فوراً خود بخود شہر کی سڑکوں کے مضمون کو چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے شہر کے
بازار اور یورپ کے شہروں سے بہت خراب ہیں۔ اور جو شخص یورپ کے
شہروں کو دیکھ آئے اسے یہ سب بہت کھٹکتے ہیں۔ لیکن اسکی ایک وجہ
اور وہ یہ ہے کہ جتنے یورپین تاجر اور دولتمند لوگ یہاں رہتے ہیں کہ جن کے

یورپین بادن کچھ [illegible]

یہ عالیشان اور سنگین مکان تم دیکھتے ہو یہ سلطنت
کو ٹیکس یا کسی قسم کا ٹیکس نہیں دیتے اور آخر سے سودا
اگلا [illegible] کے [illegible] یورپین
سوداگروں کو [illegible]
ایسے [illegible]
رقت [illegible] دولتمند
یورپین سوداگروں سے [illegible] نہیں
کر سکتی۔ [illegible] سے بڑی
جلی یہاں کے بازاروں کی [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible] کے [illegible] تمام امرا
[illegible]
[illegible] ہیں
کیونکہ [illegible] اور [illegible] نشیب گڑھے
بہت کام [illegible] بازاروں اور گلیوں میں صرف خیال
سے ہی نہیں [illegible] جاتے [illegible] چلائے جاتے ہیں۔ اور
گھوڑوں [illegible] ہوتے ہیں انہیں جیسے

چابک مار کر دوڑاتے جاتے ہیں۔ اس شہر میں جلدی پہنچنے کے لئے یہ اچھی سواری ہے۔ پہلے میں نے سمجھا تھا کہ سوار گھوڑا دوڑا کر اس نوکر پر ظلم کرتا ہے۔ لیکن پیچھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکے خود گھوڑا بھگاتے ہیں۔ چونکہ شہر کے بعض حصوں میں بہت ترچھی چڑھائیاں ہیں ان پر گھوڑا اس طرح چڑھتا ہے۔ جس طرح آدمی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اسکا ساتھی پتھروں پر ننگے پاؤں ہانپتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یورپین طرز کی گاڑیوں کے رواج سے پہلے یہاں ایسے گھوڑے بہت زیادہ ہوتے تھے۔

بخشش اور ٹپ میں فرق

ایک روز غیر ممالک کی ڈاک کا وقت قریب تھا۔ میں نے جلدی ڈاک خانہ پہنچنے کے لئے چار غروش کو گھوڑا کرایہ کیا۔ یہ کرایہ پیشگی دیا جاتا ہے۔ میں نے ایک مجیدی یا پانچ غروش کا سکہ کرایہ والے کو دیا۔ اُسنے بڑی سماجت سے ایک چھوٹے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ دوڑیگا۔ یہ بخشش ہی۔ میں نے دیکھا واقعی بچہ بہت چھوٹا تھا سات آٹھ سال سے زیادہ ہوگا۔ اگر مجھے پہنچنے کی جلدی نہ ہوتی تو میں گھوڑے کو ہرگز نہ لیتا۔ مگر پھر بھی بعض تنگ گلیوں میں گاڑیوں اور راہ روؤں کے باعث مجبوراً گھوڑا آہستہ چلاتا گیا۔ یورپ اور یہاں کی عادات میں فرق یہ ہے کہ یہاں ٹپ دینے کا بالکل ذکر نہیں کرتے جیسے یورپ کے مزدور اور خدمتگار دینا ہی سمجھتے ہیں۔ گو کسی بھی خدمت کرے وہ سے یہاں سنت سے زیادہ مانگ لیتے ہیں یا منت سماجت سے بلا تقاضا کرتے ہیں کہ جسے یورپین بخشش کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ یا ایک دفعہ ایک کشتی والے نے جھگڑا کر کے دو تین غروش زیادہ لئے۔ وہ کہ ٹپ یا انعام یا بخشش سمجھتے ہیں۔ جو اپنی مرضی سے خلاف پہنچے ایک ماہ کے قریب استنبول میں رہا۔ مگر کسی شخص نے مجھ سے کوئی بخشش نہیں مانگی جو ناجائز ہو۔ بجائیکہ یورپ کے ہر شہر میں ہر کھانے کے بعد یہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد، ہر ذرہ سی خدمت کے بعد ٹپ دینا

لازمی ہوتا ہے۔ پیرس میں تو یہاں تک ترقی ہوئی ہے۔ کہ گاڑیوں کی شرح کرایہ مقرر کر کے گاڑی کے ٹکٹوں میں لکھ دیا ہے۔ کہ علاوہ کرایہ کے اتنا انعام پانے کے گاڑیبان امیدوار ہیں۔ اور بعض دفعہ جیسے بڑا سکہ گاڑیبان کو دیا تو اس نے علاوہ کرایہ مقررہ اپنا ٹپ بھی خود ہی رکھ لیا۔ اور بقایا پیچھے لوٹا دیا۔ اگر ممالک مشرق میں کوئی مفلس مزدور خدمت کرنے کے بعد دانت نکال کر دو چار آنے مانگ لے۔ تو یورپ کے سفید کوٹ اور کالر والے جنٹلمین مزدوروں کی جائز معاوضہ سے بڑا درجہ قابل معافی ہے ہاں انگلستان کی اس بارہ میں تعریف کرنا ضروری ہے۔ کہ ٹپ کی رسم وہاں بھی ہے لیکن دنیا کی طرح ٹریموے کے کنڈکٹروں تک کو نہیں دینا پڑتا۔ یورپ میں تمام عجائب خانوں اور اس قسم کے قابل دید مکانوں بلکہ دفتروں اور کچہریوں کے دروازوں پر چھاتے اور لاٹھیاں رکھنے کے لئے کوئی عورت یا مرد مقرر ہوتا ہے اور جو سرکاری عجائب خانے مفت بھی دیکھے جاتے ہیں۔ وہاں بھی ایک پینی (ایک آنہ) تو ضرور چھاتا رکھنے والے کو دینا پڑتا ہے۔

گاڑیاں پیرا اور استنبول کے کئی مقامات میں گاڑیوں (اومنی بس) کے اڈے ہیں گاڑیاں خوبصورت وکٹوریہ قسم کی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اور سب دو گھوڑے والی ہوتی ہیں۔ کیونکہ راہ بوجہ بجائے چڑھائیوں کے ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ کرایہ گھنٹہ یا مقدار راہ یا وزن کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات گاڑی والے سے پہلے ہی طے کر لینی چاہیئے۔ کہ کس طریقہ سے کرایہ دیا جائیگا۔ رات کو دن کی نسبت کچھ شرح زیادہ ہے۔ دن کے وقت تین شخص کی سواری کیلئے پانچ قرش مقرر ہیں اور شام سے آدھی رات تک ساڑھے سات اور آدھی رات سے صبح تک دس قرش۔ اور دن بھر کی گھنٹہ بندی بیس قرش یعنی چھ جو نفیس بہ یورپ کے بہت ارزاں ہے۔ یہ گاڑیاں بلدیہ یعنی میونسپلٹی کے زیر نگرانی چلتی ہیں۔

اسپی ٹرام وے پیرا اور استنبول دونوں طرف گھوڑے کی ٹرام وے کی لائنیں جاری ہیں۔ لیکن چونکہ رستہ تنگ ہے جتنے ٹرام وے کی ہر گاڑی کے

آگے ایک وردی پوش آدمی ہاتھ میں چھوٹا سا ترم لئے بجاتا ہوا دوڑتا جاتا ہے۔ اور اسی لئے دوسری سڑکیں کراس کرنے کے لئے جو مت کم ہیں دیر تک گاڑیوں کو اس بیچ کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان گاڑیوں میں عموماً [illegible] کے بیٹھنے کے لئے صحن بند دار بنگلہ ہے۔ [illegible] درجے جو ہیں [illegible] ٹرام وے یا ایسی [illegible] بجلی پر مقرر ہے [illegible] کھمبے [illegible] جاتے ہیں۔

زیرزمین ریلوے

[illegible] ہے۔ اسی لئے پل غلاطہ [illegible] زیر زمین راستے کھودے گئے ہیں [illegible] سب لئے [illegible] اور [illegible] کے ذریعے [illegible] کا راستہ [illegible] بھی [illegible] دوم درجہ [illegible]

[illegible] ریلوے نہیں

[illegible] روزانہ [illegible] ہے۔ (۳) [illegible] کو ساحل

ہار مور پر روزانہ دو ٹرینیں جاتی ہیں ۔ اور یہی تو کل ٹرینیں روزانہ قزل طوراق
فنا زکوئی بال بنہ و کربلا وغیرہ کے درمیان آتی جاتی ہیں مضافات کے
رہنے والے [illegible] اہل شہران لاتیقوں کو بہت
استعمال کرتے ہیں [illegible] ٹرینیں چلتی رہتے ہیں
ریلوں پر [illegible] ۔ تو نراسیسی وان ترک بھی
ہوتے ہیں ۔

[illegible] سے بہت زیادہ اور زیادہ
[illegible] ہارن کی سائکل
[illegible] بلتی نظر آتی
[illegible] یا کا ایک کشتی
[illegible] ہوتا ہے ۔
[illegible] بڑی کشتیوں سے
[illegible] ترک یونانی
[illegible] تے ہیں ۔
[illegible] مقرر ہیں ۔ جہاز
[illegible] شہر کے مختلف حصوں
کے درمیان [illegible] بہت کام آتے ہیں
[illegible] تک سیٹر ہی چلتے
ہیں [illegible] کے جو مسافر یا اسباب
[illegible] پر نظر آتا ہے
[illegible] آمد ورفت
[illegible] بیس سیٹر ہیں

[illegible] سوکر یری دروازے سے
[illegible] صفحہ ۷۶۳

یہ ترکوں کی وطنی کمپنی ہے۔ مگر اسمیں مسلمان عیسائی سب شریک ہیں۔ یہ سٹیمر پل قلاطہ سے لیکر ساحل باسفورس کے تمام مضافات کے دیہات تک دن بھر بار بار جاتے آتے رہتے ہیں۔ جو ان میں سے ساحل یورپ کیطرف چلتے ہیں ان کے مستول پر سبز جھنڈا اڑتا ہے اور ساحل ایشیا پہ چلتے ہیں ان پر سرخ جھنڈا۔ مگر جو باری باری دونوں طرف جاتے آتے رہتے ہیں۔ وہ دونوں رنگ کے ترکی جھنڈے اڑاتے ہیں۔ پل پر جہاں ان سٹیمروں کا سٹیشن ہے ان جہازوں کے دونوں طرف کے سٹیشنوں کے نام ترکی اور لاطینی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ یورپین ساحل کے سٹیشن یہ ہیں۔

بلند کے دونوں طرف کی آبادیاں

قباطاش۔ بشک طاش۔ اورتہ کوئی۔ کورو چشمہ۔ ارناؤوط کوئی۔ بیک۔ رومیلی حصار۔ بویاجی کوئی۔ امیرگیان۔ استینیا کوئی۔ تھراپیا۔ کیچ برونو۔ بیوک درہ۔ سرار برنو۔ ینی محلہ اور رومیلی کواک۔ اور ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ سکوتری۔ قز غنجک۔ بیلربے۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ کندلی۔ اناطولی حصار۔ قانلیجہ۔ چبوقلی۔ پاشا باغچہ۔ بیکوس اور اناطولی کواک۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ہر طرف سٹیمر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک علیحدہ لائین سکوتری کی طرف ایک ایک گھنٹہ کے بعد سٹیمر روانہ کرتی ہے۔ دیگر مذکور کمپنی پندرہ پندرہ منٹ کے بعد پل سے سلطان ایوب تک سٹیمر بھیجتی ہے۔ ان کے علاوہ مصری کمپنی کے سٹیمر رنستر اسپنسہ کو بھی روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ کرایہ فاصلہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً پل سے رومیلی کواک تک جو یورپین ساحل کا آخری سٹیشن ہے اور دو اڑھائی گھنٹہ کا سفر ہے۔ اول درجہ کا کرایہ کہ جسے ترک شتوقہ کہتے ہیں۔ سوا پانچ قرش ہے۔ اور دوم درجہ عام لوگ ہوتا ہے

ایوب اور خاصکوئی ایک خلیج استانبول ہی کا آخری حصہ ہے جو بحر غربت شرق سے جدا ہو کر کناروں کے دیہات اور جزیروں تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔

پردہ دار عورتوں کے لئے سٹیمروں میں بھی علیٰحدہ جگہ بنی ہوئی ہے۔ سیاحان تنگۂ باسفورس کے دونوں طرف یہ خوبصورت نظارے دیکھنے کے لئے ایک بار تو ان سٹیمروں کا ضرور سفر کرتے ہیں۔ خواہ نہیں اُن بہت سے مواضعات میں سے کسی میں کام ہو یا نہ ہو۔ مگر مجھے تین چار مرتبہ دونوں ساحلوں پر بعض اصحاب کی ملاقات کے لئے جانا پڑا۔

سٹیمروں کی لائنیں

ہر چند کہ ممالک عثمانیہ میں بیروت بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ تاہم کوئی ایسا انتظام موجود نہیں ہے کہ قسطنطنیہ اور بیروت کے مابین کوئی روزانہ سروس جہازوں کی جاری ہو۔ اور جو روسی۔ اطالی۔ یونانی۔ فرانسیسی آسٹرین اور انگریزی کمپنیاں ان بندروں کے درمیان جہاز چلاتی ہیں۔ ان میں کسی ترک کی ایک پیسہ تک کی شرکت نہیں۔ قسطنطنیہ کے مضافات کی آمد و رفت کے لئے ایک جہازوں کی کمپنی بنام "شرکت خیریہ" جاری ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ البتہ مخصوصہ اُن جہازوں کی ترکی مگر ایک یہودی کی ملکیت ہے۔ ان کے علاوہ شمالی سمندروں میں جو سٹیمروں کی لائنیں جاری ہیں۔ اُن کی تفصیل یہ ہے :-

آسٹرین لائن :- ٹریسٹ سے قسطنطنیہ۔ سمرنا اور تمام ساحل اسکندریہ تک۔ اسکی ایک شاخ ڈینوب میں چلتی ہے کیسٹنجی۔ وارنا۔ اور اناطولی دانا طولیہ سے بحیرہ خضر کے بندروں کو جاتی ہے۔

مصری لائن :- خدیوی ڈاک کے سٹیمروں کی کمپنی۔ جو پہلے گورنمنٹ مصر کی ملکیت تھی۔ مگر اب ایک انگریزی کمپنی کا مال ہے۔ جو اسکندریہ سے قسطنطنیہ کو جاتی ہے اور راستہ میں پیریٹس۔ سمرنا اور ساحل شام کے بندروں سے گذرتی ہے۔

انگریزی لائنیں۔ ایک لنڈن کی اور چار لیورپول کی بحری کمپنیاں ان سمندروں میں جہازرانی کرتی ہیں۔

فرانسیسی لائنیں:- ایک ڈاک کی لائن مارسیلز سے قسطنطنیہ اور سمرنا کو جاتی ہے اور بحیرہ خضر اور ساحل شام کے بندروں سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ دو دو تجارتی جہازوں کی لائنیں ہیں۔

یونانی:- ایک لائن ٹریسٹ سے پیریس، قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندرگاہوں تک

اطالی:- ایک لائن ٹریسٹ و وینس و برنڈزی و سمرنا و قسطنطنیہ و بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن ناپلز سے [illegible] قسطنطنیہ تک

روسی:- ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ و بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور ساحل شام کے بندرگاہوں [illegible] مصر تک۔

ترکی:- محصوصہ کمپنی کے جہاز قسطنطنیہ سے [illegible] تک۔ دارہ اور ... بروں تک چلتے ہیں [illegible] اور طرابزون کے [illegible] کمپنی [illegible] بحری کی [illegible] اور کرلی کمپنی کو ترکی [illegible] جولی ہے اسکے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی [illegible] کی [illegible]

عثمانی بحری تجارت [illegible]

[illegible]

عثمانی ریلوے لائنیں [illegible] میں سلطان عبدالحمید خان کی [illegible] سے قسطنطنیہ [illegible]

سنہ ۱۹۰۸ء میں یورپین و ایشیائی ٹرکی میں ریلوے لائنوں کی طوالت حسب ذیل تھی۔

یورپین ٹرکی میں :-	میل	سمرنا ایدین ریلوے	۳۳۰
اورنٹیل ریلیں	۸۱۵	سمرنا قصابا	۳۳۱
سالونیکا موناسٹر	۱۳۵	مرسینا ادانا	۴۲
سالونیکا دادی آغلاج	۳۱۷	یافا یروشلیم	۵۴
میزان یورپین ٹرکی	۱۲۶۹	حجاز ریلوے	۲۹
ایشیائی ٹرکی :-		بیروت دمشق	۹۹
بغداد ریلوے (قونیہ سے ارغلی		دمشق مزیریب	۶۰
تک)	۱۲۵	جبل لبنان	۰۵
اناطولی ریلوے	۶۳۰	میزان ایشیائی ٹرکی	۱۲۰
مدانیہ بروصہ	۲۵	کل میزان	۳۰۱۹

جبکہ آخر سنہ ۱۹۱۰ء تک بہت سے ... ترقی ہوئی ہے۔ مثلاً حجاز ریلوے آخر سنہ ۱۹۰۸ء تک ساڑھے سات سو میل سے زیادہ تیار ہو چکی ہے اور سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر تک کل تک قریباً ہزار میل تیار ہو چکی۔ بغداد ریلوے کا جو حصہ جرمنوں کو دیا گیا تھا اسکے رو سے ۱۶۰۰ میل لائن کو قونیہ سے ادانا۔ موصل بغداد اور بصرہ تک توسیع دینے کا قصد رکھتی ہیں۔ کہ جسکی کئی برانچ لائنیں ہونگی اور بصرہ میں سے ایک بندرگاہ تک اسے توسیع دی جائے گی۔ چونکہ حصص بغداد ریلوے کمپنی کو عطا کیا گیا تھا وہ بغداد ریلوے کمپنی کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ کہ جسکا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ ہے۔ اسکا پہلا سکشن (۱۲۵) میل کا قونیہ اور ارغلی کے مابین اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں کھولا گیا تھا۔ بیروت دمشق لائن کو حمص اور حماتک توسیع دیگئی ہے اور ابھی سے حلب تک بڑھایا جائیگا۔ جفا لائن کہ جسکا لائسنس گورنمنٹ ٹرکی نے واپس خرید لیا ہے ترقی کر رہی ہے۔ اور ایک سکشن ۲۸ میل کا حیفا سے

سے ستمبر ۱۹۰۸ء کو جاری کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی مقام رابغ پر مکہ ریلوے کی ملحق کر دیا جائیگا۔ اور اس لائن پر صرف حاجیوں کی آمدورفت کے لئے [illegible] ہوگا۔ حمیدیہ حجاز ریلوے فرانسیسی دمشق مزیریب ریلوے کے متوازی چلیگی کہ جسے شاید گورنمنٹ خرید کر اس لائن کا ایک جزو قرار دیدے۔ ستمبر ۱۹۰۸ء تک [illegible] کے ۵۰۰ میل پر مسافروں کی آمدورفت جاری ہو گئی تھی [illegible] ۱۹۱۰ء کو سلطان المعظم نے مکہ سے جدہ تک حمیدیہ حجاز ریلوے [illegible] منظور فرما [illegible] ۱۹۰۸ء کی سالگرہ تک تیار ہو کر [illegible]

[illegible] ہے کہ ترکی گورنمنٹ عرب میں سلطان المعظم ریلوں کو [illegible] وسیع دینا چاہتے ہیں۔ جس سے ملک کی دولت کے ساتھ [illegible] کا [illegible] بڑھے۔ گو ہندوستان کے تیس ہزار [illegible] کوئی نسبت نہیں [illegible] پالیسی کا نتیجہ ہے جو [illegible]

[illegible]

اسلامی حکومت کی شان اور اسلام کی بے تعصبی

[illegible] ہندوستان [illegible] سلطنتوں [illegible] اور [illegible] ہوتے ہیں ویسے ہی ترکی [illegible] اختیار اور اختیار وسیع [illegible] علیہم لاتے ہیں۔ [illegible] حکومت کا [illegible] شیخ الاسلام مذہب کا افسر ہے۔ گو دونوں کو سلطان [illegible] شیخ الاسلام کے تقرر میں علما اور مذہبی اماموں کے نام [illegible] ہی حاصل کیجاتی ہے۔ شیخ الاسلام منصب

جماعت علماء کا صدر ہوتا ہے۔ یہ [illegible] فتیاؤں [illegible] کا عزل ونصب اور انتظام اسکے زیر نگرانی ہوتا ہے۔ اور سلطنت میں سے درجہ بدرجہ علماء کرنے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے جج مقرر واضعان قوانین اور علماء کے اساتذہ علماء کی جماعت میں ہی ہوتے ہیں اسلئے ایک لائق شیخ الاسلام بہت کچھ شیخ ملک کی بہتری کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

شرعی عدالتیں [illegible] شیخ الاسلام [illegible] آئی [illegible] شرعی اور عدالت [illegible] ہیں۔ مگر اسکے علاوہ کچھ اور قوانین سیاسی اور [illegible] الاقوام و ریاست کے لئے درکار تھے۔ سلطان [illegible] کی ضرورت پیش آئی پہلے شرعی اور [illegible] لیکن [illegible] جنکے [illegible] علاوہ کی عدالت [illegible] برداشت [illegible] کی [illegible] جہاں ایک مسند پر [illegible] بیٹھتے ہیں جنمیں حاکم کہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک [illegible] دوسرا [illegible] کے طور پر [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] حسن بن خیر اللہ تھا۔ ان عدالتوں میں [illegible] تقسیم [illegible] فروخت اراضی وغیرہ قسم کے مقدمات [illegible] جنکا فیصلہ شرعی طور پر ہوتا ہے۔ اور [illegible] سمجھا جاتا ہے۔ اور اراضی دعوے [illegible] ایک [illegible]

[illegible] قوانین [illegible]

میں ہی ہمارے لئے قہوہ لایا گیا۔ اس وقت ایک مقدمہ عدالت کے پیش تھا جس میں زبانی شہادتیں لیجا رہی تھیں۔ اور ایسی خانگی طور پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جس میں دروغگوئی کا اندیشہ نہ تھا۔ اور بالکل نڈر ہو کر فریقین بے تکلفی کی باتیں کر رہے تھے۔ قاضی صاحبان اہل مقدمہ کو اور وہ انہیں آفندم (میرے صاحب) کہکر پکارتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایسی ادنیٰ عدالتیں غلطہ میں ہیں۔ اور استانبول میں چند سے زیادہ ہوں گے۔ ہر ولایت میں کئی کئی ایسی عدالتیں ہیں۔

دیہات کے امام

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں دیہات یا قصبات ہر جگہ کے اماموں کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ تین چار سو قرش سے لیکر اونکو انہیں زمیندار [illegible] کے موقعوں پر اگر خوشی سے کچھ دیں تو بہتر ورنہ وہ کچھ لینے کو مجبور نہیں۔ انکی کا [illegible] کو بھی مجبور ہیں۔ [illegible] ایک شہر کے سرکاری [illegible] جو [illegible] مسجدوں کی [illegible] زمینداری [illegible] معاش سے [illegible] رہتے ہیں۔

[illegible] قسطنطنیہ میں ماہ [illegible] رمضان [illegible] رات جاگتے رہتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں [illegible] جو بہت کم ہیں انکے سوا تمام آدمی [illegible] مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ [illegible] سحری کھا کر دن کو سوتے ہیں۔ [illegible] سب لوگ روزہ رکھتے [illegible] تھوڑا کھانا کھاتے ہیں۔ بہت لوگ [illegible] روزے کھلوانے کیلئے افطاری [illegible] دعوتیں کرتے ہیں۔ اور علاوہ [illegible] وہاں [illegible] چار چار دس دس پونڈ تک ایک [illegible] دیتے ہیں۔ [illegible] ہندوستان کے برہمنوں [illegible] بہت [illegible] سلطان المعظم تمام

ماہ فتح مقیم دارالخلافہ کی دعوت کرتے رہتے ہیں - آج چار کل دس پانسو اسٹڈ بلٹنوں کو روزہ کھلوا کر کھانا کھلایا جاتا ہے - اور سوا افسروں کے ان تمام سپاہیوں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دیجاتی ہے - سلطان امرا کی دعوت کرکے انہیں قیمتی تحائف دیتے ہیں - رمضان میں سرکاری دفاتروں کو صرف دو دو گھنٹے کھلتے ہیں - ورنہ یہ مہینہ قومی اور مذہبی تعطیل کا سمجھا جاتا ہے - دفتروں کے کام کا بقایا جو شعبان میں بہت بڑھ جاتا ہے - پورا کیا جاتا ہے - راتوں کو مساجد کے میناروں پر خوب روشنی کیجاتی ہے - عید کی نماز کے بعد لوگ مصافحہ کرتے ہیں - اور آپس میں دوست احباب آپس میں شکر تقسیم کرتے ہیں - محلے اور عزیز دوستوں کو روز برتنوں میں شکر ڈال کر دوسرے کے گھر بھیجتے ہیں - عید رات سے دوسرے دن میں پانچ پانچ دفعہ نماز کے وقت سب توپخانوں سے توپیں چلتی رہتی ہیں - اور مملکت کے تمام بڑے شہروں میں ان توپوں کا رواج ہے - عید کے روز سلطانی بندہ بڑے ترک دا خشت وست بشکل دن جو ہے منتظر دولمہ باغچہ میں ہوتا ہے - عید کو ترک بیرم کہتے ہیں - اور عید قربان کو قربان بیرامی - عید قربان کے روز ہزاروں بھیڑ دنبے اور بکرے استنے بڑے شہر میں ذبح ہو جاتے ہیں - صرہ امین کی روانگی کہ جس میں ہر سال سلطانی تحائف شریف مکہ کی طرف روانہ کئے جاتے ہیں ماہ شعبان میں ہوتی ہے - سلطان بنفس نفیس اس مذہبی رسم کو سرانجام دیتے ہیں ان سب باتوں سے اسلامی سلطنت کی پوری جھلک پڑتی ہے -

جمعہ کی تعطیل ہرچند کہ سلطان اور خصوصاً ترک عیسائیوں کی نسبت اپنے دین میں زیادہ پابند ہیں تاہم جیسے اتوار سے ممالک یورپ میں مذہبی لحاظ سے اتوار کو مقدس دن سمجھ کر تعطیل ہوتی ہے یہ بات قسطنطنیہ میں نظر نہیں آتی - اسکی وجہ یہ نہیں کہ گورنمنٹ عثمانیہ جمعہ کو عام تعطیل نہیں

کرتی ۔ بازنگ جمعہ کی نماز [illegible] سب

کی کثرت اسبارہ [illegible] بھی ٹیک آ جکا [illegible] مثلاً لندن وغیرہ

عیسائی شہروں میں تو قبل [illegible] کی بھی کھلی ہوتی

اور ڈاک تک کا تقسیم ہونا بند رہے ۔ قسطنطنیہ میں جمعہ کو صرف سب

دوکانیں ہی کھلی ہوتی ہیں بلکہ چونکہ تجارت قریب قریب سب عیسائیوں کے

ہاتھ میں ہے ۔ تو [illegible] وغیرہ بعض

سرکاری محکمے بھی اتوار کو [illegible] عیسائی

زیادہ ملازم ہیں ۔ گو یہودی [illegible] اپنی سبت

یعنی ہفتہ کے روز تعطیل [illegible] بھی

اپنے گرجے لیکر [illegible] ہیں

علاوہ ازیں بعض دیگر [illegible] بنائی گئی

تھیں [illegible] جمعہ کا

خطبہ پڑھتے تھے [illegible] معلوم

ہوتا [illegible] ایسی

بات [illegible] ہوش

بالقصہ [illegible]

مکانوں اور مقبروں میں مساجد

[illegible] ہی دیکھا

[illegible] آ جایا جاتا ہے

مگر پھر دیکھا [illegible] بھی مساجد موجود ہیں

مسجد [illegible] اچھی حالت

میں تھی ۔ [illegible] مساجد [illegible] عثمان علی

حسن حسین کے [illegible]

کے ساتھ ایک [illegible] علی حضرت صاحب

بیٹھکر باتیں کرتے رہے۔ اسکے بعد [illegible] شاورت اور باب عسکری
وسعت کی مساجد کو دیکھا جو سب میں سے بڑی تھیں۔

آرمینوں کی شورش اور قتل

بہت سے یورپین [illegible] جب قسطنطنیہ میں آکر سلطان
المعظم کی [illegible] تعلیمی ترقی کی کوشش اور
عیسائی رعایا سے انکا [illegible] سلوک دیکھتے ہیں تو دنگ رہ جاتے
ہیں۔ کیونکہ [illegible] انہوں نے [illegible] سلطان المعظم کی نسبت سُنا
ہوا تھا۔ یہاں [illegible] اسکے برعکس طبیعت دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں
کہ کسطرح جو [illegible] سلطان بلا وجہ ارمنی عیسائیوں
کے قتل کا حکم دے [illegible] قسطنطنیہ میں کئی آدمیوں سے آرمینوں کے
واقعہ کی کیفیت دریافت کی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آرمینوں کے مفسدہ
پرداز [illegible] تیاری [illegible] کے مسلمانوں کا
قتل عام کردیں [illegible] سلحہ وغیرہ کا بہت بڑا انتظام
[illegible] تو ایک
ایک [illegible] اتنی
پرانی سلطنت [illegible] مخبری بڑا
زبردست [illegible] آرمینیوں نے اتفاق
اختفاء کرلیا [illegible] بہی پسپیں تقسیم کرلئے
آخرنا [illegible] یا اور کئی مسلمان
مارے گئے [illegible] انہوں نے جلسے کی جگہ دن
میں [illegible] مقابلہ شروع کردیا۔ اور
ہزاروں آرمینیوں کو ڈھیر کردیا۔ مگر [illegible] ایک بہی سپاہی نہ تہا بلکہ
عام لوگ [illegible] طور پر کہا گیا تہا کہ ۲۵
ہزار ارمنی مارے گئے۔ مگر [illegible] ایک لاکھ تیرہ ہزار سے کم نہیں

مارے گئے تھے۔ صرف قسطنطنیہ میں گیارہ ہزار اور دیار بکر میں بیس پچیس ہزار آرمینی ان میں مرے اور دیہات تک میں ہزاروں آرمینی مارے گئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب آرمینی بہت مدت تک شورش کرنے کے لائق نہیں رہے۔

حکومت ترکی کس قدر نا انصافی کرتی ہے

لیکن کیا یہ واقعہ دیگر عیسائی اقوام بلقان سے جو ترک بہت دست و گریبان رہتے ہیں۔ اس لئے پیش آتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے تعصب ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ترکی کی رعایا میں عیسائیوں کو وہ مراعات حاصل نہ ہوتیں جو اب انہیں حاصل ہیں۔ اور سلطان فاتح کے زمانہ سے عیسائی اپنے طریقوں کے متعلق بھی آزاد ہیں۔ کہ وہ [illegible] اپنے ہم مذہبوں کے مذہبی حاکم ہوتے تھے۔ مگر ان کے [illegible] حکومت بھی نیابت سلاطین نے انہیں کے سپرد کی ہوئی تھی [illegible] پولیٹیکل وجوہات ہیں کہ ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان [illegible] معرکہ جدال و قتال گرم رہتا ہے۔ ترکی سلطنت روئے زمین پر [illegible] جو اپنے دیگر مذہب کے رعایا کے معبدوں کی [illegible] کرتی ہو جیسی کہ ترک عیسائی گرجوں کی [illegible] دیتے ہیں۔ کوئی سلطنت ایسی بتا سکتے [illegible] اپنے غیر قوم و غیر مذہب لوگوں کو وزارت و [illegible] سفارت کے ذمہ دار عہدے دیتے ہوں جیسے کہ سلطنت عثمانیہ [illegible] عیسائی [illegible] ہوگئی ہیں۔ اور اس پر بھی ترک متعصب غیر مہذب و عیسائیوں کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ برخلاف یورپ کے دیگر سلطنتوں کے سلطنت عثمانیہ کا سرکاری مذہب اسلام ہے لیکن نہ صرف عیسائی جماعتوں کو سلطنت کے خزانہ سے رقم ملتی ہے۔ بلکہ سلطنت ان کو سرکاری عہدہ دار شمار کرتی ہے اور نہ صرف ایک عیسائی فرقہ کو بلکہ جملہ [illegible] کو جدا جدا مذہب سلطنت نے تسلیم کیا ہوا ہے۔ شروع میں ہی ترکی سلاطین نے اپنی رعایا مسلم اور

غیر مسلم دو حصوں پر تقسیم کر کے غیر مسلم رعایا کی اقسام کو بلحاظ مذہب ملتیں قرار دیا تھا۔ ۱۸۳۰ء تک چار غیر مسلم ملتیں سلطنت تسلیم کرتی تھی۔ یعنی رومن کیتھولک۔ یونانی۔ ارمنی۔ یہودی۔ لیکن اس تاریخ کے بعد پروٹسٹنٹ بلگیرین۔ میرونائیٹ اور نسطورین بھی الگ الگ ملتیں تسلیم کی گئیں۔ سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے عیسائی پیشواؤں (بطریقوں) کو سلطنت کے بڑے بڑے افسر مقرر کر دیا تھا۔ جن کے ہاتھ میں اپنے عقیدہ کے بہت سے مذہبی و ملکی اختیارات ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ عیسائی بطریق کے [illegible] کے ذریعے سے کوئی [illegible] ہم مذہب کا شخص قید کیا جا سکتا تھا۔ بطریق [illegible] پادریوں کے ذریعے [illegible] تک رسائی رکھتے تھے۔ [illegible] اپنے [illegible] کے ہم مذہبوں [illegible] کی نسبت سخت بھی جاتی تھی۔ لیکن ۱۸۵۶ء میں سلطان عبدالمجید خان ثانی نے جو حکم میں خط شریف لکھا۔ اس نے عیسائی ملتوں کے طرز حکومت کو بالکل بدل دیا۔ اس سے ان [illegible] میں ایک نیا خیال پیدا کر دیا۔ قانون کی [illegible] سبب [illegible] بطریق کی [illegible] کے کسی ہم مذہب کو سزا نہیں دلا سکتی۔ اس [illegible] کے عیسائیوں نے اپنے بطریقوں کے [illegible] حقوق [illegible] میں زور لگانا شروع کیا۔ جب [illegible] اپنے بطریق سے تمام ملکی اور مذہبی [illegible] ۱۸۶۲ء کی [illegible] صدارت عظمیٰ کے حکم کے مطابق [illegible]۔ اس [illegible] کے [illegible] مجلس بصدارت بطریق قرار پائی ایک میں پادری مذہبی معاملات کا [illegible] بطریق خود ایک عام مجلس اس قوم کی منتخب کی ہوئی ہے۔ اس طرح کل اختیار اپنی حکومت کا ان قوموں کے ہاتھ میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس لحاظ سے یہ ٹرکی کی مسلمان رعایا سے اچھی حالت میں ہیں۔ آرمینوں کی کامیابی دیکھ کر دوسری ملتوں نے بھی اسی طرح کی

کونسلیں اپنے قومی انتظام کے لئے قائم کریں۔ اور اب ہر ولایت میں ہر فرقت کی ایک ایک ایسی پراونشل کونسل موجود ہے۔ اگر تمام دنیا میں غیر مذہب قوموں کو غیر مذاہب فاتحوں کے ہاتھ سے یہی رعایتیں حاصل ہو جائیں۔ جو ٹرکی میں مسلمان فاتحان کے ہاتھ سے عیسائی اور یہودی رعایا کو حاصل ہیں۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے بہتر اور کونسی صورت مفتوح ملکوں کے لئے ہو سکتی ہے

تبادلہ سکہ۔ تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری

تبادلہ سکہ مسافر کو قلمرو ٹرکی میں تبادلہ سکہ کی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ تو چھوٹے سکے ہی کم ہیں اور کچھ مصنوعی طور پر غلاطہ کے ارمنی یونانی اور یہودی صرافوں نے کہ جنکی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی دوکانیں قسطنطنیہ کے بازار میں ہیں مصنوعی طور پر یہ مشکل پیدا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ میں ایڈرنہ کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں ایک فرانسیسی لونڈ خوردہ کرانیکا صراف ڈیڑھ غرش لیتے ہیں اور بجز سکائے چھوٹے چھوٹے سکے یعنے پیسے دینے کے نکل دیتے ہیں۔ جو پانچ پانچ غروش کے ہوتے ہیں۔ یا مجیدی دیتے ہیں۔ جو بیس غرش کے ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے خوردہ دینے میں مجیدی کی قیمت ۱۹ ہی انیس غروش کر رکھی ہے۔ حالانکہ چوک دو غرش کا سکہ ہے۔ مگر اس کے توڑنے میں بھی دس بارہ پیسے لے لیتے ہیں۔ اور ان صرافوں نے ایسا جتھا بنایا ہوا ہے کہ تمام چھوٹے سکے کچھ کمیشن دے کر ریلوے اور غلطہ کے پل اور تمام دوسرے مقامات سے کہ جہاں ایسے سکے جمع ہوتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ اور پھر یہی کمیشن لیکر لوگوں کو خوردہ دیتے ہیں۔ اس میں یہ بڑے فریب کرتے ہیں۔ اگر تم پونڈ تڑواؤ گے تو تمہیں چار مجیدی اور چار چوک اور کچھ غرش دینگے۔ ممکن نہیں کہ بلا دوسری کمیشن لینے کے ان میں سے ایک اور مجیدی کا خردہ کر دیں۔ اگر ریلوے پر سوار ہونے لگو۔ اور

مجیدی یا چرک میش کردہ تو کنڈکٹر جیسے اس سکے کے خوردہ کرنے کی کمیشن بیس کر پر سنٹ کی قیمت رکھ لیگا - کبھی دفعہ دوکاندار سے آدھی مجیدی کا سودا لو - تو بلا کمیشن باقی مجیدی کا خوردہ دینے میں تامل کرتا ہے - پایہ تخت سے باہر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہے - گھسے ہوئے بالکل نامنظور کرتے ہیں - علاوہ اسکے سمرنا - روڈس - اسکندریہ میں جہاں کوئی چاندی کا سکہ تڑایا تو تانبے کا نیا سکہ ملا - جو قسطنطنیہ میں نہیں چلتا - اور پھر ہر شہر میں مجیدی - غرش اور شاہی کی قیمت الگ الگ ہے - یہ معاملہ اس ملک میں مسافر کو سخت تکلیف دیتا ہے اور بوجہ مختلف سکوں سے ناواقفی کے نقصان بھی ہوتا ہے - میں نے سنا ہے جنگ روس کے بعد سلطان عبدالحمید خان غازی نے کچھ اصلاح سکوں کے بارہ میں کی ہے - اور کوئی سکہ ملک سے جمع کر کے منسوخ بھی کیا ہے اور اسکی بجائے نیا ضرب کیا ہے - بلکہ تنگ پارے جو ابھی مضروب ہوئے ہیں اور مروج نہیں ہوئے - وہ بھی میں نے دیکھے - ذات سلطانی نے وہ تمام نوٹ جو جنگ روس کے زمانہ میں ملک میں پھیلے ہوئے تھے - قیمت دیکر خرید اور تلف کئے - جس سے میرا مطلب یہ ہے کہ سکہ کے معاملہ کی جانب باوجود اسقدر مالی مشکلات کے بہت کوشش کی ہے - امید ہے کہ آپ ان مختلف سکوں کے صرافوں کی کمیشنوں کو بھی منسوخ فرما دینگے جس سے سلطنت کے کاغذ یا سکہ سے تبادلہ کرنا اسکی رعایا کا منشا اور نیز سلطنت کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں -

میں نے سنا ہے کہ ان صرافوں نے یہ ٹنک سوچ بڑھایا ہوا ہے کہ بعض محکموں سے نوکروں کی تنخواہیں بڑے منافع کے سبب خرید لیتے ہیں - مثلاً ایک شخص کا تنخواہ و قرض سے کچھ مشاہرہ مقرر ہے - اور کسی ماہ سے اسے وصول نہیں وہ حاجتمند ہے - وہ صراف کے پاس جا کر اپنے تین یا چار ماہ کے مشاہرات ایک چوتھائی یا ایک تہائی کم قیمت پر فروخت کر دیگا - صراف اسکو نقد روپیہ اُسی وقت دے دیگا - اب صراف کو اس صیغہ کی تنخواہ دینے والے افسر سے ایسا تعلق ہے

کردو لسے فوراً وصول کریگا۔ میں سے شک ہوتا ہے کہ [illegible] کیلئے قدرت
کے طور پر نہیں رہتا ہوگا۔ جن غلطات سے گذشتہ ہو سکے اگر تمہارے پاس
چیک ہے کوپن والے محصول سے ایک شلنگ کے ساتھ ایک شلنگ
چیک کے توڑ [illegible] ہی کاٹ لیگئے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

قسطنطنیہ سے [illegible]
میں [illegible] پاسپورٹ پر تصدیق [illegible] کیلئے
ایک مجیدی دی۔ تو انہوں نے [illegible] مجیدی [illegible]
کا بلو کھکر باقی خوردہ واپس دیا۔ [illegible]
ٹکٹ لیا تو اسکی قیمت ایک ڈبل غازی تھی۔ لیکن پونڈ کا نہ یاد تھا۔ میں
جہاز کے دفتر سے اتنا نادان کہ کسی ٹکٹ کا [illegible] کرتے۔ وہ بگیا جب
بہت کریں [illegible] اپنے پاس سے [illegible] سا تھا کہ چھپایا
جنس سلطانی کی تقریب پر جو بہت [illegible] جہاں [illegible] ہوتے
وہ سب [illegible]۔ [illegible] لوگ چاندی اور
سونے کے سکوں [illegible]
ایسا اتفاق [illegible] آپ [illegible]
فروش نے نیکر دیا تھا [illegible]

ترکی سکوں کے نام اور قیمتیں

ترکی سکے تینوں قسم کے سونے چاندی اور نیکل کے ہوتے ہیں۔ نیکل کے بعض سکوں میں بھی ملا جاتا [illegible]
اور چاندی ملائی گئی تھی۔ [illegible] ترکی [illegible] خوب [illegible]
سکے ہیں اور یورپین بیشتر ہندوستان کے [illegible] کے دو
پیسے کے برابر ہوتا ہے۔ مگر یورپ سے [illegible] ترکی کے سکے

ایک مکعب [illegible] میں [illegible] کے وزن کی قیمت کم و بیش ہوتی جاتی ہے

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
طلائی پائی [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]			[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	۵	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]

[illegible]

مجیدی چاندی کا چار چرک یا بیس قرش کا۔ لیرہ یعنے ترکی پونڈ (اور نصف پونڈ) سونے کا سو قرش کا۔ لیکن چونکہ لیرہ سونے کا ہے۔ اور اصلی قیمت برائے نام سونے کے سو قرش ہیں جو اصل میں سونے کے قرش موجود نہیں اسلئے چاندی کے (۱۰۸) قرش ملیگے۔ مگر مجیدیہ بیس قرش کا سکہ ہے۔ لیکن پلا پر یا سرکاری مطالبات میں ۱۹ قرش کا محسوب ہوگا۔ اس قسم کی پیچیدگیوں سے صرافوں کی چاندی ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی پونڈ کے ۱۱۰ قرش ملتے ہیں۔ اور فرانسیسی پونڈ کے ۹۵۔ عجیب بات یہ ہے کہ تمام قلمرو عثمانیہ میں سکے کی قیمت ایک نہیں۔ مثلاً جب مسافر قسطنطنیہ سے سمرنا میں پہنچتا ہے اور وہاں بیس قرش کا سودا خرید کر ایک مجیدی ادا کرتا ہے۔ تو دکاندار اسے باڑہ قرش واپس لوٹاتا ہے۔ گویا یہاں مجیدی ۳۲ قرش کا ہو گیا۔ اور مختلف اشیاء کے خریداری میں بھی قیمت مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً قہوہ خریدنے میں مجیدی ۲۵ قرش کا ہے تو افیون خریدنے میں ۲۰ قرش کا۔

وزن مجھے تو صرف اوقہ اور قنطار سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ترکی میں ۱۸۸۱ء سے فرانس کا عالمگیر عشری یعنے میٹرک سسٹم کا تولنا جاری ہو گیا ہے۔ اور ترک گو وزن نئے اندازہ کے مطابق کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنے قدیم اوزان کے نام نہیں بدلے۔ مثلاً:

۱۔ کیلوگرام	۱۔ اوقہ
۱۰۔ کیلو	۱۔ بتمان
۱۰۰۔ کیلو	۱۔ قنطار
۱۰۰۰۔ کیلو	۱۔ چکی۔

شمار وقت میں عجیب اختلاف جو شخص ہندوستان یا یورپ کے قلمرو عثمانیہ میں پہنچے اسے پہلے پہل یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب اسکی گھڑی میں صبح کے چھ بجتے ہیں۔ ترک کہتے ہیں بارہ بج گئے۔ بات یہ ہے

کہ ترک وقت کو صحیح قاعدہ قدرت کے مطابق غروب آفتاب سے شمار کرتے ہیں اسلئے شام سے لیکر صبح تک ان کے بارہ بجتے ہیں اور صبح سے شام تک پھر بارہ اور یہ چوبیس گھنٹے ایک دن کے ہوئے۔ یہ طریقہ زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اہل ہند انگریزی طریق اوقات سے مانوس ہیں انہیں یہ بات مصر کے اور استانبول میں کہ جہاں عثمانی طریق مروج ہے اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ یورپ یہاں بھی بہت ہیں اور ہر روز آتے رہتے ہیں۔ اسلئے جب یوروپین حساب سے وقت بتلاتا ہو تو کہتے ہیں "الافرنگا" یعنے بطریق افرنگی یہ فرانسیسی محاورہ ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں جو ترکی طریقہ کو "الاترکہ" کہتے ہیں

صنعت وحرفت کے کارخانے اور دستکاریاں

جیسا کہ میں کسی دوسرے مقام پر لکھ چکا ہوں یہاں کا ترسانہ یعنے جہاز سازی کا کارخانہ سوا اپنی تمام شاخوں کے مکمل ہے۔ توپ خانہ کا بھی مکمل "ذریعہ" موجود ہے۔ زیتون برون کے تفنگ خانہ اور رسیر خانہ کا حال بھی مفصل بیان کر چکا ہوں۔ فسخانہ کی کیفیت بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں ٹوپیاں اور بانات۔ فوجی وردیوں کے لئے بنتی ہے۔ بلکہ ہیرکے کے کارخانہ میں بھی تو بین بانات اور ٹوپیاں بنتی ہیں۔ اور ان سب کارخانوں میں ہزارہا دستکار اور مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر یہ سب سرکاری ہیں۔ رعایا کے کارخانوں اور مشترک کمپنیوں کا کچھ ذکر نہیں صرف ایک چینی برتنوں کا "چامہ و برلقہ" اور بعض کارخانے مٹی کے بجتے تکلوں وغیرہ کے ہیں۔ اسکے علاوہ دستی کام کرنیوالے کئی ریشم کے کارگاہ ہیں۔ کہ جنمیں جامہ نامی ایک قسم کا نہایت نفیس لباس تیار ہوتا ہے اور ریشم کے چارشف (برقعے یا چادریں) بنتی ہیں۔ کپڑے اور چمڑے پر اعلیٰ درجہ کا زردوزی کا کام بے نظیر ہوتا ہے۔ تولیئے اور مشہور قالین سلطنت کے دوسرے مقامات میں بنے جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان محدود دستکاریوں سے کبھی کوئی قوم آسودہ یا دولتمند نہیں ہوسکتی۔

تجارت و حرفت سے بے توجہی

عرض کہ قلمروئے عثمانی میں یہی مسلمان رعایا کو تجارت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جہاں اس قوم کے ہاتھ میں سلطنت ہے۔ وہاں اسکی حالت اس سے بھی ابتر ہے۔ جہاں یہ سلطنت کھو چکی ہے۔ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں بلحاظ تجارت اور حرفت اور ثروت و دولت کے باستثنائے بعض قسطنطنیہ کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر چند وزرا یا خاندانی [illegible] تو پس سے قوم [illegible] نہیں [illegible] یونانیوں [illegible] مسلمانوں کا حصہ صرف سرکاری ملازمت رہ گیا ہے۔ جس کی تنخواہ کی اوسط دو پونڈ ماہوار سے زیادہ نہیں۔ جو اس ملک میں صرف زندگی گذارنے کے لئے بمشکل کافی ہیں۔ [illegible] کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اگر چند ہیں بھی تو وہ بھی [illegible] بقال [illegible] اور وہ بھی گذشتہ فنا و [illegible] عیسائیوں کی ہیں۔ [illegible] مسلمان [illegible] نہیں بلکہ تمام قلمرو عثمانی کا یہی حال ہے [illegible] عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے [illegible] کا ایک شخص جو اسی جہاز میں سوار تھا۔ جس میں کہ میں تھا بتلاتا ہے [illegible] تجارت اور کاروبار یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں [illegible] ہیں۔ [illegible] مسلمان نادار [illegible] ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں [illegible] کوئی پیشہ ہے اور نہ تجارت [illegible]۔ دمشق اور بیروت میں بھی مسلمانوں کا افلاس ضرب المثل ہے۔ کیونکہ وہاں کی تمام تجارت بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

ان حالات پر غور کرنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا افلاس

زوال سلطنت کا ... نہیں ... [illegible]

کیونکہ ... کے ... بہت ... سلطنت ... [illegible]

[illegible]

بے توجہی ... [illegible]

خواہ ... [illegible]

[illegible]

وظائف ... [illegible]

دیکھا ہے۔ "دعائے سلطان سبب غفران"۔ اور اسپر اضافہ یہ ہے کہ جب ترک عیسائیوں سے جنگ کرتے ہیں تو جھنڈے لے مذہبی جھنڈا بار کرکے میدان میں جاتے ہیں۔ میدان میں اللہ اللہ اکبر کا نعرہ زور شور سے اتنک بجرہ یعنی دھاوے کے وقت بلند کیا جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جو اعلان حرب باب عالی سے شائع کیا گیا تھا۔ اسمیں یہ الفاظ بھی تھے۔ کہ خدا تعالے کے فضل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاونت کی مدد سے ہمیں فتح حاصل ہوگی"

ترکوں کی جنگی قابلیت

ایک روز مصطفےٰ وہبی صاحب ایک ترک افسر نے جنگ یونان اور گذشتہ جنگ روس میں اپنی شرکت کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ جنکا ماحصل یہ تھا کہ مسلمان ترک بڑے بہادر ہیں۔ لڑنے میں دلیر اور ماہران فنون جنگ کہے جاتے ہیں۔ مگر ادھر ہونے سے ترکی کو صرف تین ماہ سے کم مدت میں اور [illegible] سب ہی منع کرتے تھے سوئے ہمیں گذر سکیں گے ہیں حضرت [illegible] ۲۲ گھنٹے میں [illegible] شہید ہوئے دستور ہے کہ [illegible] کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر [illegible] جنگ یونان کے موقعہ پر جب ان معرفت [illegible] جنگ کیا گیا تو یونانی [illegible] کر بھاگ گئے۔ روس کے جنگ کے متعلق بتایا کہ ترکوں کے ایک دستہ نے روسیوں کی دس رجمنٹوں کو کاٹ کر رکھدیا تھا۔ [illegible] کاٹتے کاٹتے ترک سپاہیوں کے ہاتھ شل ہوگئے تھے۔ بیان کیا کہ ایکدفعہ میں ایک روسی کمانڈر کے پاس ایک پیغام لیکر گیا تھا۔ اُسنے مجھے کہا کہ تمہارے سپاہی گدھے ہیں کہ اگر ایک ہزار بھی ہوتے ہیں۔ تو دس پندرہ ہزار روسی سپاہیوں پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے۔ حالانکہ اُن کی موت یقینی ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہمکو مذہبی تعلیم یہ ہے کہ موت وقت مقررہ سے ایک دم بھی ٹل نہیں سکتی۔ اور نہ مقام مقررہ سے

آگے پیچھے ہو سکتی ہے - اسلئے ہم لوگ اطمینان سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں کہ اگر موت لکھی ہے تو کسی طرح ٹل نہیں سکے گی - اور اگر نہیں لکھی تو ہمیں کوئی مار نہیں سکتا - روسی افسر نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہی عقیدہ تمہارے تمام عسکریوں کے دلوں میں بھی جاگزین ہے - اور جب میں نے ہاں میں جواب دیا تو اُسنے کہا کہ اگر میرے پاس ایسی فوج ہو تو میں شرطیہ تمام یورپ کو فتح کر لوں اس روسی افسر نے کہا کہ اگر روسی فوج کو ایک روز مقررہ مقدار راشن سے کوئی چیز کم ملے یا شراب کی مقدار مقررہ بھی نہ ملے تو وہ [illegible] لڑائی کو ناپسند کر کے ہتھیار رکھ دیتے ہیں - لیکن بمقابل اسکے ترک سپاہیوں کو اگر روٹی بھی نہ ملے تو آخری دم تک لڑتے رہتے ہیں - کیونکہ وہ جنگ کو دنیاوی نہیں بلکہ ایک مذہبی کام سمجھتے ہیں -

موجودہ جنگی حالت ایک اور نوجوان ترک جنگی افسر نے کہا کہ جنگ یورپ میں فن حرب میں عام [illegible] سے [illegible] تاہم اس وقت ترکی فوج صرف جرمن فوج سے فن جنگ میں فائق ہو گی [illegible] بعض اس سے فائق ہے بلکہ گذشتہ جنگ روم و روس کے [illegible] کے نوجوان فوجی افسروں کے سینوں میں ایک ذوق و شوق کی محبت کا جوش موجزن ہے - فنون جنگ کی باریکیوں سے ترک خوب واقف ہیں [illegible] کسی یورپین قوم سے دوم درجہ کے نہیں [illegible] حکومت بہت سست اور وقت کی خواہش [illegible] بات کے سچے ثابت ہوں گے

ہر طرف شاندار فوجی نظریات [illegible] یورپ کی عیسائی سلطنتوں [illegible] سب تک موجود ہیں - ورنہ ان کا یورپ میں رہنا مدت سے ختم ہو گیا ہوتا - قسطنطنیہ میں نو وارد شخص کو ہر طرف سوائے انواع و اقسام کی فوجی وردیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا - ان میں سے اکثروں پر طلائی [illegible] وردی کا کام زرتار سے ہوتا ہے - اور یہ لوگ ہر وقت مستعدی

پہنے رہتے ہیں کہ جن میں سے اکثروں کے سینوں پر ایک یا کئی کئی تمغے چمکتے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں، قہوہ خانوں میں، دفتروں میں، سٹیشنوں میں افسر فوجی وردی پہنے، شمشیر کمر میں لٹکائے ہر روز ہزاروں ترک نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی حکومت خالص ملٹری حکومت ہے۔

فوج کی اصلاح کے متعلق ایک بڑی بات جو ہز مجسٹی سلطان عبدالحمید خان کو سوجھی ہے۔ وہ حمیدیہ آلائی کی ترتیب ہے۔ یہ فوج ۵۰ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہوگی۔ جو یمن، حجاز اور بغداد کے صحرانشین عربوں سے بھرتی کی گئی ہے یہ بادیہ نشین لوگ قدرتی سپاہی ہیں۔ اور ان کے بھرتی ہونے سے نہ صرف عرب کے عشیرتوں پر ہی ترکی کا قبضہ مضبوط ہو گیا ہے۔ بلکہ بوقت ضرورت بڑی کام کی فوج ثابت ہوگی۔ اور اپنے بانی کے لئے بڑی دوربینی و پیش بینی کا ثبوت دیتی ہے۔ اسی خیال کے مطابق سلطان المعظم نے گذشتہ دس سال سے اپنی جیب خاص کے خرچ سے ۱۳۰۸ھ سے (۱۰۰۵۵۳۳) غرش کی مستقل لاگت سے استنبول میں ایک مدرسہ عشیرت قائم کر رکھا ہے۔

ترسانہ عامرہ (صیغہ بحری)

چونکہ پچھلے دنوں سلطنت ترکی نے اپنے ۸ جنگی جہازات مرمت کے لئے بعض یورپین ملکوں میں بھیجے ہیں۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ ترک ان جہازوں کی خود مرمت نہیں کر سکتے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ استانبول میں ایک بہت بڑا سرکاری کارخانہ جہازوں کی مرمت کرنے اور نئے جہاز تیار کرنے کے لئے موجود ہے۔ اسے ترسانہ کہا جاتا ہے۔ اور ایک اس سے چھوٹا ترسانہ سمرنا میں ہے۔ سب سے پہلے قسطنطنیہ کا ترسانہ دیکھا۔ اس میں ایک حصہ جنگی جہاز تعمیر اور مرمت کرنے کا ہے اور دوسرا توپیں اور گولے ڈھالنے کا۔ میں سید عبدالغفور صاحب کے ہمراہ پہلے نظارت امور بحریہ میں گیا۔ یہ بڑی عالیشان سہ منزلہ عمارت ہے۔ بیچ میں ایک مربع صحن شیشہ سے مسقف ہے۔ اس صحن کے گرد دوسری منزل بلند اونچے ستونوں پر استادہ ہے

جنہیں سے ہر ستون سنگ مرمر کے چار ستونوں کے جوڑنے سے بنا ہے ۔ وسط صحن میں وضو کرنے کا سنگ سپید مسقف حوض ہے ۔ یہاں سے ترسانہ قریب ہی ہے ۔ یہاں نائب مدیر معادن صاحب نے مہربانی کر کے ہماری قہوہ سے تواضع کی اور ایک ماتحت افسر ہمیں ترسانہ کے متعلقات دکھلانے کیلئے ساتھ کر دیا ۔ ترسانہ کے افسر اعلے حسنی پاشا ایک تجربہ کار آدمی ہیں جنہوں نے یہیں کے بحری کالج میں تعلیم پائی ہے ۔ ان دونوں قسم کے کارخانوں پر جو ترک افسر مقرر تھے ۔ وہ انگریزی بول سکتے تھے ۔

ترکی افسروں کی زباندانی

یورپین زبانوں کے متعلق ترکوں نے بھی وہی طریق اختیار کیا ہے جو جاپان کا ہے ۔ بحری افسر انگریزی جانتے ہیں ۔ بری فوج کے لئے فرانسیسی زبان سیکھنا لازمی ہے ۔ لیکن جرمنی اور روسی اختیاری ہیں ۔ مگر اب اکثر لوگ جرمنی سیکھتے ہیں ۔ جسقدر لوگ ہندوستان میں انگریزی جانتے ہیں اتنے ہی یہاں فرانسیسی جانتے ہیں ۔ ترک افسر جو سرکاری خط و کتابت غیر قوموں سے کرتے ہیں ۔ وہ فرانسیسی زبان ہی میں کرتے ہیں یہاں کے مصنفوں نے مجھے اپنے کتب خانے دکھلائے ۔ جو اسی طرح فرانسیسی سائیکلوپیڈیوں اور کتابوں سے بھرے تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہم لوگوں کے انگریزی کتابوں سے ہیں ۔ قسطنطنیہ کے ترسانہ کے توپخانہ کے افسر اعلے احمد ن

ترسانہ کا توپخانہ

کمانڈر امپیریل آرڈن ہنری نے بتلایا کہ اس نے دو انگلستان کے توپ سازی کے کارخانوں میں ۔ جن میں ایک آرمسٹرانگ نامی ہے اور دو مرتبہ جرمنی کے کرپ کے توپ سازی کے کارخانہ میں جا کر کام سیکھا ہے اور اب مجھ کہتا ہے سو ہے کہ اسکی نگرانی میں جو توپیں اس وقت قسطنطنیہ میں بن رہی ہیں ۔ وہ آرمسٹرانگ اور کرپ سے کسی طرح خراب نہیں ۔ جسپر ذرہ مجھے دیکھا ۔ ایک ۱۲ انچ منہ کی بہت بڑی توپ تیار ہو رہی تھی ۔ اور دو چھوٹی ا چکس توپیں ۱½ سنٹی میٹر کی جرمنی کے آخری نمونہ کے مطابق تیار پڑی تھیں ۔ جنکی جلا ہو رہی تھی ۔ بہت سی فولاد کی ڈلیوں کو توپ بننے کے لئے بڑھایا جا رہا تھا اور توپیں بنانے

کا ہر قسم کا عمل جاری تھا۔ ایک پانچ گزوں والی ماچکس تیار کی گئی تھی کئی
ایک چھوٹی توپیں بھی تیار پڑی تھیں۔ بڑی توپ ۲۵ ٹکڑوں سے مرکب تھی
قریب ہی ایک بہت بڑا ورکشاپ فولاد ڈھالنے کا ہے۔ جسمیں ۴۰ ٹن
(۱۱۲۰) من فولاد کا بوتہ ایک وقت میں ڈھل سکتا ہے۔ کہ جسے کہ ڈھلتے ہوئے
میں نے بچشم خود دیکھا۔ گویا کہ پانی کے طرح پگھلتے ہوئے سرخ لوہے کا ایک دریا بہا دیا جاتا
ہے۔ جتنی بڑی نالی توپ کی تیار منظور ہو اتنی بڑی کٹھالی میں فولاد کا بوتہ ڈھال
لیتے ہیں۔ اور پھر اسے خراد پر چڑھاتے [illegible] اندر سے برما سے سوراخ نکالتے ہیں
ایک اچھی توپ کا مکمل [illegible] کوئی سہل [illegible] کا کام نہیں۔ کئی بڑی بڑی مشینیں
اس کام کے لئے درکار [illegible] کہ جب یہ مشینیں خود بنا
لو گے۔ تب سمجھا جائیگا کہ تمہارے [illegible] مکمل ہے۔ [illegible] نے کہا یہ ٹھیک نہیں
کیونکہ ہر چند کہ انگلستان میں آرمسٹرانگ کا توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑا اور بہت
مکمل ہے تاہم وہ اپنی مشینیں [illegible] جو وہ بنانا چاہیں
تو بنا سکتے ہیں۔ مگر وہ [illegible] ہوتی ہیں
وہ اس کارخانہ کی مخصوص [illegible] دوسرے کارخانہ سے
جو دوسری چیزیں بنانے میں [illegible] بنا سکتا ہے۔ جیسے کہا
کہ ضرورت کے وقت [illegible] سے
کارخانہ سے مل سکتی ہے۔ [illegible] آہستہ [illegible] مصروف
ہو۔ تو اسے [illegible] کارخانہ [illegible] سکیگی۔ [illegible] کارخانہ کے ایک
ورکشاپ میں ان توپوں [illegible] تھے۔ کہ [illegible] پہلے سے
نہیں بنایا کرتے [illegible] کا کارخانہ بہت [illegible] ہے۔ جس سے
امید ہے کہ سال تمام میں یہاں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی سو توپیں تیار ہو جایا کرینگی
یہ بھی معلوم ہوا کہ فولاد تیار کرنیکی ضرورت نہیں پڑتی [illegible] خریدنی پڑتی ہے
ہر چند کہ قلمرو سلطانی میں ہر قسم کی معدنیات فراوانی سے موجود ہیں۔ مگر غالباً کان کنی

سے فن میں کافی ترقی نہ ہونے کے وجہ سے یہ محتاجی دامنگیر ہے۔ جہاز سازی کے
کارخانہ میں اسوقت ایک کروزر "خدنگ" نامی اڑھائی سو فیٹ لمبا آہن پوش
زیر تعمیر ہے۔ اور ایک بہت بڑا (۳۰۰) فیٹ لمبا جہاز "عبدالقادر" نامی جو اب بن
رہا ہے۔ اور جو ہمیں ناتکمیل حالت میں دکھلایا گیا۔ عبدالقادر جب تیار ہوگیا تو
اول درجے کا جنگی زرہ پوش (آہن پوش) جہاز ہوگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان
لوگوں کو اس جہاز کی تعمیر جلدی ختم کرنے کا ذرہ بھی فکر نہیں۔ پہلے اسی کارخانہ
سے حمیدیہ نامی ایک جنگی زرہ پوش جہاز ساڑھے تین سو فیٹ لمبا تیار ہوا ہے
جسکی زرہ نو انچ موٹی فولاد سے بنی ہے لیکن وہ جس نقشہ پر تیار ہوا ہے وہ
پچیس سال کا کہنہ ہے۔ اور جنگی جہازوں کی تعمیر میں ہر روز نئی باتیں پیدا ہوتی
رہتی ہیں۔ اسلئے ہرچند کہ یہ جہاز ساخت میں نیا ہے تاہم فیشن کے لحاظ سے
پرانا ہے۔ بہرحال کارخانہ کے سب ٹھاٹھ عمارت سے قائم مقام صیغہ تعمیر
جہازات کو یقین ہے کہ وہ بہتر سے بہتر جنگی جہاز عمدہ سے عمدہ بنا سکتا ہے۔
جیسا کہ کسی اور سلطنت کے کارخانہ میں بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کارخانہ میں
جہاز سازی کا کل سامان موجود ہے۔ ... بڑی سے بڑی نکل سکتا ہے
کہ چھوٹا سامان غیر سے بھی منگوایا جاتا ہے۔ ہر قسم کے چھوٹے بڑے زرہ پوش
جہاز بنا سکتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں سلطنت کی اسمیں کیا مصلحت ہے کہ وہ کم
کام نہیں لیتی۔ جنگ یونان کے زمانہ سے ہی اس کارخانہ میں کام کرنیوالوں
کی تعداد کم ہے۔ لیکن حال میں جو جہاز ڈیڑھ سال سے زیر تعمیر ہے گورمنٹ کھلنے
لگے ہیں۔ انہیں اتنی جلدی تکمیل کرانا منظور تھا کہ ان کارخانوں میں اتنی جلدی
نہ ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ۲۵ سال پہلے جہاز سازی کے کاریگروں میں ۵۰
۔۶۰ انگریز کاریگر ملازم تھے۔ مگر اب صرف پانچ چھ ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ۲۰۔۲۵
پونڈ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں۔ اور یہی کام ترک کاریگر ۶ پونڈ ماہوار میں کرتے
ہیں۔ اس کارخانہ میں صرف ایک ترک کاریگر کو ۱۰ پونڈ ماہوار ملتے ہیں باقی

سب کو اس سے کم۔ ان کارخانوں میں بھی کچھ بچے کام سیکھتے ہیں۔ جو یہیں پرورش بھی پاتے ہیں۔

بحری عجائب خانہ ایک بحری اشیا کا عجائب خانہ بھی ترسانہ کے متعلق ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس عجائب خانہ میں بہت کم چیزیں ہیں۔ جو عجائب کہلا سکتی ہیں۔ خصوصاً اس شخص کی نظر میں کہ جس نے انگلستان کے گرینچ کے بحری عجائب خانہ کو دیکھا ہو۔ تاہم جو کچھ ہے۔ سن لیجیے۔ باہر کے جنگلے کے ستونوں کے سروں پر سنگ مرمر کے بڑے بڑے گولے چڑھے ہوئے تھے۔ جو سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت استعمال کئے تھے۔ عجائب گاہ میں جہازوں کے چند ماڈل تھے۔ حمیدیہ۔ بیت نما۔ در سہام۔ ایک تارپیڈو بوٹ وغیرہ کے ماڈل تھے جو اسی ترسانہ میں بنے ہیں۔ فن بحر کے معلومات کی ترکی اور انگریزی کتابیں کئی الماریوں میں بند تھیں۔ دو تین کمروں میں قدیم ترکی امیر البحروں کی کھینچی ہوئی تصویریں تھیں۔ اور تین چار ترکی بحری جنگوں کے معرکوں کی بنی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر پر لکھا تھا کہ قپودان دریا پیالہ پاشا نے ۹۸۱ ہجری مطابق ۱۵۷۳ء کو جزیرہ جربہ کے قریب تمام یورپ کے متحدہ بحری فوجوں کو شکست دی۔ ایک تصویر حسین پاشا ترکی امیر البحر کے بیڑہ کے وینس پر حملہ کرنے کی شاہد ہے۔ نیچے کے دو چھتوں میں پرانی بندوقیں توپیں اور توپیں اور بہت سے تارپیڈو بھی رکھے ہوئے ہیں۔

ترسانہ کے علاوہ قسطنطنیہ میں دو اور کارخانے توپ اور گولے گولیاں بنانے کے ہیں۔ ان میں سے میں ایک کو دیکھ سکا جو زیتون بردن کے نام سے شہر سے چند میل دور ہے۔ دوسرے بڑے توپوں کے کارخانہ کو بوجہ شاہ ایران کے آنے کی تیاریوں کے میں نہ دیکھ سکا۔

زیتون بردوں کا کارخانہ گولے گولیاں بنانے کا اس کارخانہ میں خبری مارٹینی اور لی باڈی بندوقوں کی گولیاں اور مختلف قسم کی توپوں کے گولے بنائے جاتے ہیں۔

جب ہم اس کارخانہ میں پہنچے تو محمد زکی صاحب (طوپ خانہ عامرہ پر منسوب انجینئر صنائع آلاتی مکتب مدیری) اور مصطفیٰ نوری صاحب (اطفائیہ برنجی طابور بکباشی ورسومات اناتی طلوبیہ مکتب مدیری) دو فوجی سکول ماسٹروں نے جو میرے رفیق کے آشنا تھے۔ ہمیں تمام کارخانہ پھر کر دکھلایا۔ یہ نہایت بڑا مکان ہے۔ جسمیں مختلف مکانات مختلف چیزوں کے بنانے کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً ایک طرف ماسر بندوق کی گولیاں بنانے کے لئے لمبی بارکیں شروع ہوتی ہیں۔ پہلے گولی کی کیپسول بنتی ہے۔ جسے پیتل کے پترہ سے کاٹنے اور صاف کرنے کے لئے دس بارہ علیحدہ علیحدہ مشینیں ہیں۔ آگے کارتوس کا خول بنانے اور کیپسول لگانے کی کئی مشینیں ہیں۔ غرض اٹھارہ کاریگروں کے ہاتھ سے نکلکر ایک گولی تیار ہوتی ہے۔ آجکل کارخانہ کے مکانات کی توسیع ہو رہی ہے اور نئی کلیں لگ رہی ہیں۔ اس سے پہلے دن میں صرف چالیس ہزار گولیاں بن سکتی تھیں۔ اب دن میں ساڑھے تین لاکھ گولیاں اور اڑھائی سو گولے تیار ہو سکتے ہیں۔ گو بوجہ نئی مشینیں لگنے اور نیز تعطیلات کے کام بند ہے۔ تاہم بعض جگہ ترک لڑکے اور آدمی کام کر رہے ہیں۔ جن میں کوئی عیسائی یا یورپین نہیں۔ ایک مدرسہ اعدادیہ صنائع بھی کارخانہ کے متعلق ہے۔ جہاں بعض اور دستکاری کے کارخانے

کارخانوں کے اندر مدارس صنائع

مثل توپ خانہ، بندوق خانہ وغیرہ میں بھی ہیں۔ ان صنعت وحرفت کے مدرسوں میں یتیم اور محتاج طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ یہ لوگ دن کا کچھ حصہ پڑھتے ہیں اور باقی حصہ کارخانہ میں کام کرتے ہیں ان سے بہتر کاریگر مشکل سے مل سکینگے۔ اس مدرسہ میں قریب ایک ہزار لڑکوں کے ہوں گے۔ ان لڑکوں کے فری ہینڈ ڈرائینگ اور مشین ٹولس کے ڈیزائنیں میں نے دیکھیں جو میری اجنبی نظر میں برلن کے ٹیکنیکل ہائی سکول کے لڑکوں کے ایسے ہی کام کے برابر تھیں۔

یہاں بھی توپیں ڈھلتی ہیں

گولیوں کے سوائے مختلف وضع کی چھوٹی بڑی توپیں

کے گولے بھی یہاں مختلف حصص ورکشاپ میں ڈھلتے ہیں۔ لوہا بالکل پانی کی طرح پگھلا ایک بڑی کٹھالی سے بذریعہ مشین سانچے میں ڈالتے ہیں۔ جو زمین میں گڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسطرح گولا ڈھال لینے کے بعد اسکے گرد تانبے کے پترے بذریعہ مشین باندھے جاتے ہیں۔ ایک جگہ گذشتہ جنگ یونان میں یونانیوں سے چھینے ہوئے ۱۰ سنٹی میٹر کے گولے بھی جمع تھے۔ توپوں کی گاڑیاں بھی یہیں بنتی ہیں۔ ایک جگہ ایک گاٹلنگ گن (سریع التنش) دیکھی جو قیصر جرمنی نے سلطان المعظم کو تحفۃً بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کارخانہ میں اسکی نقلیں بن رہی تھیں۔ ایک جگہ تلواریں بن رہی تھیں۔ جو پہلے بیس عدد روزانہ سے زیادہ نہ بن سکتی تھیں۔ اب نئی مشینری سے چار سو تلوار روزانہ بن سکے گی۔ ایک جگہ پیتل اور تانبے کا پترہ جوڑا کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ فرما ڈھال کر توپیں ڈھالنے کی مشین تھی یہاں ایک ہائیڈرالک ہتھوڑا دیکھا جسنے آہستہ سے ایک موٹی لکڑی کو دو بار چورا کر دیا۔ یہاں سے توپوں کے لوہے ڈھلکر جاتے ہیں جنہیں ایک دوسری جگہ سوراخ چھیدا جاتا ہے۔ ایک جگہ تین تین چار چار سو سال کی پرانی توپوں کا ڈھیر دیکھا جنمیں سے بعض لاہور کی بھنگیوں والی توپ سے بھی بڑی[سلہ] تھیں۔ ایک زمانہ میں ترک یوروپ میں سب سے اچھے توپ ساز تھے۔ اور ان سے بڑی اور عمدہ توپیں کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔ مگر اب مشین گنوں کے مقابلہ میں وہ توپیں بیکار ہیں۔

اب بھی ترک بہترین توپیں بنا سکتے ہیں

توپوں کے متعلق ایک روز احمد بہجت آفندی نے مجھے بتلایا تھا کہ یورپ میں صرف تین کارخانے جہاں

سلہ سلطان محمد فاتح نے ایک توپ اتنی بڑی فتح قسطنطنیہ کے لئے بنوائی تھی کہ جسمیں بارہ من وزنی پتھر کا گولہ رکھکر ایک میل تک پھینکا جاتا تھا۔ سات سو آدمی اسکے چلانے اور صفائی کرنے پر متعین تھے ایڈریا نوپل سے قسطنطنیہ تک پانچسو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر لائی تھیں۔ اور تین ہزار سپاہی اسکی حفاظت پر مامور تھے۔

بہترین فولاد تیار ہوتی ہے ۔ اول کرپ جرمنی میں ۔ دوم آرم سٹرانگ انگلستان میں ۔ سوم کارندری قسطنطنیہ میں ۔ کارندری کے فولاد کی توپیں جو جنگ یونان میں آزمائی گئی تھیں ۔ اُن میں سے اس جنگ میں ایک بھی نہیں ٹوٹی بجائے یورپ کی ساختہ توپوں میں سے جو اس جنگ میں زیر استعمال تھیں بعض ٹوٹ گئی تھیں ۔

جغرافیہ

ایک ترکی افسر محمد شاکر افندی مدیر مدرسہ طوپ خانہ نے اپنی تصنیف سے ایک مختصر جغرافیہ عالم مجھے ہدیۃً دیا ۔ اسمیں ایک جگہ درج ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں ۔ میں نے اس فقرہ پر اعتراض کیا تو مصنف صاحب نے کہا مصلحت ملکی اس بات کی مقتضی ہے ۔ کہ چھوٹے بچوں کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین کر دی جائے ۔

نظارت توپ خانہ

جب میں توپ خانہ دیکھنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کو ترکی پاشا وزیر توپ خانہ کے دفتر میں گیا ۔ تو ایک مرتبہ تو وہ بوجہ آمد شاہ مظفر الدین مصروف تھے ۔ اور دوسری مرتبہ کسی اور وجہ سے اپنے دفتر سے غیر حاضر تھے ۔ اُن کے نائب بہت اخلاق سے پیش آئے اور انہوں نے قہوہ بھی منگوایا لیکن پاشائے موصوف کے استصواب کے سوائے وہ توپخانہ دیکھنے کی اجازت نہ دے سکے ۔ بڑے بڑے پایہ کے ترک افسر بھی اجنبیوں سے نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتے ہیں ۔ اور غرور و تحکم بالکل نہیں دکھلاتے ۔

باب سرعسکری

یہ ہے وزارت جنگ ۔ یہاں سلطنت کے تمام محکموں وزارت کے دفتروں اور سرکاری عمارات کی پیشانی پر طغرائے سلطانی ضرور ہوتا ہے اور یہ گویا کہ سلطنت کا کورٹ آف آرمس ہے ۔ البتہ اسکے ساتھ ہلال اور ستارہ بھی مخلوط ہوتے ہیں ۔ اور کچھ توپیں اور دیگر اسلحہ جنگ بھی ۔ لیکن وزارت جنگ کے محکمہ کی پیشانی پر برکت کے لئے کچھ آیات قرآنی بھی کندہ ہیں ۔

آیات اور اقوال

چنانچہ یہاں جلی خط سے لکھا ہوا ہے :-

"انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" اور "ینصرک اللہ نصراً عزیزاً" برمحل موزوں آیات اور اقوال تلاش کرنے اور انہیں عمارات پر کندہ کرنے کے فن میں اُستاد ہیں۔ جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ کتب خانوں کے دروازوں پر "فیہا کتب قیمۃ" اور چشموں اور سبیلوں پر "کل شیء حی من الماء" کیسے موزوں اور پر معنے معلوم ہوتے ہیں۔ ۵ بجے ترکی سے پہلے احاطہ دفتر عسکری میں جانے سے عوام کو ممانعت ہے۔ اسکے بعد سب لوگ اس راستے سے گذرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک شاہراہ ہے۔ عمارت سرعسکری عالیشان ہے۔ جسمیں بہت سے عسکری دوائر یعنے دفاتر ہیں۔ ایک محرر کے پاس تھوڑی دیر ایک افسر کی آمد کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ یہ لوگ بجائے بلاٹنگ کے رنگین ریگ نمناک تحریر پر ڈال کر اُسے خشک کرتے ہیں۔ جو ان کے پاس چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں پڑی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی سیاہی انگریزی سیاہی سے گاڑھی ہوتی ہے۔ یہاں سلطنت عثمانیہ کے سمندروں کے دو عظیم الشان نقشے ترکی میں چھپے ہوئے آویزاں تھے۔ پھر ہم لوگ محافظ کو

برج سرعسکری [illegible] (۲۰) دیکر برج سرعسکری پر چڑھ گئے۔ یہ برج قسطنطنیہ میں سب سے بلند مقام ہے کیونکہ ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ دوسرا برج جو اس سے کسیقدر چھوٹا ہے غلطہ کا برج ہے۔ یہ برج سنگ مرمر کا ہے اور اسکی سیڑھیاں لکڑی کی ہیں۔ شہر والوں کے واسطے ان ہی برجوں پر دن میں سرخ گولے اور رات میں سرخ لالٹین بلند کیجاتی ہیں [illegible] چڑھائی جاتی ہیں۔ نیچے کی منزل کی سیڑھیاں (۱۶۲) اور اوپر کے (۵۰) ہیں چوٹی پر ایک قہوہ خانہ اور کچھ روشنی کا سامان ہے۔ یہاں سے قسطنطنیہ اور بحر مارمورا کا نظارہ نہایت عجیب نظر آتا ہے۔ اور عالیشان مساجد کے گنبد اور مینارے ایسے چھوٹے ہوئے کیسے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

نظارت معبد باب عالی وغیرہ دفاتر اس وقت سرکاری کے علاوہ میں نے محکمہ حفظان صحت کی وزارت کا دفتر بھی دیکھا حسنت آفندی صاحب سے ملاقات

کرنے کے لئے دو تین مرتبہ دیکھا۔ محکمہ تعلیم کا دفتر بھی علی نصرت حسنی صاحب کی ملاقات کیلئے
دیکھا۔ صیغہ قبالس کا دفتر محمود اسعد افندی صاحب سے ملنے کے لئے دیکھا۔ یہ دفتر
تو مجھے باب سرعسکری سے بھی عالیشان اور وسیع معلوم ہوا۔ ڈاک خانہ کی عالیشان
عمارت دیکھی جو حال ہی میں ۱۶ ہزار پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوئی ہے۔ باب العالی
کی عمارت گو باہر سے بہت عالیشان نہیں ہے لیکن بڑی وسیع اور عظیم عمارت ہے
افسوس ہے کہ میں اندر سے اسے دیکھ نہ سکا۔ جس روز میں اسے دیکھنے گیا تھا
۱۰ - ۸ بجے تک نہیں کھلی تھی۔ عموماً ماہ اکتوبر میں اسوقت یہاں کے دفاتر
لگتے ہیں۔ غرض یہاں کے سرکاری محکموں کی عمارات نہایت رفیع اور اندر سے
پر تکلف ہیں۔ کلرکوں اور اہلکاروں کی تمام کرسیاں گدیدار بلکہ آرام کرسیاں
ہوتی ہیں۔ افسروں کے کمروں میں ملاقاتیوں کے لئے علاوہ کئی پر تکلف کرسیوں
کے ایک ایک سبز رنگ دار گدیلے والی نشست بھی ہوتی ہے۔ اور دو ایک تپائیاں
دیا سلائی اور ایش ٹرے کے لئے ہوتی ہیں۔ دفتروں میں کلرک یا افسر سے ملاقاتیوں
کو بے تکلفانہ قہوہ پلاتے ہیں۔ بلکہ اگر بیٹھے دیر ہو جائے۔ تو دوبارہ بھی
پلاتے ہیں۔

دفاتر اور فضول خرچی

پرائیویٹ مکانات تو جتنے آراستہ اور پر تکلف ہوں
ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں کے سرکاری محکمہ جات و دفاتر کی آراستگی میری رائے
میں فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ مخصوصاً چونگی کے ایک افسر کے کمرہ
کی نسبت میری نوٹ بک میں یہ سطر درج ہیں۔ "کمرک کے جس کمرہ میں محمد احسان
افندی بیٹھتے ہیں ایسا پر تکلف ہے کہ ہندوستان میں کمشنر صاحب کے بیٹھنے
کا کمرہ ایسا آراستہ نہیں ہوتا۔ پانچ کرسیاں پڑی ہیں۔ پانچوں پہ سبز رنگ دار
گدیلے ہیں۔ تمام فرش پر ترکی قالین ہے۔ پردے بہت بھاری اور
مکلف اور سنگار اور چائے کے لئے کئی چھوٹی میزیں پڑی ہیں۔

تکیے۔ خانقاہیں۔ چشمے۔ سبیلیں حمام اور خان

مسافروں کے تکیے ترکوں کی قومی فیاضی کا اس سے بہتر کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کے بڑے بڑے شہروں میں مختلف ملکوں کے مسافروں کے لئے مختلف مسافرخانے قائم ہیں کہ جب اُن مسافروں کو جبتک کہ وہ یہاں مقیم رہیں۔ مفت مکان اور روٹی ملتی ہے۔ انہیں مسافرخانوں کو تکیے کہتے ہیں۔ ہندوستان۔ عرب۔ بخارا۔ افغانستان وغیرہ ملکوں کے مسافروں کے لئے الگ الگ تکیے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس اور حلب وغیرہ شہروں میں موجود ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ان تکیوں کی تعداد تین سو سے بھی متجاوز ہے۔ کہ جو اہل خیر ترکوں کی فیاضی سے ہمیشہ ابن السبیل کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ان تکیوں کے اخراجات کے لئے ان کے بانیوں نے کافی جائدادیں وقف کر رکھی ہیں۔ جو گورنمنٹ کے سررشتہ اوقاف کی نگرانی میں رہتی ہیں۔ ان تکیوں کے مہتمم کو شیخ تکیہ کہتے ہیں۔ جنکا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسافروں کی خدمت کریں اور انہیں کھانا پہنچائیں۔ جو عموماً ایک یا دو وقت کا کھانا اور چائے ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ چونکہ مسلمانوں کی ہر چیز معرض زوال میں ہے۔ یہ اسباب خیر بھی ان کے لئے موجب شرویں۔ نہ تو ویسے مسافر اب ان تکیوں میں آتے ہیں کہ جو ابن بطوطہ اور ابن جبیر کیطرح سیاحت عالم تحصیل علوم تحقیقات جغرافیائی یا توسیع معلومات کے لئے گھر سے نکلا کرتے تھے۔ اور نہ ایسے میزبان ہی ہیں۔ کہ جو ہال اوقات سے تہ دل سے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ مسافر وہ دریوزہ گر آتے ہیں جو سالوں ان تکیوں میں پڑے ہوئے روٹیاں چرتے رہتے ہیں۔ اور بعض شیخ تکایا ایسے دیانتدار ہیں کہ وہ تمام آمدنی اپنی ذات پر خرچ کر لیتے ہیں اور مسافر کو روتا پیٹتا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ہندی تکیہ میں کوئی ہندوستانی ملنے کے قبل نہیں جاسکتے میں خود تو وہاں نہ گیا لیکن

لوگوں سے اسکی شکایت سنی تھی - میں نے شیخ ولی محمد صاحب افغانی کا تکیہ دیکھا ہے اور ایک آدھ اور تکیہ بھی دیکھا ہے - بعض کی عمارات بہت عمدہ اور سامان سے فرش ہونے کے کمرے اور ساتھ کی مسجدیں خوب سجی ہوئی ہیں - صرف قسطنطنیہ کے تکیوں پر سالانہ خرچ تین چار لاکھ روپیہ کا اندازہ کیا گیا ہے - مگر افسوس کہ اسکا اکثر حصہ رائیگان جاتا ہے -

مولویوں کا تکیہ

ان تکیوں کے علاوہ بعض تکئے اصحاب طریقت سے بھی مخصوص ہیں جیسے تکیہ مولویہ - قادریہ - نقشبندیہ رفاعیہ وغیرہ - لیکن ان سب میں مولویوں کا تکیہ زیادہ مشہور اور بارسوخ بھی ہے - اہل یورپ انہیں لوگوں کو ڈانسنگ درویشیز " یعنے رقاص درویش کہتے ہیں - کیونکہ اپنی مجالس میں یہ لوگ وجد اور حالت میں حلقہ بنا کر رقص کرنے لگتے ہیں - اس فرقہ کے بانی مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی معنوی قدس سرہ ہیں - جن کی کتاب کی نسبت شعر عوام میں مشہور ہے - جسے

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا دراصل بلخ کے رہنے والے اور شاہی خاندان خوارزم و خراسان سے تعلق رکھتے تھے - مگر ان کی عمر کا بڑا حصہ سلطنت عثمانی میں گذرا اور سنہ ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء میں یہیں انتقال کیا - آپ کی قبر شہر قونیہ میں ہے جو اس فرقہ کا صدر مقام ہے - یہیں اس فرقہ کا سردار رہتا ہے - جو مولانا کی اولاد سے ہوتا ہے - اسے چلبی آفندی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں - یہی شخص اس فرقہ کی کل خانقاہوں کے سجادہ نشین مقرر کرتا ہے اور یہی ہر نئے ترک سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطان عثمان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھتا ہے - ہر شخص جو اس فرقہ میں داخل ہوتا ہے - ایک ہزار ایک روز تک مقررہ ریاضت بڑی مشقت اور محنت سے کرتا ہے - اور اسکے بعد وہ مولویوں کی جماعت میں شامل کیا جاتا ہے - ان کی ظاہری علامت ایک بھورے رنگ کی کلاہ نمدہ ہوتی ہے جو ڈیڑھ دو بالشت سے کم بلند نہیں ہوتی

قسطنطنیہ میں کہیں کہیں جگہ یا حضرت مولانا کے قطعات نظر آتے ہیں۔ اس تکیہ میں بھی ایک ایسا ہی قطعہ آویزاں تھا۔

مولویوں کے ساتھ ایک نماز جمعہ

میں ایک روز ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب عثمان کے ہمراہ بے ارغلی میں مولویوں کے تکیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت کھلا ہے۔ اسمیں باغ اور حجرے ہیں۔ ایک طرف مسجد ہے۔ جسکے سقف چھت کے عین وسط میں ایک ہشت پہلو محدود مقام میں تختوں کا فرش ہے۔ اسکے گرد سنگین ستون ایک گنبد کو اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس ہشت پہلو جگہ میں یہ لوگ مجلس حال و قال کرتے ہیں۔ اسکے گرد چاروں طرف مسجد ہے۔ جب ہم گئے تو مسجد کے دروازہ پر ایک بالاخانہ پر ایک شخص خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرا شخص اس کی جگہ پڑھنے لگتا۔ یہانتک کہ پھر وہی پہلا شخص تازہ دم ہو کر پھر قرأت اختیار کرتا۔ اتنے میں نمازی جمع ہوتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سب لوگوں نے چار چار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر امام نے منبر پر کھڑے ہو کر نہایت خوش الحانی اور سوز و گداز سے عربی زبانی خطبہ پڑھا۔ میں نے ایسی خوش گلو قرأت بہت کم سنی ہوگی۔ دوران خطبہ میں جہاں پیغمبر صاحب یا صحابہ کبار یا آئمہ کا ذکر آتا سامنے کی طرف سے کہ جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ بلند آواز سے پکار کر حسب موقعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا رضی اللہ تعالے عنہ کہا جاتا۔ دو تین مرتبہ آمین کا موقع آیا تو سامنے سے ایک شخص نے زور سے آمین آمین آمین کا نعرہ ایک ہی آواز میں لگا دیا۔ ایک دفعہ یہیں سے الحمد للہ دس بارہ دفعہ پکارا گیا۔ اور ایک مرتبہ اللہ اکبر
خطبہ کے بعد امام نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھائی۔ مگر بہت مختصر سورتیں جلدی جلدی پڑھ دیں۔ اور پھر لوگوں نے اپنی اپنی نماز پڑھی اور دعا مانگ کر چل دیئے۔

مجلس ذکر کی کیفیت

منگل یا جمعہ کے روز بعد نماز ظہر دو دفعہ اس تکیہ میں مجلس

ہوتی ہے۔ اس طرح کہ درویش اس ڈھب سے چبوترہ کے [illegible] جس پر تختوں کا فرش ہے حلقہ باندھ کر آہستہ آہستہ پاؤں کے انگوٹھے کے بل گھومتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ نفیری بینے کی بھی رہتی ہے۔ [illegible] مولانا صاحب نے مثنوی کے سب سے پہلی سطر میں فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چون حکایت میکند [illegible]

از نفیرم [illegible]

[illegible] ان کا ہاتھ سر پر [illegible] ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں [illegible] بیان ہونا مشکل ہے۔

[illegible]

خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور سنگ مرمر کے تو بہی ہیں۔ ان پر عموماً ایسی آیات قرآنی کندہ ہوتی ہیں۔ جیسے کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ مِنَ الْمَاءِ۔ اب تو واٹر ورکس کا پانی ہر کوچہ و برزن میں ملسکتا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں پانی کی یہ سہولت نہ ہوگی اسوقت تو یہ حسنات میں شمار ہوتے ہوں گے۔

قیصر جرمنی کا فوارہ یہاں اسقدر فواروں اور چشموں کو دیکھکر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے بھی اسی میدان کے ایک سرے پر مسجد سلطان احمد کے قریب ایک فوارہ اپنی یادگار۔ استنبول کی یادگار میں تعمیر کرایا ہے۔ قسطنطنیہ میں شاید اس جگہ سے بڑھکر کسی جگہ کو تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوگی کہ جہاں قیصر جرمنی نے اپنی یادگار قائم کی ہے۔ اس خوبصورت فوارہ کے بہتر بنے بنائے جرمنی سے آکر لگے ہیں۔ میرے اثنائے قیام میں یہ زیر تعمیر تھا۔

حمام میں کسی دوسری جگہ ترکی حمام میں غسل کرنے کی مفصل کیفیت درج کر چکا ہوں۔ قسطنطنیہ میں حمام ایک بہت بڑا انسٹی ٹیوشن ہے۔ اور شہر بھر میں ۱۰۰، ۱۲۰ پبلک حمام موجود ہیں۔ ہندوستانی ناظرین سمجھ لیں کہ عموماً یہ حمام سنگ مرمر کی عالیشان۔ وسیع عمارات ہوتی ہیں۔ ان میں محمود پاشا۔ چغال اوغلی ایاصوفیہ۔ خاصکی۔ خواجہ پاشا اور غلطہ سرایہ کے حماموں کی عمارات خصوصیت سے عالیشان اور قابل دید ہیں۔

خان کاروانسراؤں یا سراؤں کو یہاں خان کہتے ہیں۔ شاید یہ لفظ خانہ سے مشتق ہو۔ باعتبار قاموس الاعلام ترکی اسوقت ۱۸۴ خانیں شہر کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خانوں کی عمارات نہایت وسیع اور پختہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی سرائے والدہ خان ہے۔ جسکے صحن میں درخت اور دو خوشنما چشمے ہیں۔ اور علاوہ اصطبلوں اور گوداموں کے اس میں اوپر نیچے تین منزلیں بالاخانوں کی ہیں۔ زیادہ خان بڑے بازار اور چارشی کے گرد واقع ہیں۔ دراصل یہ سرائیں مشاہیر سوداگروں اور ان کے اسباب کیلئے بنائی گئی تھیں

لیکن اب ترک اور یورپین لوگ یہاں کرایہ پر رہتے ہیں۔ اور انہیں بطور دکانوں اور مال کے گوداموں کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ والدہ خان میں صرف ایرانی سوداگر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں مسافر بھی ٹھیرتے ہیں۔ یہ عالیشان عمارات سلاطین عثمانی اور متمول ترکوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ ساتھ شہر کی حیرت جب ان کے آہنی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو سوداگروں کی جان و مال کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ والدہ خان کے سوائے وزیر خان جلدز خان بھی بہت بڑی ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات

سلطان المعظم کی سلور جوبلی

اتفاق کی بات ہے کہ جس تاریخ کو میں قسطنطنیہ پہنچا اس سے تین چار روز پہلے قسطنطنیہ ایک عظیم الشان قومی جشن دیکھ چکا تھا۔ یعنی یکم ستمبر کو اعلیٰ حضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کی تخت نشینی کی پچیسویں سالگرہ یعنی سلور جوبلی یا جشن فضی کی تقریب میں تمام سلطنت عثمانیہ میں خوشی کے جلسے کئے گئے تھے۔ اور سلطان المعظم کی ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگی گئی تھیں۔ جس روز میں قسطنطنیہ میں پہنچا ابھی جشن کے نعروں کی صدائے بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور ترکی اخبارات شہر آرائش، چراغان اور سلطانی انعامات کی کیفیت سے لبریز تھے اس لئے کسی قدر کیفیت عہد سلطانی کی بھی لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

جوبلی کی مستقل یادگار

گو جشن کی شب کو جو تاریخی چراغان قسطنطنیہ میں کیا گیا تھا اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف سلطان عبدالعزیز مرحوم کے صاحبزادہ نے اپنے مکان پر اور اسکے قریب روشنی

[illegible] بالکل فراموش ہو جانے
والی چیز ہے [illegible] عام کے لئے خریداری کے
کام [illegible] ترکی [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

لیے ترکی کی گری ہوئی مالی حالت کی اصلاح [illegible] بوجہ کم سپاہی [illegible] تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید خان نے روس کی [illegible] جنگ کے بعد جو فوجی اصلاحات کی ہیں [illegible] اور [illegible] کیا ہے جسکا کسقدر ثبوت جنگ یونان کے نتیجے سے مل گیا تھا۔ [illegible] میدان [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] روسی اصلاحات [illegible] [illegible] بھی جو ترقی [illegible] کی مثال تاریخ میں موجود نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ترکی کی [illegible] صدی کے [illegible] [illegible]

[illegible]	[illegible]	مقدار روپیہ
[illegible]	[illegible]	۱۲۹۱۸۹۳۰
[illegible]	[illegible]	۱۵۰۳۰۰۹۸
[illegible]	[illegible]	۲۱۰۰۶۲۱
[illegible]	[illegible]	۳۹۰۰۳۶

لہ کسقدر [illegible] سیدی [illegible] گئی [illegible] [illegible]

تعداد	نوع خیرات	مقدار غروش
۱۰۷	تربت و قبرستان	۹۸۳۴۹۲
۹۰	چشمے اور سبیلیں	۳۵۵۴۲۲
۲۹	کتب خانے	۱۶۷۹۰۹
۳۲۴	آبرسانی کے سامان	۸۱۲۳۴۹۸
۳۴	گھنٹہ گھر	۴۰۳۵
۱۴۷	مکاتب	۵۷۸۷۱۷
۱۰۵	جائدادیں وقف کیں	۷۳۵۷۵۸
۹۷	مکانات اراضیات مشروط وقف کیں	۴۲۹۳۵۲
۳۰	ہسپتال	۳۸۲۵۸۰
۹۹۵	مساجد اور خیرات کے دیگر شعبے کل	۲۳۹۷۰۰۱

میزان کل ۳۳۰۳۴ مستم کے کار خیر پچیس سال میں آپ نے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ۳۴ ہزار ۵۳۳۴ غروش جیب خاص سے صرف کئے [واضح رہے کہ یہ صرف ۱۳۱۵ھ تک کے اعداد ہیں۔ اور اسکے بعد ہر پہلو میں ان پر بہت کچھ اضافہ ہوا ہے]

ترکی میں آمدنی کے ہر باب میں ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم بہت بڑھائی گئی ہے۔ ابتدائی بخصوصیت سے ترقی ہو رہی ہے۔ بعض نئے کارخانے صنعت و حرفت کے سلطنت کی طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ صنعت و حرفت کے مدرسے بھی جا بجا کھولے گئے ہیں۔ ترکی کا قرضہ بھی بمقابلہ اکثر دیگر دُوَل یورپ زیادہ نہیں رہا۔ تین ہزار میل سے زیادہ ریلوے تعمیر ہوئی ہے۔

ترکی اخبارات کا ٹکس معاف ہوا

میرے نزدیک قسطنطنیہ کے ترکی اخبارات کا دوبارہ ٹکٹ موقوف کر دینا صرف چھ ہزار پونڈ سالانہ معاف کر دینا ہی نہیں جو اس قدر سلطنت کو آمدنی ہوتی تھی بلکہ اشاعت کی ترقی میں بڑا معین ثابت ہوگی۔ آئندہ صرف غیر زبانوں کے اخبارات پر ٹکٹ ٹکس رہیگا

کا چھپنے سے پہلے چھپان ہو آ کریگا جو اس سرزمین میں شائع ہونگے لیکن ترکی دیگر زبان کے اخبارات کو اس محکمہ سے اس جشن کی یادگار میں بری کر دیا گیا ہے۔ قانون کے مطابق خواہ کوئی دو فقرہ کا اشتہار یا اعلان کسی مطلب کو بھی یہاں چھپوائے۔ تو اُسکے ہر پرت پر ایک ایسا ٹکٹ چسپان کرنا پڑتا ہے۔ جواب صرف ترکی کے باقی زبانوں کے مطبوعات پر کرنا پڑیگا۔ انگلستان میں بھی مدت تک ایسی مستم کا ٹکس اخبارات اور نیز اشتہارات پر عاید رہا ہے۔ اور زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس وقت بلا تحریک احدے حضرت سلطان نے خود یہ اصلاح فرمائی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے اخبارات نے بارہا درخواست کی تھی مگر حکام نے اسپر توجہ نہیں کی تھی۔ اسکے ساتھ ہی پایہ تخت کے تمام اخبار نویسوں کو بھی محل شاہی میں سفرائے دول عظام کی دعوت میں شریک کیا تھا۔ اور اذن عام دے دیا تھا کہ جو کچھ دیکھنا چاہیں محل میں دیکھیں مجھ سے یہاں کے ایک مستاز اخبار نویس نے ذکر کیا کہ آج تک ہمیں سلطنت کے بدخواہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب سلطان المعظم کو خود بنفس نفیس ہماری خیرسگالی کا یقین ہو گیا ہے۔ اب امید ہے کہ یہاں کی اخبار نویسی بہت ترقی کر جائیگی۔ یہاں کے اخبارات ہندوستان کے اخبارات سے صورت شکل اور اشاعت میں بہت آگے ہیں سب میں "اقدام" بلحاظ اشاعت سب سے اول ہے۔ اور دس ہزار کاپی روزانہ کی اشاعت رکھتا ہے۔ ایام جشن سلطانی میں پندرہ پندرہ ہزار بھی چھپا ہے۔ اس کے مالک چیف ایڈیٹر احمد جودت صاحب بڑے قابل اور خلیق جوان ہیں۔ اسکے بعد صباح و ثروت ترجمان حقیقت۔ سعادت۔ معلومات۔ ثروت فنون ہیں۔ بلحاظ سنہ ۱۸۹۰ء میں قسطنطنیہ کے پانچ بڑے اخبارات کی تعداد روزانہ بیس بائیس ہزار کا پیان شہر میں فروخت ہو جاتی تھیں۔ احمد جودت صاحب بہت دیر تک اسی بارہ میں گفتگو کرتے رہے کہ ہندوستان کے اردو اخبارات جب تک ٹائپ کے حروف استعمال نہ کرینگے۔ تب تک وہ مستقل نہیں ہو سکتے اور نہ ترقی کر سکتے

ہیں۔ بات بالکل معقول ہے۔ اسکا کیا جو سب ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہزار ہندوستان کی ترقیوں پر نازاں ہیں لیکن ... کا پتھر پر چھپنا کبھی کامیاب نہیں ہونے دیگا۔ ... ٹائپ سب ... بنوانا کوئی مشکل بات نہیں۔ حروف نستعلیق لکھوا ... کے ... میں کھدوا ... اور مشین پر چھپنے کا ٹائپ ... [illegible]

اردو اخبارات [illegible]

نئے ٹائپ [illegible]

[illegible]

اس غرض کیلئے قائم ہے۔ کہ وہاں سے حضور ممدوح کی خدمت میں اہل حاجات اپنی خبر پہنچا سکیں۔ اور آپ کا حکم ہے۔ کہ ہر کسی نادار کی خبر ضرور ان کی خدمت میں پیش ہونی چاہیئے۔ لیکن باہر بندیوں کے عہدہ دار اکثر تاریخ پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کثرت مشاغل سلطنت میں وہ کہاں تک ایسا کر سکتے ہیں۔ اسلیئے یہ عہدہ دار پہلے سائلوں کو طلب کر کے ان کی حاجت دریافت کر لیتے ہیں۔ اور جس کا کام اہم سمجھتے ہیں اسے پیش کرتے ہیں۔ مگر یہاں مشہور ہے کہ جس کی خبر اعلیٰ حضرت کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ محروم نہیں رہتا۔ اعلیٰحضرت سلطان المعظم خود بنفس نفیس سوائے صلوٰۃ الجمعہ کے جسے ہر ہفتہ ادا کرنے اور سالانہ دربار عیدین قصر دولمہ باغچہ میں منعقد کرنے یا خرقہ شریف کی زیارت کے کبھی یلدز سرائے ہمایون سے باہر نہیں نکلتے۔ یلدز میں قریب آٹھ سات پندرہ سولہ ہزار کے فوج سوار اور پیدل اور بحری حفاظت کیلئے موجود رہتی ہے۔ صدر اعظم اور سرعسکر یعنی کمانڈر انچیف افواج عثمانیہ کو بھی کئی مرتبہ بازار میں بگھی میں بیٹھکر گذرتے دیکھا ہے۔ ان کے پیچھے تین تین سوار مسلح چلتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی سادگی اور بے تکلفی عیاں ہے۔

خاص سلطانی کارخانہ کی مصنوعات

حضرت سلطان المعظم نے کئی کارخانے سرکاری جیب خاص سے بعض اشیائے صنعت کی ساخت کے لئے جاری کر رکھے ہیں۔ مگر ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ یورپ کی ساختہ اشیاء سے گراں پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک ... جو باہر سے ہوا ہیں ایک سو بیس قرش میں ملتی ہے۔ یہاں ایک سو ساٹھ قرش پر تیار ہوتی ہے۔ سلطانی کارخانوں میں ریشم اور پشم کے بہت عمدہ کپڑے۔ قالین جانماز۔ بانات اور ترکی ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ چینی کا برتن بھی ڈھالا جاتا ہے۔ اسکی فروخت کیلئے شہر میں کئی دوکانیں ہیں۔ جن پر لکھا ہوا ہوتا ہے "فابریقہ ہمایونی سلطانی معمولات اری" یعنی اشیائے ساختہ کارخانہ خاص

حضرت سلطان) اور یہ نہایت نفیس قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً جو جا رسازی ترکی ٹوپیاں اس کارخانہ میں بنتی ہیں۔ وہ یہاں بکتی ہیں۔ مگر ان کی قیمتیں بمقابلہ بازار کے زیادہ ہیں۔ ان ترکی ٹوپیوں کے اندر ابھرے ہوئے حروف میں منقوش ہوتا ہے یہ سلطانی کارخانہ کی ساختہ ہیں۔ اس کارخانہ کے علاوہ جنگی ضروریات وغیرہ کیلئے جو سرکاری کارخانے سلطان المعظم کے عہد میں یہاں قائم ہوئے ہیں۔ ایک ترکی اشاعت نے ان کی تفصیل حال میں حسب ذیل لکھی ہے۔

جنگی ضرورت کے ترکی کارخانے

(۱) مکمل توپخانہ فابریقہ (کارخانہ) (۲) برقی توپخانہ فابریقہ (۳) چابک (نوہ) فابریقہ سی (۴) دیگر سپیکسنا فابریقہ (۵) قرقان (بائیر) خانہ فابریقہ (۶) تیمور خانہ ناکنہ (آہن خانہ کی مشینیں) (تفنگ خانہ (باقر) فرینجاس اف) فابریقہ سی (کارخانے) (۷) سخار قرقان اینا معصوص یودی فابریقہ (۸) تا ریشہ خانہ فابریقہ (۹) زفت ملال، فابریقہ (۱۰) سفائن شاہانہ طوپچی معصوص فابریقہ سی فابریقہ (جہازی و بری توپوں کی گاڑیوں کا کارخانہ) (۱۱) زنجیر خانہ فابریقہ سی (کارخانے) (۱۲) کیمیا رنگین فابریقہ (۱۳) [illegible] فابریقہ (۱۴) ذخائر مطبع وزفوتوگراف خانہ۔ (۱۵) عسکری سیکر کار فابریقہ سی دوسرے کاموں کے کارخانے۔

مگر افسوس ہے کہ ایک کی عام تجارت پر ان کا اثر بہت زیادہ اچھا نہیں پڑ سکتا تاکہ کچھ لوگ ان سے تو دیکھ کر اپنے کارخانے جاری کریں۔ ان لوگوں کو جو یہاں کام کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ سیکھ جانے کے بعد معقول تنخواہ دی جانے لگے علاوہ حضرت سلطان نے تعلیم عامہ کے بارہ میں بہت کچھ کیا ہے اسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابتدائی اوسط اور اعلیٰ ہر قسم کی تعلیم کے مدرسے کثرت سے اچھی تعداد میں گذشتہ تیس سال میں قائم کئے گئے ہیں۔ تعلیم نسواں تعلیم دستکاری اور زراعت کی ترقی کی طرف بہت کوشش کی ہے کہ جسکی کسی قدر تفصیل ان اوراق میں جا بجا درج کی گئی ہے۔ اور کچھ ذیل میں درج کی

بقایا حالات

سلطان المعظم کی علمی فیاضیاں

سلطان المعظم کی تاریخ جلوس سے بعد جسقدر سکول کالج اور دیگر رفاہ عام کے انسٹی ٹیوشن آپ کی پچیس سالہ جوبلی تک پچیس سال کی مدت میں قسطنطنیہ میں جلالت آب کے فیاضی سے خریدے گئے یا قایم ہوئے ہیں۔ اُن کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ گو سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد بھی اس فیاضیوں کی فہرست پر اضافہ ہوا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے سا پر راقم الحروف کی اسوقت دسترس نہیں۔

نام کتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
کتب ملکیہ شاہانہ	۱۳۲۲۶۳۱	قایم کیا سنہ ۱۲۹۶ھ میں
کتب خانہ عمومی	۳۹۲۵۴۴	سنہ ۱۳۰۰ھ میں
کتب طبیہ ملکیہ شاہانہ	۵۸۴۰۰۰	خرید کیا سنہ ۱۳۰۳ھ میں
خستہ خانہ دستپال و بیکٹیریالوجی خانہ و اجزاخانے (دوائی خانہ) وقراتیہ خانے	۵۲۰۴۲۳	خریدا اور قایم کیا سنہ ۱۳۱۳ھ میں
کتب عشیرت	۱۲۳۲۵۳۳	خرید کیا سنہ ۱۳۰۹ھ میں
"	۴۰۳۰۰	قایم کیا
کتب اُردو پاشا رشدیہ	۱۴۴۰۱۰	توسیع کی
	۱۰۰۰۰	شہر طرابزون کے کتب ملکیہ عدادیہ کیجیا اسکدار کے پاشا قبو والے مدرسہ رشدیہ عسکریہ کا مساوا کیا
کتب رشدیہ فاتح	۴۰۳۹۰۱	از سر نو قایم سنہ ۱۳۱۲ھ میں کیا
سلطان احمد و پاشا رشدیہ کتب	۲۷۷۳۰	"

نام مکتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتب تجارت حمیدیہ	۲۴۲۳۳۰	خرید کیے ۱۳۱۵ھ میں
درسعادت اعدادی	۳۷۸۹۳۱	″
مکتب رشدیہ آیا صوفیہ	۲۰۴۰۰۰	″
دارالمعلمات	۲۰۴۸۳۸	″
اسکدار میں طوقا تجیر رشدیہ	۷۷۳۰۶	ترمیم کی ۱۳۱۵ھ میں

پبلک ورکس اور [illegible] تعلیم کے سلطان المعظم کے دور حکومت میں عمارات میں ترقی ہوئی ہے۔ اور بہت سے مسجدیں۔ دارالعجزہ (محتاج خانے) اور شفاخانے (میرا مطلب ہسپتالوں سے ہے) ورنہ ترکی زبان میں شفاخانہ پاگلخانہ کو کہتے ہیں) سلطان المعظم نے جیب خاص سے تعمیر کئے ہیں۔ حجاج کے آرام کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسافر خانے بہت عمدہ تعمیر کرائے۔ اور اب شام سے حجاز تک ریلوے لائن بھی زائران بیت اللہ کی آسائش اور سلطنت کے استحکام کی اغراض سے جاری ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مملکت میں بہت سی ریلوے لائنوں کی ضرورت ہے۔ جو کچھ بقدر ترتیب ترکی خزانہ کی مالی

کفایت شعاری حالت اجازت دیتی ہے وہ رفتہ رفتہ ملک میں کئی لائنوں کی تعمیر جاری ہو رہی ہے۔ مگر یہاں ہر کام [illegible] کفایت شعاری سے ہوتا ہے جہاں ایک زمانہ میں ترک سلاطین کی فضول خرچی اور عیش پرستی ضرب المثل تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کفایت شعاری اور جزرسی ضرب المثل ہونے کا زمانہ آیا ہے۔ ایک باخبر شخص نے مجھے قسطنطنیہ میں بتایا تھا کہ کبھی کبھی سلطان المعظم کے شہزادوں اور شہزادیوں کی [illegible] جیب خرچ بند ہوتے ہیں۔ اور وہ صرف اپنی رسد پر گذارہ کرتے ہیں۔ مگر شاہی خاندان کے تمام ممبروں کے لئے مقرر ہے۔ لیکن ارکان سلطنت اور عسکر کی تنخواہیں

ترکی زبان میں "تیمارخانہ" پاگل خانہ کو کہتے ہیں اور "خستہ خانہ" ہسپتال کو۔

بادشاہ اکیلا ہی ہیں۔ اس سے حضرت سلطان کی کفایت شعاری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مگر اب بھی چند لوگ ترکی میں موجود ہیں۔ جو سلطان المعظم کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ اور ینگ ترکی کے نام سے ان کی جماعت مشہور ہے جو کہتے ہیں۔ کہ پچاس ہزار سے زیادہ یورپ امریکہ اور مصر وغیرہ میں ہی جلاوطنی کی حالت میں ہیں۔ یہ لوگ قسطنطنیہ میں تو زبان سے ایک لفظ نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ وہاں آزادی تحریر و تقریر نہیں ہے۔ لیکن یہ لوگ جب کہ غیر ممالک یا یورپ کو چلے جاتے ہیں۔ تو وہاں کے اخبارات میں یہاں کی خرابیاں گناتے ہیں۔ کچھ باتیں اب میں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔ بیشک یہ بہت سی وجہ اصلاح کی محتاج ہیں۔ لیکن نہ اس قدر کہ ایک ایسا مجبور قوم اور بنی نوع انسان کا محسن سلطان اسقدر مورد عتاب ٹھہرایا جائے کہ ہر وقت اور ہر ساعت اس کی جان معرض خطر میں رہے۔ اور وہ اپنی عمر میں ایک دفعہ بھی محلسرائے سے باہر نہ نکل سکے۔ میں سلطان المعظم کی شکایات بیان کرنے سے پہلے ذات شاہانہ کی [illegible] کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

[illegible] سلطان المعظم [illegible] لازمی [illegible] ایک روز بھی کبھا [illegible] حدود سے باہر نہیں [illegible] بجز جمعے میں آکر مسجد حمیدیہ کو دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ [illegible] سلطان ہفتہ میں ایک روز جمعہ [illegible] عسکری حفاظت کے اندر بعض شہر کے بازاروں [illegible] لے جاتے ہیں۔ مگر [illegible] معلوم ہوا ہے کہ جامع حمیدیہ حدود [illegible] اندر واقع ہے۔ یا زیادہ صحت کے لیے یوں کہنا چاہئے کہ محلسرائے یلدز کے پھاٹک کے سامنے شاید ایک سو قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حضرت سلطان جس وقت نماز کے لئے آتے ہیں بے انداز فوج مسجد کے گرد و پیش متعین کی جاتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک پرندہ بھی ہاں

پہنچ سکے۔ صرف محل سلطانی کے خدام و بعض وزرا جماعت میں شریک ہوتے ہیں یا ایک آدھ ایسا شخص کہ جسے امام وغیرہ اپنی ذمہ داری پر مسجد میں داخل کرلیں۔ امام سلطانی جماعت کرلتے ہیں۔ ۹ بجے صبح سے شہر کے مختلف حصوں سے پیدل اور سوار فوجیں اپنے اپنے باجوں کے ساتھ قصر بلند کی طرف جانی شروع ہو جاتی ہیں۔ جو شہر کے حصہ باشکطاش میں واقع ہے۔ اور پل غلطہ سے جو شہر کا نہایت بارونق حصہ ہے دو تین میل سے کم نہیں۔ ۱۱ بجے تک یہ سب فوجیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جنہیں ایسے طور پر مسجد کے گرد تعینات کیا جاتا ہے۔ کہ کسی بشر کا مسجد تک پہنچنا تو ناممکن بلکہ دور سے ذرہ (?) بھر بھی کی شکل تک دیکھنا بھی محال ہو جاتا ہے میں نے ارادہ کیا کہ سلاملق میں سلطان المعظم کی زیارت کر سکوں۔ لیکن ناکام رہا چونکہ انہیں دنوں اٹلی کا شاہ ہمبرٹ ایک قاتل کے خنجر سے مارا گیا تھا۔ اور پیرس میں شاہ مظفرالدین کی جان پر حملہ ہوا تھا۔ اس وقت سے مبالغہ کے ساتھ ذات سلطان کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کے پیچھے بہت لوگ کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھ سکتے تھے۔ مگر اب سوائے ان چند

سلاملق

یوروپین لوگوں کے جو اجنبی سلطنتوں کے سفیر ریح ایک لفافہ کا ٹکٹ حاصل کرتے ہیں۔ در کیپ مہا تخانہ میں بیٹھ کر سلطان کی سواری دیکھ سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ ٹکٹ بھی سلطان المعظم کی خاص منظوری کے سوا جاری نہیں ہوتے۔ میں نے بھی چاہا کہ انگریزی سفیر سے ایک ٹکٹ حاصل کر لوں۔ چنانچہ ایک روز میں انگریزی سفارت میں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ سفیر گرما میں سفارت کا مقام شہر سے چند میل باہر ایک

مایوسی کی وجوہات

قصبہ تھراپیا میں رہتا ہے۔ اسلئے دوبارہ مجھے وہاں جانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور یہی سے قصر بلند کے ذریعہ جو کوشش یہ رسم دیکھ سکنے کی کی تھی۔ اسمیں بھی بوجہ تنخواہ (?) وقت ناکامی رہی۔ اس روز

سی تگ و دو اور کوشش کی کیفیت میری ڈائری میں اسطرح درج ہے۔ "گاڑی سے اترکر ہم تھوڑی دور پیدل مسجد حمیدیہ کے پاس سے گذرے مسجد کے عین مقابل چند قدم پر سرائے سلطانی کا دروازہ ہے۔ اسکے اندر داخل ہوئے تو میرا نام پتہ پوچھا گیا۔ یہاں ہرچند کوئی اندر نہیں جاسکتا جبتک کہ یہاں رسوخ نہ رکھتا ہو مگر سید عبدالغفار صاحب کی معلوم ہوتا ہے بہت دور تک رسائی ہے ساتھ پہنچکر ایک دفتر کے کمرہ میں بیٹھے جو قدری بے صاحب افسر خفیہ پولیس کا کمرہ تھا۔ انہوں نے قہوہ سے تواضع کی اس اثنا میں انکے پاس کئی افسر آئے۔ جنکی زرق و برق کی وردیوں سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی تھی۔ یہاں کئی پاشا اتنی دیر میں نظر سے گذرے۔ جب ان سے سلاملق کی جگہ کیلئے اجازت طلب کی گئی تو انہوں نے محمود جلال الدین پاشا کا پتہ دیا۔ جب انکے پاس گئے تو انہوں نے بھی قہوہ پلایا اور پھر کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے۔ پھر ایک صاحب لطفا کر پاشا کے پاس پہنچے۔ یہ بڑے خلق سے اٹھکر ملے اور ہاتھ ملایا اور سید صاحب کے کہنے پر میرے لئے آئندہ جمعہ نام پیش کرنے کی یادداشت لکھ لی۔ یہاں بھی قہوہ پیا۔ یہاں سے حاجی علی صاحب سلطانی چیمبرلین کی خدمت میں گئے جو دوسری منزل کے ایک عالیشان دفتر میں بڑے بڑے صوفوں پر چند اور افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے افسر کے پاس ایک شخص کو بھیجا جسکا فرض منصبی سلاملک دیکھنے کے لئے اجازت دینے کا تھا۔ لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ میں غیر اور پر ذمہ داری نہیں لے سکتا جبتک کہ آپ ذمہ داری نہ لیں۔ کیونکہ جنتیگی و ہمادلی سے اسوقت استیذان کا وقت نہیں رہا۔ اسلئے دو گھنٹہ کی سعی کے بعد مایوس ہوکر ہم بارہ بجے دوپہر کو قصر سلطنت سے واپس پھرے"۔ اسقدر سعی کے بعد اور اتنے بڑے بڑے افسروں تک رسائی ہوچکنے کے باوجود نشست کی اجازت نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ سلطان المعظم نے اکثر کام اور خصوصاً یہ کام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ ایوان کی ترق

اجازت کے سوائے کوئی مہمان وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ جبتک کہ کسی سلطنت کے
سفیر کبیر کے وہ مہمان نہ ہو۔ اور با وجود اسکے بدطینت سفاک ذات سلطان
پر پا جیانے کے سونے کے موقعے پالیتے ہیں۔ جیسے کہ میرے قسطنطنیہ سے واپس
آنے کے بعد بم کے گولے کے واقعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ غرض بعض وجوہات
میں گھبرایا یا قصر یلدز کے ذریعہ اس بارہ میں دوبارہ کوشش نہ کرسکا۔ سلاملق
کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ سلطان المعظم پانزدہم رمضان کو خرقہ شریف کی زیارت
کو جاتے ہیں۔ جو قدیم حرم سرائے میں موجود ہے۔ یہ علم حضرت رسول خدا صلعم
کا مع چند دیگر تبرکات کے اس مکان میں رکھا ہوا ہے اور سال میں ایک مرتبہ
صرف سلطان المعظم بدست خاص کھولکر اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور سوائے
معدودے چند وزرائے مقربین کے اور کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا اس کے بعد
وسلاطین سابقہ کا دستور تھا۔ جامع ایا صوفیہ میں نماز عشاء کی شرکت کو جایا کرتے
تھے۔ اور عید رمضان کے بعد بھی سات شب تک جایا کرتے تھے مگر سلطان المعظم
نے یہ رسم ایا صوفیہ میں جانے کی ترک کردی ہے۔

اب یہ تو یہ حال ہے۔ اور ہر چند ترکوں سے مجھے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا ہے
سلطان عبدالحمید خان کے کارناموں کی وجہ سے کہتے ہیں کہ واللہ ایسا سلطان
نہ پہلے گذرا ہے اور نہ کوئی آئیگا۔ جبتک سلطان حال نے اپنے کارنمایاں
عام کے علاوہ ترکی قوم کی فوجی طاقت از سر نو قایم کرنے کے [illegible] ہیں ان کا
شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ [illegible] مجھے ایک [illegible]
شکایات سننے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ قسطنطنیہ سے دور [illegible]
لوگ کچھ بیں سننے کی [illegible]
[illegible]

اب میں ان شکایات کو بیان کرتا ہوں۔ جیسے کہ اس طریق حکومت میں نظر
آتی ہیں۔ مگر بقول ایک ترک [illegible] کے میں سیر ادیانہ انگریزی حکومت میں تعمیر
ہوا ہے۔ اسلئے میں ان کے ملک کی حکمت عملی کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اور نہ

پورے طور پر اسکی خوبیوں کی داد دے سکتا ہوں۔ میرے خیال میں اخبارات

اخبارات کو کچھ آزادی ملنی چاہیئے

کی زبان اس حد تک بند کرنا ضروری نہیں کہ جس حد تک اس وقت قلمرو سلطنت عثمانی میں بند ہے۔ یہاں اخبارات آجکل سوائے سرکاری افسروں کے تغیر و تبدل۔ حضور کے خطابات اور عام خبروں کے کچھ نہیں لکھ سکتے۔ غیر ممالک کی خبروں میں سے بھی بعض باتیں نہیں لکھی جاتیں۔ بعض کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں شہنشاہ جرمنی نے اپنی ایک تقریر میں کچھ اس مضمون کا فقرہ کہا تھا کہ ہمیں توجہ چاہیئے کہ جرمنیوں کو ایسا سبق سکھلائیں جو وہ مدت تک نہ بھولیں۔ یہ خبر ترکی اخبارات میں شائع نہیں ہو سکی۔ صرف اسلئے کہ جرمنی کے ساتھ ترکی کا دوستانہ تعلق ہے۔ میرے خیال کی مخالفت میں زیادہ سے زیادہ آزادانہ تحریر کا نمونہ جو ایک ترک دوست مجھے بتلا سکا وہ یہ تھا کہ ترکی اخبارات لکھ سکتے ہیں کہ فلاں توپ جو ہمارے یہاں ہے وہ اچھی نہیں ہے۔ اس سے اچھی دوربین ہے جو فلاں سلطنت کے پاس ہے۔ اور ہمیں بھی ایسی ہی حاصل کرنی چاہیئے۔ یہ بھی کیا غنیمت ہے کہ اگر ایسی تحریرات چھپ سکتی ہیں۔ جو کہ ان اخبارات میں سے زیادہ تعجب کی بات سکی تھی ایک یہ کی چیز پوری کی گئی ہے۔ اور وہ حضرت سلطان اعظم کی ذات کے لئے تعریفی کلمات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے تعریفی کلمات وضع کئے گئے ہیں۔ جن کو موقعہ بموقعہ برتا جاتا ہے اور چار چار سطر تک جب حضرت شہنشاہ کا نام لکھا جاتا ہے اسکے جلوس سے آگے سب ... حد سے زیادہ بڑھ چڑھ کر دوسرا مرتبہ ... تعریف کی جاتی ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ حضرت سلطان اعظم کا ذکر ادب سے کیا جاوے۔ اور ان کے کارناموں کی تعریف اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ لیکن اخبار کا پیٹ صرف یہ ذکر سے پر کرنا ہی باعث ملال معلوم ہوتی ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ بیشک ترکی کے اخبارات میں قدرے آزادی نصیب ہونی چاہیئے۔ ... مصلحت سلطنت کے ہیں لیکن اگر مقصد

آزادی تحریر کی دیجاوے تو لوگوں کے دلوں کے بخارات جو اب فساد کی صورت بنکر پھوٹ نکلتے ہیں اس صورت میں کم و بیش شکایات کی شکل میں خارج ہوتے رہیں گے۔ البتہ اخبارات کی نگرانی ایک قابل اور ہوشمند سنسر (محتسب) کو سپرد کیجاوے۔ جو ان دو باتوں کے درمیان اوسط طور پر تمیز کر سکے کہ کونسی تحریر خالی آواز ہے۔ اور کونسی فساد پیدا کر سکتی ہے۔ میری رائے میں اگر اخبارات میں کسیقدر آزادی سے لکھنے کی اجازت ہوتی۔ تو چند سال قبل جو عظیم الشان فساد کی سازش ارمنوں نے کی تھی۔ اور یہ بھی میں نے سنا ہے کہ ہزارہا طمنچوں اور ڈمنوں گولہ و بارود کے علاوہ ایک دو توپیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ اسکا کچھ نہ کچھ سراغ نکل آتا۔ علاوہ اسکے موجودہ شکایت "ینگ ٹرکی پارٹی" کی بھی رفع ہو سکتی ہے۔ صرف نہایت ذمہ دار شخصوں کو ایڈیٹری کا امتیاز دیا جاوے۔ اور وہ ذاتی طور پر وفاداری کا خیال قائم رکھنے کے لئے پابند کئے جاویں۔ دوسری شکایت جو میں نے سنی ہے۔ یہ ہے کہ جن لوگوں کی نسبت ذات سلطانی کے خلاف کوئی سازش کرنے کی مخبری کوئی شخص بھی کر دے۔ یا کوئی خفیف شبہ بھی پیدا ہو۔ انہیں گرفتار کر کے محلسرائے

سازش کرنے والوں کے جرم کی تحقیقات

سلطانی میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں ان پر الزام لگا کر ان کا بیان طلب کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی بیقصوری ثابت کرنے میں کامیاب ہوں تو انہیں اس تکلیف کے بدلے جو اس کارروائی سے انہیں ہوئی ہے کچھ معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ بعض مقصور از ثابت ہونے کے سزا دیجاتی ہے۔ فریق معترض یہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تحقیقات کھلی عدالت میں کیجاوے اور انہیں اپنی بریت ثابت کرنے کے تمام موقعے دئیے جاویں۔ جہانتک میں غور کر سکتا ہوں ہر ملک میں معمولی عدالتی تحقیقات سے ہی مطلب پورا ہو سکتا ہے۔ انگریزی اصول قانون فوجداری میں یہ دو باتیں کیسی اچھی ہیں کہ اول جب

تک کسی شخص پر جرم ثابت نہ ہو جائے اُسے بےقصور سمجھا جائے۔ اور اسی لیے شک کا فائدہ مجرم کو دیا جاتا ہے۔ وہ ترازو کا میلان اس طرف ہو کر دس گنہگاروں کو سزا سے بچ جانے کی نسبت ایک بیگناہ کا سزا [illegible] بڑا ہے۔

لیکن جب اس خیال کو مدنظر رکھا جائے کہ بلاد عثمانی میں کتنی مختلف الانواع اقوام جو آسانی سے مسلح ہو سکتی ہیں بستی ہیں۔ جن میں سے بعض عیسائی قوموں کے دلوں میں سلسلے فساد کرنے کی امنگ ہے کہ اُن کے ساتھ کی دوسری قومیں اسی طریقے سے ترکوں کی حکومت سے نکل کر آزاد ہو گئی ہیں۔ اور ان قوموں نے بارہا طرح طرح کی مفسدانہ حرکات کی ہیں تو مارشل لا قانون کسی قدر حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نالائق آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اچھے آدمیوں کو گھسنے نہیں دیتے۔ اور سفارش اور رشوت ہی سے کام بگاڑ دیتی ہے۔ چوتھی یہ کہ مدبروں کی علمی لیاقت [illegible] درجہ کی ہے اور

لائق مشیروں اور مدبروں کی کمی۔

پولیٹیکل اکانومی مطلق موجود نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان شکایات میں کسیقدر مبالغہ بھی ہے۔ کیونکہ آجکل کے ترکش وزرا عہدہ دار عموماً یورپین یونیورسٹیوں کی تعلیم یافتہ صرف لیاقت کے لحاظ سے رکھے جاتے ہیں۔ تاہم بعض لوگ اصرار سے کہتے ہیں کہ ترکی مدبروں اور مشیران سلطنت میں کم ایسے آدمی ہیں جنکی دانشمندی اور دور بینی پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ بقول ایک شخص کے یہ سلطنت کی بدبختی ہے کہ حضرت سلطان المعظم کے مشیر صرف ہاں میں ہاں ملانے والے ہیں۔ اور امیر خواب و خور اور شہوات نفس کے سوائے کسی دوسری بات کو نہیں جانتے ورنہ جیسا روشن ضمیر۔ بیدار مغز اور صاحب لیاقت و عقل سلطان ہے۔ اگر ایک نصف درجن لائق مشیر بھی لئے ہوئے ہوتے تو آج ترکوں کی حالت اس سے بہت اچھی ہوتی۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کی نسبت لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی

نسبت حضرت سلطان کو علم ہی نہیں ہے۔ مگر ایک گروہ کا خیال ہے کہ سلطان المعظم کو کسی مشیر کی آزاد بیانی منظور نہیں۔

سلطان المعظم کی دینداری

ترکوں سے جس قدر باتیں حضرت سلطان کے محامد ذاتی کی نسبت معلوم ہوئیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عربی فارسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے ہیں۔ سوائے تین چار گھنٹے کے آرام کے آپ کام بذات خاص صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کرتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مختلف سکرٹری بھی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ مذہب کی یہ حالت ہے کہ نماز کے پابند ہیں۔ تسبیح پڑھتے ہیں۔ [illegible] مذہبی نہیں تصوف۔ تسبیح پر ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنی قلمرو میں دین اسلام کے عدم غفلت اور تائید کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ موسیقی و حیوانات کی پرورش کے بڑے شائق ہیں اور غیر زبانوں کے ناولوں کے ترجمے بھی اکثر سنتے ہیں۔

سلطان پرستی

ترک اپنے سلطان کا بہت ادب کرتے ہیں۔ اسے خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ فی الارض مانتے ہیں۔ سلطان کی رضامندی دونوں جہانوں کی سرخروئی کا موجب سمجھتے ہیں۔ یقین رکھتے ہیں کہ سلطان کی طرف سے جو کچھ ان کے حق میں ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ [illegible] قسطنطنیہ میں قصر دیوان دیکھا تو [illegible] سلطان سلیم غفران یعنی سلطان المعظم کے حق میں دعا کرنا اپنی بخشش کا موجب ہے۔ بادشاہم چوق یشا سلطان کی درازی عمر و اقبال کے لئے [illegible] نعرہ ہے۔ یہی تو ترکوں میں خیال عام ہے کہ سلطانی دسترخوان کا بچا ہوا کھانا جب مریضوں کو کھلایا جائے وہ تندرست ہو جاتے ہیں [illegible] ان کی زبان کھل جاتی ہے۔ [illegible] سلطان نے عمدہ [illegible] جیسا کہ [illegible] بعض [illegible] کی ترغیب

سلہ یہ پاشا [illegible]

بعض ناتجربہ کار نوجوان ترک کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اور یورپین تعلیم سے ان کے قدیم خیالات بدل دیئے ناراض ہو کر قلمرو عثمانی سے یوروپ کے دوسرے ملکوں میں۔ بھاگ گئے۔ شکایتوں سے دنیا میں کوئی ملک خالی نہیں ہوگا۔ غرض ان شکایات کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی جس عزم سے تعلیم کے ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام شکایات کی اصلاح کرنے پر آمادہ ہیں مگر وہ ایسا نہ کرنا چاہتے تو رعایا کو زیادہ تر تاریکی میں رکھنا پسند کرتے۔ جبکہ وہ رعایا میں تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ اور قوم کی عام حالت کو یورپین اقوام کے برابر لانا چاہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی مخالفت اور نوجوان ترکی پارٹی کے ہوا خواہ غلطی پر ہیں۔ ترکی میں اسوقت ہر شخص کو بالاوسط ہندوستان کے چھ روپے سالانہ کے قریب ہر قسم کا ٹکس دینا پڑتا ہے جسمیں بالواسطہ ٹکس یعنے چنگی وغیرہ کی طرح کے ٹکس بھی شامل ہیں۔ جو براہ راست ہر شخص کو نہیں دینے پڑتے۔

رحم و رافت کا سلوک

ذاتی طور پر سلطان المعظم بڑے حلیم و بردبار اور متحمل ہیں یہانتک کہ انہیں ناراض نہ کیا جائے۔ وہ ادنے ادنے لوگوں کے استمالت قلوب میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ جسنے حضرت سلطان کی خدمت میں ایک تار بھیجا تہا کہ دولت کی بہبودی کے لیے میں کوئی ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور کسی دوسرے ذریعہ سے مسامع ہمایونی تک یہ بھی پہنچوا دیا تہا کہ اگر اسے وہ اخبار نکالنے کی اجازت نہ دی گئی جو یہ نکالنا چاہتا ہے۔ تو یہ مصر میں جاکر مخالف اخبار جاری کر دیگا۔ چنانچہ بخیال ہے کہ اسکی چال کارگر ہو گئی اور اسے طلب کرکے اس کا مطلب دریافت کیا گیا۔ اور عرض حال (عرضی) پیش کرنے پر اس کے وظیفہ میں ترقی کرنے کا وعدہ کیا گیا تاکہ حق سلطانی میں

دعا کیا کرے۔ اخبار نکال لینے سے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے مجھے بیان کیا کہ حال میں ہندوستان سے ایک بزرگ ایک سلطنت کے ایک صیغہ میں ملازم ہوئے ہیں۔ جب پہلے پہل انہیں کرائی ماموریت نہ ملی تو انہوں نے جزیرہ قبرص میں جا کر دولت بہیّہ کے خلاف ایک اخبار نکالنے کی خبر مشہور کر دی۔ اس پر انہیں وہاں سے بلا کر نوکری دی گئی۔ ہر چند کہ یہ عامیانہ باتیں معلوم ہوتی ہیں تاہم اگر انہیں کچھ بھی وقعت دی جائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے مطابق سلطان اعظم کی شاہانہ بردباری کی تعریف کرنی مشکل ہے۔

تحائف استانبول وغیرہ

ہندوستانی طبیب چشمان قسطنطنیہ میں

منجملہ دیگر ہندوستانیوں کے جو مجھے یہاں ملے ایک ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان ساکن ضلع جالندھر تھے۔ جو معہ دو اور متعلقین کے چھ ماہ سے یہاں غلاطہ میں مقیم تھے۔ یہ پہلے بھی یہاں رہ گئے تھے جبکہ انہیں تمغہ مجیدیہ صنعت چہارم ملا تھا۔ ترکی بے تکلف بولتے تھے۔ اور جس مکان میں مقیم تھے۔ اسکا کرایہ سات پونڈ یعنے سو روپیہ سے زیادہ ماہوار دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا کام یہاں اچھا چلتا تھا۔ شروع میں انہوں نے ہی مجھے شہر کے بعض مقامات قابل دید دکھائے۔ کپڑے بالکل یوروپین تہذیب کے مطابق پہنتے تھے۔ گو خواندہ آدمی نہیں تھے۔ مگر اپنا فن خوب جانتے تھے۔ کاش بہت سے ہندوستانی طرح طرح کے کاموں اور خدمتوں کے لئے یوروپ وغیرہ ممالک کو نکل جائیں۔ انہوں نے بتلایا کہ کس طرح ان کی برادری کے کئی لوگ یوروپ کے مختلف ممالک میں جا کر مریضوں کی آنکھیں بناتے ہیں۔ اور بعض بہت بہت روپیہ کما کر لاتے ہیں۔ ایک نے تو اٹلی میں استقلال ملی

حاصل کی کہ وہاں کی کسی ملکی مجلس کا ممبر بھی ہو گیا۔ اور وہیں شادی بھی کر لی

قسطنطنیہ کے تحائف نواب علی صاحب اسوقت وطن جانے کے لئے قسطنطنیہ کے کچھ تحائف خرید رہے تھے۔ چونکہ انہیں یہاں کا بہت تجربہ تھا میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون کون سے تحائف یہاں سے ہندوستان لیجانے کے لائق سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ چیزیں بتلائیں (۱) قطعات خوشخط فوٹو گرافی و مطبوعہ (۲) رومال کشیدہ اور تقریروالے (۳) ترکی تولیے (۴) شیشہ کے حقے (۵) تسبیحاں (۶) انگوٹھیاں (۷) ایک زنانہ قرابہ (۸) قرآن مجید و دلائل الخیرات (۹) یہاں کے ناموروں کے فوٹوگراف (۱۰) خضاب ترکی (۱۱) ترکی پوش۔ (۱۲) زنانہ گرگابی (۱۳) شد کے جانماز بہت عمدہ کشیدہ کے کام کے (۱۴) قرآن مجید کے غلاف جن پر طلائے اعلیٰ درجہ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ (۱۵) ریشمی کپڑہ بہ درجہ کا (۱۶) ترکی ٹوپیاں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ بازار میں خرید نے گیا۔ اور قسطنطنیہ سے لوٹتے ہوئے ان میں سے اکثر چیزیں تھوڑی تھوڑی خرید لایا۔

ترکی تولیے اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی تولیے نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ یورپ کے اچھے تولیوں کا نام ٹرکش ٹاول ہے۔ یہ تین تین تولیوں کا جوڑا ہوتا ہے جو اچھا بکتا ہے۔ تین اسلئے کہ ایک سب سے بڑا غسل کے کمر میں باندھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹا کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ اور اس سے چھوٹا سر پر لپیٹتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے حماموں میں اسقدر تولئے استعمال کرتے ہیں کہ جن دو ایک حماموں میں میں گیا ہوں وہاں تولیوں سے کئی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔ کیونکہ ایک ایک شخص کے غسل پر کئی کئی تولیے استعمال ہوتے ہیں۔ سوت کے علاوہ ریشمی تولئے بھی امرا کے استعمال کے لئے بنتے ہیں۔

جانماز ترکی قالین ایک عالم میں مشہور ہیں اور اتنے بنے نہیں جلتے جتنی

ان کی مانگ یورپ اور ایشیا میں ہے۔ اسلئے یہ ترکی کی بہت بڑی دستکاری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن علاوہ قالین کے نمدہ "جانماز" بھی نماز کے لئے بہت استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بڑی نفیس اور خوشنما چیز ہے۔ ان پر جو خوبصورت ڈیزائنوں اور مختلف رنگوں کے بیل بوٹے رنگین تاگے اور زردوزی سے بنائے جاتے ہیں وہ نہایت دل لبھانے والے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کیوں ان جانمازوں کی ہندوستان میں تجارت نہیں ہوئی۔ کوئی شخص جو نگاہ بیگانہ نماز پڑھتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسا جانماز دیکھکر ضرور خریدنے کی خواہش کریگا۔ اور اسی طرح اور کئی چیزیں جیسے تحائف میں ذکر کی ہیں ہندوستان میں بہت پسند کئے جانے کے لائق ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ترکوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنا مال بھیجنے کی کوشش کریں کیونکہ ان یہاں اچھے جو مال تیار ہوتے ہیں وہ تعداد زیادہ نہیں ہوتا ہوگا۔ چونکہ نہ کے اور نہ ہندوستان کے مسلمان ہی ایسے انٹرپرائزنگ ہیں کہ ترکی اشیا کی تجارت شروع کریں۔

طلائی کام کے جزدان اور لحاف کے ابرے

عمدہ قرآن شریف پر چڑھنے کے جزدان پر زردوزی کا کام کیا جاتا ہے وہ بھی قابل ذکر ہے۔ سبز مخمل پر بہت عمدہ کاڑھے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کو جب ترک بسم اللہ شروع کرتے ہیں تو انہیں جب جزدان میں قاعدہ رکھکر دیا جاتا ہے۔ اسلئے بہت خوبصورت ڈیزائن سے جزدان کے ہوتے ہیں۔ اور تاکہ عمر بھر بھی استعمال کر سکیں۔ جزدان چھوٹے کام کے ہوتے ہیں لیکن لحاف کے ابرے بڑے دلکش ہوتے ہیں۔ جیسے میزبان نے جو لحاف مجھے استعمال کو دیا تھا اسکی نسبت میری ڈائری میں درج ہے۔

اوڑھنے کو جو لحاف دیا اسکا ابرہ ریشمی تھا اور سیر بڑی نفاست کا طلائی کام کیا ہوا تھا۔ جو ترکی سے مخصوص ہے۔ اسکی قیمت ساڑھے تین پونڈ بتلائی گئی ہندوستانی ایسے گران کپڑے نہیں استعمال کر سکتے۔ نہ کشیدہ کی صنعت کا یہاں

بڑا رواج ہے۔ عام سفید رومالوں کے چاروں کناروں پر بھی ریشم اور طلا سے
چھوٹے چھوٹے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے رومال بازاروں میں بکتے ہیں

تسبیحات یہاں تسبیح کے استعمال کا بڑا رواج ہو رہا ہے۔ مرد بوڑھے جوان مسلمان عیسائی
اور یہودی غرض سب تسبیح [illegible] استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ بازاروں میں
[illegible] میں ملک کے پھرتے [illegible] تسبیح [illegible] بازار میں [illegible] ضرور
[illegible] بیٹھا [illegible] غرض تسبیح ہاتھ میں کیا شخص کے
[illegible] ہاتھ میں [illegible] تسبیح کرتے والوں کو [illegible] جاتا تھا
[illegible] لوگ [illegible] تسبیح [illegible] زیادہ [illegible] تسبیح [illegible] خیالی۔
یہاں [illegible] تسبیح [illegible] [illegible] پیسہ سے
[illegible] ایک [illegible] کیونکہ بڑے بڑے امراء اور پاشا لوگ بڑی قیمت
کی تسبیحیں خریدتے [illegible] تسبیحوں کی بڑی تجارت ہے۔ اور
[illegible] بہت سی دوکانیں تسبیح
فروشوں کی [illegible] ایک مجیدی [illegible] تسبیح [illegible] اور دس بارہ مجیدی کی ایک
[illegible] شامی [illegible] لوگوں کو دیکھا تھا
[illegible] داموں کی
[illegible] نہیں پھر
ہندوستان سے آتے ہیں۔

فوٹوگرافی قطعات یہاں [illegible] کا [illegible] بڑے بڑے خط
[illegible] خوشخط [illegible] آیات اور سورتوں کے فوٹوگراف
دیواروں پر آویزاں کئے جاتے [illegible] خوشخطی کی بڑی قدر
ہے۔ اور خطاط [illegible] سے [illegible] لاہور میں [illegible] دو
بیسے یہاں موجود تھے۔ جب [illegible] انہیں چند نسخے ان فوٹوگرافی قطعات
کے دکھلائے تو وہ کہنے لگے کہ [illegible] میری [illegible] گراں ہیں

مجھے کوئی قطعہ دیدو۔ لاہور میں ایک صاحب نے انگلستان سے ان تمغوں کی نقلیں بھی چھپوا کر منگوائی ہیں۔ مگر نقل کو اصل سے کچھ نسبت نہیں۔ اسی طرح اگر ہندوستان میں یہ دو ہرے ترکی بوٹ بھی کوئی صاحب ٹرکی سے منگوائیں یا یہیں ان کی عمدہ نقلیں بنوائیں تو یقین ہے کہ فائدہ اٹھائیں کیونکہ مسلمان ایسے بوٹ شوق سے خرید لیں گے؟ موسم سرما میں ان سے وضو اور نماز کا بڑا آرام رہتا ہے۔

ایک ہندو زباندان ایک روز شیخ ولی محمد صاحب ایک ہندوستانی مسٹر تلجا رام کو میرے مکان پر لے آئے۔ یہ صاحب سورت کیطرف کے رہنے والے برہمن ہیں۔ اور آٹھ دس سال سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں سے ملکر کھانے پینے میں انہیں کچھ پرہیز نہیں کیونکہ ایسی پرہیز سے یہاں گذارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کئی زبانیں جانتے ہیں۔ جو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اور بڑے زندہ دل آدمی ہیں۔ حال میں ایک انگریز عورت سے شادی بھی کی تھی۔

ایک ہندوستانی نوکر ایک روز اخبار معلومات کے ایڈیٹر خالد ایوب صاحب کو ملا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آج ہی ایک ہندوستانی لڑکا دربانی کی خدمت پر ملازم رکھا ہے۔ لڑکے سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنارس کا رہنے والا ہے۔ اپنے کئی سال بغداد میں رہ کر کچھ عربی اور ترکی بولنا سیکھ لیا تھا۔ اور اب پانچ مجیدی ماہوار اور روٹی پر یہاں نوکر ہوا ہے۔ ہر چند کہ ٹرکی یورپ میں سب سے غریب ملک ہے تاہم یہاں کی معاشرت اور تنخواہوں کا معیار ہندوستان سے بہت اعلیٰ ہے۔

ایک ہزار روپیہ کے نقصان سے خدا نے بچا لیا مجھے قسطنطنیہ میں پہنچے چند روز ہوئے تھے کہ لاہور کے خط سے معلوم ہوا۔ جب میں لندن سے پیرس کو واپس آیا اور دو تین روز ٹھہر کر قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ تو اس روز یعنی ۱۵ اگست کو پیرس کے کسی بدمعاش نے مجھے ہزار روپیہ کا نقصان پہنچانا چاہا۔ میں ۱۵ اگست

لہ ایک کیا سینکڑوں ہندوستانی خصوصاً مسلمان تجارت سے یہاں عزت کی روٹی کما سکتے ہیں

کو ایک بجے کی گاڑی میں پیرس سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ اور اسی روز اس کمبخت نے جو نہ صرف میرے پتہ سے واقف تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لاہور میں ہمارے مکان کے پتہ سے بھی واقف تھا۔ اس مطلب کا ایک تار میرے بھائی کے نام میری طرف سے روانہ کیا۔ کہ میرا کل روپیہ اتفاقیہ ضائع ہو گیا۔ مجھے ایک ہزار روپیہ بنک بنگال کی معرفت فلاں فلاں پتہ سے پیرس میں بھیجو۔ یہ فلاں فلاں پتہ بھی بہت لمبا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب الیہ کا پتہ بہت بے ڈھنگا اور اس پتہ کے خلاف ہے۔ جو میں نے ایک پہلے تار میں لکھا تھا۔ یعنی "پیسہ لاہور"۔ ہندوستان کے محکمہ تار میں پیسہ اخبار کا یہ پتہ رجسٹر ہوا ہوا ہے۔ اس لئے اس پتہ کا تار ہمارے دفتر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک پہلے خط میں لنڈن سے گھر کو اطلاع دے چکا تھا کہ مجھے پیرس سے کچھ روپیہ مل گیا ہے۔ اس لئے میں اور روپیہ ہندوستان سے نہیں منگاؤں گا۔ ان سب قرائن سے میرے بھائی کو کافی شک پیدا کر دیا کہ یہ تار جعلی ہے۔ بھیجنے والے کے اس پر ۸۰ روپے کے قریب خرچ ہوئے ہوں گے۔ اور اس کے لئے یہی سزا کافی ہے۔ شکر ہے کہ مولائے متعال نے ہمیں ایک ہزار روپے کے نقصان سے بچا لیا۔ جب یہ کیفیت مجھے قسطنطنیہ میں معلوم ہوئی۔ تو مجھے خیال آیا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی۔ جو اتنے دور دراز سفر پر آنے سے پہلے کوئی رموز الفاظ تار کے لئے مقرر نہ کر دیئے۔ جو صرف مجھے اور میرے گھر میں معلوم ہوتے۔ اور مختصر اسی لفظ کے لکھنے سے تار معتبر سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک لفظ ایک فقرہ کے مطلب کے لئے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اب لمبے سفر پیش آویں۔ وہ اس تجربہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس شخص نے قریباً چالیس روپے کا ایک دوسرا تار بھی روپیہ کے تقاضا میں بھیجا تھا۔ اور تیسری مرتبہ کوشش یہ کی کہ بمبئی سے میرے ہندوستان پہنچنے کے قریب زمانہ میں ولایتی ڈاک کا جہاز پہنچنے کے روز اس مطلب کا اور تار دیا تھا۔ کہ میں کسی سے کرایہ جہاز کا روپیہ قرض لیکر بمبئی پہنچ گیا ہوں۔ مجھے فوراً فلاں ہوٹل کے پتہ پر روپیہ بھیج دو۔ مگر چونکہ میرے

گھر والوں کو یقین تھا کہ پیرس اور بمبئی وغیرہ جگہ مجھے مانگنے سے روپیہ مل سکتا تھا انہوں نے اس موذی کو روپیہ بھیج دیا۔ اس طرح خدا کی مہربانی اور میرے بھائی کی دوراندیشی سے ہم اس نقصان سے بچ گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دغا باز شامی کا کام تھا جو لبنان میں مجھے ملا تھا اور سوقت پیرس میں مقیم تھا۔ اور مجھے ریل پر سوار کرنے گیا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکی بمبئی میں بھی ایجنسی ہوگی۔ جو پتا اس شخص نے مجھے اپنے دمشق سے لکھا دیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ ہم [illegible] وہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مسلمان بھی نہیں ہے بلکہ ایک یہودی ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کے [illegible] روزانہ اخبارات میں اس دغا باز کی چالاکی کا قصہ چھپوا دیا۔

قسطنطنیہ سے بیروت تک

از برکت سیر [illegible] شود — [illegible] شود
پاکیزہ [illegible] آب [illegible] — [illegible] [illegible]

روانگی کی تیاری

جب میں نے قسطنطنیہ سے [illegible] کا قصد کیا [illegible] احباب سے رخصت ہو لیا جن سب احباب نے یہاں [illegible] مجھ پر بڑی مہربانی کر رکھی تھی۔ بہت [illegible] سے مجھے ان سے رخصت ہونے کے بعد [illegible] جہاز [illegible] چونگی میں کتابوں کا معاینہ کرانا۔ جہاز پر [illegible] اور [illegible] کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں خریدنا تھا کیونکہ سید عبد [illegible] آفندی نے مجھے صلاح دی تھی کہ میں بجائے جہاز کا اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کے سوم درجہ یعنی عرشہ جہاز کا ٹکٹ خریدوں کیونکہ گرمی کے

عرشہ جہاز کا ٹکٹ

موسم میں جہاز کے کمرہ میں مجھے تکلیف ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گرمی ہو
یا سردی یہاں کا عام رواج سفر جہاز کا یہی ہے۔ کہ لوگ صحن جہاز پر سفر کرتے
ہیں۔ سوائے امرا یا یورپین یا یورپین فیشن تو ملحوظ رکھنے والے لوگوں کے صحن
پر عورتیں مرد سب یکجا رہتے ہیں۔ مسلمان عورتیں البتہ پردہ کر لیتی ہیں یا برقعہ
پہنے رہتی ہیں۔ اب سب حال دیکھ کر میں نے سوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کر لیا۔ اور
ایک سو دس غرش کو بیروت تک کا ٹکٹ لیا۔ میں نے یہ ٹکٹ آسٹرین لائیڈ
کمپنی کے شہر کے دفتر سے خریدا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ سو غروش کو ٹکٹ ملیگا
لیکن میرے ساتھ خود بخود ایک عیسائی دلال جا کھڑا ہوا۔ اور مجھے ٹکٹ
کی قیمت ایک سو دس غروش دینی پڑے۔ مگر ٹکٹ دینے والے کلرک نے
کہہ دیا تھا۔ کہ اگر میں جہاز پر سے ٹکٹ خریدونگا۔ تو مجھے سو غروش کو ملیگا۔ مگر میں
نا تجربہ کاری کی وجہ سے وہیں ایک سو دس غروش دیتے [illegible] سمجھے۔ پیچھے
جہاز پر جا کر معلوم ہوا کہ دلال نے سو غروش کو ٹکٹ دلایا تھا۔ گویا پانچ دس
غروش دلال کے پاس جا کر [illegible] دے گئے تھے۔ اب چونکہ مجھے جہاز پر سفر

سامان سفر

کرنے کی تیاری تھی۔ اسلئے بازار سے ایک گدیلا اور ایک تکیہ
بستر کے لئے خریدا۔ ایک بڑی شیشہ کی [illegible] پانی [illegible] کہ جس میں پندرہ
[illegible]
[illegible] بڑی بوتلوں کے
[illegible] رکھنے کی
ٹوکری اور کچھ [illegible] ایک چھری کانٹا اور
کچھ خشک گوشت خرید کر ایک [illegible] رکھ لیا۔ جیسا کہ یہاں کے لوگ سفر جہاز
کے لئے کھانے پینے اور [illegible] ساتھ لے جاتے ہیں۔

[illegible] کتب

[illegible] ترکی [illegible] ایک ترکی کتابیں خود خریدی
تھیں۔ اور بہت سی ترکی کتابیں یہاں کے مصنفین وغیرہ احباب نے مجھے
تحفۃً دی تھیں۔ انکے علاوہ قسطنطنیہ کے تحائف کا بھی کچھ ذخیرہ خریدا ہوا تھا

سامان کا بکس بہت بھاری ہو گیا، اسلئے مینے مناسب سمجھا کہ اسے سیدھا ہندوستان کو بک کرا دوں۔ آسٹرین لائیڈ۔ فرنچ رشین وغیرہ کمپنیوں کے دفاتر سے دریافت کیا۔ روسی کمپنی نے پورٹ سعید تک اسباب پہنچانیکا وعدہ کیا۔ مگر آسٹرین اور مسیجریز میری ٹیم سیدھا ہندوستان تک لیجا سکتی تہیں۔ لیکن بکس بک کرانے سے پہلے اسکا کسٹم (چونگی) میں سے گذارنا مشکل تھا کیونکہ مجھے ایک شخص نے ڈرا دیا تہا کہ اگر تمہاری بعض کتب ہیں معائنہ کرنے والے افسر نے روک لیں تو وہ ضائع ہو جائینگی۔ اسوجہ سے مجھے بڑی پریشانی تھی چنانچہ مینے اپنی ڈائری اور بعض دیگر کاغذات بذریعہ ڈاک رجسٹری کراکر ہندوستان کو بھیجدیئے تہے۔ باوجودیکہ بعض کتب پر رخصت معارف درج ہوتا ہے یعنی سررشتہ تعلیم کی اجازت لیکر چہاپی جاتی ہیں۔ مگر یا تو وہ قدیم زمانہ کی چہپی ہوئی ہیں۔ کہ اسکے بعد محتسب کی پالیسی بدل گئی ہوتی ہے۔ یا بعض کتابوں پر جعلی طور پر اجازت معارف چہاپ دیا گیا ہے۔ بہرحال بعض کتابیں افسر معائنہ روک سکتا ہے۔ مینے اس کام کے لئے ایک افسر کی سفارش بہم پہنچائی۔ اور اس طرح سوائے ایک آسٹریا کی کتاب کے کہ جسمیں سلطان المعظم کی تصویر تھی باقی سب کتابیں بے عیب سمجھی گئیں۔ اور مجھے بک کرانے کی اجازت دیگئی۔

پول تذکرہ پاسپورٹ کی۔ جسے یہاں پول تذکرہ یا مرور تذکرہ کہا جاتا ہے ہر مسافر کو ضرورت ہے۔ خواہ وہ ترکی رعایا ہو یا اجنبی۔ مینے آنے کے لئے لنڈن کے فارن آفس سے دو شلنگ دیکر جو پاسپورٹ لیا تھا۔ اور پیرس میں عثمانی کونسل سے پانچ فرانک دیکر اسکی تصدیق کرالی تھی۔ عثمانی حدود میں داخل ہوئے پر قسطنطنیہ آنے تک اسے دو تین مرتبہ پولیس کی کتابوں میں درج کیا گیا۔ یہاں جس ہوٹل میں میں ٹھہرا۔ ہوٹل والا نوکر مجھ سے پاسپورٹ لیکر پولیس میں درج کرانے گیا تہا۔ اس انتظام سے قسطنطنیہ کی پولیس کو تمام

کو معلوم ہو جاتا ہے کہ شہر میں اجنبی کتنے ہیں اور کہاں کہاں مقیم ہیں۔ ہندوستان کی سراؤں میں بھی رات کو پولیس والے آکر اسی طرح اسم نویسی کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے بیروت کو روانہ ہونے سے پہلے میں انگریزی کونسلیٹ میں گیا۔ جہاں ۱۲ غروش لینے کے بعد انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا۔ جو عثمانی پولیس کے ایک دفتر میں لیجانے پر اور ۲۰ غروش دینے کے بعد مجھے ایک ٹرکی زبان کا پول تذکرہ ملا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ترکی پولیس پایۂ تخت کے باہر کسی غیر زبان کے پاسپورٹ کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر ترکی زبان کا اور یہ ترکی زبان کا پاسپورٹ تین روپیہ اور ایک روز کی تگ و دو اور شاید دو ایک روپیہ گاڑی کا کرایہ خرچ کرنے کے بعد ملتا ہے۔ اگر میں قسطنطنیہ سے سیدھا ہندوستان کو آنا چاہتا تو انگریزی کانسلیٹ سے بلا کچھ فیس لینے کے مجھے دستخط کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ میں راستہ میں دمشق اور بیت المقدس وغیرہ مقامات ترکی قلمرو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے مجھے یہ پول تذکرہ لینا ضروری تھا۔ اس پاسپورٹ سے مسلح ہو کر جب میں مع اسباب بندرگاہ میں آیا تو کشتی پر سوار ہو کر ایک دوسرے پولیس کے دفتر میں گیا۔ کہ میں فلاں جہاز پر روانہ ہوتا ہوں۔ وہاں پاسپورٹ درج کرنے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ملی۔ مگر میرے ہمراہی نے جہاز تک مجھے الوداع کہنے کے لئے جانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اسے اجازت نہ ملی۔ جہاز سے دو چار قدم ادھر ایک کشتی میں ایک ترکی پولیس افسر بیٹھا ہوا ملا۔ یہ ہر شخص کا تذکرہ مزید احتیاط کے لئے پھر دیکھتا ہے اور اسے جہاز میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن جسکے پاس تذکرہ نہ ہو وہ جہاز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہازی قریباً سب غیر ممالک کی رعایا کے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص جہاز میں بلا تذکرہ لئے پہنچ جائے تو جہاز والے اگر چاہیں تو اس کو ترکی افسر کے سپرد نہ کریں۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت تک جتنے بندروں (ڈس

سمرنا۔ مرسین۔ اسکندرونہ۔ طرابلس۔ بیروت وغیرہ میں میں جہاز سے اُتر کر شہر میں گیا ہوں۔ ہر جگہ پولیس نے کشتی سے نکلتے ہی تنگ کرنا لیا۔ اور جہاز کو واپس جانے کے وقت دیتے ہے۔ کشتی بانوں کی مجال نہیں کہ بلا سواری کا تذکرہ دکھلائے اُسے جہاز تک لے جائیں۔ اسلئے ٹرکی اور روس وغیرہ ممالک میں تذکروں کا ایک بہت بڑا محکمہ ہے۔ اور یہاں کے لوگ جو ناواقف ہوتے ہیں وہ ان کو بار بار دکھلانے کی پرواہ نہیں کرتے۔

جہاز کی سواری
[illegible] اکتوبر [illegible]

جب میں جہاز پر پہنچا۔ تو مجھے تو کشتی والوں اور [illegible] کی زیادہ ستائی سے میں وقت ہو رہا تھا۔ اور مجھے تھرڈ جہاز پر کہ جسے ڈیک گورتہ کہتے ہیں سفر کرنے میں بھی کچھ تکلیف نظر آنے لگی۔ مجھے بعض قلیوں نے صلاح دی کہ جہاز کی ایک کوٹھڑی چھ پونڈ کرایہ پر لے لوں تجارتی جہازوں کے چھوٹے افسروں سے اتنی رعایت معمولی ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی [illegible] سکیں۔ جب تو آپ ایسے افسر سے جنے کوٹھڑی کا سودا کر لیا [illegible] کے سوا چار پونڈ تھا۔ سمرنا سے [illegible] جہاز کا کرایہ [illegible] تھا۔ مجھے دو پونڈ اور [illegible] ادا کرنے پڑے۔ اور میں نے [illegible] کوٹھڑی دیکھی [illegible] زیادہ [illegible] تھا۔ تھوڑی دیر میں سید عبداللہ صاحب معہ ایک دوست کے جہاز پر آپہنچے اور میرے لئے دمشق کیواسطے جناب سید ابوالہدی صاحب سے دو خط سفارش کے بھی لیتے آئے اور کہا کہ اچھا ہوا مجھے اسوقت [illegible] سے نہیں آنے دیا تھا۔ یہ خطوط نہ ملتے۔ مگر میں اگرچہ جہاز پر دو پونڈ زاید خرچ کرنا ناپسند کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ حضرت رخصت ہوگئے۔ اور [illegible] جہت سے مسافر جہاز پر آگئے۔ جنمیں بعض ترکی اور حبشی اور یہودی لیڈیاں بھی تھیں۔ مگر عورتیں مرد سب گورتہ و تختہ جہاز کے ہی مسافر تھے۔ غروب آفتاب کے وقت

جہاز روانہ ہوا۔ میں جہاز کے بلند ترین حصہ پر چڑھ کر قسطنطنیہ کو اتنی دیر تک دیکھتا رہا جبتک کہ وہ نظر سے غائب نہ ہوگیا۔ اسوقت کا نظارہ نہایت دلکش تھا۔ قسطنطنیہ کسی قدر فاصلہ سے اور بھی دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت تیرہویں کا چاند نکل آیا جسنے سمندر کو اپنے نور سے روشن کردیا۔ مگر ہوا دم بدم تیز ہونے لگی۔ میں اپنے کمرہ میں آیا تو برقی روشنی اور آرام کا بستر پایا۔ اور دو پونڈ جو زیادہ خرچ کئے تھے بھر پائے۔ کیونکہ باہر لوگ سردی سے سکڑے جاتے تھے۔ حالانکہ سبکے پاس کپڑے مجھسے زیادہ تھے۔

ڈارڈانلز و مٹیلین
۵۔ اکتوبر

آدھی رات کو جہاز [illegible] میں پہنچا۔ جو ایک خوبصورت قصبہ میں واقع ہے۔ مگر اس کا حال زیادہ نہیں تھا۔ اسلئے چلکر چناق قلعہ میں پہنچے جسے [illegible] کہتے ہیں۔ یہاں دور تک سمندر ایک دریا کی طرح تنگ ہوگیا [illegible] دونوں طرف مضبوط ہیں اور قلعے بنے ہوئے ہیں۔ کہ جنکی توپیں [illegible] جہاز میں بیٹھے بیٹھے شمار کرسکتا تھا۔ یہی وہ مضبوط قلعے ہیں کہ جنمیں سے کسی سلطنت کا جنگی جہاز بلا اجازت سلطانی [illegible] نہیں [illegible]۔ اور ان قلعوں کو [illegible] کے [illegible] اسقدر مضبوط کردیا گیا ہے۔ کسی جنگی [illegible] کرسکنا محال سمجھا جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان [illegible] نے [illegible] تھا۔ پھر کوپرلی محمد پاشا نے [illegible] قلعہ بحر [illegible] جو قلعوں کو نہایت مضبوط ہے۔ وقت قلعہ سلطانی کو اور مضبوط کردیا تھا۔ اور جو گیریژن یہاں رکھا گیا تھا۔ اب اسی سے بڑھتے بڑھتے ایک خاصا قصبہ گیارہ ہزار کی آبادی کا بن گیا ہے۔ جسمیں گیارہ مسجدیں اور چار کلیسا [illegible] اور [illegible] خانے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہاں یونانی [illegible] اور یہودی بھی آباد ہیں۔ یہاں سے جہاز روانہ ہوکر شام کو جزیرہ مٹیلین تک پہنچ گیا۔ یہ وہی مقام ہے

سمرنا کے دفاع چونگی پر میرے آنے کے بعد فرانسیسی بیڑہ نے بالجبر کسی مطالبہ کی بنا پر قبضہ کر لیا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا ہے۔ اسلئے اہل جہاز تو وہاں نہ گئے۔ مگر وہاں کے سودا فروش جہاز پر آ گئے۔ اور ان سے انار، سفرجل اور سیب سب ۳۰ پارہ (چھ پیسہ) نصف اوک کے حساب سے لوگوں نے خریدے۔ یہاں سے بھی تھوڑا ہی مال تجارت اتارنا اور چڑھانا تھا۔ اسلئے جہاز شام سے پہلے روانہ ہو گیا۔ چونکہ ہوا تیز تھی اسلئے بوجہ تلاطم جی متلاتا رہا۔ صبح کو جہاز طلوع کے قریب بندر سمرنا میں پہنچ گیا۔

سمرنا ۱۰ اکتوبر یہ تجارتی جہاز تھا۔ کہ جس پر میں سوار ہوا تھا۔ اسلئے راستہ میں قریباً ہر بندر پر ٹھہرتا اور وہاں چڑھاتا و اتارتا جاتا تھا۔ عموماً دن بھر مال اترتا اور چڑھاتا اور سہ پہر یا شام کو روانہ ہو جاتا۔ ایسے طور پر کہ اگلی صبح دوسرے بندر پر جا ٹھہرتا۔ اس طرح سے مسافروں کو دن بھر بندرگاہ کے شہر یا قصبہ کے سیر کرنے کا موقعہ مل جاتا۔ اور میرے لئے خصوصیت سے یہ بہت اچھی بات تھی۔ کیونکہ میں نے اس تمام ساحل کے قصبات اچھی طرح دیکھ لئے۔ اور گو یہاں کی معاشرت اور تمدن تو ایک آدھ دن میں کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہری شکل و صورت سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ سمرنا کہ جسے ترک ازمیر کہتے ہیں دنیا کے نہایت پرانے شہروں میں سے ہے۔ ان چند شہروں پر مشہور یونانی شاعر ہومر کے مولد ہونے کا خیال ہے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ جب پہلے [illegible] میں یہ شہر اسلامی قبضہ میں داخل ہوا۔ جبکہ ایک سلجوقی امیر نے اسے فتح کر لیا تھا۔ لیکن جلدی ہی یونانی قیصر نے چھڑا لیا۔ پھر [illegible] میں امرائے سلجوقی میں سے آیدین اوغلی نے اسے قبضہ کر لیا۔ اور [illegible] میں آشتی کے ساتھ سلطان بایزید یلدرم کے سپرد کر دیا۔ اسکے بعد تیمور نے اس شہر کو غارت کیا۔ بہرحال تفرقے

عثمانی کے نہایت آباد شہروں اور تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہے۔ اور ایشیائے کوچک کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ ایک طرف تو سمندر کی جانب سے دخانی اور بادبانی جہازوں سے اور دوسری جانب خشکی میں ریل سے اسکا تعلق تمام دنیا کی تجارت سے ہے۔ اسلئے سالانہ اوسط تجارت برآمد ۱۲ ملین پونڈ اور درآمد ۳ ملین پونڈ کی رہتی ہے۔ سوائے قالینوں کے جو دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہاں سوتی اونی اور ریشمی کپڑے۔ اور چینی برتن بھی بنتے ہیں اور یہاں سے سوائے قالینوں کے انجیر، تمباکو اور سفید جیرہ ملک کو جاتا ہے۔ آبادی دو لاکھ کے قریب ہے جس میں سے نصف مسلمان اور باقی عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان میں قریب دو تین ہزار کے اہل یورپ بھی ہیں۔ کہ جن کے ہاتھ میں تجارت کا بڑا حصہ ہے۔

نیا اور پرانا سمرنا

قدیم شہر کی گلیاں اور کوچے بہت تنگ ہیں۔ اور مکانوں کے بڑھاؤ اتنے جھکے ہوئے ہیں۔ کہ اگر کھڑکی روزنوں میں سے راستہ مل سکے تو دونوں طرف کے مکانات کے رہنے والے اسی راستہ سے ایکدوسرے کے گھر میں آجا سکیں۔ ان بازاروں کے فرش ان گھڑے پتھروں کے ہیں مگر جو بازار کنارہ بحر عیسائی آبادی کے مکانوں اور دکانوں میں سے گذرتے ہیں ان کے فرش صاف پتھر کے ہیں۔ جہاز پر سے شہر کا نظارہ نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ جو ایک ہلال کی صورت میں پانی کے کنارے کنارے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ایسے طور پر کہ نیچے سے پہاڑی کی چوٹی تک آبادی چلی گئی ہے۔ کہ جسکے اوپر ایک قدیم ویران قلعہ ہے۔ دریا کے کنارہ پر بہت دور تک عالیشان مکانات دکانات ریسٹورنٹوں اور قہوہ خانوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ کہ جسکے درمیان ایک باغیچہ عمومی (پبلک گارڈن) بھی ہے عیسائی آبادی کے مکانات نہایت عالیشان اور خوشنما ہیں۔ یعنی بازاروں کے مکانات ہم شکل ہیں۔ عموماً ان مکانات کے بڑے دروازہ کے اندر ایک

صحن نظر آتا ہے کہ جسکی دیواریں اور فرش سنگ مرمر کے ہوتے ہیں۔ فرنگی بازار کی دوکانیں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کی دوکانوں سے بھی سربرآوردہ معلوم ہوتی ہیں۔ جس روز میں یہاں پہنچا تو بحیرہ روم کا انگریزی بیڑہ جہازات بھی یہیں لنگر انداز تھا۔ شاید کہ یہ اکثر یہاں آیا کرتا ہو کیونکہ کنارہ بحر کے کئی قہوہ خانوں اور بیئر کی دوکانوں کے نام "جان بل" "لارڈ رابرٹس" اور "برٹش کراؤن" وغیرہ انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ اور انگریزی ملاح جا بجا پھر رہے تھے۔ کئی جگہ انگریزی میں نوٹس لیونڈ آویزاں تھے۔ انگریزی ڈاک خانہ کے قریب ایک ترک فوجی افسر نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنی شروع کی۔

اونٹوں کی قطار گلیوں میں سے

جہاں ایک طرف تو شہر کے تنگ و بارونق بازاروں میں سے کہ جنمیں بعض مسقف بھی ہیں، لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں بلا تکلف گذرتی رہتی ہیں۔ دوسری طرف گودی کے قریب سے بندر تک ٹریموے کی لائن بھی جاری ہے۔ اندرون ملک سے بہت سا مال تجارت اونٹوں کے ذریعہ آتا ہے۔ جو خصوصیت سے مضبوط و لمبے بالوں والے ہوتے ہیں۔ پندرہ بیس بیس اونٹوں کی ایک قطار کی مہار ایک گدھے کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ جس پر کہ رہنما سوار ہوتا ہے۔ زبان یہاں کی ترکی ہے۔ لیکن یونانی بھی بکثرت بولی جاتی ہے۔ کیونکہ چالیس ہزار یونانی ہوتے ہیں۔ یہاں کئی ایک بڑی تجارتی عمارات بھی ہیں کہ جنمیں سے خان [illegible] بڑی سرائے ہے۔ جا بجا جامع اور کئی عمدہ مسجدیں اور مدرسے [illegible] سے اور [illegible] بھی ہوتے ہیں۔ [illegible] کے مسلمانوں کے [illegible] سے [illegible] ہیں۔ علاوہ اس ولایت کے سرکاری گزٹ کے کئی ایک دیگر اخبارات شائع ہوتے ہیں اور دو اسٹامبول ہیں۔ ایک سو سے [illegible] ہسپتال عدالتیں غریب خانے

ایک مدرسہ حرفت غرض سب ضروری سامان تمدن موجود ہیں۔

ہر چند کہ سمرنا قسطنطنیہ سے صرف (۳۰۴) کیلو میٹر (قریباً سوا دو سو میل) دور ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کے گھسے ہوئے قروش اور ترک کے سکے رد کا نذار قبول نہیں کرتے تھے۔ صرف نئے سکے ہی لیتے تھے۔ جو سکہ قسطنطنیہ میں گھسے ہوئے سکہ کی ذرا پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور سرے سے مجیدی کی بجائے ۲۰ کے ۱۸ قروش دیتے ہیں۔ جہاز کے رفیقوں کے ساتھ دن بھر شہر میں گھوم کر اور کھانا کھا کر شام کو جہاز میں چلے آئے۔ یہاں کے میوجات بہت عمدہ ہیں۔ خصوصاً [illegible]

جہاز کے مسافر قسطنطنیہ سے جس قدر مسافر سوار ہوئے تھے ان میں ایک حاجی سید عبدالغفار ولایت موصل کے سنجاق کرکوک کے نقیب الاشراف اور قائم مقام بھی تھے۔ جو بحکم سلطانی پندرہ ماہ سے استنبول میں نظر بند تھے۔ کیونکہ ان سے نقض امن کا اندیشہ تھا۔ مگر اب انہیں وطن جانے کی اجازت مل گئی۔ سید اپنی سبز عمامہ، نشان شرافت اور اپنی دینداری پر حجت نازاں تھے۔ ایک ترک جوان نبی افندی [illegible] کے دیوان عمومی کے ہاتھ [illegible] سیلان کے ارادت [illegible] تحصیل حق [illegible] آپ کی مادری زبان [illegible] [illegible] سال تھی۔ فرانسیسی [illegible] کے حرفتی مدرسہ میں داخل [illegible] بچوں کو [illegible] اس مدرسہ کے بعد [illegible] لئے فوری فیصلے [illegible] لنگر سے تخت [illegible] اور چونکہ تخت جہاز [illegible] سے فرانسیسی [illegible] ۔ [illegible] مجھے بہت دلچسپی تھی۔ ایک [illegible] پاس بیٹھا تھا۔ [illegible] نقیب [illegible] صاحب بھی [illegible] ہم کیوں نہ سے پاس

پاس بیٹھا ہے۔ بغداد میں اگر کوئی ایسا کرے تو اسے سخت سزا ملے۔ یہ سنکر کہا کہ شک ہے یہ بغدادی ہیں۔ اتنے میں دوسرا عرب بھی میرے پاس آ بیٹھا۔ یہ موصل کے حاجی صاحب اور بھی بہت چکر لائے۔ مجھے افسوس ہوا کہ باوجود اتنی لمبی نمازیں پڑھنے اور تسبیح پھرانے کے ان کے خیالات کیسے ادنیٰ ہیں۔

جزیرہ روڈس
۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء

کل سے بہت سے مسافر ہمارے ساتھ سوار ہوئے۔ تختہ جہاز اور جہاز کے سامنے چھت (Prow) پر تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ یہ اکثر غریب لوگ ہیں۔ مگر کپڑوں کے لحاظ سے (شاید سرد ملک کی وجہ سے) کیا عورتیں اور کیا مرد ہندوستانیوں سے بہت بہتر حالت میں ہیں۔ بلغاری لوگ عجیب قسم کے پاجامے پہنتے ہیں۔ کہ جنکی میانی میں پانچ چھ گز کا جھول ہوتا ہے۔ اور جو اتنی نیچے تک آتی ہے کہ زمین سے صرف نصف بالشت بلند رہ جاتی ہے۔

شام کو سٹیمر جزیرہ روڈس میں پہنچا۔ یہ بھی جزائر یونان کا ایک نہایت قدیم جزیرہ ایشیائے کوچک کے ساحل کے قریب اپنے بنام بت روڈس کی وجہ سے بہت مشہور ہے جو زمانہ قدیم کی سات عجائبات میں سے شمار ہوتا تھا۔ جبکہ ڈی میٹر اس پولیورکیٹیس نے ۳۰۴ قبل مسیح میں اس جزیرہ کا محاصرہ کرکے چھوڑ دیا تو اہل شہر نے ان جنگی سامانوں کو ڈھال کر یہ عظیم الشان بت بنایا تھا۔ کہ جسکے دونوں ٹانگوں کے نیچے سے اس زمانے کے جہاز گذر سکتے تھے۔ مگر پھر معلوم نہیں وہ بت کہاں گیا۔ مختلف زمانوں میں اس جزیرہ کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ سیزر۔ ٹائبیریس اور سسرو جیسے مشاہیر یہاں آچکے ہیں۔ ترکوں نے پہلے ۱۴۸۰ء اور پھر ۱۵۲۲ء میں یہاں کا محاصرہ کرکے آخری دفعہ اسپر قبضہ کرلیا۔ چونکہ آدھی رات تک ہی جہاز یہاں ٹھہرا تھا۔ اسلئے ہم لوگ شہر کو اتر کر نہ دیکھ سکے۔ مگر شہر کے بہت لوگ کھانے پینے کی چیزیں لیکر جہاز پر فوراً پہنچ گئے تھے۔ ترنج دہی۔ مولیاں۔ دودھ۔ ثمار وغیرہ چیزیں مسافروں نے خریدیں۔ یہاں کی

چیزیں مثل تاس کے ڈبیوں کھڑاؤں اور لاٹھیوں کی ایسی جنس میں کہ جنپر صدف آمود کیا جاتا ہے۔ اِن چیزوں کے بیچنے والے بھی آئے اور لوگوں نے بطور تحائف انہیں خریدا۔

یہودی تجارت اور یہودیوں کی ذلت

بیچنے والے سب یہودی تھے۔ اور جہاز کے مسافر جو زیادہ تر مسلمان تھے۔ بلا تکلف اِن لوگوں کو "یہودی" کہکر بلاتے تھے۔ اور یہ لوگ اس بات کو بُرا نہیں مانتے تھے۔ جب ایک شخص نے یہودی کہتے سُنکر بھی چلا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس خطاب کے عادی ہیں۔ سعودڈس کے ایک مسافر نے مجھے بتایا کہ یہاں کے تمام دولت اور تمام تجارت اور حرفت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہانتک کہ کشتیاں بھی یہودی ہیں۔ اور یہ سب بہت آسودہ ہیں مگر مسلمان ہیں کہ مفلس اور محتاج۔ اُسنے بطور شکایت بیان کیا کہ بطمع یہودی پیسہ کمانے کے لئے ہر قسم کا بُرا یا بھلا کام اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی شرافت انہیں برا کام کرنے نہیں دیتی۔ اسوقت جہاز میں کم و بیش بیس مختلف قوموں کے آدمی سوار ہونگے۔ ۱۱ اکتوبر کی شب کو ۱۰ بجے سے جہاز چلکر ۱۲ کی صبح کو بندر ریسین میں ٹھیرا۔ اور میں سید عبدالغفار صاحب

بندر ریسین

موصلی کے ہمراہ کشتی میں شہر کو گیا۔ کیونکہ جہاز شہر سے بہت دور ٹھیرا تھا۔ ایک اور مسافر جو جہاز میں انکا واقف ہوا تھا۔ اُسنے سید صاحب سے خواہش کی کہ گمرک میں سعی کرکے میرا اسباب معائنہ سے بچوا دینا۔ چنانچہ سید صاحب نے گمرک کے افسر سے کہا کہ "او غلم" اس اسباب کو جانے دو اسمیں کچھ چیز قابل تشخیص نہیں ہے۔ اسنے سرسری ایک دو مرتبہ اس کی گٹھڑیوں اور صندوق میں ہاتھ ڈالکر اسے لیجانے کی اجازت دیدی۔ وہ شخص بندر کے قریب کے ایک ہوٹل میں لیگیا جہاں اُسنے چائے پلائی۔ اور سید صاحب نے مجھسے فخر سے بیان کیا کہ اسکی ایک پونڈ سے زیادہ جو چنگی ہے بچادی ہے اور باوجود تمام زہد و ورع کے یہ نہ سمجھے کہ یہ اچھا کام نہیں کہ قوم سلطنت کا جائز حق نہ

شائع کرا دیا۔ اس ہوٹل میں شکاگو کے ایرد سورٹ کمپنی کا ایک انگریزی اشتہار آویزاں تھا جیسر دو پارہ کا ٹکٹ چسپاں تھا (کیونکہ کوئی غیر ملک کا اشتہار بھی بلا فیس پریس ادا کرنے کے قلمرو عثمانی میں شائع نہیں ہو سکتا) یہاں ایک نان بائی کی دوکان پر کھانا کھایا۔ دوکان صاف ستھری تھی۔ سب لوگ میزوں پر کھا رہے تھے۔ ایک قندہ جی (موچی) بھی سلیقے سے اور کانٹے چھری کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ یہاں گرانی بھی نہیں۔ دو کس کے کھانے کے ۳ قرش دینے لگے۔ دوکانوں پر بہت یورپین سامان بکتا ہے۔ فیشن بھی زیادہ تر یورپین ہے کیونکہ ہر ایک آدمی یہاں ترک ہے۔ لیکن ہر شخص دو زبانیں جانتا ہے۔ میرے رفیق نے ایک حجام کی دوکان پر حجامت کرائی اس دوکان پر تین چار یورپین ترکی ٹوپیاں پہنے بیٹھے تھے۔ [illegible] کاٹنے کی ولایتی قینچیاں اور دو بڑے بڑے شیشے دیواروں سے آویزاں تھے۔ گو یہ دوسری حجامت سستی تھی۔ حجامت ایسی اچھی کی کہ لندن [illegible]

[illegible]

ایک معقول شہر [illegible]

[illegible]

ہے۔ مگر یہاں اسکی بازار [illegible] میں ڈالنا جاتا تھا [illegible] تمول [illegible]۔ البتہ جب ترکی [illegible] سیکر [illegible] تو وہ پوسٹ [illegible]

یہاں ایک [illegible] کی میزوں اور شیشے کے [illegible] ختنوں [illegible] کا ایک ملاقاتی عبداللہ [illegible] الدین [illegible] ملا۔ یہ شخص [illegible] ہندوستان میں رہ آیا ہے بلکہ دہلی میں [illegible] کی ہے۔ [illegible] ادب اور منطق و فلسفہ وغیرہ کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جس طرح کہ یورپین بائبل کی تصاویر میں مٹی کے بت اور پانی کے گھڑے دیکھے جاتے ہیں ایسے

یہاں نظر آنے لگے ہیں۔

شہر ایک پہاڑیوں کے سلسلے کے آگے کنارے پر واقع ہے۔ ایسا پہاڑیوں کا سلسلہ اتنک برابر البتہ تو دیکھتے ساحل پر نظر آ رہا ہے۔ یہ شہر سارا ہے بارہ ہزار کی بستی ولایت آطنہ میں مرکز سنجاق ہے۔ یہاں ایک جامع ایک کنیسہ اور چار کلیسا ہیں۔ تین چار مدرسے اور مکتب ہیں۔ جب سے طرطوس سے آطنہ کو ریلوے لائن تعمیر ہوئی ہے۔ تب سے اس شہر نے بہت ترقی کی ہے اور خاصا بندرگاہ ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہاں سنگترہ لیموں اور انار کے عمدہ باغات ہیں۔

خلط اقوام کے مسافت قسطنطنیہ سے جس قدر آگے دور ہوتے گئے۔ وہ تدریج اترگئے پھر مسلمان ترک وغیرہ اقوام جو سوار ہوئی تھیں وہ بھی اترگئیں۔ اب شام اور عرب کی شہری اور خانہ بدوش اقوام ہماری ہمسفر ہیں چونکہ عموماً سب لوگوں کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے مسلمان اور عیسائی کا متمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دونوں یکساں عربی بولتے ہیں۔ اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ دونوں کے رنگ ترکوں سے میلے ہیں۔

ترک لیڈیاں نہایتی گوری اور خوبصورت ہوتی ہیں کہ یورپ کی عورتوں میں اور ان میں نشان سنہری ہے کہ یہ زیادہ گوری ہوتی ان میں سے بعض بالکل آلا فرنگیانہ فیشن میں رہتی ہیں۔ اور زیادہ تر پردہ میں۔ بیروت اور اسکندرونہ کی عورتیں بھی گھر سے باہر پھرنے کا ویسا ہی سیاہ لباس پہنتی ہیں لیکن ان سے سادہ اور کم قیمت۔

اسکندرونہ ۱۶ اکتوبر صبح آٹھ بجے سٹیمر یہاں پہنچا۔ اور رات کے دس بجے یہاں روانہ ہوا یہاں سے سید عبدالغفار صاحب اور ادر کئی پانچ چار دن کے رفیق بھی روانہ ہو گئے کیونکہ انطاکیہ اور حلب کو یہیں سے راستہ جاتا ہے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ قصبہ میں گیا۔ یہ بندر اور شہر مرسلی سے زیادہ بلند

پہاڑیوں کے زاویہ میں واقع ہے۔ اس سے سمندر کا نظارہ اور بھی دلچسپ ہو گیا
ہے۔ سکندر اعظم نے اپنے نام پر جو شہر تعمیر کئے ہیں یہ بھی انہیں میں سے ہے
مصر کے اسکندریہ سے تمیز کرنے کے لئے اسکا نام الکزینڈریہ مائنر یعنے
کوچک اسکندریہ رکھا گیا تھا۔ مگر اہل یوروپ نے اختصاراً تصغیر کو ملحوظ رکھکر
الگزینڈریٹہ اسکا نام رکھدیا۔ اور ترکوں نے اسکندرون یا اسکندرونہ۔
آبادی سات ہزار ہے۔ سید عبد الغفار صاحب کے چند واقف یہاں نکل آئے
جب انکا اسباب چونگی میں گیا۔ تو ایک شخص نے بڑھکر چونگی کے افسر کے کان
میں کچھ چپکے سے کہدیا اور اسنے اسباب کا معاینہ چھوڑ دیا۔ ہمیں لوگ ایک
مکان میں لے گئے جسکی نچلی منزل میں ایک ابتدائی مدرسہ تھا۔ جب میں مدرسہ

ابتدائی مدرسہ

میں گیا تو استاد لڑکوں کو سبق پڑھا رہا تھا۔ مجھے دیکھکر ایک
لڑکے نے بلند آواز سے کہا "حضرت" تو سب لڑکے جو بنچوں پر بیٹھے تھے
اور ان کے سامنے ڈسک تھے۔ سب کھڑے ہو گئے۔ اور اسی اشارہ
سے میرے واپس جانے پر کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ لڑکوں کے نیچے دوالماریاں
تھیں جنہیں سلیقے کے ساتھ ان کے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں سے
حلب تین روز کا گھوڑے کی سواری کا راستہ ہے اور حلب سے دمشق سات روز
کا عرابہ کا راستہ ہے۔ اسلئے ادھر سے دمشق جانے میں زیادہ دیر لگتی ہے
یہاں بھی سب تجارت دیسی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے مسلمان
نصیری مذہب کے ہیں۔ جو شیعوں کی ایک زیادہ غلو کرنے والی شاخ خیال کی
جاتی ہے۔ یہاں سے زیتون کا اچار اور انار لئے جو بہت عمدہ ہوتے
ہیں۔ اور سید صاحب کے ساتھ جو کھانا کھایا تھا۔ اسمیں بینگن کا دولمہ
چورباجسمیں شوربے کی سوئیاں پڑی تھیں۔ بھولیا اور باجیاں (بھنڈی)
کی ترکاری اور روٹیاں تھیں۔ یہ کھانا استنبول سے بہت ملتا جلتا ہے

لاذقیہ۔ ۱۵۔ اکتوبر

رات بھر چلکر صبح جہاز نے بندر لاذقیہ پر لنگر ڈالا

کہ جسے یورپین لشا کہا کہتے ہیں۔ بحیرہ روم کے ساحل ایشیا کوچک کے دوسرے
کئی مقامات کی طرح یہ بندر بھی بہت قدیم ہے۔ اہل روما کے زمانہ میں بڑی
رونق پر تھا۔ پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد کئی مرتبہ صلیبی لڑائیاں
کرنے والے عیسائیوں نے اسپر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں نے انہیں مار کر بھگایا
اسوقت بارہ تیرہ ہزار کی آبادی ہے جسمیں عیسائی بھی بہت ہیں۔ شہر میں
۱۸ جامع و ۲۹ دیگر مساجد ہیں۔ ۲ کلیسیا ایک عیسوی خانقاہ ایک امدادی
اور ۱۵ ابتدائی مکتب ہیں۔ ۹ خان ۹ حمام اور ۲۳ ہوا اور حیوانوں سے چلنے
والی (دو گرمن) چکیاں ہیں۔ ساحل پر ایک پرانا قلعہ ہے۔ جو اب اسفنج نکالنے
والی کشتیوں کے کام کا ہے۔ گلیاں گو تنگ ہیں لیکن دونوں طرف سے بلند
پتھر کا فرش ہے۔ مگر بیچ سے گہری ڈھلوان ہیں۔ گاڑیاں نہیں چلتیں صرف
خچر اور اونٹ بوجھ لیجاتے ہیں۔ کئی ترک حبشی رئیسیں؛ قہوہ خانوں میں دن بھر
پڑے بیٹھے تاش یا چوسر کے قسم کا ایک کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور بالکل بیکار اور
بیفکر سے معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے دوسرے سرے پر شیخ المغربی کا مزار
ایک بہت بلند مقام پر واقع ہے جسکے ساتھ ایک عمدہ مسجد بھی ہے یہاں
سعیجیے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی۔ کیونکہ یہ جگہ اجابت دعا کے لئے مشہور
ہے۔ مرقد کے اندر جو بہت سے ترکی [illegible] آویزان ہیں ان میں ایک ترکی خاتون کے
ایک نہایت خوشخط قطعہ ریشم سے کاڑھکر درا سیر خشینہ۔ نگو آکر آویزان کیا ہوا ہے
جو کسی یوروپین نمائشگاہ میں انعام پانے کے قابل ہے۔ مزاروں اور مسجدوں
کی حالت سے انکی خوشحالی ظاہر ہے۔ مکان جو سب بھورے رنگ کے
گھڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ انکی چھتیں قالب دار ہیں۔ یہاں میوجات اور
روئی سب چیزیں سستی ہیں۔ یہاں کے انجیر اور زیتون کیسے اعلےٰ ہیں مگر ایک
مشالک کے انجیر تین آدمیوں نے سیر ہوکر کھائیں۔ گیہوں اور دورہ
جوار، اور انجیر اور زیتون کی لکڑی اور یاں بخیر مقامات کو جانے کے لئے گھاٹ پر

تیار پڑی ہیں - یہاں ترقیطے کا دستور نہیں - ایک کباب جی کے یہاں سے گوشت کٹوایا - یہاں قیمہ کرنے کا دستور نہیں بلکہ چھری سے ہی بوٹیوں کو باریک باریک کاٹ دیتے ہیں - کباب روٹی اور دہی سے کھائے - اور ایسے اعلےٰ درجہ کے کھانے کے پانچ آدمیوں کے چار عزوش دینے پڑے - یہاں کی بزازی اور بقالی وغیرہ کی دکانیں ہندوستان کی سی ہی درجہ کی دوکانوں سے زیادہ اچھی ہیں - لباس بھی یہاں بہتر قسم کے کپڑے کا ہے - بولی عام عربی ہے - مگر داڑھی والے ڈاڑھی منڈوں سے یہاں بھی کم ہیں - بعض بازار مسقف بھی ہیں - عورتیں سفید چادر از سرتا پا اوڑھتی ہیں اور منہ پر ذرا سا سفید کپڑا لٹکا لیتی ہیں - ایک خراس میں خچر جتا ہوا دیکھا - جسکے منہ میں ایک رسی باندھ کر بسنے کے ایک لکڑی سے باندھ دی گئی تھی - جو خچر کے آگے لگی رہتی ہے - اور ہر وقت خچر کو کھینچتی رہتی ہے - جس سے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی آگے کھینچ رہا ہے اور برابر چلتی رہتی ہے -

مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ترک فاتح اور حاکم کی حیثیت سے رہتے ہیں - اور عرب بھی عیسائیوں کو اپنے کمتر درجہ کی رعایا سمجھتے ہیں - آج سہ پہر کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا - جبکہ جہاز پر غلہ لد رہا تھا - تو ایک بڈھے عیسائی نے کہ جسکے سر پر ترکی ٹوپی تھی مگر اسکے بھاری سیاہ شلوار کی میانی کا جھول اسکے گھٹنوں سے بھی نیچا لٹک رہا تھا - ایک عرب عورت کو اس طرف سے گذرنے سے ہاتھ سے روکا کہ جدھر وہ غلہ کی بوریاں گن رہا تھا - اسکے لڑکے شوہر عرب یوزباشی (سپاہیوں کا افسر) نے غصہ میں آکر اس عیسائی کو پانچ سات مکے جڑ دیئے - مگر عیسائی بیچارہ مار کھا کر ایک طرف کو ہٹ گیا - پھر بھی عرب کے غصہ کا بخار ابھی نہیں اترا - اور بلند آواز سے لگے گالیاں دیتا رہا - اب یہ عیسائی اسکی زد سے دور ہی پرے سرک گیا - ظاہرا وہ عیسائی اس عورت کو روکنے میں حق بجانب

معلوم ہوتا تھا۔ لیکن مار کھا کر اتنا ہی تو اسنے نہ کیا کہ غصہ ظاہر کرتا یا جسم کی دھمکی دیتا۔

طرابلس شام
۱۴۔ اکتوبر

رات بھر جہاز چلکر صبح طرابلس کے بندر پر ٹھہر گیا۔ چونکہ شمالی افریقہ میں ایک ملک کا نام طرابلس ہے کہ جسے طرابلس غرب کہتے ہیں اسلئے یہ شہر طرابلس شام کے نام سے مشہور ہوا۔ طرابلس اصل لاطینی نام ٹرپی پولیس (تین شہر) ہے۔ قدیم زمانہ میں صور و صیدا اور ارواد تین شہروں کے مہاجرین نے اسے آباد کیا تھا۔ اور ہر ایک جماعت علیحدہ

طرابلس کی وجہ تسمیہ

محلہ رکھ کر فصیل کے اندر رہتی تھی۔ اسلئے رومیوں نے اسکا یہ نام رکھا۔ جیسا رومیوں کے عہد میں یہ شہر بڑا تھا ویسا ہی مسلمانوں کے عہد میں بھی سرسبز و آباد رہا۔ یہاں ایک بڑا کتب خانہ قائم ہوا تھا مگر عیسائیوں نے اسے جلا دیا۔ [illegible] یورپ کا اس شہر سے بڑا تعلق تھا۔ جہاں یہاں سے ریشم اور برتن بہت جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان بیبرس نے اسکا محاصرہ کیا۔ آخر سلطان قلاوون نے فتح کیا۔ قدیم شہر بندر سے قریب تھا۔ مگر اب قریب ایک میل کے دور ہے اور بندر سے بذریعہ ٹریم کے ملحق ہے۔ بندرگاہ پر بھی ایک بارونق آبادی ہے کہ جسمیں کئی بازار ہیں جنمیں ایک کالبد سے متعلق ہے۔ بیروت سے ۵۳ کیلومیٹر شمال مشرق کو نہر ابو علی دامن لبنان میں واقع ہے۔ آبادی ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔ صلیبی زمانہ کا ایک عیسائی قلعہ۔ ۱۰ جامع۔ ۳۰ مدرسے و کتب خانے۔ ۵ انجمنیں ایک اعدادی اور ۲۰ دیگر مکاتب۔ بارہ کلیسا اور عیسوی خانقاہیں اور بارونق بازار تجارت موجود ہیں۔ کئی ریشم کے کارخانے ہیں جنمیں کئی قسم کا ریشم بنتا ہے۔ صابون اور دباغت اور کشیدہ عطر کے کارخانے ہیں۔ پرتقال اور سنگترے کے باغات بہت ہیں۔ اور سمندر سے اسفنج کا شکار کیا جاتا ہے۔ آبادی میں ۱۵ ہزار مسلمان ہیں۔ باقی عیسائی۔ انگریزی

پوسٹ کارڈ پر لکھا ہوا خط یہاں کے ڈاک خانہ نے بھی منظور نہ کیا۔ یہاں فرانسیسی ڈاک خانہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام ساحل پر فرانسیسیوں کا بہت نفوذ ہے۔ مختلف بندرگاہوں کے مکانات پر فرانسیسی جھنڈے کھمبوں کے نیچے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی مکانات پتھر کے اور اکثر لداؤ کی چھتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ طرابلس میں ایک بہت بڑا عالم شیخ حسین جسری رہتا ہے۔ کہ جس کے پایہ کا دوسرا عالم سلطنت عثمانیہ میں موجود نہیں ہے مگر افسوس کہ جہاز نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس بزرگ کی زیارت کرتا۔ کیونکہ آج شام کو ہی جہاز کو بیروت پہنچنا تھا۔ یہاں سے ساحل بحر پر جبل لبنان کا سلسلہ برابر چلا گیا ہے۔ جو کہیں پست اور کہیں بلند ہو جاتا ہے۔ مگر بیروت کے قریب پہنچ کر بہت بلند ہو گیا ہے۔ ۴ بجے شام کے قریب جہاز بندر بیروت میں پہنچ گیا۔

بیروت و دمشق

جہد کن تا نور تو رخشان شود ۔۔۔ تا سلوک و خدمتت آسان شود
ہمچو آہن ز آہنی بیرنگ شو ۔۔۔ در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید ۔۔۔ ہر کہ جہدے کرد در جدے رسید

مولانا روم

بیروت

شہر بیروت کی تاریخ در حالت موجودہ

بیروت اہل فینیشیا کے زمانہ کا ایک نہایت قدیم شہر ہے چنانچہ سکندر اعظم نے بھی اسپر قبضہ کیا تھا۔ اور پھر اہل روما کے زمانہ میں یہاں تعلیم قانون کا ایک بہت بڑا دار العلوم قائم ہوا۔ سنہ ۱۳ ہجری میں زمان خلافت حضرت عمرؓ میں یزید بن ابی سفیان نے اسے فتح کرلیا۔ مگر پھر رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور بعدہ معاویہ بن ابی سفیان نے اسے پھر حکومت اسلام میں شامل کیا۔ سنہ ۱۱۱۰ء میں اہل صلیب نے اسپر قبضہ کرلیا اور سنہ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے انہیں نکال دیا۔ سنہ ۱۵۱۶ء میں بادشاہ سلطان سلیم نے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ پھر ابراہیم پاشا کے چند روزہ استیلا کے بعد انگریزی اور آسٹرین بیڑوں کی مدد سے عساکر عثمانی نے اسپر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ اب ولایت سوریا کا مرکز اور سوریہ میں سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ قدیم شہر کہ جسکی آبادی گنجان اور کوچے ناہموار ہیں۔ ایک برج اور چند برجوں والی شکستہ فصیل سے محیط ہیں۔ لیکن فصیل سے باہر دامن کوہ میں عالیشان کوٹھیاں اور باغات ہیں۔ اور کنارہ دریا پر بھی خوشنما ہوٹل قہوہ خانے سرائیں دوکانات اور دفاتر ہیں۔ اور گودی نئی تعمیر ہوئی ہے آبادی سنہ ۱۹۰۰ء ایک لاکھ چالیس ہزار ہے جسمیں چوتھائی کے قریب مسلم اور باقی رومن کیتھولک آرتھوڈاکس اور پراٹسٹنٹ مذاہب کے

عیسائی اور یہودی اور دُرزی آباد ہیں۔ زبان سب کی عربی ہے۔ اہل صلیب نے یہاں
کی ایک گرجے کی مسجد جامع بنی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی جوامع اور مساجد
اور مذاہب مختلفہ کے کلیسا ہیں۔ یونانی اور پروٹسٹنٹ بشپوں کا صدر مقام
اور اور بھی عیسائی مشنوں کا مرکز ہے۔ ہوا نہایت معتدل اور موسم خوشگوار
رہتا ہے۔

مطابع آبائے یسوعیین

لیکن جس وجہ سے بیروت کو غیر معمولی شہرت دنیا میں
حاصل ہوئی ہے وہ یہاں کے مطابع کی ترقی ہے۔ کہ جن کے ذریعے سے عربی
زبان میں جہاں جدید علوم و فنون ترجمہ ہو کر خوب نشر ہو [illegible] عربی زبان
کے قدیم علم ادب کے سرمایہ کو بھی بڑی [illegible] سے طبع کر کے شائع
کیا جا رہا ہے۔ سب سے بڑا مطبع آبائے یسوعیین کا ہے۔ [illegible]
پادریوں کا مطبع یہاں ۱۸۵۳ء سے جاری [illegible] بہت [illegible] کتابیں
عربی علم ادب اور لغات کی چھاپی ہیں [illegible]
[illegible] عربی [illegible] لغات ہے
اسی طرح [illegible]
تہذیب الالفاظ لابن السکیت [illegible] الالفاظ الفارسیہ
المشتقہ من العربیہ [illegible]
فارسی الفاظ جمع کئے گئے ہیں جو اصل عربی زبان سے [illegible] ہیں اسی طرح
علم ادب میں [illegible] علم ادب [illegible] وغیرہ کی [illegible] سے خلاصہ
کر کے چھ جلدیں [illegible] ادب کی مرتب کی ہیں [illegible] ان کی
شرح ایسی اچھی لکھی ہے کہ علاوہ حل [illegible] تمام
نکات جو ان چھ جلدوں میں [illegible] ہیں اس کے علاوہ مقامات
بدیع الزمان ہمدانی مع شرح مفتی محمد عبدہ مصری۔ روایات اغانی (خلاصہ
دو جلدیں) انیس الجلساء شرح دیوان الخنساء۔ [illegible] الادب فی [illegible]

دیوان اخطل۔ اور دیوان خرنق وغیرہ بہت سی نایاب کتابیں [illegible]
بڑی صحت اور صفائی سے چھپوائی ہیں۔ میں نے خود اس مطبع میں جاکر چھپائی کا
کام دیکھا۔ بڑی احتیاط سے کتابیں چھاپی اور جلد کی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی
عربی ٹائپ بھی مطبع کے اندر بنایا جاتا ہے۔ کہ جس سے یہ کتابیں چھپتی ہیں۔
میں نے یہاں سے متعدد کتابیں خریدیں کہ جن پر قیمت سے [illegible] فیصدی کمیشن دیا
گیا۔ یہاں سے المشرق نامی ایک علمی اور ادبی بہت عمدہ ماہوار رسالہ
چھپتا ہے جو اعلیٰ پایہ کا ہے۔ ایک اور مذہب عیسوی کا ماہوار رسالہ البشیر
کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اور ایک سالانہ جنتری بھی چھپتی ہے۔

مطبع امیرکانیہ

دوسرا مطبع امریکن پادریوں کا بنام "المطبعۃ الامیرکانیۃ" جو
[illegible] میں مالٹا میں جاری ہوا تھا [illegible] سے بیروت میں منتقل ہوکر
جاری ہے۔ اس میں بھی پہلے مطبع کی طرح کتب مذہبی کے علاوہ عربی نظم و نثر
اور گرامر چھپتے ہیں۔ اور سائنس کی کتب تاریخ جغرافیہ طبیعات اور الجبرا
کی کتابوں کو انگریزی و فرانسیسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرکے شائع کرتے
ہیں۔ ان کی یہاں ایک مدرسہ [illegible]
[illegible]
جو ایک امریکن پادری تھے [illegible]
قابل تعریف کام کیا ہے۔ اور منجملہ دیگر کتب [illegible] کے ایک سلسلہ النقش فی
الحجر کے نام سے مبادی علوم کیمیا۔ طبیعیات۔ جغرافیہ۔ جیالوجی۔ ہیئت
نباتات اور اصول منطق پر لکھے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر یوحنا وانڈیک نے بہت
سی سائنٹفک کتابیں عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ [illegible] کی فہرست
کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ [illegible]
[illegible] کے نام سے اور [illegible]
قابل ذکر ہیں۔ یہاں سے بھی میں نے کچھ کتابیں خریدیں جن پر ۱۵ فیصدی کمیشن ملا

اس مطبع میں بھی المطبعۃ الکاتولیکیہ کی طرح سیسہ کا ٹائپ بنایا جاتا ہے۔ میں نے دونوں مطبعوں سے ٹائپ کے نرخ بھی دریافت کئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فروخت کے لئے ٹائپ صرف خلیل سرکیس صاحب کے مطبع میں بنتے ہیں۔ یہ صاحب بھی

مطبعۃ الادبیہ

عیسائی ہیں۔ اور امریکہ میں کچھ مدت رہ آئے ہیں۔ علاوہ اخبار لسان الحال روزانہ اور ہفتہ وار کے بہت سی عربی کتابیں بھی چھپتے ہیں۔ اور ٹائپ بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ ان کے مطبع میں عام قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ جب میں نے ان سے ٹائپ کے نرخ دریافت کئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہندوستان میں جو فارسی اخبار کلکتہ سے نکلتا ہے۔ اسکے لئے بھی ہمارے مطبع سے ٹائپ خرید اگیا تھا۔ اور حیدرآباد دکن میں بھی ایک شخص نے اسی ٹائپ خریدا تھا۔ جس نے ابتک ایک حصہ قرآن کا [illegible] کیا۔ یہ ٹائپ [illegible] صورت میں مگر افسوس ہے کہ ان ٹائپ میں چھ حروف شکل [illegible] جو [illegible] ہوسکتے میں موجود نہیں۔ اسلئے [illegible] چھاپنے کو [illegible] تک کہ یہ حروف نئے نہ بنوائے جائیں اور یہ بھی شک ہے [illegible] بھی حصے کو ناپسند کریں۔ البتہ [illegible] فارسی کتابیں چھاپنے کے [illegible] نہایت موزوں ہیں۔ خلیل سرکیس صاحب کے [illegible] بنتے ہوئے اور ٹائپ کے مشیر [illegible] انگریزی کا کام مثل یوروپ امریکہ کے کس خوبصورت [illegible] بھی ایسے ہی یہاں [illegible] انگریزی پوسٹ [illegible] صورت بھی اسکے سوا نئے فیصل [illegible] مشہور عیسائی کتب فروش ہیں۔ [illegible] عیسائیوں [illegible] مطبع [illegible] میں ہیں۔ مگر مسلمانوں میں صرف ایک [illegible] دوکان کتب [illegible] محمد سلیم الانسی [illegible] سے ملاقات ہوئی۔

ان کی کتابوں میں سے شیخ ابراہیم احدب کی عربی ضرب الامثال کی مشہور کتاب مجھے بہت پسند آئی۔ احدب صاحب نے جو زمانہ حال کے مسلمان مصنفین سے ہیں تمام امثال عربی کو منظوم کر دیا ہے۔ ایسے طور پر کہ اصل لفظ مثل کے کم و بیش نہ ہو جائیں۔ اور مطبع کاتولیک نے ایسے سلیقہ سے اس کتاب کو چھاپا ہے کہ تین سو صفحے کی کتاب میں مثل کے لفظ سرخ حروف میں چھپے ہیں اور اشعار کا باقی حصہ سیاہ حروف میں۔

اخبارات علاوہ مطبع کاتولیک کے دو ماہوار رسالوں کے یہاں نو اخبار مثل لسان الحال۔ البصیر۔ الصفا۔ المصباح۔ حدیقۃ الاخبار۔ النشرۃ الاسبوعیہ۔ المدینہ۔ ثمرات الفنون بیروت اور روضۃ المعارف وغیرہ کے چھپتے ہیں۔ ان میں سے صرف پچھلے تین اخبار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں جن میں سے پہلے دو جاری ہیں۔ اور باقی سب اخبار نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن چونکہ اخبارات کو کسی قسم کی آزادی تحریر حاصل نہیں اسلئے سوائے خبروں اور علمی مضامین لکھنے کے یہ درجہ نہیں کر سکتے۔ میں تینوں مسلمان اخبار کے دفاتر میں بھی گیا۔

دفتر اخبارات بیروت اخبار بیروت کے ایڈیٹر محمد رشید آفندی الدانا کے نام کا میرے پاس ایک معرفت کا خط تھا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور ایک اور دن کی ملاقات میں ان کے بڑے بھائی ہز ایکسیلنسی عبدالقادر آفندی الدانا بھی ملے جو پہلے پریسیڈنٹ بلدیہ کے رہ چکے تھے۔ یہ علاوہ فرانسیسی کے کچھ کچھ انگریزی بھی بول سکتے تھے جو اس ثانی الذکر شخص نے صرف دو سال سے سیکھنی شروع کی تھی۔ جبکہ وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا کہ انگریزی زبان کس طرح روز بروز دنیا میں رسوخ پیدا کر رہی ہے۔ رشید آفندی صاحب نے جب مجھے قہوہ پیش کیا کہ جسکے قبول کرنے میں میں نے عذر کیا۔ تو انہوں نے مجھے ایک شہد ترکی کا قول سنایا جسکا ماحصل یہ تھا

کی تھی وہ چھپا تو اب تک کا م ہے۔ عبدالقادر آفندی نے جودت پاشا سابق
وزیر عثمانی کی مشہور تاریخ ترکی کی پہلی جلد کا ترجمہ عربی میں کیا ہوا ہے چنانچہ
انہوں نے ایک کتاب پر اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھ کر مجھے بطور یادگار
دی۔ اور تقاضا کیا کہ جب میں دمشق سے لوٹوں تو ایک شام ان کے یہاں
کھانا کھاؤں۔ اور بہت اصرار سے مجھ سے اقرار لیا۔ ثمرات الفنون کے اڈیٹر
شیخ احمد حسن طبارہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ثمرات الفنون بیروت
اور [illegible] عالمان ہیں۔ اخبارات نے میرے یہاں آنے کی کیفیت
تعریفی الفاظ میں شائع کی۔

مصنفین میں پادری فانڈیک [illegible] کا ذکر اوپر کر چکا ہوں
ان لوگوں نے امریکن اور یورپ میں جو عربی زبان کی بے حد خدمت کی ہے
ان کے سوا [illegible] کے لئے کئی کتابیں تصنیف
اور تالیف کی ہیں [illegible] ہے۔ مگر یہ صاحب یورپ
یا امریکہ کے رہنے والے نہیں [illegible]
میں [illegible] کی درستی کرتے ہیں۔ اس وقت
شام اور مصر میں بہت [illegible] عربی زبان میں ہیلرو
کتابیں [illegible] گذرے ہیں۔
[illegible] عربی زبان
میں [illegible] مرحوم نے جس کی
چند ہی جلدیں شائع [illegible] ان کے بعد ان کے
بیٹے سلیم آفندی نے کام جاری رکھا۔ مگر وہ بھی بے وقت مر گیا اور اب
معلم [illegible] آفندی [illegible] کی تکمیل میں مصروف
ہے۔ [illegible] یازجی عرب ادب کا بڑا عالم اور مصنف اور زبان دان
گذرا ہے۔ اس کا بیٹا یازجی [illegible] مصر میں رسالہ ضیا نکالتا ہے۔

کلیۃ الامیرکانیہ

بیروت میں پچاس سے زیادہ مدرسے و مکاتب ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ابتدائی مکاتب شامل ہیں جو حکومت کی طرف سے قائم ہیں ان میں سب سے بڑا امریکن مشنریوں کا مدرسہ ہے۔ جسے الکلیۃ الامیرکانیہ کہتے ہیں۔ یہ بی۔ اے کے درجہ تک تعلیم دیتا ہے۔ اسمیں علاوہ عربی اور فرانسیسی کے انگریزی زبان بھی سکھائی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ایک نہایت عمدہ بورڈنگ ہاؤس بھی ہے۔ اسی کالج سے متعلق امریکن مشنریوں کا ایک میڈیکل کالج اور ایک رصدخانہ بھی ہے۔ میڈیکل کالج کی ڈگری یورپ کے بعض ممالک میں بھی تسلیم کیجاتی ہے۔ اسی کلیہ یعنے یونیورسٹی کالج کی بدولت شام کے عیسائیوں میں جدید علمی ترقی پیدا ہوگئی ہے۔ اور ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ چنانچہ اب بہت لاکھوں شامی امریکہ کے مختلف بلاد میں بغرض تجارت و تحصیل معاش چلے گئے ہیں۔ اور ہر روز جا رہے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ مجھے عبدالرحمن مرشد نے جو اس کالج کے بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ بتایا کہ تیس سال سے یہ مدرسہ اس شہر میں قائم ہے اور میں پہلا مسلمان طالب علم ہوں جو آجتک اس کلیہ کے بی اے کلاس تک پہنچا ہوں۔ ویسے یوں ہی پانچ چھ سو طلباء سے معدودے چند مسلمان [illegible] پڑھتے ہیں

دیگر مکاتب

اس کے علاوہ [illegible] پادریوں کا مکتب الکلیۃ الیسوعیہ کا مکتب۔ کیتھولک پادریوں کا "البطریرکیہ" نامی۔ میرونائیٹ فرقہ کا "حکمت" نامی۔ یہودیوں کا "اسرائیلیہ" نامی علیحدہ علیحدہ کالج اور مدرسے ہیں۔ اور ان کے علاوہ لڑکیوں کے بھی کئی ایک مدرسے ہیں۔ سرکار کیطرف سے ایک ملکی اور ایک عسکری دو رشدی۔ اور ایک اعدادی درجہ کا مکتب ہے۔ اور دو لڑکوں اور چار لڑکیوں کے جو ابتدائی مکاتب ہیں۔ اسکے علاوہ پچیس کے قریب چھوٹے مسلمان بچوں کے مکتب ہیں۔

بیروت کا پہنچنا
تجربہ

ان ممالک میں جہاز پر چڑھنے اور اترنے کے وقت مزدور اور کشتیبان بلکہ مسافر کو اسقدر پریشان کر دیتے ہیں کہ اسکے حواس بجا نہیں رہتے

خشک ہو جاتے ہیں۔ جب جہاز بندر بیروت میں ٹھہرا تو فوراً تاپلق جی جہاز پر یورش کرتے۔ اور لوگوں کا اسباب چھین جھپٹ کر اپنی کشتیوں میں رکھنا شروع کیا۔ جب میرا اسباب بھی ایک کشتیبان نے رکھ لیا۔ تو میں نے عبدالرزاق ایک عرب مسافر سے جو اثنائے سفر میں واقف ہو گیا تہا۔ پوچھا کہ مجھے کسقدر کرایہ دینا چاہیے۔ اسنے کہا تین شلنگ۔ [illegible] کشتیبان اسپر رضامند ہو گیا۔ ٹامس کک کے ایجنٹ نے جو جہاز پر موجود تہا مجھے بوریول ہوٹل میں جانے کی صلاح دی۔ میرے پاس بزرگاری [illegible] اسلئے میں نے کشتیبان کو کہا کہ گاڑیبان کے ہاتھ تمہارا اسباب بھیجدونگا۔ وہ بھی گاڑی پر ساتھ ہو لیا۔ یہاں اسنے تین شلنگ لینے سے انکار کیا۔ میں نے ہوٹل کے مالک کو جو ایک عیسائی تہا منصف بنانا چاہا۔ اور ایک مجیدی [illegible] سب موجودوں کو دیدے اسنے مجھے انگریزی میں کہا کہ [illegible] نہیں مجیدی ہی دیدو۔ [illegible] نہیں مجیدی [illegible] مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے کیوں اسکو منصف بنایا تہا۔ [illegible] ہوٹل والے کشتیبانوں اور گاڑیبانوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ [illegible] کی یہاں مسافروں کا [illegible]

دوسری صبح میں [illegible] عرب مسافر عبدالرزاق مجھے ملگیا۔ (جو ایک چشمہ سپاہی تہا) اور میں نے اسے کشتیبان کی [illegible] ستانی کا واقعہ سنایا اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ وہ کشتیبان [illegible] مل گیا۔ عبدالرزاق نے اسے ڈانٹا کہ تو نے [illegible] ایک کشتیبان سے مجھے [illegible] لوٹا دے اور کہا کہ [illegible] تو جو مجیدی سے مسیح (اسکے ہونے کے) بٹہ لگ گیا ہے۔ [illegible] گاڑیبان بہت باعث لئے ہیں کشتیبان [illegible] ایک بہت عجیب اتفاق ہے۔

یہ قصہ لکھنے سے غرض یہ ہے کہ اجنبی اور ناواقف مسافر کو یہ لوگ کس طرح لوٹتے ہیں۔ اور کہ حکومت ترکی اس لحاظ سے ایسی منتظم ہے کہ جب کشتیبان کو معلوم ہو کہ مسافر مواخذہ کرنے پر آمادہ ہے تو اُسے ڈر کر ناجائز پیسے لوٹا دیتے ۔

پرفضا ہوٹل لیکن جو پریشانی کشتیبان اور گاڑیبان سے ہوئی تھی وہ ہوٹل کے منظر نے فوراً رفع کر دی۔ ہوٹل عین برلب بحر واقع تھا۔ ایسے طور پر کیا اپنے کمرہ میں اور کیا ہوٹل کے برامدہ میں کہ جہاں سے میلوں تک نظر سمندر کی پہنائی پر پھیل جاتی تھی۔ کیا کتابوں اور اخباروں کے مطالعہ میں اور کیا خاموش بیٹھ کر سمندر کا نظارہ کرنے میں ہر وقت بحیرہ روم کی موجوں کی پرترنم آواز طبیعت پر ایک سکون اطمینان کی حالت پیدا کرتی تھی۔ جس وقت ذرا ہوا تیز ہو جاتی تو بڑی بڑی موجیں زور شور سے ہوٹل کی دیواروں سے ٹکراتیں اور اصل میں چٹان سے لگتے ہیں یہ دیواریں بھی کچی تھیں ا میں گھنٹوں تنہا سطح بحر کے اس خوبصورت نظارہ کے تماشا میں محو رہتا (کیونکہ اتفاقاً بوجہ سیزن ڈل ہونے کے ہوٹل کل مسافروں سے خالی تھے) میں شاید اس ہوٹل کو بجز شہر میں کسی مسلمان آئندہ رہتے قسطنطنیہ میں خوش قسمتی سے تھے۔ یہاں ذکر نہ رکھتے اور بولتے ہیں ا میں چلا جاتا۔ جہاں تک مجھے پہنچنے کا رفیق ہو آرام ملتا۔ لیکن بحیرہ روم کے کنارے دلربا منظر اور صبح شام رات دن ہر وقت کی موجوں کی موسیقی سننے کیلئے یہیں پڑا رہا۔ جب لیٹ کر جاتا ہوں تو یہی موجوں کی موسیقی نیند کو لاتی ہے اور جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے یہی سریلی آواز میرے کان میں پڑتی ہے۔ خواہ ہوا تند ہو یا نہ ہو تاہم سمندر کی وسیع سطح پہ جو ذرا ذرا شکن بھی پڑتے ہیں وہ بھی کنارہ پر ایک شور پیدا کرتے ہیں۔

ملاقاتیں سید حسین بنے صاحب معتمد الصدر السید شیخ ابوالہدیٰ سے ملنے نے جو دو خطوط سفارت کے مولوی ابن صاحب صدیق زینی اور مجھے دیا

سعادت لو رشدی بک کے نام دیئے تھے ۔ انہوں نے بیروت اور دمشق میں دونوں جگہ ملاقاتیں اور سیر کرنے میں بڑی مدد دی ۔ تیجیے بے صاحب شمو کمانڈنٹ پولیس بیروت رشید آفندی (؟) اور بعض دیگر اصحاب سے ملاقات کی ۔ علی بیگ برادر تیجیے بے شمو نے کہا کہ شیخ ابو الہدے صاحب جو ارشاد کریں تمام شام کے لوگ بسر و چشم اسکی تعمیل کرنے کو حاضر ہیں ۔ ان کے ، وہ ایک بمبئی کے تاجر حاجی عبد الرحمن خطیب یہاں خان حمزہ میں رہتے تھے ۔ قسطنطنیہ سے انکا بھی پتہ ملا تھا ۔ انہوں نے بھی شہر کے سیر میں بڑی مدد دی ۔ اور دمشق کے گیلانی زادہ عطا آفندی صاحب کو خط لکھدیا کہ جن کی مہمان نوازی سے دمشق میں میں نے بہت آرام پایا ۔ بر خیبہ کہ وہاں کے لئے اور بھی اکثر دوستوں کے خطوط تھے ۔

اشیائے عتیقہ دمشق

ایک صاحب عبد القادر ارصد العصا سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ جو چین جاپان سے ریشم اور شالہمی سے کھالوں کی تجارت کرتا ہے ۔ جاپانی ریشم کا ایک تھان پچیس گز لمبا ۲ ۔ انچہ عرض کا دکھلایا کہ جسکی قیمت ۲۹ شلنگ تھی ۔ اور کہا کہ اس ریشم کا سب کوئی ملک مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ چین کا ریشم اور نہ یورپ کا بڑت کہا سکتا ہے ۔ خواہش ظاہر کی کہ اگر ہندوستان سے پچاس پونڈ تک تبت کی کشمیری شالیں مل سکیں تو یہاں بک جائیں ۔ ایران سے بھی پشمینہ کی شالیں یہاں آتی ہیں جنسے عرب کمر بند بناتے ہیں ۔ مگر وہ بہت باریک اور ملائم مال پر اصرار کرتے ہیں ۔ عبد الوزی بک دوسرے تاجر اشیائے عتیقہ نے پرانی شالوں کی خواہش ظاہر کی ۔ یہاں سے اشیائے عتیقہ کی اہل یورپ کیلئے بڑی مانگ ہے ۔ خان حمزہ میں ایک تاجر نے بہت سے پرانے قالین ٹرکی اور ایران سے جمع کر رکھے ہیں ۔ دو ہندوستانی دیکھے جن کے پاس تسبیحوں کا بڑا ذخیرہ تھا اور وہ مکہ مدینہ کو یہ تسبیحاں فروخت کرنے کو جا رہے تھے

مردوں کے رخسار پر بوسہ دینا

[illegible] صاحب کے مکان پر ایک شام کو گئے تو انہوں نے سفرجل اور نارنج کے چینی کے مربے تواضع کی جس کے ساتھ دو پانی کے گلاس بھی رکھے گئے۔ رخصت کے وقت حاجی عبدالرحمن میرے رفیق نے صاحب خانہ کے رخسار پر بوسہ دیا۔ اور یہی کئی مرد جنھیں راستے میں دیکھے جو آپس [illegible] اکثر رخصت [illegible] رخسار پر بوسہ دیتے ہیں۔

سیر یہاں کے مختلف بازاروں، قہوہ خانوں، دکانوں وغیرہ کی سیر کا اتفاق ہوا ہے۔ گرگوری کے قریب ایک بڑا عالیشان دو منزلہ مکان ایک یہودی جرائن [illegible] کا ہے [illegible] تمام شہروں کی [illegible] اور ڈاکخانہ [illegible] کارخانے [illegible] قریب [illegible] ایک [illegible] ایک [illegible] کے منہ پر پانی ہے۔ [illegible] ایک روز یہاں کی [illegible] کر بولا کھیلنے گیا۔ [illegible] موجود تھا۔ اور پھر گاڑی پر سوار ہو کر [illegible] ہوتے ہوئے جہاں ایک [illegible] ملتا تھا پاس [illegible] گئے [illegible] اور جہاں [illegible] دولتمند عیسائی [illegible]۔

ماہوشی تھیٹر ایک شب [illegible] عبدالرحمن صاحب [illegible] ایک تھیٹر میں گئے جس کا ٹکٹ نصف [illegible] تماشہ [illegible] تھا۔ اس تماشا کی خصوصیت یہ تھی کہ [illegible] تمام [illegible] پہنے ہوئے تھے صرف اشارات سے [illegible] اور انہوں نے [illegible] ایک لفظ منہ سے نہیں [illegible] اور [illegible]

تماشائی لطف سمجھا جاتا تھا مگر بعض اوقات ایسے ان [illegible] ہوتے تھے
کہ [illegible] جنمیں قصہ کا پلاٹ معلوم ہو
[illegible] [illegible] تماشا کے ختم ہونے سے پہلے ہم قریب دس بجے کے ہوٹل
کو واپس جانا چاہتے۔ ہم گاڑی کرایہ کر رہے تھے کہ ایک بہتر شکل اور اچھے یورپین
لباس والے جنٹلمین نے میرے رفیق کے کان میں کچھ کہا۔ میں نے سمجھا
ان [illegible] کوئی [illegible] تھے۔ لیکن معلوم ہوا کہ اُسنے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک عورت
کا [illegible] دکھلانا چاہتا ہوں [illegible] ایک [illegible] میں جو یہیں یہاں [illegible] ایک
اور [illegible] ہوئی کو [illegible] کر ایک اور شخص
نے [illegible] عاجزی [illegible] ہمراہ اصرار کر [illegible] چلا گیا۔
[illegible] شامیں
[illegible] خیر [illegible] نہیں [illegible]۔
[illegible] لگے
[illegible] یورپین عورتوں [illegible] مردوں کا [illegible]
[illegible] گھنٹے کے بعد [illegible] چونکہ لوگوں کو
[illegible] خرید کر دینا چاہئے [illegible] ہر ایک گھنٹہ سارنگی
[illegible] ایک [illegible] سے انگلی
[illegible] پیالی میں ڈال دیا۔ ہر شخص جیسے دیکھ کر
[illegible] طلب کرتا اسکے پاس
بیٹھ کر [illegible] کھلم کھلا [illegible] رنگ [illegible]
پہنچی۔ اس شرمناک جماعت میں زیادہ تر عرب اور ترک تھے عیسائی
بہت کم تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلے عیسائی عورتیں اور مرد یہی آیا کرتے تھے۔
مگر بعض عربوں نے جو دو چار عیسائی عورتوں پر چھریوں سے وار کئے۔ اسپر
عدالت نے عورتوں کی موجودگی سوائے فاحشہ عورتوں کے بند کر دی جو

سادگی سجاتی نہیں۔

تجارت و تحائف بیروت میں ریشمی کپڑا اور سنہری روپہری گوٹا بنتا ہے۔ مگر یہ مقام تمام ملک شام کے لئے تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں سے ریشم۔ اون۔ صابن لیموں۔ اور رنگت ... باہر کو جاتے ہیں۔ [illegible] کپڑے [illegible] چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ کل [illegible] ۱۲ لاکھ پونڈ [illegible] یونڈ کی سے جب [illegible] یہاں سے کچھ تحائف خریدے [illegible] عربی کتابوں کے جو پہلے [illegible] اور [illegible] جو لوگ [illegible] زیتون کا صابن بھی لیا۔

نو تعلیم یافتہ جس طرح بیروت [illegible] زبان [illegible] تعلیم یافتہ [illegible] البتہ [illegible] بیروت اور [illegible] دمشق میں [illegible] ہیں تو ملک [illegible] میں۔ صبح [illegible] کی بخیر ہو۔ یا آپ کی [illegible] اور دمشق میں کہتے ہیں۔ [illegible] بخیر اور [illegible] کم با بخیر کہتے ہیں۔ لیکن [illegible] یا نیکم سعید [illegible] ان کے دیکھا دیکھی [illegible] ہو گئے ہیں [illegible] سعید [illegible] آجکل عام کلمہ تو [illegible] السلام علیکم کے [illegible] ہندوستان میں رخصت ہوتے وقت بھی [illegible] گئے ہیں۔ [illegible] مستعمل ہیں اور [illegible] یہاں رخصت ہونے کے وقت عام [illegible] ہیں۔ وہ بھی [illegible] ہیں۔ [illegible] کی شکل انگریزی زبان میں [illegible] Adieu [illegible]

یہ لکھنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس تہذیب اور عربی اور شامی جانگلیوں کی معرفت یہاں بھی فرنگی تہذیب کا یہاں تک اثر ہوگیا ہے کہ عام لوگ جس چیز کو عمدہ چیز کہنا چاہتے ہیں اُسے "آلافرانقہ" (Alafrancaz) کہتے ہیں۔ یہ

شامی و عربی عورتیں

فرانسیسی طرز فرنگی کہنے کی ہے۔ مگر ان سب کے اندر شامی اور عربی عورتیں بھی ترکی عورتوں کی طرح بلکہ "آلافرانقہ" لباس یا طرز معاشرت رکھتی ہیں۔ اسی طرح ایک خاص قسم کی چادر یا برقع کہ جس کا ذکر میں کسی دوسرے موقع پر کرچکا ہوں۔ اکثر اوڑھتی ہیں۔ چنانچہ بیروت اور دمشق کی مسلمان عورتیں برابر بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہاں تک کہ دکانوں پر تنہا بیٹھ کر سودا خریدتی ہیں۔ خصوصاً عورتوں نے پردے کے بارہ میں ایسا "آلافرانقہ" طریقہ اختیار کیا ہے کہ کوئی ترکی پاشا ہی مشکل گوارا کرے گی کہ اسکا شوہر لیے گزنگ (ترکی زبان میں گشت کا مترادف لفظ ہے) سے روکے اور شام کو مستطیع قادینیں (خاتونیں) گاڑیوں میں بیٹھ کر گشت کرتی ہیں تعلیم نسواں میں ان ملکوں میں خاصی ترقی ہوگئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کی خانگی تعلیم بھی (جو گھروں میں دی جاتی ہے) ترقی کر رہا اور گا ضروری تو نہیں سمجھا جاتا۔ ... دمشق میں بہت سی مسلمان بیگمیں ہیں آپ مجلس ... بلا تکلف کر جو آپ ان صفات سے موصوف نہ ہوں انہیں اچھا شوہر نہیں مل سکتا ہے۔ ... سلیقہ، عقل اور ہاتھ کی ستھرائی میں ہرگز ترکی اور شامی عورتیں یورپین عورتوں سے کم نہیں۔ اور اسی طرح یورپین عورتوں کی طرح گھر کے کام دھندے سے یہ جی چراتی ہیں۔ عام گھروں میں کھانا اکثر بازار سے پکا پکایا منگوا کر کھا لیتی ہیں۔ روٹی پنیر یا زیتون کے اچار کے ساتھ کھا لیں گی۔ جب تک میں دمشق اور بیروت اور طرابلس تو نہیں گیا تھا میرا خیال تھا کہ یہاں کے دیسی باشندے سانولے یا گندمی رنگ کے ہونگے۔ مگر یہاں کے لوگ

زو بلگیریہ اور سرویہ کے لوگوں سے بہت گورے ہیں بلکہ اکثر عورتیں تو فرانس اور انگلستان کی عورتوں سے ذرہ بھی کم سفید نہیں۔ مسلمان عورتیں تو شاذ و نادر ننگے منہ پھرتی ہیں۔ جب تک کہ بہت سالخوردہ نہ ہوں لیکن عیسائی اور یہودی عورتیں۔ جو قدیم سے اسی ملک کی متوطن ہیں۔ اہل یورپ سے ذرہ بھی بلحاظ رنگ کے پہچانی نہیں جا سکتیں۔ البتہ بلحاظ صورت کے پہچانی جا سکتی ہیں کیونکہ ان سے یہ زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔

بیروت، دمشق اور لبنان میں عیسائیوں کا عنصر

بیروت اور کوہ لبنان کے عیسائیوں کا مسئلہ بھی قابل خیال کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے جبل لبنان ایک لمبا سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو طرابلس سے ساحل بحر پر بیروت اور وہاں سے یافہ تک چلا گیا ہے۔ اسپر تمام عیسائی رہتے ہیں جو قدیم الایام سے اسی ملک کے متوطن ہیں۔ اور ان میں کئی لاکھ یہود میں صرف تین چار ہزار مسلمان ہیں۔ لبنان سے قریب بڑا شہر اور بندر بیروت ہے کہ جس کا تعلق بحیرہ روم اور مصر کے راہ سے یورپ سے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے یہاں کی عیسائی مسلمانوں کی نسبت بہت ہوشیار ہیں اور ترکی کے یورپین عیسائی رعایا کی طرح ان میں بھی بیداری اور قومیت کا خیال پیدا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ تجارت اور تعلیم میں بھی مقابلہ مسلمانوں کے زیادہ مصروف ہیں۔ بیروت میں جو صد ہزار کا شہر ہے سوا لاکھ عیسائی اور تیس ہزار کے قریب مسلمان رہتے تھے۔ برعکس اسکے دمشق میں جو کسقدر بڑا شہر ہے۔ ۲۵ ہزار عیسائی اور ڈیڑھ لاکھ مسلمان ہونگے۔ اسلئے یہ کہنا ضروری نہیں کہ بیروت میں زیادہ تر دولت اور تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہاں تجارت کا ہنگامہ بہت کم ہے۔ اسلئے وہاں عیسائیوں کی آبادی بھی کم ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں جنگ

دمشق میں آخری خوفناک فساد جولائی سنہ ۱۸۶۰ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوا تھا جبکہ مسلمانوں نے عیسائیوں کا قتل عام کر دیا تھا۔ اسکے بعد کوئی ایسا فساد تو نہیں ہوا لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں میں بیروت میں اکثر کشیدگی رہتی ہے۔ اسوقت اس کشیدگی میں عیسائیوں کی طرف سے زیادتی ہے۔ جنہیں اپنی کثرت اور یوروپ کی عیسائی سلطنتوں کی طرفداری پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اسوقت بھی والی لبنان کو سلطان معظم چھ دول یوروپ کی رضامندی سے ہر دس سال کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ اسطرح گویا کہ یہ ایک نیم آزاد عیسائی ریاست قلمروئے عثمانی کے اندر موجود ہے۔ بیروت دمشق ریلوے سے بھی کہ جو جبل لبنان پر سے گذرتی ہے اور فرانسیسی کمپنی سے سنہ ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ عیسائیوں کے حوصلے میں اضافہ ہوا ہے اور عیسائی زیادہ شوخ چشم ہوگئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے ہی سبب سے بیروت میں اتنی زیادہ خون کی وارداتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں نہیں ہوتیں۔ انہیں وجوہات سے سلطنت عثمانیہ نے اپنے فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بیروت اور دمشق میں رکھا ہوا ہے۔ کل سات اردو عثمانی لشکر کے ہیں۔ جنہیں سے ایک بیروت اور ایک دمشق میں مقیم ہے۔ باقی [illegible] روم، یمن، بغداد، [illegible] استنبول اور [illegible]میں مقیم ہیں۔

دمشق

ان تکن جنۃ اللہ فی الارض فدمشق ما تکون سواھا

بلدہ شام بہشت مسمی دمشق
ز لب سنگش دمد آواز عشق

بیروت سے دمشق تک ریلوے بیروت و دمشق کے درمیان ۱۴۸ میل لمبی ریلوے لائن فرانسیسی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے جسکے مندرجہ ذیل سٹیشن ہیں۔ بیروت۔ حدث۔ بعبدا۔ جمہور۔ عاریا۔ عالیہ۔ بحمدون۔ عین صوفر۔ مریجات۔ جدیتہ۔ سعدنایل۔ معلقہ۔ ریاق۔ یحفوفہ۔ سرغایا۔ زبدانی۔ تکیہ۔ سوق وادی بردی۔ دیر قانون۔ عین الفیجہ۔ جدیدہ۔ ہامہ۔ دمر۔ شام برامکہ۔ شام میدان۔ صبح ۸ بجے چلکر شام کو چار بجے گاڑی دمشق پہنچتی ہے۔ وجہ یہ کہ راستہ میں جبل لبنان کی چڑھائی بہت دشوار ہے۔ گو ۸ بجے تک بیس میل کا ایک بڑا چکر کاٹ کر ریل لبنان کی چوٹی پر سٹیشن عالیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر یہاں سے شہر بیروت اور سمندر کا ساحل قدموں کے نیچے لیٹے نظر آتے ہیں کہ میل ڈیڑھ میل سے زیادہ دور نہیں ہونگے۔ بوجہ بہت سخت چڑھائی کے ریل کی سڑک میں یہاں یہ جدت دیکھی کہ دونوں ریلوں کے درمیان ایک تیسری لوہے کی ریل لگائی گئی ہے جسمیں آری کی طرح موٹے موٹے دندانے ہیں۔ اور چڑھائی کے وقت انجن کا ایک پہیہ کا پہیہ ان دندانوں میں پڑتا جاتا ہے۔ تاکہ گاڑی اپنے بوجھ سے پیچھے کو نہ سرک جائے۔ اسی طرح پہاڑ سے نیچے اترنے میں بھی ان دندانوں سے ضرور مدد ملتی ہوگی۔

راستہ کا منظر خدا کی شان ہے کہ ایسے خشک پتھروں میں ایسی خوشنما سبزی اور سرسبز میوہ دار درخت پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ بلدان اور وادی عین شیر پہاڑ

کی طرح نیچے اوپر جو کیاریاں بنی ہوئی ہیں وہ انگور کے بیلوں اور انجیر اور زیتون کے
درختوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ مگر یہ کھیت یورپ کی طرح لاکھیتوں کے ہزار
ٹکڑے نہیں ہیں۔ یہ زمین پتھریلی ہیں۔ کجھور کے پودے قد آدم سے
بڑے نہیں۔ مگر زیتون کے درخت بڑے بڑے ہیں۔ معلقہ سٹیشن تک لبنان
کی چڑھائی اترائی ختم ہو جاتی ہے۔ گرچہ بیچ میں سے میدان کے بعد پھر پست
پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک درہ کے درمیان سے ایک ندی
کے کنارے ریل چلی جاتی ہے۔ پہاڑ میں جہاں چشمہ یا ندی ہے
وہاں تو باغ بنا ہوا ہے ورنہ بیابان۔ گھوڑے اور گائے بیل تو بہت کم نظر
آتے ہیں مگر گدھے اور سیاہ بکرے زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ معلقہ تک ابھی
عیسائی آبادی زیادہ رہتی ہے۔ آگے مسلمانوں کے رہتے ہیں۔ لبنان
کی عیسائی عورتیں بھی ... بالکل یورپین لباس پہنتی ہیں۔ مسلمان
عورتیں برقعہ کے ساتھ چہرے کو ایک رنگین کپڑا ضرور منہ پر ڈالے رہتی
ہیں۔ دمشق کے قریب ایک سٹیشن پر بہت سی عورتیں اور لڑکیاں چھوٹی
چھوٹی پٹاریوں میں سیب انگور انجیر وغیرہ تازہ فروٹ فروخت کرنے
کو کھڑی تھیں۔ میں نے ایک شامی آنہ کی عمدہ سیب خریدے۔ شہر کے نواح
میں میوہ دار درختوں کے باغات کی کثرت ہے۔ بیروت سے میں نے وزارت
دیگر دمشق کے لئے پاسپورٹ پر دستخط کرا لیا تھا۔ پہلے سٹیشن پر ٹکٹ لینے
کے وقت پولیس نے پاسپورٹ دیکھا۔ پھر دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ایک
سپاہی نے ریل میں پاسپورٹ دیکھ کر چھوڑ دیا۔ دوم درجہ کا ریل کا کرایہ
قرش کرایہ تھا۔

شہر دمشق ولایت سوریہ کا مرکز اور سلطنت عثمانی میں نہایت مشہور شہر
ہے۔ جو شمال و جنوب کی طرف سے پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے نہایت
خوبصورت اور سرسبز میدان وادی کے کنارہ پر واقع ہے۔ شہر کے شمال میں

جبل قاسیون اور جنوب مغرب میں جبل الشیخ واقع ہیں۔ اور چاروں طرف خوب صورت باغات سے محیط ہے۔ جبل قاسیون سے دریائے بردی کے شفاف اور خوشگوار پانی کی کئی نہریں جاری ہیں۔ جن سے کیا شہر اور کیا میدان کے تمام باغات سیراب ہوتے ہیں۔ شہر ایک شکستہ فصیل کے اندر واقع ہے مگر فصیل سے باہر بھی شہر کے کئی محلے آباد ہیں۔ خصوصاً میدان کے نام سے شہر کا ایک حصہ جانب جنوب دور تک چلا گیا ہے۔ شمالی جانب کے نہر بردی کے پرلے محلہ کو عمارہ کہتے ہیں۔ عمارہ کے پیچھے شمال کی طرف جبل قاسیون کے دامن میں ایک پندرہ ہزار کا قصبہ آباد ہے کہ جسے صلاحیہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی دمشق کا ایک حصہ ہے۔ آبادی باختلاف اقوال ڈیڑھ لاکھ اور سوا دو لاکھ کے درمیان ہے[1]۔ جس میں پندرہ بیس ہزار مختلف معتقدات کے عیسائی پانچ ہزار یہودی اور باقی مسلمان ہیں۔ جن سب کی زبان عربی ہے۔ اہالی دمشق تناسب اعضا سے حسن اندام اور ذہانت و ذکاوت کے لئے مشہور ہیں۔

شہر کی جانب مغرب قدیم قلعہ والی دمشق کا عالیشان مکان دار عسکریہ اور فوجی بارکیں ہیں۔ شہر میں قریب دو سو کے جامع کئی مدرسے اور مکاتب ملکی و عسکری رشدی و اعدادی اور مکاتب صبیان ہیں۔ غیر مسلم لوگوں کے علیحدہ مکاتب بھی ہیں۔ ایک کتب خانہ دو مطابع ایک شفاخانہ اور ایک مکتب صناعت بھی ہے۔

---

[1] مصنف دمشق الفیحا کے نزدیک آبادی (۱۴۲۰۰۰) سے زیادہ نہیں کہ جس میں (۱۲۳۰۰۰) مسلمان اور ۱۷ ہزار نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں میں (۱۱۴۰۰۰) سنی۔ (۵۰۰۰) شیعہ (۲۵۰۰) دُرزی ہیں۔ اور مختلف سات مذاہب یعنے آرتھوڈاکس۔ ارمنی۔ سُریانی۔ رومن کیتھالک۔ مارونی۔ لاطینی۔ اور پراٹسٹنٹ کے عیسائی آباد ہیں۔

تاریخ قدیم دمشق نہایت قدیم شہر ہے جیسا کہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں بھی یہ شہر موجود تھا۔ بنی اسرائیل کے زمانہ
میں مصر کے بعض ملوک خاندان ۲۲ بھی اس پر قابض رہے۔ حضرت
داؤد و حضرت سلیمان کے عہد میں اسکے بعد یہودیوں کی حکومت رہی
اور پھر اشوریوں اور ایرانیوں کے قبضہ میں رہا۔ سکندر اعظم کے بعد
اہل مقدونیہ کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۳ ہجری میں خالد بن ولید کی ہمراہ عبیدہ
بن جراح اور یزید بن ابی سفیان کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ دوران خلافت
حضرت عثمان میں اسکی حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں رہی۔ سنہ ۴۱
ہجری سے دولت امویہ کا پایہ تخت اور تمام ممالک اسلامیہ کا مرکز بن گیا
اور جس حالت میں ۹۰ سال تک رہا۔ مگر خلافت عباسیہ کے قیام سے
دمشق کی حیثیت کم ہوگئی۔ اور مصر میں خلافت عباسیہ منتقل ہو جانے کے
بعد دمشق کبھی مصر اور کبھی بغداد کے تابع رہا۔ سلجوقیوں کی حکومت
میں ان کی بعض چھوٹی شاخیں بنی حمدان اور بنی طغتگین یہاں حاکم رہیں
سنہ ۱۱۵۴ء تک ان کی ریاست ختم اور محمود کے قبضہ کو نا۔ دوسری مرتبہ اہل
صلیب نے جمعیت سے دمشق کا محاصرہ کیا مگر ناکام رہے۔ ملوک
الاتابکیہ نے بھی یہاں حکومت کی جن سے صلاح الدین نے اسے چھین لیا۔
پھر جراکسہ مصر کے ہاتھ میں آیا۔ جب سنہ ۱۴۰۰ء میں تیمور نے اسے غارت
کیا۔ اور یہاں کے مشہور صناعوں اور کاریگروں کو ماوراء النہر میں لیجا کر آباد
کر دیا۔ جس سے یہاں سے یہ صنعت معدوم ہوگئی۔ سنہ ۱۵۱۶ء میں
سلطان سلیم اول نے دمشق کو تسخیر کر لیا۔ اور سوا تھوڑی سی مدت کے
جبکہ ابراہیم پاشا ابن محمد علی پاشائے مصر نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا
دمشق پر مسلسل ترکی حکومت چلی آتی ہے۔

دمشق کی تعریف بوجہ عمدہ پانی کے افراط باغات کی کثرت اور زمین کی شادابی

کی جس نے دمشق کو دیکھا اُسے نہایت پسند کیا ہے۔ بڑے بڑے علما اور شاعر مصنفین اسکی تعریف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ اسلئے میں اُن کے چند اقوال کو ذیل میں نقل کرنا بیموقع نہیں سمجھتا۔ امام ابوبکر ابن العربی نے دمشق کے شان میں فرمایا ہے ؎

إن تكن جنة الله بأرض   فدمشق وما تكون سواها
او تكن في السماء فهي عليها   قد أبدت هواها وهواها

یعنے اگر خدا کا بہشت دنیا پر ہے تو وہ دمشق ہے۔ اور کوئی اسکے سوائے نہیں ہوسکتا۔ الخ

دمشق کے نامور شاعر عرقلہ الکلبی نے یوں اسکی تعریف کی ہے۔

الشام شامة وجنة الدنيا كما   انسان مقلتها الغضيضة جلق
من آسها لك جنة لا تنقضي   ومن الشقيق جهنم لا تحرق

(شام (دمشق) دنیا کے رخسار کا خال ہے۔ جیسا کہ اسکی آنکھ کا تارا جلق ہے۔ یہاں گلہائے آس کے تختے بے پایان جنت کا لطف دکھاتے ہیں۔ اور گلہائے لالہ احمر کا تختہ ایسا جہنم ہے۔ جو کسی کو نہیں جلاتا)

ابو الوحش سبیع بن خلف اسدی۔ ابو الحجاج بن احمد مقدسی۔ مصنف نفح الطیب۔ شرف الدین بن محسن وغیرہ وغیرہ شعرائے دمشق نے دمشق کی تعریف میں ایک ذخیرہ نظم و نثر کا مرتب کر دیا ہے کہ جسے مصنف دمشق الغنیا نے جمع کر دیا ہے۔

قدرتی واٹر ورکس | ہوا کے بعد جو چیز انسان کی زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے وہ پانی ہے۔ اور دمشق میں جس کثرت سے عمدہ پانی موجود ہے

ملاحظہ ہو کتاب دمشق مطبوعہ خادم [illegible] ہے
مفصل حالات درج ہے۔

اور جس سہولیت سے وہ دستیاب ہوتا ہے یقین ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں دستیاب نہ ہوتا ہوگا۔ آجکل واٹر ورکس کے طفیل سے بعض شہر اپنے پانی کی عمدگی اور اس کی دستیابی کی سہولیت پر ناز کرسکتے ہیں۔ لیکن اس واٹر ورکس کے طریقے کے ایجاد ہونے سے بہت مدت پہلے سے شہر دمشق میں ایک ایسا واٹر ورکس جاری ہے کہ جسکے پانی کی تقسیم کے لیے کسی انجن یا پائپ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ایک پیسہ ابھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ سات نہریں مختلف اطراف سے پہاڑوں سے اتر کر دمشق کی طرف آتی ہیں۔ ان کا پانی مٹی کی نالیوں کے ذریعے سے تمام شہر کے ہر ایک گھر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر گھر میں وسط صحن میں ایک حوض ہے۔ اس میں حسب اعتبار ضرورت اتنا پانی ہر وقت آتا رہتا ہے کہ نصف انچ کی دس یا بیس یا تیس نالیوں سے آنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹے گھروں میں باورچی خانہ میں یا دو تین اور جگہوں میں بھی پانی آتا رہتا ہے۔ اور نیچے گزر کر ایک بڑی نالی ہر وقت پاخانہ سے گزرتی رہتی ہے۔ اسلئے جنگل کی ... شہر میں پاخانے صاف کرنے کیلئے ضرورت نہیں۔ شہر بھر کے پاخانوں کا پانی نالیوں کے ذریعے مستعمل پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع ہوتا ہے ... شہر کے گرد کے ... باغات سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

علی افندی گیلانی

دمشق سٹیشن پر ہی مجھے ایک ہوٹل ایجنٹ کا آدمی مل گیا اور میں اس ہوٹل میں جا ٹھیرا۔ دوسری صبح خطوط سفارش سے مسلح ہو کر میں نے سب سے پہلے جناب علی افندی گیلانی زادہ رئیس دمشق سے ملاقات کی۔ انہوں نے سخت اصرار کیا کہ میں ان کے مکان میں اٹھ آؤں۔ اور وہ دو گھنٹہ کے اندر خود میرے ہمراہ آکر ہوٹل سے میرا اسباب لے گئے۔ ہرچند کہ پیشتر ان سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ یہ بڑے شریف اور خلیق بزرگ ہیں۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں حمص میں ان کی خاندانی جائداد ہے سارے ہندوستان کے مسلمانوں سے بالخصوص محبت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ محبت

اور احسان مشرقی اقوام کا خاصہ ہے۔ یورپ کے بازار میں اس جنس کی کچھ قیمت نہیں
عمومًا ایسا ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کے شہر میں وارد ہو اور اُسے ملنے آئے تو رات
ہوٹل میں ٹھہرے۔ کیونکہ بیٹے کے گھر میں کوئی زائد کمرہ، اور کوئی زائد بستر نہیں ہے
مگر ہم لوگوں میں اور اسی طرح عربوں میں دستور ہے کہ مہمان کا کھانا اور بستر ہر حالت
میں ہمارے ذمہ فرض ہے۔ شام میں کئی بزرگوں اور عمائد سے ملاقات ہوئی۔
افسوس ہے کہ یہاں تھوڑے لوگوں کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی طرف سے
کھلی ہیں۔ تاہم بعض لوگ ایسے موجود ہیں۔

سردار غلام محمد خان طرزی

اس شہر میں دو افغان سردار بھی پناہ گزین ہیں اور سلطنت
سینہ ٹرکی کی طرف سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ان میں سے سردار غلام محمد خان صاحب
طرزیؔ[۱] تو پندرہ سال سے یہاں مقیم ہیں۔ انہیں باب عالی کی طرف سے چالیس
ترکی پونڈ ماہوار، اور امیر صاحب کابل کی طرف سے بھی کچھ اوپر سے بیس ہزار
کابلی روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔ یہ بڑے لائق شاعر ہیں۔ فارسی کلام بہت
پختہ ہے۔ ان کا دیوان کراچی میں چھپا ہے۔ یہ بڑے متدین آدمی ہیں۔ ان کے
صاحبزادے محمود بیگ صاحب جو ان کے ساتھ دمشق میں رہتے ہیں ایک
لائق اور خلیق نوجوان ہیں۔ مجھے دمشق میں بہت سے گھنٹے ان کی ترکی اور عربی

---

۱ افسوس ہے کہ سردار غلام محمد خان صاحب کا ان سطور کے لکھنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ سردار
صاحب بڑے نیک طبیعت اور صاف اور راست دل تھے۔ آخری رات سے ہی جامع اموی میں پہنچتے
اور ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت مجدد کے پیرو تھے۔ اپنی لطیف واقعات سے
جس میں جنگ یونان وغیرہ کے حالات ہیں مجھے سناتے تھے۔ آپ بڑے خوشنویس اور نقاش
بھی تھے۔ آپ نے ایک خوشخط اور مطلا قرآن بھی مطلا بزنگار مجھے دیا تھا۔ اُن کی وفات
کے بعد اُن کے صاحبزادہ محمود بیگ صاحب کابل جاتے ہوئے چند روز لاہور میں
میرے پاس ٹھہرے۔ چنانچہ اب مع عیال و اطفال امیر صاحب کے بلانے پر اپنے
وطن کابل میں سکونت پذیر ہیں۔

فارسی کتابوں کی صحبت میں کاٹے - اور ان کی رہبری سے بہت سے مقامات دمشق کے دیکھے - سردار زادہ محمود صاحب گو کسی یورپین زبان سے واقف نہیں لیکن ترکی کتابیں اور اخبار بکثرت پڑھنے سے وہ بڑے صاحب معلومات وسیع ہیں -

سردار عبد المجید خان دوسرے افغان سردار صاحب معروف ۹ - ۱۰ ماہ سے دمشق میں مقیم ہیں - ان کا نام سردار عبد المجید خان صاحب ہے - یہ اصل میں سردار افغان سردار محمد عظیم خان کے پڑپوتے اور سردار سلطان احمد خان کے پوتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ افغانستان میں بڑا نام پیدا کیا ہے - ان کے والد سردار عبد اللہ خان مرحوم امیر عبد الرحمن خان کے مقابلے میں ہرات کی حفاظت میں جنگ میں مارے گئے - اس وقت سے ایران اور اس کے بعد روس کے علاقہ (سمرقند) میں پناہ گزین رہے لیکن ایک سال کے قریب زمانہ گزرتا ہے کہ یہ استنبول میں پہنچے - سلطان المعظم کی طرف سے ان کی مہمانداری و خاطر تواضع میں بہت اہتمام کیا گیا - اور ان کی عزت افزائی کی بڑی کوشش کی گئی - مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں بھی یہ تار چھپا تھا کہ ایک افغان سردار کی تعظیم میں بڑے اہتمام سے مہمانداری کی گئی ہے - اسکے بعد انہوں نے شام کی سکونت پسند کی جہاں یہ سید کیمیائی سے کرایہ ... سو ترکی پونڈ سے زیادہ وظیفہ ملیگا - ان کے ہمراہ ان کے معتمد امیر محمد خان ہیں - جو سردار صاحب کے ساتھ شروع سے رفیق رنج و راحت رہے - علاقہ روس میں تو سردار صاحب کے ساتھ بہت سے سوار تھے - لیکن اب دس پندرہ آدمی باقی رہ گئے ہیں - سردار عبد المجید خان صاحب نے بڑے خلق اور محبت سے ملاقات کی اور دو روز مجھے مہمان رکھا - پر تکلف افغانی پلاؤ اور قورمہ کھلائے - شام کی کئی زیارات انہوں نے اور جناب عطا آفندی صاحب نے مجھے ہمراہ لیکر دکھائیں - ؎

؎ اسکے بعد سردار محمد ... صاحب ... دمشق کی اقامت چھوڑ کر افغانستان میں واصل ہو گئے - کیونکہ بعد ان کے حالات معلوم [illegible] نہیں ہو سکے -

زیارات شام میں صحابہ کرام اور انبیاء و اولیاء کی بہت سی قبریں موجود ہیں یہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ جبل اربعین یا جبل قاسیون کے دامن میں ستر ہزار نبی اور ولی مدفون ہیں لیکن اُن کے نام کسی کو معلوم نہیں۔ جن کے نام معلوم ہیں اگر ان کی بھی پوری فہرست لکھی جائے۔ تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔ تاہم میں بعض مقبروں کے نام اس غرض سے لکھتا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان کیوں دمشق کو شام شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔ بلال الحبشی بن رباح مؤذن اوّل اسلام۔ عبداللہ ابن مکتوم مؤذن دوم اسلام۔ ابودرداء الخزرجی۔ عبداللہ ابن سیدنا جعفر طیار۔ اسمع بنت سیدنا ابوبکر صدیق۔ عبداللہ بن جعفر صادق ام کلثوم بنت سیدنا امام علی۔ سیدہ فاطمۃ الصغیرہ بنت امام حسین۔ اولاد امام حسین کے چھ سر جنہیں امام زین العابدین۔ امام قاسم وغیرہ کے سر ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن زین العابدین۔ امیر معاویہ۔ عبداللہ ابن کعب الاحبار۔ عمر بن العبد العزیز عبدالملک ابن مروان۔ میمونہ جاریہ رسول اللہ۔ اوس بن ملس الثقفی۔ سہیل بن ربیع الانصاری۔ شمعون صحابی۔ فضالہ بن عبید۔ واثلہ بن الاسقع بلال ابن حبات۔ حضرت رسول کریم صلعم کے تین حرم۔ اُم حبیبہ۔ اُم سلمہ۔ وغیرہ فضہ لونڈی حضرت فاطمہ رض کی۔ سیدہ زینب بنت حضرت علی رض اور سیدہ سکینہ بنت حضرت امام حسین رض کی قبریں۔ اور کئی دوسرے ناموروں کی قبریں اس قبرستان میں ہیں۔ جو باب صغیر کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے ایک قبر کی بھی عمارت بالکل شاندار نہیں۔ بعض کے چھوٹے چھوٹے حجرے اور بعض کے حجرے بھی نہ تھے۔ اکثر قبریں مٹی سے لیپی پوتی ہوئی ہیں۔ بعض کے سر کی طرف پتھر ہیں جو آدھ یا پون گز سے بڑے نہیں۔ ایک لمبا پتھر قبر پر لٹا ہوا ہے جسمیں موری ہوئی ہے۔ اس میں عورتیں آس نامی ایک سبز درخت کی ٹہنیاں لاکر کھڑی کر دیتی ہیں۔ کہ جو بہت دیر تک سبز رہتی ہیں۔ عوام کا خیال ہے۔ کہ یہ درخت عبادت کرتا ہے اس واسطے مشہور ہے کہ چالیس ہزار لیرہ (اشرفی) کی ٹہنیاں خرید کر سالانہ

تمام میں یہاں کی عورتیں قبروں کے نذر کر دیتی ہیں۔ مقبرہ باب قاسیون (دیا کیسان) میں دحیہ کلبی مشہور صحابی کی قبر کی بھی زیارت کی۔ حضرت زینب ام کلثوم کی قبر قریب کے ایک قریہ راویہ میں ہے۔ جہاں ہر سال بہت سے اہل تشیع جمع ہوتے ہیں۔ جامع دمشق میں اور بھی کئی ناموروں کی قبریں ہیں۔ جامع امویہ میں ایک قبر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربت مشہور ہے۔ جبل صالحیہ کے قریب سوق صالحیہ میں امام محی الدین عربی کی قبر موجود ہے۔ اُنکے قریب زمانہ حال کے ایک مسلمان جنرل عبدالقادر الجزائری کی قبر ہے جس نے فرانس کے مقابلہ میں کئی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے آقا سلطان نورالدین شہید کی قبریں شہر کے اندر دو مختلف مقامات میں ہیں۔ اول جامع امویہ کے قریب ہے۔ اسی کے قریب کلاسہ نامی چھوٹا سا پانی کا حوض موجود ہے۔ جسکا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک بزرگ جو دریا سے بلاکشتی کے گذر جایا کرتا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس حوض میں گر پڑا اور کئی غوطے کھا گئے۔ اگر صرف سلطان صلاح الدین اور سلطان نورالدین کی قبریں ہی دمشق میں ہوتیں۔ تو جو ناموری صلیبی جنگوں میں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔ وہی دمشق کی شہرت کیلئے کافی تھی۔ مگر یہاں تو علاوہ اہل بیت کے صحابہ اور اولیاء اللہ کے بھی بیشمار قبریں ہیں۔

مرقد شیخ محی الدین عربی دمشق

شیخ الاکبر محی الدین عربی امام المتصوفین جو سوق صالحیہ میں ہے اسکی عمارت بھی مثل مسجد کی ہے جو معلوم ہوتا ہے بعد میں بنائی گئی ہے۔ قبر کا صندلی پنجرہ کوئی چھتر سال کا بنا ہوا ہے۔ تربت کی عمارت میں تین پہلوؤں میں قدیم چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جن پر بعض آیات قرآن مجید ہیں۔ عطا افندی صاحب گیلانی زادہ نے جو میرے ہمراہ تھے فرمایا کہ شیخ محی الدین کے والد کی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے

ان مقبروں اور زیارت گاہوں کی مفصل کیفیت کتاب دمشق میں موجود ہے۔

عرض کی۔ حضرت نے اسکی کر ٹھونک کر کہا کہ تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔
اسکا نام محی الدین رکھنا۔ چنانچہ شیخ نے بعض قصائد میں لکھا ہے کہ گو
میرا نام محی الدین عربی ہے۔ مگر دراصل گیلانی ہوں۔

مدفون مشہور علماء شیخ الاکبر محی الدین عربی علامہ ابن خلکان قاضی القضاۃ تاج بخش ابن تیمیہ حنبلی کے علاوہ بہت سی نامور عالم بھی مصنف اور فاضل اس زمین میں مدفون ہیں۔ کہ جن کے آثار اب تک فخر اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں جب مجھے معلوم ہوا کہ جامع اموی کے ایک منارہ کے نیچے امام غزالی رہ پڑھایا کرتے تھے۔ تو باوجودیکہ بوجہ مسجد کے جل جانے کے وہ منارہ نہیں رہا تھا۔ تاہم مجھے اس جگہ پر پہنچکر ایک عظمت نظر آئی کہ جہاں مصنف احیاء العلوم نے انتشار علم کیا ہے۔ سوائے ان علماء مسلمانوں کے دمشق کے انگریزی قبرستان میں مشہور انگریز مؤرخ مسٹر بکل بھی مدفون ہے۔

جامع اموی دمشق میں قریب دو صد کے جامع اور مساجد ہیں لیکن جامع اموی بلحاظ عظمت اور قدامت کے سب پر فائق ہے۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر جامع سنانیہ رہنا کردہ سنان پاشا ہے، جامع اموی کے بجائے پہلے پہل ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ مگر رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس نے اسکی بجائے ایک کلیسیا پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں تعمیر کیا۔ اور ۸۰ھ مطابق ۷۰۵ء میں ملوک اموی میں سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے اس کلیسیا کی جگہ پر یہ عالیشان مسجد بنائی۔ اور تعمیر کے وقت علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے کاریگروں کے جو دستیاب ہو سکتے تھے۔ بارہ ہزار کاریگر اور معمار قسطنطنیہ اور بلاد روم سے طلب کئے گئے۔ یہانتک کہ مسجد کی تعمیر پر اٹھائی لاکھ اشرفی سے زیادہ خرچ ہوگیا۔ مسجد میں ستونوں کے اندر اور باہر تمام دیواروں پر رنگین شیشہ کے ٹکڑوں سے عجیب و غریب بیلیں بنائی تھیں۔ کہ جیسا کہ یورپ کے بعض گرجاؤں میں بھی رنگین شیشہ کے ٹکڑوں کا کام ہوتا ہے

کے نام سے موجود ہے۔ ایسے عربی کتابوں میں "الفسیفساء البلوریہ" لکھا گیا ہے۔ مگر بار بار کے آتش زدگیوں سے اس کام کا اب نام و نشان بھی نہیں رہا۔ پہلی مرتبہ سنہ ۱۰۶۹ء میں یہ عالیشان مسجد آگ سے برباد ہو گئی۔ اور پھر اسے تعمیر کیا گیا۔ تو تیمور لنگ نے فتح دمشق کے وقت اسے جلا دیا۔ مگر یہ پھر اُسی عظمت و شان سے تعمیر کی گئی۔ آخری مرتبہ سنہ ۱۸۹۳ء میں اسے آتشزدگی سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس مرتبہ اسمیں وہ قرآن مجید بھی جل گیا کہ جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون گرا ہوا تھا۔ کہ جب وہ اپنی شہادت کے وقت پڑھ رہے تھے۔ مگر خیر تاہم اہل دمشق نے چندہ کر کے پھر اسکی تعمیر اور مرمت شروع کر دی۔ اور جب میں نے اسے (سنہ ۱۹۰۰ء میں) دیکھا تھا۔ تو آدھی سے زیادہ تیار ہو چکی تھی معلوم ہوا کہ اسوقت تک پچاس ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہو چکا تھا۔ مگر ایسی خوبصورتی اور تکلف سے تیار ہو رہی تھی۔ کہ جس سے شام کے کاریگروں اور صناعوں کی لیاقت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسکا ایک نو تعمیر محراب مجھے دکھلایا گیا جسمیں سرخ سفید سیاہ اور سبز پتھر کا بے نظیر کام کیا گیا ہے۔ اور پتھر میں صدف ایسی خوبی سے آمرد کیا گیا ہے۔ کہ اسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مجھے کچھ عرصہ پہلے قیصر ولیم نے جب اس مسجد کی زیارت کی تھی۔ تو شام کے معماروں کی بہت تعریف کی تھی۔ اسوقت مسجد کی چھت کی بھی عمدہ نقاشی ہو رہی ہے۔

پندرہ بیس موذنوں کا یکجا اذان دینا

میں نے ظہر کے وقت اسکے مشرقی مینار پر پندرہ بیس آدمی ایک وقت اذان دیتے ہوئے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ روزمرہ کی رسم ہے۔ پچاس ساٹھ سے زیادہ موذن مسجد میں مامور ہیں۔ اور ان میں سے پندرہ بیس ہر نماز کی اذان کے لئے مأذنہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ہم آہنگ ہو کر اذان دینے لگتے ہیں۔ جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے اور بڑی ہیبت اور شکنت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک روز نصف شب کو دیکھا کہ ایک شخص نے مینارہ شرقی پر چڑھ کر نہایت خوش الحانی سے قرآن

شریف پڑھنا شروع کیا۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ اور اسکی صاف آواز بہت دور تک جاتی ہو گی۔ معلوم ہوا کہ یہاں بارہ مہینے یہی دستور ہے کہ ہر شب جامع امویہ اور بعض دیگر مساجد کے میناروں پر چڑھکر نصف اللیل کو قرآن پڑھا جاتا ہے۔

دو قطاریں عظیم الشان سنگین ستونوں کی جو تعداد میں چالیس ہیں مسجد کے طول کی طرف جاتی ہیں۔ اور انپر چوبی چھت ہے۔ اسوقت آدھی مسجد پر چھت پڑ چکی تھی کہ جسکے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ ہر ایک ستون اتنا موٹا ہے کہ بمشکل دو آدمیوں کے بازوؤں میں سما سکتا ہے۔ حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہ السلام کی قبر سقف مسجد کے اندر جنگلے میں محدود ہے۔ جسپر عورتیں مرد بیٹھے دعا مانگ رہے تھے۔ شرقی مینارہ کی نسبت روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ قرب قیامت میں اسپر سے اتریں گے۔ غربی مینار میں امام غزالی رحمۃ اللہ نماز پڑھنے عبادت کرنے اور اُس کے قریب کے بقعہ میں تدریس کیا کرتے تھے۔ مسجد امویہ کے احاطہ میں ایک گول سا مکان گنبد کی چھت والا موجود ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اسمیں بہت سی پرانی کتابیں بند ہیں جنمیں سے بعض چمڑے پر لکھی ہوئی پرانی بائبلیں ہیں۔ چنانچہ ایک جرمن عالم نے سلطان المعظم سے ان کے دیکھنے کی اجازت حاصل کی ہے۔ اور بعض علمائے شہر کے ساتھ ملکر وہ ان کتابوں کو دیکھ رہے ہیں۔

مرقد سلطان صلاح الدین ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی کہ جنے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں تمام یورپ کے بادشاہوں اور فوجوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ یہیں جامع امویہ کے سامنے مدفون ہے۔ مقبرہ کی بیرونی عمارت نئی تعمیر ہوئی ہے۔ جو چھوٹا سا روضہ ہے۔ شہنشاہ جرمنی نے سلطان صلاح الدین کی قبر پر اپنے ہاتھ سے صلاح الدین کا اور اپنا نام لکھکر رکھا تھا۔ ایشیا کی نسبت یورپ بہت جانتا ہے۔ کہ صلاح الدین یا سیلے ڈن (Saladen) جیسا کہ وہ اُسے

پکار رہے ہیں کیسا جاں فزا تھا۔

سوق حمیدیہ اور دوسرے بازار

اس جامع کے قریب ایک بہت بڑا مسقف بازار بنام سوق حمیدیہ مشہور ہے۔ اور اس سے کسیقدر دور ایک بازار بنام سوق مدحت پاشا مشہور وزیراعظم کے نام زد ہے۔ دو منزلہ دوکانوں کے اوپر نیم دائرہ کی بلند چوبی چھت ان دونوں بازاروں پر ڈالی گئی ہے۔ دوسری منزلوں میں اکثر گودام رہتے ہیں۔ بازار بہت کھلے ہیں۔ اسلئے چھت کا محراب بہت بلند ہو گیا ہے خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی ایسے عالیشان مسقف بازار دنیا میں کسی جگہ موجود نہ ہونگے۔ یہاں اور بھی کئی بازار مسقف ہیں۔ لیکن طول چھت۔ اور چھت نیچے بہ نسبت کا چوک چارسو بازار کبیر ان کے مقابلہ میں محض بڑا معدوم ہوتا ہے۔ بازار حمیدیہ میں بڑی رونق ہے۔ غرض دمشق کے بعض پُررونق بازاروں میں عجیب سین نظر آتا ہے جہاں مشرق اور مغرب اپنی اصلی حالت میں مخلوط پایا جاتا ہے۔ ہجوم کے درمیان یورپین پوشاک والے تاجر اور شہر کے لباس والے علماء اور دمشقیوں۔ سیاہ برقعوں والی مسلمان اور یہودی عورتوں کے دونوں طرف گذرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ارجہ سے بڑے موٹے اونٹوں اور گدھوں اور ان کے لٹکتے ہوئے جنگلی بدوؤں اور دیہاتی عربوں کے گذرنے سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں ہم یورپ کے بعض شہروں میں کئی منزل کی ریلوں اور برقی ٹراموں کا ذکر کرتا ہے۔ یہاں سواری کے لئے گدھوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ شہر میں گاڑیاں بھی موجود ہیں۔ جو بمبئی کی وکٹوریہ گاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ گدھوں پر سوار ہو کر شہر میں ادھر اُدھر گذرتے یا سفر کیا کرتے ہیں۔ یہ گدھے خوبصورت ہوتے ہیں اور ان سے روٹیوں یا اچار وغیرہ کی دوکانیں لگتی ہیں۔ بیٹھ کر بعض ہوتے ہیں۔ جس طرح دستی گاڑی پر

یہودی کی بیٹی پردہ میں

ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی سوداوالوں کی

دوکانیں کبھی دیکھی جاتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ گدھوں سے بھی بے اعتنائی نہ کرے۔ اسلیئے اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ بلحاظ تیز رفتاری کیہاں اکثر گدھے بہت سے گھوڑوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اسلیئے گدھوں کے مالک ان کا خوب بناؤ سنگار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں بعض گھوڑوں کی حالت زار دیکھ کر بے ساختہ مُنہ سے نکلتا ہے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان　　طوق زرین ہمہ در گردن خری بینم

دمشق خانیں | علاوہ بازاروں کے جن میں بعض کی محرابی چھت چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اور جو بہت بلند بھی نہیں۔ یہاں چند سرائیں موجود ہیں جنہیں خان کہتے ہیں۔ یہ ۳۰ ہیں۔ ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سبسے بڑی خان اسعد پاشا ہے۔ اور دوم درجے کی خان سلیمان پاشا ہے۔ اسعد پاشا عظم خاندان کا ایک نامور شخص شام میں گذرا ہے۔ کہ جو ڈیڑھ سو سال پہلے اس شہر کا والی تھا۔ اس نے یہ عالیشان خان تیار کی۔ جو بالکل سفید اور سرخ پتھر کی ہے۔ اس طرح پر کہ وسط میں ایک عالیشان گنبد پیلپایوں پر تعمیر کیا ہے۔ جس کے نیچے پانی کا حوض ہے۔ حوض کے گرد پہلی منزل ایک گیلری کی صورت میں بنی ہوئی ہے۔ یہ خان اور باقی سب خانیں یہاں کی مرجع تجار ہیں۔ قدیم زمانہ سے اطراف و جوانب کے تمام سوداگر ان خانوں میں اپنا مال فروخت کرنے کو لاتے ہیں۔ یہ گویا یہاں کی منڈیاں اور یہاں کے صرافے بھی ہیں۔

بیت العظم | اسی ضمن میں بیت اعظم کا ذکر بھی کر دینا چاہیئے۔ جو اسی اسعد پاشا نے ۱۱۶۳ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔ کہ جس نے سبسے بڑی خان تعمیر کی ہے۔ عظم زادگان کا ایک مشہور خاندان اس شہر میں ہے۔ جناب جمیل بیگ صاحب عظم زادہ نے جو قسطنطنیہ میں عربی اخبارات کے احتساب اور نگرانی پر مامور ہیں۔ مجھے ایک چٹھی اپنے ایک بھائی کے نام دی تھی کہ وہ مجھے بیت عظم

بھلا ہے۔ یہ ایک نہایت عالیشان مکان ہے۔ جو لاریب بادشاہوں کے رہنے کے قابل قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تہا۔ اسمیں ڈیڑہ سو سال پیشتر تک شام کے پتھر اور لکڑی کے کام کی صنعت کا کمال دکھلایا گیا ہے۔ اس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اپنے قیام کے زمانے میں قیصر ولیم نے دو دفعہ اس پرائیویٹ گھر کو آکر دیکھا اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ اب یہ اس خاندان کے دو تین ممبروں نے آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ لیکن جب میں نے پوچھا کہ حمام کے چند کمرے کیوں خراب حالت میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار پونڈ اس کے پانی کے راستہ کی درستی کے لئے درکار ہے جو خرچ کرنے کی حال کے ساکنین کو استطاعت نہیں۔ تاہم ایک صاحب نے اپنے حصہ میں ایک چھوٹا سا چڑیا خانہ جانوروں کا اور ایک بیش قیمت مجموعہ چینی کے برتنوں اور بڑے بڑے قابوں کا جمع کیا ہے۔

سرود یا رت جگا دمشق میں رہنے کے دنوں میں ایک رات مجھے احباب ایک مکان میں لے گئے۔ جو مکلف فرش و فروش سے آراستہ تھا۔ پہلے ایک فونوگرافت آیا۔ جس سے کئی ایک عربی اور ترکی راگ سنائے گئے۔ اتنے میں اس مکان میں دس پندرہ اشخاص جمع ہو گئے۔ جو تحقیق سے معلوم ہوا کہ معزز ہستیاں ہیں سے آدھے شیوخ اور علما کے جبوں اور عماموں سے آراستہ تھے۔ ایک عیسائی مغنی حبیب الشیخ نامی پہلے سے موجود تہا۔ جو اس شہر میں عود بجانے میں استاد مشہور ہے۔ اور آخیر میں ایک نوجوان مسلمان جو گانے میں اس شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ آگیا اور اس نے عود کی سر کے ساتھ گانا شروع کیا۔ اسکے گانے نے ایک ایسی برقی رو مجلس میں پیدا کر دی کہ ہر شخص وجد میں آنے لگا۔ مگر اعرابی کے اونٹ کی طرح ایک میں تھا جو اس مجلس میں بے اثر تہا۔ اوّل تو اسلئے کہ عربی گیتوں کو میں اس لحن میں سمجھ نہیں سکتا تہا۔ جس میں کہ گائے جاتے تھے۔ جب تک کہ ایک رفیق مجھ

تحت لفظ پڑھ کر سُناتا تھا۔ مثلاً ایک مصرع تھا ع

"عید البشائر والفرح"

لیکن وہ کچھ ایسی طرح گایا جاتا تھا کہ مجھے "ایمل" کے سوائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ دوم موسیقی سے میرے کانوں کو بہت مناسبت نہیں تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس شخص کا لحن بہت عمدہ ہے۔ مگر نہ ایسا کہ مجھے بیخود کر دیتا۔ بلکہ لفظ بلفظ میری نفرت بڑھنے لگی۔ کیونکہ اسلاف کے دستور کے موافق ایک ایک لفظ کے حصّہ کو منتی دس دس اور بیس بیس دفعہ دوہراتا ہے۔ یہاں تک بھی خیریت ہے۔ لیکن اسکے ہر جزو لفظ پر حاضرین سنکے لیئے داد دینی لازم ہے۔ اور وہ ایک ایسی صدا سے دیجاتی ہے۔ جو ہندوستان میں افسوس اور درد کے موقعہ پر "آئے ہائے" کی طرح مُنہ سے نکلتی ہے۔ بجائیکہ وہ فرط اضطراب استعجاب کہنے والے کی تعریف کرتے ہیں۔ بلکہ ایک پیشہ ور مطلب وہاں موجود تھا۔ جو اس کے علاوہ "بیسدہ" کہتا۔ اور کچھ کلمات تعریفی بھی کہتا تھا۔ گویا منتی کا دل بڑھانے کے لیئے اسکے جا و بیجا تعریف کرنے کے لیئے یہ خاص عہدہ دار مقرر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے "تلیح کثیر" "طیب کثیر" کوئی کہتا خمس۔ کوئی کہتا عشر۔ یعنی اس فقرہ کو پانچ یا دس دفعہ اسی طرح دوہراؤ۔ اس دوہرانے اور غیر ضروری مبالغہ کی تعریف نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ میں نے رخصت چاہی۔ لیکن معلوم ہوا کہ صاحب خانہ ختم کے وقت حاضرین کو کچھ کھانا اور شیرینی کھلاویں گے کیونکہ یہ "سہرہ" ہے کہ جسے ہندوستانی زبان میں "رت جگا" کہہ سکتے ہیں۔ اور بارہ ایک بجے شب کے وہ کھانا دیگا۔ میری آخر میں تو یہی حالت ہو گئی۔ جو شیخ کی ہوئی تھی۔ جب اُسنے یہ شعر کہا تھا۔ ؎

پنبہ ام در گوش کن تا نشنوم ؎ یا درے بکشائے تا بیرون روم

آخر ۱۲ بجے ایک دوسرے کمرہ میں بیجا کر سب کو ایک زمین سے بالشت بھر بلند

میز کے گرد بیٹھ کر کچھ کھانا کھایا۔ عرب کی مٹھائیاں ساری دنیا سے نرالی ہیں۔ ایک کا نام "گلشکر" (کھا اور شکر کر) ایک کا نام بقلاوہ اور ایک کا نام کنافہ ہے۔ ہندوستان کی مٹھائیوں کی طرح ان میں بھی شیرینی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ عربی کھانوں میں علاوہ حمص مطحن اور فول مدمس کے مجھے اور کچھ پسند نہیں آیا۔ یہ دونوں دال کی قسمیں ہیں جو ایک نرالی ترکیب سے تیار کی جاتی ہیں۔ حمص کابلی چنوں کی قسم کی ایک ابلی ہوئی دال ہے جسے پیس کر اسمیں ترشی ملائی جاتی ہے اور فول باقلے کی قسم ہے۔ مولد سہرہ کے متعلق اسقدر ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس شہر میں اس کی رسم عام ہے۔ جاڑے میں بعض دوستوں کی جماعتیں ہفتوں ہر شب وقت گذاری کے لئے یہی شغل رکھتی ہیں۔ آج ایک کے گھر میں سہرہ ہے تو کل دوسرے کے گھر میں۔ اور باری باری سب میزبان بنتے ہیں۔ ان لوگوں کے نعت میں بار بار دھرانے اور سجدہ تعریف کرنے کا طریقہ مجھے پسند نہ ہوا۔ لطف یہ ہے کہ یہ سہرہ جامع اموی کے ایک حجرہ میں ہوا تھا۔ کہ جسکا دروازہ کھولنے سے مسجد کا صحن سامنے نظر آتا تھا۔ اور شرکا میں بعض خدام مسجد بھی تھے۔

حدیث کا وعظ دمشق قدیم سے علما کا مرکز چلا آتا ہے۔ اور اب تک بھی یہاں حدیث کے سیکھنے اور سکھانے کا بڑا رواج ہے۔ سال میں مختلف فصول پر مختلف علماء حدیث کا ایسے طور پر درس دیتے ہیں کہ شام کے وقت شہر بھر کے عائد اور معتقدین وہاں جمع ہوتے ہیں۔ جب روز میں دمشق سے رخصت ہوں۔ اس روز ایک اول درجے کے عالم نے ایک مقبرہ میں جو ریلوے سٹیشن کے قریب ہے۔ درس حدیث کے اسباق کے سلسلہ کو شروع کرنا تھا۔ اور حدیث کے اعزاز کے لحاظ سے پہلے درس میں والی (گورنر) دمشق کو بھی حاضر ہونا تھا۔ بہت سے لوگ اسی طرح حافظ حدیث موجود ہیں

جیسے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ اس وقت دمشق میں مندرجہ ذیل ہم
علماء موجود ہیں (افغانوں سے) شیخ عبدالحکیم صاحب۔ شیخ بہاء الدین صاحب
(شامیوں سے) شیخ بکری عطار زادہ۔ (مغربیوں سے) شیخ بدرالدین
صاحب۔ دو اور خاندان علماء کے میننی اور قزبری کے نام سے مشہور ہیں

اہل ادب لیکن ان علمائے دین کے علاوہ الحمدللہ کہ معدودے چند اصحاب
ایسے بھی دمشق میں موجود تھے جن کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی نسبت کھل
چکی تھیں۔ ہر چند کہ یہاں کے حالات کے مطابق وہ ملک اور قوم کیلئے
کچھ مفید نہیں ہو سکتے تھے۔ ان میں محمد کرد علی صاحب ایڈیٹر الشام۔
محمد علی سلیم بخاری مفتی آلائی۔ عبدالحمید زہراوی سابق ایڈیٹر (
معلومات قسطنطنیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بھی بڑے پایہ کے اہل علم ہیں۔
لیکن انکے علاوہ ملت کی غمخواری سے بھی کافی بہرہ رکھتے ہیں۔ افسوس
ہے کہ ان میں زہراوی صاحب تین چار ماہ سے قسطنطنیہ سے خارج ہو چکے

جلاوطنی ہیں۔ اور دمشق سے باہر جانے کی انہیں اجازت نہیں۔ ایسے
اور بھی بہت لوگ یہاں ہیں۔ کہ جنہیں کسی نہ کسی سبب سے جو کسی کو معلوم نہیں
ہو سکتی۔ خارج کر کے دمشق یا سلطنت کے کسی اور دور دراز مقام میں بھیج
دیا جاتا ہے۔ اور وہیں ان کی قیمتی زندگیاں کس مپرسی اور بیکاری کی حالت
میں گذر جاتی ہیں۔ راقم سے ایک روز ایک صاحب سے ملاقات ہوئی
تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مابین ہمایوں (قرب سلطانی) میں بڑے عہدہ دار
تھے۔ پندرہ سال گذرے ہیں کسی وجہ سے انہیں یہاں بھیج دیا گیا۔
مگر پھر کسی نے نہ پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ البتہ وظیفہ پاتے ہیں۔

مخبری ایک روز مدرسہ عبداللہ پاشا میں بعض صاحبان کچھ علمی گفتگو کر رہے
تھے۔ جنہیں مجھے ہندوستان کے علماء اور اہل اسلام کے حالات بھی دریافت
کرتے تھے۔ اتنے میں ایک مخبر نے آکر ہم سے سوال کیا۔ جب ہم جانے

لگے تو میرے ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ تقیر خبر تھا جو ہمیں یہاں دیکھا گیا ہے۔

کتب خانہ انہیں دل درد حضرات کی کوشش سے کچھ عرصہ سے ایک کتب خانہ دمشق میں قائم ہوا ہے۔ جو ایک قدیم عالیشان عمارت المکتب الملک الظاہر میں رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ مقبرہ ملک الظاہر کا ہے۔ مگر اب قبر کے اوپر کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی ہیں۔ جنمیں زیادہ تر قلمی ہیں۔ اور مطبوعہ بہت کم ہیں۔ تفسیر حدیث حساب تاریخ فقہ تصوف تجوید وغیرہ سب علوم کی کتابیں ہیں۔ اور زیادہ تر لوگوں نے وقف کی ہیں۔ حکومت صرف دو آدمیوں کی تنخواہ کا خرچ پانچ سو قرش ماہوار دیتی ہے۔ ان میں سے بعض کتب بہت پرانی لکھی ہوئی ہیں۔ ایک فقہ کی کتاب شمائل عن احمد ابن حنبل ہے۔ جو ۲۷۳ھ ہجری کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور خط پڑھا جاتا ہے۔ مگر بعض کتابیں ایسے قدیم عربی خط میں میں نے دیکھیں کہ مجھ سے وہ خط نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ ایک عالیشان کلام مجید ۳۰۲ھ ہجری کا دیکھا جسکے ہر لفظ اور جملہ کی مختصر تفسیر بین السطور میں تھی۔

ابن خلکان کا مدرسہ یہ شہر اور خصوصاً یہ نواح جامع اموی کا اسقدر تاریخی آثار سے پر ہے کہ ہر طرف کوئی مانوس نام سنا جاتا ہے۔ اس مکتب کے مقابل میں مدرسہ عادلیہ کا مکان ہے کہ جسمیں ابن خلکان مشہور مؤرخ درس دیا کرتے تھے۔ یہیں ایک شخص کے پاس حضرت پیغمبر صاحب کا ایک نامہ مبارک ہے جو آپنے قیصر یا کسریٰ کو لکھا تھا۔ اور شیخ عبدالقادر جزائری اسے دولت فرانس سے پیرس سے مانگ لائے تھے۔ مگر افسوس کہ جب میں اس شخص کے مکان پر اسے دیکھنے گیا تو وہ نہ ملا۔

اخبارات یہاں صرف دو اخبار اور ایک ماہوار رسالہ تمام دمشق نکلتا

ہے ۔ یہ رسالہ ایک عیسائی نکالتا ہے ۔ اخبار الشام کے ایڈیٹر محمد کرد علی صاحب ہی سرکاری گزٹ اخبار سوریہ کے بھی ایڈیٹر ہیں ۔ اور سرکاری ملازم بھی ہیں ۔ سوریہ کا ایک ورق عربی (ملکی زبان) اور ایک ترکی (سرکاری زبان) میں نکلتا ہے ۔ غرض اخبار کا یہاں کچھ مذاق نہیں

صنعت وغیرہ دمشق میں لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت جڑنے کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے ۔ چوکھٹوں ۔ رحلوں ۔ چوبی جزدان ۔ میزوں اور تپائیوں وغیرہ فرنیچر پر صدف کے بیل بوٹے اور فقرے لکھے جاتے ہیں ۔ ایک میز پر راس الکتب فی دقتہ لکھا تھا ۔ اسکے سوائے کندہ کاری ۔ زین سازی ۔ ابریشم اور روئی کے کپڑے عطر گلاب تالینوں اور مٹھائی کے لئے دمشق مشہور ہے ۔ شام میں بہت ارزانی ہے لیکن بیروت میں ہندوستان سے گرانی ہے ۔ حجام کو بشلک دو بشلک دیتے ہیں ۔ بشلک ہندوستان کے چھ آنہ کے برابر ہے ۔ گو شام اور بیروت کے سکوں میں اختلاف نہیں ۔ لیکن نرخ میں اختلاف ہے ۔ بیروت میں مجیدی میں بیس قرش شمار ہوتے ہیں ۔ شام میں چوبیس قرش محسوب کئے جاتے ہیں ۔

مکانات گو یہاں کے مکانات باہر سے بہت سادہ اور بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں ۔ اور دروازے بہت چھوٹے جیسے کہ کسی جھونپڑے کے ہوتے ہیں ۔ لیکن اندر سے بڑے پر تکلف اور شاندار ہوتے ہیں ۔ عموماً صحن میں چھوٹا یا بڑا حوض ہوتا ہے کہ جس میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہے ۔ صحن میں سنگ مرمر یا کسی دوسرے پتھر کا عمدہ پٹیرن کا فرش ہوتا ہے ۔ میرے میزبان کے گھر میں سیاہ سرخ اور سفید پتھر کا فرش تھا وسط صحن میں ایک ہشت پہلو حوض تھا جس میں فوارہ شب و روز

جاری رہتا تھا۔ ان کے کھانے کے کمرہ میں (کھانا میز پر کھایا جاتا تھا) الماری میں ایک اور فوارہ جاری تہا کہ جہاں سے میز پر سے پانی کا گلاس بھر سکتے تھے۔ کمرے کھلے ہوادار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی استانبول کی طرح سوتے زمین پر ہیں۔ اور مجھے بھی زمین کا بستر دیا گیا تھا۔

مسلمانان ہند ایک قاضی صاحب سے دوران گفتگو میں نے کہا کہ ہندو نشست اکا دستور ہندوستان میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں میز نہیں تہا۔ یہ بعد کی ایجاد ہے ایک اور مولوی صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصاً طلبائے مدارس کی دینی حالت کی نسبت سوال کیا۔ اور جب میں نے انہیں بتایا کہ سرکار کسی طرح سے امور مذہبی میں مداخلت نہیں کرتی تو کہنے لگے کہ حدیث شریف میں آیا ہے صحت اور امن دو نعمتیں مگر بڑی نعمتیں ہیں۔ ان کیلئے شکر کرنا چاہیئے۔

دعوت جب بعض اصحاب نے میری دعوت کی تو میرے فیاض میزبان سید مصطفی افندی گیلانی زادہ نے بھی مناسب سمجھا کہ بعض صاحبان کی دعوت کیجائے میز پر کھانا کھایا گیا۔ مگر میزبان صاحب خود بہ عذر کر کے کھانے میں شامل نہوئے کہ عرب کا دستور ہے کہ میزبان مہمانوں کی خدمت میں کھڑا رہتا ہے۔ کھانوں میں بعض خالص عربی و بعض ترکی تھے۔ اور ایک کا نام شیخ محشی تھا۔ انگور بہت اچھے ہوتے تھے ایک ایک دانہ آدھ سوا انچ کے برابر ہوگا۔ جو نواح دمشق کے ایک خاص قصبہ کے بڑے مشہور انگور ہیں۔

افغان قسطنطنیہ میں بھی ایک افغان خوشنویس اور ایک دو اور افغان ملے تھے۔ یہاں بھی دو افغان ملے ہیں۔ جنمیں سے ایک بزرگ داد محمد ۳۰ سال سے یہاں رہتا ہے۔ جسنے جبکہ پہلی مرتبہ انگریزوں نے قندھار پر قبضہ

گیا تھا۔ تو وہ چلا آیا تھا۔ اب صاحب اولاد و اعتبار ہے۔ ایک اور علاحدہ مونسی مہتر کی ہے۔ اسکی تین بیویاں ہیں۔ اور عمر ۵۰ سال کی ہے کہتا تھا اگر روپیہ ہوتا تو ایک پندرہ سال کی اور لڑکی سے نکاح کر لیتا۔

عسکریوں کی روٹیاں | بازاروں میں روٹیوں کے ٹوکرے لئے ہوئے بہت لوگ روٹیاں تول تول کر بیچتے ہیں۔ اور لوگ گھروں کے لئے خرید لیجاتے ہیں اسی طرح شوربہ بھی دیگچوں میں بکتا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ روٹیاں اور شوربہ عسکریوں (فوجی سپاہیوں) کا ہوتا ہے۔ کہ جنہیں سرکار سے روزمرہ کی پکی ہوئی راشن (روٹی) ملتی ہے۔ اور ہفتہ میں دو مرتبہ پلاؤ بھی ملتا ہے۔ کہ جسکا کچھ حصہ وہ بیچ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ کھانا ہمیشہ انکی ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے۔

میونسپلٹی یعنے بلدیہ | بلدیہ کی آمدنی کا زیادہ حصہ چونگی سے ملتا ہے۔ لیکن اسکا کچھ حصہ خزانہ سرکاری میں بھی چلا جاتا ہے۔ اور باقی انتظام شہر پر خرچ ہوتا ہے۔ انتظام بلدیہ اہل شہر کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے کہ جنہیں والی (گورنر) کی رضامندی کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ اسکے سوائے مکانات کی قیمت پر بھی گورنمنٹ ایک فیصدی سالانہ ٹکس وصول کرتی ہے۔ اور مکانات کے کرایہ یا آمدنی میں سے بھی کچھ حصہ سرکار کا ہوتا ہے۔ چوکیداروں کے لئے ایک علیحدہ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ بخلاف استانبول کے یہاں کے بعض بازار بارہ ایک بجے شب تک بھی کھلے دیکھے۔ جبکہ روشنی بھی تھی۔ اور کہیں کہیں چوکیدار بھی کھڑے تھے جو ہمیں دیکھکر سیٹی بجاتے تھے جسکا مطلب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

دروزی | جبل لبنان جبل حوران اور دمشق میں مسلمانوں کا ایک فرقہ اس نام سے مشہور ہے۔ جو اکثر اعتقادات مثل توحید و نبوت میں مسلمانوں سے

بہت مختلف ہے۔ عام مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو بہت مخفی رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کے اپنے بیٹے بھی بیس پچیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تب انہیں اپنے اسرار مذہبی بتلاتے ہیں۔ اور انہیں مخفی رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ انکا عقیدہ یہ بھی مشہور ہے کہ جو دُرزی کوہ لبنان پر مرتا ہے۔ وہ ہندوستان یا چین میں جاکر دوسرا جنم لیتا ہے کیونکہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ قاموس الاعلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجشنبہ کی شام کو اپنے معبد میں کہ جسے "خلوت" کہتے ہیں ان کے معزز جمع ہوتے ہیں کہ جنہیں "عقال" کہتے ہیں۔ اور جہال کو اس کے اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔

دمشق سے رخصت

25 - اکتوبر کو دمشق سے واپسی کا ارادہ تھا۔ عبد المحسن صاحب زہراوی اخبار نویس سویرے ہی تشریف لائے۔ سردار عبد الحمید خانصاحب سے کل رخصت ہو چکا تھا۔ انہوں نے صبح آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آج چونکہ والی دمشق بھی جانے والے ہیں۔ اسلئے سویرے سٹیشن پر جانا چاہیئے۔ کیونکہ ریل بھی سویرے روانہ ہوگی۔ گویا کہ معمولی ریل کے وقت کو بھی گورنر صاحب کا لحاظ تھا۔ غرض علا افندی صاحب کی گاڑی پر ہم تینوں سوار ہو کر سٹیشن کو گئے جو شہر سے کچھی دور ہے۔ ہم سے پہلے سردار زادہ محمد بیگ ان کے برادرزادہ حبیب اللہ خاں۔ محمد اسلم صاحب مفتی۔ ملا حیدر صاحب افغانی بھی مجھے وداع کرنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ یہ سب بغلگیر ہوئے اور محبت اور گرمجوشی کے ساتھ مجھے خدا حافظ کہا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ جیسے کچھ سات روز پہلے تم بطور اجنبی کے اس سٹیشن پر وارد ہوئے تھے۔ آج تم یہاں غریب الدیار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم اتنے آدمی تمہیں با چشم پُر نم وداع کرتے ہیں۔

جہاز کی روانگی گو میرا ارادہ بعلبک کے مشہور کھنڈرات دیکھنے کا تھا۔ جو راستہ میں ایک سٹیشن سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔ لیکن چونکہ بیروت سے دوسرا جہاز دیر میں ملتا اسلئے میں سیدھا بیروت پہنچا۔ اور ۳۰۔ اکتوبر کی شام کو وہاں سے اسکندریہ جانے والے جہاز پر سوار ہو گیا۔ جو دوسری صبح بندر یافہ پر پہنچا۔

بیت المقدس گو میں بھی اور مسافروں کے ساتھ جہاز سے اتر کر یافہ میں گیا سارا دن بھر شہر کی سیر کی اور وہیں کھانا بھی کھایا مگر شام کو جہاز پر واپس آگیا۔ گو مجھے بیت المقدس کی زیارت کا بڑا شوق تھا۔ جو بذریعہ ریل یافہ سے صرف چار گھنٹہ کا راستہ ہے۔ لیکن اس اندیشہ سے کہ پھر شاید کم و بیش ایک ہفتہ پھر یافہ میں جہاز کے انتظار میں پڑا رہنا پڑے میں نے بیت المقدس کا قصد ملتوی کر دیا۔ مگر اسکے بعد ہمیشہ مجھے افسوس ہوا کہ اتنا قریب پہنچکر بیت المقدس نہ دیکھ سکا۔

بندر یافہ بوجہ چٹانوں کے یہاں کا بندر بہت خراب ہے۔ اور بیروت سے سن لیا تھا کہ یہاں کے کشتی بان بڑے شریر ہیں۔ اور اپنی محنت سے بہت زیادہ کرایہ مانگتے ہیں۔ اور طرح طرح سے دق کرتے ہیں۔ مثلاً تمہیں جہاز سے شہر تک ایک فرانک کو لیجائیں گے۔ اور واپسی کے وقت اگر ذرا بھی سمندر خراب ہوگا۔ جو یہاں تھوڑی سی ہوا سے ہی چٹانوں کے باعث برہم ہو جاتا ہے۔ تو ایک گنی پر بھی جہاز تک نہ لیجائینگے۔

یافہ بیت المقدس سے ۴۰ میل بذریعہ ریل شمال مغرب کی طرف ساحل شام پر واقع ہے۔ یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ یونانی جغرافیوں میں اسے "یوپہ" اور توراۃ میں "یافو" لکھا ہے۔ شہر یافہ ۳۰ ہزار کی آبادی ہے لیکن بوجہ بیت المقدس کا بندرگاہ ہونے کے یہ نہایت ضروری مقام ہے تمام دنیا سے عیسائی اور یہودی زائرین بیت المقدس کی زیارت کے لیئے

یہاں آتے ہیں۔ یہودی بہت زیادہ ہیں۔ جنکے لمبے تاجون اور زلفوں سے
انکا پہچاننا مشکل نہیں۔ شہر میں کوئی مقام قابل دید نہیں۔ بازار تنگ
اور دوکانیں تاریک ہیں۔ بیت المقدس کی صدف کی بنی ہوئی چند قطعین
اور تسبیحیں وغیرہ خریدیں جو یہاں سے بطور تبرک تمام دنیا میں جاتی ہیں۔ یہاں
بھی روسی فرنچ جرمن اور ترکی ڈاک خانے پہلو بہ پہلو واقعہ ہیں۔ میوہ جات
یہاں بہت ارزاں ہیں۔ انگور، مالٹا سنگترے (کہ جنہیں یہاں پرتقال کہتے
ہیں) آنار اور ہندوانے اور زیتون بکثرت موجود تھے۔ ایک عام نانبائی
کی یہاں بیٹھ مثالک کر روٹی اور حمص بیگر کھایا۔ مگر اسکے یہاں بھی میز پر
سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ یہاں کی گنوار عورتوں کے منہ پر عجیب قسم کا پردہ پایا ہم نے
دیکھا۔ آنکھوں کے نیچے اور ناک کے اوپر ایک کپڑے کا ٹکڑا لٹکایا جاتا ہے
جسکے نیچے روپے کے برابر گول سکے بطور جھالر کے لٹکائے جاتے ہیں جس سے
ان کی شکل خاصی ڈراونی ہو جاتی ہے۔ شام کو یہاں سے جہاز روانہ ہوکر
دوسری صبح بندر پورٹ سعید پر پہنچ گیا۔

شامی عیسائی عازمان امریکہ یہ جہاز فرانسیسی کمپنی میسجرز میری ٹیم کا تھا۔ جسمیں بجائے
تین کے چار درجے مسافروں کے لئے ہوتے ہیں۔ اسطرح اسکے تیسرے درجہ
کے مسافروں کو بھی کیبن اور بستر ملتے ہیں۔ اور ڈیک کے مسافر چوتھے درجہ
کے مسافر کہلاتے ہیں۔ جہاز میں پانچ چھ سو سے کم مسافر نہوں گے جنکا
زیادہ حصہ ڈیک پر سفر کرنے والوں کا تھا۔ تمام مسافر شام اور عرب کے سواحل
کے ہیں۔ جو اکثر بلکہ تمام عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہمراہ بے
پردہ عورتیں ہیں۔ اور یہ سب سوائے بعض حبشنوں اور بعض گنوار عورتوں
کے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسے کہ یوروپ میں عام عورتیں پہنتی ہیں
چونکہ حبشنیں مسلمان ہیں اسلئے انکا لباس بالکل پردہ دار ہے یہ بعض
جاہل لوگ رات دن جہاز پر گانے بجاتے رہتے ہیں۔ جنمیں عربی گیت

یہاں رات دن سنتا رہتا ہوں یہ عمر بھر کے لئے کافی ہونگے۔ اوّل دوم اور سوم
درجے کے مسافروں سے ڈک پر زیادہ مہذب شامی اور ارمنی عیسائی موجود ہیں جو
تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثر عربی ناولیں پڑھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ فرنچ انگلش
اور جرمن وغیرہ یورپین زبانوں سے انہیں عیسائیوں کی بدولت بہت سے ناول
عربی میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ایک شام کو یہ مہذب شامی اپنے ڈک پر دیر تک مل کر
عربی گیت گاتے رہے۔ اور کچھ دیر تک ترکی حکام کے تحکم اور تشدد کی نقل بھی
تضحیک کے پیرایہ میں اتارتے رہے۔ میرے کمرہ میں بعلبک کے رہنے والے
دو عیسائی بھائی تھے۔ جو برٹش کولمبیا (امریکہ) کو جا رہے تھے۔ ساتھ کے کمرہ
میں ایک عورت معہ تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے بزشیقافو (شکاگو۔ امریکہ)
کو جا رہی تھی۔ جہاں اسکا شوہر تین سال سے مخزن و دکان کر رہا تھا۔ ان سے
معلوم ہوا کہ اسوقت ایک لاکھ سے بہت زیادہ شامی عیسائی امریکہ میں آباد
ہیں اور مختلف قسم کی تجارت اور صنعت و حرفت میں مصروف ہیں۔ وطن میں انہیں
کچھ کام نہیں ملتا۔ اسلئے امریکہ کو چلے جاتے ہیں۔ جہاں انہوں نے بہت سی
دولت کمائی ہے۔ ناموری پیدا کی ہے۔ وہاں ان کے کارخانے دوکانیں علیحدہ
اپنا بازار گرجے اور اخبارات عربی میں جاری ہیں۔

مصر

نسیمے کز دیار مصر خیزد ‏ کہ در چشم غبار مصر بیزد

بازار مصر میں چل یوسف کا تماشا کر ‏ کھوٹے کھرے کا ۔ ذرا اصل جانچیگا چلن پر

پورٹ سعید یافہ سے جہاز شام کو روانہ ہوکر دوسری صبح پورٹ سعید جا پہنچا ۔ یہ پورٹ سعید بندر نہر سویز کے کھودے جانے کے بعد سعید پاشا خدیو مصر کے نام سے مشہور ہوا ہے کہ جسنے اس نہر کے کھودنے کی ۱۸۵۴ء میں اجازت دی تھی اور اب خاصا بارونق شہر (۱۸۹۷ء آبادی ۴۲۰۹۵) یورپین طرز کا سمندر کے کنارے اور نہر کے دہانہ پر واقع ہے ۔ چونکہ یورپ سے ایشیا و آسٹریلیا کو جانے والے تمام جہاز نہر سویز میں سے ہوکر گذرتے ہیں اسلئے یہ بندر دنیا میں سب سے بڑا کولنگ سٹیشن ہے ۔ یورپین حصہ کے مکانات اور دوکانیں عالیشان اور وضع بمبئی کے طرز کی ۔ یورپ اسباب سے پر ہیں ۔ بازار کشادہ ہیں کہ جنمیں سے بعض میں گھوڑے کے ٹریم چلتی ہے ۔ اسکے پیچھے عربی حصہ شہر کا ہے جسکے بازار تنگ اور گلیاں پیچیدہ ہیں ۔ شہر سے الگ ایک طرف تھوڑی سی آبادی ہے ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کسبیوں کی آبادی ہے ۔ جسے شہر سے الگ کر دیا گیا ہے ۔ سنا جاتا ہے کہ جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو میں بھی اسی طرح رنڈیوں کی آبادی شہر سے خارج ایک علیحدہ مقام میں رکھی گئی ہے ۔ ممالک عثمانیہ میں جہاں حکومت شریعت کے مطابق کیجاتی ہے ۔ رنڈیوں کو ایسی آزادی نہیں ہے کہ ان کا وجود برملا تسلیم کیا جاوے ۔

مصری سکے یہاں پر مدت کے بعد انگریزی اخبارات اور کتابیں کہیں دیکھیں اور دو تین لنڈن کے اخبارات اور ایک مصر کا گائیڈ خریدا ۔ قیمت دینے کے وقت مصری سکوں سے واقفیت پیدا کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی ۔ مگر یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزی فرانسیسی ترکی سکے بھی بندرگاہوں پر چل جاتے ہیں

اور سونے کے سکے ہر ملک کے چلتے ہیں۔ مگر مصری سکہ کے خوردہ کی تفصیل معلوم کرنے ہر مسافر کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

تین سونے کے سکے۔ ۱۰۰۔ ۵۰۔ ۲۰ قرش صاغ قیمت کے۔

پانچ چاندی کے سکے۔ ۲۰۔ ۱۰۔ ۵۔ ۲۔ ۱ قرش " " "

تین نکل کے سکے۔ ۵۔ ۲۔ ۱ ملیم کے۔

(ہر مصری پونڈ یا لیرہ یا جنی (گنی) کا صرف قیمت میں ایک سو قرش صاغ کا ہوتا ہے۔ اور ہر قرش صاغ ۱۰ ملیم کا۔ گویا ایک مصری لیرہ ایک ہزار ملیم مصری یا بیس شلنگ ۶ پنس انگریزی یا قریباً ۲۶ فرانک فرانسیسی یا پندرہ روپے ۶ آنے ہندوستان کا ہوتا ہے)

گرش یا قرش کا چلن دیگر بلاد عثمانیہ میں بھی ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کا قرش کہ جسے یہاں قرش تعریفہ کہتے ہیں ہندوستانی دو آنہ کے برابر ہوتا ہے اور یہاں کا ہندوستان کے اڑھائی آنہ کے برابر۔ ۲۰ قرش کا چاندی کا سکہ یہاں ریال کہلاتا ہے۔ جو ۳ ہے ہندوستانی کا معادل ہے

مصری گرانی اسی طرح مصر کی گرانی کا بھی مجھے سرزمین افریقہ پر پہلے روز قدم رکھتے ہی حال معلوم ہو گیا۔ میری ترکی ٹوپی کی حاجت ابھی نہ تھی۔ مینے راہ چلتے بازار میں ایک ٹوپیاں قالب کرنے والی دوکان دیکھکر اپنی ٹوپی اتارکر قالب کرائی اور جب قسطنطنیہ کی طرح ایک شلنگ قالب کرنے والے کو دیا تو اسنے لوٹا دیا اور کہا کہ یہ استانبول و بیروت نہیں بلکہ پورٹ سعید ہے۔ اور پھر معلوم ہوا کہ مصر میں ہر چیز گران ہے۔ بلکہ قاہرہ میں تو بعض چیزیں اور مکانات یورپ سے بھی گران ہیں۔

ادنےٰ مصریوں کے کمینہ حرکات مصری بچے قلیوں۔ مزدوروں۔ گائیڈوں اور گاڑیبانوں وغیرہ سے مجھے جو سابقہ پڑا ہے میں نے سب کو نہایت کمینہ اور دغاباز۔ بلکہ بدمعاش پایا ہے۔ مصر کے اصلی باشندے فطرتاً بہت اونے اخلاق کے

معلوم ہوتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو اجنبی سیاحوں اور مسافروں سے ملتے ہیں نہ دیہوکا دینے سخت خوشامد بلکہ منت کرنے میں بھی بڑے مشاق ہو جاتے ہیں۔ ان کی غرض صرف کسی نہ کسی حیلہ سے اپنی جیبیں پُر کرنے کی ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہی ہے کہ چونکہ یورپ یا امریکہ کے دولتمند لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔ اسلئے جو مزدوری اُن سے ان لوگوں کو مل جاتی ہے۔ وہ دوسرے لوگ نہیں دے سکتے اسلئے یہ زیادہ تقاضا کرتے ہیں۔ پورٹ سعید میں راہ چلتا ایک دس بارہ سال کا لونڈا میرے ساتھ ہو لیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی اور اردو میں کہنے لگا۔ میں انہیں بازار دکھلاؤنگا۔ اور ایک گھنٹہ سے تین منٹ لینے شروع کئے۔ تھوڑی دیر ادھر اُدھر پھرنے کے بعد میں نے ایک لوکنڈہ میں کھانا کھانا چاہا اور اُسے اُسکے پیسے دیکر کہا تم چلے جاؤ۔ مگر اُسنے کہا مجھے جانے کی کوئی جلدی ہے اور وہیں ٹھیرا رہا۔ پھر لوکنڈہ کے مالک کے کان میں کچھ کہا جسکا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ یہ اجنبی ہے اس سے زیادہ پیسے مانگو) چنانچہ میرے خیال میں اُس نے مجھسے بہت زیادہ دام لیا۔ اور وہیں میرے سامنے کچھ پیسے اُس لڑکے کو دیدئے۔ پیسے ہی آج کشتی بان نے جو مجھے جہاز سے لایا تھا اور جب سے میرا پاسپورٹ ایک جگہ دکھایا تھا۔ مجھسے جہاز پر پہنچکر دوشلنگ کے قریب مقدار سے دسگنے پیسے لیکر میرا پیچھا چھوڑا۔ میں پہلے اسباب لیکر خشکی پر گیا تھا۔ کیونکہ میرا خیال پورٹ سعید سے بذریعہ ریل قاہرہ کو جانے کا تھا۔ لیکن پھر کئی وجوہات سے بذریعہ جہاز سکندریہ دیکھکر قاہرہ پہنچنا پسند کیا چنانچہ ظہر سے شام کو چلکر دوسری صبح کو جہاز بندر اسکندریہ پر پہنچ گیا۔

مصری عورتوں کا برقعہ

اجنبی کو پورٹ سعید میں جو بات سب سے پہلے نرالی معلوم ہوتی ہے وہ عورتوں کا ایک برقعہ یا پردے کا سامان ہے اور یہی سکندریہ قاہرہ اور سوئز میں عورتوں کے چہروں پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک لکڑی یا پیتل وغیرہ کی نلکی کی صورت کی چیز ہوتی ہے۔ جس میں ناک پرو کر اس کو

سر سے اپنے طور سے باندھا جاتا ہے کہ یہ سیدھا ناک سے طول پر قائم رہتا ہے اور ناک کے نیچے سے ایک سیاہ رومال ناف تک لٹکتا ہے۔ پیشانی پر سیاہ یا سفید پٹی باندھی جاتی ہے۔ جس سے صرف عورتوں کی آنکھیں ننگی رہ جاتی ہیں۔ اور باقی جسم سیاہ چادر سے خوب ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ پردے کا بہت اچھا طریقہ ہے۔ مگر ناک کی نلی ایسی کہ وہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے گھس آئی ہے۔ علاوہ اس کے مصری عورتیں بھی استانبول و شام وغیرہ کی عورتوں کی طرح بازاروں میں پھرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ چنانچہ جس روز میں سکندریہ میں پہنچا۔ وہاں کے ایک روزانہ اخبار "البصیر" میں دیکھا کہ حکومت کی طرف سے صرف دو تین روز پہلے ایک حکم نافذ ہوا ہے۔ جسکا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو بعد از شام بازاروں میں پھرنے سے روکا جائے۔ سر جارج نیونس جو لندن کے رسالہ "ٹٹ بٹس" اور سٹرینڈ میگزین کے مشہور بانی اور مالک ہیں اپنی سیاحت مصر کے حالات میں مصری عورتوں کے پردے کی نسبت حسب ذیل فقرہ چست کرتے ہیں:۔

مصری اور یورپین عورتوں کے حسن کا مقابلہ

"عورتوں کا لباس بھی مردوں کی طرح بہت ڈھیلا (پاؤں تک لٹکتا ہوا) اور زیادہ تر سیاہ ہے۔ ان کا مذہب انہیں مجبور کرتا ہے کہ سوائے اپنی سیاہ آنکھوں کے باقی چہرہ کو برقع میں چھپائے رکھیں جو کہ ان کے سر کے لباس سے ایک پیتل یا لکڑی یا چاندی کے ناک کے پل تک سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جو شطرنج کے بادشاہ یا رخ کی شکل کا ہوتا ہے۔ چند عورتوں کے چہرے جو ننگے دیکھے گئے۔ اُن سے ہر شخص کو اس مذہب کا شکرگذار ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس میں عورتوں کے چہروں کا چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے"۔ اسمیں شک نہیں کہ بوجہ حبشی اور سوڈانی خونوں کی شرکت کے مصر میں بہت عورتیں سیاہ یا سانولے رنگ کی ہیں۔ اور اسلئے سر جارج نیونس کو یہ فقرہ ایجاد کرنا پڑا ہے۔

کاش یہ بیچارے شام کا ہی سفر کرتے تو دیکھتے کہ اس خیال پر عمل ہوتے ہوئے بھی ایسے ہی جہان آشوب حسن کے فتنہ کو دبانے کے لئے پردے کی ضرورت اسلام نے تسلیم کی۔ کہ جس ضرورت کو اہل یورپ اپنے یہاں کے بے ملاحت حسن کی وجہ سے محسوس نہیں کر سکتے۔ اور پردے کے سوا کام چل رہا ہے۔

بیروت پہنچ سکندریہ کا بندر بہت عمدہ ہے۔ کہ جس میں جہاز سیدھا گودی سے لگتا ہے۔ کشتی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جہاز کی گودی سے لگنے کی دیر تھی کہ بہت سے قلی اور ہوٹلوں کے دلال جہاز میں گھس آئے اور چونکہ اکثر مسافر یہیں اترنے والے تھے۔ اسلئے رستخیز کا سماں پیدا کر دیا۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ میں فلان ہوٹل والا ہوں ایک فرانک کو بہت اچھا کمرہ دونگا۔ میں نے اسکے ہمراہ چلنا منظور کیا۔ اسنے میرا اسباب نکلوا کر گاڑی میں رکھوایا۔ اور ایک شخص میری ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چونگی میں اسباب دیکھا گیا۔ اور میرا پاسپورٹ پولیس نے یہ کہکر رکھ لیا کہ انگریزی کانسلیٹ سے تمہیں واپس ملیگا۔ راستہ میں اس شخص نے جو میرے ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا تھا مجھے کہا کہ یہاں ایک فرانک کو کمرہ ملنا مشکل ہے بلکہ دو فرانک کو کمرہ لینا ہوگا۔ آخر بڑی بحث کے بعد اُسنے ایک ہوٹل میں ڈیڑھ فرانک کا کمرہ لیدیا۔ جسپر لکھا ہوا تھا۔ کہ اس کمرہ کا کرایہ ایک فرانک ہے۔ مزدوروں کو زیادہ کرایہ دلوایا۔ ہوٹل کو ڈیوڑھا دلوایا۔ گاڑیبان کو دوگنا دلوایا۔ اور آدھ گھنٹہ کے تقاضا کے بعد دس غرش خود لیکر گیا۔ حالانکہ اُسنے میری کچھ خدمت نہ کی تھی۔ گویا ۵۰ غرش یا قریب چار روپیہ میں جہاز سے ہوٹل کے کمرہ تک پہنچا۔ یہ دلال کمبخت ایسے ڈھیٹھ اور بیحیا ہوتے ہیں کہ تیزی یا انکار کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ انہیں سے بعض کی دستبرد تو معاشی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں بازاری مصری زنِ خوش اوقات بیچنے کا بھی رواج ہے۔ میں نے ایک نوجوان سے کچھ نوٹ اوف دیکھکر متوجہ

لیکن وہ بہت زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ آخر میں نے اُسے لوٹا دیئے۔ تو وہ بدمعاش خفا ہو کر مجھ پر حملہ کرنے کو تیار ہو گیا اور سخت و سست کہنے لگا۔

تاریخی اسکندریہ سکندر اعظم نے ۳۳۲ قبل مسیح میں اپنے نام پر اس شہر کو آباد کیا۔ جو بعد میں یونانی اور رومی حکام کے عہد میں نہایت آباد اور ہر طرف کی تجارت ہو گیا۔ پہلا سکندر اعظم کا یہاں کے بندرگاہ کو وسیع اور استوار کرنا۔ بطلیموس ثانی کا فاروس نامی مشہور روشنی کا مینار بنانا جو عالم کے سات عجائبات قدیم میں شمار ہوتا تھا (کیا) مصر کی مشہور خوبصورت ملکہ کلیوپیٹرا کا اپنے نام سے سنگین ستون نصب کرنا۔ (کہ جس میں سے ایک خدیو اسمٰعیل پاشا نے سنہ ۱۸۷۷ء سے لندن میں بھیجا اور دوسرا سنہ ۱۸۸۰ء سے نیویارک میں جو دونوں اُن شہروں کی زینت بنے ہوئے ہیں) کیا حکیم اقلیدس مہندس۔ ایراتوستھنیز بطلیموس جغرافیہ دانوں اور ہپارکس استاد ہیئت کا یہاں فیضیاب۔ یہ سب پُرانے واقعات ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی بعض متعصب عیسائیوں کا وہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا بڑا کتب خانہ کہ جس میں سات لاکھ کتابیں علاوہ اسکے متعلقہ رصدگاہوں عجائب خانوں اور دریائی و نباتات کے باغات کے جمع تھیں۔ قیصر کے جنگوں سنہ ۴۸ و ۴۷ قبل مسیح میں آتش زدگی سے تلف ہو گیا تھا۔ لیکن چھوٹا کتب خانہ عمرو بن عاص نے خلیفہ عمرؓ کے حکم سے جلا دیا تھا۔ تاہم بعض دیگر منصف مزاج عیسائی مصنف ہی اسکی تردید بھی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسے تھیوڈوسیس کے حکم سے سنہ ۳۸۹ء میں جلایا گیا تھا۔ بہرحال وہ اسکندریہ جو قدیم سائنس فلسفہ اور علم و ہنر کا معدن تھا۔ اور جس میں کہ سلاطین بطلیموس کے عہد میں ساڑھے سات لاکھ کے یونانیوں مصریوں رومیوں اور یہودیوں وغیرہ کی آبادی تھی اٹھارہویں صدی کے آخر میں یعنے خدیو محمد علی کے زمانہ تک یہ صرف چھ ہزار آدمیوں کی بستی رہ گیا تھا سنہ ۶۴۱ء ۲۰ ہجری میں جبکہ مسلمانوں نے اس شہر پر قبضہ

گیا تو حضرت عمر نے ایک خط میں اس شہر کی تعریف میں تحریر فرمایا تھا کہ اسمیں چار سو حمام اور چالیس ہزار یہودی آباد ہیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ رومیوں نے اسے تباہ کیا۔ اور پھر قاہرہ پایۂ تخت اسلامی ہو جانے کی وجہ سے بھی اسکی رونق کم ہو گئی۔ مگر خلیفہ مروان بن عبدالعزیز کے عہد میں یہاں کی آبادی چھ لاکھ ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں کی تاخت و تاراج سے یہ شہر بے چراغ ہو گیا اور اسکی تجارت باقی رہی۔

سکندریہ کی عمارات / پُر رونق بازار

سکندریہ میں پہنچنے سے پہلے مجھے شان و گمان بھی نہ تھا کہ سرزمین افریقہ پر بھی ایسا شہر موجود ہو سکتا ہے کہ جسکی عالیشان عمارتیں پیرس اور ویانا کو یاد دلا دیں۔ مگر واضح رہے کہ میں یورپین حصہ کی عمارات کا ذکر کر رہا ہوں۔ جہاں کے وسیع [illegible] اور دو رویہ چار چار پانچ پانچ منزل کی عمارتیں دوکانیں اور قہوہ خانے یورپ کے [illegible] سے لیجیے پایۂ تخت کے لئے باعث زیب و زینت ہو سکتی ہیں۔ خصوص[illegible] ہیں۔ جس میں عدالت العالیہ اور مکمل پوسٹ [illegible] خدیو اول محمد علی پاشا کا [illegible] اسپ سوار بت نصب ہے۔ یہ پہلا مجسمہ بت ہے۔ جو میں نے آج تک دیکھا ہے گھوڑے کے زین رکاب اور سوار کے کپڑے سب اسی زمانہ کے ہیں [illegible] کے یورپین کوارٹر کی [illegible] شارع ازبکیہ میں جو ابراہیم پاشا کا اسپ سوار بت نصب ہے۔ وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ ان دونوں نامور خدیووں کو دیکھ کر انکے دلاورانہ کارنامے یاد آجاتے ہیں۔ اگر ان کے جانشین بھی ایسے کام کرتے جیسے کہ انہوں نے کئے تھے۔ تو خدا جانے آج مصر دنیا بھر کی قسمتوں کا مالک ہوتا۔ یورپین حصہ کے بازار نہایت کشادہ اور سیدھے دوکانیں بیش اسباب سے آراستہ۔ پتھر کی سڑکیں۔ اطراف میں پیدلوں کے چلنے کے فٹ پاتھ ہیں۔ منشیہ میں رونق کی یہ حالت ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اس کے عین چوک کے درمیان میں ایک بلند چبوترہ دور تک چلا گیا ہے۔ جس پر

بہت سے درخت ہیں۔ ان کے سایہ میں قہوہ خانوں کی شربت کرسیاں اور
میزیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور دن بھر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ جو قہوہ پیتے گپیں
ہانکتے اور اخبار پڑھتے ہیں۔ بوٹ برش کرنے والے لڑکے سینکڑوں ہیں
جو بار بار دق کرتے ہیں۔ ایسے ہی اخبار بیچنے والے لڑکے۔ ان کے
پاس المصید [illegible] الاہرام روزانہ اخبار اور انیس الجلیس ماہوار رسالہ
علاوہ ایک فرنچ اخبار الگزینڈری اور یونانی ہونا کے ہوتے تھے۔
ان کے علاوہ [illegible] بہت سکتے ہیں۔ مگر ان کی قیمتیں دوگنی لیتے
ہیں۔ ہر چند کہ قاہرہ بہت بڑا شہر ہے [illegible] اور یورپین دکانیں
بھی سب سے زیادہ ہیں [illegible] سکندریہ کے [illegible] کی وسعت [illegible] نہیں پہنچ
سکتی۔ سکندریہ میں [illegible] لوگ [illegible] بھی ہے
اور [illegible] ہے۔
سفید [illegible] معلوم [illegible] جاتی کثرت
[illegible] ہیں جیسے [illegible]
ہوئے بھی [illegible] فرق ہے۔
گو [illegible] اور پینے
سے [illegible] کا
[illegible] خصوصاً [illegible] لوگ
[illegible]

قاہرہ [illegible] سکندریہ [illegible] ایک ریل [illegible] آتی
جاتی ہے۔ فاصلہ ۱۳۰ میل ہے۔ میں [illegible] بجے [illegible]
ا بجے قاہرہ پہنچ گیا۔ سیکنڈ کلاس میں بڑے بڑے گدے [illegible]
سے بھی اچھے تھے [illegible] ریلوں کی [illegible] کی [illegible] دونوں
کے درمیان [illegible] معمولی [illegible] اسٹیشن والے لوگ

ہی ریل میں چلتے پھرتے اور جوا ہیں گھوڑوں کی زنجیریں وغیرہ چیزیں بیچا کرتے ہیں۔ اور گارڈ کسی اسٹیشن پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی اس اسٹیشن پر اترنے والوں کے ٹکٹ لے لیتے تھے۔ مگر یہ تو ریل کے اندر کی حالت تھی۔ باہر کی کیفیت اور ہی تھی۔ سبزہ کھجور اور پانی کی نہروں اور نالیوں نے ایک وسیع باغ سا بنا رکھا تھا۔ مصر کی مشہور کپاس اور نیشکر کے کھیت ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ قدیم مصر کا تاریخی خلاص [illegible] یا اگر [illegible] کے ٹخنوں تک پہنچ گیا ہے۔ ان کے [illegible] نیل کا اس سرزمین پر کس قدر فیض ہے۔ اگر [illegible] تو مصر [illegible] تب تو اس ریگستان سے گذرنا [illegible] سے سلطان محمود [illegible] آتا کے [illegible] حالی ہے تا [illegible] دریا کی اس [illegible] کے [illegible] کے [illegible] ہے۔

[illegible] میں [illegible] اور [illegible] کا [illegible] ہیں ویسی ہی [illegible] کے [illegible] کہ ممالک [illegible] سلطان [illegible] ہوتے ہیں کیونکہ [illegible] مصر [illegible] پڑتی [illegible] مردوں اور [illegible] عورتوں کا بڑا [illegible] رہتا ہے۔ [illegible] ثبوت [illegible] ملک ہے۔ دور سایہ کرنے کی ضرورت نہیں [illegible] دیکھا کر ساتھ ہی کی [illegible] سواری چلتی ہیں۔ مختلف آبپاشی کے ذریعوں [illegible] ہیں۔ اکثر کھیتوں میں تر پانی [illegible] کاٹ [illegible] لیکن جن میں

نہیں لگتا۔ ان میں [illegible] رہتے ہیں [illegible] دو توچھا لاتہ
مشہور طریق سے [illegible] پایا جاتا ہے [illegible] بھی پنجابی
ہی ہے۔ [illegible] شخص اس کے
ذریعے سے [illegible] پانی [illegible] چھینکتے رہتے ہیں۔ سوم
ایک لکڑی کا [illegible] بالشت چوڑا اور تین انچ
اونچا [illegible] پانی میں کھڑا ہو کر اسے
اپنی طرف [illegible] جلدی سے یہ سرا اٹھا
سے کھیت میں [illegible]۔ چہارم [illegible] ہندوستان میں بھی موجود
ہے۔ لیکن [illegible] طریقہ [illegible] موجود ہیں [illegible]
سے پانی [illegible]
ہیں [illegible]
ہوتا ہے [illegible] ایک سرا اس کا پانی
میں [illegible]
اور [illegible]

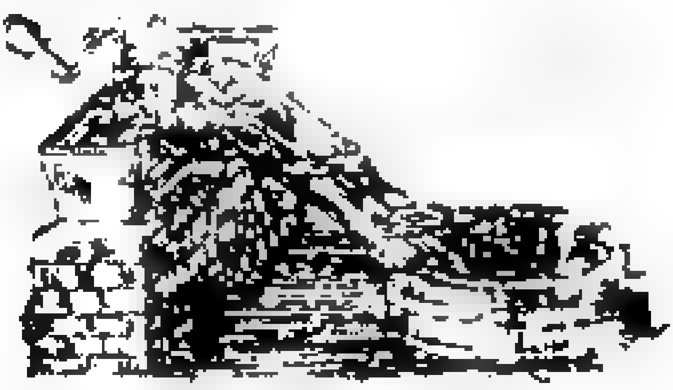

اسکو پنجابی [illegible]
تصویر [illegible]
یہ طریق زمانہ قدیم سے [illegible]
سے جاری ہے [illegible]
سے [illegible]
جاتی ہے [illegible]
یعنی [illegible] جو طریق [illegible] پہلے [illegible] لکھ چکا
ہوں [illegible] ہندوستان [illegible] طریق [illegible] پانی
کا [illegible] مگر اس کے ذریعے سے

جو پانی کی مقدار رہٹ کی نال سے رواں رہتی ہے وہ کھیت کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ یہ طریقے آبپاشی کے مصر میں جاری ہیں۔ اور سب نہایت [illegible] سادے اور ان میں سے اکثر [illegible] ہیں۔

قاہرہ کی تاریخ [illegible]

اہل مصر [illegible] پایہ تخت کو [illegible] کہتے ہیں قاہرہ کی موجودہ جگہ [illegible] سے [illegible] میل تک دریائے نیل کے مشرق [illegible] ہیروڈٹ [illegible] سے [illegible] ۱۴۰ میل کے فاصلہ پر [illegible] اہل بابل کا ایک شہر [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] اور علاقہ [illegible]

[illegible]

[illegible] شہر کی [illegible]

[illegible] شہر کو بہت [illegible] شہر کے [illegible]

[illegible]

[illegible] ساتھ ہی اسی زمانہ سے عیسائی اقوام کی رعایا کو وہ مراعات دینی
شروع ہو گئیں کہ جنکی بدولت اسوقت [illegible] یا مخلوط عدالتیں
قایم ہیں۔ [illegible] میں [illegible] سقوط خلافت
کے بعد [illegible] ایک ترکی [illegible] بعد [illegible]
[illegible] کے جزائر [illegible] کو [illegible] چند ماہ بعد
[illegible] ایک [illegible] نے شدت
انتقام لیا اور [illegible] فتح کر [illegible] کی عمر
بہت [illegible] بار [illegible]
[illegible] میں [illegible] ایک [illegible] کو [illegible]
فتح کر دیا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے ساتھ جو [illegible]
کی [illegible] آثار نقاشی [illegible]
ہوئی ہیں۔ [illegible] خوب صورت
[illegible] کی [illegible] جن میں [illegible]
[illegible] رہتا ہے [illegible]

عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ جو کہ کثرت بیتل کے چھلّے میں ہاتھ ڈالے کھڑی رہتی ہیں۔ چونکہ میں قاہرہ میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں زمانہ قیام کا اکثر وقت گدھے پر یا گاڑیوں پر ہی سوار رہا۔ کیونکہ قاہرہ میں بہت سے قدیم زمانے کے آثار، مساجد اور مقابر دیکھنے کے قابل ہیں۔

ٹریم وے ہر چند۔ یہاں برقی ٹریم وے بہت دور تک چلتی ہے۔ یہاں تک کہ اہرام مصری (مشہور مخروطی مینار) جو شہر سے آٹھ دس میل دور ہوں گے لیکن وہاں تک بھی برقی ٹریم وے جاتی ہے۔ جس کا کرایہ ہر مسافت کے لئے یکساں ہے۔ اور یہاں کے تنگ بازاروں میں ہزاروں چھوٹی اومنی بس گاڑیاں اور وکٹوریا گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی سواری یہاں کے گدھے ہیں۔ جو گو پشت چھوٹے قد کے ہوتے ہیں مگر

گدھے کی سواری بڑے تیز گام سبک رفتار اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور اکثر زن و مرد مصری اور یورپین بے تکلف ان پر سوار ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ بہت سستا۔ اور تنگ اور پیچیدہ [illegible] میں [illegible] جہاں گاڑیاں نہیں چل سکتیں یہ بڑی تیزی سے [illegible] دوڑتے ہیں [illegible] بہت لوگ اس سواری کو پسند کرتے ہیں [illegible] جا [illegible] سکتے [illegible] کے [illegible] بازاروں کے [illegible] اکثر [illegible] ہوتے ہیں۔ جو [illegible] سے کسی طرح بھی [illegible] بلکہ برابر تیزی سے [illegible] جاتے ہیں۔ جب تنگ بازاروں سے گزرتے ہیں۔ تو [illegible] جاتے ہیں [illegible] [illegible] خالی [illegible] ہے۔ یعنی [illegible] جب [illegible] بہت [illegible] پر [illegible] والا [illegible]۔

[illegible] مقبرہ [illegible]

یگی - موجود کو موگود - اور حقل (دانت) کو گبل کہتے ہیں - علاوہ اس کے ث کو ت کی طرح ملفوظ کرتے ہیں - جیسے کثیر کو کتیر - اور ذ کو جبکہ آخر کلمہ میں ہو ڈ کہتے ہیں - مثلاً علے طریق ارشاد کو رشاڈ کرکے پڑھیں گے - اسی طرح ق کو الف جیسے قدیم کو ادیم -

بگڑی ہوئی عربی زبان مصر اور شام وغیرہ ممالک میں جو عربی آجکل بولی جاتی ہے وہ نہ تو صرف و نحو کے لحاظ سے درست ہوتی ہے اور نہ اسکے الفاظ ہی صحیح ہوتے ہیں - اور لطف یہ ہے کہ نہ جاہل [illegible] ہی یہ غلط بولی بولتے ہیں - بلکہ بڑے بڑے علماء بھی [illegible] بات چیت کرتے ہیں - البتہ جب کتاب یا اخبار لکھتے ہیں تو صحیح [illegible] پابند ہوتے ہیں - [illegible] کو مصری [illegible] کہتے ہیں - [illegible] کو [illegible] - [illegible] کو [illegible] آتی شے کو اشی وغیرہ [illegible] آخر [illegible] بیروت سے ایک [illegible] ایک جدول [illegible] کا مرتب کیا تھا جسمیں بیروت - قاہرہ - [illegible] کا مقابلہ کرکے دکھلایا تھا - یہ جدول [illegible] سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے جس سے [illegible] آجکل مختلف عربی بولنے والے ممالک کی زبان اور صحیح عربی میں کس قدر اختلاف ہے - جدول یہ ہے -

لغت عربی کے مختلف لہجوں کا جدول

صحیح عربی	لہجہ بیروت	لہجہ مصر	لہجہ تونس (شمالی افریقہ)
هذا الوقت	هلق	دلوقت	توا
هنا	هون	هنه	هون
متاخرا	لقبّش	دخري	متوخر
باكرا	بكير	بدري	بكري

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس رقیہ
كيف حالكَ	كيف حالك	ازيك	كيف حالك
ما هذا	شو هيدا	دا ايه	اشنو هاذا
ما اسمك	شو اسمك	اسمك ايه	سمك
لم ضربته	ليش ضربتو	ضربتو ليه	علاش ضربتو
مثل	متل	زى	كيف
اكتب	بكتب	بكتب	نكتب
نكتب	منكتب	مكتب	نكتبو
و	[illegible]	ولا	توّا
رجل	[illegible]	رجل	راجل
هكذا	هيك	[illegible]	هكا
لاجل	[illegible]	عشان	على خاطر
متى	[illegible]	امتى	وقتاش
هى - دام - [illegible]	[illegible]	[illegible]	بقا
نحن	[illegible]	[illegible]	احنا
لا اقدر	[illegible]	[illegible]	ما نجم شى
هم	هن	هم وهما	هوما
رجل	رجال	رجل	راجل
اى جنس	ابنا جنس	[illegible] جنس	آن رس
اية جهة	ايه جهة	[illegible] جهة	آن زهة
لابطر	ما بيا بل	ما عليش	ما يسالش

مصری مرد و عورت لباس ... ترکی سے ... مصری لوگ ... لباس نہیں پہنتا۔ گو بعض نوجوان یورپین طرز کا یورپین لباس پہنے لگے ہیں

لیکن ابھی تک زیادہ مصری اپنا قدیم لباس پہنتے ہیں۔ مصریوں کا قدیم لباس سر پر سرخ ترپوش کے گرد سفید لفہ لپیٹے اور پر دو لمبے۔ ڈھیلے جبے جو ٹخنوں تک نیچے ہوتے ہیں جن میں سے نچلے کی آستینیں کہنیوں سے ایک بالشت لمبی ہوتی ہیں۔ اور چونکہ ہاتھ کے قریب ان کی سلائی نہیں کی جاتی۔ اس لئے ہاتھ سے نیچے لٹک جاتی ہیں۔ یہ جبہ عموماً دھاری دار ریشمی کپڑے کی ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے کالر کسی طرح کے نہیں ہوتے۔ اور چونکہ مصری لوگ ذرہ بھی خوش وضع۔ قوی الجثہ۔ ورزشی اور بھرے ہوئے کا ڈھانچے نہیں رکھتے ان کا یہ لباس انہیں اور بھی کریہ منظر بنا دیتا ہے۔ کیونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے یہ لوگ داڑھی ہرگز ماہ مقراض کی نذر کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہ کہ ان کے بڈھے اور سفید ریش ہی بلکہ علما بھی خشخاشی داڑھیوں پر نازاں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ جو داڑھی کو استرہ کے حوالے نہیں کرتے۔ قینچی سے استرہ کے برابر خدمت لیتے ہیں۔ سر کی پگڑی ٹوپی کے اوپر ایک پٹی سی لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ جس سے ان کے سر چھوٹے اور گردنیں لمبی معلوم ہوتی ہیں۔ اور رنگ عموماً سانولے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں صورت کی نسبت سیرت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ اور مجھے اس بارہ میں بھی ناظرین کو مایوس کرنا پڑتا ہے کہ میں بحیثیت مجموعی اہل مصر کی لیاقت کی نسبت کوئی اعلےٰ خیال نہیں پیدا کر سکا۔

اصلی مصریوں کی ابتری اور پست ہستی

مصری دراصل کیا قوم ہے؟ یہ سوال ہر ایک مصر میں جانے والے شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر اسے ذرہ بھی مختلف اقوام کی قومی خصوصیات معلوم کرنے کا شوق ہے۔ نہایت مختصر پیرایہ میں اس سوال کا جواب میں یہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت جتنے لوگ اہل مصر کہلاتے ہیں۔ وہ یا تو مسلمان ہیں۔ یا قبطی عیسائی۔ مگر چونکہ عیسائی مصر کی آبادی کا بہت قلیل جزو ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی قبطی نسل کے بہت لوگ موجود ہیں۔ اس لئے میں نسل کی تقسیم بیان کرتا ہوں۔ مصر کے قدیم باشندے یہی قبطی لوگ ہیں۔ مگر اسلامی فتوحات کے ابتدائی زمانہ سے بہت سے عرب اس ملک میں آ آباد ہو گئے۔ ان کے ایک ست

بعد ترکوں نے اسکو فتح کیا۔ اور بسبب سے ترکی حیثیت قوم فاتح اس ملک میں آ ٹھہر گئے۔ اب یہ سب لوگ سوائے ترکوں کے جو شکل صورت اور نسل میں بھی الگ معلوم ہوتے ہیں اور جو آفندی کہلاتے ہیں۔ سب مصری کہلاتے ہیں لیکن لنگمیں کے قیافوں سے مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک مصر کی زیادہ آبادی اور قریباً تمام فلاح اصل قبطیوں کی نسل سے ہیں۔ لیکن ان کے ارادے اور خیالات اسی نسبت سے پست ہیں کہ جتنی ان کی نسل قدیم ہے۔ بہر حال مصر کی تمام آبادی بجز ترکی اسکا اعلیٰ جزو کے ترکوں اور شامیوں سے شائستگی اور تہذیب میں بہت پیچھے ہے۔

مصر کے پالٹیکس

کیپیچولیشن یا مساوات پندرہویں صدی عیسوی یا اس کے بعد عثمانی سلاطین نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا کو اپنی قلمرو میں کئی کئی مراعات دیکر آباد کیا تھا۔ جنہیں مورخین یورپ کیپیچولیشن کہتے ہیں۔ اور جنکا ذکر ترکی اور مصر کے متعلق بار بار آتا رہتا ہے۔ اصل غرض اس زمانہ کے سلاطین کی یہی تھی کہ عیسائی سوداگر اور نو آبادکاروں کی حفاظت کیجائے۔ اور انہیں نقصان سے محفوظ رکھا جاوے۔ مسلمان سلاطین کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا۔ کہ کسی وقت عیسائی دولتیں اتنی زبردست ہو جاینگی کہ ان مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا سکیں گی۔ بہرحال عیسائیوں سے یہ تین خاص مراعات ملحوظ رکھی جاتی تھیں۔ (۱) ہر قسم کے ٹکس سے محفوظ رکھنا۔ (۲) مجرم کے ملک کے حکام کے سامنے اسکا مقدمہ پیش کرنا۔ (۳) مقامی عدالتوں کو اسے متصور کرنے کا اختیار نہ ہونا۔ چونکہ مصر بھی ایک ترکی صوبہ تھا۔ اسلئے جو وعدے سلاطین ترک نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا سے قلمرو ترکی میں ملحوظ کئے جاتے تھے وہی مصر میں بھی مسلم سمجھے گئے۔

چار قسم کی عدالتیں اب جبکہ مصر میں وہ عملی اور سیاسی کا دور آیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو لازم ہوا کہ مختلف یورپین ممالک کی رعایا کے مقدمات وہیں کے حکام کے

موجود پیش ہوں۔ لیکن اگر دو یورپین اقوام کے باشندوں کے مابین تنازعہ ہو تو وہ ایک مخلوط یا بین الاقوام عدالت میں پیش ہو۔ ان وجوہات سے مصر میں مندرجہ ذیل چار اقسام کی عدالتیں قائم ہوئی ہوئی ہیں۔ (۱) محاکم اہلیہ یعنی ملکی عدالتیں۔ ان میں اہل ملک کے ہر قسم کے مقدمات بابت ملت کے فیصل کئے جاتے ہیں۔ (۲) محاکم شرعیہ۔ یعنی دینی عدالتیں۔ ان میں صرف مسلمانان مصر کے مقدمات نکاح طلاق نان نفقہ وصیت میراث وغیرہ دینی امور کے طے پاتے ہیں۔ (۳) محاکم قناصلیہ یعنی غیر ممالک کی قنصلوں کی عدالتیں۔ ان میں غیر ممالک کے باشندوں کے ایسے مقدمات فیصل ہوتے ہیں جو انہی ملک کے ملک کی رعایا ہوں۔ (۴) محاکم مختلطہ یعنی مخلوط عدالتیں۔ ان میں تمام ایسے ملکی تجارتی دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل ہوتے ہیں۔ جو مصری اور غیر مما کے باشندوں یا دو اجنبی اقوام کے باشندوں کے مابین دائر ہوں۔

ایک خلل ان تمام اقسام کی عدالتوں سے بجائے آرام کے بہت سی زحمت پیدا ہوگئی ہے۔ مگر مصر کے دو عملی کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا گیا ہے۔ مثلاً اس وقت مصر میں یورپ کی ہر سلطنت کی رعایا موجود ہے کہ جن کے نام اپنے اپنے ملکوں کے سفارتخانوں میں رجسٹر ہوئے ہوئے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک مصری کا بازار میں کسی اٹلی کے باشندہ سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اٹلی کے باشندہ نے اس مصری کو خوب پیٹا۔ مصری کانسٹبل سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ جب مصری پٹ چکا۔ تو مصری کانسٹبل نے اس کے مارنے والے کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ اس کے بھی ٹھونکنے کو تیار ہو گیا۔ اور چونکہ وہ غیر ملک کی رعایا ہے۔ مصری کانسٹبل اور مصری قانون کا اس پر اختیار نہیں۔ اس پر سپاہی نے اسی پر اکتفا کیا کہ پٹے ہوئے شخص کو پکڑ کر پولیس کی چوکی میں لیجائے۔ اگر وہاں سے اسے جمعدار اور پولیس مل گئے۔ اور ان کی مدد سے اس نے پیٹنے والے غیر ملک کے باشندے کو پکڑ لیا۔ تو وہ اسے تھانہ میں لے آیا۔ اب تھانہ اسکی نسبت اور کوئی کارروائی سوائے بیان لینے یا اسے

حوالات میں رکھنے سے نہیں کر سکتا۔ جبکہ وہ کہتا ہے۔ کہ میں فلاں غیر ممالک کی رعایا ہوں۔ اگر اُس غیر ملک کی رعایا کے دفتر میں اسکا نام مل گیا۔ تو غیر ملک کے سفیر نے اسے لے لیا۔ اب اُسے اختیار ہے۔ کہ جو سزا اُسکے مناسب سمجھے دے یا نہ دے۔ مصری پولیس یا مصری کورٹ کا اسپر کوئی اثر نہیں رہا۔ جو دیوانی مقدمات مصریوں اور غیر ممالک کی رعایا کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلے مخلوط عدالت کرتی ہے جسمیں مصری اور غیر ممالک کے جج ملکر فیصلہ کرتے ہیں۔

خاندان خدیوی
جب مملوک امرا کی طرف سے محمد علی کو کوئی خدشہ نہ رہا تو اُسنے یورپین طریق پر فوج جرار تیار کی۔ اور مصر کا انتظام ٹھیک کر کے خود مختاری کا دم بھرنے لگا۔ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے اسکی گوشمالی کی جو تدابیر اختیار کی گئیں۔ اُن میں کامیابی نہ ہونے پر اسکا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور سلطان محمود ثانی کے عہد میں ۱۸۳۱ء میں اُسنے کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔ عکہ دمشق و حلب کو فتح کر کے قسطنطنیہ کیطرف بڑھنا شروع کیا۔ اور اگر انگریزی اور فرانسیسی جنگی بیڑے اُسے بیروت پر ۱۸۴۰ء میں شکست نہ دیتے تو اندیشہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیتا۔ ۱۸۴۱ء میں ایک معاہدے کے مطابق سلطان عبدالمجید نے مصر کی گورنری کا عہدہ محمد علی پاشا کے خاندان میں موروثی کر دیا۔ گو مصر بدستور ٹرکی کا باجگذار رہا۔ محمد علی کے انتقال کے بعد ابراہیم پاشا۔ عباس پاشا۔ اور سعید پاشا خدیو ہوئے۔ مگر محمد علی کی سی لیاقت کسی میں نہ تھی۔

خدیو اسمٰعیل اور مصری قرضہ
آخر اسمٰعیل پاشا جسنے فرانس میں تعلیم پائی تھی خدیو ہوا۔ تو اُسکی طبیعت میں سلطنت مصر کو یورپین طریقہ پر چلانے کے بڑے بڑے ولولے تھے۔ اُسنے بہت کچھ کوشش کی ملک میں ریلیں اور کچھ کارخانے جاری کئے۔ شہر قاہرہ کی کایا پلٹ کر اُسے چھوٹا پیرس بنا دیا۔ مگر اِن سب تکلفات کے لئے بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسمٰعیل پاشا نے فرانس اور انگلستان کے ساہوکاروں سے بہت سا قرضہ اٹھا لیا۔ اسی اثنا میں سلطان عبدالعزیز کے عہد میں اپنے

اور مصری وزیر نوبار پاشا کی تحریک سے اُسنے باب عالی میں بہت کچھ پیشکش قیمت تحائف پیش کرکے ۱۸۶۷ء میں "خدیو مصر" کا خطاب پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیا علاوہ ساتھ ہی ملکی نظم و نسق اور غیر سلطنتوں سے خود مختارانہ معاہدے کرنے کا حق بھی حاصل کرلیا۔ جو اسوقت تک گورنران مصر کو حاصل نہ تھا۔ اسکے عوض میں باب عالی کو (۴۰۰٬۰۰۰) ہزار پونڈ کی بجائے سات لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ساتھ ہی قرار پایا کہ سکہ کی دوسری طرف سلطان المعظم کا نام مضروب ہو اور مصری فوج کے تمام نشانات وعلامات سلطانی ہوں۔ نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کا افتتاح ہوا جو ایم ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجینیر کی کوشش سے کھودی گئی تھی۔ ۱۸۷۵ء میں مسٹر گرین وڈ ایک انگریزی اخبار نویس کی تحریک سے انگلستان نے نہر سویز کے بہت سے حصے خرید لیے۔ ادھر سے خدیو اسمٰعیل کی بدتدبیری سے اسکے قرضہ کا سود بھی ادا نہ ہوسکا۔ جس پر انگلستان اور فرانس کے قرضخواہوں نے شور مچایا۔ اور ان دونوں سلطنتوں نے سلطان عبدالحمید خان ثانی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بحیثیت شہنشاہ مصر ہونے کے خدیو اسمٰعیل کو معزول کریں۔ اور مصر کے لیے ان کے قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں باب عالی کے حکم سے خدیو اسمٰعیل کو معزول کرکے اسکے بیٹے توفیق پاشا کو خدیو مصر بنایا گیا۔ چونکہ فرانس اور انگلستان کے ماتحت مصر کا مالی انتظام کرتے تھے۔

بغاوت عرابی و انگریزی قبضہ مصر

اسپر مصر کی قومی پارٹی ناراض تھی کہ جسنے عرابی پاشا کی سرپرستی سے ۱۸۸۲ء میں بغاوت کی۔ انگریزوں نے باب عالی اور نیز فرانسیسی فوج سے امداد کی خواہش کی۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔ اسپر انگریزی فوج نے تھوڑی سی جنگ کے بعد عرابی کی بغاوت کو فرو کردیا۔ اور اس طرح انگریزی فوج کو ملک میں امن قایم رکھنے کیلیے رہنے کا حیلہ مل گیا۔ اسی اثنا میں سوڈان میں بغاوت ہوئی اور وہ مصر کے قبضے سے نکل گیا۔ مگر پھر جنرل کچنر نے مصری و انگریزی افواج کے ذریعہ

سے لے گئے علاقہ عبداللہ نقابی سے چھین لیا۔

خدیو عباس پاشا

۱۸۹۲ء میں خدیو توفیق نے انتقال کیا جسکی جگہ موجودہ خدیو عباس حلمی صاحب اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعہ تعلیم پاتے تھے۔ سلطان المعظم نے انکے جانشینی کا فرمان جاری کیا۔ اور یہ مصر میں آ کر تخت نشین ہوئے۔ خدیو عباس بڑے روشن ضمیر اور لائق حکمران ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ یورپین حکمرانوں کی طرح حکومت کرتے ہیں۔ سوائے عربی اور ترکی کے فرانسیسی جرمنی اور انگریزی کی بھی جرمن سے ہیں اول درجہ کی زباندان ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ایک طرف سلطان ٹرکی کی ماتحتی اور دوسری طرف انگریزی ایجنٹ کی نگرانی کا بار ہے۔ اسلئے ان کی حکومت عجیب بے اختیاری کی حکومت ہے ؎

عزم صیاد و فکر باغبان ہے۔
دو عمل میں ہمارا آشیان ہے

اب استقلال مصر کی امید نہیں رہی۔

گذشتہ چھبیس سال سے مصر پر انگریزی فوج کا قبضہ ہے لیکن چونکہ فرانس نے اس قبضہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اسلئے انگریز مصر پر اپنی من مانی حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ۱۹۰۴ء سے انگلستان نے فرانس سے مصر کے متعلق معاہدہ کر لیا ہے۔ کہ فرانس انگلستان کے قبضہ مصر کے راہ میں مخل نہ ہو اور اسکے عوض میں انگلستان نے فرانس کو مراکش کی مداخلت کا پورا اختیار دیدیا ہے۔ اسطرح سے جو کبھی انگلستان سے مصر خالی کر دینے کی امید بھی وہ بھی جاتی رہی ہے۔ گو پہلے پہل انگلستان و فرانس نے قرضہ مصر کے انتظام کے لئے مصر میں مداخلت کی تھی۔ مگر اب نہر سویز جو ہندوستان کا شاہراہ ہے۔ انگلستان کو ہرگز قبضہ مصر چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جبتک کہ ملک ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے وہ ضرور مصر کو اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ اسلئے مصر میں جو "سلطنت گورنمنٹ" اور "مصر مصریوں کے لئے" کی آوازیں سے قومی فریق قائم ہوا ہے۔ فی الحال کوئی امید نہیں کہ آئندہ اسکی بہار کی طرف توجہ کریں

فرانس اب ۱۸۸۲ء کی طرح کلیۂ مصر سے الگ نہیں رہ سکتا - ٹرکی اپنی حالت میں خود حیران ہے وہ مصر کے تحفظ کے لئے سلطنت انگریزی پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا ہر چند کہ وہ مصر کا جائز وارث خراج گذار و باج گذار شہنشاہ ہے - ان حالات میں سوائے اسکے کہ صورت بدستور انگریزی نگرانی میں رہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ گو بظاہر انگریزی ایجنٹ صرف نگرانی کرتا ہے لیکن درحقیقت ملک کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے - اسلئے مصر کی موجودہ پولیٹکل حالت کا جدول

موجودہ پولیٹکل حالت جو اے۔ سلوا وائیٹ صاحب نے اپنی کتاب "اکسپینشن آف ایجپٹ" میں درج کیا ہے - اسے میں ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

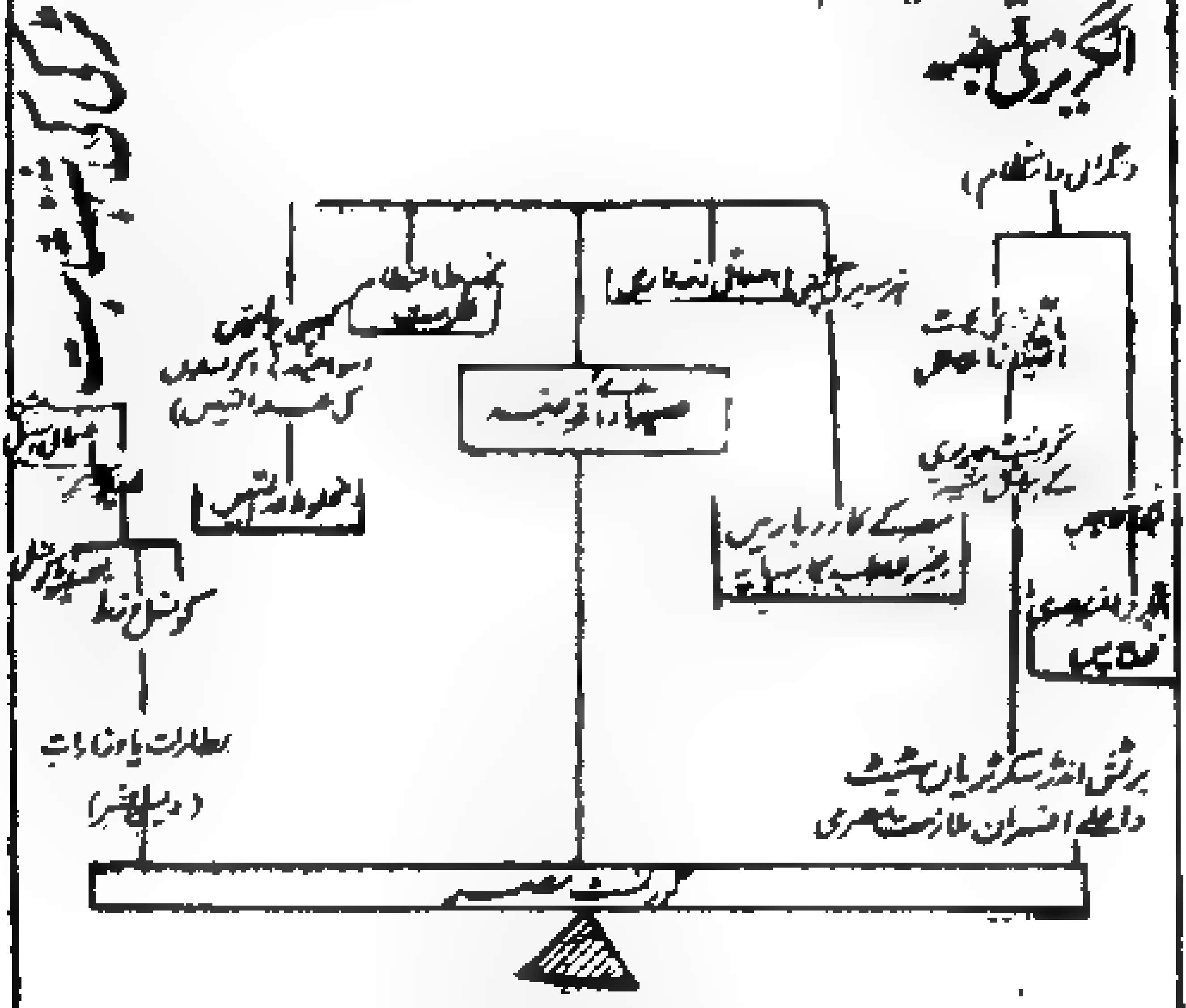

فنانس (سرمایہ)

لیکن منقولہ بالا جدول سے اگر انگریزی اور غیر ممالک کے قرضہ اور سرمایہ کا

سال اٹھ بھی جاسکے تاہم انگریزی قبضہ غیر معین زمانہ تک رہتا نظر آتا ہے۔

مصر میں تعلیم کی ترقی

انگریزی قبضہ کی برکتیں لیکن یہ صریح بے انصافی ہوگی اگر ہم انگریزی قبضہ مصر کی برکتوں کو صرف اس وجہ سے نظر انداز کر دیں کہ انگریزوں نے بے انصافی سے اور اپنے ابتدائی وعدوں کے خلاف مصر پر اپنے قبضہ کو طول دے رکھا ہے۔ اگر صرف ایک بات آزادی پریس کو ہی لے لیں تو اسکی بدولت اہل مصر کو اسقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ جنکا حصر کرنا مشکل ہے۔ اسوقت مصر بلحاظ تعداد اخبارات، پولیٹکل مضامین پر آزادی سے بحث کرنے اور ہر قسم کی علمی کتب کے چھاپنے میں یورپ کے اچھے اچھے ملکوں کے برابر ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس اسوقت صرف ۱۸۹۷ء تک کے اعداد ہیں۔ انگریزی قبضہ فی الواقع عرابی پاشا فرو کرنے کے بعد ۱۸۸۲ء سے شروع ہوا۔ اور ان پندرہ سال کے عرصہ میں مصر میں حسب ذیل مادی ترقی ہوئی۔

۱۸۸۲ء میں مصر کی کل آبادی ۶۸ لاکھ ۱۳ ہزار تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۹۷ لاکھ ۳۴ ہزار ہوگئی یعنی ۲۹ لاکھ کی ترقی ہوئی۔

- شہروں قصبوں اور موضعوں کی تعداد ۳۰۴۳ تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۱۴۲۸۱ ہوگئی
- محاصل ۹۰ لاکھ پونڈ تھے جو ۱۸۹۷ء میں ایک کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئے (حالانکہ بعض محصول از قسم کاشتکاروں کے معاف کیے گئے)
- تجارت درآمد ۱۰ لاکھ ۸ ہزار ٹن تھی جو ۲۲ لاکھ ۴۲ ہزار ٹن ہوگئی۔
- محصول چونگی اڑھائی لاکھ پونڈ وصول ہوا جو ۱۰ لاکھ ۳ ہزار پونڈ تک پہنچ گیا۔
- کل ملک میں ۴۴ ڈاکخانے تھے جو ۸۸۸ ہوگئے۔
- تخمیناً پانچ ہزار لڑکے مدارس میں تھے جو دس ہزار ہوگئے اور طالبعلموں کی تعداد چند ہوگئی
- ۱۸۸۲ء میں خرچ فوج ۴۴ ہزار پونڈ تھا جو ۰ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ سے اوپر ہے

۱۸۸۲ء میں مصری قرضہ کی تعداد ۹ کروڑ ۷۰ لاکھ پونڈ تھی۔ اور سود کی ادائیگی ۴۰ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ تھا	جو	۱۹۰۶ء میں ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ اور سود وغیرہ ۳۰ لاکھ ۴۳ ہزار پونڈ رہ گیا۔

اسیطرح آجتک بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں کل محاصل ایک کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ سے متجاوز تھے۔ اور تعداد طلبا مدارس سرکاری میں ۱۹۰۵ء میں انیس ہزار تک بڑھ گئی ہے۔

مصری تعلیم کی حالت پر لارڈ کرومر کی رپورٹ

۱۹۰۶ء میں لارڈ کرومر نے حالات مصر کی جو رپورٹ لکھی تھی۔ اسمیں اسملک کی تعلیم کا یوں تذکرہ کیا تھا۔

اسوقت مصر میں جتنے مدرسے موجود ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔

اوّل جامع الازہر۔ اسمیں آٹھ ہزار طالب علم ہیں جنکو تین سو استاد تعلیم دیتے ہیں۔ اور اسمیں علوم ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ علم کلام۔ فقہ۔ نحو منطق۔ اور عربی زبان دانی

دوم۔ وہ مدرسے جنکو مصر میں غیر ممالک کے لوگوں اور انکی مشنری جماعتوں نے قایم کیا ہے۔ ایسے مدارس کی تعداد (۲۰۵۱) ہے اور انمیں (۲۴۷۶۱) طالبعلم پڑھتے ہیں۔ طلبہ کی اس تعداد میں (۲۹۱۹) خاص مصری لڑکے ہیں یعنی ۲۵ فی صدی۔ اور ان مدارس میں سے بعض مدرسوں کو حکومت مصر کیطرف سے مالی مدد بھی ملتی ہے۔

سوم۔ خاص حکومت کے مدارس اور انکے جاری رہنے ہیں۔

(۱) ابتدائی مدرسے۔ ان کی تعداد (۵۰۳۲) ہے۔ اور انمیں (۱۵۵۰۳) یعنے باشندگان ملک کی مجموعی تعداد میں سے ½ طالبعلم داخل ہیں۔ یہ مدرسے ملک کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں بنے ہیں۔ اور انمیں قرآن کی تعلیم دیجاتی ہے۔ یا کسی کسی مدرسہ میں کچھ حساب کے قواعد اور لکھنے کی مشق بھی سکھلائی جاتی ہے۔

(۲) مدارس ثانویہ (سکنڈری سکول) انکی تعداد ۲۷ ہے۔ ان میں
۴۴۹۳ طالبعلم پڑھتے ہیں۔ ان مدارس میں سے ایک مدرسہ قاہرہ میں ہے
جسکے مصارف سرپرستی خدیوی کی طرف سے [illegible] سال ۱۹۰۳ میں (۴۲۳)
طالبعلم داخل ہیں [illegible] مدرسہ [illegible] ایک [illegible]۔ ایک
شہر اور بندرگاہ میں [illegible]۔ اس مدرسہ کی مدت
تعلیم چار سال ہے۔ پہلے تین سال گذرنے پر طالبعلم کو [illegible] قرآن۔ عربی خط
لکھنے اور حساب میں [illegible]۔ اور آخری سال
میں وہ تاریخ۔ جغرافیہ اور کسی [illegible] مناسب ہے جسکی بابت انکو
اختیار ہے کہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لیلے۔
تجہیزی مدرسہ میں اسی مدرسہ کی کامیاب طلبہ داخل کئے جاتے ہیں۔ جو اسکے
بعد تجہیزی مدرسہ کے طلبہ صنائع اور [illegible] کے مدرسوں میں داخل ہوتے ہیں۔
باقی ثانوی مدارس انکے [illegible] کی [illegible]
کے سلطنت اور بعض خاص ادارات کی [illegible] جاتے ہیں۔

(۳) [illegible] مدرسہ [illegible] ۱۹۰۳ [illegible] پڑھتے ہیں
اور مدارس صنائع اور فنون کے طلبہ اسی مدرسہ کی [illegible] میں [illegible] جاتے
ہیں۔ مدرسہ خدیویہ میں مدت تعلیم چار سال ہے۔ [illegible] میں تلامذہ کو [illegible]
غیر زبان۔ عربی زبان۔ ریاضیات۔ طبیعیات [illegible] تاریخ طبعی۔ تاریخ عام
جغرافیہ۔ عربی خط۔ یورپین خط۔ اور تصویر کشی سکھلائی جاتی ہے۔ اور چھوٹے بڑے
مدارس میں بھی دو سال کیلئے ایک سکشن اب کھولا گیا ہے۔ کہ جس میں تجہیزی
مدرسہ کے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

(۴) عملی فنون اور پیشوں کے مدارس اور کالج اور وہ حسب ذیل ہیں۔
۱۔ میڈیکل سکول۔ اسمیں ۴۰۰ طالبعلم ہیں اور اس کے ساتھ دواسازی
سکھلانے کا بھی مدرسہ ہے جسمیں ۱۰ طالبعلم ہیں اور ایک مدرسہ لیڈی [illegible]

ڈاکٹروں کا بھی جسمیں (۲۹) دائیاں باقاعدہ تعلیم پاتی ہیں۔ اس اسکول کا پرنسپل ایک فرنچ لیڈی ہے۔

ب:۔ انجینئرنگ اسکول۔ اسمیں پچاس طالب علم ہیں۔

ج:۔ ساحت کا مدرسہ۔ اسکے طالب علموں کی تعداد ۳۹ ہے۔

د:۔ مدرسہ عملیات۔ کل طلبہ کی تعداد ۱۵ ہے اور اسکا پرنسپل فرانسیسی ہے۔

ہ:۔ مدرسۃ الادارہ۔ کل طالب علم ۳۷۔

و:۔ مدرسۃ المعلمین (نارمل اسکول)۔ طلبہ ۹۰۔

ز:۔ مدرسۃ الصناحت۔ یہ مدرسۃ العملیات سے متعلق ہے۔ اسمیں (۴۹) طالبعلم ہیں جو ابتدائی مدرسوں کے ان طلبہ میں سے لئے جاتے ہیں جنمیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استعداد دیکھی جاتی ہو۔

ح:۔ اندھوں اور گونگوں کا مدرسہ۔ اسمیں مرد و عورت دونوں کو ملاکر ۱۰ طالب علم ہیں۔

ط:۔ گرلز اسکول (لڑکیوں کا مدرسہ)۔ پچھلے زمانہ میں لڑکیوں کے دو مدرسے تھے۔ ایک اعلیٰ طبقہ والوں کی لڑکیوں کے لئے اور دوسرا تمام دیگر طبقوں کی لڑکیوں کے واسطے اور اب یہ دونوں مدرسے باہم ملکر ایک مدرسہ کر دیا گیا ہے جسمیں ۳۰۰ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

ی:۔ مدرسہ طبی قصرالعینی۔ اسکا پرنسپل فرانسیسی شخص ہے۔

ک:۔ بحری مدرسہ اسکندریہ میں۔

۱۸۸۱ء تک ان سب مدرسوں میں مفت تعلیم دیجاتی رہی مگر سال مذکورہ بالا میں جبکہ حکومت مصر نے مدرسوں کی پیروی کرنا چاہی اور تعلیم کی فیس مقرر کرنیکا ارادہ کیا تو جس سبب سے محمد علی پاشا نے مفت تعلیم دینی شروع کی تھی وہ سبب عرصہ ہوا جاتا رہا تھا۔ اس زمانہ گذرنے کے ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا اور اب وہ سب لوگ جو پیشتر غلام تھے آزاد ہو گئے تھے جنمیں بڑے بڑے ذی حیثیت اور صاحب

دولت اثنا میں بھی تھے۔ اسلئے حکومت مصر نے تعلیم کی خفیف سی فیس مقرر کر دی تھی۔

تعلیم کی موجودہ حالت

لیکن آجتک مصر کے تعلیم میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔ گو مدارس کے اقسام اور درجے وہی ہیں کہ جنکا لارڈ ڈفرن نے ۱۸۸۳ء میں ذکر کیا ہے۔ اول ابتدائی مدارس کہ جنمیں ابتدا سے ہی ایک یورپین زبان سکھلائی جاتی ہے۔ دوم۔ تجہیزی مدارس کہ جنکی تعلیم کا اکثر حصہ کسی یورپین زبان میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور سوم پیشہ کے سکول اور کالج جیسے کہ مدرسۃ الحقوق (قانون)، مدرسۃ الطب (میڈیکل کالج)، مہندس خانہ (انجینئرنگ کالج)، دار العلوم (ٹریننگ کالج) جو یورپین کالجوں کے نمونہ پر ہیں۔ اور چند خاص سکول مثل مدرسۃ الزراعت۔ علاج المواشی۔ مدرسۃ الصنائع (ٹیکنیکل سکول)، مدرسۃ تعلیم البولیس و مدرسۃ تعلیم فوج بھی ہیں کہ جنکے کورس کم و بیش کسی ایک یورپین زبان میں ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا کالجوں کی نسبت کم لیاقت کے لڑکے ان میں داخل ہو سکتے ہیں۔

انگریزی اور فرانسیسی کا مقابلہ

پہلے پہل خدیو محمد علی پاشا نے ۱۸۱۲ء میں مصر میں تعلیم کی بنیاد رکھی۔ اور کئی طالب علموں کو فرانس میں تعلیم پانے کو بھیجا۔ اور فرانسیسی مدرسوں کی زیر نگرانی ہی مصر میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ اسلئے اہل مصر نے جو کچھ تعلیم یورپین علوم و فنون میں حاصل کی وہ فرانسیسی زبان میں تھی۔ جس وقت محمد علی پاشا نوجوان مصریوں کو تعلیم پانے کے لئے فرانس میں بھیجا کرتا تھا۔ اسوقت جاپانیوں کو اس بات کا خواب و خیال بھی نہ تھا کہ وہ بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے یورپ میں بھیجنا چاہیئے۔ جو آج یورپ اور امریکہ میں تعلیم پانے میں ساری دنیا میں سرآمدہ ہیں۔ محمد علی اور اسکے ایک آدھ جانشین کی نظر میں یورپین طرز تعلیم کا اسقدر اثر تھا کہ انہوں نے پیرس میں ایک خاص مدرسہ مصری طلباء کی تعلیم کے لیے جاری کیا تھا جسمیں دینیات اور اخلاق اسلامی کی تعلیم دینے کے لئے علماء مقرر کئے جاتے تھے جہاں

جس طرح ٹرکی اور ایران میں مغربی علوم و فنون کا ذریعہ فرانسیسی زبان تھی ویسے ہی مصر میں تھی۔ چنانچہ جب انگریزوں نے مصر پر قبضہ کیا تو دو تین فیصدی طلبا نے ان کی زبان ہی سیکھنی شروع کردی۔ لیکن اب جبکہ بذریعہ معاہدہ فرانسیسیوں کا پولیٹیکل رسوخ مصر سے کم ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں نوے فیصدی طلبا وزارت تعلیم کے مدرسوں اور کالجوں میں انگریزی زبان میں تعلیم پانے لگے۔ اور ۳ فیصدی فرانسیسی پڑھنے والے رہ گئے۔

تعلیم کی ترقی سنہ ۱۸۸۲ء تک تعلیم مفت تھی اور اکثر طلبا سرکاری خرچ سے کھاتے پیتے اور گذارہ کرتے تھے۔ لیکن اس سال سے یورپین تعلیم پر کچھ نہ کچھ فیس لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۹۰ء میں ۹۰ فیصدی طلبا نے مدارس سرکاری بمقابلہ ۱۸۸۸ء کے ۳۰ فیصدی کے فیس ادا کرتے تھے۔ اور سکول فیس کی آمدنی ۱۸۸۱ء کے ۲۳۳۲ پونڈ سے ۱۸۹۸ء میں ۱۰۷۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی۔

کتاب مصر میں عہد زمانہ سے ایسے دینی کتب بہت سے چلے آتے ہیں جیسے کہ اب تک ہندوستان میں بھی جاری ہیں کہ جن میں میاں جی مسجد میں بیٹھکر قرآن یا کسی کتاب کا سبق دیدیتے ہیں۔ ان ہی کو کتاب کہلاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں ایسے دس ہزار مدرسے تھے جن میں دو لاکھ طلبا پڑھتے تھے۔ مگر ان پر محکمہ تعلیم کی کوئی نگرانی نہ تھی۔ اب محکمہ تعلیم نے گرانٹ ان ایڈ کے وعدے سے ان کا معائنہ کرنا شروع کیا ہے۔ چنانچہ ۳۲۴۴ سے زیادہ ایسے مدرسے محکمہ تعلیم کی نگرانی میں آگئے ہیں۔ اور علم دوست محبان وطن کی فیاضی سے گزشتہ چند سالوں میں ایک ہزار کتاب نئے قائم ہوئے ہیں۔ علاوہ اسکے سررشتہ تعلیم نے ایسے مدارس کے مدرسین کی تعلیم کے لئے تیس مرکزوں میں ہفتہ وار جماعتیں قائم کی ہیں اور تین نارمل سکول مردانہ مدرسوں اور ایک زنانہ مدرسوں کے لئے جاری کئے ہیں لیکن ابھی تک مصری سپیرٹ عمل میں نہیں جب جوان کے مزید علمی استغنا کا ثبوت ہو سکے

مقدار تعلیم ۳۱ دسمبر ۱۹۰۰ء کو سرکاری نگرانی میں آٹھ مختلف پیشوں کی تعلیم کے کالج چار خاص ٹکنیکل سکول - ۳ سکنڈری اور ۳۴ پرائمری سکول تھے - جنہیں تمام یا ایک حد تک فرانسیسی یا انگریزی میں تعلیم دیجاتی تھی - ان میں "۴" مدرسین اور ۱۳۱۲۰ شاگرد تھے - جنمیں ۲۷۰۳ لڑکیاں تھیں - ان کے علاوہ سات خاص اور ٹکنیکل اور ۱۰۹ ابتدائی تھے جنہیں صرف عربی زبان میں تعلیم ہوتی تھی - ان میں ۲۵۲ - استاد اور ۵۳۰۰ شاگرد تھے - جن میں ۱۵۰۲ لڑکیاں تھیں اور ۳۱ پرائیویٹ پرائمری سکول ۳۴۴ تک ہیں جنہیں سرکاری افسران تعلیم سمجھتے ہیں - ان کے علاوہ بہت سے پرائیویٹ سکول مختلف اسلامی اور عیسائی انجمنوں اور جماعتوں کے ہیں کہ جو مندرجہ بالا اعداد میں شامل نہیں - اور ان میں بھی سرکاری مدارس کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے -

جامع الازہر میں ۹۰۰۵ طلبہ [illegible] کی تعلیم [illegible] استاد وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں - اور جامع الاحمدی طنطا میں [illegible] طلبہ اور [illegible] استاد ہیں جو علوم دین پڑھتے ہیں - وہ علیحدہ ہیں -

نصاب تعلیم واضح رہے کہ مصر کے [illegible] ابتدائی اور تجہیزی یا ثانوی (ہائی) سکولوں میں نصاب تعلیم حسب ذیل مضامین [illegible] ہے -

مدارس ابتدائی سرکاری	مدارس ثانوی سرکاری
القرآن والاسلام	[illegible]
اللغۃ العربیہ	اللغۃ العربیہ
الترجمہ	انگریزی یا اللغۃ الفرنسیہ
الخط	الحساب
الحساب	علم [illegible]
الہندسہ (مبادی تشکیلہ)	التاریخ
الانگلیزیہ والفرانسیہ	الطبیعیات

دروس الاشیاء	الکیمیا
الجغرافیہ والرسم (مصوری)	الرسم (مصوری)
التاریخ ومبادی فلسفہ	التمرین البدنی (ورزش)

مسلمانوں میں درس — حلقے کی ابتدا

مسلمانوں کے مدارس صدر اسلام اور اس کے بعد وسطی حصے کے پچھلے زمانوں تک شروع سے ہی مسجدوں میں شامل رہے ہیں۔ اور جس طرح عیسائیوں کے مدرسوں کا تعلق [illegible] سے ہوتا تھا اسی انداز پر اہل اسلام کے مدارس [illegible] مساجد [illegible] وابستہ رہتے چلے آئے اور ابتدا میں استاد کے گرد بیٹھ کر علم کے درس سننے والے طالبعلموں کی نشست کا نام "حلقہ" تھا۔ زمانہ کے ساتھ اسلامی علوم کی شاخیں بڑھتی گئیں اور ان کے دائرے وسیع ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک ہی علم کے کئی کئی حلقے ہونے لگے اور ہر حلقہ میں اس کی کوئی نہ کوئی شاخ سکھائی جاتی تھی۔ مالاکر حلقہ اپنے مدرس کی نسبت استادوں کے نام سے [illegible] کہا جاتا ہے۔ کہ فی الحقیقت [illegible] بعض حلقوں کا نام لیا جاتا [illegible] کتابوں میں نقل کرنے کی [illegible] مسجد کی خصوصیت نہ تھی۔ کہ ان میں شامل ہو سکے [illegible] حالتوں میں مختلف لوگوں کے مکانوں [illegible] درس قائم ہوتے تھے۔ مصر کا آٹھویں صدی ہجری میں اسلامی وسیع مملکت کا ایک صوبہ تھا جو مدینہ دمشق اور بغداد کی دار الخلافتوں کا یکے بعد دیگرے براہ راست ماتحت رہا۔ اسلئے اس میں تعلیم کا درجہ سیکنڈری یا اوسط سے نہیں بڑھ سکا۔ یہانتک کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک مصر کے پایہ تخت یا صدر میں صرف دو بڑی مسجدیں جامع عمرو اور جامع ابن طولون ہی ایسی درسگاہیں تھیں جہاں مذہب اہل سنت کے مطابق اسلامی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ کیونکہ اس وقت مصر کا تک سلطنت

عباسیہ کا ماتحت صوبہ تھا۔ مگر جس وقت اسی صدی کے وسط میں مصر پر بنی فاطمہ
کا قبضہ ہوا اور انہوں نے اپنی سلطنت کا مرکز یہاں منتقل کر کے شہر قاہرہ کی
بنیاد ڈالی تو وہاں ایک مسجد بھی اپنے مذہب تشیع کی تعلیم کے لئے بنوائی
جس کا نام الازہر ہوا۔

جامع ازہر اور اسکا مدرسہ جامع ازہر کی تعمیر سپہ سالار جوہر فاتح مصر کے ہاتھوں ۳۵۹ - ۳۶۱
ہجری میں سر انجام پائی۔ یہ شخص خلفائے بنی فاطمہ کا نامور سپہ سالار تھا۔ جیسا کہ
پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کو
فتح کر کے یہاں خلافت فاطمیین کے قدم جما دیئے۔ الازہر کی تعمیر سے
غرض دینی شعائر کا قائم کرنا اور شیعہ علویہ کے مذہب کو قوت پہنچانا تھی۔ کیونکہ
یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ اسلامی سلطنت میں ملکی حکمرانی کے ساتھ مذہب کو چلانا
آغاز ہو چلا تھا۔ علوی شیعوں نے عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل اور جلاوطنی
کی سخت آفتیں جھیلی تھیں۔ اسی لئے جس وقت خوش قسمتی سے وہ ملک مصر پر قابض
بن بیٹھے تو انہوں نے اپنی عظیم الشان حکومت کا مرکز اسی ملک کو بنا لیا اور
اپنی فوج کے واسطے شہر قاہرہ کی اور اپنے مذہب کو قوت دینے کے لئے جامع
الازہر کی بنیاد ڈالی۔ ان دنوں مصر والوں کا مذہب زیادہ تر امام شافعی کی پیروی
کرتا تھا۔ اسلئے کہ امام موصوف نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی ملک میں
بسر فرما کر یہیں دنیا سے رحلت کی۔ چنانچہ شہر قاہرہ کے اطراف میں انکا مقبرہ
ایک مشہور جگہ ہے۔ فاطمی خلفا بھی امام شافعی کے مذہب کو اچھا سمجھتے تھے
بخلاف بنی عباس کے کہ وہ امام ابی حنیفہ کے اجتہاد کی پیروی کرتے تھے۔
خلفائے بنی فاطمہ اور اہل مصر میں مذہبی موافقت کا ہو جانا فاتح لوگوں کو اپنا
سکہ حکومت جما سکنے کا بہت بڑا موقع دیگیا۔

ازہر میں تعلیم کی ترقی علماء اور فضلاء کو دربار میں اعزاز کے ساتھ شریک کیا جانا اس
امر کا موجب ہوا۔ کہ اسلامی دنیا کے دور دراز گوشوں سے اہل علم کھنچ کر

کھینچ کر آ گئے جنکو خلفا نے مصر کی طرف سے بیش [illegible] تنخواہیں اور روزینے دیئے
گئے۔ ان علماء کی مجلسیں زیادہ تر دستور زمانہ کے موافق الازہر ہی میں ہوا کرتی
تھیں اور دیں ان کے [illegible] کے حلقے [illegible] علم کی فیض رسانی کے لئے قائم ہوتے
تھے۔ خلقت ان کے چشمۂ [illegible] سے سیراب ہونے کے لئے اس کثرت
سے آنی شروع ہوئی کہ جگہ میں تنگی [illegible] روز بروز بہت میں نئی عمارت بڑھا بڑھا
کر مسجد کو وسیع کیا جا [illegible] کی تعداد اور اوقاف بڑھتی
ہی گئی۔ جسے کہ اس وقت [illegible] مرتب ہے جو پہلے
اسکے نصف سے ہی [illegible] کئی مرتبہ اسکے ستونوں کی تعداد میں اضافہ کیا
گیا ورنہ پہلی تعمیر میں اسکے [illegible] ستون تھے۔ جو آج ۳۰۵ ہیں جو اسکے
مختلف حصوں [illegible] ابتداءً علماء
اور فقہا کو خلفا [illegible] وظائف ملا کرتے تھے۔
مگر جب [illegible] میں
اپنے وزیر یعقوب [illegible] کا حکم دیا اور یہ بھی ہدایت
کی کہ مسجد کے قریب ہی [illegible] مکانات بنوا دیئے جائیں۔ پہلا
پہلے یہاں مسجد میں صرف نماز پڑھا کرتے اور شیعہ مذہب کا علم فقہ پڑھانے
اور وعظ و مباحثہ کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ مگر تدریج انہوں نے وہاں
مستقل تعلیم دینی شروع [illegible] ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ بن گئی
اور اسکی آمدنی کے [illegible] تھے۔ جنکی آمدنی آج
بیس ہزار [illegible]
[illegible] خلافت کا زمانہ تھا۔ جامع ازہر شیعہ
مذہب ہی کا [illegible] صلاح الدین ایوبی نے
مصر پر حملہ کیا [illegible] بجز اسکے مصر نہایت کسی
خلیفہ کی بیعت کر کے اس سے فرمان حکومت حاصل کرے اسلئے اسنے بغداد

کے عباسی خلیفہ سے بیعت کرلی اور انکے نام کا خطبہ جامع الازہر میں پڑھا۔ صلاح الدین
امام شافعی کا پیرو تھا۔ انکو مصر کے مروجہ طریقۂ تعلیم میں کچھ زیادہ تغیر و تبدیل کی
زحمت اٹھانی نہیں پڑی اور لوگوں نے بڑی آسانی کے ساتھ اسکی حکومت کو
قبول کرلیا۔ مگر باوجود اسکے صلاح الدین کو خلفائے عباسیہ کے مذہب کا لحاظ کرنا
بھی ضروری تھا۔ اور وہ ابی حنیفہ کا مذہب تھا۔ جسکے لئے حق دانا اور مدبر حکمران نے
یہ موزوں ترکیب سوچی کہ تمام مسلمانان عالم کو اپنا دوست بنا لے اور انکو اپنی طرف
سے حسن ظن دلائے لہذا اُسنے جامع الازہر میں چاروں مذہب اہل سنت کی تعلیم
جاری کردی اور ہر ایک کے استادوں کو وہاں اپنے حلقہ ہائے درس کھولنے کی
اجازت دے دی۔ اب تو جامع الازہر کی شہرت پر لگا کے اڑ نکلی اور ہر چہار دانگ
عالم سے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی ایسے وقت میں ضرورت ہوئی کہ اس مدرسہ کو اسلامی
دار العلوم کی حد تک ترقی دیجائے اور مزید براں علوم ریاضی منجملہ دیگر علوم
طبیعیات کو بھی اسمیں داخل کیا جائے۔ سلاطین ایوبی اور ان کے بعد ممالیک
کے عہد میں جامع الازہر کی حالت اسی طرح رہی یہانتک کہ سلطان سلیمان فاتح
عثمانی نے مصر پر تسلط کرلیا۔ اور مصر کو محمد بن بچی کے آنے سے سلطنت
عثمانیہ کا ایک جزو بنالیا۔ اس عہد سے ممالیک امیروں نے ایسی ظالمانہ حکومت
کا ڈھنگ ڈالا کہ مصری لوگ مجبوراً اسی شدہ سے دستکش بن بیٹھے۔ ان دنوں تمام
اسلامی قلمرو میں عربی عنصر کا حال ابتر ہوگیا تھا مگر مصر میں ازہر کا دار العلم عربی بیان
کی کشت میں آبیاری کرتا اور اُسے دینی اور زبان دانی کے علوم کی تعلیم جاری رکھکر
زندہ رکھنے پر کمربستہ تھا۔ مگر ساتھ ہی اسمیں اتنی کمی اور خرابی بھی آگئی تھی کہ اسکی
تعلیم کا انحصار انہی علوم میں رہ گیا۔ اور دیگر علوم جیسے ریاضی و طبیعی علوم یہاں سے
قطع ہو گئے۔ الازہر نے عربی زبان کے زندہ رکھنے کا احسان صرف ملک مصر اور
اسکے قرب و جوار کے عربی ممالک تک ہی محدود نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اسکا فیض
تمام اسلامی ممالک کے لئے عام و تمام تھا۔ اور اس یونیورسٹی میں ترکستان مصر

ترکستان، چین۔ زنجبار۔ ہند۔ اور افغانستان وغیرہ ملکوں سے بھی طالب علموں کی جماعتیں حصول علم کے لئے آیا کرتی تھیں۔ لوگوں کے اس تعلیمگاہ پر مائل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں تعلیم بالکل مفت دیجاتی تھی اور طلبہ کو خوراک۔ لباس اور مکان کے علاوہ جیب خرچ تک سے مدد ملتی تھی۔ اور طرہ بریں یہاں کے اساتذہ کی قابلیت کا شہرہ بھی جسنے درحقیقت اسے ایک بڑا ٹکسالی مدرسہ بنا دیا تھا اور اسلام کی وسطی صدیوں میں جتنے بڑے بڑے مسلمان عالم نکلے وہ سب اسی مدرسے کے تعلیمیافتہ تھے۔ اس مدرسے کے سند یافتہ طلبہ کو دنیائے اسلام کے تمام دیگر مدارس کے سند یافتہ لوگوں پر خاص فضیلت ہوتی تھی۔

علوم عقلیہ کی تعلیم کیطرف توجہ

بغاوت عرابی پاشا کے بعد تک مصر میں دوسرا علمی دور ترقی آغاز ہونے تک ازہر میں صرف دینی اور زباندانی ہی کے علوم پڑھائے جاتے رہے۔ مگر بعد میں حکام کا خیال اسطرف رجوع ہوا کہ اس عالیشان دار العلم میں جدید علوم بھی جو نئے زمانہ کی تحقیقات کے نتائج اور موجودہ یورپین تمدن کی جان ہیں داخل کئے جائیں لیکن انہیں یہ خوف بھی تھا کہ ۔ یکبارگی ایسی اصلاح کر دی گئی تو لوگ قدامت پرستی کے خیال سے بگڑ بیٹھیں گے۔ اور سختی کے باعث ان علوم کا پڑھنا پڑھانا ناجائز قرار دیں گے۔ لہذا حکومت نے پہلے یہاں کے بڑے بڑے علما سے فتوے لینا مناسب تصور کیا اور شیخ محمد انبابی شیخ جامع ازہر اور شیخ محمد بنا مرحوم مفتی ملک مصر سے استفتا کیا کہ آیا مسلمانوں کو علوم ریاضیہ مثل ہندسہ حساب ہیئت۔ طبیعیات اور کیمیا وغیرہ فنون کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ میں شیخ محمد انبابی مرحوم نے ان علوم کے پڑھانے کے جواز کا فتوے مع ان کے فوائد کی وضاحت کے دیدیا اور مفتی شیخ بنا مرحوم نے بھی اسکی تائید کر دی۔

مضامین درسی

اسکے بعد مرحوم شیخ محمد عبدہ اصلاح ازہر کے لئے کمربستہ ہوئے اور انہوں نے حکومت کو ادھر توجہ دلائی۔ مگر یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔ کیونکہ

ابتک ان علوم میں سے چند کے سوا [illegible] بہتر سے وجہ سے اس دار التعلیم
میں داخل نہ ہو سکے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل علوم سو وقت الازہر میں پڑھائے جاتے
ہیں: بلحاظ وسائل اور مقاصد کی دو قسم کے قرار دیے گئے ہیں۔ وسائل یہ ہیں: نحو
صرف۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ منطق۔ مصطلح [illegible] حدیث۔ حساب۔ جبر و مقابلہ
عروض اور قافیہ۔

اور مقاصد سے وہ علوم مراد ہیں [illegible] کے بعد اصل غرض تحصیل قرار
دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ علم کلام۔ اصول [illegible] تفسیر قرآن
فقہ بر چاروں مذاہب۔ اور حدیث [illegible] سے قبل
الازہر میں پڑھائے جاتے تھے [illegible] اضافہ ہوا ہے۔
انشا پردازی۔ جغرافیہ۔ [illegible] مبادی ہندسہ
اور اگر ان کتابوں کے نمونے پر [illegible] ان علوم کی
تعلیم ہوتی ہے تو معلوم ہو گا کہ [illegible] داخل ہیں جنکی
بدولت [illegible] موجودہ زمانہ کی ضرورت
کا [illegible] ترقی الازہر میں ناکام
رہی تاہم [illegible] وغیرہ علوم جدیدہ
کے [illegible] ضمناً کسیقدر ان
علوم کی کتابیں [illegible] معلومات اور مفید
علوم میں [illegible] ہیں۔

ازہر کے طلبہ [illegible] بوقت [illegible] باعتبار سکونت مختلف
اقسام کے [illegible] ایک جماعت یا پڑوس کے
ایک [illegible] اور ہر مکان رواق کہلاتے
ہیں۔ [illegible] باشندوں
کے [illegible] منسوب ہے۔

(۱) رواق الصعائدہ - اسمیں صعید (بالائی) مصر کے باشندے رہتے ہیں۔
(۲) " البحیرہ -
(۳) " الفیومیہ
(۴) " الطیبرسیہ - اسمیں مغربی کشنری کے بعض باشندے رہا کرتے تھے
(۵) " الاقبغاویہ - غربیہ اور منوفیہ والوں کے لئے -
(۶) " الحنفیہ - مصر کے حنفی مذہب لوگوں کے لئے -
(۷) " الفشنیہ - فشن کے لوگوں کے لئے -
(۸) " ابن معمر - اسمیں وہ لوگ بستے ہیں جو کسی خاص علاقہ کے باشندے نہیں
(۹) " اخراقوہ مشرقیہ والوں کے واسطے -
(۱۰) " الحنابلہ - مصر کے حنبلی باشندوں کے واسطے -
(۱۱) " العباسی - یہ کئی ایک رواقوں سے مرکب ہے -

اور باقی رواقوں میں باہر سے آنے والے طلبہ رہتے ہیں۔

(۱) رواق الحرمین - اہل حجاز کے لیے
(۲) " دکارنہ دارفور - " دارفور " (سوڈان)
(۳) " الشوام - اہل شام کے لئے -
(۴) " جاوی - اہل جاوہ "
(۵) " سلیمانیہ - " افغانستان "
(۶) " مغاربہ - " مغرب "
(۷) " السناریہ - " سنار " (سوڈان)
(۸) " الاتراک - " ترکوں "
(۹) " الدکارنتہ البرمانیہ - اہل برلو (سوڈان) کے لئے -
(۱۰) " الجبرت - مسلمان اہل حبش کے لیے -
(۱۱) " الیمن - یمن اور حضرموت والوں کے واسطے -

(۱۲) رواق الاکراد - کردوں کے لیئے -

(۱۳) " الہنود - اہل ہندوستان کے واسطے

(۱۴) " البغدادیہ - اہل عراق کے لیئے -

(۱۵) " دکارنہ صلیح - ساکنان صلیح (سوڈان) کے لیئے -

(۱۶) " البرابرہ - اہل نوبیا کے واسطے

ان رواقوں کی وسعت ان کے رہنے والوں کے لحاظ سے کم وبیش رکھی گئی ہے رواقوں کے متعلق اسقدر اور معلوم کرنا ضروری ہے کہ کوئی طالب علم اپنے ملک یا مذہب کے رواق کے سوائے کسی دوسرے رواق میں پناہ نہیں پا سکتا خواہ کسی دوسرے رواق میں کتنی گنجایش ہو اور اگر اسکے اپنے رواق میں گنجایش نہ ہو تو جبتک اسکے رواق میں گنجایش نہ ہو وہ کسی دوسرے طالب علم کے مرنے یا چلے جانے تک امیدوار رہیگا۔ اور شہر میں کسی دوسری جگہ اپنی اقامت کا انتظام کریگا چنانچہ بہت سے طلباء الازہر اسی طرح گذر کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان رواقوں میں رہتے ہیں انہیں ان رواقوں کی آمدنی کے مطابق کم وبیش نقد جیب خرچ اور ایک روز چھوڑ کر ہر دوسرے روز پانچ پانچ روٹیاں بلا سالن ملتی ہیں بعض بعض رواقوں کی قلت آمدنی یا سرمایہ کی وجہ سے ان کے طلبا کو صرف روٹیاں ملتی ہیں اور نقد کچھ نہیں ملتا۔ سب سے بڑی رواق ترکوں شامیوں مغربیوں اور صعیدوالوں کی ہیں۔ کہ جنہیں بہت بہت طلبہ کی گنجایش ہے۔ اور ان رواقوں کے وقف سے طلبا کو نصف گنی یا دو دو تین تین گنی ماہوار نقد بھی ملتی ہیں

سادہ روٹیاں تقسیم کرنا

روٹیوں کی تقسیم اسطرح کیجاتی ہے کہ ایک مقررہ وقت پر کہ طلبا کی ایک جماعت صف بستہ مسجد کے سامنے کے بازار میں کھڑی ہوجاتی ہے اور روٹیوں کی تقسیم جلدی شروع ہوتی ہیں۔ کہ جنہیں طلبہ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے ہیں۔ اسطرح کئی گھنٹوں میں تمام طلبا کو روٹیاں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ اور وہ بیچارے اپنے لیئے سالن کا خود انتظام کرتے ہیں۔ لیکن اکثر

طلبا کو مولیوں یا سلاتا (سلاد) یا گاجروں کی کانجی یا چٹنی سے روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ روٹی کھانے والے طلبا کو اسوقت دو ماشکی مسجد کے اندر پانی پلاتے پھرتے تھے۔ اور ہر طالب علم ماشکی کو ایک ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دیدیتا تھا۔ جو انگوٹھے سے بڑا نہ ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ جو طلبا اسطرح روٹیاں پانی میں اور ایسی بے سرو سامانی میں کھاتے ہیں ان میں کیا غیرت علو حوصلگی اور دیگر اخلاق اسلامی شعار پیدا ہو سکتے ہیں۔

طلبا کی ناگفتہ بہ حالت میں شیخ عبدالحلیم آفندی مقیم رواق الشام و جامع ازہر کے نام بیروت سے ایک معرفت کا خط لایا تھا۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ کسی معرفت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے روز جب میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ تخمیناً پانچ چھ ہزار ہر عمر اور ہر رنگ قوم کے طالب علم موجود تھے۔ جو اکثر لکھنے اور بعض پڑھنے میں مصروف تھے دس بارہ سال کے بچوں سے لیکر ستر سال کے بڈھوں تک بیٹھے نظر آتے تھے کیسی بے قاعدگی سے یہ لوگ پڑھتے تھے۔ مسجد کے وسیع صحن میں کہیں ایک کہیں دو کہیں چار پانچ تو کہیں اور ہجوم جابجا گروہ بیٹھے تھے۔ یہ دریاں لگتے اور کہیں بچھے تھے۔ اتنے میں مسجد کے دروں سے ایک بلند مینار سے شام کی اذان سنی گئی پھر طرف دس دس بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی جماعتیں نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ لیکن آدھے سے بہت زیادہ طلبا نے نماز کی پرواہ نہ کی اور لکھنے اور باتیں کرنے میں مصروف رہے۔ اور بعض مسجد کے باہر بھی جاتے آتے رہے معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر اسی صحن میں رات کو پڑ کر سو رہتے ہیں۔ اور اپنا مختصر سامان ان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی الماریوں میں رکھا کرتے ہیں جو دیوار دروں میں لگی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ طلبا میں کوئی مستقل جماعت بندی ہے نہ وقت کی پابندی نہ رجسٹر حاضری۔ نہ سالانہ امتحان کی قید۔ اسلئے بعض لوگ ساری ساری عمریں ازہر میں ختم کر دیتے ہیں اور کسی منزل تک نہیں پہنچتے۔

طلبا کے مذاہب طلبا کی زیادہ تعداد شافعی مذہب کی پابند ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں

ہمبرگ کی کانفرنس السنہ مشرقیہ میں مصطفیٰ بک بیرم نے جو تقریر کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال الازہر کے طلبہ کی تعداد ۱۰۴۰۳ تک پہنچی ہوئی تھی جو چار مذاہب بتفصیل ذیل منقسم ہوتے تھے۔ شافعی المذہب ۴۵۹۹ حنفی المذہب ۲۹۵۱ مالکی المذہب ۲۶۵۳ حنبلی المذہب ۲۹۔ اوران طلبہ میں زیادہ تعداد کی خاص مصری باشندے تھے۔ کیونکہ غیر ملک والوں کی تعداد ۱/۱۰ سے زائد نہیں ہوتی اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

مصری طلبہ	۹۶۵۸	شامی طلبہ	۲۴۳
مغربی "	۱۲۰	ترک "	۱۴۳
سوڈانی "	۵۰	بربری "	۵۴
کردی "	۹	حجازی "	۶
جاوی "	۶	حبشی "	۹۰
افغانی "	۵	ہندی "	۳
بغدادی "	۲	میزان کل	۱۰۴۰۳

امتحانات سندات اور مدرسین

الازہر کی تعلیم تین درجوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱) ابتدائی (۲) ثانوی (۳) انتہائی۔ تینوں درجوں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ یہ امتحانات چھ علما جمع ہو کر لیتے ہیں۔ اور کامیابی پر جو سندیں دیتے ہیں۔ وہ تین قسم کی جاری ہیں:۔ اول "شہادۃ العافاۃ" یہ اس طالب علم کو ملتی ہے جو تین سال ازہر میں رہا ہو۔ اور اُسنے اس مدت کی تعلیم کا لازمی امتحان دیا ہو۔ دوم شہادۃ الاہلیۃ یہ طالبعلم کو اسوقت دیجاتی ہے جبکہ وہ آٹھ سال کم ازکم الازہر میں رہ کر اس مدت کی خواندگی کا امتحان دیچکا ہوں اور یہی وہ اصلی سند ہے جو جدید نظام تعلیم کے داخل کئے جانے سے قبل عطا ہوتی تھی۔ اور اسکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ سند یافتہ لوگ مسجدوں کی امامت خطبہ خوانی اور وعظ ونصیحت ارشاد و ہدایت کر سکیں کیونکہ ایسے ذمہ دار عہدہ پر علما اور ہم

لایق علما رہیں تو عوام کے عقائد میں بہت تزلزل آجاتا ہے۔ نیز پیش امام مساجد بھی عالم لوگ انکو درس دینے کی اجازت رکھتے تھے۔ مگر الازہر کی مدرسی کے لایق نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اور تیسری شہادۃ العالمیۃ طالبعلم کو اسوقت ملتی تھی جبکہ اسنے کامل ۱۲ سال الازہر کی تعلیم و تربیت سے فیض حاصل کر لیا ہو اور ایسا سند یافتہ خاص الازہر میں ہی تعلیم دینے کے قابل تصور کیا جاتا تھا۔ ازہری مدرسوں کی تنخواہ کے تین درجے ہیں۔ ڈیڑھ سو۔ ایک سو اور پچھتر قرش۔

الازہر کا انتظام

اگرچہ الازہر میں طالبعلموں کی اسقدر کثرت ہے تاہم سالانہ امتحان میں ہر سال معدودے چند ہی لوگ سند لیکر نکلتے ہیں ورنہ اکثر طلبا امتحانات کا وقت آنے سے پہلے ہی مدرسہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وہ لوگ جن کو سرکاری ملازمتوں شرعی محکمہ قضا یا مدرسی میں داخل ہونے کا شوق ہوتا ہے وہی امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اب ہر سال امتحان دینے والوں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے۔ مدرسین کی مجموعی تعداد ۲۵۵ ہے اور کل مدرسوں کے تینوں درجوں کے لئے جدا جدا ہیں۔ کچھ علوم مقرر ہیں جنکو وہ پڑھاتے ہیں باعتبار مذاہب مدرسین کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

شافعی المذہب مدرسین ۱۰۰۔ مالکی المذہب مدرسین ۶۶۔ حنفی المذہب مدرسین ۶۶۔ حنبلی مذہب مدرسین ۲۔ پہلے الازہر کے مشائخ آج سے کچھ ہی دنوں قبل تک وہاں کے معاملات میں خود مختار تھے اور جو چاہتے وہ انتظام کر لیتے لیکن سنہ [illegible] میں حکومت نے ایک مجلس قائم کی جسکا نام مجلس ادارۃ الازہر ہے۔ اسکے پانچ ممبر ہیں جو بڑے بڑے علماء میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اور انعقاد جلسے کے وقت شیخ الازہر انکا صدر انجمن ہوتا ہے۔ اب یہی مجلس علمی۔ اخلاقی اور مالی حیثیتوں سے الازہر کے انتظامی معاملات میں نگرانی کیا کرتی ہے۔ جب میں گیا تھا تو شیخ الازہر شیخ سلیم بشری المالکی تھے۔ شیخ الازہر کی تنخواہ ستر پونڈ بلحاظ شیخ الازہر اور پچاس پونڈ بلحاظ مفتی بلاد

یعنے کل ایک سو بیس پونڈ یا اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کے قریب ہوتی ہے اور مصر میں ان کے نام کی بڑی عزت ہے۔ جامع ازہر میں مختلف علوم و فنون کے بیس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ جامع ازہر کہ جسے تمام دنیا میں سب سے بڑی یونیورسٹی مدرسہ مسلمانوں کے لیئے قابل فخر و مباہات بیت العلوم کہا جاتا ہے۔ اسمیں ہزاروں زندگیاں اور لاکھوں روپے سالانہ صرف ہوتے رہتے ہیں کیونکہ آجکل اسکے اوقاف کی آمدنی میں ہزار اشرفی سالانہ اندازہ کی جاتی ہے

کتب خانہ خدیوی تیرہ سو سال کی اسلامی حکومتوں نے بغداد مصر اور دیگر بلاد اسلام میں جسقدر بہترین ذخیرہ قرآن مجید کا جمع کیا ہوگا۔ اسمیں سے یقیناً بڑا حصہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہوگا۔ اس ذخیرہ میں نہایت مطلا خوش خط اور عجیب و غریب صنعت تحریر کے کلام اللہ موجود ہیں۔ جو آئینہ دار گلاس کیسوں میں کھول کر رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک قرآن امام جعفر صادق کے ہاتھ کا ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مصر کی مختلف مساجد کے کتب خانوں میں قدیم زمانے سے جو قلمی کتابیں چلی آتی تھیں وہ سب اس کتب خانہ خدیوی میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ اور ان کی فہرست بڑے اہتمام سے گیارہ جلدوں میں چھاپی گئی ہیں۔ جنمیں سے سوائے دو آخری ترکی و فارسی کتابوں کے باقی عربی کتابوں کی فہرست کی جلدیں ہیں۔ میں نے یہ سب فہرست کی جلدیں ۵۰ غرش کو خریدی تھیں۔ ان میں کل ساٹھ ہزار کتابوں کے نام درج ہیں جنمیں سے تیس ہزار عربی۔ چار ہزار فارسی ترکی اور جاوی وغیرہ زبانوں کی اور باقی بیس ہزار یورپین زبانوں کی ہیں۔ [illegible] میں اڑھائی ہزار عثمانی پونڈ سالانہ خرچ علاوہ تعمیر کتب خانہ کا تھا۔ جسمیں ۱۲۹۶ پونڈ خرچ مستخدمین ۱۹۴۰ اور نئے ملازمین ۸۴ خرید کتب اور ۱۰۰ متفرق تھا۔ خدیو اسمٰعیل مرحوم نے اس کتب خانہ کے قیام کے لئے تین ہزار فدان (ایک فدان = ۱/۰۳۶۰۸ ایکڑ) اراضی

اپنی ذاتی جائیداد سے وقف کردی تھی۔ کتب خانہ کا مہتمم ایک جرمن ہے۔ اور اسکے ماتحت مصری عالم ہیں۔

مصر میں آثار قدیم

آثار قدیم دیکھنے کے لئے ٹکٹ سلطان قائتبے اور خلفا کے مقابر اور بعض مساجد دیکھنے کے لئے جو شہر کی مختلف حوالی میں ہیں پہلے ڈاک خانہ سے دو دو غرش کے دو ٹکٹ خریدنے پڑے۔ جنکے پاس یہ ٹکٹ ہوں انہیں مقابر و مساجد کے معاینہ سے کوئی محافظ روک نہیں سکتا۔ یہ ٹکٹ سرکاری فقط آثار قدیمہ سے جاری کئے ہیں۔ اور یورپین سیاح ہی انہیں زیادہ خریدتے ہیں۔ ایک روز صبح سے دوپہر تک بڑی مستعدی سے میں گدھے پر سوار ہو کر پھرتا رہا۔ گدھے والا لڑکا گدھے کو اکثر تیز ہنکاتا اور دوڑاتا تھا۔ ایک جگہ جب میں کھانا کھانے کے لئے ایک لوکنڈہ میں ٹھیرا تو گدھے والا لڑکا بھی بے تکلفانہ بن بلائے میرے ساتھ میز پر آ بیٹھا۔ اور کھانا کھا کر برابر صابن سے ہاتھ دھوئے اور تولئے سے صاف کئے۔ اسکی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ مگر کمبخت ساتھ صبح سے ایک بجے دوپہر تک لگاتار میرے ساتھ دوڑتا پھرا۔

ازبکیہ اسے قاہرہ کا چاندنی چوک سمجھنا چاہیئے۔ یہاں اہل یورپ کے بڑی بڑی عالیشان ہوٹل مکانات دوکانیں اور قہوہ خانہ میں جہازوں کی کمپنیوں اور بڑے بڑے بنک۔ جرمن انگلش کے دفاتر اور کونسل خانے سب یہیں ہیں۔ ٹامس کک کمپنی ایجنٹ کا دفتر اور شیفرڈ ہوٹل بھی یہیں ہیں۔ یہ چوک دیکھکر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی قاہرہ چھوٹا پیرس ہے اور کہ خدیو اسمٰعیل نے اسے ایسا آراستہ کرنے میں ضرور بہت سا روپیہ صرف کیا ہوگا۔ کہ جسنے مصر کو غیر قوموں کا غلام بنا دیا جیسے یورپین آبادی کے لئے ازبکیہ اسطرح دیسی آبادی کا مرکز خان خلیل ہے۔ جو جامع سیدنا حسین اور جامع ازہر سے قریب ہی بہت نہایت پر رونق مسقف بازار ہے۔

خان خلیل اسمیں [illegible] کے سامان کا [illegible] ہیں اور اسمیں بہت بیش قیمت کپڑے دوشالے [illegible]

بیچنے والے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ بعض سندھی ہندوؤں کی بھی ہندوستان کے بہترین مال تجارت کی دوکانیں یہاں ہیں۔

عجائب گاہ الجیزہ

الجیزہ کہ جسے مصری الگیزہ کہتے ہیں دریا پار ایک قصبہ نواح مصر میں ہے کہ جہاں اجپٹالوجی کا بہترین عجائب گاہ ہے۔ اسمیں بہت سی پرانی ممی حنوط کی ہوئی لاشیں جمع ہیں۔ قدیم زمانہ میں اہل مصر کو کچھ ایسی کیمیائی ترکیبیں یاد تھیں کہ وہ اپنی لاشوں کو کچھ مسالہ لگا دیتے تھے کہ جن کی وجہ سے ہزارہا سال کی پرانی لاشیں سڑنے گلنے سے محفوظ رہتی تھیں۔ چنانچہ ہزارہا سال کی مدفون شدہ جو لاشیں اب برآمد ہوتی ہیں۔ وہ جوں کی توں نظر آتی ہیں۔ البتہ مردوں کا گوشت تو خشک ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ناخن اور بال بدستور اصلی صورت کے نظر آتے ہیں۔ جرمن علماء نے مصر کے قدیم آثار تلاش کرکے شکستہ بتوں ممیوں کے زیورات پتھر کی تصویروں ہیروگلیفک حروف وغیرہ کی مدد سے ہزارہا سال کی نامعلوم تاریخ مرتب کی ہے انہوں نے علم تاریخ اور انسانی شائستگی پر بڑا احسان کیا ہے۔ ان کے علم آثار قدیمہ مصر کو اجپٹالوجی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس جیزہ کے عجائب گاہ میں جسقدر ذخیرہ اجپٹالوجی کا ہے دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہیں ہے۔ پتھر اور لکڑی کے بت اور بادشاہوں کے بت بہت سے موجود ہیں۔ سکندر کے حکم سے یونانیوں نے جو سنگ مرمر کے افلاطون کی شبیہ نہایت کاریگری سے بنائی تھی۔ کہ جس کے پتھر کے بشرہ سے حکیم افلاطون کی اشراقیت نظر آ رہی ہے یہاں موجود ہے۔ ایک اور بت سکندر اعظم کا اسوقت کا موجود ہے جبکہ اسنے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ بعض بتوں کے کپڑے منقش تھے۔ جنکی نسبت معلوم ہوا کہ ان کی صورتوں سے آثار نقش نمایاں ہیں۔ اشیا کی قدامت کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی میوزیم اس سے خالی نہ ہوگا۔

جامع محمد علی

ہرچند کہ مصر کی جامع الازہر سب سے بلاشبہ مسجد ہے۔ کیونکہ اسمیں تعلیم و تعلم کا سلسلہ

بڑے زور شور سے قدیم الایام سے جاری ہے۔ ورنہ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی اور شان و شوکت کے قاہرہ کی بہت سی دیگر مساجد اس سے اعلیٰ ہیں۔ اسوقت سب سے نئی اور خوبصورت مسجد خدیو محمد علی کی ہے جو بہت بلندی پر قلعہ کے اندر پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور جسکو تعمیر ہوئے ساٹھ ستر سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ یہ بڑی شاندار مسجد ہے۔ جس کے دو بلند مینار بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ یقیناً اس کے بعد دنیا میں کہیں ایسی عالیشان اور لاگت صرف ہونے کوئی دوسری مسجد تعمیر نہیں ہوئی۔ اس مسجد کے اندر خدیو کی قبر ہے۔ مسجد کے گرد کے برآمدہ کے ہر دروازہ کے محراب پر مسجد کی تعریف میں ایک خوشخط عربی مصرعہ فارسی خط میں کندہ ہے۔ قسطنطنیہ کی مساجد کی طرح مسجد کے اندر چار بڑے پیل پایے پر ایک بڑا گنبد اور اسکے گرد چار نصف گنبد ہیں۔ خوشخط کتبے اور نقش و نگار زر لکھ لکھ کندہ کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے قریب اسی پہاڑی پر قلعہ کے اندر ایک سنگ خارا میں کھودا ہوا بہت گہرا کنواں ہے۔ جسکو مصری بیر یوسف یعنی یوسف [illegible] کنوئیں کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ یہ ۲۰۰ فیٹ سے زیادہ گہرا ہے۔ اور دریائے نیل کی سطح کے برابر اسکی گہرائی کی سطح ہے۔ اور کنوئیں کے گرداگرد ڈھلوان سیڑھیاں ہیں۔ جس سے لوگ اس کے اندر اترتے ہیں۔ جب میں آدھی راستے تک پہنچا۔ تو وہاں ایک طرف دیوار میں ایک قبر نظر آئی۔ جو میرے ہمراہی عرب مجاور نے بتلایا کہ حضرت یوسفؑ کے ایک خادم کی ہے۔ اسکے بیر یوسف ہونے کی ایک یہ وجہ بتلائی جاتی ہے کہ ابو یوسف سلطان صلاح الدین نے اسے کھدوایا تھا۔ اسلئے چاہ یوسف مشہور ہو گیا۔ ایک عرب خادم اور ایک موم بتی والا لڑکا میرے ہمراہ تھا۔ میں تو گائیڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اترتا تھا مگر موم بتی والا لڑکا آگے پاؤں اترتا جاتا تھا۔ نصف سے زمین گہرائی پر چوبی چرخ لگا ہوا ہے۔ جو کبھی نیچے سے پانی کھینچتا ہوگا۔ سیڑھیاں اسلئے ہی پہلا کر ڈھلوان کر دی گئی تھیں کہ گدھے چرخ چلانے کو کنوئیں کے بیچ میں اترکر

مزار امام شافعی یہاں سے میں امام شافعی رحؒ کے مزار کی طرف گیا۔ کہ جنھوں نے یہیں سنہ ۲۰۴ ہجری میں انتقال فرمایا تھا۔ امام صاحب کے مقبرہ کا گنبد عالیشان ہے۔ قبر کے گرد چوبی جنگلہ ہے جسمیں صدف کا عمدہ کام جڑا ہوا ہے۔ جیسا کہ دستور ہے ایسے مزاروں پر صدہا مجاور پرورش پاتے ہیں اور مسافروں سے مانگ مانگ کر گزارہ کرتے ہیں۔ یہیں پہنچنے قریب ہی امام ابو اللیث اور کئی صحابہ کے مقبرے بتلائے جاتے تھے۔ مگر میں دیکھ نہ سکا۔ سیدہ عائشہ بنوی کا مقبرہ بھی قریب ہی ہے۔

جامع طولون وغیرہ مصر میں سب سے قدیم مسجد سلطان احمد ابن طولون کی ہے۔ جسپر اس زمانے میں آجکل کے پندرہ لاکھ روپیہ کے قریب صرف ہوا تھا۔ جبکہ موجودہ شہر القاہرہ اس کے بانی گوہر نے تعمیر کیا تھا۔ اس سے ہی ایک سو سال پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ جو کہ مسجد کعبہ کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسجد حسن جو سنہ ۷۵۷ ہجری میں سلطان حسن نے تعمیر کرائی تھی قاہرہ کی بہترین عمارات سے ہے۔ جامع الحکم۔ برقوق۔ سلطان قلاؤن۔ الغوری وغیرہ مسجدیں قابل دید ہیں۔ سلطان حسن کی مسجد پر مشہور ہے کہ تین سال تک ہر روز نو ہزار روپیہ خرچ ہوا کرتا تھا۔ قاہرہ میں کل پانچ سو کے قریب مساجد ہیں جنمیں سے قریب بیس پچیس کے نہایت قدیم اور قابل زیارت ہیں۔ میں نے از بکیہ کے ایک فوٹو گرافر سے ان سب مشہور اور شاندار مساجد کے فوٹو گراف خرید لئے تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان میں سے جامع عمرو جامع طولون وغیرہ بعض مساجد بالکل شکستہ اور بے مرمت پڑی ہیں۔

اہرام مصر اور ان کی قدامت مصر میں کوئی چیز بھی اتنی عجیب نہیں جتنے کہ یہاں کے اہرام یعنی اہرام جمع ہرم کی ہے جس کے معنے بڑھاپے کے ہیں۔ چونکہ مصر کے قدیم مخروطی مینار اتنے قدیم ہیں کہ جنکی نسبت کوئی جان نہیں سکتا کہ کس زمانے میں تعمیر ہوئے تھے۔ اسلئے عربوں نے ان کا نام اہرام یعنی نسبت بڑھاپے مینار رکھا

آجکل کی جدید تحقیقات کے مطابق محققین یوروپ وامریکہ نے آثار قدیم مصر کے متعلق کی ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ مینار تخمیناً چھ ہزار سال آج سے پہلے تعمیر کئے گئے ہونگے۔ ابوالتاریخ ہیروڈوٹس نے سنہ ۴۵۰ء قبل مسیح ان میناروں کی قدامت پر اظہار حیرت کیا تہا۔ ایک عیسائی مصنف نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی انسے ایک سو سال قبل تک تعمیر بتلایا ہے۔ بہرحال اُن کی تعمیر کی غرض یہ تہی کہ ان میں اُن زمانوں کے بڑے بڑے بادشاہ دفن کئے گئے تہے۔ اور ایسے طور پر ان کے اندر ان کی لاشوں کو رکھا گیا تہا۔ کہ باوجود کوشش بیہودہ کے بھی لاشیں بڑی مشکل سے مختلف حجروں میں چھپی ہوئی ملیں۔ تاہم ایچ بی ای ڈاسینٹ ڈالماس صاحب نے اپنی اہرام اعظم اندر اور باہر سے نامی کتاب میں اس سب سے بڑے مینار کی نسبت عجیب حالات لکھے ہیں۔ اور اس بات پر بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ دوسرے اہرام کی طرح یہ بھی بطور ایک قبر کے استعمال کرنے کے لئے چیوپس نامی ایک نہایت قدیم بادشاہ مصر نے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن اسکی لاش اسمیں دفن نہیں کی گئی۔ کہ یہ مینار بعض ستاروں کے نہایت نادر اقتران کے وقت تعمیر کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اسکے اضلاع اور اندرونی حجروں کی پیمائش کی مقدار سے ثابت ہوتا ہے جو یوروپ کے مختلف منجموں نے سالہا سال کی تحقیقات سے کی ہیں۔ اور کہ یہ ایک نادر رصدگاہ کی نیت سے بھی تعمیر ہوا تھا۔

خلیفہ مامون الرشید اور مینار کی اندرونی کیفیت

ہزارہا سال گذر چکے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تہا۔ کہ ان عجیب ترین عمارات کے اندر کیا بھید ہے یا ان کی تعمیر کی کیا غایت ہے۔ کہ آخر خلیفہ المامون عباسی نے سنہ ۸۲۰ء میں اس راز سربستہ کے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اسے بعض لوگوں نے بتلایا کہ قدیم سے خیال چلا آتا ہے کہ ہرم کے شمالی ضلع سے راستہ نکل سکیگا۔ خلیفہ نے ضلع کے وسط سے کام شروع کرایا۔ بجائیکہ سطح زمین سے اوپر ۴۹ فٹ کچھ انچ مشرق کی طرف

جسکو داخلہ کا پتھر نصب تھا۔ غرض خلیفہ کے حکم سے صدہا مزدور اور کاریگر مینار کھودتے ہوئے تھے۔ مگر اس پتھر کے پہاڑ کے مقابلہ سے جلدی عاجز آگئے۔ لیکن خلیفہ نے اصرار کیا کہ میں ضرور اسکے اندر کا راز منکشف کرنا چاہتا ہوں۔ آخر ہفتہ سے گذر کر مہینے ہو گئے۔ اور مزدوروں اور سنگتراشوں کو پریشانی بہت بڑھ گئی۔ لاکھوں روپے شاہی خزانہ سے نکل گئے۔ کہ ناگاہ ایک روز مزدوروں نے ایک جگہ سے ایک پتھر کے گرنے کی آواز سنی۔ یہ ایک پتھر راستہ کے سامنے جوڑا ہوا تھا۔ جو گر گیا۔ اور اندر کا راستہ نظر آگیا۔ خلیفہ بڑے شوق سے اندر گیا۔ مگر بادشاہی کمرہ میں سوائے ایک سنگی خالی تابوت کے اور کچھ نہ تھا خلیفہ نے چپکے سے رات کو اتنی اشرفیاں خزانہ شاہی سے لیکر جتنی مینار کی کھدائی پر صرف ہوئی تھیں ایک جگہ مینار کے اندر ایک راستہ میں رکھ دیں اور اوپر سے کھودتے ہوئے انہیں نکالکر کہا کہ احمقو یہیں خزانہ نکلا۔ اور شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ جتنا خرچ ہوا تھا۔ اتنا کل آیا ہے۔ چنانچہ اب سیاح ان کمروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم نے بھی بعض راستے اس زینہ کے سب بڑے تعمیر کے اندر دیکھے تھے۔ کہ جو زمانہ قدیم کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ اور ان میں سے اکیلی یہی اب تک باقی ہے۔ ورنہ باقی چھ عجائبات معدوم ہو چکے ہیں۔ مصر میں مختلف مقامات میں یہ مخروطی مینار موجود ہیں۔ جو تعداد میں کل تیس ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑا مینار مع کئی چھوٹے میناروں اور اسفنکس

بڑے مینار کی عظمت

ہے۔ کہ جسکو عرب ابوالہول کہتے ہیں۔ قاہرہ سے آٹھ دس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ وہ عظمت اور ہول جو اس دنیا کی سب سے بڑی تعمیر کے دامن میں کھڑے ہو کر دیکھنے والوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی قلم انکا صحیح نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ شہر مصر سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر دریائے نیل کی بائیں جانب ایک بلندی پر یہ مخروطی مینار واقع ہیں۔ بڑے مینار کی بلندی ۴۸۶ فٹ یعنے دہلی کی قطب صاحب کی

لاٹ ہے جو دو چند اور ایک ضلع کا طول ۷۵۰ فیٹ ہے۔ کل رقبہ برآمد
(۵۳۵۰۰۲۴) مربع فیٹ کل پتھر کی مقدار پانچ ملین ٹن اور کل چنائی کی مقدار
۹۰ ملین مکعب فیٹ ہے۔ مینار کے لفظ سے اس تعمیر شکل کا صحیح اندازہ
نہیں ہو سکتا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ بڑا مینار ایک مربع قطعہ اراضی پر تعمیر ہے جس کا
ہر ضلع (۵۰۰ فٹ) فیٹ ہے۔ جو نہایت بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں سے تعمیر کیا گیا ہے
یہ چٹان تخمیناً ڈیڑھ گز لمبے اور گز سے زیادہ چوڑے اور اونچے ہیں۔ چونکہ یہ دیوار
میں اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ ہر تہ سے اوپر کی تہ ایسا ایک ایک چٹان خالی چھوڑ
کر رکھی گئی ہے۔ ایسے طور پر کہ ہر بیرونی تہ چٹانوں کی ایک کم سے کی میز کے
برابر اونچی سیڑھی اوپر چڑھنے کے لیے بن گئی ہے۔ اور اس طریق تعمیر سے مینار
نوکدار بنتا ہوا چوٹی پر ایک پتھر پر جا ختم ہوا ہے۔ اور اس کے چاروں طرف سیڑھیاں
سی بن گئی ہیں۔ میں نے اسلئے ان میناروں کی صورت اور تعمیر کے طریق کو اس
وضاحت سے بیان کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ناظرین بخوبی سمجھ سکیں کہ
ان کی شکل کیسی ہے۔ کیونکہ باوجود مخروطی شکل کے خیال سے واقف ہونے
کے میں ان کی صحیح شکل نہیں جانتا تھا۔ جب تک ...
پتھر جن سے یہ مینار تعمیر ہوئے ہیں وہ اتنے بڑے ...
تعجب ہوتا ہے کہ یا تو اس زمانے ... جب یہ تعمیر ہوئے ...
آجکل سے بہت ہی زیادہ ترقی پر ہوگا۔ کیونکہ ... کی مسافت سے یہ
پتھر یہاں لائے گئے ہیں۔ اور پھر اتنی بلندی تک انکو چڑھایا گیا ہے۔ یا یہ انسان
کا کام نہیں ہے۔ بلکہ جنات کا کام ہے۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی قسم کا خیال
امام محی الدین عربی نے بھی ظاہر کیا ہے۔ آپ نے بعض تحریرات سے جو
ان میناروں پر کسی زمانے میں موجود تھیں۔ یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ستاروں کے
ایسے اقتران کے وقت تعمیر ہوئے تھے۔ جسکو کئی ہزار سال گذرے ہیں
جنات نے ان کو تعمیر کیا ہوگا۔ یہ خیالات ان میناروں کے اہرام بنانے کیلئے

کافی ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ہرم بہت بڑے کو کہتے ہیں کہ جسکی جمع اہرام ہے۔

ایک مینار گرانے کی سعی

ان میناروں میں سے جو سبسے چھوٹا ہے اور جسکا پلستر خراب ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی یہ کیفیت مورخ بیان کرتے ہیں کہ ۵۹۳ ہجری میں ملک العزیز پسر سلطان صلاح الدین نے بعض احمق مشیروں کی تحریک سے اسے گرانا چاہا تھا۔ چنانچہ بہت سے سنگتراش اور مزدور اس کام پر لگا دیئے اور آٹھ مہینہ تک سرگرمی سے اسے گرانے کی کوشش جاری رہی جسپر ہزاروں روپے خرچ ہو گئے۔ مگر سوائے کچھ پلستر خراب کرنے کے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ایک قدیم مصری بادشاہ کا قصہ مذکور ہے کہ اسنے اندازہ لگایا تھا کہ اگر میں اپنا تمام خزانہ بھی ان میں سے ایک مینار کے گرانے پر صرف کردوں تو مینار کا بہت چھوٹا سا حصہ گرایا جا سکیگا۔ یہ مصری مینار ایسے عجائبات عالم ہیں۔ کہ جنکی تھوڑی سی کیفیت درج کی گئی ہے۔

میناروں کی سیر۔

قاہرہ کے جدید یورپین حصہ کے قریب دریائے نیل پر ایک پل بنایا گیا ہے۔ جسے قصر النیل کہتے ہیں۔ اور پل کے دوسری طرف موضع الجیزہ واقع ہے کہ جہاں مصر کا آثار قدیمہ کا عجائب خانہ ہے۔ کہ جسکی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یہاں سے ایک عمدہ برقی ٹریوے کے ذریعہ سے آدھ گھنٹہ میں ان میناروں کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جو لوگ میناروں کے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ شلنگ دیکر ایک ٹکٹ خریدتے ہیں۔ اور جو صرف ان کے گرد چکر لگانا چاہتے ہیں وہ ایک شلنگ کا ٹکٹ لیتے ہیں۔ ٹکٹ کا دفتر یہیں پر ہے ہر وقت بیسیوں یورپین دنیا کے ہر حصہ سے اہرام کے دیکھنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں۔ ہر ٹکٹ لینے والے شخص کے ہمراہ ایک عرب شیخ ایک ایک عرب کو متعین کر دیتا ہے۔ اگر وہ شخص مینار کے اوپر چڑھنا چاہتا ہے۔ تو یہ شخص اسے ان بڑی سیڑھیوں پر کھینچتا ہوا چوٹی تک لے پہنچتا ہے۔ ہر سیڑھی کی بلندی تہائی گز یا ناف تک پہنچتی ہے۔ اسلئے ناواقف شخص کا تنہا مینار پر چڑھ جانا

سخت مشکل ہے۔ کمزور شخص۔ بزدل اور بیمار عورتوں کو دو دو عرب کھینچکر چڑہاتے ہیں۔ مگر اوپر چڑہتے ہوئے تم ذرہ بھی زمین کی طرف دہیان کیا۔ تو تمہارا سر چکرا جاتا ہے اور تمہیں خوف دامنگیر ہوجاتا ہے کہ اگر یہاں سے پاؤں پہسل جائے تو کسی طرح بھی زندگی بلکہ جسم کا سلامت رہنا ممکن نہیں۔ تاہم ہر روز سینکڑوں یورپین مرد اور عورتیں ان عربوں کی مدد سے بڑے مینار پر چڑہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے اندر بھی گھستے ہیں۔ اندر جانے کا راستہ بھی مشکل ہے کہ جسے عرب شعلین لیکر دکھلاتے ہیں۔ اسلئے میں بہت دور نہیں گیا۔

ابوالہول اسی بڑے مینار سے ۳ سو گز کے قریب سفنکس یعنی ابوالہول کا عظیم الشان بت ہے جو ایک ہی پتھر کے چٹان سے تراشا ہوا ہے۔ نیچے کا دھڑ شیر کا اور سر عورت کا ہے۔ جو قدیم اہل مصر کے نزدیک طاقت و عقل کی علامت تھی۔ اگلی ٹانگیں پچاس فیٹ لمبی ہیں۔ سر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔ کہ ابرو سے ٹھوڑی تک تیس فیٹ اور سر کی چوڑائی ۱۴ فیٹ ہے۔ اس عجیب غریب بت میں یہ نہایت حیرتناک بات ہے کہ اسکی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی ہے اور اسکے اعضا میں اسقدر شدت کا تناسب قایم رکھا گیا ہے کہ اسمیں کوئی نقص نکالنا ممکن نہیں۔ مگر اب سفنکس کا ناک اور منہ کچھ خراب ہوگیا ہے جو معلوم ہوا کہ ایک دیندار مسلمان سلطان نے بت کی شان خراب کرنے کے واسطے تڑوا دیا تھا۔ یہ عظیم بت مرور زمانہ کی وجہ سے ریگ میں دب گیا تہا۔ کیونکہ جہاں یہ واقع ہے وہاں چاروں طرف ریگستان ہے لیکن اب ریگ کو چاروں طرف سے تہوڑا تہوڑا ہٹاکر اسکو نکالا گیا ہے۔ اسی کے قریب زمین کے اندر ایک مندر دکھلایا گیا جس میں سبز اور سیاہ پتھر کی اتنی لمبی چٹانیں استعمال کی گئی تہیں کہ ایک چٹان کا طول ہمنے سات گز لمبا اندازہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسی قسم کے مندر ہر مینار کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ جن میں اس زمانے میں ان بادشاہوں کی لاشوں کی پرستش ہوتی تہی۔ کہ جو ان میناروں کی تہوں میں دفن ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ بادشاہوں کی لاشوں میں صفات الوہیت کے قایل تھے۔ مدت

نیل کے اس کنارے پر لق و دق ریگستان میں ان عظیم الشان اہرام اور ابوالہول کے دور سے دیکھنے سے عجیب و غریب نظارہ پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کے سامنے وہ تمام بوقلموں نظارے پھر جاتے ہیں جو مرور زمان میں ان قدیم میناروں پر گذر چکے ہیں۔ ایک عرب شاعر اس مضمون کو ان خوبصورت سطروں میں قلمبند کرتا ہے

تامل ہیئۃ الہرمین وانظر	(اہرام کی ہیئت دیکھو اور اس پر نظر کرو۔ اور ان دونوں
وبینہما ابو الہول عجیب ۔	کے مابین ابوالہول ایک عجیب چیز ہے۔)
وماء النیل بینہما دموع	(اور دریائے نیل ان دونوں کے درمیان آنسو کی طرح ہے
وصوت الریح عندہما نحیب	اور ہوا کی صدا ان کے نزدیک ماتم کی آواز ہے،
وردہما المقطم وہو ہیکل	وان دونوں پر استر مقطم کی پہاڑی ہے جو کبھی
رکاب الرکب اربکہا اللغوب	کہ سواروں کے اونٹوں کو تکان نے جھکا کر بٹھا دیا)

مصر کے مزدور جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں مصر کے مزدور بڑے خراب ہیں یہ مسافروں کو لوٹتے ہیں۔ اور ایسے بے اصول اور لٹیرے ہیں کہ کام کی حیثیت اور اجرت کی مقدار میں کوئی بھی نسبت نہیں رکھتے۔ ایک دو آنہ کے کام کے بدلے دو روپے مانگ لیتے ہیں۔ پھر خواہ تم جھگڑ کر انہیں چار آنہ تک لے آؤ۔ مگر ناواقف اکثر دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اور مصر میں ہر مرتبہ قلیوں اور گاڑی بانوں نے مجھ سے زیادہ مزدوری لی ہے۔ جب تم کسی مزدور کو اس کے مطالبہ کے موافق نہ دو۔ تو قسمیں کھانے لگتا ہے اور اکثر کہتا ہے۔ تحیات ربنا ہذا ما فیش کافی۔ یعنی خدا کی قسم یہ تھوڑا ہے۔ براس الحسین یعنی امام حسین کے سر کی قسم۔ شاید مصر کے مزدور اس وجہ سے بھی اس [illegible] دستانی اور بے اصولی کے عادی ہو گئے ہیں۔ کہ یورپین سیاح خصوصاً انگریز امریکن ہیں جو اپنی دولتمندی اور ملک کی ناواقفی کی وجہ سے مزدوروں کو منہ مانگی اجرتیں دے دیتے ہیں۔ اس سے وہ دوسرے مسافروں کو بھی تنگ کرتے ہیں۔ مصر کے بندرگاہوں پر کئی قلی یا ترجمان اردو کے بعض فقرے ہی جانتے ہیں۔ اور انگریزی تو اکثر ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں۔

مصر کے مطابع۔ اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات

مصر کے مطابع

مصر کے مطابع کے متعلق معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہاں دو قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ ایک تو قدیم مصنفین کی عربی تصانیف مِن قبیل۔ فقہ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ۔ صرف نحو وغیرہ اور دوسری زمانہ حال کی کتابیں جو کتب حدیثہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً یورپین زبانوں کے ترجمے۔ ناول۔ رسالوں کی کتابیں اور پمفلٹ وغیرہ۔ قدیم کتابیں علاوہ تاجروں کے مطابع کے مصر کے سرکاری مطبع یعنی مطبع بولاق میں چھپتی ہیں کہ جسے پہلے پہل خدیو محمد علی نے جاری کیا تھا۔ اور یہاں سے آجتک بہت سی بیش قیمت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اس سرکاری مطبع کی کتابیں بھی دوسری کتابوں کی طرح بازار میں بکتی ہیں۔ یہ کتابیں نسبتاً اچھے کاغذ پر چھپتی ہیں اور کسی قدر گران بھی ہوتی ہیں۔ مگر بازاری مطابع کی کتابیں عموماً حنائی کاغذ پر معمولی ٹائپ کے خط میں چھپتی ہیں اور قیمتاً ارزان ہوتی ہیں ان میں عام دستور یہ ہے کہ ایک کتاب تو متن میں ہوتی ہے۔ تو اسی فن یا اسی مصنف کی کوئی دوسری کتاب حاشیہ پر بطور تتمہ ہوتی ہے۔ مصر میں جیسے دیکھا ہے کہ ہندوستان کی نسبت کتابیں بے مجلد کر کے فروخت کرنے کا زیادہ رواج ہے۔ بعض کتابیں جزاً کی صورت میں بھی فروخت ہوتی ہیں لیکن زیادہ مجلد بکتی ہیں۔ پٹھہ رکھنے کا بہت کم رواج ہے۔ اور سوائے قرآن مجید کے شاذ و نادر کوئی دوسری کتاب مجلد ملتی ہے۔ ایسی مصری کتابیں مصر میں بہت ارزان بکتی ہیں۔ چنانچہ میں نے سکنہ بابی الحلبی تاجر کتب ان خلیل بعض سے ڈیڑھ سو روپیہ کی کتابیں خریدیں اور بعض دوسری کتابوں کے تھا بند کر کے سویز تک ریل میں اور پھر جہاز میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ لیکن اپنے ہمراہ

لانے میں میرا خرچ نسبتاً زیادہ ہوگیا۔

کتب حدیثیہ

کتب حدیثیہ کے چھاپنے والے مطابع علیحدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے اچھا مطبع محمد علی صاحب کامل کا ہے۔ یہ کتابیں خوشنما ترکی ٹائپ سے چکنے ولایتی کاغذ پر زیادہ اہتمام سے چھپتی اور یورپ کی اچھی چھپی ہوئی کتابوں سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ محمد علی صاحب کامل ایک نوجوان مصری ہیں۔ انہوں نے فرانسیسی زبان اعلیٰ درجے کی تحصیل کی اور قانون کا امتحان پاس کر لیا۔ تاہم مطبع کے پیشہ کو ترجیح دی۔ اور خوبصورت عربی کتابیں چھاپنے کا انہیں بڑا شوق ہے۔

عربی اخبارات اور رسالے

قاہرہ میں بہت سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے عربی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ جن میں بعض مسلمانوں اور بعض عیسائیوں کے ہیں۔ روزانہ اخبارات میں المؤید سب سے بڑا اخبار ہے۔ اور اب اللواء بھی ترقی کر رہا ہے اور بڑی طاقت سے شائع ہوتا ہے۔ مگر المؤید کے ہوشیار مالک شیخ

المؤید

علی یوسف صاحب کی لیاقت اور رسوخ سے اس کا سکہ ایسا بیٹھ چکا ہے کہ مصر کے اچھے اچھے لوگ المؤید سے ڈرتے ہیں۔ المؤید دولت عثمانیہ کا طرفدار ہے مگر انگریزی قبضہ مصر سے بھی اظہار مخالفت نہیں کرتا اور شاید دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ مجھ سے شیخ علی یوسف مالک و ایڈیٹر المؤید بڑی مہربانی اور محبت سے پیش آئے۔ اور ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری روز جب میں ان سے رخصت ہوا تو افسوس کرتے تھے کہ میں نے اتنی جلدی رخصت ہونے کا ارادہ کر دیا۔ اس پر انہوں نے میری کچھ کیفیت حسن ظن کیساتھ اس روز کے المؤید میں شائع کی اور مجھے اپنا فوٹوگراف بھی دیا۔ یہ دبلے پتلے چھوٹے سے قد کے آدمی ہیں۔ اور وطنی لباس پہنتے ہیں۔ سوائے عربی زبان کے کوئی مغربی زبان نہیں جانتے۔ مگر عربی لکھنے اور معاملات کے سمجھنے میں بڑے لائق ہیں۔ ان کے نائب ایڈیٹر انگریزی اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔ دوران گفتگو میں میں نے ان سے ذکر کیا کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے اخبارات دیسی

زبان کے اخبارات سے زیادہ معزز اور بیش قیمت ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ مصر میں صورت اس کے برعکس ہے۔ وہاں عربی زبان کے اخبارات سب سے بڑے ہیں جن کا ہمیں حاکم قوم کی زبان ہونے کا فخر ہے۔ جب شیخ علی یوسف صاحب نے مہربانی کر کے مجھے اپنا چھاپہ خانہ دکھایا کہ جس میں ایک بہت بڑی مشین پر ان کا اخبار چھپ رہا تھا۔ تو میں نے پوچھا کہ المؤید کی اشاعت کس قدر ہے۔ آپ نے کہا آٹھ ہزار روزانہ ہے۔ یہ اشاعت ہندوستان کے شاید ہی کسی روزانہ انگریزی اخبار کی مشکل ہو۔ مصر میں بازاروں میں اخبارات بکنے کا رواج بہت ہے۔ اور عام لوگوں میں اخبار خرید کر پڑھنے کا مذاق بھی خوب پیدا ہو گیا ہے۔

اللواء میں مصطفیٰ کامل صاحب ایڈیٹر و مالک اللواء سے بھی ملا جنہوں نے ابھی سال گذشتہ میں روزانہ اخبار جاری کیا تھا۔ لیکن ان کی ذات کی شہرت ان کے اخبار سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ایک چھریرے بدن کے خوبصورت نوجوان ہیں۔ یورپین لباس پہنتے ہیں۔ پہلے انہوں نے قانونی پیشہ کیلئے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن جب وطن نے جوش مارا۔ انہوں نے اس بات کی تائید میں لکچر دینے شروع کئے کہ گورنمنٹ نے مصر میں عرابی پاشا کی بغاوت کے وقت فوج بھیجتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ جب امن ہو جائیگا۔ تو مصر خالی کر دیا جائیگا۔ لیکن اب اس بات کو مدت طویل گذر چکی ہے۔ اور مصر میں ہر طرح سے امن ہو چکا ہے اب انگلینڈ اپنے وعدے کو ایفا کرے۔ یہ عربی زبان کے علاوہ فرانسیسی میں بھی اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بارہا فرانس اور ایک بار جرمنی میں جا کر انہوں نے کئی تقریریں اس بارے میں کیں۔ اور وہاں کے ایڈیٹروں نے ان کی خوب آؤبھگت کی۔ انہوں نے خیر و عافیت کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ تو میں نے کہا۔ اچھا ہے۔ ہم لوگ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہمیں ہر طرح کی اصلاح اور ترقی کی آزادی حاصل ہے۔ جب میں نے انہیں اپنا مطلب بخوبی سمجھا دیا۔

تو انہوں نے کہا۔ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ میں انگریزوں کا دشمن ہوں وہ غلطی کرتے ہیں۔ میں تو ان کے مصر پر قبضہ رکھنے کی ایک پالیسی کا مخالف ہوں۔ ورنہ انگریزوں میں میرے دوست موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لارڈ کرزن کا بیٹا جو جنگ ٹرنسوال میں مارا گیا ہے۔ وہ میرا بڑا دوست تھا۔ میں نے جوانان مصر کی تعلیم قومی خیالات اور خلوص اور کیریکٹر کی نسبت اُن کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ بیشک وہ بہت ہوشیار اور معقول اور اہل خلوص ہیں۔ کیونکہ ہماری ابتدائی تعلیم کی کتابوں میں یہ سب باتیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ ہم ملک اور قوم کے حقوق پہلے سکھلاتے ہیں۔ خاتمہ پر کہا کہ مصر میں کئی شیر غاروں میں سوتے ہیں جو بوقت ضرورت نکل آئیں گے۔ لیکن میرے ہمراہیوں محمد شکری اور عابدین آفندی نے مجھے راستہ میں یقین دلایا کہ مصر کے نوجوان اکثر نالائق ہیں۔ تھوڑی سی فرنچ یا انگلش سیکھ کر ڈگری حاصل کر لینے کے بعد سوائے کھانے شراب پینے اور عیش و عیاشی کے انکا اور کوئی کام نہیں۔ بہر حال مصطفیٰ کامل صاحب ہونہار اور پرجوش آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کا اخبار ترقی کر رہا ہے۔ میرے مصر میں آنے کے بعد مصطفیٰ کامل پاشا کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ ان کے بھی مال لوگ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اسٹینڈرڈ ... اپنے قومی گروہ کے اغراض کی اشاعت کیلئے علاوہ روزانہ لعوا کے ایک فرنچ اور ایک انگریزی روزانہ اخبار نے نامدوا ایجپشین اور دی ایجپشین سٹینڈرڈ جاری کئے ہیں۔ مصر کی آزادی کے لئے کوشش کرنا اور باب عالی کی حمایت مصطفیٰ کامل پاشا کی پالیسی کا خلاصہ ہے۔

المقطم یہ بھی روزانہ اخبار انگریزی نجفہ مصر کا آرگن ہے۔ فارس نمر ایک مشہور عیسائی اسکا ایڈیٹر ہے۔ یہ اخبار جس میں متانت کا بہت لحاظ رکھا جاتا ہے اندرونی معاملات ملک پر خوب لکھتا ہے۔ گورنمنٹ کی حالت کی پالیسی پر ضرورت آتا ہے وہ ترکوں پر بعض اوقات معقول اعتراض کرتا ہے۔ سب سے مقدم پالیسی اس اخبار کی انگریزوں کی رضا جوئی ہے کیونکہ وہ صاحب خانہ ہیں۔

له صحت نسوں ... [illegible] ... ہوا ہوتا ہے۔

الاہرام — یہ بھی عیسائی روزانہ اخبار ہے جو عام مصری پبلک اور عثمانی پالیسی کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات یہ پرچہ حقوق کا بھی پاس کرتا ہے۔ اور عموماً بے رو و رعایت لکھتا ہے۔

ان کے علاوہ المنیر والظاہر وغیرہ اور کئی ایک روزانہ اور ہفتہ وار پولیٹیکل اخبار بھی قاہرہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ماہوار رسالے الہلال۔ المنار۔ الحیات۔ المقتطف الواء الاسلام وغیرہ کئی نکلتے ہیں۔ کہ جن کی فہرست بہت لمبی ہے۔ ان میں سے میں رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار سے ملا۔ یہ بڑے لائق اور فاضل نوجوان ہیں۔ ہندوستان

المنار — کے اخبارات میں بارہا ان کے بیش بہا رسالہ سے مضامین ترجمہ ہو کر چھپتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسلامی مسائل پر کس لیاقت سے لکھ سکتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو صحابہ کبار کے زمانے کے مسلمانوں کی طرح بنانا چاہتے ہیں۔ السید محمد عبدہ صاحب مفتی دیار مصر آپ کے اعزہ سے ہیں۔ آپ نے ان سے میری

مفتی محمد عبدہ صاحب — ملاقات کرائی۔ مفتی صاحب علوم دینیات میں فاضل اجل ہیں اور زمانہ حال کے حالات سے بھی بے خبر نہیں۔ آپ اپنے اعلیٰ عہدے کی بہت سی ذمہ داریوں کے علاوہ اکثر سرکاری اور غیر سرکاری مجلسوں کے رکن رکین ہیں۔ اور رفاہ عام کے کاموں میں مدد کرنے کے دل سے ساعی رہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے ایک روز مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی کیفیت دریافت کر کے کہا کہ کیا ایسی دنیاوی تعلیم سے طلبا مذہب کو تو نہیں بھول جاتے۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سوائے اسلام کے دیگر ادیان کے نیک لوگ بھی مستحق مغفرت ہیں یا نہیں فرمایا کہ جو نیک بندے خدا کو ایک مانتے ہیں وہ بخشے جائیں گے۔ جنت کے لئے نیک ہونے کی شرط ہے بد مسلمان بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ جو خدا کو واحد نہیں مان سکتے ان کے دماغ صحیح نہیں۔ اور چونکہ نجات کے لئے مرد کامل ہونے کی ضرورت ہے وہ اسکو نہیں پا سکتے اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ آپ نے اپنی تصنیف سے رسالہ التوحید اور تقریر مفتی دیار مصر کے کئی نسخے دیئے۔ ایک روز میں ازہر یونیورسٹی میں درس تفسیر

میں بھی شامل ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ گذشتہ ء میں ایسے علامہ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی صاحب فرانسیسی بول سکتے تھے اور کہتے تھے کہ قصد تھا کہ چھ ماہ انگلستان میں رہ آؤں تاکہ انگریزی بولنا سیکھ لوں۔ اسد جیسے اولوالعزم بزرگ تھے

خدیو المکرم کی ملاقات کا ارادہ

قاہرہ سے رخصت ہونے سے دو روز پہلے رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے مجھے کہا کہ اگر مجھے حضرت خدیو المکرم کی ملاقات کا شوق ہو تو اسکا انتظام کریں۔ چنانچہ اس گفتگو سے تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ایک گاڑی پر سوار ہو کر قصر عابدین میں جا پہنچے۔ آگے ایک پہرہ تھا۔ ہم اس سے آگے بڑھے تو ایک شخص نے ہمیں ایک ویٹنگ روم میں بٹھلا دیا جو آرام کرسیوں اور عمدہ فرش سے آراستہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک اور شخص نے آکر ہمیں ایک اس سے بھی زیادہ پرتکلف کمرہ میں لیجا کر بٹھلا دیا۔ اتنے میں ایک افسر نے آکر اطلاع دی کہ حضور خدیو چار روز کے لئے شہر سے چند میل باہر تشریف رکھتے ہیں۔ اگر ضروری کام ہو تو بذریعہ ٹیلیفون اجازت حاصل کر دوں۔ لیکن چونکہ میں جہاز کا ٹکٹ خرید چکا تھا۔ اور زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا اسلئے ارادہ زیارت فسخ کر دیا۔

لطیف پاشا سلیم حجازی

شکری آفندی صاحب نے اعیان قاہرہ میں سے ایک علم دوست بزرگ لطیف پاشا سلیم حجازی سے ملاقات کرائی۔ پاشاے موصوف کے دل میں قومی درد کا بہت احساس تھا۔ مگر تھے بھی ان پر قومی بدنصیبی کی وجہ سے وفور یاس کا غلبہ تھا۔ اُن کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان خواہ ہند میں ہوں۔ ٹرکی یا مصر یا چین میں سب جگہ نالائق اور ذلیل ہیں۔ اب ریاست مر چکی ہے۔ خدائے تعالے جب تک کسی اور رسول کو ان کے احیا کے لئے نہ بھیجے ممکن نہیں کہ یہ پھر جئیں۔ اب انگریزی یا فرانسیسی پڑھنے۔ مدرسے جاری کرنے۔ جلسے قائم کرنے اور فارن ڈیپوٹیشن بنانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اسقدر مایوسی تو ایمان کے خلاف ہے۔ اسپر پاشا صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کوئی ہندوستان کا مسلمان قرآن کے صحیح مطلب کا انگریزی ترجمہ کر دیتا تاکہ اہل یورپ کو اتنا معلوم ہو کہ مسلمانوں کے

مذہب میں عیسائیوں سے محبت اور ان سے برادرانہ برتاؤ ضروری قرار دیا گیا ہے۔

میرزا ابوالفضل صاحب بہائی

میرزا صاحب بھی لطیف پاشا صاحب کو ملنے آئے ہوئے تھے اور یہیں میری اُن سے ملاقات ہوئی۔ یہ بڑے علامہ اور باخبر آدمی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ گو میں برق ایجاد نہیں کر سکا لیکن برق ایجاد کرنے والوں کو مسلمان کر لیتا ہوں۔ اُسوقت تو مجھے ان کا یہ تجزیہ ناپسند آیا۔ لیکن تاہم مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مرزا صاحب مذہب بہائی کے بڑے نامور خادم ہیں اور انہیں کی کوشش سے اضلاع متحدہ امریکہ کے ہزارہا عیسائی بابی و بہائی بن گئے ہیں۔

رخصت ہونے کے وقت پاشا صاحب نے اپنی تصنیفات سے الفصل بین الحق والباطل ترکی عربی کی دو جلدیں اور خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام کی چار جلدیں مجھے ہدیۃً دیں۔ لطیف پاشا سلیم صاحب قاہرہ کی محکوط عدالت کے آنریری پریسیڈنٹ اور سابق مدیر ضبطیہ جوم وانسپکٹر تعلیم فوجی رہ چکے ہیں۔ اسمٰعیل پاشا اور توفیق پاشا کے زمانہ میں ملک کے انتظام میں آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ شاہی کمیشن کار اور کیا عوام کی نظر میں یہ بڑی عزت رکھتے ہیں۔

شکری آفندی

محمد شکری آفندی صاحب کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔ آپ نے بھی مجھے مصر کے قابل دید مقامات دکھائے اور بعض اشخاص سے ملاقات کرائی۔ پہلے پہل جب میں دفتر المؤید میں گیا تھا تو ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ یہ صاحب دراصل ہندوستانی ہیں۔ مگر اب مدت سے مصر میں سکونت اختیار کر چکے ہیں گھر میں ترکی بیوی ہے۔ انگریزی جانتے ہیں۔ ہندوستانی جو مصر میں جاتے ہیں یہ اُن کی رہنمائی اور ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے اپنے گھر میں دعوت بھی دی۔

اہل مصر کے اطوار و رسم و رواج

چند عجیب مصری خصوصیتیں

(۱) مصری بیماری چشم کا عارضہ بہت ہے۔ معلوم نہیں ملک کی آب و ہوا
میں کچھ خصوصیت ہے یا کیا بات ہے۔ (۲) مصر میں شادی کے متعلق
یہ ایک عجیب رسم ہے کہ جب نکاح کے بعد زفاف ہوتا ہے تو دلہن کے میکے
اور سسرال کی عورتوں کے مجمع میں دولہا کے ہاتھ کی انگلی سے دلہن کی بکارت کا امتحان
کرایا جاتا ہے۔ اگر دولہا اس بیحیائی کے کام سے شرم کرے تو دائی کے ہاتھ سے
اسکی تصدیق کرائی جاتی ہے۔ کیپ کالونی اور ٹرنسوال میں جو ملائی مسلمان آباد
ہیں ان میں بھی ڈاکٹر زوجہ حسین صاحب صابر نے لکھا تھا کہ ایک اسی قسم کی رسم موجود ہے
جو شب زفاف کے بعد نئے جوڑے کے بستر کی چادر سے بکارت کی تصدیق کی جاتی
ہے۔ اور اگر بیوی اس امتحان میں کامیاب نہ نکلے تو دوسری صبح اسکے خاندان کی عورتوں
کے روبرو اسے ذلیل کیا جاتا ہے (۳) مصری اکثر شافعی اور مالکی مذہب کے پیرو ہیں
حنفی بہت کم ہیں۔ اسلئے تمام پانی کے جانور مثل کچھوا اور کیکڑے وغیرہ کے
کھا جاتے ہیں۔ (۴) عام مصری حماموں میں اکثر برہنہ ہو کر غسل کرتے ہیں
اور آپس میں ایک دوسرے سے حجاب نہیں کرتے (۵) مصری شراب بہی کم
پیتے ہیں۔ اور بہت کم ہونگے جو نہ پیتے ہوں (۶) مصری فلاح گو کہیں سے فرود
اور فقیر تاہم ان سے اچھے اور مضبوط رہتے ہیں۔ ہندوستان کی نسبت معاشرت
وہاں بہت اعلےٰ ہے اور آسودگی زیادہ ہے (۷) مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں
مصری فلاح فوجی نوکری سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کاٹ
ڈالتے تھے لیکن اب تک بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے انگوٹھوں کو زخمی کر لیتے ہیں یا
ادویات کے ذریعہ سے کمزور و ناتوان بنا لیتے ہیں تاکہ بھرتی کرنیوالا سرجنٹ انکا
نام فوج میں نہ درج کرے۔ اور اگر ان لوگوں کی یہ شرارت معلوم ہو جاتی ہے تو
انہیں سزا دیجاتی ہے۔ اگر مصری نوجوان کی جنگی بھرتی کا زمانہ قریب ہو مگر

کو جائیں تو ضمانت دیکر جاتے ہیں۔ کہ بھرتی کے وقت واپس آجائینگی۔ وہ ناچ خسر اپنی حکومت جتانے کے لیے اپنی بہو بیچاری کی ہڈیاں اکثر نرم کرتا رہتا ہے۔ اور بوجہ مشترک کنبہ کے طریقہ اور مشرقی حیا شعاری کے شوہر کو اپنی بیوی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

قہوہ خانے و لوکندے

یہاں قہوہ خانوں میں تھوڑے بہت اخبارات بھی پڑھے جاتے ہیں اور خوش گپی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عموماً لوگ نردوں یا لکڑی کے چپٹے پیٹوں سے گنجفہ یا تختہ نرد ہی کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک پیر ہفتاد سالا ایک دس بارہ سال کے لڑکے کے ساتھ بھی بازی کھیل رہا ہے۔ اور دونوں بڑے خوش ہیں۔ لوکندوں میں ہر قسم کا کھانا ملتا ہے۔ ایک روز رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے ایک لوکندہ میں ہی میری دعوت کی۔ اور بہت پر تکلف کھانا کھلایا۔

بخشیش

افسوس ہے کہ بخشیش مانگنے کی بہت بُری رسم یہاں زور سے پھیلی ہوئی ہے۔ جو لوگ کچھ کام کرتے ہیں۔ یا چوکیدار یا ملازم وغیرہ ہیں وہ تو شاید اپنا کچھ حق سمجھتے ہوں۔ لیکن راہ چلتے ایک لڑکا بھی بخشیش مانگ بیٹھتا ہے۔

سلام کا طریقہ

مصر میں سلام کا طریقہ مجھے بڑا عجیب معلوم ہوا۔ دو شخص ایک دوسرے سے ملکر آپس میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ جیسے سلام ہو چکا۔ شام کی طرح یہاں بھی لوگ رخصت کے سلام کے وقت مع السلامہ کہتے ہیں۔ شام میں ملنے کے موقعے پر بعض دفعہ "خاطرکم" بھی کہتے ہیں۔ عیسائی جب ملتے ہیں تو السلام علیکم کے بجائے "سیدی" کہتے ہیں۔ "سیدی و مولائی" کہنے کا تکلف کی گفتگو میں رواج ہے۔ سر آنکھوں پر کے بجائے "بالراس والعین" یا "عینی" بھی کہتے ہیں۔

تکلیف راہ

میں نے مصر سے ایک صندوق عربی کتابوں کا خریدا۔ جس نے مجھے راستہ میں بہت تکلیف دی۔ اور اسپر خرچ بھی اس سے زیادہ ہوا کہ جتنا خود ریل کے اکیلا آنے میں ہوتا۔ جہاز میں لوگوں کے پاس اس سے بھی وزنی اسباب بلا کرایہ موجود تھے۔ لیکن میں نے ناواقفی

ہی وجہ سے ایک پونڈ سے زیادہ اسپر کرایہ خرچ کر دیا۔ قاہرہ میں میں نے سب جہازوں کی کمپنیوں کے کارخانوں میں جاکر معلوم کیا۔ کہ کون جہاز ہندوستان کو جلدی جانے والا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آسٹرین لائیڈ کمپنی کا جہاز اسپیریا تیار ہے میں نے قاہرہ ہی میں ٹکٹ خرید لیا۔ سات بجے شام کو قاہرہ سے چلکر ۱۲ بجے شب کو اسمعیلیہ پہنچے جہاں ریل گاڑی بدلنی پڑی۔ صبح سویز پہنچکر ۹ نومبر کی شام کو جہاز پر سوار ہو گیا۔ سویز

سویز بوجہ نہر سویز کے ایک خاصا قصبہ بن گیا ہے۔ یورپین کانسلوں اور تجارتی کمپنیوں کے مکانات بڑے عالیشان ہیں۔ یہاں بھی قہوہ خانے بڑے تکلف کے ہیں۔ دیسی شہر نئی آبادی سے الگ ہے۔ یہاں کا بندر خراب ہے۔ اور کشتی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنے کے بعد جہاز کے کھڑے ہونے کی جگہ تک پہنچتے ہیں۔ راہ کرایہ گراں ہوجانے کے ۱۵ اکتوبر سے ہندوستان کو جہاز لانے والی سب کمپنیوں نے ایکا کرکے کرایہ جہازوں کا دس فیصدی بڑھا دیا تھا۔ اس جہاز کا دوم درجہ کا کرایہ ۲۰ سے ۱۹ پونڈ ۱ شلنگ اور سوم درجہ کا ۵ پونڈ بمبئی تک تھا۔ اتفاق سے مجھے بعض یورپین مسافر اس جہاز پر ایسے ملے۔ کہ جو میرے ساتھ ہی ہندوستان سے یورپ کو چھ چھ ماہ کی رخصت پر گئے تھے۔ مجھے جہاز پر سوار ہوتے ہی بوجہ قبض بخار ہو گیا۔ جسکے لیے مسہل کرنا پڑا۔ دو روز کے بخار اور مسہل سے طبیعت بہت ضعیف ہو گئی۔ سمندر بہت ٹھنڈا تھا۔ ۱۲ نومبر کی رات کے ۱۲ بجے جہاز نے عدن میں پہنچکر لنگر ڈالا

عدن اور سہ پہر کو لنگر اٹھایا۔ عدن میں اتر کر میں نے بندر کو دیکھا۔ بوجہ نقاہت کے شہر عدن تک جانے کی جرأت نہ پڑی۔ جو بندر سے دو تین میل ہے۔ دھوپ ایک جگہ ایسی سخت تھی۔ کہ دوپہر کو چلنا مشکل تھا۔ یہاں کا مدرسہ میں نے دیکھا۔ جس میں

صومالی طلباء صومالی لڑکے پڑھ رہے تھے۔ مدرس بھی صومالی قوم کا تھا۔ منجملہ دیگر باتوں کے اس نے بتلایا کہ ان لوگوں میں انساب یاد رکھنے کا کیسا رواج ہے۔ دو تین آٹھ آٹھ سال کے بچوں نے مجھے آٹھ آٹھ سات سات اجداد کے نام سنا دیئے خود معلم نے اپنی بیس پشتوں کے نام سلیٹ پر لکھ کر مجھے دے دیئے۔ اور پھر زبانی سنا دیئے

اس سے مجھ کو ایسا مینے اس لئے کہا ہے۔ کہ مجھے شک نہ ہو۔ کہ میں فرضی نام سناتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شمالی جھیل کے قرین ہوتے ہیں۔ اور بعض لڑکے جہازوں کے قریب جاکر جرمنی۔ فرانسیسی۔ انگریزی قسم زبان کے الفاظ اور فقرات سنتے ہیں۔ یاد کرلیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان زبانوں میں ٹوٹی پھوٹی باتیں کرسکتے ہیں۔

معاودت وطن

گر ازین منزل غربت بسوئے خانہ روم | قصد کردم کہ ہم از راہ بمیخانہ روم
تا بگویم کہ چہ کشفم شد ازین سیر و سلوک | بدر صومعہ با بربط و پیمانہ روم
آشنایان رہ عشق گرم خون بخورند | ناکسم گر بشکایت بر بیگانہ روم

حافظ

بمبئی پہنچے — فضل الٰہی سے موسم بہت اچھا تھا۔ اور ۱۲ نومبر کو عدن سے چلکر ۱۹ کی شب کو ۱۰ بجے جہاز بندر بمبئی پر پہنچ گیا۔ شہر بمبئی کی برقی اور گیس کی روشنی دور سے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ عدن سے بہت سے ہندوستانی مسافر تھرڈ کلاس میں سوار ہوئے تھے۔ اور میں نے سنا کہ عدن اور بمبئی کے درمیان ہندوستانیوں کی بہت آمدورفت رہتی ہے۔ بعض لوگ سواحل افریقہ سے بھی عدن میں آجاتے ہیں اور پھر بمبئی کو آتے ہیں۔ بعض مسافر جن کے بمبئی میں مکانات تھے۔ وہ رات کے ۱۱ بجے ہی جہاز سے اتر گئے۔ گو دوسری صبح ۹ بجے پائلٹ کی مدد سے جہاز آہستہ آہستہ چل کر گودی میں پہنچا۔

کسٹم کی تکلیف — یہاں اترنے کے بعد کسٹم (چنگی) کے افسروں نے لوگوں کا مال دیکھنا شروع کیا۔ بہت سے انگریز تو بہت بہت مال کے صندوق لیکر چلے جاتے۔ مگر ان سے کوئی نہ پوچھتا۔ اور ہندوستانیوں کے چھوٹے چھوٹے بکس اور ٹرنک بھی کھلوائے جاتے۔ میرے پاس سات آٹھ روپے قیمت کی قابل محصول اشیا تھیں۔ مجھے ایک شخص نے میرے قلی کی معرفت کہا کہ اگر پانچ روپے دے دو تو گذر جانے دونگا

ورنہ بڑی تکلیف ہوتی۔ آخر وہ شخص تین روپے لینے پر راضی ہو گیا۔ مگر میں نے زنانہ میرے اسباب اشیاء قابل محصول امانت رکھ کر مجھے رسید دے دی گئی۔ اور جس تکلیف سے بعد کے دو روز میں نے محکمہ کسٹم سے اس کلرک سے اس اور اُس کلرک سے اس کلرک کے پاس پھر کر اپنی ان اشیاء کو حاصل کیا اور اُنپر دس گیارہ آنے محصول دیا ہے۔ اگر وہ مجھے پہلے معلوم ہوتی۔ تو میں یقیناً پانچ روپے بھی دیکر خلاصی کرا لیتا۔ محکمہ کسٹم کے ماتحت ملازم لوگوں کو بڑی تکلیف دیتے ہیں اور کام کرنے کی روٹین اتنی لمبی اور پیچیدہ ہے کہ ناواقفوں کو اس سے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کہ جس کے سامنے شرح محصول کسٹم ہیچ ہے۔

بزرگان بمبئی کی قدردانی

بمبئی میں خان صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب جن کا افسوس ہے کہ اسکے بعد انتقال ہو چکا ہے (خدا غریق رحمت کرے بہت اچھے آدمی تھے) ہمارے مولوی عبدالاحد صاحب مترجم عربی و فارسی ہائیکورٹ اور ان کے احباب نے محمڈن کلب کی طرف سے مجھے ایک پارٹی دینے کا اہتمام کر رکھا تھا لیکن میں نے سخت اصرار سے ان سے معافی حاصل کی۔ تاہم خان صاحب شیخ ابراہیم حافظ کی توجہ سے ۲۱ نومبر کو اخبار مسلم ہیرالڈ کے دفتر میں ان کے احباب خاص کے ایک مجمع میں ایک پر تکلف ٹی پارٹی دی گئی۔ اور مجھے بمبئی کی رسم کے مطابق پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اسی روز جسٹس بدرالدین طیب جی صاحب سے (افسوس ہے کہ طیب جی صاحب کا بھی اس زمانہ میں انتقال ہو چکا ہے۔ ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا)

اسلام کلب میں شام کے ۵ بجے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا تو پھر خان صاحب شیخ ابراہیم حافظ صاحب اور ان کے دوست ڈاکٹر غلام محمد خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ہر چند کہ میرا اس تک ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے اصرار سے مجھے کل شام کو ان کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ ۶ بجے شام دعوت کا وقت تھا۔ اور ۹½ بجے ریل ہندوستان کو روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے میں اسباب

گاڑی پر ساتھ ہی لیکر کھانا کھانے کو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی فیاضی سے ایک پر تکلف دعوت تیار کی تھی۔ جسکا مجھے پہلے خیال بھی نہ تھا۔ اسمیں بمبئی کے کئی نامی گرامی رئیس اور نامور مسلمان مدعو تھے۔ جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔ بدرالدین صاحب۔ عبداللہ نور ممبر میونسپل کارپوریشن۔ قاضی محمد علی صاحب لنڈے قاضی بمبئی۔ سردار عبدالعلی خانصاحب خان بہادر انسپکٹر پولیس بمبئی۔ حاجی محمد آیا سیٹھ صاحب رئیس بمبئی۔ مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم ہائی کورٹ۔ شجاع الدین صاحب بلگرامی۔ منشی محمد امین صاحب ایڈیٹر مسلم ہیرالڈ۔ خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ کنٹراکٹر۔ خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب۔ مولوی عبدالودود صاحب ایڈیٹر نیر اعظم۔ میرزا حسین خانصاحب سالسٹر میزبان ڈاکٹر غلام سرور خانصاحب۔

ریل کے وقت کی تنگی کیوجہ سے میں صاحب میزبان کا کافی شکریہ بھی ادا نہ کرسکا۔ کہ سٹیشن کو مولوی عبداللہ احمد اور ڈاکٹر فضل احمد صاحبان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ ۹ بجے شام کو گاڑی روانہ ہوئی۔ ۱۰ بجے صبح کے احمد آباد پہنچی۔ دوسرے روز ۹ بجے صبح باندیکوئی اور ۴ بجے شام کو دہلی پہنچی۔ میرے ہمسفر یار دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک آئے برکت دکھینی دہلی اور مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ سٹیشن پر منتظر تھے حافظ صاحب کے یہاں شام کو کھانا کھایا۔ اور ۱۰ بجے ہی سہارنپور کو جانیوالی گاڑی پر سوار ہوگیا۔ صبح گاڑی انبالہ پہنچی۔ میرے بعض محب کل ہی انبالہ تک میرے ملنے کے لئے لاہور سے آکر لوٹ گئے تھے۔ کیونکہ بمبئی سے جو پہلے اطلاع روانگی کی دے دی تھی۔ اس کے مطابق میں نہیں روانہ ہوا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بہی افسوس ہوا کہ لودیانہ کے احباب بھی اسی طرح سٹیشن سے ملاقات کرسکنے کے سوائے لوٹ گئے۔ امرتسر کے احباب کا مجمع اسی روز ۱۱ بجے کی میل پر جمع ہوا تھا لیکن مجھے اسمیں نہ پاکر بڑی مایوسی سے لوٹ گیا۔ اور پھر بعض محبان صمیم مثل شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و شیخ غلام محمد صاحب مالک دار ایڈیٹر وکیل و شیخ محمد عمر صاحب بیرسٹر و شیخ امام الدین صاحب وغیرہ وغیرہ کہ جن کے نام یہاں درج نہیں ہوسکتے تھے جنکی

توجہ کا میں بدل مشکور ہوں۔ آج پھر سٹیشن پر مجھ سے ملنے کو تشریف لائے۔ جب میری گاڑی لاہور پہنچی۔ سٹیشن پر میرے عزیزوں، دوستوں، مہربانوں اور ہندو و مسلمان روساء شہر کا بہت بڑا مجمع تھا۔ پلیٹ فارم پر اسقدر ہجوم تھا۔ کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ میں متعجب ہو رہا تھا۔ کہ میں نے کونسا ایسا کام کیا ہے کہ میرے اہل وطن اور دوست اسقدر مجھ پر مہربان ہیں۔ مجھے پھولوں سے لاد دیا ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کی محبت اور مہربانی کا نتیجہ تھا۔ سٹیشن سے میری گاڑی کے ہمراہ ایک لمبی قطار دوستوں کی گاڑیوں کی کارخانہ پیسہ اخبار تک آئی۔ مکان کا وسیع صحن فرش اور فرنیچر سے آراستہ تھا۔ یہاں سب بزرگوں کی ریفرشمنٹ سے تواضع کی گئی۔ حاضرین میں سے اسی وقت بعض نے خیال ظاہر کیا۔ کہ میں اپنے سفر کے کچھ حالات سنا کر بیان کروں۔ چونکہ تین شب روز سے بلا وقفہ بمبئی سے سفر کرتا ہوا آرہا تھا اور ماندگی کے سبب عذر کیا۔ شیخ عبدالقادر صاحب بی اے ایڈیٹر ابزرور نے بحیثیت سیکرٹری انجمن اسلامیہ کے اپنی طرف سے اور نیز منشی شمس الدین صاحب سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ ان دونوں انجمنوں کی طرف سے سپاسنامے لاہور پہنچنے کے وقت احباب کو سٹیشن تک تشریف لانے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔ اور نیز شیخ صاحب نے میری طرف سے عذر کیا کہ یہ ابھی تھکے ہوئے ہیں۔ کسی دوسرے موقعے پر اپنے حسب تجربات سفر بیان کرینگے۔ چنانچہ یہ لکچر ۲۳ دسمبر کو بروز یکشنبہ ۳ بجے سہ پہر کے اسلامیہ کالج لاہور میں۔ اور دوسری مرتبہ دفتر ٹریبیون میں زیر صدارت پروفیسر آرنلڈ صاحب دیا گیا۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ میری سفر کی آرزو میں بخوبی پوری ہوئی۔ اور میں اس قدر دور و دراز ممالک سے بخیریت وطن میں واپس پہنچا۔

والله الحمد

تمام شد